انتخاب

زیر نظر

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

تفسیر نمونہ جلد سوم

ترجمہ

حجۃ الاسلام والمسلمین

علامہ سید صفدر حسین نجفی رح

انتخاب و تلخیص

حجۃ الاسلام والمسلمین

مولانا سید فیاض حسین نقوی دام ظلہٗ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:	انتخاب تفسیر نمونہ
تالیف اصل تفسیر نمونہ:	زیر نظر حضرت آیۃ حضرت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی
ترجمہ اصل تفسیر نمونہ:	حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی قدس سرہ
انتخاب وتلخیص:	مولانا سید فیاض حسین نقوی (جامعہ علمیہ ڈیفنس کراچی)
جلد:	سوم
طبع اول:	2007ء
طبع ثانی:	2012ء
کمپوزنگ:	مجاہد حسین حر۔0345-2401125
ناشر:	مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور۔ پاکستان
قیمت مکمل سیٹ	3000روپے

اس کتاب کی اشاعت کیلئے مدینۃ العلم مشن کراچی نے بطور قرضِ حسنہ تعاون فرمایا ہے ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ان کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے اوران کے مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ ادارہ۔

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

عرض ناشر

قارئین محترم!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عرصہ دراز سے دورِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس ٹرسٹ نے اپنے آغاز کار میں موجودہ دور کی شہرہ آفاق تفسیر۔۔۔تفسیر نمونہ۔۔۔کو فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کروا کے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر محسن ملت حضرت علامہ سید صفدر حسین نجفی قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کی غیر معمولی مساعی، مالی معاونین کی فراخدلانہ اعانت اور کارکنان کی شبانہ روز محنت کی بدولت پانچ ہی سال کے قلیل عرصے میں کم وبیش دس ہزار صفحات پر محیط یہ تفسیر صوری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ستائیں جلدوں (مختصراً پندرہ جلدیں موجودہ) میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کرلی۔شکراًللہ

اس ادارے نے نہ صرف تفسیر نمونہ کے عظیم منصوبے کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پایا تکمیل تک پہنچایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بیسیوں علمی کتب کے علاوہ سید العلماء السید علامہ علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ کی سات جلدوں (مختصراً تین جلدیں موجودہ) پر مشتمل تفسیر فصل الخطاب شائع کی۔اردو زبان کو پہلی مرتبہ تفسیر قرآن کے جدید اسلوب سے روشناس کراتے ہوئے تفسیر موضوعی کے دو طویل سلسلوں یعنی ''پیام قرآن'' از آیت اللہ العظمٰی ناصر مکارم شیرازی اور ''قرآن کا دائمی منشور'' از آیت اللہ جعفر سبحانی کی اشاعت کو بھی تیزی سے مکمل کیا۔

تفسیر نمونہ چونکہ بلا امتیاز پوری امت مسلمہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے بیدار وتیار کرنے کیلئے لکھی گئی ہے'لہٰذا سبھی مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔یہی وجہ ہے کہ ہر جلد کے کئی ایڈیشن شائع ہونے کے باوجود اس کی طلب میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ ادارہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہا ہے۔بعض باذوق اہل علم کی تجویز پر ہم نے تفسیر نمونہ کی طباعت کے ضمن میں ایک مفید تبدیلی کرتے ہوئے، اسے ستائیں جلدوں کی بجائے پندرہ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا ہے تاکہ قارئین محترم کیلئے مزید آسانیاں پیدا کی جاسکیں۔

پندرہ جلدوں میں تفسیر پیش کرنے کے بعد حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید فیاض حسین نقوی پرنسپل جامعہ علمیہ کراچی کو زحمت دی گئی کہ پانچ جلدوں میں اس کی تلخیص فرمائیں۔ یاد رہے کہ ایران میں فارسی زبان میں تلخیص کی گئی ہے لیکن اس سے پہلے مولانا موصوف خلاصہ مکمل کر چکے تھے۔مزید برآں مصباح القرآن ٹرسٹ کی ویب سائٹ ''اَپ لوڈنگ'' کے مراحل میں ہے۔بہت جلد آپ ہماری تمام کتب ہماری ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکیں گے۔ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہر نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	سورہ حجر کے مضامین	۲
	بے بنیاد آرزوئیں	۳
	فرشتوں کے نزول کا تقاضا	۴
	قرآن کی حفاظت	۵
	ہٹ دھرمی اور محسوسات کا انکار	۶
	استہزاء کی وجوہات	۷
	شیطان شہاب کے ذریعے ہانکے جاتے ہیں	۸
	ہر چیز کا خزانہ ہمارے پاس ہے	۹
	ہوا اور بارش	۱۱
	خلقت انسان	۴۱
	بہشت کی آٹھ نعمتیں	۷۱
	انجانے مہمان	۲۰
	قوم لوط کے گنہ گاروں کا انجام	۳۲
	دو ظالم قوموں کا انجام	۶۲
	اصحاب الایکه کون ہیں؟	۶۲

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	تقسیم اور نکتہ چینی کرنے والے	۹۲
	اپنا مکتب واضح طور پر بیان کرو	۳۱
	سورہ نحل کے مضامین	۳۴
	سورہ نحل کی فضیلت	۳۴
	حکم عذاب قریب ہے	۳۵
	جانوروں کے گوناگوں فائدے	۳۶
	سب چیزیں انسان کے دست تسخیر میں ہیں	۳۹
	زیتون، کھجور اور انگور ہی کا ذکر کیوں؟	۴۰
	پہاڑ، دریا اور ستارے نعمت ہیں	۴۲
	مردہ اور بے شعور معبود	۴۵
	جو دوسروں کے گناہ اپنے کندھے پر لاد لیتے ہیں	۴۸
	نیک لوگوں کا انجام	۵۱
	انبیاء کی ذمہ داری واضح تبلیغ ہے	۵۳
	معاد اور اختلافات کا خاتمہ	۵۵
	مہاجرین کی جزا	۵۷

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	نہیں جانتے تو پوچھ لو	۵۸
	مختلف گناہوں کی مختلف سزائیں	۵۹
	سائے تک اللہ کے حضور سجدہ ریز ہیں	۶۰
	ایک دین اور ایک معبود	۶۱
	جہاں بیٹی کو باعث رسوائی سمجھا جاتا تھا	۶۴
	عورت کے مقام کے احیاء میں اسلام کا کردار	۶۵
	خدا فوراً سزا کیوں نہیں دیتا؟	۶۷
	پانی پھل اور حیوانات	۶۹
	شہد کی مکھی اور وحی الٰہی	۷۰
	رزق میں اختلاف کا سبب	۷۱
	خدا کیلئے شبیہ کا عقیدہ نہ رکھو	۷۳
	مومن اور کافر کیلئے مثالیں	۷۴
	طرح طرح کی مادی اور روحانی نعمتیں	۷۷
	سائے، گھر اور لباس	۷۹
	جب بدکاروں کو کوئی راہ سجھائی نہ دے گی	۸۱
	نہایت جامع معاشرتی پروگرام	۸۳
	عہد و پیمان ایمان کی دلیل	۸۵

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	حیات طیبہ کی بنیاد	۸۸
	قرآن اس طرح سے پڑھو	۹۰
	رسوا کن جھوٹ	۲۹
	اسلام کی نگاہ میں جھوٹ کی قباحت	۹۳
	اسلام سے پھر جانے والے (مرتدین)	۹۵
	جنہوں نے کفران نعمت کیا اور گرفتار عذاب ہوئے	۹۸
	جھوٹے کبھی فلاح نہیں پائیں گے	۱۰۰
	ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک امت تھے	۱۰۳
	مخالفین کے مقابلے میں دس اہم اختلافی احکام	۱۰۶
	سورہ بنی اسرائیل	۱۱۱
	نام اور مقام نزول	۱۱۲
	سورہ بنی اسرائیل کی فضیلت	۱۱۲
	مضامین ایک نگاہ میں	۱۱۲
	معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۱۳
	دو عظیم طوفانی واقعات	۱۱۵
	بنی اسرائیل کے دو تاریخی فسادات	۱۱۷
	سعادت کا بالکل سیدھا راستہ	۱۱۸

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	چار اہم اسلامی اصول	۱۲۱
	عذاب الٰہی کے چار مرحلے	۱۲۲
	طالبان دنیا اور طالبان آخرت	۱۲۴
	توحید اور ماں باپ سے حسن سلوک	۱۲۷
	منطق اسلام میں والدین کا احترام	۱۲۸
	انفاق وبخشش میں اعتدال	۱۳۲
	چھ اہم احکام	۱۳۴
	حرمت زنا کا فلسفہ	۱۳۵
	صرف علم کی پیروی کرو	۱۳۸
	مشرک نہ بنو	۱۴۰
	وہ حق سے کیونکر فرار کرتے ہیں؟	۱۴۲
	جاہل مغرور	۱۴۴
	قیامت یقینی ہے	۱۴۶
	تمام مخالفین سے منطقی طرز عمل	۱۴۸
	بہانہ سازوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرو	۱۵۱
	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب اور شجر ملعونہ	۱۵۳
	شیطان کے جال	۱۵۴

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	نعمتوں کے باوجود کفران کیوں؟	۱۵۶
	انسان گلشن حیات کا بہترین پھول	۱۵۸
	انسان کیوں افضل ہے؟	۱۵۹
	رہبری اسلام کی نظر میں	۱۶۰
	شرک کیلئے تھوڑے سے جھکاؤ کی سزا	۱۶۱
	ایک اور منحوس سازش	۱۶۳
	باطل کا انجام نابودی ہے	۱۶۴
	نماز تہجد ایک عظیم روحانی عبادت ہے	۱۶۵
	قرآن شفا بخش نسخہ ہے	۱۶۸
	ہر شخص اپنی فطرت کی راہ لیتا ہے	۱۶۸
	روح کیا ہے؟	۱۶۹
	تجھے جو کچھ حاصل ہے اسکی رحمت سے ہے	۱۷۰
	قرآن کی مثل کبھی نہیں لائی جا سکتی	۱۷۱
	طرح طرح کے بہانے	۱۷۴
	حقیقی ہدایت یافتہ	۱۷۷
	معاد کیونکر ممکن ہے؟	۱۷۹
	نشانیوں کے باوجود وہ ایمان نہ لائے	۱۸۱

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	عاشقان حق	۱۸۲
	خدا کے مختلف ناموں کا بہانہ	۱۸۴
	سورہ کہف کے مضامین	۱۸۸
	سورہ کہف کی فضیلت	۱۸۸
	حمد اور ستائش الٰہی سے آغاز	۱۸۹
	غم نہ کرو...... یہ دنیا آزمائش گاہ ہے	۱۹۱
	اصحاب کہف	۱۹۳
	داستان اصحاب کہف کی تفصیل	۱۹۴
	اصحاب کہف کا اہم مقام	۱۹۵
	ایک طویل نیند کے بعد بیداری	۱۹۸
	اصحاب کہف کے واقعے کا اختتام	۲۰۰
	اصحاب کہف کی نیند	۲۰۳
	اس واقعے کے تربیتی اور تعمیری پہلو	۲۰۴
	پاک دل غریب لوگ	۲۰۶
	مستضعفین کے مقابلے میں مستکبرین کا موقف	۲۰۸
	مستضعفین کا جواب	۲۱۰
	تکبر و شرک کا انجام	۲۱۲
	زندگی کی ابتدا و انتہا کیلئے ایک مثال	۲۱۳
	ہائے ہماری شامت! یہ کیسی کتاب ہے	۲۱۵
	شیطانوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ	۲۱۷
	گویا وہ عذاب کے منتظر ہیں	۲۱۹
	عذاب الٰہی میں جلدی نہیں ہوسکتی	۲۲۱
	خضر اور موسیٰ علیہما السلام کی حیرت انگیز داستان	۲۲۳
	عظیم استاد کی زیارت	۲۲۵
	خدائی معلم اور یہ ناپسندیدہ کام؟	۲۲۷
	حضرت خضر علیہ السلام کے ناپسندیدہ کاموں کا راز	۲۳۰
	موسیٰ و خضر علیہما السلام کی داستان سے حاصل ہونے والے دروس	۲۳۱
	ذوالقرنین کی عجیب کہانی	۲۳۴
	ذوالقرنین نے دیوار کیسے بنائی؟	۲۳۷
	داستانِ ذوالقرنین کے تاریخی اور تربیتی نکات	۲۳۸
	بے ایمانوں کا ٹھکانا	۲۴۱
	دوسرے جہان کے آغاز کی دو تبدیلیاں	۲۴۱
	سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟	۲۴۳

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	جولقائے الٰہی کی اُمید رکھتے ہیں	۲۴۶
	سورہ مریم کے مضامین	۲۵۰
	سورہ مریم کی فضیلت	۲۵۰
	حضرت زکریا علیہ السلام کی پر اثر دعا	۲۵۱
	زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی	۲۵۳
	حضرت یحیٰ علیہ السلام کی شہادت	۲۵۶
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت	۲۵۷
	مریم علیہا السلام سخت طوفانوں کے تھپیڑوں میں	۲۶۰
	حضرت مسیح علیہ السلام کی گہوارے میں باتیں	۲۶۲
	کیا خدا کا بیٹا ممکن ہے؟	۲۶۴
	قیامت' حسرت کا دن	۲۶۵
	ابراہیم علیہ السلام کی مؤثر منطق	۲۶۷
	شرک اور مشرکین سے دوری کا نتیجہ	۲۶۹
	موسیٰ علیہ السلام ایک مخلص و برگزیدہ پیغمبر	۲۷۱
	اسماعیل علیہ السلام صادق الوعد پیغمبر	۲۷۲
	پیغمبرانِ خدا سچے تھے لیکن	۲۷۳
	جنت کی توصیف	۲۷۵
	پیغمبرانِ خدا تو حکم کے بندے ہیں	۲۷۶
	دوزخیوں کی کچھ توصیف	۲۷۸
	کیا سب جہنم میں جائیں گے؟	۲۷۹
	ایک بیہودہ اور انحرافی خیال	۲۸۲
	شفاعت کیسے لوگ کر سکتے ہیں؟	۲۸۴
	خدا اور اولاد کا ہونا؟	۲۸۶
	ایمان محبوبیت کا سرچشمہ ہے	۲۸۷
	سورہ طٰہ کے مضامین	۲۹۰
	سورہ طٰہ کی فضیلت	۲۹۰
	خودکو اتنا مشقت میں نہ ڈالو	۲۹۲
	بیابان میں آگ کا شعلہ	۲۹۴
	موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا	۲۹۷
	موسیٰ علیہ السلام کے بچے تلے تقاضے	۲۹۸
	کتنا مہربان خدا ہے!	۳۰۱
	جابر فرعون کے ساتھ پہلی ٹکر	۳۰۵
	تمہارا پروردگار کون ہے؟	۳۰۷
	آخری مقابلے کیلئے فرعون کی تیاری	۳۱۰

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	موسیٰ علیہ السلام بھی میدان میں آ جاتے ہیں	۳۱۳
	موسیٰ علیہ السلام کی عظیم کامیابی	۳۱۶
	بنی اسرائیل کی نجات اور فرعونیوں کا غرق ہونا	۳۱۸
	نجات کی واحد راہ	۳۲۰
	سامری کا شور وغوغا	۳۲۲
	سامری کا عبرت ناک انجام	۳۲۶
	ان کے کندھوں پر بدترین بوجھ..........	۳۲۹
	قیامت کا ہولناک منظر..........................	۳۳۱
	علم میں اضافے کی دعا..........................	۳۳۳
	شیطان کی فریب کاری	۳۳۵
	تنگ زندگی	۳۳۷
	گزشتہ لوگوں کی تاریخ سے عبرت حاصل کرو	۳۳۹
	سورہ انبیاء کے مضامین	۳۴۴
	سورۂ انبیاء کی فضیلت..........................	۳۴۴
	تمام پیغمبر نوع بشر میں سے تھے..........	۳۴۸
	ظالم عذاب کے چنگل میں کیسے گرفتار ہوئے؟	۳۵۰
	آسمان وزمین کی خلقت کھیل نہیں ہے	۳۵۱

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	شرک، خیال آرائی سے شروع ہوتا ہے	۳۵۳
	فرشتے مکرم اور فرمانبردار بندے ہیں	۳۵۵
	جہان ہستی میں خدا کی نشانیاں..........	۳۵۸
	موت سب کے لئے ہے........................	۳۶۰
	انسان جلد باز مخلوق ہے........................	۳۶۱
	قیامت میں عدل کے ترازو....................	۳۶۵
	انبیاء کی کچھ داستانیں........................	۳۶۷
	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کی نابودی کیلئے منصوبہ	۳۶۸
	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دندان شکن دلیل	۳۷۱
	آگ گلزار ہوگئی	۳۷۳
	بت پرستوں کی سرزمین سے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت	۳۷۵
	بروں کے علاقوں سے لوط علیہ السلام کی نجات	۳۷۶
	متعصب وہٹ دھرم لوگوں سے نوح علیہ السلام کی نجات	۳۷۷
	داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ	۳۷۸
	ہوائیں سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان..........	۳۸۰
	حضرت ایوب علیہ السلام کی مشکلات سے نجات	۳۸۱
	اسماعیل، ادریس اور ذاالکفل علیہم السلام کا مقام صبر وشکیبائی	۳۸۲

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
	یونس کی وحشتناک زنداں سے رہائی......	۳۸۲
	زکریا علیہ السلام تنہا نہ رہے..............................	۳۸۳
	مریم علیہا السلام پاک دامن خاتون	۳۸۴
	ایک امت کفار قیامت کے آستانے پر......	۳۸۶
	جہنم کا ایندھن	۳۸۸
	جب آسمانوں کو لپیٹ دیا جائے گا	۳۹۰
	زمین کی حکومت صالحین کے لئے ہوگی	۳۹۱
	عالمین کے لئے پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۳۹۲
	سورۂ حج کے مضامین اور مطالب......	۳۹۶
	سورہ حج کی تلاوت کی فضیلت..........	۳۹۷
	قیامت کا وحشت ناک زلزلہ.....................	۳۹۷
	شیطان کے پیروکار.................................	۳۹۸
	نباتات وانسان کی پیدائش میں قیامت کے دلائل	۴۰۰
	کج بحثی کرنے والوں کے بارے میں	۴۰۲
	کفر کے گڑھے کے کنارے کھڑے لوگ	۴۰۳
	قیامت..............................تمام اختلافات کے خاتمے کا دن..............................	۴۰۵

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
	عالم کی تمام موجودات اسکی بارگاہ میں سربسجود ہیں..	۴۰۶
	دو مد مقابل گروہ....................................	۴۰۸
	حج کے لئے دعوت عام..................................	۴۱۰
	مناسک حج کا ایک اور اہم حصہ...................	۴۱۲
	شعائر اللہ کی تعظیم علامت تقویٰ ہے......	۴۱۴
	بردبار لوگوں کے لئے بشارت	۴۱۵
	قربانی کیوں کی جاتی ہے؟..................................	۴۱۷
	جہاد کا پہلا حکم..	۴۲۰
	تشریح جہاد کا فلسفہ..	۴۲۰
	ظالم اور جابر کے خلاف مظلوم کا جہاد..............	۴۲۲
	طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد........................	۴۲۲
	لاوارث کنویں اور فلک بوس محل......................	۴۲۲
	سیر وسیاحت اور دلوں کی بیداری......................	۴۲۴
	رزق کریم	۴۲۵
	انبیاء علیہم السلام کے خلاف شیطانی وسوسے	۴۲۶
	رزق حسن..	۴۲۸

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	کامیاب و کامران کون ہے؟	۴۳۰
	کائنات میں اللہ کی نشانیاں	۴۳۱
	ہر امت کے لئے ایک عبادت مقرر ہے	۴۳۳
	مکھی سے بھی کمزور معبود	۴۳۵
	پانچ اہم اور تعمیری احکام	۴۳۸
	سورہ مؤمنون کے مندرجات	۴۴۲
	سورہ مؤمنون کی فضیلت	۴۴۲
	مومنین کے نمایاں اوصاف	۴۴۳
	رحم مادر میں جنین کے ارتقائی مراحل	۴۴۶
	توحید کی نشانیوں کا ایک بار پھر تذکرہ	۴۴۸
	کوردل مغروروں کی منطق	۴۵۰
	ایک باغی قوم کا انجام	۴۵۲
	قوم ثمود کا عبرت ناک انجام	۴۵۴
	سرکش اقوام کی یکے بعد دیگرے ہلاکت	۴۵۶
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام اور فرعونیوں کی تباہی	۴۵۸
	اللہ کی ایک اور نشانی	۴۵۹
	سب ایک امت ہیں	۴۶۰

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	بھلائیوں میں سبقت کرنے والے	۴۶۱
	جہالت میں ڈوبے ہوئے دل	۴۶۳
	منکرین کی بہانہ سازیاں	۴۶۵
	رہبر کی صفات خدا	۴۶۷
	مختلف طریقوں سے بیدار کرتا ہے	۴۶۸
	فیصلہ تمہارا ضمیر کرے	۴۷۰
	شرک دنیا کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے	۴۷۲
	شیطانی وسوسوں سے پناہ بخدا	۴۷۳
	ناممکن تقاضا	۴۷۴
	بدکرداروں کی سزا کا ایک گوشہ	۴۷۶
	خدا سے غفلت کا نتیجہ	۴۷۸
	اس دنیا کی عمر تھوڑی ہے	۴۸۰
	سورہ نور کے مضامین	۴۸۴
	سورہ نور کی فضیلت	۴۸۵
	زانی مرد اور زانی عورت کی سزا	۴۸۵
	تہمت کی سزا	۴۸۷
	بیوی پر تہمت لگانے کی سزا	۴۸۹

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	ایک بہت بڑی تہمت	۴۹۱
	برائیوں کی اشاعت ممنوع ہے	۴۹۴
	جزاوسزا حساب واستحقاق کے مطابق ہوگی	۴۹۶
	کند ہم جنس باہم جنس پرواز	۴۹۸
	بغیراجازت لوگوں کے گھروں میں نہ جاؤ	۴۹۹
	بے پردگی اور بے حیائی کے خلاف اقدام	۵۰۲
	آسان شادی بیان کی ترغیب	۵۰۶
	آیت نور	۵۰۹
	سراب کی طرح کے اعمال	۵۱۲
	سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں	۵۱۳
	کچھ عجائبات خلقت	۵۱۵
	ایمان اور خدا کے فیصلے پر سر تسلیم خم	۵۱۷
	حق پر ایمان اور تسلیم کامل	۵۱۹
	مستضعفین کی عالمی حکومت	۵۲۱
	عذاب الٰہی سے فرار ممکن نہیں	۵۲۳
	والدین کے کمرے میں آنے کے آداب	۵۲۵
	جن گھروں میں جا کر کھانا کھانا جائز ہے	۵۲۷

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا نہ چھوڑو	۵۳۱
	سورہ فرقان کے مضامین	۵۳۴
	سوررہ فرقان کی فضیلت	۵۳۴
	معرفت کا بہترین معیار	۵۳۵
	طرح طرح کی تہمتیں	۵۳۶
	خزانے اور باغات کیوں نہیں؟	۵۳۹
	بہشت اور دوزخ کا موازنہ	۵۴۱
	معبودوں اور گمراہ پجاریوں کا مقدمہ	۵۴۳
	تمام پیغمبر نوع انسانی سے تھے	۵۴۵
	بہت بڑے دعوے	۵۴۶
	جب آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائیگا	۵۴۸
	برے دوست نے گمراہ کیا	۵۵۰
	خدا وندا! لوگوں نے قران کو چھوڑ دیا	۵۵۱
	درس عبرت سے لا پروائی	۵۵۴
	اصحاب الرس	۵۵۵
	جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ	۵۵۶
	سائے کی حرکت	۵۵۸

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	دو مختلف سمندر ساتھ ساتھ	۵۶۱
	میری اجرت تمہاری ہدایت ہے	۵۶۳
	خدا کے خاص بندوں کی صفات	۵۶۷
	دعا کی اہمیت	۵۷۳
	سورہ شعراء کے مندرجات	۵۷۶
	سورہ شعراء کی فضیلت	۵۷۷
	وہ ہرنئی چیز سے خوف کھاتے ہیں	۵۷۷
	نباتات میں زوجیت	۵۷۹
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا آغاز	۵۸۱
	فرعون سے معرکۃ الآرا مقابلہ	۵۸۴
	دیوانگی کی تہمت اور قید کی دھمکی	۵۸۶
	فرعونیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فسادی کا الزام لگانا	۵۸۸
	ہر طرف سے جادوگر پہنچ گئے	۵۹۰
	جادوں گروں کے دل میں نور ایمان چمک اٹھا	۵۹۱
	فرعونیوں کا دردناک انجام	۵۹۶
	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہم دعائیں	۶۰۱
	معبودوں اور گمراہ عابدوں کا جھگڑا	۶۰۴
	نوح علیہ السلام کے گرد افراد	۶۰۷
	نوح علیہ السلام نجات پا گئے اور مشرک غرق ہو گئے	۶۰۹
	قوم عاد کے جرائم اور بے راہروی	۶۱۱
	نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی	۶۱۴
	مسرفین کی اطاعت نہ کرو	۶۱۵
	قوم صالح کی ہٹ دھرمی	۶۱۷
	بے حیا قوم	۶۱۹
	قوم لوط کا انجام	۶۲۱
	شعیب علیہ السلام اور اہل ایکہ	۶۲۳
	سرکش قوم کا انجام	۶۲۵
	گزشتہ کتابوں میں قرآن کی عظمت	۶۲۷
	اگر قرآن کسی عجمی پر نازل ہوتا تو....؟	۶۲۸
	قرآن پاک پر ایک تہمت	۶۳۰
	قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دو	۶۳۲

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر نہیں ہیں..................	٦٣٤
	سورہ نمل کے مضامین..............................	٦٣٨
	سورہ نمل کی فضیلت	٦٣٨
	قرآن ایک حکیم دانا کی طرف سے ہے	٦٣٩
	موسیٰ علیہ السلام آگ کے شعلے کی امید لے کر آئے	٦٤٢
	داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی حکومت	٦٤٤
	حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں..........................	٦٤٦
	ہدہد اور ملکہ سبا کی داستان	٦٤٨
	بادشاہ تباہیاں لاتے ہیں	٦٥١
	مجھے مال کے ذریعہ نہ ورغلاؤ............................	٦٥٣
	پلک جھپکتے ہی تخت موجود	٦٥٤
	"علم من الکتاب" اور "علم الکتاب" میں فرق..................................	٦٥٦
	ملکہ سباء کے دل میں نور ایمان............	٦٥٧
	حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے	٧٥٩
	نو مفسد ٹولوں کی سازش............................	٦٦١
	قوم لوط کی بے راہروی............................	٦٦٢

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
	جہاں پاکدامنی عیب بن جاتی ہے	٦٦٣
	دلائل کے باوجود بھی شرک	٦٦٦
	ان کی سازشوں سے نہ گھبرائیں............	٦٧٠
	اندھے اور بہرے آپ کی بات نہیں مانیں گے	٦٧٢
	زمین کی حرکت......قرآن کا ایک سائنسی معجزہ	٦٧٦
	رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری..................	٦٧٨
	سورہ قصص کے مندرجات	٦٨٢
	سورہ قصص کی تلاوت کی فضیلت..................	٦٨٢
	ارادہ الٰہی ہے کہ مستضعفین کامیاب ہوں	٦٨٣
	موسیٰ علیہ السلام فرعون کی آغوش میں	٦٨٧
	موسیٰ علیہ السلام پھر آغوش مادر میں..................	٦٩٠
	موسیٰ علیہ السلام مظلوموں کے مددگار کے طور پر......	٦٩٣
	موسیٰ علیہ السلام کی مخفیانہ مدین کی طرف روانگی	٦٩٦
	ایک نیک عمل نے موسیٰ علیہ السلام پر بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے	٦٩٨
	حضرت موسیٰ، حضرت شعیب علیہما السلام کے گھر میں	٧٠٠
	وحی کی تابش اول	٧٠٢

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
	موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے میں	۷۰۵
	ظالموں کا انجام	۷۰۶
	یہ غیبی خبریں اللہ نے دی ہیں	۷۰۸
	حق سے گریز کیلئے نو بہ نو بہانے	۷۱۰
	حق طلب اہل کتاب	۷۱۳
	ہدایت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے	۷۱۵
	دنیا کی دلچسپیاں تمہیں فریب نہ دیں	۷۱۶
	وہ لوگ صرف اپنی ہوائے نفس کی پرستش کرتے تھے	۷۱۹
	رات اور دن کا وجود عظیم نعمت ہے	۷۲۳
	بنی اسرائیل کے خود پرست سرمایہ دار	۷۲۵
	نمائش ثروت کا جنون	۷۲۸
	فساد فی الارض اور ہوس اقتدار کا نتیجہ	۷۳۱
	حرم امن خدا کی طرف بازگشت کا وعدہ	۷۳۳
	سورہ عنکبوت کے مضامین	۷۳۸
	سورہ عنکبوت کی فضیلت	۷۳۸
	آزمائش ایک دائمی سنت الٰہی ہے	۷۳۹
	قدرت خدا کی حدود سے فرار ممکن نہیں	۷۴۰
	ماں باپ کی نسبت بہترین نصیحت	۷۴۲
	وہ لوگ جو کامیابیوں میں شریک ہیں مگر مشکلات میں نہیں	۷۴۴
	سرگزشت نوح و ابراہیم علیہما السلام کا ذکر	۷۴۶
	خدا کی رحمت سے مایوس لوگ	۷۴۹
	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مستکبرین کا طرز جواب	۷۵۱
	بے شرم گناہ گار	۷۵۳
	گناہ گاروں کا انجام	۷۵۵
	ظالموں کے ہر گروہ کی سزا مختلف تھی	۷۵۷
	مکڑی کے جالے کی مانند کمزور امید گاہیں	۷۶۰
	نماز اعمال قبیح سے روکتی ہے	۷۶۱
	بحث کیلئے بہترین روش اختیار کرو	۷۶۳
	کیا قرآن بطور معجزہ کافی نہیں ہے؟	۷۶۶
	ہجرت کرنی چاہئے	۷۶۸
	دل میں خدا زبان پر بت	۷۷۱

سورہ حجر

مکہ میں نازل ہوئی

اور اس کی ۹۹ آیات ہیں

سورہ حجر کے مضامین

مفسرین میں مشہور قول کی بناء پر سورہ حجر مکی سورتوں میں سے ہے۔تاریخ القرآن میں فہرست ابن ندیم سے منقول ہے کہ یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکہ میں نازل ہونے والی باون ویں (۵۲ ویں) سورت ہے۔تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس کی ٦٦ آیات ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس سورت سے بالکل وہی پہلی سورتوں والا آہنگ وروش اور لب ولہجہ منعکس ہوتا ہے کیونکہ جیسے ہم کہہ چکے ہیں مکی سورتیں زیادہ تر معارف اسلام میں سے بالخصوص توحید معاد اور مشرکوں گنہ گاروں اور ظالموں کو ڈرانے جیسے موضوعات پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان کیلئے تاریخ کے عبرت آمیز دروس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے اس سورہ کے مضامین کو ان سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔وہ آیات کہ جو مبداء عالم ہستی کے بارے میں ہیں اور اسرار فطرت کے مطالعہ کے ذریعے اس پر ایمان لانے سے مربوط ہیں۔

2۔وہ آیات کہ جن میں معاد وقیامت کا تذکرہ ہے اور جو بدکاروں کیلئے عذاب وسزا سے مربوط ہیں۔

3۔وہ آیات جو قرآن کی اہمیت اور اس آسمانی کتاب کی عظمت کے بارے میں ہیں۔

4۔وہ آیات کہ جو آدم علیہ السلام کی پیدائش شیطان کی سرکشی اور اس کے انجام کے بارے میں ہیں۔تمام انسانوں کے لئے ایک تنبیہ اور صدائے بیدار باش کی حیثیت رکھتی ہیں۔

5۔وہ آیات کہ جو اس مذکورہ تنبیہ کی تکمیل کیلئے حضرت لوط علیہ السلام حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوموں کی سر گذشت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

6۔وہ آیات کہ جن میں انذار وبشارت ہے' موثر پند ونصائح ہیں سرکوب کر دینے والی تہدیدیں ہیں اور جاذب نظر تشویقیں ہیں۔

7۔وہ آیات کہ جن میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیام ومقابلہ کیلئے کہا گیا ہے مخالفین کی شدید مخالفت کے مقابلے میں ان کی دل جوئی کی گئی ہے خصوصاً جبکہ یہ سازشیں ماحول مکہ میں بہت زیادہ اور خطرناک تھیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ	الر۔یہ (آسمانی) کتاب اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں۔
(۲) رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ	(جس وقت) کافر (اپنے اعمال کے برے آثار دیکھیں گے) کس قدر آرزو کریں گے کہ وہ مسلمان ہوتے۔

(۳) ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَ يَتَمَتَّعُوۡا وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ	چھوڑو انہیں وہ کھالیں' فائدہ اٹھالیں اور آرزوئیں انہیں غافل کردیں لیکن وہ بہت جلد سمجھ جائیں گے۔
(۴) وَ مَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ	ہم نے کسی شہر و دیار (کے باسیوں) کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ وہ اجل معیّن (اور تغیر ناپذیر زمانہ) رکھتے تھے۔
(۵) مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ	نہ کوئی امت اپنی اجل سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔

تفسیر

اس سورہ کی ابتداء میں پھر ہمیں حروف مقطعات ''الف، لام، را'' کا سامنا ہے یہ حروف واضح کرتے ہیں کہ آسمانی کتاب کہ جو ساری نوع انسانی کیلئے سعادت کا راستہ کھولنے والی ہے انہی سادہ سے حروف الف باء سے ترتیب پائی ہے اس کا خام مال وہی ہے جو تمام افراد بشر یہاں تک کہ دو تین سالہ بچے کے اختیار میں بھی ہے یہ انتہائی اعجاز ہے کہ ایسے مصالحہ سے اس قسم کا بے نظیر محصول بنایا جائے۔

لہٰذا بلا فاصلہ فرمایا گیا ہے یہ آسمانی کتاب اور واضح قرآن کی آیات ہیں۔

بے بنیاد آرزوئیں

زیر نظر دوسری آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جو ان واضح خدائی آیات کے بارے ہٹ دھرمی اور مخالفت میں اصرار کرتے ہیں فرمایا گیا ہے ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ لوگ اپنے منحوس کفر اندھے تعصب اور ہٹ دھرمی پر پشیمان ہوں گے اور کبھی یہ کافر آرزو کریں گے کہ اے کاش ہم مسلمان ہوتے۔

ہمارا ایک صاحب ایمان اور مجاہد دوست یورپ گیا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اسلام کی خوبیاں ایک عیسائی کے سامنے شمار کیں وہ ایک منصف مزاج آدمی تھا اس نے جواب میں کہا میں سچ سچ تمہیں مبارک باد دیتا ہوں کہ تم اس قسم کے مذہب کے پیروکار ہو۔ لیکن میں کیا کروں' میری زندگی کے حالات اجازت نہیں دیتے کہ میں اپنے مذہب سے دست بردار ہو جاؤں۔

توجہ رہے کہ ان دونوں تفسیروں میں آپس میں کوئی تضاد نہیں ہے اور ممکن ہے آیت کا اشارہ اس جہان میں بھی کفار کے بعض گروہوں کی پشیمانی کی طرف ہو اور اس جہان میں بھی جب کہ وہ مختلف حوالوں سے اس جہان میں لوٹ آنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ اس جہان میں۔

(۳) اس کے بعد قرآن بہت سرزنش کے لہجے میں کہتا ہے اے پیغمبر انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے تا کہ چوپایوں کی طرح کھاتے پھریں اس ناپائیدار زندگی کی لذتیں حاصل کرلیں اور آرزوئیں انہیں اس عظیم حقیقت سے غافل کر دیں لیکن یہ بہت جلدی سمجھ جائیں

گے۔ چونکہ یہ تو جانور ہیں جو اپنے اصطبل گھاس پھوس اور مادی لذات کے سوا کچھ نہیں سمجھتے اور ان کی حرکت بس انہی چیزوں کیلئے ہیں۔

غرور غفلت اور لمبی آرزوں نے ان کے دلوں پر اس طرح سے پردہ ڈال رکھا ہے اور انہیں اپنے میں ایسا مگن کر رکھا ہے کہ اب وہ ادارک حقیقت کی قدرت نہیں رکھتے۔

لیکن جب اجل کا طمانچہ ان کے منہ پر لگا غرور وغفلت کے پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹے اور انہوں نے اپنے آپ کو آستانہ موت پر یا عرصہ قیامت میں پایا تو اس وقت سمجھیں گے کہ کس قدر غفلت میں تھے کس قدر زیاں کار اور بد بخت تھے اور کس طرح انہوں نے اپنا قیمتی ترین سرمایہ خود اپنے ہاتھوں گنوا دیا ہے۔

(۴) اس آیت میں اس بناء پر کہ کہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ مہلت اور لذائذ دنیا سے بہرہ وری کا سلسلہ ختم ہونے والا نہیں مزید ارشاد ہوتا ہے ہم نے کسی گروہ کو کسی شہر میں نابود نہیں کیا مگر یہ کہ وہ اجل معین اور تغیر ناپذیر دور رکھتے تھے۔

(۵) اس آیت میں ہے کہ کوئی امت اور جمعیت اپنی اجل معین سے تجاوز نہیں کر سکتی اور نہ کوئی پیچھے رہ سکتی ہے۔

ہر جگہ یہی سنت الٰہی کارفرما رہی ہے کہ اس نے تجدید نظر بیداری اور آگاہی کیلئے کافی مہلت دی اس نے دردناک حوادث سے بھی دوچار کیا اور وسائل رحمت سے بھی نوازا اس نے ڈرایا بھی اور شوق بھی دلایا وہ خطرے سے خبردار کرتا ہے تاکہ سب پر حجت تمام ہو جائے۔

مگر جب یہ مہلت تمام ہوتی ہے تو حتمی انجام انہیں آ لیتا ہے۔ دیر اور جلدی کا تربیتی مصالح کی خاطر ممکن ہے لیکن.................

(٦) وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ؕ	اور انہوں (کفار) نے کہا: اے وہ شخص (پیغمبر) جس پر ذکر (قرآن) نازل ہوا ہے، بے شک تو دیوانہ ہے۔
(٧) لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	اگر تو سچ کہتا ہے تو ہمارے لئے فرشتے کیوں نہیں لے آتا۔
(٨) مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ	(لیکن انہیں جان لینا چاہئے کہ) ہم فرشتوں کو حق کے بغیر نازل نہیں کرتے اور جس وقت نازل ہوئے تو پھر انہیں مہلت نہیں دی جائیگی۔

تفسیر

فرشتوں کے نزول کا تقاضا

ان آیات میں پہلے تو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دشمنی پر مبنی کفار کے اعتراض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا

ہے انہوں نے کہا اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا ہے ہم یقینی قسم کھاتے ہیں کہ تو دیوانہ ہے۔

پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کے بارے میں ان کے یہ الفاظ انتہائی گستاخی اور جسارت کو مجسم کرتے ہیں۔

ایک طرف تو ''یا ایھا الذی'' (اے وہ شخص) کہا گیا ہے دوسری طرف ''نزل علیه الذکر'' کے الفاظ ہیں کہ جو انہوں نے قرآن کے استہزاء اور انکار کے طور پر کہے ہیں اور تیسری طرف پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کو مجنون قرار دینے کے لفظ ''ان'' اور ''لام'' قسم کے ذریعے ان کی تاکید ہے۔

جی ہاں! جس وقت ہٹ دھرم اور بے مایہ افراد ایک عظیم اور بے مثل عقل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اس کے ساتھ مجنوں کا پیوند لگانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ ان کیلئے تو ان کی اپنی ناتواں عقل ہی میزان ہوتی ہے اور جو کچھ ان کی میزان میں نہ سما سکے وہ ان کی نگاہ میں بے عقلی اور دیوانگی ہے۔

زیرنظر دوسری آیت میں ہے کہ لوگ نہ صرف پیغمبر کی طرف ایسی غیر عاقلانہ نسبتیں دیتے تھے بلکہ بہانہ جوئی کے طور پر کہتے تھے اگر سچ کہتے ہو تو پھر ہمارے لئے فرشتے کیوں نہیں لاتے تا کہ وہ تیری گفتگو کی تصدیق کریں اور ہم ایمان لے آئیں۔

(۸) سابقہ آیت میں ذکر کئے گئے ان لوگوں کے فضول بہانے کا خدا تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے ہم ملائکہ کو سوائے حق کے نہیں بھیجتے۔ اور اگر فرشتے نازل ہوں اور حقیقت ان کے لئے حسی پہلو اختیار کر لے اور اس کے بعد وہ ایمان نہ لائیں تو پھر انہیں مہلت نہیں دی جائے گی اور وہ عذاب الٰہی کے ذریعے نابود ہو جائیں گے۔

دوسرے لفظوں میں معجزہ کوئی بازیچہ اطفال نہیں کہ لوگوں کی من پسند سے رونما ہوتا رہے بلکہ یہ تو اثبات حق کیلئے اور جو لوگ حق کے خواہاں ہیں ان کیلئے یہ امر بقدر کافی ثابت ہو چکا ہے کیونکہ پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم نے قرآن جیسا معجزہ ہاتھ میں ہونے کے باوجود دوسرے معجزات بھی دکھا کر اپنی رسالت کو ثابت کیا تھا۔

(۹) اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ	ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم قطعی طور پر اس کی حفاظت کریں گے۔

تفسیر

قرآن کی حفاظت

کفار نے بہت بہانہ سازیاں کیں۔ یہاں تک کہ پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم اور قرآن کے بارے میں استہزاء کیا۔ گذشتہ آیات میں اس کا ذکر موجود ہے اس کے بعد زیر بحث آیت میں ایک عظیم اور نہایت اہم حقیقت بیان کی گئی ہے یہ بیان حقیقت ایک طرف تو پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کی دلجوئی کیلئے ہے اور دوسری طرف تمام سچے مومنین کے اطمینان کی خاطر ہے ارشاد ہوتا ہے اس قرآن کو کہ جو مایہ تذکر ہے ہم نے نازل کیا ہے اور ہم یقینی طور پر اس کی حفاظت کریں گے۔

ایسا نہیں ہے کہ یہ قرآن کسی یار و مددگار کے بغیر ہے اور وہ اس کے آفتاب وجود کو کیچڑ سے چھپا دیں گے یا اس کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں گے............ یہ تو وہ چراغ ہے جسے حق تعالیٰ نے روشن کیا ہے اور یہ وہ آفتاب ہے جس کے لئے غروب ہونا نہیں ہے۔

یہ چند ایک افراد اور ناتواں گروہ تو معمولی سی چیز ہے اگر دنیا بھر کے جابر اہل اقتدار سیاستدان ظالم منحرف اہل فکر اور جنگ آزما جمع ہو جائیں اور اس کے نور کو بجھانا چاہیں تو وہ بھی ایسا نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے اپنے اوپر لے رکھا ہے۔

تمام شیعہ سنی علماء میں مشہور و معروف یہ ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی اور جو قرآن آج ہمارے ہاتھ میں ہے بالکل وہی قرآن ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا یہاں تک کہ اس میں کوئی لفظ اور کوئی حرف بھی کم یا زیادہ نہیں ہوا۔

(۱۰) وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ فِیۡ شِیَعِ الۡاَوَّلِیۡنَ	اور ہم نے تجھ سے پہلے (بھی) گذشتہ امتوں کے درمیان پیغمبر بھیجے ہیں۔
(۱۱) وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ	کوئی پیغمبر ان کے پاس نہیں آتا تھا مگر یہ کہ وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔
(۱۲) کَذٰلِکَ نَسۡلُکُہٗ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ۙ	ہم اسی طرح قرآن کو مجرموں کے دلوں کے اندر راستہ دیتے ہیں۔
(۱۳) لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ قَدۡ خَلَتۡ سُنَّۃُ الۡاَوَّلِیۡنَ	(لیکن اس کے باوجود) وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور گذشتہ امتوں کی روش بھی اسی طرح تھی۔
(۱۴) وَ لَوۡ فَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِیۡہِ یَعۡرُجُوۡنَ ۙ	اور اگر ہم آسمان سے ان کیلئے کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ مسلسل اس میں اوپر کی طرف جائیں۔
(۱۵) لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُکِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ٪	تو کہیں گے کہ ہماری چشم بندی کی گئی ہے، بلکہ ہمیں (سرتاپا مسحور اور ہم پر) جادو کر دیا گیا ہے۔

تفسیر

ہٹ دھرمی اور محسوسات کا انکار

ان آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کو اپنی دعوت میں درپیش مشکلات کے مقابلے میں تسلی و تشفی کیلئے گذشتہ انبیاء کی

زندگی اور گمراہ متعصب قوموں کے مقابلے میں ان کی مصیبتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے تجھ سے پہلے ہم نے گذشتہ امتوں کے درمیان بھی نبی بھیجے تھے۔

(۱۱) لیکن وہ لوگ ایسے ہٹ دھرم اور سخت مزاج تھے کہ جو پیغمبر بھی ان کے پاس آیا وہ اس کا تمسخر اڑاتے۔

استہزاء کی وجوہات

............انبیاء کی شان وشوکت کو کم کرنے اور حق کے متلاشی اور حق طلب افراد کو ان سے دور کرنے کیلئے۔

............خدائی رسولوں کی منطق کے مقابلے میں ان کی اپنی ناتوانی کی وجہ سے چونکہ وہ لوگ ان کے دندان شکن دلائل کا جواب نہیں دے سکتے تھے لہٰذا تمسخر کا سہارا لیتے یعنی بے منطق نادانوں کا حربہ استعمال کرتے تھے۔

اس بناء پر کہ انبیاء بدعت شکن تھے اور غیر مناسب رسوم ورواج کے خلاف قیام کرتے تھے لیکن جاہل متعصب کہ جو ان غلط رسوم ورواج کو ابدی سمجھتے تھے انہیں اس کام پر تعجب ہوتا تھا اور وہ استہزا کرنے لگتے تھے۔

یہ لوگ اس لئے بھی استہزاء کرتے تھے کہ اپنے خوابیدہ ضمیر کو سلائے رکھیں اور کہیں کوئی ذمہ داری اور مسئولیت ان کے سر نہ آ جائے۔............اس لئے کہ بہت سے انبیاء کے ہاتھ مال دنیا سے تہی ہوتے تھے اور ان کی زندگی سادہ ہوتی تھی جو لوگ اپنے دل کے اندھے پن کی وجہ سے شخصیت کو نئے لباس اعلی سواری اور رنگین زندگی میں منحصر سمجھتے تھے انہیں تعجب ہوتا تھا کہ کیا ایک فقیر اور تہی دست انسان ان دولت مندوں اور خوشحال لوگوں کا رہبر ورہنما ہوسکتا ہے؟ لہٰذا وہ اس کا تمسخر اڑانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

............آخر کار یہ بھی تھا کہ وہ دیکھتے تھے کہ انبیاء کی دعوت قبول کرنے سے ان کی شہوات وخواہشات محدود ہو جائیں گی اور ان کی حیوانی آزادی چھن جائے گی اور ان کیلئے فرائض اور ذمہ داریاں پیدا ہو جائیں گی لہٰذا وہ استہزاء سے کام لیتے تا کہ اپنے آپ کو ان فرائض اور ذمہ داریوں سے بچا سکیں۔

(۱۲) اس آیت میں فرمایا گیا اسی طرح ہم آیات قرآن ان مجرموں کے دلوں میں بھیجتے ہیں۔

(۱۳) زیر نظر تیسری آیت میں ہے کہ ان تمام تبلیغ تاکید منطقی بیان اور معجزات دکھانے کے باوجود یہ متعصب تمسخر اڑانے والے اس پر ایمان نہیں لاتے۔

البتہ یہ انہی پر منحصر نہیں ہے ان سے پہلے گذشتہ اقوام کی بھی یہی روش تھی۔

(۱۴) پھر اس آیت میں ہے کہ شہوات میں غوطہ زنی اور باطل پر ہٹ دھرمی کے باعث ان کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں اور وہ ہمیشہ آسمان کی طرف چڑھیں اور اتریں۔

(۱۵) زیر نظر آخری آیت میں ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہماری چشم بندی کی گئی ہے۔ بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے اور جو کچھ ہم دیکھ رہیں ہیں۔ اس میں قطعاً کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہ جائے تعجب نہیں کہ انسان عناد اور ہٹ دھرمی کے اس درجے پر پہنچ جائے کیونکہ انسان کی پاک روح اور خرابی سے بچی

ہوئی فطرت کہ جوادارک حقائق اور واقعیت کے اصلی چہرے کے مشاہدہ پر قدرت رکھتی ہے گناہ جہالت اور حق سے دشمنی رکھنے کے زیر اثر آہستہ آہستہ تاریکی میں جا گرتی ہے البتہ ابتدائی مراحل میں اسے پاک کرنا پوری طرح ممکن ہے لیکن اگر خدانخواستہ یہ حالت انسان میں راسخ ہو جائے اور ملکہ کی شکل اختیار کرلے تو پھر اسے آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا اور یہ وہ مقام ہے کہ حق کا چہرہ انسان کی نظر میں دگرگوں ہو جاتا ہے یہاں تک کہ محکم ترین عقلی دلائل اور واضح ترین حسی براہین اس کے دل پر اثر نہیں کرتے اور اس کا معاملہ معقولات اور محسوسات دونوں کے انکار تک جا پہنچتا ہے۔

(۱۶) وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۙ	اورہم نے آسمان میں بُرج قرار دیئے ہیں اور انہیں ناظرین (دیکھنے والوں) کیلئے زینت عطا کی ہے۔
(۱۷) وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ۙ	اوراس کی ہر شیطانِ مردود سے حفاظت کی ہے۔
(۱۸) اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ	مگر استراقِ سمع کرنے والے کہ شہابِ مبین جن کا تعاقب کرتے ہیں۔

تفسیر

شیطان شہاب کے ذریعے ہانکے جاتے ہیں

ان آیات میں توحید اور شناخت خدا کی دلیل کے طور پر نظام آفرینش کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان آیات کے ذریعے قرآن و نبوت کے بارے میں گذشتہ آیات کی بحث مکمل کی گئی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے ہم نے آسمان میں برج قرار دیئے ہیں۔

بہر حال آسمانی برج سورج اور چاند کی منازل کی طرف اشارہ ہیں زیادہ دقیق تعبیر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب ہم کرہ زمین سے چانداور سورج کی طرف نگاہ کریں تو سال کے مختلف مواقع پر انہیں ہم ایک خاص صورت فلکی میں دیکھتے ہیں سیاروں کے مختلف مجموعے ہیں ان میں سے ہر ایک نے ایک خاص شکل اختیار کی ہوتی ہے اسے صوت فلکی کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ سورج برج حمل ثور میزان عقرب یا قوس میں ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے ہم نے آسمان کو اور ان فلکی صورتوں کو ناظرین کی زینت عطا کی ہے۔

(۱۷) زیرنظر دوسری آیت میں مزید فرمایا گیا ہے ہم نے اس آسمان کو ہر مردود، شوم اور ملعون شیطان سے محفوظ رکھا ہے۔

(۱۸) زیرنظر آخری آیت میں ہے مگر وہ شیطان جو استراق سمع (خبریں چرانا) کی ہوس کرتے ہیں ان کا تعاقب شہاب مبین کرتے ہیں اور انہیں پیچھے کی طرف ہانکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ بہت سے قرآئن وشواہد جو ہم نے ذکر کئے ہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے مراد حق وحقیقت کا آسمان ہے اور شیاطین وہی وسوسہ پیدا کرنے والے ہیں کہ جو کوشش کرتے ہیں کہ اس آسمان تک رسائی حاصل کرسکیں اور مخفی طور پر کان لگا کر باتیں سنیں اور لوگوں کو گمراہ کریں۔

ستارے اور شہاب یعنی رہبرانِ الٰہی اور علماء اپنے قلم کی طاقتور لہروں اور موجوں سے انہیں پیچھے کی طرف ہانکتے ہیں اور دھتکار دیتے ہیں۔

(۱۹) وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ	اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ثابت پہاڑ ڈالے اور اس تمام موزوں نباتات اُگائے۔
(۲۰)وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ	اور ہم نے تمہارے لئے طرح طرح کے وسائلِ زندگی فراہم کئے اسی طرح ان کے لئے بھی جنہیں تم روزی نہیں دے سکتے۔
(۲۱)وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ	اور تمام چیزوں کے خزانے ہمارے پاس ہیں لیکن ہم معیّن انداز سے سوا انہیں نازل نہیں کرتے۔

تفسیر

ہر چیز کا خزانہ ہمارے پاس ہے

یہاں آیات آفرینش کا ایک حصہ اور زمین میں عظمت خدا کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں تا کہ گذشتہ بحث تکمیل کو پہنچے۔

پہلے بات زمین سے شروع کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے ہم نے زمین کو پھیلایا۔

''مد'' دراصل وسعت دینے اور پھیلانے کے معنی میں ہے اور احتمال قوی یہ ہے کہ یہاں خشکی زمین کے پانی سے باہر نکلنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ابتداء میں کرہ زمین کی ساری سطح سیلابی بارشوں کے زیراثر پانی کے نیچے ڈوبی ہوئی تھی سالہا سال اسی حال میں گذر گئے سیلابی بارشیں کم ہوئیں پانی زمین کے گڑھوں میں جا گزیں ہوا۔آہستہ آہستہ خشک زمین پانی کے نیچے سے نمودار ہونے لگی۔یہی وہ چیز ہے جو روایات اسلامی میں ''دحو الارض'' کے نام سے مشہور ہے پہاڑوں کی خلقت چونکہ ان کے زیادہ فوائد کی وجہ سے توحید کی ایک نشانی ہے اس لئے ان کا ذکر کرتے ہوئی مزید فرمایا گیا ہے ہم نے زمین میں مستقر اور ثابت پہاڑ ڈالے ہیں۔

پہاڑوں کیلئے ''القاء'' پھینکنا کی تعبیر استعمال کی گئی ہے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ پہاڑ زمین کی وہ سلوٹیں ہیں جو زمین کے چھڑے کے تدریجاً سرد ہونے کی بناء پر یا آتش فشانی مواد کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں ہوسکتا ہے یہ تعبیر اس لحاظ سے ہو کہ القاء ایجاد کے معنی میں بھی آیا ہے ہم اپنی روزمرہ زبان میں بھی کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں زمین کے لئے ایک پلان بنایا ہے اور اس میں چند کمرے ڈالے ہیں یعنی بنائے اور ایجاد کئے ہیں۔

بہرحال یہ پہاڑ علاوہ اس کے کہ جڑ سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں اور زرہ کی طرح زمین کے اندرونی خلفشار اور دباؤ کے مقابلے میں لرزتے نہیں طوفانوں کی طاقت کو بھی درہم برہم کردیتے ہیں اور ہوا کی رفتار کو پوری طرح کنٹرول کرتے ہیں یہ پہاڑ پانی کے ذخیروں کیلئے بہت اچھی جگہ ہیں جو یہاں برف کی صورت میں یا چشموں کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔

انسانی زندگی اور تمام جانداروں کی زندگی کیلئے بہترین عامل یعنی نباتات کی طرف بات کا رخ رکھتے ہوئے فرمایا گیا ہے، ہم نے زمین پر موزوں نباتات میں سے اگایا ہے۔

کرۂ زمین میں شاید لاکھوں قسم کے نباتات ہیں کہ جو مختلف خواص اور طرح طرح کے آثار رکھتے ہیں ان میں سے ہر ایک اللہ کی پہچان کا دریچہ ہے ان میں سے ہر ایک کا پتہ پتہ معرفت کردگار کی ایک کتاب ہے۔

(۲۰) انسان کے وسائل حیات چونکہ نباتات ومعدنیات میں منحصر نہیں ہیں لہٰذا بعد والی آیت میں ان تمام نعمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے زمین میں تمہارے لئے انواع واقسام کے وسائل زندگی بنائے ہیں۔

نہ صرف تمہارے لیے بلکہ تمام زندہ موجودات کے لیے اور وہ کہ جنہیں تم روزی نہیں دیتے اور تمہاری دسترس سے باہر ہیں۔ جی ہاں ہم نے ان سب کو ان کی ضروریات فراہم کی ہیں۔

(۲۱) زیر بحث آخری آیت میں درحقیقت ایک سوال کا جواب دیا جارہا ہے کہ جو بہت سے لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ خدا اس قدر رزق ونعمات انسانوں کے قبضے میں کیوں نہیں دیتا کہ وہ ہر قسم کی سعی وکوشش سے بے نیاز ہوجاتے۔

ارشاد ہوتا ہے تمام چیزوں کے خزانے ہمارے پاس ہیں لیکن ہم ان کی معین مقدار کے علاوہ نازل نہیں کرتے۔

کچھ بیکار انسان سیر شکم کے ساتھ بغیر کسی کنٹرول کے شور وغل مچاتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس جہان کے لوگ اہل جنت کی طرح نہیں ہیں کہ جن کے قلب وروح سے ہر طرح کی شہوت خواہش نفسانی خودخواہی غرور اور کج روی دھل چکی ہو بلکہ یہ ایسے انسان ہیں کہ تمام نیک وبدصفات کے حامل ہیں انہیں اس جہان کی بھٹی سے کندن بن کر نکلنا چاہئے سعی وکوشش اور صحیح حرکت واشتغال سے بہتر کندن بنانے کیلئے کون سی چیز ہوسکتی ہے لہٰذا جس طرح فقر وفاقہ اور احتیاج ونیاز انسان کو انحراف اور بدبختی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں اسی طرح حد سے زیادہ بے نیازی بھی فساد اور تباہی کا باعث ہے۔

(۲۲)وَ اَرۡسَلۡنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسۡقَیۡنٰکُمُوۡہُ ۚ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ لَہٗ بِخٰزِنِیۡنَ	ہم نے ہوائیں تلقیح کیلئے بھیجیں اور آسمان سے ہم نے پانی نازل کیا اور اس کے زریعہ سے ہم نے سب کو سیراب کیا جبکہ تم اس کی حفاظت کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔
(۲۳) وَ اِنَّا لَنَحۡنُ نُحۡیٖ وَ نُمِیۡتُ وَ نَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ	اور ہم ہی ہیں جو زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم (سارے جہان) کے وارث ہیں۔
(۲۴)لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَ لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِیۡنَ	اور ہم تم سے متقدمین (پہلے والوں) کو بھی جانتے ہیں اور متاخرین (آنے والوں) کو بھی۔
(۲۵) وَ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ یَحۡشُرُہُمۡ ؕ اِنَّہٗ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ؑ	اور تیرا پروردگار یقینی طور پر (قیامت میں) سب کو جمع کرے گا کیونکہ وہ دانا و حکیم ہے۔

تفسیر

ہوا اور بارش

گذشتہ آیات میں بعض اسرار آفرینش کا تذکرہ تھا اور خدا کی نعمتوں کا بیان تھا۔مثلاً زمین پہاڑ نباتات اور وسائل زندگی کی خلقت۔

زیر نظر پہلی آیت میں ہواؤں کے چلنے اور بارشوں کے نزول میں ان اسرار آفرینش کے نقش موثر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے ہم نے ہوائیں بھیجیں جبکہ وہ بار آور کرنے والی ہیں بادلوں کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہیں اور انہیں بار آور کرتی ہیں۔اور ان کے پیچھے ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا۔اور اس ذریعے سے ہم نے سب کو سیراب کیا۔حالانکہ تم اس کی حفاظت اور نگہداری کی طاقت نہ رکھتے تھے۔

یعنی تم میں یہ طاقت نہیں کہ نزول باراں کے بعد زیادہ مقدار میں پانی جمع اور محفوظ رکھ سکو یہ خدا ہے جو اسے پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی صورت میں منجمد کر کے یا زمین کی گہرائیوں میں بھیج کر محفوظ کر لیتا ہے جو بعد میں چشموں اور ندیوں اور کنوؤں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۳۲) مباحث توحید کے بعد معاد و قیامت اور اس کے مقدمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے ہم ہیں جو

زندہ کرتے ہیں اور ہم ہیں جو مارتے ہیں۔اور تمام روئے زمین کے اوراس سارے عالم کے وارث ہم ہیں۔

حیات وموت کے مسئلے کی طرف اشارہ ہے جو درحقیقت اہم ترین اور قطعی ترین مسائل میں سے ہے یہ مسئلہ معاد کی بحث کیلئے تمہید بھی بن سکتا ہے اور توحید کی بحث کا نقطہ تکمیل بھی۔کیونکہ ظہور حیات عالم ہستی کے عجیب ترین مسائل میں سے ہے اوراس مظہر کی تحقیق اوراس کا مطالعہ ہمیں خالق حیات سے اچھی طرح آشنا کرسکتا ہے اصولی طور پر موت وحیات کا نظام بے پایاں قدرت وعلم کے بغیر ممکن نہیں دوسری طرف موت وحیات کا وجود خود اس امر کی طرف دلیل ہے کہ اس عالم کے موجودات خود سے کچھ نہیں رکھتے اور جو کچھ رکھتے ہیں وہ کسی اوراس کی طرف ہے اورآخر کار ان سب کا وارث اللہ ہے۔

(۲۴) زیرنظر چوتھی آیت میں ہے ہم ان کے گذشتگان اورآنے والوں کو جانتے ہیں۔

لہٰذا وہ خود بھی اور ان کے اعمال بھی ہمارے علم کے سامنے واضح اورآشکار ہیں اوراس لحاظ سے معاد وقیامت اوران سب کے اعمال کا حساب وکتاب پوری طرح ہمارے سامنے ہے۔

(۲۵) اس بناء پر اس گفتگو کے فوراً بعد فرمایا گیا ہے یقیناً تیرا پروردگار ان سب کو قیامت میں ایک نئی زندگی کی طرف پلٹائے گا اورانہیں جمع ومحشور کریگا۔کیونکہ وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔

اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ موت تمام چیزوں کا اختتام نہ بنے کیونکہ اگر زندگی اس جہان کی انہی چار دن کی حیات میں منحصر ہوتو آفرینش جہاں لغو اور بے معنی ہوجائے اور خداوندکلیم سے بعید ہے کہ اس کی خلقت ایسی بے نتیجہ ہولیکن اگر یہ آفرینش ایک لامتناہی حیات اور دائمی سیر وسلوک کی تیاری کیلئے مقدمہ ہے یا دو لفظوں میں ابدی اور جاوداں زندگی کیلئے تمہید ہوتو ایک مکمل مفہوم ومعنی کی حامل ہوگی اوراس کی حکمت سے ہم آہنگ ہوگی اس لئے کہ حکیم کوئی کام بے حساب وکتاب نہیں کرتا اوراس کا علیم ہونا سبب بنتا ہے کہ معاد وحشر کے معاملے میں کوئی مشکل پیدا نہ ہو ہر ذرہ خاکی جو کسی بھی انسان کا کسی گوشے میں جا پڑا ہے وہ اسے جمع کرے گا اسے نئی حیات بخشے گا۔دوسری طرف سب کے اعمال کا دفتر اس جہان طبیعت کے دل میں بھی ثبت ہے اور انسانوں کے قلب وروح میں بھی اور وہ ان سب سے آگاہ ہے۔

اس بنا پر خدا کا علیم وحکیم ہونا حشر ونشر اور معاد وقیامت پر جچی تلی اور پرمغز دلیل شمار ہوتا ہے۔

(۲٦) وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۚ	اور ہم نے انسان کو خشک شدہ مٹی سے پیدا کیا کہ جو بدبودار (سیاہ رنگ) کیچڑ سے لی گئی تھی۔
(۲۷) وَ الۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ	اور ہم نے جنات کو گرم اور جلانے والی آگ سے خلق فرمایا۔

(۲۸)وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ	اور (یاد کرو وہ وقت) کہ جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں بشر کو خشک شدہ مٹی جو بدبودار کیچڑ سے لی گئی ہے سے خلق کروں گا۔
(۲۹) فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ	جب میں اس کام کو انجام دے چکوں اور اس میں اپنی (ایک شائستہ اور عظیم) روح پھونک دوں تو سب کے سب اسے سجدہ کرنا۔
(۳۰)فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ۙ	تمام فرشتوں نے (بلا استثناء) سجدہ کیا۔
(۳۱) اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ	سوائے ابلیس کے کہ جس نے سجدہ کرنے والوں میں سے ہونے سے انکار کر دیا۔
(۳۲)قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ	(اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس! تو ساجدین کے ساتھ کیوں شامل نہیں ہوا؟
(۳۳) قَالَ لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ	اس نے کہا: میں ہرگز ایسے بشر کو سجدہ نہیں کروں گا جسے تو نے بدبودار کیچڑ سے لی گئی خشک شدہ مٹی سے خلق فرمایا ہے۔
(۳۴)قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ ۙ	اللہ نے فرمایا: ان (فرشتوں) کی صف سے نکل جا کہ تو ہماری درگاہ سے راندہ گیا ہے۔
(۳۵) وَّ اِنَّ عَلَیۡکَ اللَّعۡنَۃَ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ	اور تجھ پر روزِ قیامت تک لعنت (اور رحمت حق سے دوری) ہو گی۔
(۳۶) قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ	اس نے کہا: پروردگارا! مجھے روز قیامت تک مہلت دے (اور زندہ رکھ)
(۳۷)قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ۙ	(اللہ نے) فرمایا: تو مہلت حاصل کرنے والوں میں سے ہے۔

(۳۸)اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ	(لیکن روزِ قیامت تک نہیں بلکہ) معین دن اور وقت تک۔
(۳۹) قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاُزَیِّنَنَّ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۙ	اس نے کہا: پروردگارا! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں مادی نعمتوں کو زمین میں ان (انسانوں) کی نگاہ میں مزیّن کروں گا اور سب کو گمراہ کروں گا۔
(۴۰)اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡہُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ	اور ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے ان بندوں کے جو تیرے مخلص ہیں۔
(۴۱)قَالَ ہٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسۡتَقِیۡمٌ	فرمایا: یہ میری مستقیم اور سیدھی راہ ہے (اور ہمیشہ کی سنت ہے)۔
(۴۲)اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ	(کہ) تو میرے بندوں پر تسلط حاصل نہیں کر سکے گا سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں گے۔
(۴۳) وَ اِنَّ جَہَنَّمَ لَمَوۡعِدُہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۫ۙ	اور جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے۔
(۴۴)لَہَا سَبۡعَۃُ اَبۡوَابٍ ؕ لِکُلِّ بَابٍ مِّنۡہُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ ﴿٪﴾	جس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کیلئے ان میں سے ایک معین گروہ تقسیم شدہ ہے۔

تفسیر

خلقت انسان

گذشتہ آیات میں مخلوق خدا کے ایک حصے اور نظام ہستی کا بیان تھا۔اسی مناسبت سے ان آیات میں تخلیق کے عظیم شاہکار یعنی انسان کی خلقت کو بیان کیا گیا ہے متعدد پر معنی آیات کے ذریعے اس خلقت کے بہت سے پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔

ہم پہلے تو آیات کی اجمالی تفسیر بیان کرتے ہیں اس کے بعد اہم نکات پر علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے۔

ارشاد ہوتا ہے ہم نے انسان کو ’’صلصال‘‘ (خشک شدہ ہو اور کسی چیز سے ٹکراتے وقت آواز دینے والی مٹی) سے پیدا کیا ہے جو ’’حما مسنون‘‘ (سخت تاریک متغیر اور بدبودار کیچڑ) سے لی گئی ہے۔

(۲۷)اور اس سے پہلے جنوں کو ہم نے گرم اور جلانے والی آگ سے پیدا کیا ہے۔

''سموم'' لغت میں جلانے والی ہوا کے معنی میں ہے گویا یہ ہوا انسانی جسم کے تمام سوراخوں سے نفوذ کرتی ہے کیونکہ عرب انسانی جسم کے بہت ہی چھوٹی سوراخوں کو مسام کہتے ہیں ''سموم'' بھی اسی مناسبت سے ایسی ہوا کو کہا جاتا ہے مادہ ''سم'' زہر بھی اسی سے ہے کیونکہ وہ بدن میں نفوذ کرکے انسان کو قتل کر دیتی ہے یا بیمار کر دیتی ہے۔

(۲۸) جنوں کے ذکر کے بعد قرآن پھر خلقت انسان کے موضوع کی طرف لوٹتا ہے فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کی خلقت انسان کے بارے میں جو پہلی گفتگو ہوئی اسے یوں بیان کیا گیا ہے یاد کرو وہ وقت جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا فرمایا میں بشر کو تاریک رنگ بدبودار کیچڑ سے لی گئی خشک مٹی سے پیدا کروں گا۔ جب میں اس کی خلقت کو انجام وکمال تک پہنچا لوں اور اپنی ایک شریف پاک اور باعظمت روح اس میں پھونک دوں تو سب کے سب اسے سجدہ کرنا۔

(۲۹) جب میں اس کی خلقت کو انجام وکمال تک پہنچا لوں اور اپنی ایک شریف پاک اور باعظمت روح اس میں پھونک دوں تو سب کے سب اسے سجدہ کرنا۔

(۳۰) خلقت انسان تکمیل کو پہنچ گئی اور انسان کے لئے جو جسم وجان مناسب تھا اسے دے دیا گیا ہے اور سب کچھ انجام پا گیا تو اس وقت تمام فرشتوں نے بلا استثناء سجدہ کیا۔

(۳۱) وہ تنہا شخص جس نے اس فرمان کی اطاعت نہ کی وہ ابلیس تھا لہٰذا مزید فرمایا سوائے ابلیس کے کہ جس نے ساجدین کے ساتھ ہونے سے انکار کیا۔

(۳۲) اس موقع پر ابلیس سے باز پرس کی گئی اور خدا نے اس سے کہا اے ابلیس! تو ساجدین میں شامل کیوں نہیں ہے۔

(۳۳) ابلیس کہ جو غرور اور خودخواہی میں ایسا غرق تھا کہ اس کی عقل وہوش غائب تھے پروردگار کی پرستش کے جواب میں بڑی گستاخی سے بولا میں ہرگز ایسے بشر کو سجدہ نہیں کروں گا جسے تو نے بدبودار کیچڑ سے لی گئی خشک مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(۳۴) وہ چونکہ غرور اور خودخواہی کے باعث خلقت وآفرینش کے اسرار سے بے خبر تھا اور خاک کی برکات کو فراموش کر چکا تھا کہ جو ہر خیر وبرکت کا منبع ہے اور اسے بڑھ کر وہ شریف اور عظیم الٰہی روح تھی جو آدم میں موجود تھی اس نے اسے لائق اعتنا نہ سمجھا اچانک اپنے بلند مقام سے گر پڑا اب وہ اس لائق نہ رہا تھا کہ صف ملائکہ میں کھڑا ہو سکے لہٰذا خدا تعالیٰ نے اسے فوراً فرمایا یہاں سے بہشت سے یا آسمانوں سے یا ملائکہ کی صفوں سے باہر نکل جا کہ تو راندہ درگاہ ہے۔

(۳۵) اور جان لے کہ تیرا یہ غرور تیرے کفر کا سبب بن گیا ہے اور اس کفر نے تجھے ہمیشہ کیلئے دھتکارا ہوا کر دیا ہے تجھ پر روز قیامت تک لعنت اور رحمت خدا سے دوری ہے۔

(۳۶) ابلیس نے جب اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی سے دھتکارا ہوا پایا اور احساس کیا کہ انسان اس کی بدبختی کا سبب بنا ہے تو کینہ کی آگ اس کے دل میں بھڑک اٹھی اور اس نے اولاد آدم سے انتقام لینے کی ٹھان لی حالانکہ اصلی مجرم وہ خود تھا نہ کہ آدم اور نہ

فرمان خدا لیکن غرور اور خود خواہی نے جس میں اس کی ہٹ دھرمی بھی شامل تھی اس حقیقت کو سمجھنے کی اجازت نہ دی۔لہٰذا اس نے عرض کیا پروردگارا! اب جب معاملہ ایسا ہے تو مجھے روز قیامت تک مہلت دے دے۔

(۳۷) یہ تقاضا اس لئے نہ تھا کہ وہ توبہ کرے اپنے کئے پر پشیمان ہو یا تلافی کے درپے ہو بلکہ اس لئے تھا کہ اپنی ہٹ دھرمی عناد دشمنی اور خیرہ سری کو جاری رکھ سکے۔خدا نے اس کی خواہش کو قبول کرلیا اور فرمایا یقیناً تو مہلت یافتہ افراد میں سے ہے۔

(۳۸) لیکن روز قیامت مخلوق کے مبعوث ہونے تک کیلئے نہیں جیسا کہ تو نے چاہا ہے بلکہ معین وقت اور زمانے کیلئے۔

اس بارے میں کہ "یوم الوقت المعلوم" سے کون سا دن مراد ہے مفسرین نے کئی ایک احتمالات ذکر کئے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام سے منقول بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد اس جہان کا اختتام اور ذمہ داری کے دور کا خاتمہ ہے کیونکہ قرآن کے ظاہری مفہوم کے مطابق اس کے بعد تمام مخلوق نابود ہو جائے گی اور صرف خدا کی ذات پاک باقی رہ جائے گی لہٰذا ابلیس کی درخواست ایک حد تک قبول کی گئی۔

(۳۹) اس مقام پر ابلیس نے اپنی باطنی نیت کو آشکارا کر دیا اگر چہ خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی تاہم وہ کہنے لگا پروردگارا! اس بناء پر کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اور اس انسان نے میری بدبختی کا سامان فراہم کیا ہے میں زمین کی مادی نعمتوں کو ان کی نگاہ میں دلفریب بناؤں گا اور انسان کو ان میں مشغول رکھوں گا اور آخر کار سب کو گمراہ کر کے رہوں گا۔

(۴۰) لیکن وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اس کے وسوسے خدا کے مخلص بندوں کے دل پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوں گے اور اس کے جال انہیں نہیں پھانس سکیں گے خلاصہ یہ کہ خالص مخلص بندے اس قدر طاقت ور ہیں کہ شیطانی زنجیریں توڑ ڈالیں گے لہٰذا فوراً اپنی بات میں استثناء کرتے ہوئے اس نے کہا مگر تیرے وہ بندے جو خالص شدہ ہیں۔

(۴۱) خدا نے شیطان کی تحقیر اور راہ حق کے متلاشیوں اور طریق توحید کے راہیوں کی تقویت کیلئے فرمایا یہ میری مستقیم راہ ہے۔

(۴۲) تو میرے بندوں پر کوئی تسلط نہیں رکھتا مگر وہ کہ جو ذاتی طور پر تیری پیروی کریں۔

یعنی در حقیقت تو لوگوں کو گمراہ نہیں کر سکتا بلکہ یہ تو منحرف انسان ہیں جو اپنے ارادے اور رغبت سے تیری دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور تیرے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

(۴۳) اس کے بعد شیطان کے پیروکاروں کو نہایت صریح دھمکی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے۔

یہ گمان نہ کریں کہ وہ سزا اور عذاب کے چنگل سے فرار کر سکیں گے یا معاملہ ان کے حساب و کتاب تک نہیں پہنچے گا ان سب کے حساب کتاب کی ایک ہی جگہ اور ایک ہی مقام پر دیکھ بھال کی جائے گی۔

(۴۴) وہی دوزخ کہ جس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کیلئے شیطان کے پیروکاروں کا ایک گروہ تقسیم ہوا ہے۔یہ در حقیقت گناہوں کے دروازے ہیں جن کے ذریعے مختلف افراد دوزخ میں داخل ہوں گے ہر گروہ ایک گناہ کے ارتکاب کے ذریعے ایک در سے دوزخ میں جائے گا جیسا کہ جنت کے دروازے اطاعتیں، اعمال صالح اور مجاہدات ہیں کہ جن کے ذریعے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔

(۴۵)اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ؕ	پرہیزگار (بہشت کے سرسبز) باغوں اوراس کے سرچشموں کے کنارے ہوں گے۔
(۴۶)اُدۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیۡنَ	(اللہ کے فرشتے ان سے کہیں گے) امن وسلامتی کے ساتھ ان باغوں میں داخل ہوجاؤ۔
(۴۷)وَ نَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ	ہم ان کے سینوں سے ہر قسم کا غل (حسد، کینہ، عداوت اور خیانت) اتارلیں گے اور (ان کی روح پاک کردیں گے) اس حالت میں کہ سب بھائی بھائی بن کر تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔
(۴۸)لَا یَمَسُّهُمۡ فِیۡهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمۡ مِّنۡهَا بِمُخۡرَجِیۡنَ	انہیں ہرگز کوئی خستگی اور تکان نہ ہوگی اور انہیں اس سے کبھی بھی نہیں نکالا جائے گا۔
(۴۹)نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۙ	میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ میں غفور ورحیم ہوں۔
(۵۰)وَ اَنَّ عَذَابِیۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ	نیز (انہیں بتادو کہ) میرا عذاب اور سزا دردناک ہے۔

تفسیر

بہشت کی آٹھ نعمتیں

گذشتہ آیات میں ہم نے دیکھا ہے کہ خدا نے کس طرح تفصیل سے شیطان اوراس کے ساتھیوں ہمجولیوں اور پیروکاروں کا نتیجہ بیان کیا ہے اور ان کے سامنے جہنم کے سات دروازے کھولے ہیں۔

قرآن کی روش ہے کہ وہ موازنہ پیش کرکے تعلیم وتربیت کیلئے استفادہ کرتا ہے اسی روش کے مطابق ان آیات میں بہشت اہل بہشت مادی اور معنوی نعمات اور جسمانی وروحانی عنایات کے بارے میں گفتگو ہے درحقیقت ان آیات میں آٹھ عظیم مادی و معنوی نعمات کا تذکرہ بہشت کے دروازوں کی تعداد کے مطابق آیا ہے۔

1۔ پہلے ایک عظیم مادی نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے پرہیزگار بہشت کے سرسبز باغوں میں ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشموں کے کنارے ہوں گے۔

جنت وعیون کا صیغہ جمع کے ساتھ ذکر ہوا ہے یہ طرح طرح کے باغات، فراواں چشموں اور گوناگوں بہشتوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں سے ہر ایک کا ایک نیا لطف ہے اور خاص خصوصیت ہے۔

(۴۶) 3،2۔ اس کے بعد دو اہم معنوی نعمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہیں سلامتی اور امن ہر قسم کے رنج ناراضی اور تکلیف سے سلامتی اور ہر قسم کے خطرے سے امن وامان۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کے فرشتے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان باغوں میں کامل سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

(۴۷) 4۔ ہم ان کے سینوں سے ہر قسم کا حسد کینہ عداوت اور خیانت دھو دیں گے اور ایسی آلائشیں ان سے دور کر دیں گے۔

5۔ اور وہ یوں ہوں گے جیسے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان کے درمیان محبت کا انتہائی قریبی تعلق کارفرما ہے۔

6۔ اس حالت میں کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

ان کی اجتماعی نشستیں اس دنیا کے تکلیف دہ تکلفات کی طرح نہیں ہیں ان مجلس میں کوئی اوپر اور کوئی نیچے ہے اس دنیا کی المناک طبقاتی زندگی کا کوئی اصول وہاں نہیں ہے وہاں سب آپس میں بھائی ہیں سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے اور ایک ہی صف میں ہیں ایسا نہیں کہ کوئی تو مجلس میں بالا نشین ہے اور دوسرا جوتے اتارنے کی جگہ پر بیٹھا ہے۔

(۴۸) 7۔ اس کے بعد ساتویں مادی اور معنوی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے انہیں ہرگز کوئی خستگی اور تکان لاحق نہ ہوگی۔

جبکہ اس دنیا میں آرام کے ایک دن سے پہلے اور بعد کتنی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے کہ جن کا تصور انسان کے راحت و آرام کو درہم برہم کر دیتا ہے ایسا وہاں نہیں ہے۔

8۔ اسی طرح انہیں فنا اور نعمت کے ختم ہو جانے کا خیال بھی نہیں ستاتا کیونکہ وہ ہرگز ان پر مسرت نعمتوں سے بھرے ہوئے باغوں سے باہر نہیں نکلیں گے۔

(۴۹) اب جبکہ بہشت کی فراواں اور دل انگیز نعمتوں کا موثر طریقے سے بیان ہو چکا اور یہ بتایا جا چکا کہ وہ کاملاً متقین کے سپرد ہوں گیں۔ تو اس بات کے پیش نظر کہ کہیں گنہگار افراد اس غم واندوہ میں ڈوب کر نہ رہ جائیں کہ اے کاش! ہم بھی ان نعمتوں تک پہنچ سکتے............اس مقام پر رحمان ورحیم خدا ان کیلئے بھی جنت کے دروازے کھولتا ہے مگر مشروط طور پر۔

بہت محبت بھرے لہجے میں اور نوازشات کے نہایت اعلیٰ انداز میں اپنے پیغمبر کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہتا ہے اے نبی! میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ میں غفور ورحیم ہوں گناہ بخشنے والا اور محبت سے معمور ہوں۔

(۵۰) لیکن قرآن چونکہ ہمیشہ رحمت الٰہی کے مظاہر سے سوء استفادہ کو روکتا ہے لہٰذا اس کے ہلا دینے والے جملوں کے ذریعے اس کے خشم وغضب کا ذکر ہے یہ اس لئے ہے تاکہ خوف ورجاء کے درمیان اعتدال برقرار رہے کیونکہ یہ تکامل وارتقاء اور تربیت کا راز ہے لہٰذا بغیر کسی فاصلے کے فرمایا گیا ہے میرے بندوں سے یہ بھی کہہ کہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔

(۵۱) وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۘ وقف لازم	اور انہیں (میرے بندوں کو) ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دو۔
(۵۲) اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ	جس وقت وہ اس (ابراہیم) کے پاس آئے اور سلام کیا تو (ابراہیم) نے کہا ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔
(۵۳) قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ	انہوں نے کہا: ڈرنہیں ہم تجھے ایک دانا و عالم بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔
(۵۴) قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ	اس (ابراہیم) نے کہا۔کیا مجھے بشارت دیتے ہو حالانکہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں (تو پھر) کس چیز کی بشارت دیتے ہو؟
(۵۵) قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ	انہوں نے کہا: ہم سچی بشارت دیتے ہیں، پس تم مایوس لوگوں میں سے نہ ہوجاؤ۔
(۵۶) قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ	اس نے کہا اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہوں کے علاوہ کون مایوس ہوتا ہے۔
(۵۷) قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ	پھر اس (ابراہیم) نے پوچھا: اے فرستادگان الٰہی! تم کس کام کیلئے مامور کئے گئے ہو؟
(۵۸) قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ	وہ کہنے لگے ہماری ذمہ داری گنہ گار قوم سے متعلق ہے (کہ انہیں ہلاک کریں)۔
(۵۹) اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ	سوائے خاندان لوط کے کہ ان سب کو بچالیں گے۔

(۶۰) اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۧ	البتہ اس کی بیوی کہ ہم نے طے کیا ہے کہ وہ (شہر میں) پیچھے رہ جانے والوں (اور ہلاک ہونے والوں) میں سے ہوگی۔

تفسیر

انجانے مہمان

ان آیات میں اوران سے بعد والی کچھ آیات میں عظیم انبیاء اوران کی سرکش امتوں کی تاریخ کا ایک تربیتی حصہ ہے اس میں خدا کے مخلص بندوں اور شیطان کے پیروکاروں کی زندگی کے واضح نمونے ہیں۔

یہ امر جاذب نظر ہے کہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے واقعہ سے شروع کی گئی ہے وہی فرشتے کہ جو آپ کے پاس انسانی لباس میں آئے تھے پہلے انہوں نے آپ کو ایک ذی وقار بیٹے کی پیدائش کی بشارت دی اور پھر قوم لوط کے دردناک انجام کی خبر دی۔

پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے میرے بندوں کو ابراہیم کے بارے میں خبر دو۔

(۵۲) یہ بن بلائے مہمان وہی فرشتے تھے جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر پہلے انجانے طور پر اسے سلام کیا۔

جیسا کہ ایک بزرگوار میزبان کا فریضہ ہے ابراہیم علیہ السلام نے ان کی پذیرائی کا اہتمام کیا فوراً ان کیلئے مناسب غذا فراہم کی لیکن جب دسترخوان بچھایا گیا تو انجانے مہمانوں نے غذا کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس پر وحشت ہوئی۔ انہوں نے اپنی پریشانی چھپائی نہیں صراحت سے ان سے کہا ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔

یہ خوف اس رواج کی بناء پر تھا کہ اس زمانے میں اور بعد میں بھی بلکہ ہمارے زمانے تک بعض قوموں کا معمول ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا نان و نمک کھا لیتا ہے تو اسے ضرر نہیں پہنچاتا اور اپنے آپ کو اس کا ممنون احسان سمجھتا ہے۔ لہٰذا کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانے کو برا سمجھتا ہے۔ اور اسے کینہ وعداوت کی دلیل شمار کیا جاتا ہے۔

(۵۳) لیکن زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پریشانی سے نکال دیا اور اس سے کہا ڈرو نہیں ہم تجھے ایک عالم و دانا بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

(۵۴) حضرت اچھی طرح جانتے تھے کہ طبیعی اصولوں کے لحاظ سے ان سے ایسے بیٹے کی پیدائش بہت بعید ہے اگرچہ خدا کی قدرتِ کاملہ کے لئے کوئی چیز محال نہیں ہے مگر معمول کے طبیعی قوانین نے ان کے تعجب کو ابھارا لہٰذا انہوں نے کہا مجھے ایسی بشارت دیتے ہو حالانکہ میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہوں۔

(۵۵) بہرحال فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تردد یا زیادہ تعجب کا موقع نہ دیا۔ اوران سے صراحت وقاطعیت سے کہا

ہم تجھے حق کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں۔ وہ بشارت کہ جو خدا کی طرف سے ہے اور اسکے حکم سے ہے اسی بناء پر یہ حق ہے اور مسلم ہے۔

اس کے بعد اس لئے کہ مبادا ابراہیم علیہ السلام مایوس و ناامید ہوں تاکید کے طور پر کہنے لگے اب جبکہ ایسا ہے تو مایوس ہونے والوں میں سے نہ ہو۔

(۵۶) لیکن ابراہیمؑ نے فوراً ان کے اس خیال کو دور کر دیا کہ ان پر مایوسی اور رحمت خدا سے ناامیدی کا غلبہ نہیں ہے اور واضح کیا کہ یہ تو صرف طبیعی معمولات کے حوالے سے تعجب ہے لہٰذا صراحت سے کہا گمراہوں کے سوا اپنے پروردگار کی رحمت سے کون مایوس ہوگا۔

وہی گمراہ کہ جنہوں نے خدا کو اچھی طرح نہیں پہچانا اور اس کی بے پایاں قدرت پر ان کی نگاہ نہیں وہ خدا کہ جو مشت خاک سے ایسا عجیب و غریب انسان پیدا کرتا ہے اور ناچیز نطفہ سے ایک مکمل بچہ وجود میں لاتا ہے خرمے کا خشک درخت جس کے حکم سے پھل سے لد جاتا ہے اور جلانے والی آگ جس کے حکم سے گلزار ہو جاتی ہے کون شخص ایسے پروردگار کی قدرت میں شک کرے یا اس کی رحمت سے مایوس ہو۔

(۵۷) بہرحال یہ بشارت سننے کے بعد ابراہیم علیہ السلام اس خیال میں پڑ گئے کہ ان خاص حالات میں یہ فرشتے انہیں صرف بیٹے کی بشارت دینے نہیں آئے یقیناً یہ کسی نہایت اہم کام پر مامور ہیں اور یہ بشارت تو ان کی ماموریت کا ایک پہلو ہے لہٰذا ان سے پوچھنے لگے اے فرستادگان الٰہی! بتاؤ کہ تم کس اہم ذمہ داری کیلئے بھیجے گئے ہو؟

(۵۸) انہوں نے کہا ہم ایک گنہگار قوم کیلئے بھیجے گئے ہیں۔

(۵۹) چونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جستجو اور تحقیق کے بارے میں اپنی خو کی وجہ سے وہ بھی خصوصاً ایسے مسائل میں اتنے جواب پر بس نہیں کریں گے۔ لہٰذا انہوں نے فوراً مزید فرمایا یہ مجرم قوم لوط کے سوا کوئی اور نہیں ہے ہم مامور ہیں کہ اس بے شرم آلودہ گناہ قوم کو نیست و نابود کر دیں سوائے خاندان لوط کے کہ جسے ہم ہلاکت سے بچا لیں گے۔

(۶۰) لیکن اجمعین کی تاکید کے ساتھ آل لوط کی تعبیر تمام گھر والوں کے بارے میں ہے یہاں تک کہ ان کی بیوی کہ جو مشرکین کی ہم کار تھی اور شاید ابراہیم علیہ السلام بھی اس ماجرے سے آگاہ تھے لہٰذا انہوں نے بلا فاصلہ استثناء کرتے ہوئے کہا سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم نے طے کیا ہے کہ وہ شہر میں رہ جانے والوں کے ساتھ فنا سے دوچار ہوگی اور نجات حاصل نہ کر سکے گی۔

(۶۱) فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۣالْمُرْسَلُوْنَ ۙ	جس وقت (خدا کے) بھیجے ہوئے خاندانِ لوط کے پاس آئے۔
(۶۲) قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ	تو لوط نے کہا: تم انجانے افراد ہو۔
(۶۳) قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ	انہوں نے کہا: ہم تیرے پاس وہی چیز لائے ہیں کہ جس کے بارے میں وہ (کافر) شک و تردد کرتے تھے (ہم عذاب پر مامور ہیں)۔

(۶۴) وَ اَتَیۡنٰکَ بِالۡحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ	اورہم تیرے پاس حقیقت مسلمہ لائے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔
(۶۵) فَاَسۡرِ بِاَہۡلِکَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّیۡلِ وَ اتَّبِعۡ اَدۡبَارَہُمۡ وَ لَا یَلۡتَفِتۡ مِنۡکُمۡ اَحَدٌ وَّ امۡضُوۡا حَیۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ	لہٰذا رات کے آخری پہر اپنے گھر والوں کو ساتھ لے اور یہاں سے نکل پڑ۔ تو ان کے پیچھے پیچھے چل، اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کیلئے تمہیں کہا گیا ہے وہاں چلے جاؤ۔
(۶۶)وَ قَضَیۡنَاۤ اِلَیۡہِ ذٰلِکَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ ہٰۤؤُلَآءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِیۡنَ	اور ہم نے لوط کو وحی کی کہ صبح کے وقت ان سب کی جڑ اکھاڑ پھینکی جائے گی۔
(۶۷)وَ جَآءَ اَہۡلُ الۡمَدِیۡنَۃِ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ	اور شہر کے لوگ (مہمانوں کی خبر سن کر) خوشیاں مناتے ہوئے (بُری نیت سے)۔
(۶۸) قَالَ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ۙ	اس نے (لوط) کہا: یہ میرے مہمان ہیں میری آبرو نہ گنواؤ۔
(۶۹) وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ لَا تُخۡزُوۡنِ	خدا سے ڈرو اور مجھے شرمندہ نہ کرو۔
(۷۰)قَالُوۡۤا اَوَ لَمۡ نَنۡہَکَ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ	وہ کہنے لگے کیا ہم نے تجھے دنیا والوں (کے ادھر آنے) سے روکا نہ تھا؟
(۷۱)قَالَ ہٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیۡۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ؕ	اس نے کہا: اگر تم صحیح کام انجام دینا چاہتے ہو تو میری بیٹیاں حاضر ہیں (ان سے شادی کرلو اور گناہ سے بچو)۔
(۷۲) لَعَمۡرُکَ اِنَّہُمۡ لَفِیۡ سَکۡرَتِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ	(اے رسول) تیری جان کی قسم! وہ اپنی مستی میں سرگرداں ہیں اور اپنی عقل گنوا بیٹھے تھے۔
(۷۳) فَاَخَذَتۡہُمُ الصَّیۡحَۃُ مُشۡرِقِیۡنَ ۙ	آخر کار طلوعِ آفتاب کے وقت (صاعقہ یا زمین کے لرزنے کی صورت میں ایک ہولناک) چنگھاڑ نے انہیں گھیر لیا۔
(۷۴)فَجَعَلۡنَا عَالِیَہَا سَافِلَہَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ حِجَارَۃً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ؕ	اس کے بعد (ان کے شہر اور آبادی کو ہم نے زیر وزبر کر دیا) وہ تہ و بالا ہو گئے اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔

(۷۵) اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ	اس میں سمجھداروں کیلئے نشانیاں ہیں۔
(۷٦) وَ اِنَّھَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ	اور قافلوں کے راستوں میں ان کے ویرانے ہمیشہ کیلئے برقرار ہیں۔
(۷۷) وَ اِنَّھَا لَبِسَبِیۡلٍ مُّقِیۡمٍ	اس میں ایمان داروں کے واسطے نشانیاں ہیں۔

تفسیر

قوم لوط کے گنہ گاروں کا انجام

پہلے فرمایا گیا ہے جس وقت فرستادگان الٰہی خاندان لوط کے پاس آئے۔

(٦۲) تو لوط نے ان سے فرمایا تم اجنبی لوگ ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے یہ بات اس لئے کہی کہ وہ بہت خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں ان کے پاس آئے تھے۔ ایک طرف وہ مہمان تھے محترم تھے اور ان کا آنا مبارک تھا اور دوسری طرف ماحول انتہائی شرمناک اور مشکلات سے پر تھا۔

(٦۳) لیکن فرشتوں نے انہیں زیادہ دیر انتظار میں نہ رکھا اور صراحت کے ساتھ کہا کہ ہم تیرے پاس ایسی چیز لے کر آئے ہیں جس میں وہ شک رکھتے تھے۔ یعنی ہم اس دردناک عذاب کیلئے مامور ہیں جس کے بارے میں تو انہیں تنبیہ کر چکا ہے لیکن انہوں نے اسے کبھی بھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔

(٦۴) اس کے بعد انہوں نے بطور تاکید کہا۔ ہم تیرے لئے مسلم اور ناقابل تردید حقیقت لائے ہیں۔ یعنی ہم اس بے ایمان اور منحرف قوم کیلئے حتمی عذاب اور قطعی سزا لے کر آئے ہیں۔

پھر انہوں نے مزید تاکید کیلئے کہا ہم یقیناً سچ کہہ رہے ہیں۔

یعنی یہ قوم اپنے لوٹنے کے تمام راستے تباہ کر چکی ہے اور ان کی شفاعت کا موقع اب باقی نہیں رہا یہ اس لئے کہا کہ کہیں لوط ان کی سفارش کیلئے نہ سوچنے لگیں اور جان لیں کہ یہ لوگ اب ہرگز شفاعت کی اہلیت نہیں رکھتے۔

(٦۵) ضروری تھا کہ مومنین کا چھوٹا سا گروہ جوان کی بیوی کے سوا باقی اہل خاندان پر مشتمل تھا اس ہلاکت انگیزی سے بچ جائے لہٰذا انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو ضروری احکامات دیئے کہنے لگے رات کیوقت جب یہ گنہ گار لوگ سو جائیں یا شراب وشہوت میں مست ہو جائیں تم اپنے خاندان کو لے کر شہر سے باہر نکل جاؤ۔ لیکن تم ان کے پیچھے پیچھے رہنا تاکہ ان کی نگرانی کر سکو کہ ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ نیز تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور اسی مقام (شام یا کوئی دوسرا علاقہ جہاں) کے لوگ اس آلودگی سے پاک ہیں کی طرف چلے جاؤ۔

(۶۶)اس آیت میں گفتگو کا لب ولہجہ بدل جاتا ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے لوط کو اس امر کی وحی کی کہ دم صبح سب کی ریشہ کنی ہوجائے گی یہاں تک کہ ان میں سے ایک فرد بھی نہیں بچے گا۔

(۶۷) قرآن اس واقعے کو یہیں چھوڑ کر ابتداء کی طرف لوٹتا ہے اور واقعے کا وہ حصہ جو ایک مناسبت کی وجہ سے وہاں رہ گیا تھا کہ جس کا ہم بعد میں ذکر کریں گے اسے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے شہر والوں کو جب لوط کے پاس آنے والے نئے مہمانوں کا پتہ چلا تو وہ ان کے گھر کی طرف چل پڑے راستے میں وہ ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے تھے گمراہی کی شرمناک وادی میں بھٹکنے والے ان افراد کا خیال تھا کہ گویا تر مال ان کے ہاتھ آ گیا ہے خوبصورت اور خوش رنگ نوجوان اور وہ بھی لوط کے گھر میں۔

(۶۸) حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کا شور وغل سنا تو بہت گھبرائے اور مضطرب ہوئے انہیں اپنے مہمانوں کے بارے میں بہت خوف ہوا کیونکہ ابھی تک وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ مہمان مامورین عذاب ہیں اور قدر وقاہر خدا کے فرشتے ہیں لہٰذا وہ ان کے سامنے کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے یہ میرے مہمان ہیں میری آبرو نہ گنواؤ۔

(۶۹)اس آیت میں ہے کہ آپ نے کہا: لوگو خدا سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے سامنے شرمسار نہ کرو۔

(۷۰) لیکن وہ بہت ڈھیٹ اور منہ پھٹ تھے بجائے اس کے کہ وہ شرمندہ ہوتے کہ انہوں نے اللہ کے پیغمبر لوط علیہ السلام سے کیسا مطالبہ کیا ہے الٹا اس طرح سے پیش آئے جیسے لوط علیہ السلام سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے انہوں نے زبان اعتراض دراز کی اور کہنے لگے: کیا ہم نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ دنیا والوں کو اپنے ہاں مہمان نہ ٹھہرانا اور کسی کو اپنے ہاں نہ آنے دینا۔

(۷۱) بہر حال جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی یہ جسارت اور کمینگی دیکھی تو انہوں نے ایک طریقہ اختیار کیا تا کہ انہیں خواب غفلت اور انحراف و بے حیائی کی مستی سے بیدار کرسکیں آپ نے کہا تم کیوں انحراف کے راستے پر چلتے ہو اگر تمہارا مقصد جنسی تقاضوں کو پورا کرنا ہے تو جائز اور صحیح طریقے سے شادی کر کے انہیں پورا کیوں نہیں کرتے یہ میری بیٹیاں ہیں (میں تیار ہوں کہ انہیں تمہاری زوجیت میں دے دوں) اگر تم صحیح کام انجام دینا چاہتے ہو تو اس کا راستہ یہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی تو چند ایک بیٹیاں تھیں اور ان افراد کی تعداد زیادہ تھی لیکن مقصد یہ تھا کہ ان پر اتمام حجت کیا جائے اور کہا جائے کہ میں اپنے مہمانوں کے احترام اور حفاظت اور تمہیں برائی کی دلدل سے نکالنے کیلئے اس حد تک ایثار کیلئے تیار ہوں۔

(۷۲) لیکن افسوس............شہوت،انحراف اور ہٹ دھرمی کے اس عالم میں ان میں ذرہ بھر بھی انسانی اخلاق اور جذبہ باقی ہوتا تو کم از کم اس امر کیلئے کافی تھا کہ وہ شرمندہ ہوتے اور پلٹ جاتے مگر نہ صرف یہ کہ وہ شرمندہ نہ ہوئے بلکہ اپنی جسارت میں اور بڑھ گئے اور چاہا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ روئے سخن رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے کہتا ہے تیری جان اور زندگی کی قسم! وہ اپنی مستی میں سخت سرگرداں تھے۔

(۷۳) اس مقام پر اس قوم کے بارے میں خدا تعالیٰ کی گفتگو انتہا کو پہنچ جاتی ہے وہ دو جچی تلی اور مختصر آیات میں ان کا منحوس انجام بڑے قاطع، تباہ کن، عبرت انگیز صورت میں بیان کرتا ہے اور کہتا ہے آخر کار طلوع آفتاب کے وقت وحشت ناک چنگھاڑ نے ان سب کو گھیر لیا۔

یہ "صیحہ" ہوسکتا ہے کہ ایک عظیم صاعقہ یا وحشت ناک زلزلہ کی آواز ہو۔

(۷۴) لیکن............ہم نے اسی پر اکتفاء نہیں کی، بلکہ ان کے شہر کو ہم نے بالکل زیروزبر کر دیا اور عمارتوں کے اوپر والے حصے نیچے اور نیچے والے حصے اوپر کر دیئے۔ ان کے لئے یہ عذاب بھی کافی نہ تھا۔ اس پر ہم نے ان پر پتھریلے کنکروں کی بارش برسائی۔

پتھروں کی یہ بارش ہوسکتا ہے ان لوگوں کے لئے ہو جو اس وقت وحشت ناک چنگھاڑ سے نابود نہیں ہوئے تھے یا جو اس گرمی وعذاب میں مبتلا نہیں ہوئے تھے یہ بھی ہوسکتا ہے وہ ان ناپاک اجساد اور ناپاک آثار کو محو کرنے کے لئے ہو۔ شہر کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ پتھروں کی اس بارش کے بعد کوئی شخص اس علاقے سے گذرتا تو آسانی سے باور نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی اس علاقے میں ایک شہر آباد تھا۔

یہ تین عذاب (وحشت ناک چنگھاڑ، شہر کا تہہ وبالا ہونا اور پتھروں کی بارش) کیوں تھے جبکہ ان میں سے ہر ایک اس قوم کو ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا۔

ایسا یا تو ان کے گناہ کی شدت اور بے حیائی میں ان کے ڈھیٹ ہونے کی بنا پر تھا یا دوسروں کے لئے عبرت کی خاطر اللہ نے ان پر عذاب کو کئی گنا کر دیا؟

(۷۵) یہ وہ مقام ہے جہاں قرآن تربیتی اور اخلاقی نتیجہ حاصل کرتے ہوئے کہتا ہے اس واقعے میں باہوش لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ وہ جو اپنی خاص فراست اور دانائی کی وجہ سے ہر علامت سے واقعہ، ہر اشارے سے حقیقت اور ہر نکتہ سے اہم تربیتی مطلب اخذ کر لیتے ہیں۔

(۷۶) لیکن یہ تصور نہ کریں کہ ان کے آثار بالکل ختم ہوگئے ہیں۔ نہیں قافلوں اور راہ گیروں کے لئے ہمیشہ برقرار ہیں۔

(۷۷) مزید تاکید کے لئے اور اہل ایمان کو عبرت انگیز داستان میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے اس واقعہ میں اہل ایمان کے لئے نشانیاں ہیں۔

کیسے ممکن ہے کہ کوئی صاحب ایمان یہ ہلا دینے والا واقعہ پڑھے اور اس سے عبرت حاصل نہ کرے۔

(۷۸) وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ۙ	اصحابِ ایکہ (سرسبز سرزمین والے شعیب کی قوم) یقیناً ظالم قوم تھی۔
(۷۹) فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ ۘ وَ اِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ؕ	ہم نے اُن سے انتقام لیا اور ان دونوں (قومِ لوط اور اصحابِ ایکہ) کے تباہ شدہ شہر سرِ راہ ظاہر ہیں۔

(۸۰) وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ	اصحاب الحجر (قومِ ثمود) نے مرسلین کی تکذیب کی۔
(۸۱) وَ اٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۙ	اور ہم نے ان کے لئے اپنی آیات بھیجیں لیکن انہوں نے ان سے روگردانی کی۔
(۸۲) وَ كَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ	وہ پہاڑوں کے اندر اپنے امن وامان والے گھر تراشتے تھے۔
(۸۳) فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُصْبِحِیْنَ ۙ	لیکن آخرکار (ہلاکت آفرین) چنگھاڑ نے صبح کے وقت انہیں آ گھیرا۔
(۸۴) فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ؕ	اور جو کچھ وہ حاصل کر چکے تھے وہ عذابِ الٰہی سے نجات کے لئے ان کے کام نہ آیا۔

تفسیر

دوظالم قوموں کا انجام

ان آیات میں قرآن دو گزشتہ اقوام کی سرگذشت کی طرف اشارہ کرتا ہے ایک کو ”اصحاب الایکۃ“ کہا گیا ہے اور دوسری کو ”اصحاب الحجر“۔ گذشتہ آیات میں قوم لوط علیہ السلام کے بارے میں جو عبرت انگیز مباحث آئی ہیں ان آیات میں ان کی تکمیل کی گئی ہے۔

(۷۹) پہلے ارشاد ہوتا ہے یقیناً ”اصحاب الایکۃ“ ظالم اور ستمگر لوگ تھے۔ اور ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کی ستم گری اور سرکشی پر انہیں عذاب دیا۔

ان لوگوں کا علاقہ اور قوم لوط کہ جس کی داستان گزر چکی ہے کی سرزمین تمہارے راستے میں واضح طور پر موجود ہے۔

پس آنکھیں کھولو ان کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو۔

اصحاب الایکہ کون ہیں؟

بہت سے مفسرین اور ارباب لغت کہتے ہیں کہ ”ایکہ“ کا معنی ہے باہم جڑے ہوئے درخت یا جنگل اور اصحاب

الایکۃ وہی قوم شعیب ہے جو حجاز وشام کے درمیان سرسبز وشاداب زمین پر آباد تھی۔

ان کی زندگی بہت خوشحال تھی۔ ان کے پاس فراواں دولت تھی اسی لئے انہیں غفلت وغرور نے گھیر لیا۔ خاص طور پر وہ کم فروشی اور فتنہ وفساد میں مبتلا ہو گئے حضرت شعیب علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر نے انہیں متنبہ کیا اور توحید وراہ حق کی دعوت دی لیکن جیسا کہ ہم نے سورہ ہود کی آیات میں دیکھا ہے انہوں نے حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا اور آخرکار دردناک عذاب کے ذریعے نیست ونابود ہو گئے۔

ان کے حالات کی مزید تفصیل سورہ شعراء کی آیہ ۱۷۶ تا ۱۹۰ کے ذیل میں حضرت شعیب علیہ السلام کے حوالے سے آئے گی۔

(۸۰) رہے اصحاب الحجر............تو یہ وہی سرکش قوم کہ جو حجر نامی علاقے میں رہتی تھی بہت خوشحال تھی ان کے عظیم پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام ان کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے اصحابِ حجر نے خدا کے بھیجے ہوؤں کی تکذیب کی۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن اصحاب الحجر کے بارے میں اور اسی طرح قوم نوح' قوم شعیب اور قوم لوط کے بارے میں سورہ شعراء کی آیات ۱۰۵' ۱۲۳ اور ۱۶۰ میں بالترتیب اور دیگر گزشتہ قوموں کے بارے میں کہتا ہے کہ انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی حالانکہ ظاہراً ان کے پاس ایک سے زیادہ پیغمبر نہیں آئے اور انہوں نے صرف اسی کی تکذیب کی تھی۔

یہ تعبیر شاید اس بناء پر ہو کہ انبیاء کا پروگرام اور ہدف اس طرح سے ایک دوسرے سے پیوستہ تھا کہ ان میں سے ایک کی تکذیب ان سب کی تکذیب تھی۔

بعض نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ ان قوموں کے کئی پیغمبر تھے جن میں سے ایک زیادہ معروف تھا لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال قرآن اصحاب الحجر کے بارے میں اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے ہم نے ان کیلئے اپنی آیات بھیجیں لیکن انہوں نے روگردانی کی۔

لفظ ''اعراض'' (منہ پھیرنا) نشاندہی کرتا ہے کہ وہ ان آیات کو سننے یا ان پر نگاہ ڈالنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔

(۸۲) جبکہ اس کے برعکس اپنی دنیاوی زندگی کے کاموں میں اس قدر سخت کوش تھے کہ اپنے لئے پہاڑوں میں امن کے گھر تراشتے تھے۔

یہ بات نشاندہی کرتی ہے کہ ان کا علاقہ کوہستانی تھا نیز یہ کہ ان کا مادی تمدن ترقی یافتہ تھا جبھی تو وہ پہاڑوں میں اپنے لئے امن کے گھر تراشتے تھے کہ جو طوفانوں سیلابوں بلکہ زلزلوں تک کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ انسان دنیا کی چندروزہ زندگی کیلئے اتنے محکم کام کرتا ہے لیکن اپنی ابدی زندگی کے بارے میں اس قدر تساہل سے کام لیتا ہے کہ خدا کی بات سننے اور اسکی آیات پر ایک نظر ڈالنے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتا۔

(۸۳) تو اب ایسی قوم کے بارے میں کیا توقع کی جاسکتی ہے سوائے اس کے کہ ان کے لئے عذاب الٰہی آئے اور ایسی قوموں کو جو پوری طرح فاسد ومفسد ہو چکی ہیں انہیں جینے کا حق نہ دیا جائے اور تباہ کن عذاب کے ذریعے انہیں نابود کر دیا جائے۔

اسی لئے قرآن کہتا ہے آخر کار آسمانی چیخ نے دم صبح انہیں آلیا۔

یہ چیخ بجلی کی ہولناک آواز تھی جو ان کے گھروں پر آ گری یہ اس قدر تباہ کن اور وحشت ناک تھی کہ اس نے ان کے بے جان جسموں کو زمین پر پھینک دیا۔

(۸۴) ان کے فلک بوس پہاڑ، امن وامان کے گھر، اس سرکش قوم کے طاقتور جسم اور ان کی بہت زیادہ دولت وثروت کوئی چیز بھی عذاب الٰہی کے سامنے ٹھہر نہ سکی لہٰذا ان کی داستان کے آخر میں فرمایا گیا ہے جو کچھ ان کے ہاتھ میں تھا وہ انہیں عذاب الٰہی سے بچا نہ سکا۔

(۸۵)وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ	اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اسے ہم نے بغیر حق کے پیدا نہیں کیا اور وعدہ کی گھڑی (قیامت) یقیناً آ کے رہے گی (اے رسول) ان دشمنوں سے اچھی طرح صرفِ نظر کرو (اور انہیں بخش دو)۔
(۸۶)اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ	تیرا پروردگار پیدا کرنے والا (اور) آگاہ ہے۔
(۸۷)وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ	ہم نے تجھے (اے رسول) سات آیتوں والی سورہ (سورہ حمد) اور قرآنِ عظیم دیا ہے۔
(۸۸)لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ	(لہٰذا) ان (کفار) میں سے کچھ گروہوں کو جو (مادی) نعمتیں دی، ہیں ان پر ہرگز نگاہ نہ ڈال اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر غمگین نہ ہو اور اپنے پر وبال مومنین کیلئے جھکا دے۔
(۸۹) وَ قُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ۚ	اور کہہ دے کہ میں واضح ڈرانے والا ہوں۔
(۹۰)كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ۙ	(ہم ان پر عذاب نازل کریں گے) جیسے ہم نے (آیاتِ الٰہی کو) تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا۔

(۹۱) الَّذِیۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِیۡنَ	وہی لوگ جنہوں قرآن کو تقسیم کر دیا ہے (کہ اپنے مفاد والے کو اپنا لیا اور مخالف کو چھوڑ دیا)۔

تفسیر

تقسیم اور نکتہ چینی کرنے والے

انسان ہمیشہ سے ایک صحیح آئیڈیا لوجی اور عقیدہ نہ ہونے کی مصیبت میں گرفتار رہا ہے دوسرے لفظوں میں وہ مبداء ومعاد کے نظریئے کا پابند نہیں رہا۔قوم لوط قوم شعیب اور قوم صالح جیسی قومیں کہ جو اس ابتلاء میں گرفتار تھیں کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اب قرآن مسئلہ توحید اور معاد کی طرف لوٹتا ہے اور ایک ہی آیت میں ان دونوں امور کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کچھ آسمان وزمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے ہم نے بغیر حق کے پیدا نہیں کیا۔

یہ تو توحید کے بارے میں تھا اس کے بعد معاد و قیامت کے بارے میں فرمایا گیا ہے وعدے کی گھڑی قیامت آخر کار آ کے رہے گی۔اگر چہ دیر سے آئے آخر کار ضرور آئے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ ان کی ہٹ دھرمیوں نادانیوں' تعصب کار شکنیوں اور سخت سے سخت مخالفتوں کے باوجود ملائمت اور محبت کا مظاہرہ کرو اور ان کے گناہوں سے صرف نظر کرو اور انہیں بخش دو خوبصورتی کے ساتھ کہ جس بخشش میں ملامت تک نہ ہو۔کیونکہ لوگوں کے دلوں میں مبداء ومعاد کا عقیدہ راسخ کرنے کی دعوت کیلئے تمہارے پاس واضح دلیل موجود ہے لہٰذا تمہیں سختی اور خشونت کی کوئی ضرورت نہیں منطق وعقل تمہارے پاس ہے علاوہ ازیں جاہلوں کے ساتھ سختی سے تعصب ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۸۶)اس آیت میں جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے درحقیقت درگذر اور صفح جمیل کے ضروری ہونے کی دلیل کے طور پر ہے ارشاد ہوتا ہے تیرا پروردگار پیدا کرنے والا اور آگاہ ہے۔

وہ جانتا ہے کہ تمام لوگ ایک جیسے نہیں ہیں وہ ان کے اندرونی اسرار میلانات سطح فکر اور مختلف قسم کے احساسات وجذبات سے باخبر ہے ان سب سے یہ توقع نہ رکھو کہ وہ ایک جیسے ہوں بلکہ ان سے عفوودرگذر کے جذبے سے پیش آؤ تا کہ تدریجاً ان کی تربیت ہو اور وہ راہ حق کی طرف آئیں۔

(۸۷)اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی دلجوئی کی گئی ہے اور انہیں تسلی دی گئی ہے کہ دشمنوں کی سختی کثرت اور فراواں مادی وسائل سے ہرگز پریشان نہ ہوں کیونکہ خدا نے خود پیغمبر پر وہ انعامات کیے ہیں جن کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی' فرمایا گیا ہے ہم نے تجھے سورہ حمد اور قرآن عظیم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ تو ایسے عظیم سرمائے کا حامل ہے............قرآن جیسا سرمایا جو تمام عالمِ

ہستی کی عظمت رکھتا ہے وہ سرمایا جو سراسر نور برکت درس اور لائحہ عمل ہے راہیں کھولنے والا ہے خصوصاً سورۂ حمد کہ جس کا مفہوم اور مضمون اس قدر بلند ہے کہ لحظہ بھر میں انسان کا رشتہ خدا سے جوڑ دیتا ہے۔اور اس کی روح کو خدا کے آستانے پر تعظیم وتسلیم اور راز و نیاز کے لئے ایستادہ کر دیتا ہے۔

(۸۸) اس عظیم نعمت کا تذکرہ کرنے کے بعد پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار حکم دئے گئے ہیں پہلے فرمایا گیا ہے یہ مادی نعمتیں جو ہم نے کافروں کو دی ہیں ان پر ہرگز نگاہ نہ ڈال۔

یہ مادی نعمتیں ہرگز پائیدار نہیں ہیں اور پھر دردِ سر بھی ہیں یہاں تک کہ اچھے حالات میں بھی انسان کے لئے ان کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔

یہ تعبیر تواضع اور محبت کے لئے خوبصورت کنایہ ہے جیسے پرندے اپنے بچوں سے اظہارِ محبت کرتے ہیں اپنے پروبال کے نیچے چھپا لیتے ہیں یہ انتہائی محبت کا منظر ہوتا ہے اس طرح وہ دشمنوں سے اسے بچاتے ہیں اور بکھر جانے سے روکتے ہیں دراصل کنایہ کی صورت میں یہ جچی تلی مختصر تعبیر بہت سے مطالب کی حامل ہے۔

(۸۹) اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے یہ جو مال وثروت اور مادی نعمتیں ان کے ہاتھ میں ہیں اس پر ہرگز غمگین نہ ہو۔

آخر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چوتھا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان بے ایمان دولت مندوں کے مقابلے میں مظبوطی سے کھڑے ہو جاؤ اور انہیں کھلے بندوں کہہ دو کہ میں واضح ڈرانے والا ہوں۔

(۹۰) کہہ دو کہ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ خدا نے فرمایا ہے کہ میں تم پر عذاب نازل کروں گا جیسے کہ میں نے تقسیم کرنے والے پر نازل کیا ہے۔وہی تقسیم کرنے والے کہ جنہوں نے آیاتِ الٰہی کو بانٹ دیا۔جو کچھ ان کے مفاد میں تھا وہ تو لے لیا اور جو کچھ ان کے نقصان میں تھا اسے ایک طرف رکھ دیا۔درحقیقت ہوا یہ کہ بجائے اس کے کہ کتابِ خدا اور اس کے احکام ان کے رہبر وراہ نما ہوتے اسے انہوں نے برے مقاصد کے لئے وسیلہ بنا لیا۔

(۹۲) فَوَ رَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ	تیرے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے پوچھیں گے۔
(۹۳) عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	جو کچھ وہ کرتے تھے۔
(۹۴) فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ	جس چیز کیلئے مامور ہوا اُسے واضح طور پر بیان کرو اور مشرکین سے رُخ پھیر لو (اور ان کی پروا نہ کرو)
(۹۵) اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ	ہم تمسخر اڑانے والوں کے شر کو تجھ سے دُور رکھیں گے۔
(۹۶) الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ	وُہ کہ جنہوں نے خدا کے ساتھ اور معبود بنا رکھے ہیں لیکن وہ جلد ہی جان جائیں گے۔

(۹۷) وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ۙ	ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر تیرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے (اور وہ تجھے پریشان کرتے ہیں)۔
(۹۸) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ کُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ۙ	(اس پریشانی کو دور کرنے کیلئے) اپنے پروردگار کی تسبیح کر، حمد وثنا کر اور سجدہ گزاروں میں سے ہو جا۔
(۹۹) وَ اعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ۧ	اور اپنے پروردگار کی عبادت کر، یہاں تک کہ یقین (موت) آجائے۔

تفسیر

اپنا مکتب واضح طور پر بیان کرو

یہ سورہ حجر کی آخری آیات میں سب سے پہلے "مقتسمین" کا انجام بیان کیا گیا ہے جزا کے بارے میں گذشتہ آیات میں گفتگو ہوئی تھی فرمایا گیا ہے تیرے پروردگار کی قسم ہم یقینی طور پر ان سب سے سوال کریں گے۔

(۹۳) ان تمام کاموں کے بارے میں جو وہ انجام دیتے تھے۔

واضح ہے کہ خدا کا سوال اس لئے نہیں کہ وہ پوشیدہ بات ظاہر ہو جائے کیونکہ وہ اندرونی اور بیرونی اسرار سے آگاہ ہے اور زمین وآسمان کا کوئی ذرہ اس کے علم بے پایاں سے مخفی نہیں ہے لہٰذا سوال خود مخاطب کو سمجھانے کیلئے ہے تاکہ وہ اپنے اعمال کی قباحت کو سمجھ لے یا یہ ایک قسم کی نفسیاتی سزا ہے کیونکہ غلط کاموں کے بارے میں باز پرس اور وہ بھی سرزنش اور ملامت کیساتھ اور وہ بھی ایسے جہان میں جہاں انسان حقائق سے زیادہ قریب اور آگاہ ہے بہت تکلیف دہ ہے لہٰذا یہ سوالات درحقیقت ان کی سزا کا ایک حصہ ہیں۔

(۹۴) اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کو ایک قطعی فرمان دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے مشرکین کے شور وغل کے مقابلے میں نہ صرف یہ کہ ضعف وخوف اور سستی کو نہ آنے دو اور خاموش ہو کر نہ بیٹھ جاؤ بلکہ جس کام کیلئے مامور کئے گئے ہو اسے واضح طور پر بیان کرو اور حقائق دین صراحت سے برملا کہہ دو

اور مشرکین سے رخ موڑ لو اور ان سے بے اعتنائی کرو۔

(۹۵) اس کے بعد اللہ تعالیٰ قلبِ پیغمبر کی تقویت کے لئے انہیں اطمینان دلاتا ہے کہ تمسخر اڑانے والوں کے مقابلے میں وہ اپنے نبی کی حمایت کرے گا ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمسخر اڑانے والوں کے شر سے تمہیں دور کیا۔

(۹۶) "اَلَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ"، ہو سکتا ہے یہ تعبیر اس طرف اشارہ ہو کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے افکار واعمال خود مضحکہ خیز ہیں کیونکہ یہ اس قدر نادان ہیں کہ جہان ہستی کے خالق خدا کے مقابلے میں انہوں نے پتھر اور

لکڑی کے معبود تراش رکھے ہیں اس کے باوجود تیرے ساتھ تمسخر کرنا چاہتے ہیں۔

(۹۷)اس آیت میں دوبارہ روحِ پیغمبر کی دلجوئی اور تقویت کے لئے فرمایا گیا ہے ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتیں تیرے سینے کو تنگ کر دیتی ہیں اور تیری پریشانی کا باعث بنتی ہیں۔ تیری لطیف روح اور حساس دل یہ سب بدگوئی اور کفر وشرک آمیز باتیں برداشت نہیں کرسکتا اور اسی بناء پر تو پریشان ہو جاتا ہے۔

(۹۸) لیکن تو پریشان نہ ہو ان کی گھٹیا اور ناہنجار باتوں کے اثرات کم کرنے کے لئے اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کر اور اس کی ذات پاک کے سامنے سجدہ ریز ہو جا۔ کیونکہ اللہ کی تسبیح ان کی گفتگو کے برے اثرات کو مشتاقانِ خدا کے دلوں سے دور کر دیتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تجھے توانائی بخشتی ہے روایات میں ابنِ عباس سے مروی ہے۔

''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین ہو جاتے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور نماز کے ذریعے ان آثار حزن وملال کو دل سے دور کرتے''

(۹۹)اس سلسلے میں آخری حکم یہ دیا گیا ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت سے زندگی بھر دست بردار نہ ہونا ہمیشہ اس کی بندگی کرتا رہے یہاں تک کہ یقیناً موت آجائے۔

ایک طرف ہم جانتے ہیں کہ عبادت تربیت انسان کا اعلیٰ ترین مکتب ہے عبادت انسانی سوچ کو بیدار کرتی ہے اور اس کی فکر کو لا متناہی منزل کی طرف متوجہ کرتی ہے اس کے قلب وروح سے گناہ اور غفلت کا گرد وغبار دور کرتی ہے اس کے وجود میں اعلیٰ انسانی صفات کی پرورش کا باعث بنتی ہے روح ایمان کو تقویت دیتی ہے اور انسان کو آگاہی اور مسئولیت عطا کرتی ہے لہٰذا ممکن نہیں کہ انسان لمحہ بھر کے لئے بھی اس عظیم تربیتی مکتب سے بے نیاز ہو اور وہ لوگ جو یہ سوچتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ انسان ایک ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ جہاں اسے عبادت کرنے کی ضرورت نہ ہو انہوں نے انسان کے تقامل وارتقاء کو محدود خیال کیا ہے یا وہ مفہومِ عبادت نہیں سمجھ سکتے۔

سورہ نحل

اس کی ۱۲۸ آیات ہیں
اس کا کچھ حصہ مکی ہے اور کچھ مدنی

سورہ نحل کے مضامین

امر مسلم یہ ہے کہ اس سورہ کو مکی اور مدنی آیات کا مرکب سمجھا جائے اگر چہ چند ایک آیات کے سوا ہر آیت کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مکی ہے یا مدنی۔

بہر حال اس سورہ کی آیات میں مکی سورتوں کی سی مخصوص بحث بھی نظر آتی ہے مثلاً توحید اور معاد کے بارے میں بحث قاطع اور شرک و بت پرستی سے سخت مقابلہ نیز مدنی سورتوں کی سی مخصوص بحث بھی موجود ہے مثلاً اجتماعی و معاشرتی احکام اور جہاد ہجرت سے مربوط مسائل۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس سورہ کے مضامین مناسب انداز میں آپس میں ملے جلے ہوئے ہیں مضامین کے مشتملات کچھ اس طرح سے ہیں:

1۔ اس سورہ میں سب سے زیادہ نعمات الہٰی کے بارے میں بحث کی گئی ہے اس سلسلے میں ایسی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ کہ ہر آزاد انسان کے اندر احساس شکر گذاری بیدار ہو جاتا ہے۔

یہ نعمات ہیں بارش، نور آفتاب، طرح طرح کے پودے، پھل، پھول، میوے اور دیگر غذائی مواد۔ اسی طرح جانور کہ جو انسان کے خدمت گذار ہیں منافع اور برکات کہ جو حیوانات سے انسان کو پہنچتے ہیں اور مختلف قسم کے وسائل و اسباب زندگی۔ یہاں تک کہ اولاد اور بیوی کی نعمت۔ مختصر یہ کہ طرح طرح کے طیبات۔

2۔ اس سورہ کا دوسرا موضوع کلام توحید، خلقت خدا کی عظمت معاد اور مشرکین و مجرمین کو تہدید ہے۔

3۔ اس سورہ کا ایک اور حصہ اسلام کے مختلف احکام مثلاً عدل و احسان، ہجرت و جہاد، فحشاء منکر کی نہی اور ظلم و پیمان شکنی کی ممانعت پر مشتمل ہے

4۔ گفتگو کا ایک اور پہلو مشرکین کی بدعات کے بارے میں ہے اور اس سلسلے میں کئی ایک جاذب نظر حسی مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔

5۔ نیز اس سورہ میں انسانوں کو شیطانی وسوسوں سے ڈرایا گیا ہے۔

سورہ نحل کی فضیلت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

''جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا خدا تعالیٰ اس جہان میں اسے بخشی گئی نعمتوں کا حساب نہیں لے گا''

واضح ہے کہ ان آیات کی تلاوت کہ جن میں نعمات الہٰی کا اہم حصہ بیان ہوا ہے اگر فکر و نظر کے ساتھ ہو تو یہ عزم عمل اور شکر گذاری کا سبب بن جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں انسان ہر نعمت کو ٹھیک اسی مقصد کیلئے صرف کرے گا جس کیلئے وہ پیدا گئی ہے لہٰذا اس کے بعد اس سے کیسے یہ حساب لیا جائے کہ اس نے نعمت کو بجا صرف نہیں کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمَنِ الرَّحِیۡمِ	بخشنے والے مہربان خدا کے نام سے۔
(۱) اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ	(مشرکوں اور مجرموں کی سزا کے بارے میں) حکمِ خدا پہنچ گیا ہے. اس کیلئے جلدی نہ کرو. خدا اس سے منزہ و برتر ہے کہ اس کیلئے شریک قرار دیئے جائیں۔
(۲) یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ	روح الٰہی کے ساتھ ملائکہ کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل کرتا ہے (اور انہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کو ڈرائیں اور (ان سے کہیں کہ) میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا میری مخالفت سے بچو۔

تفسیر

حکم عذاب قریب ہے

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے اس سورہ کی ابتدائی آیات کا اہم حصہ مکہ میں نازل ہوا ہے یہ وہ دن تھے جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکوں اور بت پرستوں کی طرف سے شدید الجھاؤ اور سختی کا سامنا تھا۔ ہر روز وہ آپ کی حیات آفریں اور آزادی بخش دعوت کے خلاف کوئی نیا بہانہ تراشتے ان میں سے ایک یہ تھا کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں عذاب الٰہی کی تہدید کرتے تو بعض ہٹ دھرم کہتے کہ اگر یہ عذاب اور سزا کہ جس کی تم دھمکی دیتے ہو سچ ہے تو پھر وہ ہم پر نازل کیوں نہیں ہوتا اور شاید کبھی مزید کہتے کہ اگر فرض کیا عذاب آیا بھی تو ہم بتوں کا دامن تھام لیں گے تا کہ وہ بارگاہ الٰہی میں سفارش کریں کہ وہ ہم سے عذاب اٹھا لے کیا وہ اس کی بارگاہ کے شفیع نہیں ہیں۔

اس سورہ کی پہلی آیت ان اوہام پر خط بطلان کھینچتے ہوئے کہتی ہے جلدی نہ کرو۔ مشرکوں اور مجرموں کی سزا کے بارے میں حکم الٰہی یقیناً پہنچ چکا ہے؟ اور اگر تمہارا خیال ہے کہ بت اس کی بارگاہ کے سفارشی ہیں تو تم سخت غلط اور اشتباہ میں ہو۔ خدا اس سے منزہ اور برتر ہے کہ جسے تم اس کا شریک بناتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب اور سزا کافی دوانی بیان اور عادلانہ اتمام حجت کے بغیر نہیں ہے لہٰذا بعد والی آیت میں مزید فرمایا گیا ہے خدا ملائکہ کو خدائی روح کے ساتھ حکم الٰہی کے ہمراہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ اور انہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کو ڈراؤ شرک و بت پرستی پر متنبہ کرو اور کہو کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ لہٰذا صرف میری نافرمانی سے ڈرو اور میرے سامنے احساس ذمہ داری کرو۔

اس آیت میں روح سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین میں بہت اختلاف ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وحی

قرآن اور نبوت ہے کہ جو انسانوں کی زندگی کا باعث ہے اگرچہ بعض مفسرین نے یہاں وحی کو قرآن سے اور ان دونوں کو نبوت سے جدا کیا ہے اور انہیں تین تفاسیر کی شکل میں بیان کیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی طرف لوٹتے ہیں۔

(۳) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ	اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کیلئے شریک بنائیں۔
(۴) خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ	اس نے انسان کو ایک بے حیثیت نطفے سے پیدا کیا اور آخرکار وہ ایک موجود فصیح اور اپنا واضح مدافع قرار پایا۔
(۵) وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا ۚ لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنۡہَا	اور اس (اللہ) نے چوپایوں کو پیدا کیا جن سے تمہارے لباس اور دیگر منافع حاصل ہوتے ہیں اور تم ان کے گوشت میں سے کھاتے ہو۔
(۶) وَ لَکُمۡ فِیۡہَا جَمَالٌ حِیۡنَ تُرِیۡحُوۡنَ وَ حِیۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ۪	اور تمہارے لئے ان میں زینت وشکوہ ہے جس وقت انہیں ان کی آرام گاہ کی طرف لوٹاتے ہو اور جب صبح کے وقت انہیں صحرا کی جانب بھیجتے ہو۔
(۷) وَ تَحۡمِلُ اَثۡقَالَکُمۡ اِلٰی بَلَدٍ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا بٰلِغِیۡہِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۙ	اور وہ تمہارے بھاری بوجھ ایسے مقام تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تک تم بہت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ تمہارا پروردگار رؤف ورحیم ہے۔
(۸) وَّ الۡخَیۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡہَا وَ زِیۡنَۃً ؕ وَ یَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ	اور (اسی طرح) اس نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہاری زینت بنیں اور وہ کئی ایک چیزیں خلق کرے گا کہ جنہیں تم نہیں جانتے۔

تفسیر

جانوروں کے گوناگوں فائدے

ارشاد ہوتا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ آسمان وزمین کی حقانیت اس کے عجیب نظام سے بھی

واضح ہے اور منظّم وحساب شدہ آفرینش سے بھی اس کے ہدف سے بھی اور اس میں موجود فوائد سے بھی۔

اس کے بعد مزید فرمایا خدا اس سے برتر و بلند ہے کہ وہ اس کیلئے شریک بناتے ہیں۔ بت کہ جنہیں وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں ایسی تخلیق کی صلاحیت ہرگز نہیں رکھتے یہاں تک کہ وہ معمولی سا مچھر یا غبار کا ذرہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود تم انہیں کس طرح خدا کا شریک قرار دیتے ہو۔

(۴) آسمان وزمین اور ان میں بے پایاں اسرار کی جانب اشارہ کرنے کے بعد خود انسان کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے وہ انسان کو جو ہر کسی سے بڑھ کر اپنے آپ سے قریب ہے فرمایا گیا ہے انسان بے وقعت اور بے قیمت نطفے سے پیدا کیا گیا لیکن اس طرح پیدا ہو کر وہ فصیح و بلیغ متفکر، اپنا دفاع کرنے والا اور واضح کلام کرنے والا بن گیا۔

(۵) خلقت انسان کے ذکر کے بعد ایک اور اہم نعمت کا بیان ہے اور وہ یہ ہے چوپایوں کی خلقت اور ان سے حاصل ہونے والے فائدے۔ ارشاد ہوتا ہے خدا نے چوپایوں کو پیدا کیا اور وہ تمہارے لباس اور پوشش کا ذریعہ ہیں جب کہ ان سے تمہیں اور فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں اور تم ان کا گوشت کھاتے ہو۔

یہ امر جاذب نظر ہے کہ ان فوائد میں سے سب سے پہلے لباس و پوشش اور مسکن ومکان کے مسئلے کو پیش نظر رکھا گیا ہے کیونکہ بہت سے لوگ خصوصاً بادیہ نشین ایسے ہیں کہ ان کا لباس بھی اون یا چمڑے سے تیار ہوتا ہے اور ان کے خیمے بھی جو انہیں سردی اور گرمی سے بچاتے ہیں بہرحال دوسری ہر چیز سے لباس ومکان کی زیادہ اہمیت کی دلیل ہے۔

(٦) یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآن نے ان مفید جانوروں کے عام معمول کے فوائد بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان سے حاصل ہونے والے نفسیاتی فوائد کا بھی ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے یہ جانور تمہارے لئے زینت کا باعث ہوتے ہیں جب کہ انہیں آرام کی جگہ واپس لے کر جاتے ہو اور جب صبح کے وقت انہیں صحرا کی طرف بھیجتے ہو۔

(۷) اس آیت میں ان جانوروں کے ایک اور اہم فائدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ تمہارے بھاری بوجھ اپنی پشت پر اٹھا کر لے جاتے ہیں اور ایسے دیار کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تک تم شدید مشقت کے بغیر نہ پہنچ پاتے۔ یہ خدا کی رحمت وکرم کی نشانی ہے کہ اس نے ان چوپایوں کو اتنی طاقت بخشی اور انہیں تمہارے قابو میں کر دیا کیونکہ تمہارا پروردگار رروف ورحیم ہے۔

اس طرح یہ چوپائے پہلے تو انسان کیلئے لباس اور گرمی سردی سے بچنے کا ذریعہ مہیا کرتے ہیں دوسرے درجے پر ان کے دودھ سے تیار شدہ چیزوں سے استفادہ کیا جاتا ہے اور پھر ان کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے اس کے بعد ان کے وہ نفسیاتی آثار ہیں جو احساسات پر مرتب ہوتے ہیں اور آخر میں ان کی باربرداری کا ذکر ہے۔

(۸)اس آیت میں ایسے جانوروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو انسان کی سواری کے کام آتے ہیں ارشاد ہوتا ہے خدا نے گھوڑے،خچر اور گدھے پیدا کئے ہیں تا کہ تم ان پر سواری کرسکو اور وہ تمہاری زینت کا سبب بھی بنیں۔

آیت کے آخر میں ایک نہایت اہم مسئلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور انسانی افکار کو آئندہ زمانے میں نقل وحمل کے نئے پیدا ہونے والے ذرائع کی طرف متوجہ کیا گیا ہے یعنی آئندہ زمانے میں انسان کے پاس ان جانوروں کی نسبت نقل وحمل کے بہتر اور خوب تر ذرائع ہوں گے ارشاد ہوتا ہے خدا تعالیٰ نقل وحمل کے لئے کئی ایک چیزیں پیدا کرے گا کہ جنہیں تم نہیں جانتے۔

(۹)وَ عَلَى اللهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۧ	اور خدا کے ذمہ ہے کہ وہ بندوں کو راہِ راست کی ہدایت کرے،البتہ بعض راستے گمراہی کے ہیں اور اگر خدا چاہے تو تم سب کو (جبری طور) پر ہدایت کرے (لیکن مجبور کرنے کا کوئی فائدہ نہیں)۔
(۱۰) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ	وہ وہی ہے جس نے آسمانوں سے پانی بھیجا کہ جسے تم پیتے ہو نیز یہ پودے اور درخت بھی اسی سے اگتے ہیں کہ جنہیں چرنے کے لئے تم اپنے جانور لے کر جاتے ہو۔
(۱۱) يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ	اس (بارش کے پانی ہی) سے خدا تمہاری کھیتیاں اگاتا ہے،اسی سے وہ تمہارے لئے زیتون،کھجور،انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے یقیناً غور وفکر کرنے والوں کیلئے اس میں واضح نشانی موجود ہے۔
(۱۲) وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ	اس نے رات،دن اور سورج،چاند کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے نیز ستارے بھی اس کے حکم سے تمہارے لئے مسخر ہیں.اس میں ان لوگوں کے لئے (عظمتِ خدا کی) نشانیا ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

(۱۳) وَ مَا ذَرَاَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ	(ان کے علاوہ) جو رنگا رنگ مخلوق اس زمین میں پیدا کی گئی ہے اسے بھی (تمہارے لئے) مسخر کر دیا گیا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے واضح نشانی ہے جو متذکّر ہوتے ہیں۔

تفسیر

سب چیزیں انسان کے دست تسخیر میں ہیں

ایک بہت اہم معنوی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ خدا کے ذمے ہے کہ لوگوں کو اس صراط مستقیم کی ہدایت کرے جس میں کوئی انحراف اور کجی نہیں ہے۔

خدا نے انسان کو مختلف توانائیاں عطا کی ہیں اور اسے طرح طرح کی استعدادیں دی ہیں تاکہ تکامل وارتقاء کی راہ میں اس کی مدد کی جائے کیونکہ تکامل وارتقاء اس کا مقصد خلقت ہے اسی طرح نباتات اور دیگر مختلف جانداروں کو بھی اس ہدف تک پہنچنے کیلئے ضروری توانائیاں عطا کی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ انسان اپنے ارادے کے ساتھ آگے بڑھتا ہے جبکہ نباتات اور جانور بے اختیار اپنے ہدف کی طرف جاتے ہیں نیز تکامل انسان کی قوس صعودی کا بھی دیگر جانداروں سے کوئی موازنہ نہیں ہے۔

اس طرح خدا تعالیٰ نے خلقت اور تکوینی کے اعتبار سے عقل واستعداد اور دیگر لازمی توانائیاں عطا کر کے اسے اس صراط مستقیم پر چلنے کیلئے تیار کیا ہے۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو وحی آسمانی درکار تعلیمات اور انسانی ضرورت کے قوانین کے ساتھ بھیجا تاکہ تشریعی لحاظ سے صحیح اور غلط راستے کو جدا جدا کر کے دکھا دیں اور اس راستے پر چلنے کیلئے انسان کے شوق کو ابھاریں اور اسے انحرافی راستوں سے باز رکھیں یہ بات جاذب نظر ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں خدا تعالیٰ نے اس امر کو اپنا ایک فریضہ شمار کیا ہے۔

انحرافی راستے چونکہ بہت زیادہ ہیں اس لئے قرآن اگلے مرحلے پر انسان کو بیدار کرتے ہوئے کہتا ہے ان راستوں میں سے بعض انحرافی ہیں انسان کے کمال وارتقاء کیلئے چونکہ اختیار وارادے کی آزادی اہم ترین عامل ہے لہٰذا قرآن ایک مختصر سے جملے کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے اگر خدا چاہتا تو تم سب کو زبردستی راہ راست کی ہدایت کرتا یہاں تک کہ تم ایک قدم بھی اس سے آگے نہ رکھ سکتے۔ لیکن اس نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ جبری ہدایت نہ باعث افتخار ہے اور نہ تکامل وارتقاء کا ذریعہ۔

(۱۰) اس آیت میں پھر مادی نعمت کا ذکر ہے تاکہ انسانوں کے احساسِ شکر کو ابھارا جائے اور ان کے دلوں میں عشقِ الٰہی کے نور سے اجالا کیا جائے اور انہیں ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کی زیادہ سے زیادہ معرفت کی دعوت دی جائے قرآن کہتا ہے وہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا۔ حیات بخش میٹھا صاف اور شفاف اور ہر قسم کی آلودگی سے پاک............ جسے تم پیتے ہو۔ اور اسی سے پودے اور درخت نکلتے ہیں کہ جنہیں چرنے کے لئے تم اپنے جانور بھیجتے ہو۔

اس میں شک نہیں کہ بارش کا فائدہ یہی نہیں کہ اس کا پانی انسانوں کے پینے اور پودوں کے اگنے کے کام آتا ہے بلکہ اس سے ہوا صاف ہوجاتی ہے انسانی جسم کو درکار رطوبت اور نمی حاصل ہوتی ہے انسانی تنفس میں سہولت کا باعث ہے اور اسی طرح اس بارش کے اور بے شمار فائدے ہیں لیکن چونکہ مذکورہ دو باتیں زیادہ اہم تھیں اس لئے فقط انہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۱) قرآن بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے بارش کے پانی ہی سے تمہاری کھیتیاں اگاتا ہے۔ مختصر یہ کہ تمام پھل اسی سے اگتے ہیں۔

یقیناً یہ رنگا رنگ پھل اور طرح طرح کی کھیتیاں خدا کی طرف سے ان لوگوں کیلئے واضح نشانیاں ہیں جو صاحب فکر ہیں۔

اس کے بعد اس نعمت کی طرف اشارہ ہے کہ اس جہاد کے مختلف موجودات انسان کیلئے مسخر کر دیئے گئے ہیں ارشاد الٰہی ہے: اللہ نے تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کر دیا ہے اور اسی طرح سورج اور چاند کو بھی۔ اسی طرح ستارے بھی حکم انسان کے سامنے مسخر ہیں۔

ان امور میں یقیناً خدا اور اس کی خلقت کی عظمت کی نشانیاں ہیں ان کیلئے جو عقل وفکر رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ زمین میں پیدا کی گئی مخلوقات کو بھی تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔

رنگا رنگ کی مخلوقات۔ طرح طرح کے لباس مختلف قسم کی غذائیں، پاکیزہ بیویاں، آرام وآسائش کے وسائل قسم قسم کی معدنیات، زیرزمین اور بالائے زمین مفید چیزیں اور دوسری نعمتیں......................ان میں بھی واضح نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

(۱۳) زیتون، کھجور اور انگور ہی کا ذکر کیوں؟

ہوسکتا ہے یہ سمجھا جائے کہ قرآن نے مندرجہ بالا آیت میں طرح طرح کے پھلوں میں سے، کھجور اور انگور کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ نزول قرآن کے علاقے میں موجود تھے لیکن قرآن کے عالمی اور جاودانی ہونے اور اس کی تعبیرات کی گواہی کی طرف توجہ کرتے ہوئے واضح ہوجاتا ہے کہ مطلب اس سے کہیں اونچا ہے۔

غذا شناس اور وہ عظیم سائنس دان جنہوں نے اپنی عمر کے سالہا سال مختلف پھلوں کے خواص کے مطالعے میں صرف کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بہت کم پھل ایسے ہیں جو غذائیت کے اعتبار سے انسانی جسم کے لئے ان تین پھلوں جتنے مفید اور مؤثر ہوں وہ کہتے ہیں کہ زیتون کا تیل بدن کے جلنے بعد کے پھر سے بننے کے لئے بہت اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس میں حرارت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی بناء پر یہ ایک قوت بخش شے ہے۔ جو لوگ اپنی صحت وسلامتی کی حفاظت چاہتے ہیں۔ انہی اس اکسیر سے استفادہ کرنا چاہئے۔

بڑی اچھی غذا ہے منہ کو خوشبودار بنادیتی ہے۔ بلغم کو دور کرتی ہے چہرے کو صفائی اور تازگی بخشتی ہے۔

اعصاب کو تقویت بخشتی ہے۔ بیماری اور درد کو دور کر دیتی ہے اور غصے کی آگ کو بجھا دیتی ہے۔

اس میں پوٹاشیم بھی موجود ہے جبکہ پوٹاشیم کی بند میں کمی ہی زخم معدہ کی حقیقی وجہ سمجھی جاتی ہے نیز اس کا وجود پٹھوں اور بدن

کے تانے بانے کے لئے بہت ہی قیمتی ہے دورِ حاضر کے غذا شناسوں میں یہ بات مشہور ہے کہ کھجور سرطان کو روکتی ہے کیونکہ اس سلسلے میں جو اعداد و شمار مہیا ہوتے ہیں وہ نشاندہی کرتے ہیں کہ جن علاقوں میں کھجوریں زیادہ کھائی جاتی ہیں وہ سرطان کی بیماری میں کم مبتلا ہوتے ہیں عرب کے بدو اور صحرا نشین جن کی زندگی فقر و فاقے میں گزرتی ہے کھجور کھانے کی وجہ سے کبھی سرطان میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ سمجھی جاتی ہے کہ کھجور میں میگنیشم موجود ہے۔

خرمے میں شکر بہت ہے اور یہ شکر کی زیادہ صحیح اور بہتر قسم ہے یہاں تک کہ بعض مواقع پر شوگر کی بیماری میں مبتلا شخص بھی آرام کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

باقی رہا انگور.........تو غذا شناس ماہرین کے بقول یہ اس قدر مئوثر عوامل رکھتا ہے کہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک طبیعی میڈیکل اسٹور ہے علاوہ ازیں انگور خواص کے لحاظ سے ماں کے دودھ کے قریب قریب ہے یعنی ایک مکمل غذا ہے انگور جسم میں گوشت سے دگنی حرارت پیدا کرتا ہے اس کے علاوہ یہ زہر کی ضد اور کاٹ ہے۔ خون کی صفائی، جوڑوں کے درد کے علاج، ورم کے آرام اور خون بڑھانے کے لئے یہ ایک مئوثر دوا ہے۔ انگور معدے اور آنتوں کو غیر مشکوک کر دیتا ہے یہ نشاط آفریں ہے اور رنج و غم کو برطرف کر دینے والا ہے اعصاب کو تقویت پہنچاتا ہے اس میں موجود مختلف وٹامن انسان کو قوت بخشتے ہیں انگور ایک نہایت قیمتی غذا ہونے کے علاوہ جراثیم کشی کی بہت صلاحیت رکھتا ہے یہاں تک کہ سرطان کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی یہ ایک مئوثر عامل ہے۔

ان پھلوں کے بارے میں غذا شناسوں نے جو کچھ کہا ہے اور فراواں روایات ان کے بارے میں اسلامی مصادر میں آئی ہیں ہم وہ سب کچھ بیان کرنے لگیں تو یقیناً روشِ تفسیر سے ہٹ جائیں گے مقصد یہ تھا کہ ہم واضح کریں کہ قرآن نے ان تین پھلوں کا ذکر بلا وجہ نہیں کیا اور شاید اس زمانے میں ان کے فوائد کا اہم حصہ لوگوں سے مخفی تھا۔

(۱۴) وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	وہ ذات وہی ہے جس نے (تمہارے لئے) دریا کو مسخر کیا تاکہ اس سے تازہ گوشت کھا سکو اور لباس کیلئے اس سے وسائل زینت نکالو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ دریا کا سینہ چیرتی ہیں تاکہ تم (تجارت کر سکو اور) فضل خدا سے بہرہ مند ہو سکو، شاید تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔
(۱۵) وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ	اور اس نے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑوں کو گاڑ دیا تاکہ تمہیں اس کی حرکت اور لرزنے سے محفوظ رکھے اور اس نے دریا پیدا کئے اور راستے بنائے، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔

(۱۶) وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجۡمِ هُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ	اور اس نے نشانیاں پیدا کیں اور (رات کے وقت) ان (لوگوں) کی ستاروں کے ذریعے راہنمائی کی گئی ہے۔
(۱۷) اَفَمَنۡ يَّخۡلُقُ كَمَنۡ لَّا يَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ	کیا خلق کرنے والا اس کی مانند ہے جو خلق نہیں کرتا؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟
(۱۸) وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ	اور اگر تم نعماتِ خدا کو گننا چاہو تو ہرگز شمار نہیں کر پاؤ گے یقیناً اللہ غفور رحیم ہے۔

تفسیر

پہاڑ، دریا اور ستارے نعمت ہیں

ان آیات میں انسان کو حاصل کچھ اور اہم نعمات الٰہی کا ذکر ہے یہاں بات دریاؤں سے شروع کی گئی ہے کہ جو انسانی زندگی کا بہت اہم منبع ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے جس نے دریاؤں اور سمندروں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے اور انہیں تمہاری خدمت پر مامور کیا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ زمین کا زیادہ تر حصہ دریاؤں اور سمندروں پر مشتمل ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ زندگی کی پہلی کونپل دریا سے پھوٹی اس وقت بھی دریا اور سمندر انسانوں اور زمین کی تمام موجودات کی زندگی کو جاری رکھنے کیلئے اہم منبع ہیں انہیں خدمت بشر پر مامور کرنا خدا تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔

اس کے بعد دریاؤں اور سمندروں کے تین فوائد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ وہ گوشت کہ جس کی پرورش کی زحمت تم نے نہیں اٹھائی صرف خدا کے دست قدرت نے انہیں سمندروں اور دریاؤں میں پالا ہے اور تمہیں یہ مفت حاصل ہوا ہے۔

اس گوشت کی تازگی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے اس زمانے میں بھی پرانا اور باسی کئی طرح کا گوشت ملتا تھا اور ہمارے اس زمانے میں بھی ملتا ہے اس صورت حال پر نظر رہے تو اس نعمت کی اہمیت اور تازہ گوشت سے غذا تیار کر کے کھانے کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

سمندروں سے ملنے والی چیزوں میں سے زینت اور بناؤ سنگھار کے کام آنے والی چیزیں بھی ہیں لہٰذا قرآن مزید کہتا ہے تاکہ اس سے پہننے کیلئے زینت کی چیزیں نکال سکو۔

انسان چوپایوں کی طرح ذوق سے محروم نہیں بلکہ روح انسانی کے چار مشہور پہلو ہیں ان میں سے ایک جمالیاتی حس ہے یہی ذوق حقیقی شعر اور ہنر کی تخلیق کا سرچشمہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان کا روحانی پہلو بشری زندگی میں بہت موثر ہے اور صحیح طریقے سے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اس پہلو کی ضروریات بھی پوری کرنی چاہیں۔

جولوگ جمال پرستی اور زینت اور لذتوں میں غرق ہیں وہ اسی طرح گمراہ ہیں جیسے وہ خشک افراد جو ہر قسم کی زینت کے مخالف ہیں ان میں سے ایک گروہ افراط میں مبتلا ہے اور دوسرا تفریط میں۔ایک گروہ سرمائیے کو ضائع کرنے' طبقاتی فاصلے پیدا کرنے اور معنویات کو قتل کرنے کا باعث ہے جبکہ دوسرا جمود اور ٹھہراؤ کا باعث ہے۔اور اسلام نہ افراط کو پسند کرتا ہے اور نہ تفریط کو بلکہ اسلام درمیانی راستہ اپناتا ہے۔

اسی بنا پر اسلام میں معقول طریقے سے اور فضول خرچی سے بچتے ہوئے زیب وزینت سے استفادہ کی اجازت دی گئی ہے مثلاً اچھے لباس پہننے' مختلف قسم کے عطر استعمال کرنے بعض قیمتی پتھروں سے استفادہ کرنے کی سفارش کی گئی ہے خصوصاً عورتوں کیلئے چونکہ وہ زیب وزینت کی طرف فطری طور پر زیادہ رغبت رکھتی ہیں لیکن ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ فضول خرچی سے خالی ہونا چاہئے۔

آخر میں تیسری دریائی نعمت کا ذکر ہے اور وہ ہے اس میں کشتیوں کا چلنا جو کہ انسان اور اس کی ضروریات کی نقل وحمل کا ایک اہم ذریعہ ہیں فرمایا گیا ہے تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ سمندر کا سینہ چیرتی ہیں۔

کشتی پر بیٹھے ہوئے لوگ جب صفحہ سمندر پر چل رہے ہوتے ہیں تو یہ منظر کس قدر قابل دید ہوتا ہے خدا نے یہ نعمت تمہیں بخشی ہے تاکہ اس سے فائدہ اٹھاؤ اور راہ تجارت میں اس کے فضل وکرم سے استفادہ کرو۔ان سب نعمتوں کی طرف متوجہ ہونے سے تم میں احساس ذمہ داری پیدا ہو تو شاید اس کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔

(۱۵) سمندروں اور دریاؤں کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد قرآن سخت اور مضبوط پہاڑوں کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے گئے ہیں تاکہ اسے لرزنے اور حرکت کرنے سے بچایا جائے اور تم اس پر آرام واطمینان سے رہ سکو۔

پہاڑ چونکہ پانیوں کے اصل خزانوں میں سے ہیں برف کی صورت میں یا اندرونی طور پر ان میں پانی ہوتا ہے لہٰذا ان کے ساتھ ہی فوراً دریاؤں اور نہروں کی نعمت کا ذکر کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے اور تمہارے لئے دریا اور نہریں پیدا کی گئی ہیں۔

ممکن تھا کہ پہاڑوں کے وجود سے یہ توہم پیدا ہوتا کہ وہ زمین کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتے ہیں اور راستوں کو بند کر دیتے ہیں لہٰذا مزید فرمایا گیا ہے اور تمہارے لئے راستے بنائے گئے ہیں تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

(۱۶) راستہ چونکہ نشانی اور علامت اور راہنما کے بغیر انسان کو مقصد تک نہیں پہنچاتا لہٰذا راستے کی نعمت کا ذکر کرنے کے بعد ان نشانیوں اور علامتوں کا ذکر کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے اور علامتیں قرار دی گئی ہیں۔

یہ علامتین مختلف قسم کی ہیں پہاڑوں کی شکل وصورت درے اور ان کا ایک دوسرے سے کٹاؤ اور علیحدگی زمین کا نشیب وفراز مختلف رنگ کی مٹی پہاڑوں کے مختلف رنگ یہاں تک کہ ہر ایک میں چلنے والی ہواؤں کی کیفیت راستے تلاش کرنے کیلئے علامتیں ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ یہ علامتیں مسافروں کیلئے کس قدر مددگار ہیں یہ انہیں منزل سے دور ہو جانے اور کھو جانے سے بچاتی ہیں بعض بیابان ایک ہی طرز کے ہوتے ہیں انہیں عبور کرنا بہت زیادہ مشکل اور خطرناک ہے ایسے ایسے بیابان ہیں کہ کتنے ہی لوگ ان میں گئے ہیں اور پھر پلٹ کر نہیں آئے۔

بعض اوقات انسان تاریک راتوں میں بیابانوں میں سفر کرتا ہے یا رات کو وسط سمند میں سفر کرتا ہے اور اس کیلئے ایسی کوئی علامات نہیں ہوتیں ایسے میں اللہ تعالیٰ آسمانی علامتوں کو مدد کیلئے بھیجتا ہے تا کہ اگر زمین میں کوئی علامت نہیں ہے تو مسافر آسمانی علامت سے استفادہ کریں اور بھٹک نہ جائیں لہٰذا مزید فرمایا گیا ہے اور ستاروں کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی کی جاتی ہے۔

(۱۷) پروردگار کی ان عظیم نعمتوں اور پوشیدہ الطاف کا ذکر کرنے کے بعد قرآن انسانی وجدان کو فیصلے کی دعوت دیتا ہے کیا پیدا کرنے والا اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا کیا تم خیال نہیں کرتے۔

یہ تربیت کا ایک نہایت موثر طریقہ ہے قرآن نے اس سے بہت سے مواقع پر استفادہ کیا ہے قرآن سوالیہ طریقے سے مسائل پیش کر دیتا ہے اور ان کا جواب ان پر چھوڑ دیتا ہے جن کا وجدان بیدار ہے قرآن اس طریقے سے لوگوں کے احساس کو ابھارتا ہے تا کہ جواب ان کی روح کے اندر سے اٹھے اور پھر وہ اسے قبول کر لیں اور اس جواب سے اس طرح محبت کریں جیسے وہ اپنے وجود سے پیدا ہونے والی اولاد سے کرتے ہیں۔

اصولی طور پر علم نفسیاتی کی رو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ صحیح تعلیم و تربیت کیلئے زیادہ سے زیادہ کوشش کی جانا چاہئے اس طرح کی جسے تعلیم دی جا رہی ہو وہ مطالب کا خود سے احساس کرے اور خود اس کے اندر سے وہ مطالب نکلیں اسے یہ احساس نہ ہو کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جو باہر سے اس پر ڈالی گئی ہے مقصد یہ ہے کہ وہ ان مطالب کو اپنے پورے وجود کے ساتھ قبول کرے اور ان کا دفاع بھی کرے۔

(۱۸) آخر میں اس بناء پر کہیں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ نعمتِ الٰہی انہی چیزوں پر منحصر ہے قرآن کہتا ہے اور اگر خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو یہ تمہارے بس میں نہیں۔

سرتاپا تمہارا وجود اس کی نعمتوں میں مستغرق ہے ہر سانس جو اندر اور باہر آتا ہے یہی دو نعمتیں نہیں۔ لحہ بھر میں ہزاروں نعمتیں ہیں اور ہر نعمت پر ایک شکر واجب ہے ہماری عمر کے گذرنے والے ہر لمحے کیلئے ہمارے بدن کے اندر اور باہر لاکھوں زندہ اور بے جان موجود کام کرتے ہیں جن کی فعالیت کے بغیر لحظہ بھر کی زندگی ممکن نہیں۔

اصولاً ہم تمام نعمتوں سے آگاہ ہی نہیں۔ انسانی علم و دانش کا دامن جتنا پھیلتا جا رہا ہے ان نعمتوں کے نئے افق ہم پر کھلتے جا رہے ہیں ایسے افق کہ جو بے کنار ہیں کیا ان حالات میں ہم خدا کی نعمتیں شمار کر سکتے ہیں؟

اس وقت سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہم کس طرح اس کے شکر کا حق ادا کر سکتے ہیں اس حالت میں کیا ہم ناشکروں کے زمرے میں نہیں آئیں گے؟

اس سوال کا جواب قرآن اس آیت کے آخری جملے میں دیتا ہے کہتا ہے خدا غفور و رحیم ہے۔

جی ہاں! اللہ اس سے زیادہ مہربان اور بزرگوار ہے کہ اپنی نعمتوں پر شکر کی طاقت نہ ہونے پر تمہارا مواخذہ کرے اگر تم یہ جان لو کہ تم سرتاپا اس کی نعمت میں غرق ہو اور اس کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو اور اپنا عذر کوتاہی اس کی بارگاہ میں پیش کرو تو تم نے اس کا بہت شکر ادا کیا ہے............ ورنہ وہ شکر کہ جو اس کی خداوندی کے لائق ہے کوئی ادا نہیں کرسکتا............ لیکن یہ سب کچھ اس میں مانع نہیں کہ ہم مقدور بھر اس کی نعمتوں کو شمار کریں کیونکہ جس قدر جہاں بینی اور جہاں شناسی میں اضافہ ہوتا جائے گا معرفت الٰہی میں بھی اضافہ ہوگا اور عشق الٰہی کا نور بھی دل میں زیادہ ضیا پاش ہوگا۔

(۱۹) وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ	جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، اللہ سب کو جانتا ہے۔
(۲۰) وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ	خدا کے علاوہ وہ جن معبودوں کو پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو خلق نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تو خود مخلوق ہیں۔
(۲۱) اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ ؏	وہ بے جان موجودات ہیں (جن میں زندگی کی کوئی رمق نہیں) اور انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی عبادت کرنے والے کب محشور ہوں گے۔
(۲۲) اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ مُّنۡکِرَۃٌ وَّ ہُمۡ مُّسۡتَکۡبِرُوۡنَ	تمہارا معبود خدائے یکتا ہے لیکن جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل حق کا انکار کرتے ہیں اور وہ بڑے بن بیٹھے ہیں۔
(۲۳) لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡتَکۡبِرِیۡنَ	جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں یقیناً خدا اس سب سے باخبر ہے اور وہ مستکبرین کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر

مردہ اور بے شعور معبود

زیر نظر پہلی آیت میں معبود حقیقی کی تیسری صفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے علم اور دانائی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ جسے تم پنہاں رکھتے ہو اور جسے تم آشکار کرتے ہو خدا سب کو جانتا ہے۔

پھرتم بتوں کے پیچھے کیوں جاتے ہو کہ جن کا کائنات کی خالقیت میں ذرہ برابر بھی حصہ نہیں۔ نہ جنہوں نے تمہیں کوئی چھوٹی سے چھوٹی نعمت بخشی ہے اور نہ جو تمہارے پوشیدہ اسرار اور ظاہری اعمال جو جانتے ہیں یہ کیسے معبود ہیں کہ جن میں ضرورت کی ایک بھی صفت نہیں۔

(۲۰) اس آیت میں قرآن دوبارہ مسئلہ خالقیت کی طرف لوٹتا ہے لیکن اس کے مشابہ آنے والی پہلی آیت سے بات کچھ آگے کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے جن معبودوں کو وہ پکارتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ کوئی چیز خلق نہیں کرتے بلکہ خود بھی مخلوق ہیں۔

اب تک تو بحث اس بارے میں تھی کہ وہ خالق نہیں ہیں لہٰذا لائق عبادت نہیں ہو سکتے اب فرمایا گیا ہے کہ وہ تو خود مخلوق ہیں۔ نیاز منداور محتاج ہیں۔ اس صورت میں وہ انسانوں کا سہارا کیسے ہو سکتے ہیں۔ کس طرح ان کی مشکل کشائی کر سکتے ہیں؟ یہ کیسا احمقانہ فیصلہ ہے۔

(۲۱) علاوہ ازیں وہ تو مردہ ہیں۔ انہوں نے زندگی کی بو تک نہیں سونگھی اور نہ اس کی استعداد رکھتے ہیں۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے۔ یہ بت بالکل نہیں جانتے کہ ان کی عبادت کرنے والے کس وقت اور کس زمانے میں مبعوث ہوں گے۔ ثواب اور جزا ان کے ہاتھ میں ہوتی تو انہیں کم از کم اپنے عبادت گزاروں کے پھر سے جی اٹھنے کا تو پتہ ہوتا۔ اس جہالت کے ہوتے ہوئے وہ کس طرح لائق عبادت ہو سکتے ہیں یہ پانچویں صفت ہے جو معبود حقیقی میں ہونا چاہئے جبکہ وہ اس سے محروم ہیں۔

اب تک ہم کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ بت اور بت پرستی کا قرآن کی منطق میں وسیع مفہوم ہے ہر موجود یا ہر شخص جسے ہم خدا کے بدلے سہارا قرار دے لیں اور اپنی تقدیر اس کے ہاتھ میں سمجھیں وہ ہمارا بت شمار ہوگا لہٰذا جو کچھ مندرجہ بالا آیات میں آیا ہے وہ ان قوتوں کے بارے میں بھی ہے جو ظاہراً بت پرست نہیں ہیں لیکن ایک سچے مومن کا سا استقلال نہیں رکھتے وہ جو کمزور بندوں کو اپنا سہارا بنائے ہوئے ہیں اور آزادی کی بجائے وابستگی اور دوسروں پر انحصار کی زندگی گزارتے ہیں جو سمجھتے کہ عالمی سپر طاقتیں مشکلات میں ان کا سہارا بن سکتی ہیں جبکہ یہ طاقتیں جہنمی اور خدا سے بیگانہ ہیں ایسے لوگ بھی عملی طور پر بت پرست اور مشرک ہیں اور ہمیں ان سے کہنا چاہئے کہ کیا تمہارے ان معبودوں نے کوئی چیز خلق کی ہے؟ کیا وہ کسی نعمت کا سرچشمہ ہیں؟ کیا یہ تمہارے اندرونی اسرار سے آگاہ ہیں۔

(۲۲) بتوں کی صلاحیت کی نفی پر ان واضح دلائل کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے تمہارا اللہ واحد ہی ہے۔ مبداء معاد ہر جگہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزم ہیں بلا فاصلہ مزید فرمایا گیا ہے وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور فطرتاً مبداء کے بارے میں بھی ٹھیک ایمان نہیں رکھتے ان کے دل حقیقت کے منکر ہیں اور وہ حق کے مقابلے میں مستکبر بنے ہوئے ہیں۔

ورنہ توحید کے دلائل تو متلاشیان حق کیلئے اور حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والوں کیلئے آشکار ہیں۔ اسی طرح معاد کے دلائل بھی واضح ہیں۔ استکبار وتکبر اور حق کے سامنے سر نہ جھکانے کے سبب وہ ہمیشہ انکار ہی کرتے ہیں یہاں تک کہ حسی حقائق کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔

(۲۳) زیر بحث آخری آیت میں ہم پھر دیکھتے ہیں۔ غیب و شہود اور پنہاں و آشکار پر خدا کی آگاہی کا ذکر کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے جسے تم پنہاں رکھتے ہو اور جسے تم آشکار کرتے ہو یقیناً خدا اس سے باخبر ہے۔

یہ جملہ درحقیقت کفار اور دشمنانِ حق کیلئے دھمکی ہے کہ خدا تمہاری حالت سے ہرگز غافل نہیں ہے وہ نہ صرف ان کے ظاہر کو جانتا ہے بلکہ ان کے باطن سے بھی آگاہ ہے اور موقع آنے پر ان سے حساب لے گا۔

وہ مستکبر ہیں اور خدا مستکبرین کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ حق کے سامنے استکبار اور تکبر خدا سے بیگانگی کی پہلی دلیل ہے۔

(۲۴) وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ مَّاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۙ	اور جس وقت ان (بے ایمان افراد سے) کہا جائے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے، تو وہ کہتے ہیں یہ (خدائی وحی نہیں یہ) تو گذشتہ لوگوں کے جھوٹے افسانے ہیں۔
(۲۵) لِيَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِيۡنَ يُضِلُّوۡنَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ۚ	روزِ قیامت ان کے گناہوں کا بوجھ انہیں پوری طرح اپنے کندھے پر اٹھانا ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں کا ایک حصہ بھی جنہیں انہوں نے جہالت کی وجہ سے گمراہ کیا ہے، جان لو کہ وہ اپنے کندھوں پر سنگین بوجھ اٹھاتے ہیں۔
(۲۶) قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَ اَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ	جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ (بھی) اسی قسم کی سازشیں کرتے تھے، لیکن خدا نے ان کی (زندگی) کو بنیاد ہی سے اکھاڑ پھینکا اور اوپر سے ان کے سروں پر چھت گرائی اور (اللہ کا) عذاب ان پر ادھر سے آیا جہاں سے وہ نہیں جانتے تھے۔
(۲۷) ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُخۡزِيۡهِمۡ وَ يَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تُشَآقُّوۡنَ فِيۡهِمۡ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اِنَّ الۡخِزۡىَ الۡيَوۡمَ وَ السُّوۡٓءَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ	پھر قیامت کے دن خدا انہیں رسوا کرے گا اور ان سے کہے گا: کہ تم نے جو میرے شریک بنا رکھے تھے، جن کی وجہ سے دوسروں کے ساتھ تم دشمنی کرتے تھے وہ کہاں ہیں اس وقت اہلِ علم کہیں گے: آج کے دن رسوائی اور بدبختی کافروں کیلئے ہے۔

(۲۸) الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ‌ۖ فَاَلۡقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعۡمَلُ مِنۡ سُوۡٓءٍ‌ؕ بَلٰۤى اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	(روح قبض کرنے والے) فرشتے ان کی روح اس حالت میں قبض کریں گے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہوگا۔اس وقت وہ سر جھکا لیں گے۔(اور کہیں گے) کہ ہم برے کام نہیں کرتے تھے۔جی ہاں! جو کچھ انجام دیتے تھے خدا اسے جانتا ہے۔
(۲۹) فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا‌ؕ فَلَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِیۡنَ	اب جہنم کے دروازوں میں سے داخل ہو جاؤ تم کو ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔یہ مستکبرین کے لئے کیسا برُا ٹھکانا ہے۔

تفسیر

جو دوسروں کے گناہ اپنے کندھے پر لا د لیتے ہیں

گذشتہ آیات میں مستکبرین کے بارے میں گفتگو تھی جو کبھی بھی حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح حق کو قبول کرنے سے بچ جائیں۔

زیر نظر آیات میں اس بے ایمان گروہ کی دائمی منطق بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی وحی نہیں ہے یہ تو وہی اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

یہ بات جاذب توجہ ہے کہ آج کے مستکبرین بھی اکثر اوقات حق سے فرار کرتے ہوئے تکلیف واذیت دینے کے لئے نیز دوسروں کو گمراہ کرنے کیلئے ایسی ہی باتیں کرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے معاشرہ شناسی کے نام پر کتابیں لکھی ہیں اور اپنے ان نظریات کو علمی شکل میں پیش کیا ہے انہوں نے مذہب کو انسانی جہالت کی پیداوار اور مذہبی تفاسیر وتشریحات کو افسانے اور قصے کہانیاں قرار دیا ہے لیکن اگر ان کی فکر کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مسئلہ کچھ اور ہے اور یہ لوگ فضول اور جعلی مذاہب کے خلاف مصروف جنگ نہیں بلکہ یہ خود ان کی پیدائش اور نشر واشاعت کا عامل ہیں ان کی مخالفت صرف سچے مذاہب کے ساتھ ہے کہ جو انسانی افکار کو بیدار کرتے ہیں۔سامراج واستعمار کی زنجیریں توڑتے ہیں اور جو مستکبرین اور استعمار گروں کیلئے سدراہ ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ مذہبی تعلیمات ان کے منصوبوں کے خلاف ہیں کیونکہ وہ عدل وانصاف کے اصول پر مبنی ہیں اور تفریق ظلم اور ہر قسم کی خود غرضی کے خلاف جنگ کرتی ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی آرزوؤں کے برخلاف مذہب کے اخلاقی احکام سرکش ہوا وہوس اور بے سروپا آزادیوں سے مطابقت نہیں رکھتے۔ان سب پہلوؤں کو جب وہ مجموعی طور پر دیکھتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ اس رکاوٹ کو راستے سے ہٹا دیں یقیناً اپنے اس کام کیلئے انہیں ایک جواب کی بھی ضرورت ہے جو وہ لوگوں کو دے سکیں لہٰذا ان کیلئے اس سے بہتر کون سا جواب ہے کہ ان تعلیمات کو جھوٹے افسانے قرار دے لیں۔

مذہب کے تمام حقیقی طرفداروں پر لازم ہے کہ وہ ایسی خرافات کا شدت سے مقابلہ کریں اور ان کے خلاف جنگ کریں اور دشمنوں کو غیر مسلح کر دیں یہ حقیقت ہر جگہ لکھیں اور کہیں کہ اس قسم کی خرافات کا سچے مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور دشمن کو انہیں سند نہیں بنانا چاہئے اصول عقائد اور مسائل عملی کے بارے میں انبیاء کی تعلیمات عقل و منطق سے اس قدر ہم آہنگ ہیں کہ ان کیلئے اس قسم کی تہمتوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۲۵) زیرِ نظر دوسری آیت میں ان دل کے اندھوں کے اعمال کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے روز قیامت یہ لوگ اپنے گناہوں کا بوجھ پوری طرح اپنے دوش پر اٹھائیں گے اور ایک حصہ ان لوگوں کے گناہوں کا بھی کہ جنہیں جہالت کی وجہ سے انہوں نے گمراہ کیا ہے۔

جان لو کہ وہ بدترین بوجھ اور ذمہ داری اپنے کندھے پر اٹھائے ہوں گے۔ کیونکہ بعض اوقات ان کی گفتگو ہزاروں افراد کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

کس قدر دشوار ہے کہ انسان اپنے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھائے ہزاروں دوسرے افراد کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے اور اگر ان کی گمراہ کن باتیں بعد کی نسلوں کی گمراہی کا سرچشمہ بن جائیں تو ان کا بوجھ بھی ان کے کندھے پر پڑے گا۔

(۲۶) اس آیت میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ پہلا موقع نہیں کہ مستکبرین ہادیان الٰہی پر تہمت لگا رہے ہیں اور آسمانی وحی کو اساطیر الاولین پہلے لوگوں کے افسانے شمار کرتے ہیں بلکہ ان سے پہلے والے بھی ایسی سازشیں کرتے تھے لیکن خدا ان کی زندگی کی بنیاد کی طرف گیا اور اسے بنیاد سے اکھیڑ دیا اور اوپر سے ان کے سروں پر چھت گرا دی۔

اور عذاب الٰہی ادھر سے ان کی طرف آیا جدھر کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔

عمارت کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا اور چھت کو نیچے گرانا ہو سکتا ہے ظاہری طور پر عمارتوں اور ان کی چھتوں کی طرف اشارہ ہو کہ جو زلزلوں اور بجلیاں گرنے سے تباہ و برباد ہو جائیں اور ان کے سروں پر آ گریں یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے اداروں اور ڈویلپمنٹ کی طرف اشارہ ہو کہ جو حکم خدا سے جڑ سے اکھاڑ پھینکی گئیں اور تباہ و برباد ہو گئیں اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ آیت دونوں معانی کی طرف اشارہ ہو۔

جو کچھ کہا گیا ہے وہ ان کیلئے دنیاوی عذاب ہے لیکن ان کی سزا یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے بعد روز قیامت بھی خدا انہیں رسوا کرے گا۔ وہاں ان سے پوچھے گا اور کہے گا کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جو تم نے میرے لئے بنائے تھے اور ان سے تمہیں بڑی عقیدت تھی اور ان کی وجہ سے تم دوسروں سے جنگ و جدال کرتے تھے بلکہ دشمنی پر تل جاتے تھے۔

یقیناً اس سوال کا جواب ان کے پاس نہیں ہے لیکن اس موقع پر اہل علم لب کشائی کریں گے اور کہیں گے شرمندگی رسوائی اور بدبختی آج کے دن کفار کیلئے ہے۔

(۲۸) گذشتہ آیت کے آخر میں جن کفار کا ذکر کیا تھا اگلی آیت کے بارے میں انہی کا ذکر ہے یہ ذکر دراصل ایک ہلا دینے

والا اور غافل افراد کو بیدار کرنے والا ہے ارشاد ہوتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ موت کے فرشتے اس عالم میں ان کی روحیں قبض کرتے ہیں جبکہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہوتا ہے۔

انسان جو ظلم وستم کرتا ہے پہلے مرحلے میں وہ خود اسی پر ہوتا ہے اور دوسروں کے گھر سے پہلے وہ اپنا ہی گھر ویران کرتا ہے کیونکہ ظلم کا پہلا قدم یہ ہے کہ خود ظلم کرنے والے کی باطنی خوبیاں اور اس کی اپنی اچھی صفات برباد ہو جاتی ہیں علاوہ ازیں جس معاشرے میں ظلم کی بنیاد رکھی جائے اجتماعی ومعاشرتی رشتوں کے حوالے سے چکر لگاتا ہوا وہ ظلم خود ظالم کے گھر کی طرف پلٹ آتا ہے۔

لیکن یہ ظالم جب اپنے آپ کو موت کی چوکھٹ پر دیکھتے ہیں اور غرور وغفلت کے پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹتے ہیں تو وہ فوراً مان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے برا کام انجام دیا ہے۔

وہ ہر قسم کے برے کام کا انکار کیونکر کریں گے؟ کیا وہ جھوٹ بولیں گے' اس لئے کہ بار بار جھوٹ بولنے کی وجہ سے جھوٹ ان کی ذاتی صفت بن گیا ہے یا کیا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے یہ کام انجام دیئے ہیں لیکن ہم سے غلطی ہوگئی ہے اگرچہ ہماری نیت بری نہیں تھی ممکن ہے دونوں وجوہ ہوں۔

مگر ان سے فوراً کہا جائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو تم نے بہت سے برے کام کئے ہیں۔جی ہاں! اللہ تمہارے اعمال اور اسی طرح تمہاری نیتوں سے باخبر ہے۔لہٰذا اب انکار کرنے اور بہانے بنانے کی گنجائش نہیں۔

(۲۹) اب جبکہ ایسا ہے تو جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ کہ تم نے اس میں ہمیشہ کیلئے رہنا ہے۔متکبرین کا ٹھکانا کس قدر برا ہے۔

(۳۰) وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ	اور جب پرہیزگاروں سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں خیر (اور سعادت) جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کیلئے بھلائی ہے .اور آخرت کا گھر تو اس سے بھی بہتر ہے اور پرہیزگاروں کا گھر کتنا اچھا ہے۔
(۳۱) جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ	بہشت جاوداں کے باغات ہیں کہ جن میں وہ سب داخل ہوں گے. ان کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ جو کچھ چاہیں گے وہاں موجود ہوگا. اللہ پرہیزگاروں کو اسی طرح جزا دیتا ہے۔

(۳۲)الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤٮِٕكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	وہی لوگ (قبض روح کرنے والے) فرشتے جن کی روح اس حالت میں قبض کریں گے کہ وہ پاک و پاکیزہ ہوں گے انہیں کہیں گے کہ تم پر سلام ہو اپنے اعمال کے سبب بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

تفسیر

نیک لوگوں کا انجام

گذشتہ آیات میں ہم نے پڑھا ہے کہ مشرکین قرآن کے بارے میں کیا اظہار خیال کرتے تھے ان آیات میں ہم نے ان مشرکین کا انجام بھی پڑھا ہے۔ زیرنظر آیات میں مومنین کا اعتقاد بتایا گیا ہے اور ان کے انجام کار کی بھی خبر دی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے جب پرہیزگاروں سے کہا جاتا کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں خیر و سعادت۔

''خیر'' کس قدر معنی خیز، خوبصورت اور جامع تعبیر ہے وہ بھی مطلق صورت میں کہ جس کے مفہوم میں تمام طرح کی نیکیاں، مادی روحانی سعادتیں اور کامیابیاں شامل ہیں دنیا میں خیر، آخرت میں خیر، فرد کے لئے خیر، معاشرے کے لئے خیر، تعلیم وتربیت میں خیر، سیاست واقتصاد میں خیر اور امن و آزادی کی خیر مختصر یہ کہ ہر لحاظ سے خیر۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب کسی لفظ کو حذف کر دیا جائے تو اس کے مفہوم میں عمومیت پیدا ہو جاتی ہے۔

زیرِنظر آیات میں مومنین کے اعتقادات کا نتیجہ بھی بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جنہوں نے نیکی کی ہے ان کے لئے اس دنیا میں نیکی ہے۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ ان کی جزا ''حسنہ'' کے اظہار ایمان خیر کی طرح مطلق ہے اور اس کے مفہوم میں اس جہاں کی انواع واقسام کی حسنات اور نعمات شامل ہیں۔

یہ تو ان کی دنیا کی جزا ہے جبکہ آخرت کا گھر اس سے بھی بہتر ہے اور پرہیزگاروں کا گھر کس قدر اچھا ہے۔

(۳۱) پہلے تو پرہیزگاروں کے گھر کا ذکر سربستہ طور پر کیا گیا ہے اس آیت میں اس کی توصیف یوں کی گئی ہے پرہیزگاروں کا گھر بہشت کے جادواں باغ ہیں۔ یہ سب ان گھروں میں داخل ہو جائیں گے۔ ان درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہی نہیں کہ وہاں باغات اور درخت ہوں گے بلکہ وہ جو کچھ چاہیں وہاں موجود ہے۔

(۳۲) لیکن یہاں فرمایا گیا ہے پرہیزگار وہ لوگ ہیں کہ روح قبض کرنے والے فرشتے ان کی روح اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک و پاکیزہ ہیں۔ اس موقع پر فرشتے انہیں کہتے ہیں۔ سلام ہو تم پر۔ وہ سلام کہ جو امن و سلامتی اور آرام وسکون کی نشانی ہے۔

اس کے بعد کہتے ہیں اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہوجاؤ۔

تتوفاهم (ان کی روح حاصل کرتے ہیں)............ یہ موت کے بارے میں ایک لطیف تعبیر ہے اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ موت فنا و نابودی نہیں اور اس سے ہر چیز ختم نہیں ہوجاتی بلکہ ایک بالاتر مرحلے کی طرف منتقل ہونے کا مرحلہ ہے۔

(۳۳)هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ	کیا وہ اس کے علاوہ کسی چیز کے منتظر ہیں کہ (قبض روح کرنے والے) فرشتے ان کے پاس آئیں یا پھر ان کی سزا کے بارے میں تیرے پروردگار کا حکم آپہنچے (اور پھر وہ توبہ کریں) ان سے پہلے والے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔
(۳۴)فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۧ	اور ان کے بُرے اعمال کا نتیجہ ان تک پہنچا، اور جس (وعدہ عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان تک آپہنچا۔
(۳۵) وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ	اور جن لوگوں نے کیا انہوں نے کہا: اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے آباؤ اجداد اس (اللہ) کے غیر کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے (جی ہاں) ان سے پہلے لوگوں نے بھی یہی کام انجام دیئے ہیں لیکن کیا انبیاء کی ذمہ داری سوائے واضح تبلیغ کے کچھ ہے؟
(۳۶)وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ	ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ وہ خدائے یکتا کی عبادت کریں اور طاغوت سے اجتناب کریں۔ ایک گروہ کو خدا نے (اس کی اہلیت کی بنا پر) ہدایت کی اور ایک گروہ کو (نااہلی کی وجہ سے) گمراہی دامن گیر ہوئی پس رُوئے زمین میں چلو پھر و اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

(۳۷) اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِیۡ مَنۡ يُّضِلُّ وَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ	تم ان کی ہدایت کا جتنا بھی لالچ کرو (کوئی فائدہ نہیں) کیونکہ اللہ نے جسے گمراہ کیا ہے اس کی ہدایت نہیں فرماتا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

تفسیر

انبیاء کی ذمہ داری واضح تبلیغ ہے

قرآن دوبارہ مشرکین اور مستکبرین کی طرز فکر اور طرز عمل کے بارے میں تجزیہ وتحلیل کرتا ہے اور تہدید آمیز لہجے میں کہتا ہے وہ کس انتظار میں ہیں کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ موت کے فرشتے ان کے پاس آئیں توبہ کے دروازے بند ہوجائیں دفتر اعمال لپیٹ دیا جائے اور واپسی کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔

یا پھر کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کیلئے تیرے پروردگار کی طرف سے عذاب کا حکم صادر ہو۔

جبکہ اس حالت میں بھی توجہ کے دروازے بند ہوجائیں گے اور بازگشت اور تلافی کا راستہ باقی نہ رہے گا۔

"یاتی امر ربک" (خدا کا حکم آجائے گا) اس جملے سے بہت سے احتمالات پیدا ہوسکتے ہیں لیکن اگر اس امر کی طرف توجہ کی جائے کہ یہ تعبیر قرآن کی مختلف آیات میں نزول عذاب کے بارے میں آئی ہے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں بھی وہی معنی مراد ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے یہی گروہ نہیں کہ جس کا یہ طرز عمل ہے بلکہ گذشتہ مشرکین اور مستکبرین بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے۔ خدا نے تو ان پر ظلم نہیں کیا انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

(۳۴) دوبارہ ان کے اعمال کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے بالآخر ان کے اعمال کی برائیاں ان تک آپہنچتی ہیں۔ (وعدہ عذاب الٰہی کہ) جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ان تک آپہنچے گا۔

بہر حال یہ آیت کہ جو کہتی ہے کہ ان کے اعمال کی برائیاں ان تک آپہنچیں ایک مرتبہ پھر اس حقیقت پر زور دیتی ہے کہ یہ انسان کے اپنے ہی اعمال ہیں کہ جو اس جہان میں بھی اور اس جہان میں بھی اسے دامن گیر ہوتے ہیں اس کے یہ اعمال مختلف صورتوں میں بھی مجسم ہوتے ہیں اور اسے رنج تکلیف آزار اور اذیت دیتے ہیں۔

(۳۵) یہ آیت مشرکین کی ایک کمزور اور بے بنیاد منطق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے آباؤاجداد اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرتے اور بتوں کا رخ نہ کرتے۔ اور کوئی چیز اس کے اذن کے بغیر حرام قرار نہ دیتے۔

یہ کچھ چوپایوں کی طرف اشارہ ہے کہ جنہیں مشرکین نے زمانہ جاہلیت میں اپنی طرف سے حرام قرار دے لیا تھا ان کے اس

طرزعمل پر پیغمبر اسلامﷺ شدید تنقید کرتے تھے۔

یہ تفسیر اس آیت اوراس کے بعد کی آیات کے ظاہری مفہوم سے مناسبت رکھتی ہے اسی لئے بلا فاصلہ فرمایا گیا ہے ان کے آباؤاجداد بھی یہی کچھ کرتے تھے (اورانہی بہانوں کا سہارا لیتے تھے) لیکن کیا انبیاء الٰہی کی ذمہ داری واضح تبلیغ کے علاوہ کچھ اور ہے؟

(۳۶) یہ حقیقت بیان کرنے کے بعد کہ انبیاء کی ذمہ داری صرف ابلاغ آشکار اور تبلیغ واضح ہے اس آیت میں انبیاء کی کیفیت دعوت کی طرف ایک مختصر اور جامع اشارہ کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ ان سب رسولوں نے یہی دعوت دی ہے کہ خدائے یکتا کی پرستش کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کی دعوت توحید کا نتیجہ کیا نکلتا ہے قرآن کہتا ہے ان امتوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں خدا نے ہدایت کی اور ان میں ایسے بھی تھے کہ گمراہی جنہیں دامن گیر ہوئی۔

آیت کے آخر میں گمراہوں کو بیدار کرنے اور ہدایت یافتہ افراد کی روحانی تقویت کیلئے ایک عمومی حکم صادر فرمایا گیا ہے زمین میں چلو پھرو اور صفحہ زمین پر یا تہ خاک چھپے ہوئے گزشتہ لوگوں کے آثار کا مطالعہ کرو اور دیکھو آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

یہ تعبیر بھی انسانی ارادے کی آزادی کیلئے ایک زندہ دلیل ہے کیونکہ ہدایت وگمراہی جبری ہوتی تو زمین میں چلنا پھرنا اور گزشتہ لوگوں کے حالات کا مطالعہ کرنا فضول تھا لہٰذا یہ حکم بذات خود اس بات کی تاکید ہے کہ کسی شخص کی سرنوشت پہلے سے معین شدہ نہیں ہے بلکہ خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

(۳۷) زیر بحث آخری آیت میں پیغمبر اکرمﷺ کی دلجوئی کے طور پر تاکید کی گئی ہے آخر کار یہ گمراہ اور ہٹ دھرم لوگ اس مقام تک جا پہنچیں گے تو جس قدر بھی ان کی ہدایت کیلئے خواہش مند ہو جائے اور کوشش کرے' کوئی فائدہ نہ ہوگا' کیونکہ خدا جسے گمراہ کرے۔ (پھر اسے) ہدایت نہیں کرتا۔ اور ان کیلئے کوئی یاور ومددگار نہیں ہے۔

(۳۸) وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ ۙ لَا یَبۡعَثُ اللّٰہُ مَنۡ یَّمُوۡتُ ؕ بَلٰی وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۙ	وہ (مشرک) تاکید سے قسم کھا کر کہتے ہیں مرجانے والوں کو خدا ہرگز مبعوث نہیں کرے گا۔ جی ہاں! یہ خدا کا قطعی وعدہ ہے (کہ وہ تمام مرنے والوں کو پھر سے زندہ فرمائیگا) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۳۹) لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ	مقصد یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں وہ اختلاف کرتے تھے وہ ان کے سامنے واضح کر دی جائیگی تا کہ انکار کرنے والے جان لیں کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔
(۴۰)اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَىْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۠	(معاد و قیامت ہمارے لئے مشکل نہیں ہے کیونکہ) ہم جس وقت کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف کہتے ہیں کہ ''ہو جا'' تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

شان نزول

پہلی آیت کی شان نزول کے بارے میں مفسرین نقل کرتے ہیں۔

ایک مسلمان نے کسی مشرک سے کچھ قرض واپس لینا تھا جب اس نے مطالبہ کیا تو اس نے قرض ادا کرنے میں لیت ولعل کی۔مسلمان پریشان ہوا' اس نے دوران گفتگو قسم کھائی۔

اس چیز کی قسم کہ میں جس کے انتظار میں ہوں ....

اس کا مقصد قیامت اور حساب خدا تھا۔

مشرک کہنے لگا:

''تم سمجھتے ہو کہ ہم موت کے بعد زندہ کئے جائیں گے۔واللہ وہ کسی مردہ کو زندہ نہیں کرے گا''۔

اس نے یہ بات اس لئے کہی کیونکہ ان لوگوں کا خیال تھا کہ مردوں کی بازگشت اور حیات نو فضول یا محال بات ہے۔

اس کی اس بات پر مذکورہ آیت نازل ہوئی اس میں اسے اور اس جیسے افراد کو جواب دیا گیا ہے اور مسئلہ معاد کو واضح دلیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر

معاد اور اختلافات کا خاتمہ

گذشتہ آیات توحید اور رسالت انبیاء کے بارے میں تھیں۔زیر بحث آیات میں مباحث توحید کے ایک پہلو کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وہ تاکید کے ساتھ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مرجانے والوں کو خدا ہرگز مبعوث نہیں کرے گا اور انہیں حیات نو عطا نہیں کرے گا۔

بغیر کسی دلیل کے ان کا یہ انکار اور وہ بھی تاکیدی قسموں کے ساتھ ان کی نادانی اور جہالت کی نشانی ہے لہٰذا ان کے جواب میں قرآن کہتا ہے یہ خدا کا قطعی وعدہ ہے کہ وہ تمام مرنے والوں کو حیات نو عطا کرے گا تاکہ وہ اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھ لیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔اور وہ لوگ نہ جاننے کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں۔

(۳۹) زیرِ نظر دوسری آیت میں معاد و قیامت کا مقصد اور اس پر خدا کی قدرت کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس امر کی نشاندہی کی جائے کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حیات نو قدرت خدا میں نہیں ہے تو یہ ان کا بہت بڑا اشتباہ ہے اور اگر ان کا خیال ہے کہ معاد و قیامت بے مقصد ہے تو یہ بھی ان کی بہت بڑی غلطی ہے۔

فرمایا گیا ہے خدا مرنیوالوں کو مبعوث کرے گا تاکہ جس چیز کے بارے میں وہ اختلاف کرتے تھے ان کے سامنے واضح کر دے۔اور اس لئے کہ وہ جان لیں کہ وہ اس حقیقت کا جھوٹ انکار کرتے تھے۔

(۴۰) دوسرا نکتہ ایک اور حقیقت پر مبنی ہے وہ یہ کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی بازگشت اور نئی زندگی محال ہے تو یہ جان لیں کہ قدرت خدا اس سے برتر و بالا ہے جب ہم کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو فقط یہ کہتے ہیں کہ ''ہو جا'' تو وہ فوراً موجود ہوتی ہے۔

ایسی قدرت کاملہ کہ جس میں صرف ''ہو جا'' کا فرمان ہر چیز کے وجود کیلئے کافی ہو تو پھر اس کیلئے مردوں کے حیات نو عطا کرنے کی قدرت کے بارے میں تردد و شک کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

شاید وضاحت کی ضرورت نہ ہو کہ ''کن'' (ہو جا) کی تعبیر بھی تنگی بیان کی وجہ سے ہے ورنہ خدا کیلئے ''کن'' کی ضرورت نہیں۔

(۴۱) وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ	اور جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے اور پھر انہوں نے خدا کیلئے ہجرت کی ہے، ہم اس دنیا میں ان کو اچھا مقام عطا کریں گے اور اگر وہ جانیں تو آخرت کی جزا بہت بڑی ہے۔
(۴۲) الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ	وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور صرف اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

شان نزول

ان آیات کی شان نزول میں بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ مکہ میں اسلام لانے کے بعد بعض مسلمانوں مثلاً بلال، عمار یاسر، صہیب اور خباب پر سخت تشدد کیا گیا اسلام کی تقویت اور دوسروں تک اپنی آواز پہنچانے کیلئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہ ہجرت آپ کی اور دوسروں کی کامیابی کا باعث بنی۔صہیب سن رسیدہ شخص تھے انہوں نے

مشرکین مکہ سے کہا کہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں میں اگر تمہارے پاس رہوں تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اگر میں تمہارا مخالف رہوں تو تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا تم ایسا کرو کہ میرا مال لے لو اور مجھے مدینہ جانے دو۔ اس پر وہ لوگ راضی ہو گئے۔ صہیب نے انہیں اپنا تمام مال واسباب دے دیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ اس پر بعض لوگوں نے صہیب سے کہا کہ تو نے نفع کا سودا کیا ہے اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں جن میں' دوسرے جہان میں ان کی اوران جیسے لوگوں کی کامیابی کا تذکرہ ہے۔

تاریخ میں ہے کہ خلفاء کے زمانے میں جب بیت المال کے اموال تقسیم ہوتے تھے تو مہاجرین کی باری آتی تھی تو انہیں کہا جاتا تھا کہ اپنا حصہ لے لو یہ وہی ہے کہ جو خدا نے تمہیں دنیا میں دینے کا وعدہ کیا ہے اور جو کچھ دوسرے جہان میں تمہارے انتظار میں ہے وہ بہت زیادہ ہے اس کے بعد وہ مذکورہ بالا آیت تلاوت کرتے تھے۔

تفسیر

مہاجرین کی جزا

ہم نے بارہا کہا ہے کہ قرآن اپنے تربیتی امور میں جس موثر ترین روش سے استفادہ کرتا ہے وہ ہے موازنہ اور تقابل۔ قرآن ہر چیز کو اس کے متضاد کے سامنے لے آتا ہے تاکہ ہر ایک کا مقام واضح اور متعین ہو جائے۔ گزشتہ آیات میں منکرین قیامت اور ہٹ دھرم مشرکین کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر بحث آیات سچے اور پاکباز مہاجرین کی بات کرتی ہیں تاکہ موازنہ اور تقابل سے دونوں کی کیفیت واضح ہو جائے۔

پہلے فرمایا گیا ہے جن لوگوں نے ستم اٹھائے اور پھر راہ خدا میں ہجرت کی ہم اس دنیا میں انہیں اچھی جگہ اور مقام دیں گے۔

یہ ان کی دنیاوی جزاء ہے رہی اخروی جزا اگر وہ جانیں تو وہ بہت ہی بڑی ہے۔

(۴۲) زیر نظر دوسری آیت میں ان سچے با استقامت اہل ایمان مہاجرین کی توصیف میں ان کے دو اوصاف بیان کئے گئے ہیں فرمایا گیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے صبر واستقامت کا دامن تھاما اور جو اللہ پر توکل رکھتے ہیں۔

(۴۳) وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ	ہم نے تم سے پہلے بھی ایسے مردوں ''جن پر وحی نازل کی'' کے سوا کسی کو نہیں بھیجا۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر لوگوں سے پوچھ لو۔

(۴۴)بِالۡبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَلَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ	(اور وہ لوگ جو) واضح دلائل اور (گزشتہ انبیاء کی) کتب سے آگاہ ہیں اور ہم نے اس ذکر (قرآن) کو تجھ پر نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کی طرف جو کچھ ہم نے بھیجا ہے وہ ان سے بیان کرو شاید وہ غور وفکر کریں۔

تفسیر

نہیں جانتے تو پوچھ لو

گذشتہ دو آیتیں حقیقی مہاجرین کے بارے میں تھیں البتہ زیر بحث آیات کے بارے میں دوبارہ اصول دین سے متعلق گزشتہ مسائل کا ذکر ہے ان میں مشرکین کے ایک مشہور اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔

وہ کہتے تھے کہ خدا نے تبلیغ رسالت کیلئے کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا (یا وہ کہتے تھے کہ پیغمبرﷺ کے پاس کوئی ایسی غیر معمولی قوت کیوں نہیں ہے جس کے ذریعے وہ ہمیں یہ کام ترک کرنے پر مجبور کردے کہ جو ہم انجام دیتے ہیں ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تجھ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں اور وہ بھی بس ایسے ہی مرد تھے کہ جن پر وحی نازل ہوتی تھی۔

جی ہاں! یہ مرد نوع بشر میں سے تھے ان میں تمام تر انسانی جذبات واحساسات موجود تھے یہ لوگوں کی مشکلات اور مصائب کو سب سے زیادہ سمجھتے تھے۔

اس حقیقت پر تاکید اور اس کی تائید کیلئے مزید فرمایا گیا ہے اگر اس بات کا تمہیں علم نہیں تو جاؤ باخبر لوگوں سے پوچھو۔

اس آیت میں ہے اگر تم انبیاء اور ان کی کتب کے واضح دلائل سے آگاہ نہیں ہو تو آگاہ اور باخبر لوگوں کی طرف رجوع کرو۔

درحقیقت بینات کا مفہوم ہے اثبات نبوت کے دلائل اور زبر ان کتب کی طرف اشارہ ہے جن میں انبیاء کی تعلیمات جمع تھیں۔

اس کے بعد قرآن روئے سخن پیغمبر اکرمﷺ کی طرف کرتے ہوئے کہتا ہے ہم نے یہ ذکر قرآن تجھ پر نازل کیا تاکہ لوگوں کیلئے جو کچھ نازل ہوا ہے تو ان سے بیان کرے۔

تاکہ وہ ان آیات پر غور وفکر کریں اور ان کے حوالے سے جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ان کی طرف متوجہ ہوں۔

درحقیقت تیری دعوت اور رسالت کا پروگرام اصولی طور پر کوئی نئی چیز نہیں۔ گزشتہ رسولوں پر بھی ہم نے آسمانی کتابیں نازل کی ہیں تاکہ وہ لوگون کو ان ذمہ داریوں سے آگاہ کریں کہ جو خدا' مخلوق اور خود اپنی ذات کی طرف سے ان پر عائد ہوتی ہیں ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ تو اس کے مفاہیم اور تعلیمات کو بیان کرے اور انسانوں کی فکر کو بیدار کرے تاکہ وہ مسئولیت اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ قدم اٹھائیں اور رشد وکمال کی طرف آگے بڑھیں (نہ کہ جبری طریقے سے اور خدا کی خلاف معمولی جبری طاقت سے)۔

(۴۵) اَفَاَمِنَ الَّذِیۡنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّخۡسِفَ اللّٰہُ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ یَاۡتِیَهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ	کیا سازش کرنے والے اللہ کے اس دردناک عذاب سے مامون (محفوظ) ہو گئے ہیں کہ جو ممکن ہے خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا اس کی سزا ایسی جگہ سے ان کے پاس آ پہنچے کہ جہاں سے انہیں توقع نہیں ہے۔
(۴۶)اَوۡ یَاۡخُذَهُمۡ فِیۡ تَقَلُّبِهِمۡ فَمَا هُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۙ	یا جس وقت (زیادہ مال و دولت سمیٹنے کیلئے) وہ دوڑ دھوپ کر رہے ہوں ان کا دامن آ پکڑے جبکہ وہ کہیں فرار بھی نہ کر سکیں۔
(۴۷) اَوۡ یَاۡخُذَهُمۡ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ	یا انہیں تدریجی طور پر خوف انگیز تنبیہات کے ساتھ اپنی گرفت میں لے کیونکہ تمہارا پروردگار رؤف اور رحیم ہے۔

تفسیر

مختلف گناہوں کی مختلف سزائیں

بہت سے مباحث میں قرآن استدلالی مطالب' جذباتی پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس طرح سے پیش کرتا ہے کہ وہ سامعین کے دلوں کیلئے بہت زیادہ اثر انگیز ہو جاتے ہیں۔ زیر نظر آیات قرآن کی اسی روش کا ایک نمونہ ہیں۔

گذشتہ آیات میں نبوت و معاد کے مسئلے پر مشرکین سے ایک بحث تھی لیکن زیر بحث آیات میں جابر' مستکبر اور ہٹ دھرم گنہ گاروں کو تہدید کی گئی ہے اور انہیں مختلف طرح کے عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے نور حق کو بجھا دینے کیلئے طرح طرح کی منحوس سازشیں کرنے والے یہ لوگ کیا عذاب الٰہی سے مامون ہو گئے ہیں حالانکہ ہر آن ممکن ہے خدا انہیں زمین میں دھنسا دے۔

کیا یہ بعید ہے کہ زمین پر ایک وحشت ناک زلزلہ آ جائے سطح زمین پھٹ جائے اور اس میں وہ تمام تر ساز و سامان حیات کے ساتھ دھنس جائیں اور اقوام عالم کی تاریخ میں ایسا بارہا ہوا ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے یا جب وہ غفلت میں ہوں عذاب الٰہی ایسی جگہ سے آ پہنچے جہاں سے انہیں توقع ہی نہ ہو۔

(۴۶) یا جس وقت وہ زیادہ مال جمع کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کر رہے ہوں انہیں عذاب دامن گیر ہو جائے۔ جبکہ وہ کہیں بھاگ بھی نہ سکیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں معجزین اعجاز کے مادہ سے ناتواں اور عاجز کرنے کے معنی میں ہے ایسے مواقع پر یہ

عذاب کے چنگل سے فرار کرنے کے معنی میں ہے۔

(۴۷) یا یہ کہ عذاب الٰہی اچانک ان تک نہ پہنچے بلکہ تدریجی طور پر پے در پے تنبیہوں کے بعد انہیں اپنی گرفت میں لے۔ آج ان کا ہمسایہ کسی سانحے کا شکار ہوا' کل ان کے کسی باغ کو نقصان پہنچا اگلے روز ان کے کچھ اور اموال ضائع ہو گئے ....خلاصہ یہ کہ یکے بعد دیگرے انہیں تنبیہیں کی گئیں وہ بیدار ہو گئے تو کیا خوب ورنہ آخری اور اصلی عذاب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔

کسی گروہ کیلئے ایسے مواقع پر عذاب اور سزا تدریجی اس لئے ہے کہ ابھی اس میں احتمال ہدایت موجود ہے اور خداوند قدوس کی رحمت اجازت نہیں دیتی کہ اس کے ساتھ دوسروں کا سا سلوک کیا جائے کیونکہ تمہارا پروردگار رؤف اور رحیم ہے۔

(۴۸) اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمۡ دٰخِرُوۡنَ	کیا وہ (مشرک) مخلوقِ خدا کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے کس طرح سے دائیں بائیں حرکت کرتے ہیں اور وہ خضوع و خشوع سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔
(۴۹) وَ لِلّٰهِ یَسۡجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّةٍ وَّ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمۡ لَا یَسۡتَكۡبِرُوۡنَ	(نہ صرف ان مخلوقات کے سائے بلکہ) آسمانوں اور زمین میں چلنے والے تمام انسان اور ملائکہ خدا کے حضور سجدہ کرتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا تکبر نہیں ہے۔
(۵۰) یَخَافُوۡنَ رَبَّهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ۩ السجدة	وہ اپنے پروردگار (کی نافرمانی) سے ڈرتے ہیں کہ جو ان کا حاکم ہے اور جس چیز پر وہ مامور ہیں اسے انجام دیتے ہیں۔

تفسیر

سائے تک اللہ کے حضور سجدہ ریز ہیں

ان آیات میں دوبارہ بحث توحید کی طرف لوٹ آئی ہے پہلے ارشاد ہوتا ہے کیا وہ سازشی مشرک مخلوق خدا کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح ان کے سائے ان کے دائیں بائیں حرکت کرتے ہیں اور بڑے خشوع و خضوع سے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

(۴۹) گذشتہ آیت میں صرف سایوں کے سجدہ کرنے کی بات ایک وسیع مفہوم کے طور پر آئی تھی لیکن اس آیت میں تمام مادی و غیر مادی اور تمام آسمانی و زمینی موجودات کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر حرکت کرنے والی تمام موجودات اور اسی طرح فرشتے خدا کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ اور وہ اس میں کسی قسم کا کوئی تکبر نہیں کرتے۔ اور وہ خدا اور اس کے فرمان کے سامنے تسلیم محض ہیں۔

سجدہ درحقیقت انتہائی خشوع وخضوع اور پرستش کا نام ہے وہ سجدہ جو سات اعضاء کے ساتھ ہم انجام دیتے ہیں سجدہ کے عمومی مفہوم کا ایک مصداق ہے ورنہ سجدہ کا مفہوم بس اسی میں منحصر نہیں ہے۔

(۵۰) لہٰذا اس کے بعد فوراً ان کی دو صفات کا تذکرہ ہے اور یہ دونوں ان میں تکبر کے نہ ہونے کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے وہ اپنے پروردگار کی مخالفت سے ڈرتے ہیں کہ جو ان کا حاکم ہے۔ اور جس چیز پر وہ معمور ہیں اسے خوب انجام دیتے ہیں۔

(۵۱) وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ	اور اللہ نے حکم دیا ہے کہ دو خداؤں کا انتخاب نہ کرو (تمہارا) معبود صرف ایک ہے۔ صرف مجھ سے (اور میرے عذاب سے) ڈرو۔
(۵۲) وَ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ	جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور دین (اور دینی قانون) ہمیشہ اسی کا ہے تو کیا تم اس کے غیر سے ڈرتے ہو؟
(۵۳) وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ۚ	تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمتیں ہیں سب خدا کی طرف سے ہیں پھر جب تمہیں پریشانیاں (اور تکالیف) پہنچتی ہیں تو اسی کو پکارتے ہو۔
(۵۴) ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ	اور جب وہ رنج و تکلیف تم سے دور کر دیتا ہے تو تم میں سے بعض اپنے پروردگار کیلئے شریک بنانے لگتے ہیں۔
(۵۵) لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫	(چھوڑو انہیں) ہم نے انہیں جو نعمتیں دی ہیں ان کا کفران کر لیں (دینوی مال ومتاع سے) فائدہ اٹھالیں،
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ	پس عنقریب جان لیں گے (کہ تمہارا انجام کیا ہے)۔

تفسیر

ایک دین اور ایک معبود

توحید اور خداشناسی کی بحث کے بعد زیر نظر آیات میں نظام خلقت کے حوالے سے نفی شرک پر زور دیا گیا ہے تاکہ ان دونوں

سے مجموعی طور پر حقیقت زیادہ آشکار ہو جائے۔

پہلے فرمایا گیا ہے۔خدا نے حکم دیا ہے کہ دو خدا نہ مانو۔معبود ایک ہی ہے۔

نظام خلقت کی وحدت اور اس پر حکم قوانین کی وحدت' خود خالق ومعبود کی وحدت کی دلیل ہے اب جبکہ ایسا ہی ہے تو صرف میرے عذاب سے ڈرو اور میرے فرمان کی مخالفت سے خوف کھاؤ نہ کہ کسی غیر سے ڈرتے رہو۔

(۵۲) یہاں سے تین آیات میں توحید عبادت کی دلیل چار حوالوں سے پیش کی گئی ہے۔پہلے ارشاد ہوتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی ملکیت ہے۔تو کیا عالمِ ہستی کے مالک کو سجدہ کرنا چاہیئے یا بتوں کو کہ جو کسی بھی قابلیت سے محروم ہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ آسمان وزمین اس کی ملکیت ہیں بلکہ ہمیشہ سے دین اور تمام قوانین بھی اسی کی طرف سے ہیں۔جب یہ ثابت ہے کہ عالم ہستی اس کی طرف سے ہے اور وہی تکوینی قوانین ایجاد کرتا ہے تو مسلم ہے کہ تشریعی قوانین بھی اسی کے ذریعے معین ہونا چاہئیں لہٰذا طبعاً وفطرتاً اطاعت بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کیا اس کے باوجود کہ تمام قوانینِ دین اور اطاعتِ خدا سے مخصوص ہیں اس کے غیر سے ڈرتے ہو۔

یہ درحقیقت معبود یگانہ یعنی اللہ کی عبادت ضروری ہونے کے بارے میں یہاں تیسری بات کی گئی ہے مراد یہ ہے کہ بتوں کی عبادت اگر شکر نعمت کی وجہ سے ہے تو انہوں نے تو تمہیں کوئی نعمت نہیں دی کہ جس کا شکر ضروری ہو بلکہ تمہارے وجود پر سرتا پا نعمت الٰہی محیط ہے اس کے باوجود تم نے اس کی بندگی کو چھوڑ رکھا ہے اور بتوں کے پیچھے لگے پھرتے ہو۔

علاوہ ازیں جب تمہیں پریشانیوں مصیبتوں اور رنج وبلا کا سامنا ہوتا ہے تو انہیں دور کرنے کیلئے بارگاہ الٰہی میں آہ وزاری کرتے ہو اور اسے پکارتے ہو۔لہٰذا بتوں کی پرستش اگر دفع ضرر اور حل مشکلات کیلئے کرتے ہو تو غلط ہے کیونکہ خود تم نے بھی عملی طور پر ثابت کیا ہے کہ زندگی کے سنگین لمحات میں سب چیزوں کو چھوڑ کر خدا کی بارگاہ کی طرف جاتے ہو یہ دراصل مسئلہ توحید عبادت کے بارے میں چوتھی بات ہے۔

(۵۴) جی ہاں! ان مواقع پر خدا تمہاری فریاد سنتا ہے اس کا جواب دیتا ہے اور تمہاری مشکلات کو برطرف کرتا ہے پھر جب اللہ تمہارے ضرر اور رنج وغم کو برطرف کر دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ اپنے پروردگار کیلئے شریک ماننے لگتے ہیں اور بتوں کی راہ لیتے ہیں۔

قرآن درحقیقت اس باریک نکتے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے کہ فطرت توحید تم سب میں موجود ہے عام حالات میں غفلت غرور جہالت تعصب اور خرفات کے پردے سے ڈھانپ دیتے ہیں لیکن جب طوفان وحوادث آ جائیں اور مصائب کی تند وتیز آندھیاں چل پڑیں تو یہ پردے ہٹ جاتے ہیں اور نور فطرت آشکار ہو جاتا ہے اور چہرہ فطرت چمکنے لگتا ہے ایسی حالت میں تم خدا کو اپنے پورے وجود اور اخلاص کے ساتھ پکارتے ہو۔اور خدا بھی رنج وبلا تم سے دور کر دیتا ہے رنج وبلا کے پردے اس لئے ہٹ جاتے

ہیں کہ غفلت کے پردے اٹھ چکے ہوتے ہیں (توجہ رہے کہ آیت میں لفظ "کشف الضر" استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے مشکلات کے پردے ہٹ جانا)

ادھر طوفان مصائب تھمتا ہے زندگی ساحل سکون سے ہم کنار ہوتی ہے اور ادھر وہی غفلت، غرور اور شرک و بت پرستی ظاہر ہونے لگتی ہے۔

(۵۵) منطقی دلائل اور توضیح حقیقت کے بعد، زیر بحث آخری آیت میں تہدید آمیز لہجے میں کہا گیا ہے تمہیں جو نعمتیں دی گئیں ہیں ان کا کفران کرلو اور چند روز اس دنیاوی مال و متاع سے بہرہ مند ہولو لیکن عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے کام کا انجام کیا ہے۔

یہ بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی انسان کسی منحرف شخص کو مختلف دلائل و براہین کے ساتھ وعظ و نصیحت کرے تو ممکن ہے اس پر کوئی اثر نہ ہو تو آخر میں ایسے تہدید آمیز جملے پر اپنی گفتگو تمام کردے کہ جو باتیں میں تم سے کہہ چکا ہوں یہ سننے کے باوجود اگر تم اپنی اصلاح نہ کرو تو پھر جو کچھ کرسکو کرتے رہو لیکن یاد رکھو تم جلد اس کے انجام سے دوچار ہو گے۔

(۵٦) وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ	اور جو روزی ہم نے انہیں دی ہے وہ اس کا ایک حصہ بتوں کے نام کر دیتے ہیں جبکہ ان سے وہ کسی قسم کے نفع و نقصان کی خبر نہیں رکھتے. خدا کی قسم ان جھوٹی تہمتوں پر ان سے باز پرس ہوگی۔
(۵۷) وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ	وہ اللہ کیلئے بیٹیوں کے قائل تھے. اللہ (اس سے) منزہ ہے، لیکن اپنے لئے وہ (لوگ) وہ کچھ چاہتے جو انہیں پسند ہوتا ہے۔
(۵۸) وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ۚ	حالانکہ جب ان میں سے کسی کو خبر دی جائے کہ تمہارے یہاں بیٹی ہوئی ہے تو غم اور پریشانی کے مارے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ زہر کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔

(۵۹)يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ	اس بری خبر پر اپنے قوم قبیلے سے منہ چھپائے پھرتا ہے اور اس فکر میں ہوتا ہے کہ ذلّت اٹھا کر اسے (بیٹی کو) زندہ رہنے دے یا اسے زندہ درگور کردے. یہ لوگ کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔
(۶۰) لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۧ	بری صفتیں انہیں ہی جچتی ہیں جو دارِآخرت پر ایمان نہیں رکھتے. خدا کیلئے تو اعلیٰ صفات ہیں اور وہ عزیز و حکیم ہے۔

تفسیر

جہاں بیٹی کو باعث رسوائی سمجھا جاتا تھا

پہلے ارشاد ہوتا ہے ان مشرکوں کو ہم نے جو روزی دی ہے اس کا ایک حصہ بتوں کی نذر کر دیتے ہیں جبکہ انہیں ان سے کسی نفع ونقصان کی خبر تک نہیں۔

جس حصے کا یہاں ذکر ہے اس میں کچھ اونٹ اور دیگر چوپائے شامل ہوتے ہیں اور کچھ حصہ وہ زرعی پیداوار کا وقف کرتے ہیں اس کی طرف سورہ انعام کی آیہ ۱۳۶ میں اشارہ ہوا ہے کہ مشرکین زمانہ جاہلیت میں اسے بتوں کیلئے مخصوص سمجھتے تھے اور ان کی راہ میں خرچ کرتے تھے حالانکہ بتوں سے انہیں کوئی فائدہ پہنچتا تھا نہ ضرر کا خوف ہوتا تھا یہ نہایت احمقانہ کام تھا جو وہ انجام دیتے تھے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا قسم بخدا! قیامت کی عدالت میں ان تہمتوں اور جھوٹوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اس باز پرس پر ان کیلئے اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ اس اعتراف کے بعد انہیں سزا ملے گی لہٰذا تمہارے اس برے اور منحوس عمل کا دنیاوی نقصان بھی ہے اور اخروی بھی۔

(۵۷) ان کی دوسری منحوس بدعت یہ تھی کہ وہ اس خدا کیلئے بیٹیوں کے قائل تھے کہ جو ہر قسم کی آسائش جسمانی سے پاک ہے وہ معتقد تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں لیکن اپنی نوبت پر اپنے لئے وہ کچھ چاہتے جو انہیں پسند تھا۔

یعنی وہ کسی صورت تیار نہ تھے کہ انہی بیٹیوں کو اپنے لئے پسند کریں کہ جنہیں خدا کیلئے قرار دیتے تھے بیٹی تو ان کی نظر میں سخت ننگ و عار، رسوائی اور بدبختی کی علامت تھی۔

(۵۸) زیرِنظر تیسری آیت میں بات جاری رکھتے ہوئے ان کی تیسری بری عادت کی نشاندہی کی گئی ہے فرمایا گیا ہے جب ان میں سے کسی کو بشارت دی جاتی ہے کہ خدا نے تجھے بیٹی دی ہے تو غم اور غصے کے مارے ان کا رنگ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور زہر کے

گھونٹ پی کر رہ جاتا۔

(۵۹) معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اپنے خیال باطل کے باعث وہ جس ننگ و عار میں مبتلا ہے اس میں اس کی حالت یہ ہے کہ یہ بری خبر سن کر وہ اپنی قوم قبیلے سے چھپتا چھپاتا ہے۔

بات اس پر بھی بس نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ اس فکر میں غوطہ زن رہتا ہے کہ کیا وہ اس ننگ و عار کو قبول کر لے اور اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھے یا اسے زندہ درگور کر دے۔

آیت کے آخر میں اس ظالمانہ شقاوت آمیز غیر انسانی فیصلے کی انتہائی صراحت سے مذمت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جان لو کہ وہ بہت بڑا اور قبیح فیصلہ کرتے ہیں۔

آخر میں ان تمام برائیوں اور قباحتوں کو آخرت پر ایمان نہ ہونے کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے جو دار آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہی کی ایسی بری صفات ہوتی ہیں۔

لیکن خدا کی صفات بہت عالی ہیں۔اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

یہی سبب ہے کہ جو انسان اس عظیم و عزیز اور حکیم و دانا خدا کے نزدیک ہوتا ہے اس کے علم وقدرت وحکمت کی بلند صفات کی طاقت ور شعاعیں اس پر پڑتی ہیں اور وہ خرافات اور گھٹیا بدعات سے الگ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) عورت کے مقام کے احیاء میں اسلام کا کردار

عورت کی تحقیر وتذلیل اور اس کی حیثیت کی تباہی زمانہ جاہلیت کے عربوں ہی میں نہ تھی بلکہ اس زمانے کی سب سے زیادہ متمدن قوموں کا بھی یہی حال تھا وہ عورت کو ایک حقیر وجود سمجھتے تھے اس سے زیادہ تر ایک متاع بازار کا سلوک کرتے تھے۔نہ کہ انسان کا سا۔البتہ دورِ جاہلیت کے عربوں کے ہاں عورت کی تذلیل زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ دہشتناک تھی یہاں تک کہ وہ نسب کو صرف مرد سے مربوط سمجھتے تھے اور عورت کو تو قبل پیدائش بچے کی پرورش کے لئے ایک ظرف شمار کرتے تھے۔

اسلام نے ظہور کیا تو اس نے اس فضول اور بے ہودہ روش کے خلاف مختلف حوالوں اور طریقوں سے سخت جنگ کی۔اسلام نے خاص طور پر بیٹی کی پیدائش کو ننگ و عار سمجھنے کے خلاف بہت جنگ کی ہے۔احادیثِ اسلامی میں کسی خاندان میں بیٹی کی پیدائش کو رحمتِ الٰہی کی آبشار جاری ہو جانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔رسولِ اکرم ﷺ خود اپنی بیٹی بانوئے اسلام فاطمہ زہرا علیہا السلام کا اس قدر احترام کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔آپ ﷺ اپنے اس قدر بلند مقام و منزلت کے ہوتے ہوئے اپنی بیٹی کے ہاتھ چومتے، کسی سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی فاطمہ علیہا السلام سے ملنے جاتے اور اس کے برعکس جب کسی سفر کے لئے روانہ ہوتے تو آخری گھر جس میں خدا حافظ کہنے کے لئے آتے وہ فاطمہ علیہا السلام ہی کا گھر ہوتا۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا

"نعم الولد البنات،ملطفات،مهجزات،مونسات مفليات"

(بیٹی کتنی اچھی ہوتی ہے وہ محبت کرنے والی مددگار مونس وغم خوار اور پاک و پاک کندہ ہوتی ہے)

درحقیقت عورت کو اسلام نے جو احترام عطا کیا ہے اسی کے سبب اسے معاشرے میں آزادی نصیب آئی اور اسی کے سبب عورتوں کی غلامی کا دور ختم ہوا۔

اس سلسلے میں اور بھی بہت سی کہنے کی باتیں ہیں جو متعلقہ آیات کی تفسیر میں بیان کی جائیں گی لیکن اس حقیقت کو یہاں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اب بھی اسلامی معاشروں میں دورِ جاہلیت کے آثار باقی ہیں۔اب بھی ایسے گھرانوں کی کمی نہیں جو لڑکے کی پیدائش پر تو خوش ہوتے ہیں لیکن لڑکی کی پیدائش پر افسردہ اور پریشان ہو جاتے ہیں یا کم از کم لڑکے کی پیدائش کو لڑکی پر ترجیح دیتے ہیں۔

البتہ ہو سکتا ہے کہ معاشرے میں عورتوں کی کیفیت کے حوالے سے خاص قسم کی اقتصادی اور معاشرتی حالات ایسی غلط عادات ورسوم کا باعث ہوں لیکن کچھ بھی ہو تمام سچے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے طرزِ فکر کو ختم کرنے کی جدجہد کریں۔اور اس فکر کی معاشرتی اور اقتصادی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکیں کیونکہ اسلام یہ بات پسند نہیں کرتا کہ چودہ صدیوں بعد اس کے پیروکار دورِ جاہلیت کے افکار و نظریات کی طرف پلٹ جائیں اور ایک نئے دورِ جاہلیت کا آغاز ہو جائے۔

(۶۱) وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ	اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے سزا دے تو سطحِ زمین پر چلنے والا کوئی باقی نہ رہے.لیکن وہ ایک عرصے تک انہیں موخر کر دیتا ہے.البتہ جب ان کی اجل آ پہنچتی ہے تو پھر وہ نہ ساعت بھر تاخیر کرتے ہیں اور نہ گھڑی بھر تقدیم کرتے ہیں۔
(۶۲) وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ	وہ خدا کیلئے وہ کچھ قرار دیتے ہیں کہ جسے خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں (یعنی بیٹیاں)'اس کے باوجود وہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ان کا انجام نیک ہے.اسمیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے (جہنم کی) آگ ہے اور وہ (اس کی طرف) پیش قدمی کرنے والے ہیں۔

(۶۳) تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	بخدا تجھ سے پہلے ہم نے امتوں کی طرف نبی بھیجے تھے لیکن شیطان نے ان امتوں کو ان کے اعمال انہیں سجا بنا کر دکھائے اور آج وہی ان کا ولی ہے،اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔
(۶۴) وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ	اور ہم نے قرآن تم پر نازل نہیں کیا مگر اس لئے کہ جس امر میں وہ اختلاف کرتے ہیں تو ان سے بیان کردو اور یہ ان کیلئے ہدایت ورحمت ہے جولوگ ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر

خدافوراً سزا کیوں نہیں دیتا؟

گذشتہ آیات میں مشرکین عرب کے وحشت ناک جرائم اور قبیح بدعتوں کا ذکر ہے ان میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ہوسکتا ہے اس موقع پر بعض ذہنوں میں یہ سوال ابھرے کہ ایسے ظالمانہ اقدامات پر خدا تعالیٰ فوری عذاب کیوں نہیں کرتا؟

زیر نظر آیت اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتی ہے اگر خدا لوگوں کو ان کے ظلم و گناہ پر سزا دے تو سطح زمین پر کوئی حرکت کرنے والا باقی نہ رہے۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے خدا سب ظالموں کو مہلت دیتا ہے اور اجل مسمیٰ ایک معین زمانے تک ان کی موت کو موخر کر دیتا ہے۔لیکن جب ان کی اجل آ پہنچتی ہے تو پھر گھڑی بھر کی تاخیر ہوتی ہے نہ تقدیم۔ بلکہ ٹھیک اسی لمحے موت انہیں دامن گیر ہو جاتی ہے اور لحظے کیلئے بھی آگے پیچھے نہیں ہوتی۔

(۶۲)اس آیت میں قرآن ایک مرتبہ پھر زمانہ جاہلیت کے عربوں کی بری رسموں کی مذمت کرتا ہے قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ وہ خود بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں لیکن دوسری طرف خدا کے لئے ان کے قائل ہیں۔

یہ عجیب وغریب تناقض اور تضاد ہے سورۂ نجم کی آیہ ۶۲ میں ہے۔

''یہ ایک انتہائی ناپسندیدہ تقسیم ہے''

فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ بیٹیاں اچھی چیز ہیں تو پھر تم کیوں بیٹی پیدا ہونے پر پریشان ہو جاتے ہو اور اگر یہ بری چیز ہے تو پھر خدا کیلئے اس کے قائل کیوں ہوتے ہو؟

اس کے باوجود ان کا غلط دعویٰ ہے کہ ان کا انجام نیک ہے اور جزائے خیرانہی کیلئے ہے۔

کس عمل کی وجہ سے وہ ایسی جزا کی توقع رکھتے ہیں کیا معصوم' بے گناہ بے چاری بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے پر یا پروردگار کی ساحت مقدس پر افتراء باندھنے پر؟

لیکن پہلی تفسیر زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔..................اسی لئے بلا فاصلہ فرمایا گیا ہے ناچاران کیلئے جہنم کی آگ ہے۔یعنی نہ صرف یہ کہ ان کی عاقبت بخیر نہیں بلکہ ان کا انجام کار جہنم کی آگ کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ اسی آگ کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہیں۔

(۶۳) ہوسکتا ہے زمانہ جاہلیت کے عربوں کی داستان سن کر بعض یہ سوال کریں کہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنے جگر گوشہ کو اس بربریت کے ساتھ مٹی میں زندہ گاڑ دے۔اس سلسلے میں اس آیت میں فرمایا گیا ہے بخدا ہم نے تجھ سے پہلے امتوں کی طرف نبی بھیجے لیکن شیطان نے ان امتوں کے اعمال انہیں بہت بنا سنوار کر پیش کئے تھے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ دور حاضر کے مشرکین بھی ان گزشتہ امتوں کے انحرافی طرز عمل کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

شیطان نے جن کے اعمال کو خوبصورت بنا کر پیش کیا تھا آج بھی شیطان ان کا ولی راہنما اور سرپرست ہے۔اور یہ اسی کی راہنمائی میں قدم اٹھاتے ہیں۔اسی بناء پر دردناک عذاب الٰہی ان کے انتظار میں ہے۔

(۶۴) زیر بحث آخری آیت میں بعثت انبیاء کا مقصد بیان کیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ اگر قومیں اور ملتیں اپنی خود غرضیوں اور غلط طور طریقوں کو چھوڑ کر رہبری انبیاء سے وابستہ ہو جائیں تو ایسے خرافات اختلافات اور عملی تضادات ختم ہو جائیں۔ارشاد ہوتا ہے ہم نے قرآن تجھ پر صرف اس لئے نازل کیا ہے کہ وہ جس امر میں اختلاف رکھتے ہیں تو اسے ان پر واضح کردے۔اور یہ قرآن ان لوگوں کیلئے باعث ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔شیطانی وسوسے ان کے دلوں سے نکال دیتا ہے نفس امارہ اور شیطان صفت لوگوں کے پہنائے ہوئے پرفریب پردے حق کے چہرے سے ہٹا دیتا ہے پس پردہ خرافات و جرائم کو واضح کردیتا ہے خود غرضیوں نے جو اختلافات پیدا کردیئے ہوتے ہیں انہیں ختم کردیتا ہے بربریتوں کا خاتمہ کردیتا ہے اور ہر طرف ہدایت و رحمت کا نور پھیلا دیتا ہے۔

(۶۵) وَ اللّٰہُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ۠	اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا اور جب زمین مردہ ہو چکی تھی اُسے پھر سے حیات بخشی اس میں اس قوم کیلئے واضح نشانی ہے جو سننے والے کان رکھتی ہے۔
(۶۶) وَ اِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ	اور چوپایوں کے وجود میں تمہارے لئے عبرت (کا درس) ہے ان کے شکم کے اندر سے ہم تمہارے پینے کیلئے ہضم شدہ غذا اور خون میں سے خالص اور پسندیدہ دودھ فراہم کرتے ہیں۔

(٦٧) وَ مِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِيۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ	اور کھجور وانگور کے درختوں کے میووں سے شراب (ناپاک) اوراچھا رزق حاصل کرتے ہیں۔اس میں عقل ودانائی سے کام لینے والی قوم کیلئے روشن نشانی ہے۔

تفسیر

پانی پھل اورحیوانات

قرآن ایک مرتبہ پھر پروردگار کی گوناگوں نعمتوں کا تذکرہ کرتا ہے یہ دراصل توحید اور خداشناسی کیلئے ایک تاکید بھی ہے اور ساتھ ہی معاد کی طرف بھی اشارہ ہے نیز ان نعمتوں کا تذکرہ بندوں کے احساس تشکر کو بیدار کرنے کیلئے بھی ہے اس طرح انہیں زیادہ قرب الٰہی کے حصول کی طرف مائل کیا گیا ہے ان تینوں پہلوؤں پر نظر رکھی جائے تو ان آیات کا گذشتہ آیات سے تعلق واضح ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف گذشتہ آیات میں سے آخری آیت قرآن کے نزول کے بارے میں تھی وہ آیات کہ جو روح انسانی کیلئے حیات بخش ہیں اور زیرنظر پہلی آیت آسمان سے بارش کے نزول کے بارے میں ہے اور بارش جسم انسانی کیلئے حیات بخش ہے۔

ارشاد ہوتا ہے خدا نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس طرح زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی اسے حیات تازہ بخشی۔

اس امر میں ان کیلئے عظمت الٰہی کی واضح نشانی ہے کہ جو سننے والے کان رکھتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ شکر کا کچھ مواد اور اسی طرح پانی وغیرہ کی کچھ مقدار معدے کی دیواروں کے ذریعے بدن میں جذب ہو جاتی ہے اور اس کا ایک اہم حصہ ہضم شدہ غذا کی صورت میں انتڑیوں کی طرف منتقل ہو کر خون میں داخل ہو جاتا ہے۔نیز ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دودھ پستان کے اندر موجود خاص غدودوں سے نکلتا ہے اور اس کا اصلی مواد خون اور چربی ساز غدودوں سے لیا جاتا ہے اس طرح یہ سفید رنگ صاف ستھرا اور خالص مادہ' یہ قوت بخش اور عمدہ غذا ہضم شدہ غذاؤں کے درمیان سے کہ جو فضلہ سے مخلوط ہیں اور خون کے بیچوں بیچ سے حاصل ہوتا ہے واقعاً یہ ایک عجیب وغریب چیز ہے۔سرچشمہ اس طرح سے آلودہ اور تنفر آمیز لیکن ماحصل خالص خوبصورت دل انگیز اور عمدہ............دودھ۔

(٦٧) جانوروں اور ان کے دودھ کے ذکر کے بعد کچھ نباتات کی نعمت کا تذکرہ ہے ارشاد ہوتا ہے اللہ نے تمہیں کھجور اور انگور کی صورت میں پر برکت غذا عطا کی ہے کبھی تم اسے نقصان دہ شکل میں ڈھال لیتے ہو اور اس سے شراب بناتے ہو اور کبھی اس سے پاک وپاکیزہ رزق حاصل کرتے ہو۔

اس امر میں ان کیلئے قدرت پروردگار کی ایک اور نشانی ہے جو عقل وخرد رکھتے ہیں۔

(۶۸) وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ۙ	تیرے پروردگار نے (نظامِ فطرت کے تحت) شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور جو عرشے (اور مچان) لوگ بناتے ہیں ان میں گھر بنائے۔
(۶۹) ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ	پھر تمام پھلوں میں سے کھائے اور جو راستے تیرے پروردگار نے معین کئے ہیں ان میں راحت سے چلے پھرے۔ان کے بطن سے پینے کی ایک خاص چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے اس امر میں اہلِ فکر و نظر کیلئے بڑی نشانی ہے۔

تفسیر

شہد کی مکھی اور وحی الٰہی

یہاں قرآن کا لب ولہجہ بہت شگفت انگیز ہو گیا ہے نعمات الٰہی اور اسرار آفرینش کی بات جاری رکھتے ہوئے شہد کی مکھی اور پھر شہد کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے لیکن اس طرح سے کہ شہد کی مکھی خدا کی طرف سے مامور ہے۔.........بتایا گیا ہے کہ رمزآمیز الہام وہدایت کہ جسے وحی کا نام دیا گیا ہے کے تحت شہد کی مکھی مشغول کار رہے ارشاد ہوتا ہے تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ درختوں، پہاڑوں اور لوگوں کے بنائے ہوئے عرشوں اور مچانوں میں گھر بنا۔

آخر میں ایک نتیجے کی صورت میں ان کی ماموریت کا آخری مرحلہ بیان کیا گیا ہے شہد کی مکھیوں کے اندر سے خاص طرح کی پینے کی چیز نکلتی ہے کہ جو مختلف رنگ کی ہوتی ہے۔

یہ شراب حلال انسان کیلئے بڑی اہم شفا بخش چیز ہے۔

شہد کی مکھیوں کی یہ زندگی انسان کیلئے غذا بھی مہیا کرتی ہے اور شفا بھی اور سبق آموز بھی ہے اس میں اہل فکر ونظر کیلئے عظمت وقدرت پروردگار کی واضح نشانی ہے۔

(۷۰) وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ یَتَوَفّٰىکُمۡ ۟ۙ وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡ لَا یَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۷۰﴾	اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہی تمہیں مارے گا.تم میں سے بعض سخت بڑھاپے کو جا پہنچتے ہیں کہ علم و آ گاہی کے بعد (ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ) کچھ نہیں جانتے (سب کچھ بھول جاتے ہیں) بیشک خدا آگاہ اور قادر ہے۔
(۷۱) وَ اللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ ۚ فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّیۡ رِزۡقِہِمۡ عَلٰی مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡہِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعۡمَۃِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ	خدا نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر رزق میں برتری دی ہے (کیونکہ تمہاری کوشش میں فرق ہے) لیکن جنہیں برتری دی گئی ہے وہ اس بات پر تیار رہیں کہ اپنی روزی میں سے اپنے غلاموں کو دیں تا کہ سب کے سب برابر ہو جائیں کیا وہ نعمت خدا کا انکار کرتے ہیں؟
(۷۲) وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ بَنِیۡنَ وَ حَفَدَۃً وَّ رَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَ بِنِعۡمَتِ اللّٰہِ ہُمۡ یَکۡفُرُوۡنَ ۙ	اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور ان بیویوں سے تمہیں پوتے،نواسے اور بیٹے عطا فرمائے ہیں اور تمہارے لئے پاک چیزوں میں روزی قرار دی.کیا پھر یہ باطل پر ایمان لے آتے ہیں اور نعمتِ خدا کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر

رزق میں اختلاف کا سبب

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی کچھ اہم نعمتوں اور عنایات کا تذکرہ تھا کچھ نباتات اور حیوانات کی تخلیق کا بیان تھا تا کہ لوگ ان پر نظر کرتے ہوئے ان سب نعمتوں اور اس دقیق نظام کے خالق سے آشنا ہوں۔

زیر بحث آیات بھی ایک اور حوالے سے خالق یکتا کے اثبات کے مسئلہ پر گفتگو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ آیات نعمتوں کے تغیرات کے حوالے سے بات کرتی ہیں۔ایسے تغیرات کا ذکر ہے کہ جو انسانی اختیار سے باہر ہیں اور ان کا فیصلہ کسی اور کی جانب سے ہوا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے اللہ نے تمہیں پیدا کیا۔اس کے بعد وہ تمہاری روح کو لے لے گا۔

زندگی بھی اسی کی طرف سے ہے اور موت بھی تا کہ تم جان لو کہ موت وحیات پیدا کرنے والے تم نہیں ہو لمبی عمر کا ہونا بھی تمہارے اختیار میں نہیں ہے بعض جوانی میں یا بڑھاپے کی سرحد پر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں لیکن تم میں سے بعض لمبی عمر پاتے ہیں عمر کے بدترین دور یعنی انتہائی بڑھاپے تک جا پہنچتے ہیں۔

اور اس طولانی عمر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علم وآ گاہی کے بغیر انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا اور وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

بعینہ اس کی حالت بچپن کیسی ہو جاتی ہے کہ جب وہ بھول جاتا ہے اور ناآ گاہ بھی تھا جی ہاں! خدا آ گاہ اور قادر ہے۔

(۷۱) تمام قدرتیں اسی کے اختیار میں ہیں وہ جس قدر مصلحت سمجھتا ہے عطا کرتا ہے اور جس موقع پر ضروری سمجھتا ہے لے لیتا ہے۔ اگلی آیت میں یہی بات جاری ہے اور فرمایا گیا کہ تمہاری روزی تک تمہارے اختیار میں نہیں ہے یہ خدا ہے جو تم میں سے بعض کو رزق کے اعتبار سے دوسروں پر برتری دیتا ہے۔

لیکن جنہیں یہ برتری دی گئی ہے ان کی تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ان کے اختیار میں ہے وہ اپنے غلاموں کو دینے کیلئے تیار نہیں ہیں اور انہیں اپنے اموال میں شریک نہیں کرتے کہ وہ بھی ان کے برابر ہو جائیں۔

مختصر یہ کہ استعداد اور آمدن کے اختلاف سے طبقاتی معاشرہ پیدا کرنے کے لئے سوئے استفادہ نہیں کرنا چاہیے اسی بناء پر زیر بحث آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کیا وہ نعمت خدا کا انکار کرتے ہیں۔

یہ اس طرف اشارہ کہ یہ اختلافات فطرت کی صورت میں ہوں نہ کہ مصنوعی اور ظالمانہ صورت میں تو خدا کی نعمت ہیں اور انسان کے نظام معاشرہ کی حفاظت کیلئے ہیں۔

(۷۲) زیر بحث آخری آیت گزشتہ دو آیات کی طرح لفظ ''اللہ'' سے شروع ہوتی ہے اس میں نعمات الٰہی کا ذکر ہے اس میں انسان کی انفرادی قوت انسان کے معاونین اور مددگار اور اسی طرح پاکیزہ رزق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ نے تمہاری نوع میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں............ وہ بیویاں کہ جو تسکین جسم وروح کی باعث بھی ہیں بقاء نسل کا ذریعہ بھی............ اسی لئے ساتھ ہی اضافہ کیا گیا ہے اور تمہاری بیویوں کے ذریعے تمہیں بیٹے، پوتے اور نواسے عطا کئے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے اللہ نے تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا ہے۔

آخر میں اس بحث سے نتیجہ نکالتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ کیا وہ خدا کی عظمت وقدرت کے یہ سب آثار دیکھنے کے باوجود اور اس کی جانب سے اپنے اوپر ہونے والی ان تمام نعمتوں کے باوجود بتوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ ان کا کیسا غلط فیصلہ ہے اور کس قدر غلط طرز عمل ہے کہ وہ نعمتوں کے سرچشمے کو فراموش کر کے اس کے پیچھے جاتے ہیں کہ جو ان کی زندگی پر کچھ بھی اثر نہیں رکھتا اور ہر لحاظ سے باطل کا مصداق ہے۔

(۷۳)وَ يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ شَيۡـًٔا وَّ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ۚ	اور خدا کو چھوڑ کر کچھ ایسے موجودات کی پرستش کرتے ہیں کہ جو آسمانوں اور زمین میں سے ان کے رزق کے مالک نہیں ہیں اور یہ کام جن کے بس کا نہیں؟
(۷۴)فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ	لہٰذا اللہ کیلئے امثال (اور شبیہ) کا عقیدہ نہ رکھو کیونکہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر

خدا کیلئے شبیہ کا عقیدہ نہ رکھو

گذشتہ آیات میں توحید کے بارے میں گفتگو تھی اب زیر بحث آیات میں مسئلہ شرک کے بارے میں بات کی گئی ہے سرزنش وملامت کے لہجے میں فرمایا گیا ہے وہ خدا کو چھوڑ کر ایسے موجودات کی پرستش کرتے ہیں کہ جو آسمان وزمین میں سے ان کی روزی کے مالک نہیں ہیں اور اس سلسلے میں ان کا ذرہ بھر بھی کوئی اثر نہیں۔

نہ صرف یہ کہ اس سلسلے میں وہ کسی چیز کے مالک نہیں بلکہ خلق وایجاد اور ان پر دست رسی کی طاقت نہیں رکھتے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مشرکین اس لئے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ یہ ان کی زندگی اور نفع ونقصان میں کوئی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

(۷۴) اس آیت میں نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اب جبکہ ایسا ہے تو پھر تم خدا کی کسی مثل، شبیہ اور نظر کے قائل نہ بنو۔ کیونکہ خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ "فلا تضربوا اللہ الامثال" زمانہ جاہلیت کے مشرکین کی ایک منطق کی طرف اشارہ ہے ہمارے زمانے کے بعض مشرکین بھی یہ بات کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ اگر ہم بتوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس لائق نہیں کہ خدا کی پرستش کریں لہٰذا ہمیں بتوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ جو اس کے مقرب بارگاہ ہیں۔ خدا ایک عظیم شہنشاہ کی طرح ہے کہ وزراء اور خواص ہی اس سے رابطہ کر سکتے ہیں اور عام لوگ جن کی اس بادشاہ تک رسائی نہیں وہ بادشاہ کے قریبی خواص اور مقربین کے پیچھے ہی لگیں گے۔

وہ خدا جو براہ راست اپنے سے راز ونیاز اور گفتگو کی دعوت دیتا ہے اور جس نے اپنے گھر کے دروازے شب وروز تمہارے لئے کھول رکھے ہیں اسے کسی جابر ومتکبر بادشاہ سے تشبیہ نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ بادشاہ تو محل نشیں رہتے ہیں اور گنتی کے چند افراد کے سوا کوئی ان کے محل میں نہیں جا سکتا صفات خدا کی بحثوں میں ہم اس نکتے کی طرف خصوصی طور پر متوجہ ہوتے ہیں کہ صفات الٰہی کی

شناخت کی راہ میں تشبیہ کا مسئلہ نہایت خطرناک ہے یعنی اس کی صفات کو بندوں پر قیاس کرنا اوران سے مشابہ قرار دینا کیونکہ خدا ہر لحاظ سے ایک لا متناہی وجود ہے اور دوسرے ہر لحاظ سے محدود وجود ہیں لہٰذا ہر قسم کی تشبیہ وتمثیل ہمیں اس کی ذات سے دور لے جائے گی۔ یہاں تک کہ جہاں ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس کی ذات مقدس کو نور یا اس قسم کی چیز کے ساتھ تشبیہ دیں وہاں بھی ہمیں متوجہ رہنا چاہئے کہ ایسی تشبیہات بہر حال ناقص اور نارسا ہیں اور صرف کسی ایک پہلو سے قابل قبول ہیں نہ کہ ہر پہلو سے (غور کیجئے گا) جبکہ بہت سے لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور زیادہ تر تشبیہ وقیاس کی گمراہ کن وادیوں میں گھر جاتے ہیں اور حقیقت توحید سے بہت دور جا پڑتے ہیں۔ لہٰذا قرآن بار بار بیدار کرتا ہے اور تنبیہ کرتا ہے۔

(۷۵) ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡکًا لَّا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ وَّ مَنۡ رَّزَقۡنٰہُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَہُوَ یُنۡفِقُ مِنۡہُ سِرًّا وَّ جَہۡرًا ؕ ہَلۡ یَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	خدا نے مثال بیان کی ہے اس مملوک غلام کی جس کے قدرت میں کوئی چیز نہیں اور اس (باایمان) انسان کی جسے اچھا رزق بخشا گیا ہے اور وہ چھپ کر اور ظاہر اس میں سے عطائے خدا میں خرچ کرتا ہے. کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ حمد وشکر خدا کیلئے ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔
(۷٦)وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیۡنِ اَحَدُہُمَاۤ اَبۡکَمُ لَا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ وَّ ہُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوۡلٰىہُ ۙ اَیۡنَمَا یُوَجِّہۡہُّ لَا یَاۡتِ بِخَیۡرٍ ؕ ہَلۡ یَسۡتَوِیۡ ہُوَ ۙ وَ مَنۡ یَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۙ وَ ہُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ؑ	اور اللہ نے دو افراد کی (ایک اور) مثال بیان فرمائی ہے کہ جن میں سے ایک مادر زاد گونگا ہے کہ جو کچھ نہیں کر سکتا اور اپنے ساتھی پر بوجھ ہے اسے جس کام کیلئے بھی بھیجا جائے اچھا عمل انجام نہیں دیتا .کیا ایسا شخص اس انسان کے برابر ہے جو عدل وانصاف سے فیصلہ کرتا ہے اور راہِ مستقیم پر قائم ہے۔
(۷۷) وَ لِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَاۤ اَمۡرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ ہُوَ اَقۡرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ	زمین اور آسمانوں کا غیب اللہ کیلئے ہے (اور وہی سب کچھ جانتا ہے) اور قیامت کا معاملہ اس کیلئے بالکل پلک جھپکنے یا اس سے بھی معمولی کام کی طرح ہے کیونکہ خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

مومن اور کافر کیلئے مثالیں

گذشتہ آیات میں ایمان وکفر اور مومنین ومشرکین کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر نظر آیات میں دو زندہ اور روشن مثالوں کے

ذریعے ان کی حالت کو واضح کیا گیا ہے۔

پہلی مثال میں مشرکین کو اس غلام مملوک سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے بس میں کچھ نہیں ہوتا اور مومنین کو غنی و بے نیاز انسان سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو اپنے وسائل سے سب کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: اللہ غلام مملوک کا ذکر بطور مثال کرتا ہے کہ جس کے بس میں کچھ بھی نہیں۔ نہ تکوین میں اس کی کوئی قدرت ہے اور نہ تشریع میں۔ کیونکہ ایک طرف وہ ہمیشہ اپنے آقا کی قید میں ہوتا ہے اور ہر لحاظ سے محدود ہوتا ہے اور دوسری طرف اسے اپنے مال میں وہ بھی اگر ہو تو کوئی حق تصرف نہیں ہوتا اور اسی طرح اپنی ذات سے متعلق دیگر امور میں بھی وہ آزاد نہیں ہوتا۔

جی ہاں .... بندوں کا غلام اور بندہ ہونے کا نتیجہ قید اور ہر لحاظ سے محدودیت کے سوا کچھ نہیں۔

جبکہ اس کے مقابلے میں آزاد انسان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس رزق حسن اور طرح طرح کی روزی اور پاکیزہ نعمتیں میسر ہوں۔

ان آزاد انسانوں کے پاس بہت سے وسائل ہیں کہ جن سے وہ چھپ چھپا کر بھی اور اعلانیہ بھی خرچ کرتے ہیں اور انفاق کرتے ہیں۔

کیا یہ دونوں افراد برابر ہیں؟

مسلم ہے کہ ایسا نہیں ہے لہٰذا تمام حمد اللہ کیلئے مخصوص ہے۔

وہ اللہ کہ جس کا بندہ آزاد قدرت مند بھی ہے اور عطا کرنے والا بھی .... جبکہ بتوں کے بندے ناتواں، محدود، بے قدرت اور قیدی ہیں۔ لیکن ان مشرکین میں سے اکثر نہیں جانتے۔

(۷۶) ارشاد ہوتا ہے اللہ نے دو اشخاص کی مثال دی ہے ان میں سے ایک مادر زاد گونگا ہے اور کچھ اس کے بس میں نہیں۔

وہ غلام ہونے کے باوجود اپنے مولا و آقا کیلئے بوجھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے جس کام کیلئے بھی بھیجا جائے وہ اچھا کام انجام نہیں دے سکتا۔

یہ چار صفات اگرچہ ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں مگر ایک انسان کی منفی حالت کی سو فی صد تصویر کشی کرتی ہیں کہ جس کے وجود سے کوئی خیر و برکت حاصل نہیں ہوتی اور جو معاشرے اور اپنے خاندان پر بوجھ ہے۔

کیا ایسا شخص اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو فصیح و گویا زبان رکھتا ہے اور ہمیشہ عدل و انصاف کی دعوت دیتا رہتا ہے۔ اور صاف راستے اور سیدھی راہ پر قائم ہے۔

(۷۷) عام طور پر ہم نے دیکھا ہے کہ قرآن توحید کے بیان اور شرک کے خلاف گفتگو کو معاد اور قیامت کی عظیم عدالت کے مسائل سے مربوط کر دیتا ہے یہاں بھی ایسی ہی صورت حال ہے گزشتہ اور زیر بحث آیات شرک کی نفی اور اثبات توحید کے بارے میں ہیں اب گفتگو کا رخ معاد کی طرف ہو رہا ہے اور مشرکین کے بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے:

''اللہ آسمانوں اور زمین کے غیبی امور سے آگاہ ہے''۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے:

''قیامت کا معاملہ تو پلک جھپکنے یا اس سے بھی کم تر سطح پر آسان ہے''۔

بہر حال یہ دو چھوٹے چھوٹے جملے اللہ کی بے انتہاء قدرت پر..................خصوصاً معاد اور انسانوں کے قبروں سے جی اٹھنے میں اس کی قدرت پر..................زندہ ناطق اور منہ بولتے اشارے ہیں۔ اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے:

''کیونکہ خدا ہر چیز پر توانا و قادر ہے''۔

(۷۸) وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، لیکن اس نے تمہیں کان، آنکھ اور عقل عطا فرمائی تا کہ اس کی نعمت کا شکر ادا کرو۔
(۷۹) اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ	کیا انہوں نے ان پرندوں پر نظر نہیں ڈالی کہ جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں؟ انہیں خدا کے سوا (فضا میں) کس نے تھام رکھا ہے؟ بیشک اس میں (عظمت و قدرتِ خدا) کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے کہ جو ایمان رکھتے ہیں۔
(۸۰) وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ	اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں سے آرام و قیام کی جگہ قرار دی اور اسی نے تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے گھر (یعنی خیمے) قرار دیئے جنہیں تم سبک اور ہلکا پھلکا پا کر سفر کے دن یا قیام کے دن اپنے کام میں لاتے ہو اور ان سے حاصل ہونے والی اُون، روئی اور بالوں سے تمہارے لئے ایک معیّن وقت تک کیلئے بہت سے اسباب اور کارآمد چیزیں پیدا کی ہیں۔

(۸۱)وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡجِبَالِ اَكۡنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ سَرَابِيۡلَ تَقِيۡكُمُ الۡحَرَّ وَ سَرَابِيۡلَ تَقِيۡكُمۡ بَاۡسَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ	اللہ تعالیٰ نے اپنی خلق کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سایے کا انتظام فرمایا اور پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ گاہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسے لباس بنائے کہ جو گرمی (اور سردی) سے بچاتے ہیں اور جنگ میں تمہاری حفاظت کرنے والے لباس بھی بنائے .اس طرح وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے تا کہ تم اس کے (حکم کے) سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔
(۸۲)فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ	(اس کے باوجود) اگر وہ روگردانی کریں (تو اے رسول تم پریشان نہ ہو) تمہارے ذمے تو صرف واضح ابلاغ کرنا ہے۔
(۸۳) يَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنۡكِرُوۡنَهَا وَ اَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ؑ	(لیکن) وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ کافر ہیں۔

تفسیر

طرح طرح کی مادی اور روحانی نعمتیں

قرآن حکیم ایک درس توحید اور خدا شناسی کیلئے ایک مرتبہ پھر پروردگار کی گونا گوں نعمتوں کا ذکر کرتا ہے اس میں سب سے پہلے علم و دانش اور معرفت و شناخت کے آلات کی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔

البتہ اس محدود، تاریک، وابستہ اور بندھے ہوئے ماحول میں یہ جہالت اور بے خبری گوارا تھی لیکن جب تم نے اس وسیع دنیا میں قدم رکھا اب ممکن نہ تھا یہ جہالت یونہی جاری رہے۔ لہٰذا ادارک حقائق اور شناخت موجودات کیلئے کان آنکھ اور عقل جیسے وسائل تمہیں عطا کئے گئے۔ تا کہ تم ان عظیم نعمتوں کو سمجھ سکو اور انہیں عطا کرنے والے کیلئے تمہارے اندر احساس تشکر پیدا ہو شاید تم اس کا شکر ادا کرو۔

(۷۸) آلاتِ شناخت بہت بلند اور عظیم نعمت جو انسان کو عطا کی گئی ہے کیونکہ آنکھ اور کان سے انسان نہ صرف وسیع عالمِ ہستی میں آثارِ الٰہی دیکھتا ہے اور رہبرانِ الٰہی کی باتیں سنتا ہے اور دل کے ذریعے ادراک اور تجزیہ و تحلیل کرتا ہے بلکہ اس کی مادی زندگی میں بھی ہر قسم کی ترقی و تکامل انہی تین وسائل کا مرہونِ منت ہے اسی لئے ان کے ذکر کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے۔

(۷۹) اس آیت میں وسیع عالم ہستی میں پھیلے ہوئے عظمت الٰہی کے اسرار کا ذکر جاری ہے ارشاد ہوتا ہے کیا وہ ان پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ جو وسعت آسمان میں پرواز کرتے ہیں۔

جو لغت میں فضا کے معنی میں ہے (جیسا کہ مفردات میں راغب نے بیان کیا ہے) اور یا پھر یہ ہوا کہ وہ حصہ ہے جو زمین سے دور ہے (جیسا کہ تفسیر مجمع البیان، المیزان اور آلوسی میں بیان کیا گیا ہے)۔

اجسام کی فطرت یہ ہے کہ وہ زمین کی طرف کھینچتے ہیں لہٰذا زمین سے اوپر پرندوں کی پرواز اور آمد و رفت کو مسخرات تسخیر شدہ کہا گیا ہے یعنی اللہ نے ان کے پر و بال کو یہ قوت دی ہے اور ہوا میں ایک خاصیت پیدا کی ہے کہ جو ان کیلئے اسے ممکن بناتی ہے کہ کشش ثقل کے باوجود وہ فضا میں پرواز کرتے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے خدا کے سوا کوئی انہیں فضا میں اس طرح روکے نہیں رکھ سکتا۔

یہ ٹھیک ہے کہ پر و بال کی طبعی خاصیت ان میں پیدا کئے گئے عضلات، پرندوں کی مخصوص شکل اور ہوا میں موجود خصوصیات نے باہم مل کر پرندوں کی پرواز کو ممکن بنایا ہے لیکن یہ شکل وصورت اور ان خواص کو کس نے پیدا کیا ہے اور اس گہرے حساب شدہ نظام کو کس نے مقرر کیا ہے کیا اندھی گونگی طبیعت نے یا اس ذات نے کہ جو اجسام کے تمام طبیعاتی خواص سے آگاہ ہے اور جس کا لامتناہی علم ان سب پر محیط ہے۔

یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام امور کی خدا کی طرف نسبت دی جاتی ہے تو اس کی یہی وجہ ہے کہ وہی ان سب کا سرچشمہ ہے ایسی تعبیرات کہ جن میں اسباب وعلل اور خواص کی نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے قرآن حکیم میں بہت ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اس امر میں اللہ کی عظمت وقدرت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

(۸۰) زیر بحث تیسری آیت میں بھی اس مسئلے پر گفتگو جاری ہے، ارشاد ہوتا ہے اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے بعض گھروں میں سے آرام وقیام کی جگہ قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گھر اور مسکن ایک ایسی عظیم نعمت ہے کہ جب تک یہ میسر نہ ہو باقی نعمتوں کا کوئی لطف نہیں لفظ "بیوت" "بیت" کی جمع ہے یہ کمرے یا گھر کے معنی میں ہے یہ "بیتوتہ" کے مادہ سے ہے کہ جو دراصل رات میں توقف کرنے کے معنی میں ہے اور چونکہ انسان اپنے کمرے اور گھر سے زیادہ تر رات کو آرام کرنے کیلئے استفادہ کرتا ہے لہٰذا اس پر لفظ "بیت" کا اطلاق ہوا ہے۔

اس نکتے کی طرف توجہ بھی ضروری ہے کہ قرآن یہ نہیں کہتا کہ میں نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے مقام سکونت قرار دیا ہے بلکہ لفظ "من" کو جو تبعیض یعنی بعض کیلئے آتا ہے استعمال ہوا ہے یعنی تمہارے کمروں اور گھروں میں مقام سکونت قرار دیا ہے۔ یہ تعبیر بہت معنی خیز ہے کیونکہ پورے گھر کے تو اور بھی بہت سے فائدے ہوتے ہیں اس میں مقام سکونت بھی ہوتا ہے سواری کے ٹھہرانے کی جگہ بھی، ضروریات زندگی جمع کرکے رکھنے کیلئے بھی وغیرہ وغیرہ۔

ثابت اور ٹھہرے ہوئے گھروں کے ذکر کے بعد سیار اور چلتے پھرتے گھروں کا ذکر آتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ نے ہی جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لئے خیمے بنائے۔اور یہ ایسے گھر ہیں کہ جو بہت ہلکے پھلکے ہیں۔ کوچ اور قیام کے وقت انہیں آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں ان سے حاصل ہونے والی اون' روئی اور بالوں سے تمہارے لئے ایک معین وقت تک کیلئے بہت سے اسباب وسائل زندگی اور کارآمد چیزیں پیدا کی ہیں۔

اس بارے میں کہ آیت میں''اثاث''اور''متاع'' سے کیا مراد ہے مفسرین نے مختلف احتمالات ذکر کئے ہیں مجموعی طور پر اثاث گھر کے ساز وسامان کو کہا جاتا ہے اس کا مادہ''اث'' ہے اور یہ کثرت اور ایک دوسرے میں غلط ملط ہونے سے لیا گیا ہے گھر کا سامان چونکہ عموماً زیادہ ہوتا ہے لہٰذا اسے''اثاث'' کہتے ہیں۔

''متاع'' ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان متمتع ہو اور فائدہ اٹھائے۔لہٰذا یہ دونوں تعبیریں دو مختلف زاویوں سے ایک ہی مطلب کی نشاندہی کرتی ہیں۔

(۸۱) سائے، گھر اور لباس

اس کے بعد ایک اور نعمت الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے خدا نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں تمہارے لئے سائے بھی بنائے ہیں۔اور پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ گاہیں بنائی ہیں۔

گھروں اور خیموں کی نعمت کا ذکر کرنے کے بعد سایوں اور پہاڑی پناہ گاہوں کی نعمت کا تذکرہ کیا گیا ہے گویا یہ اس طرف اشارہ ہے کہ انسانوں کے تین ہی گروہ ہوسکتے ہیں ایک بستیوں اور آبادیوں میں رہنے والا۔دوسرا کہ جو سفر میں اور خیمے اس کے ساتھ ہوں اور تیسرا ان مسافروں کا گروہ کہ جن کے پاس خیمے نہ ہوں۔خدا نے انہیں بھی محروم نہیں کیا بلکہ انہیں راہوں میں پناہ گاہیں مہیا کی ہیں۔

ان فطری اور مصنوعی سائبانوں کے ذکر کے بعد انسان کے لباس کا ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے خدا نے تمہیں لباس عطا کیے ہیں کہ جو گرمی سے تمہیں بچاتے ہیں۔

اور اسی طرح ایسے خاص دفاعی لباس بھی عطا کئے ہیں کہ جو جنگ کے موقع پر تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔

البتہ لباس کا صرف یہی فائدہ نہیں کہ وہ گرمی اور سردی میں انسان کی حفاظت کرتا ہے بلکہ یہ انسان کے وقار کا بھی باعث ہے اور جسم انسانی کو بہت سے خطرات سے بچائے رکھتا ہے۔کیونکہ انسان برہنہ ہو تو شاید اس کے بدن کا کوئی نہ کوئی حصہ ہر روز زخمی ہو جائے لیکن مندرجہ بالا آیت میں لباس کا جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وہ اہمیت کے لحاظ سے ہے۔

آیت کے آخر میں یاددہانی اور تنبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے اس طرح سے اللہ تم سب پر اپنی نعمت کو پورا کرتا ہے کہ شاید تم اس کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کردو۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جب دیکھتا ہے کہ بہت سی نعمتیں اس کے وجود کو گھیرے ہوئے ہیں تو بے اختیار اس کا خیال

ان نعمتوں کو بخشنے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اگر اس طرح اس کے اندر قدر دانی اور شکر گذاری کا کچھ بھی احساس پیدا ہو جائے تو وہ نعمت کے عطا کرنے والے کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۸۲) ان ظاہر و مخفی نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے ان تمام امور کے باوجود اگر وہ روگردانی کریں اور دعوت حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں تو تم پریشان نہ ہو۔ کیونکہ تمہاری ذمہ داری تو بس یہ ہے کہ واضح طور پر ابلاغ کر دو۔

(۸۳) بات پوری کرنے کیلئے مزید فرمایا گیا ہے وہ نعمت الٰہی کو پہچانتے ہیں اس کے پہلوؤں اور وسعت سے آشنا ہیں اور اس کی گہرائی کو جان چکے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں۔

لہٰذا ان کے کفر کا سبب ناآگاہی اور بے علمی میں تلاش نہیں کیا جانا چاہئے کیونکہ وہ کافی حد تک آگاہ ہو چکے ہیں اس کفر کا باعث ان کی کوئی اور پست صفات ہیں کہ جو ان کے ایمان میں سد راہ بنی ہوئی ہیں اور وہ ہیں اندھا تعصب، ہٹ دھرمی، حق دشمنی، مادی زندگی کے تھوڑے سے مفادات کو ہر چیز پر مقدم کرنا طرح طرح کی خواہشات میں اسیری اور تکبر۔

شاید اسی بناء پر آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے اور ان میں سے اکثر کافر ہیں۔

(۸۴) وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ	اس دن کے بارے میں سوچو کہ جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو اٹھا کھڑا کریں گے، پھر کافروں کو (بات کرنے کی) اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان کا عذر سنا جائے گا۔
(۸۵) وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ	اور جب ظالم عذاب کو دیکھیں گے تو انہیں نہ تخفیف ملے گی نہ مہلت ملے گی۔
(۸۶) وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآئَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۚ	اور جب مشرکین اپنے معبودوں کو دیکھیں گے جنہیں وہ خدا کا شریک قرار دیتے تھے تو کہیں گے: پروردگارا! یہ ہمارے وہ شریک ہیں جنہیں ہم تیری بجائے پکارتے تھے۔ اس وقت ان کے وہ معبود ان سے کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو۔
(۸۷) وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ٍالسَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ	اور اس دن سب بارگاہِ الٰہی میں جھک جائیں گے اور ان کا سارا جھوٹ رفو چکر ہو جائے گا۔

(۸۸) اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ زِدۡنٰہُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یُفۡسِدُوۡنَ	اور جن لوگوں نے کفر کا راستہ اپنایا اور (لوگوں کو بھی) راہِ خدا سے روکا، انہیں ہم ان کے فساد کے باعث عذاب پر عذاب دیں گے۔
(۸۹) وَ یَوۡمَ نَبۡعَثُ فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیۡدًا عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ جِئۡنَا بِکَ شَہِیۡدًا عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ ؑ	اس دن کے بارے میں سوچو کہ جب ہر امت میں خود اسی میں سے ایک گواہ ہم اٹھا کر کھڑا کریں گے اور تمہیں ان پر گواہ بنائیں گے اور یہ ایسی کتاب (قرآن) ہم نے تم پر اتاری ہے کہ جو ہر چیز کو واضح کرتی ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت، رحمت وبشارت ہے۔

تفسیر

جب بدکاروں کو کوئی راہ سجھائی نہ دے گی

گذشتہ آیات میں اللہ کی گونا گوں نعمتوں پر منکرین حق کے غلط ردعمل کا ذکر تھا ان آیات میں ان منکرین حق کی دوسرے جہان میں بعض دردناک سزاؤں کا تذکرہ ہے کہ جو ان کا برا اور منحوس انجام ہے ان سزاؤں کا تذکرہ اس لئے ہے تاکہ وہ جلد اپنے طرز عمل پر تجدید نظر کریں۔

پہلے فرمایا گیا ہے اس دن کا سوچو جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ پیش کریں گے۔

یہ عبارت پڑھتے ہی فوراً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ کے لامتناہی علم کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے گواہ کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

ایک نکتے کی طرف توجہ کی جائے تو اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ ایسے امور عام طور پر نفسیاتی پہلو سے ہوتے ہیں یعنی جتنا انسان کو احساس ہوگا کہ اس کی طرف دیکھنے والے اور گواہ زیادہ ہیں اتنا ہی اپنے کام کو بہتر حساب کتاب سے انجام دے گا یا کم از کم زیادہ افراد کے سامنے رسوائی سے ہی پریشان ہوگا۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اس عدالت میں کفار کو بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیا ممکن ہے کہ اللہ مجرم کو دفاع کی اجازت نہ دے؟

جی ہاں! وہاں زبان سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے ہاتھ پاؤں کان آنکھ بلکہ وہ زمین بھی جس پر انسان نے نیکی یا بدی کی ہوگی گواہی دے گی اس لئے زبان کی باری نہیں آئے گی۔

نہ صرف انہیں بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ اس وقت وہ تلافیِ اصلاح اور تقاضائے عفو بھی نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ وہ ردِعمل کا موقع ہوگا نہ کہ عملِ تلافی اور اصلاح کا۔ جیسے کوئی پھل شاخ سے گرجائے تو اس کی نشونما کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے۔

(۸۵)اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے یہ ستم پیشہ ظالم جب حساب کتاب کے مرحلے سے گذر کر عذاب الٰہی کا سامنا کریں گے تو کبھی تخفیف کا اور کبھی مہلت کا تقاضا کریں گے لیکن جب ظالم عذاب کو دیکھیں گے تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی نہ انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔

(۸۶)اس آیت میں مشرکین کے برے انجام کے بارے میں ایسی ہی گفتگو کی گئی ہے ان کا یہ انجام بتوں کی پرستش کے باعث ہوگا ارشاد ہوتا ہے کہ میدان قیامت میں خودساختہ معبود اور انسان کہ جن کی بتوں کی طرح پرستش کی جاتی تھی، پوجا کرنے والوں کے ساتھ ہوں گے جس وقت یہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے پروردگارا! یہ ہمارے وہی شریک ہیں جنہیں ہم تیری بجائے پکارتے تھے۔

ان معبودوں نے بھی اس کام میں ہمیں وسوسے میں ڈالا اور درحقیقت ہمارے شریک جرم ہیں لہٰذا ہمارے عذاب کا کچھ حصہ ان کیلئے قرار دے۔ اس وقت حکم خدا سے بت بول اٹھیں گے اور اپنی عبادت کرنے والوں سے کہیں گے یقیناً تم جھوٹے ہو۔ نہ ہم خدا کے شریک تھے اور نہ ہم نے تمہیں وسوسے میں ڈالا اور نہ تمہارے عذاب کا کوئی حصہ ہمیں پہنچے گا۔

(۸۷)اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے یہ بات اور یہ جواب سننے کے بعد سب بارگاہ الٰہی میں جھک جائیں گے یہ نادان عبادت کرنے والے جب حق کا چہرہ دیکھ لیں گے تو ان کے غرور، نخوت اور اندھے تعصّبات کا خاتمہ ہوجائے گا اور وہ اس کی بارگاہ میں سر جھکادیں گے۔

اس موقع پر جبکہ ہر چیز آفتاب کی مانند روشن ہوگی ان کا سارا جھوٹ رفو چکر ہوجائے گا۔

خدا کی طرف شریک کی جھوٹی نسبت بھی ہوا ہوجائے گی اور یہ خیال بھی محو ہوجائے گا کہ بت بارگاہ الٰہی میں شفیع ہیں کیونکہ سب اچھی طرح دیکھ لیں گے کہ نہ صرف بت کچھ نہیں کرسکتے بلکہ خود بھی جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔

(۸۸) یہاں تک ان گمراہ مشرکین کی حالت بیان کی گئی ہیں کہ جو خود شرک وانحراف میں غوطہ زن تھے مگر دوسروں کو اس راہ کی طرف دعوت نہ دیتے تھے اب ان لوگوں کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کے درپے ہیں ارشاد ہوتا ہے وہ لوگ جو کافر ہوگئے ہیں اور لوگوں کو راہ خدا سے روکتے ہیں ان کے کفر کے عذاب پر ہم دوسروں کو گمراہ کرنے کے عذاب کا اضافہ کریں گے کیونکہ وہ فساد برپا کرتے ہیں۔

وہ اپنی ذمہ داری کا بوجھ بھی اپنے کندھے پر اٹھاتے ہیں اور دوسروں کے شریک جرم بھی ہوتے ہیں یہ لوگ زمین پر فساد اور برائی کا سبب بنتے ہیں خلق خدا کی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں اور راہ حق پر چلنے والوں کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔

(۸۹) قبل کی چند آیات میں ہر امت میں گواہ ہونے کا ذکر آیا تھا اب پھر وہی گفتگو کچھ مزید وضاحت کے ساتھ آئی ہے

ارشاد ہوتا ہے اس وقت کا سوچو جب ہم ہر امت کے لئے اسی میں سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے۔

علم خدا ہر چیز پر محیط ہے مگر پھر ہر امت کے لئے خود اسی میں سے گواہ کا ہونا اس بات پر مزید تاکید کرتا ہے کہ انسانوں کے اعمال کی مسلسل نگرانی کی جا رہی ہے یہ ایک تنبیہ بھی ہے۔

اس عام حکم میں اگرچہ مسلمان بھی شامل ہیں رسولِ اکرم ﷺ بھی لیکن اس بات پر مزید تاکید کے طور پر بالخصوص فرمایا گیا ہے اور تجھے ہم ان مسلمانوں پر شاہد قرار دیں گے۔

(۹۰) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ	یقیناً اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور قریبیوں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور برائیوں' نافرمانیوں اور ظلم سے روکتا ہے اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ شاید تم سبق لو۔

تفسیر

نہایت جامع معاشرتی پروگرام

گذشتہ آیت میں تھا کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ زیرِ نظر آیت میں تعلیمات اسلام کا ایک جامع اجتماعی انسانی اور اخلاقی پروگرام پیش کیا ہے یہاں آیت میں چھ اہم اصول بیان کئے گئے ہیں تین مثبت پہلو سے ہیں اور تین منفی پہلو سے۔

پہلے فرمایا گیا ہے اللہ عدل و احسان اور اسی طرح قریبیوں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ عدل کا حقیقی معنی ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر ہو لہٰذا ہر قسم کا انحراف' افراط و تفریط' حد سے تجاوز اور دوسروں کے حقوق کا استحصال عدالت کے برخلاف ہے ایک صحیح انسان وہ ہے جس کے بدن کے تمام حصے بغیر کسی کمی بیشی کے اپنا اپنا کام کریں جب کبھی اس کا کوئی ایک یا کچھ حصے اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کریں یا تجاوز کریں تو فوراً سارے بدن پر خرابی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور بیماری یقینی طور پر آ جاتی ہے۔

ان تین مثبت اصولوں کے ذکر کے بعد تین ممانعت کا ذکر شروع ہوتا ہے فرمایا گیا ہے اللہ فحشاء منکر اور بغی کی ممانعت کرتا ہے۔

فحشاء، منکر اور بغی کے مفہوم کے بارے میں بھی مفسرین میں بہت اختلاف ہے لیکن ان کے لغوی معنی کو ایک دوسرے کے قرینے سے دیکھا جائے تو زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ

فحشاء سے مراد چھپے ہوئے گناہ ہیں۔

منکر کھلے عام گناہوں کو کہتے ہیں۔

اور بغی اپنے حق سے ہر قسم کے تجاوز ظلم اور اپنے تئیں دوسرے سے بڑا سمجھنے کی طرف اشارہ ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اخلاقی انحراف کا سرچشمہ تین قوتیں ہیں۔

آیت کے آخر میں ان چھ اصولوں پر ایک اور تاکید کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے۔شاید تم خیال کرو اور عمل کرنے لگو۔

(۹۱)وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِ اللّٰہِ اِذَا عٰہَدۡتُّمۡ وَ لَا تَنۡقُضُوا الۡاَیۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡکِیۡدِہَا وَقَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰہَ عَلَیۡکُمۡ کَفِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ	اور جب اللہ سے عہد پیمان باندھو تو اسے پورا کرو اور اپنی قسموں کو ان کے پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم خدا کو اپنی قسموں پر کفیل وضامن قرار دے چکے ہو جو کچھ تم انجام دیتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے آگاہ ہے۔
(۹۲)وَ لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّتِیۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَہَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ اَنۡکَاثًا ؕ تَتَّخِذُوۡنَ اَیۡمَانَکُمۡ دَخَلًۢا بَیۡنَکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ اُمَّۃٌ ہِیَ اَرۡبٰی مِنۡ اُمَّۃٍ ؕ اِنَّمَا یَبۡلُوۡکُمُ اللّٰہُ بِہٖ ؕ وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ مَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ	اس (کم عقل) عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے سوت کو خوب کات کر پھر بکھیر دیتی ہے جبکہ تم اپنی (قسموں اور) پیمانوں کے ذریعے خیانت وفساد کرتے ہو اس بناء پر کہ ایک گروہ کی نفری دوسرے سے زیادہ ہے اور اللہ تمہیں آزماتا ہے اور جس چیز کے بارے میں تم اختلاف کرتے ہو روزِ قیامت اسے واضح فرمادے گا۔
(۹۳) وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لٰکِنۡ یُّضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ لَتُسۡـَٔلُنَّ عَمَّا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا (سب کو جبری طور پر ایمان قبول کروا دیتا) مگر خدا جس شخص کو چاہتا ہے (اور مستحق پاتا ہے) اسے گمراہ کر دیتا ہے اور جسکو چاہتا (اور لائق سمجھتا ہے) ہدایت فرماتا ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو تمہاری اس بارے میں باز پرس ہوگی۔

(۹۴) وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ	اپنی قسموں کو باہم دھوکا بازی اور خیانت کا ذریعہ نہ بناؤ' مبادا (ایمان پر) جمے ہوئے قدم اکھڑ جائیں اور پھر راہ خدا سے لوگوں کو روکنے کے بُرے آثار کا مزہ چکھو اور تمہارے لئے بڑا سخت عذاب ہوگا۔

شان نزول

عظیم مفسر قرآن علامہ طبرسی مجمع البیان میں مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت کے شان نزول کے بارے میں کہتے ہیں۔

جس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور دشمن بہت زیادہ تھے ایسے میں امکان تھا کہ اتنے فرق کا احساس کرتے ہوئے بعض مومنین رسول اکرم ﷺ سے کی ہوئی اپنی بیعت توڑ دیتے اور آپ کا ساتھ چھوڑ جاتے............ان حالات میں یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں اس سلسلے میں تنبیہ کی گئی اور خبردار کیا گیا۔

تفسیر

عہد و پیمان..................ایمان کی دلیل

گذشتہ آیت میں اسلام کے اساسی اصول' عدالت' احسان وغیرہ کے ذکر کے بعد زیر نظر آیات میں اسلامی تعلیمات کے ایک نہایت اہم گوشے کا تذکرہ شروع کیا گیا ہے اور وہ ہے ایفائے عہد اور قسموں کو پورا کرنا۔

پہلے فرمایا گیا ہے اللہ سے جب عہد کرو تو اسے ایفا کرو۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اور اپنی قسموں کو پکا کرنے کے بعد توڑ نہ دو۔

جبکہ تم نے اللہ کے نام کی قسم کھائی ہو اور اپنی قسم پر اللہ کو کفیل اور ضامن قرار دیا ہو۔ کیونکہ اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔

ایمان ''یمین'' کی جمع ہے اس کا معنی ہے قسم۔ مندرجہ بالا آیت میں آنے والے اس لفظ کی بھی مختلف تفاسیر بیان کی گئی ہیں۔ جملے کے مفہوم کی طرف توجہ کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھی وسیع مفہوم ہے اس میں بھی وہ تمام معاہدے شامل ہیں جو انسان خدا کے سامنے کرتا ہے اور تمام معاہدے اور وعدے جو قسم کے ذریعے مخلوق خدا کے سامنے کئے جاتے ہیں اس کے مفہوم میں داخل ہیں دوسرے لفظوں میں ہر قسم کا معاہدہ یا وعدہ جو اللہ کے نام پر یا اس کی قسم کے ذریعے انجام پائے وہ ایمان کے معنی میں داخل ہے خصوصاً جبکہ اس کے بعد ''و قد جعلتم اللّٰہ علیکم کفیلا'' (جبکہ تم نے خدا کو اپنا کفیل وضامن قرار دیا ہے) تفسیر وتاکید کے طور پر آیا ہے۔

(۹۲) ارشاد فرمایا گیا ہے تم اس عورت کی طرح نہ ہو جانا جس نے خوب سوت کاتا اور پھر اس سارے کو کھول دیا۔

یہ زمانہ جاہلیت کی ایک قریشی عورت رائطہ کی طرف اشارہ ہے وہ خود اور اس کی کنیزیں صبح سے دو پہر تک سوت کاتتیں پھر وہ عورت حکم دیتی کہ اس سارے کو کھول دو۔ اسی وجہ سے وہ عربوں میں ''حمقاء'' (احمق عورت) کے نام سے مشہور تھیں۔

ان عورتوں کے اس کام پر غور کیا جائے تو یہ ایک رجعت پسندانہ کام دکھائی دیتا ہے کیونکہ کاتنے کے بعد سوت ایک نیا استحکام اور تکامل حاصل کر لیتا ہے اب اس کو ادھیڑنا ایک رجعتی عمل ہی ہے کہ جو نہ صرف فضول اور لا حاصل ہے بلکہ نقصان دہ بھی ہے اسی طرح جو لوگ اللہ سے عہد باندھتے ہیں یا اس کے نام پر کوئی معاہدہ کرتے ہیں ان کا اس عہد اور معاہدے کو توڑ دینا نہ صرف فضول اور بے ہودہ حرکت ہے بلکہ ایسا کرنے والوں کے شخصی انحطاط کی دلیل بھی ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے تم اس کی یا اس کی خاطر اور اس خیال سے کہ فلاں گروہ کی نفری دوسرے سے زیادہ ہے اپنا پیمان اور قسم نہ توڑو اور اس پیمان اور قسم کو دھوکا دہی اور برائی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

آ گاہ ہو کہ اس طرح اللہ تمہیں آزمائے گا۔

اگر تم کثرت میں ہو اور تمہارا دشمن اقلیت میں تو یہ آزمائش کی بات نہیں آزمائش تو جبھی ہے کہ دشمن بڑی تعداد میں تمہارے سامنے کھڑا ہو اور تم ظاہراً کم اور کمزور رہو۔

بہر حال اس آزمائش کا نتیجہ اور جس امر میں تم اختلاف رکھتے تھے خدا کی طرف سے روز قیامت تمہارے سامنے واضح ہو جائے گا اور اس روز دلوں کے بھید آشکار ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے اعمال کی جزا پالے گا۔

(۹۳) خدا کی طرف سے آزمائش ایمان پر زور دینا اور فرائض کی انجام دہی کی بحث سے عام طور پر یہ توہم پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے جبری طور پر حق منوالے۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں اس توہم کا جواب دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ امت واحدہ ایمان اور قبول حق کے لحاظ سے لیکن جبری طور پر۔

واضح ہے اس طرح سے حق قبول کرنا نہ کمال وارتقاء کا باعث ہے اور نہ باعث افتخار ہے یہی وجہ ہے کہ سنت الٰہی یہ ہے کہ سب کو آزادی دی جائے تاکہ وہ اپنے اختیار اور ارادے سے راہ حق طے کریں۔

لیکن اس آزادی کا یہ معنی نہیں کہ جو لوگ اس کی راہ پر چلتے ہیں اللہ ان کی کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کرتا بلکہ جو لوگ راہ حق پر قدم رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں اللہ کی توفیق ان کے شامل حال ہوتی ہے اور وہ اس کی ہدایت کے زیر سایہ منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں اور جو باطل کے راستے پر قدم رکھتے ہیں وہ اس نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ اور ان کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسی لئے مزید فرمایا گیا ہے لیکن خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

لیکن خدا کی طرف سے اس ہدایت و گمراہی کا یہ مطلب نہیں کہ تمہاری ذمہ داری سلب ہو گئی ہے کیونکہ اس سے پہلے خود تم نے قدم اٹھائے ہیں۔

اسی لئے مزید فرمایا گیا ہے تم اپنے اعمال کے یقیناً جواب دہ ہو اور تم سے باز پرس ہو گی۔

(۹۴)اس آیت میں پھر ایفائے عہد کی طرف تاکید کی جارہی ہے اور قسمیں پوری کرنے پر زور دیا جارہا ہے چونکہ معاشرے کے ثبات و بقاء کیلئے یہ ایک اہم عامل ہے ارشاد ہوتا ہے اپنی قسموں کو اپنے درمیان مکر و فریب اور نفاق کا ذریعہ نہ بناؤ۔ کیونکہ اس کام کے دو عظیم نقصانات ہیں پہلا یہ کہ اس سے ایمان پر جمے ہوئے قدم متزلزل ہو جاتے ہیں۔اس لئے کہ جب تم قسم کھاتے ہو یا عہد باندھتے ہو تو اگر اس وقت تمہارا ایفائے عہد کا ارادہ نہیں ہوتا پھر بھی ایسا کرتے ہو تو لوگوں کا تم پر اعتماد اٹھ جائے گا اور ایمان لانے والوں میں سے بعض لوگوں کا ایمان بھی اس طرح متزلزل ہو جائے گا گویا ان کے ایمان کی بنیاد مضبوط نہ تھی۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ تمہیں اس کام کے برے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔اس دنیا میں اللہ کے راستے سے محروم ہو جاؤ گے اور دوسری دنیا میں اللہ کا سخت عذاب تمہارے انتظار میں ہوگا۔

درحقیقت پیمان شکنی اور قسموں کی خلاف ورزی سے ایک طرف تو لوگ دین حق سے بدبین اور متنفر ہو جاتے ہیں انتشار اور بداعتمادی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اسلام قبول کرنے کی طرف لوگوں کی رغبت کو نقصان پہنچتا ہے اس حالت میں اگر دوسرے لوگ کوئی عہد و پیمان باندھیں گے تو اسے پورا کرنے کیلئے وہ اپنے آپ کو پابند نہیں سمجھیں گے اور یہ صورت حال خود دنیا میں بے شمار پریشانیوں اور تلخ کامیوں کا باعث ہے۔

دوسری طرف دار آخرت میں تمہیں عذاب الٰہی کی سوغات ملے گی۔

(۹۵) وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ	اللہ کے عہد کو (کبھی بھی) تھوڑی سی قیمت کے بدلے نہ بیچو. اور اگر تم جانو تو جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی بہتر ہے۔
(۹۶) مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کیونکہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے لیکن جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جو لوگ صبر و استقامت اختیار کریں گے ہم انہیں ان کے بہترین اعمال کی جزا دیں گے۔
(۹۷) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	مرد ہو یا عورت، جو کوئی بھی نیک عمل کریگا اس حالت میں کہ وہ مومن ہو ہم اسے حیاتِ پاکیزہ عطا کریں گے اور انہیں ان جیسی جزا دیں گے جنہوں نے بہترین اعمال انجام دیئے ہیں۔

شان نزول

عظیم مفسرین مرحوم طبرسی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

ایک شخص حضر موت کا رہنے والا تھا وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا۔

یا رسول اللہؐ! میرا ایک ہمسایہ ہے اس کا نام امراؤ القیس ہے اس نے میری زمین کا کچھ حصہ غصب کر رکھا ہے لوگ میری سچائی کے گواہ ہیں لیکن چونکہ اس کا احترام کرتے ہیں لہذا میری حمایت پر آمادہ نہیں ہیں۔

رسول اکرمؐ نے امراؤ القیس کو طلب کیا اور اس سے اس سلسلے میں پوچھا تو اس نے جواب میں کچھ ماننے سے انکار کر دیا۔ رسول اکرمؐ نے اس سے کہا کہ اپنی سچائی کیلئے قسم کھاؤ' لیکن مدعی نے عرض کیا۔ یا رسول اکرمؐ! یہ شخص کسی اصول کا پابند نہیں لہذا اس کیلئے کوئی رکاوٹ نہیں یہ تو جھوٹی قسم کھا لے گا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ بہر حال اس کے علاوہ کوئی چارا نہیں یا تو اپنے گواہ پیش کرو یا اس کی قسم تسلیم کرو۔

امرؤ القیس قسم کھانے کیلئے اٹھا تو رسول اکرمؐ نے اسے روک دیا اور مہلت دی اور فرمایا اس بارے میں سوچ سمجھ لو پھر قسم اٹھانا۔

وہ دونوں چلے گئے اسی دوران میں زیر نظر پہلی اور دوسری آیت نازل ہوئی (جس میں جھوٹی قسم کے انجام سے خبر دار کیا گیا) رسول اکرمؐ نے یہ دونوں آیتیں ان کے سامنے پڑھیں تو امرؤ القیس کہنے لگا حق ہے جو کچھ میرے پاس ہے بالآخر فانی ہے اور یہ شخص سچ کہتا ہے میں نے اس کی زمین کا کچھ حصہ غصب کر رکھا ہے لیکن مجھے علم نہیں کہ وہ کتنا ہے؟ اب جبکہ یہ صورت ہے تو جتنا یہ چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا حق ہے لے لے اور اس مقدار کے برابر مزید بھی لے لے چونکہ میں نے اتنی مدت اس کی زمین سے استفادہ کیا ہے اس اثناء میں تیسری زیر نظر آیت بھی نازل ہوئی جس میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کرنے والوں کو حیات طیبہ کی بشارت دی گئی ہے۔

تفسیر

حیات طیبہ کی بنیاد

گذشتہ آیات میں پیمان شکنی اور جھوٹی قسم کی قباحت کے بارے میں گفتگو تھی۔ اس کے تسلسل میں زیر بحث پہلی آیت میں اسی مطلب کی تاکید کی گئی ہے البتہ فرق یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں پیمان شکنی اور جھوٹی قسم کا سبب دشمن کی زیادہ تعداد سے مرعوب ہونا بیان کیا گیا تھا جبکہ یہاں بے قیمت مادی مفادات کے حصول کا مسئلہ درپیش ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے عہد الٰہی کا کبھی بھی کم قیمت پر سودا نہ کرو۔

یعنی عہد الٰہی کی جو بھی قیمت لگاؤ وہ حقیر اور ناچیز ہے یہاں تک کہ اس کے بدلے تمہیں ساری دنیا بھی مل جائے تو ایفائے عہد الٰہی کے ایک لمحے کی بھی قیمت کے برابر نہیں ہے۔

اس کے بعد بطور دلیل مزید فرمایا گیا ہے جو کچھ اللہ کے پاس ہے تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جان لو۔

(۹۶) زیرِ نظر دوسری آیت میں اس بہتری کی دلیل یوں بیان کی گئی ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے آخر کار فانی ہے اور نابود ہو

جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی اور جاوداں ہے۔

مادی مفادات ظاہراً کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں پانی کے بلبلے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے جبکہ اللہ کی جزا اس کی ذات کی طرح جاوداں ہے اوران سب سے برتر و بالا ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے جو لوگ ہمارے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے (خصوصاً قسموں اور عہد و پیمان کے معاملے میں) صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں ہم انہیں ان کے بہترین عمل کی جزا دیں گے۔

احسن کی تعبیر اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے تمام نیک اعمال ایک جیسے نہیں ہیں بعض اچھے ہیں اور بعض بہت اچھے ہیں لیکن اللہ ان کے سارے اعمال کو زیادہ اچھے اعمال کے حساب میں رکھے گا اور انہیں زیادہ اچھے اعمال والی جزا دے گا اور یہ انتہائی عظمت کی بات ہے۔

(۹۷) اس آیت میں ایک ہمہ گیر قانون کے طور پر ایمان کے ساتھ اعمال صالح کی انجام دہی کا نتیجہ اس جہان کیلئے اور دوسرے جہان کیلئے بیان کیا گیا ہے چاہے کوئی بھی شخص کسی حالت میں بھی ایمان کے ساتھ اعمال صالح بجالائے قرآن اس کے بارے میں کہتا ہے مرد ہو یا عورت، جو کوئی بھی حالت ایمان میں نیک عمل انجام دے ہم انہیں بہترین اعمال کی جزا دیں گے۔

گویا معیار صرف ایمان اور اس کے نتیجے میں انجام دیئے جانے والے نیک اعمال ہیں اس کے علاوہ کوئی شرط نہیں نہ سن و سال کا مسئلہ ہے نہ قوم و قبیلے کا نہ جنس وصنف کا اور نہ معاشرے میں مقام و مرتبے کا وہ عمل صالح جو ایمان کی پیدوار ہو اس جہان میں اس کا نتیجہ حیات طیبہ ہے یعنی اس سے ایسا معاشرہ وجود پاتا ہے جس میں آرام وسکون ہو امن وخوشحالی ہو صلح و آشتی ہو اور تعاون و محبت ہو۔ ایسا معاشرہ جو انسان ساز اور اصلاحی مفاہیم کا حامل ہوتا ہے اس کے نتیجے میں معاشرے سے ایسی بدحالی اور ایسے مصائب اور رنج و محن ختم ہو جاتے ہیں کہ جو استکبار، ظلم، طغیان، خودغرضی اور ہوس پرستی کی پیدوار ہوتے ہیں اور جن کے باعث آسمان حیات تیز و تار ہو جاتا ہے............ایمان اور عمل صالح کی بنیاد پر وجود میں آنے والا معاشرہ ان سب مشکلات اور قباحتوں سے پاک ہو جاتا ہے ایک طرف تو امن وخوشحالی کا یہ دور دورہ ہوتا ہے اور دوسری طرف خدا انہیں ان کے بہترین اعمال کے مطابق جزا و ثواب دے گا اور اس کی تفسیر گذشتہ آیات میں گزر چکی ہے۔

(۹۸) فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ	جب قرآن پڑھو تو دھتکارے ہوئے شیطان سے خدا کی پناہ مانگو۔
(۹۹) اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ	کیونکہ جو اہل ایمان اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں ان پر اس (شیطان) کا بس نہیں چلتا۔

(۱۰۰)اِنَّمَا سُلۡطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَوَلَّوۡنَهٗ وَ الَّذِيۡنَ هُمۡ بِهٖ مُشۡرِكُوۡنَ ۚ	شیطان کا تسلّط تو صرف ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اسے اپنا سرپرست بنالیا ہے. اور وہ لوگ جنہوں نے اطاعت اور بندگی میں اسے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔

تفسیر

قرآن اس طرح سے پڑھو

ہمیں یاد ہے کہ پہلے کی چند آیات میں اس نکتے کی طرف اشارہ ہوا تھا کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے۔ اور اس کے بعد فرامین الٰہی کا ایک نہایت اہم حصہ بیان ہوا ہے۔ زیرِ نظر آیات ہمیں قرآن مجید سے استفادہ کرنے اور اس کی تلاوت کا طریقہ بیان کرتی ہیں کیونکہ یہی کافی نہیں کہ مضامین قرآن پرثمر ہوں بلکہ ضروری ہے کہ ہمارے وجود اور ہماری فکر و روح کے اردگرد موجود رکاوٹیں بھی دور ہوں تاکہ ان پرثمر مضامین تک رسائی ممکن ہو سکے۔

پہلے فرمایا گیا ہے جس وقت قرآن پڑھو دھتکارے ہوئے شیطان کے شر سے خدا کی پناہ مانگو۔

البتہ اس سے صرف یہ مراد نہیں کہ ''**اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**'' پڑھ لیا جائے بلکہ اس مفہوم کو اپنے اخلاق اور مزاج میں شامل کرنا شرط ہے یعنی اس جملے کا ذکر انسان کے اندر ایک حالت پیدا ہونے کا مقدمہ بننا چاہئے۔

خدا کی طرف توجہ کی حالت سرکش ہوا و ہوس کہ جو صحیح فہم و ادارک سے مانع ہے سے جدائی کی حالت اور تعصب غرور اور خود پرستی سے لاتعلقی کی حالت کیونکہ یہ چیزیں انسان سے تقاضا کرتی ہیں کہ ہر چیز سے یہاں تک کہ کلام الٰہی سے بھی اپنی انحرافی خواہشات کیلئے فائدہ اٹھائے جب تک انسان کی روح میں ایسی حالت پیدا نہ ہو جائے حقائق قرآن کا ادارک اس کیلئے ممکن نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی شرک آلودہ خواہشات کی توجیہہ کیلئے اس کی تفسیر بالرائے کرنے لگے۔

(۹۹) زیرِ نظر دوسری آیت درحقیقت پہلی آیت میں کہی گئی بات کی دلیل ہے ارشاد ہوتا ہے شیطان کا ان لوگوں پر بس نہیں چلتا کہ جو اہل ایمان ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

(۱۰۰) اس کا تسلط تو صرف ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اسے اپنی رہبری اور سرپرستی کیلئے منتخب کر رکھا ہے۔ اور وہ لوگ کہ جنہوں نے اطاعت و بندگی میں اسے خدا کا شریک بنا رکھا ہے۔ وہ لوگ کہ جو حکم خدا کی بجائے حکم شیطان کو عمل درآمد کے لائق سمجھتے ہیں۔

(۱۰۱) وَ اِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ وَّ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	اور جب ہم (کسی حکم کومنسوخ کرتے ہوئے) ایک آیت کو دوسری آیت سے بدل دیتے ہیں تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون سا حکم نازل کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو جھوٹ بولتا ہے لیکن ان میں سے اکثر (حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔
(۱۰۲) قُلۡ نَزَّلَہٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ	(اے رسول) کہہ دے۔ اسے روح القدس حق کے ساتھ تیرے پروردگار کی طرف سے لایا ہے تا کہ اہل ایمان کو ثابت قدم کر دے اور یہ تمام مسلمانوں کیلئے ہدایت اور بشارت ہے۔
(۱۰۳) وَ لَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّہُمۡ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیۡ یُلۡحِدُوۡنَ اِلَیۡہِ اَعۡجَمِیٌّ وَّ ہٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیۡنٌ	ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیات اُسے ایک بشر سکھاتا ہے، حالانکہ جس کی طرف وہ انہیں نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے، جبکہ یہ (قرآن) واضح عربی زبان میں ہے۔
(۱۰۴) اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَہۡدِیۡہِمُ اللّٰہُ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ	جو لوگ آیاتِ الٰہی پر ایمان نہیں رکھتے اللہ انہیں ہدایت نہیں کرتا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔
(۱۰۵) اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ	جھوٹ صرف وہ لوگ بولتے ہیں جو آیاتِ الٰہی پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ واقعاً جھوٹے ہیں۔

شان نزول

ابن عباس کہتے ہیں

کبھی کوئی آیت نازل ہوتی اور اس میں کوئی سخت حکم ہوتا اور اس کے بعد کوئی آیت آتی کہ جس میں نسبتاً سہل حکم ہوتا تو بہانہ ساز مشرکین کہتے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب سے مذاق کرتا ہے اور یہ اپنے پاس سے کرتا ہے آج ایک چیز کا حکم دیتا ہے اور اسے منع کر دیتا ہے۔ یہ امور ظاہر کرتے ہیں کہ محمد (ص) سب کچھ اپنی طرف سے کہتا ہے نہ کہ خدا کی طرف سے۔

اس سلسلے میں پہلی آیت میں انہیں جواب دیا گیا ہے۔

تفسیر

رسوا کن جھوٹ

گذشتہ آیات میں قرآن اوراس سے استفادہ کرنے کے طریقے کے بارے میں بات تھی۔زیر بحث آیات بھی قرآن سے مربوط کچھ مسائل بیان کررہی ہیں۔خصوصاًان میں مشرکین کی طرف سے آیات الٰہی پر کیے جانے والے اعتراضات کا ذکر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت لے آتے ہیں یہ تغیر وتبدل حکمت ومصلحت کے تحت ہوتا ہے اور خدا بہتر جانتا ہے کہ اس کی حکمت کیا ہے اور کس طرح سے نازل کرنا چاہیئے تو وہ کہتے ہیں کہ تو خدا پر جھوٹ باندھتا ہے لیکن ان میں سے اکثر حقیقت امر کو نہیں جانتے۔

جی ہاں! وہ ان حقائق سے بے خبر ہیں انہیں نزول قرآن کی شرائط وکوائف کی خبر نہیں ورنہ وہ جانتے کہ کچھ احکام وآیات قرآن کی تبدیلی ایک دقیق اور سوچے سمجھے تربیتی پروگرام کا حصہ ہے اس کے بغیر اصلی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ایسا کرنا کمال وارتقاء کے حصول کیلئے ضروری ہے۔

اپنی اسی ناسمجھی کی بناء پر ان کا خیال تھا کہ یہ تبدیلی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تناقض گوئی اور اللہ پر افتراء باندھنے کی دلیل ہے۔

(۱۰۲) اس آیت میں اسی مسئلے پر گفتگو جاری رکھتے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہہ دے اسے روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔

روح القدس یا روح مقدس وحی الٰہی کا قاصد جبریل امین علیہ السلام ہے وہی ہے کہ جو حکم خدا سے آیات الٰہی ناسخ ہوں یا منسوخ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لے کر آتا ہے وہ آیات جو سب کی سب حق ہیں اور سب ایک حقیقت کا سلسلہ ہیں۔اور وہ حقیقت تربیت نوع انسانی کے علاوہ کچھ نہیں وہ تربیت کہ جس کیلئے کبھی احکام میں ناسخ ومنسوخ کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی بناء پر اس کے بعد فرمایا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان کو اپنے اپنے راستے میں زیادہ ثابت قدم کیا جائے اور یہ تمام مسلمانوں کیلئے ہدایت وبشارت ہے۔

مفسر عالی قدر مولف المیز ان کے بقول یہ آیت مومنین کے بارے میں کہتی ہے کہ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے راستے میں ثابت قدم ہوجائیں لیکن مسلمانوں کے بارے میں کہتی ہے کہ مقصدٔ ہدایت وبشارت ہے۔یہ فرق اسی فرق کی بناء پر ہے جو مومن اور مسلم میں موجود ہے کیونکہ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر عمل سے ہے۔

(۱۰۳) آیات قرآن پر بہانہ ساز مشرکوں نے جو اعتراض کیا تھا یہ اس کا جواب تھا۔اس کے بعد ان کے دوسرے اعتراض یا زیادہ واضح الفاظ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام پر مخالفین کے افتراء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں یہ آیات اسے ایک انسان سکھاتا ہے۔

بہرحال ان بے بنیاد باتوں پر قرآن نے خط بطلان کھینچ دیا ہے انہیں دندان شکن جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے جس شخص

کی طرف یہ اس قرآن کی نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے حالانکہ یہ قرآن فصیح وواضح عربی میں نازل ہوا ہے۔

اس تہمت سے اگران کی مراد یہ ہے کہ یہ الفاظ قرآن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کو ایک ایسا انسان سکھا تا کہ جو عربی زبان سے بیگانہ تھا تو یہ انتہائی پست بات ہے ایسے شخص کی عبارات ایسی فصیح و بلیغ کیسے ہوسکتی ہیں کہ جن کے سامنے خود اہل زبان عاجز ہیں یہاں تک کہ اسی جیسی ایک سورت بھی نہیں بناسکتے۔

(۱۰۴) قرآن تنبیہ کے انداز میں یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ ان کے یہ الزامات اور انحرافات سب کے سب ان کی داخلی بے ایمانی کے سبب سے ہیں اور جو لوگ آیات الٰہی پر ایمان نہیں رکھتے خدا انہیں ہدایت نہیں کرتا۔ نہ صراط مستقیم کی ہدایت اور نہ جنت و سعادت جاوداں کے راستے کی ہدایت اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح سے تعصب، ہٹ دھرمی اور حق دشمنی میں گرفتار ہیں کہ ہدایت کی اہلیت گنوا بیٹھتے ہیں اور اب وہ عذاب الیم کے علاوہ کسی چیز کی اہلیت نہیں رکھتے۔

(۱۰۵) زیر بحث آخری آیت میں مزید فرمایا گیا ہے الا اللہ والوں پر صرف وہ لوگ جھوٹ باندھتے ہیں کہ جو آیات الٰہی پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ پکے جھوٹے ہیں۔

اسلام کی نگاہ میں جھوٹ کی قباحت

زیرِ بحث آخری آیت قرآن کی لرزا دینے والی آیتوں میں سے ہے۔ یہ آیت جھوٹ کی قباحت کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے۔ اس آیت نے جھوٹوں کو کافروں اور آیاتِ الٰہی کے منکروں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے آیت اگر چہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کے بارے میں ہے۔ تاہم جھوٹ کی قباحت اجمالاً اس سے مشخص ہو جاتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر ہم کچھ تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام کی نگاہ میں جھوٹ کی قباحت کس قدر ہے۔

اسلامی روایات میں جھوٹ کو گناہوں کی چابی کہا گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

(سچائی نیکی کی دعوت دیتی ہے اور نیکی جنت کی طرف ہدایت کرتی ہے)

ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اللہ بزرگ و برتر نے برائی کے کچھ قفل قرار دیئے ہیں اور ان کی چابی شراب ہے کیونکہ یہ عقل ہے کہ جو برائیوں سے روکتی ہے اور شراب عقل کو بیکار کر دیتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا:

''جھوٹ بولنا شراب نوشی سے بھی بدتر ہے''

امام عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں

تمام خباثتیں ایک کمرے میں بند کر دی گئی ہیں اور اس کمرے کی چابی جھوٹ ہے۔

جھوٹ اور دوسرے گناہوں کا تعلق یہ ہے کہ گناہ گار شخص ہرگز سچا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سچائی اس کی رسوائی کا سبب ہے اور آثارِ گناہ چھپانے کے لیے اسے عموماً جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

(۱۰۶) مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے سوائے اس لئے کہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو (تو اس پر کوئی حرج نہیں) لیکن جنہوں نے آزادی سے کفر قبول کر لیا ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور عذابِ عظیم ان کے انتظار میں ہے۔
(۱۰۷) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ	یہ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے (پست) دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے اور اللہ بے ایمان (اور ہٹ دھرم) افراد کو ہدایت نہیں فرماتا۔
(۱۰۸) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ	وہ ایسے لوگ ہیں کہ (ان کے گناہوں کی کثرت کے باعث) اللہ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے (اس لئے وہ کچھ نہیں سمجھ سکتے) وہ واقعی غافل ہیں۔
(۱۰۹) لَاجَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	یقیناً آخرت (قیامت کے دن) میں ایسے لوگ خسارے میں ہیں۔
(۱۱۰) ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۧ	لیکن تیرا رب ان لوگوں کیلئے جنہوں نے دھوکا کھانے کے بعد ہجرت کی پھر راہ خدا میں جہاد کیا اور استقامت دکھائی، یہ کام انجام پانے کے بعد تیرا پروردگار غفور ورحیم ہے۔

(۱۱۱) يَوۡمَ تَاۡتِىۡ كُلُّ نَفۡسٍ تُجَادِلُ عَنۡ نَّفۡسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَ هُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ	اس دن کے متعلق سوچو جب ہر شخص (اپنی فکر میں پڑا ہوگا اور) اپنے دفاع کیلئے کھڑا ہوگا اور ہر شخص کا نتیجہ اعمال بے کم و کاست اسے دیا جائیگا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا

شان نزول

بعض مفسرین نے پہلی آیت کی شان نزول کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے ایک خاص گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ مشرکین کے چنگل میں گرفتار ہوگئے تھے کفار نے انہیں مجبور کیا کہ اسلام کے خلاف کفرو شرک کا اظہار کریں۔ یہ افراد عمار ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ صہیب 'بلال اور خباب تھے۔ عمار کے ماں باپ نے اس واقعے میں بڑی استقامت دکھائی اور ڈٹے رہے۔ انہیں قتل کر دیا گیا۔ عمار نوجوان تھے مشرکین جو چاہتے تھے انہوں نے کہہ دیا۔ یہ خبر مسلمانوں تک پہنچی تو بعض نے غائبانہ طور پر عمار کی مذمت کی اور کہا کہ عمار اسلام سے نکل گیا ہے اور کافر ہوگیا ہے۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ عمار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ نے فرمایا کیا بات ہے؟

انہوں نے عرض کی بہت برا ہوا۔ انہوں نے اس وقت تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ کے بارے میں جسارت نہیں کی اور ان کے بتوں کے بارے میں کلمہ خیر نہیں کہا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے عمار کی آنکھوں سے آنسو پونچھتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے تھے اگر دوبارہ تم ان کے ہاتھوں میں آجاؤ تو جو کچھ وہ کہیں کہہ دو (اور اپنی جان کو مشکل سے بچاؤ) اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر

اسلام سے پھر جانے والے (مرتدین)

گزشتہ آیات مشرکین اور کفار کے طرز عمل کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں۔ ان آیات میں بھی وہی سلسلہ کلام جاری ہے ان میں کفار کے ایک اور گروہ یعنی مرتدین اور اسلام سے پھر جانے والوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائیں سوائے ان کے جو دباؤ میں آ کر اظہار کفر کریں جبکہ ان کا دل ایمان سے پر ہو۔ مگر جنہوں نے اپنا سینہ پھر سے کفر کیلئے کھول دیا ہے ان پر خدا کا غضب ہے اور عذاب عظیم ان کے انتظار میں ہے۔

درحقیقت یہاں دوگروہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک وہ کہ جو دشمنوں کے چنگل میں گرفتار ہوجاتے ہیں کہ جو منطق کی زبان نہیں جانتے۔اس ظلم اور دباؤ کی وجہ سے وہ اسلام سے بیزاری اور کفر سے وفاداری کا اظہار کردیتے ہیں حالانکہ وہ یہ سب کچھ زبان سے کہتے ہیں اور ان کے دل ایمان سے مالا مال ہوتے ہیں یہ لوگ یقیناً عفوودرگزر کے قابل ہیں بلکہ اصلاًان سے کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہوا یہی وہ تقیہ ہے کہ جس کی اجازت دی گئی ہے جس کا مقصد جان کی حفاظت ہے تاکہ زیادہ طاقت جمع کرکے راہ خدا میں زیادہ خدمت کی جاسکے اسی تقیہ کو اسلام میں جائز قرار دیا گیا ہے۔

دوسرے وہ کہ جو سچ مچ اپنے دل کے دریچے کفر اور بے ایمانی کے لئے کھول دیتے ہیں اور اپنا عقیدہ بالکل بدل لیتے ہیں ایسے لوگ غضب الٰہی اور اس کے عذاب عظیم میں گرفتار ہوں گے۔

(۱۰۷) زیرِنظر دوسری آیت میں ان کے مرتد ہونے کی دلیل بیان کی گئی ہے۔یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے۔لہٰذا انہوں نے پھر سے کفر کی راہ اختیار کرلی ہے۔اور خدا کفر و انکار پر اصرار کرنے والی کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

مختصر یہ کہ جب وہ ایمان لائے تھے تو وقتی طور پر ان کے کچھ مادی مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے اور چونکہ وہ دنیا سے لگاؤ رکھتے تھے لہٰذا اپنے ایمان پر پشیمان ہوئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ گئے۔

(۱۰۸) آیت میں ان کی عدم ہدایت کی دلیل بیان کی گئی ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کانوں اور آنکھوں پر مہر لگادی ہے اس طرح سے کہ وہ حق کو دیکھنے سننے اور سمجھنے سے محروم ہیں۔

اور واضح ہے کہ ایسے افراد معرفت کے سارے ذرائع گنوا بیٹھنے کی وجہ سے واقعاً غافل ہیں۔

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں غلط اعمال اور طرح طرح کے گناہ انسان کی حس ادارک اور نگاہ معرفت پر برے اثرات مرتب کرتے ہیں اور ان کے باعث انسان کی سلیم فکری رفتہ رفتہ ختم ہوجاتی ہے اور انسان اس راہ پر جس قدر آگے بڑھتا ہے اس کے دل کان اور آنکھ پر غفلت کے پردے دبیز تر ہوتے چلے جاتے ہیں آخر کار اس کی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ وہ آنکھ رکھتے ہوئے دیکھ نہیں پاتا' کان رکھتے ہوئے سن نہیں پاتا اور اس کی روح کا دریچہ حقائق کیلئے بند ہوجاتا ہے حس ادارک اور قوت تمیز اس سے لے لی جاتی ہے حالانکہ یہ اللہ کی عظیم ترین نعمتیں ہیں۔

(۱۰۹) اس آیت میں ان کے کام کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے کہ ناچار اور یقیناً آخرت میں وہ خسارے میں ہیں۔

اس سے بڑھ کر خسارا کیا ہوگا کہ انسان ہدایت و سعادت جاوداں کے تمام ضروری وسائل اپنی ہوا و ہوس کی وجہ سے گنوا بیٹھے۔

(۱۱۰) پہلے دوگروہ بیان کئے گئے ہیں ایک وہ کہ جو دشمن کے ظلم اور دباؤ کی وجہ سے تقیہ کے طور پر کفر آمیز باتیں کہہ دے

جبکہ اس کا دل ایمان سے معمور ہو۔ اور دوسرا وہ کہ جو آزادی اور رغبت کے ساتھ کفر کی طرف پلٹ جائے ان کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا گروہ بھی ہے اور وہ ہے فریب خوردہ لوگوں کا گروہ۔ لہٰذا اگلی آیت میں ان کی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے تیرا رب ان لوگوں کے بارے میں کہ جو دھوکا کھا کر ایمان سے پلٹ گئے ہیں لیکن بعد ازاں انہوں نے توبہ کر لی اور ہجرت، جہاد اور صبر و استقامت کے ذریعے اپنی توبہ کی سچائی کو ثابت کیا۔

جی ہاں! ان کے بارے میں تیرا رب غفور رحیم ہے۔

(۱۱۱) زیر بحث آخری آیت میں ایک عمومی تنبیہ کے طور پر اور بیداری کیلئے فرمایا گیا ہے اس دن کا سوچو جب ہر شخص اپنی فکر میں غلطاں ہوگا اور اپنے ہی دفاع کے درپے ہوگا تا کہ اپنے تئیں اس دردناک عذاب اور سزا سے بچا سکے۔

بعض اوقات گنہ گار عذاب سے بچنے کیلئے اپنے غلط اعمال کا سرے سے ہی انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

''اس اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم مشرک نہ تھے'' (انعام ۲۳)

جب وہ دیکھیں گے کہ اس مکروفریب اور دروغ سے کام نہیں بنتا تو کوشش کریں گے کہ اپنے گناہ اپنے گمراہ رہنماؤں کی گردن پر ڈال دیں۔ وہ کہیں گے۔

''پروردگارا! یہ تھے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا ان کا عذاب دگنا کر دے اور ہمارے عذاب کا حصہ انہیں دے دے''۔ (اعراف ۳۸)

لیکن اس طرح سے ہاتھ پاؤں مارنا فضول ہے اور وہاں ہر شخص کا نتیجہ اعمال بے کم و کاست اسی کو دیا جائے گا۔ اور کسی شخص پر ذرہ بھر ظلم نہیں ہوگا۔

(۱۱۲) وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ	اللہ نے ایک آباد علاقے کی مثال بیان فرمائی ہے جہاں امن و امان اور سکون و اطمینان تھا اور ہمیشہ ہر جگہ سے وہاں وافر رزق پہنچ جاتا تھا لیکن انہوں نے کفران نعمت کیا اور اللہ نے ان کے اعمال کے باعث انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔
(۱۱۳) وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ	خود انہی میں سے ایک رسول ان کے پاس آیا لیکن انہوں نے اس کی تکذیب کی اور عذاب الٰہی نے انہیں آ جکڑا کہ وہ ظالم تھے۔

(۱۱۴)فَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اشۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ	جب یہ صورت حال ہے تو اللہ نے جو کچھ روزی تمہیں دی ہے اس میں سے حلال و پاکیزہ کھاؤ اور نعمت خدا کا شکرادا کرو اگر اس کے عبادت گزار رہو۔

تفسیر

جنہوں نے کفران نعمت کیا اور گرفتار عذاب ہوئے

ہم کئی بار کہہ چکے ہیں کہ یہ سورت نعمتوں کے ذکر سے معمور ہے اس میں مختلف قسم کی روحانی اور مادی نعمتوں کا تذکرہ ہے۔اس کی مناسبت سے بعض دیگر مباحث بھی آ گئے ہیں۔زیر نظر آیات میں نعمات الٰہی کے کفران کا نتیجہ ایک عینی مثال کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے جو لوگ نعمات الٰہی کی ناشکری کرتے ہیں اللہ نے ان کیلئے ایک آبادی کی مثال بیان کی ہے کہ جو بڑے امن وسکون میں تھی۔

یہاں ایسا امن وامان تھا کہ سب باسی اطمینان سے رہتے سہتے تھے انہیں یہاں سے چلے جانے کی کوئی مجبوری نہ تھی۔

امن وامان اور سکون واطمینان کی نعمت کے علاوہ مختلف قسم کے جس رزق کی انہیں ضرورت تھی وہ وافر مقدار میں ہر جگہ سے پہنچ جاتا تھا۔

لیکن آخر کار اس آبادی کے باسیوں نے نعمات الٰہی کا کفران کیا اور اللہ نے ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔

(۱۱۳) وہ نہ صرف مادی نعمتوں سے مالا مال تھے بلکہ انہیں روحانی نعمتیں بھی میسر تھیں ایک فرستادہ الٰہی ان میں موجود تھا اور انہیں آسمانی تعلیمات میسر تھیں۔انہی میں سے ایک رسول ان کی طرف آیا اس نے انہیں دین حق کی دعوت دی اور اتمام حجت کیا لیکن انہوں نے اس کی تکذیب شروع کر دی۔

اس موقع پر عذاب الٰہی نے انہیں گھیر لیا کہ وہ ظالم وستمگر تھے۔

(۱۱۴) جب تم نے ایسے زندہ اور واضح نمونے دیکھ لئے ہیں تو پھر ان غافلوں، ظالموں اور کفران نعمت کرنے والوں کی راہ اختیار نہ کرنا۔اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکرادا کرو۔

بعض دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ داستان بنی اسرائیل کے ایک گروہ سے مربوط ہے یہ لوگ ایک آباد علاقے میں زندگی بسر کرتے تھے اور کفران نعمت کی وجہ سے قحط و بدامنی میں گرفتار ہو گئے تھے۔اس بات کی شاہد وہ حدیث ہے جو امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا

''بنی اسرائیل کا ایک گروہ بہت خوشحال زندگی گزار رہا تھا یہاں تک کہ وہ لوگ غذا سے چھوٹے چھوٹے مجسمے بناتے تھے اور بعض اوقات اپنے بدن کی نجاست کو بھی ان سے صاف کر لیتے تھے لیکن انجام کار ان کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ وہ مجبور ہو گئے کہ غلاظت سے آلودہ اسی غذا کو کھائیں اور یہی وہ چیز ہے کہ جس کے بارے میں اللہ قرآن میں فرماتا ہے۔

''ضرب اللّٰہ مثلاًقریة کانت امنة مطمئنة............''

اس جیسے مضمون کی اور روایات بھی امام صادق علیہ السلام اور تفسیر علی بن ابراہیم سے نقل ہوئی ہیں کہ جن کے اسناد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ورنہ مسئلہ واضح تھا۔

(۱۱۵) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	اللہ نے تم پر صرف مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں کہ جن کا سر غیر خدا کے نام پر کاٹا جائے، البتہ جو لوگ مجبور ہو جائیں مگر حد سے تجاوز نہ کریں (ان کی سزا نہیں ہے) کیونکہ اللہ غفور و رحیم ہے۔
(۱۱۶) وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ	اور اللہ پر افتراء باندھتے ہوئے اپنی زبانوں سے جھوٹ موٹ یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے والے فلاح نہیں پائیں گے۔
(۱۱۷) مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	ایسے لوگوں کو دنیا کا تھوڑا سا فائدہ تو مل جائے گا مگر دردناک عذاب ان کے انتظار میں ہے۔
(۱۱۸) وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْآ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ	جو چیزیں پہلے ہم نے تم سے بیان کی ہیں، انہیں ہم نے یہودیوں پر حرام کیا ہے. ان پر ہم نے کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

(۱۱۹)ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیۡنَ عَمِلُوا السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۱۹﴾	لیکن جنہوں نے جہالت کے باعث بُرے کام کئے ہیں مگر بعدازاں انہوں نے توبہ کرلی ہے اوراصلاح کیلئے اقدام کیا ہے تو، پھرتمہارا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر

جھوٹے کبھی فلاح نہیں پائیں گے

گذشتہ آیات میں اللہ کی پاکیزہ نعمتوں اوران کے شکرانے کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیربحث آیات میں وہی سلسلہ کلام جاری ہے۔اب ان چیزوں کا ذکر ہے کہ جوواقعاً حرام ہیں نیز جنہیں لوگوں نے دین خدا میں بدعت کے طور پر حرام قرار دے لیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے جانوروں سے مربوط غذا میں سے اللہ نے چار چیزیں تم پر حرام قرار دی ہیں مردار' خون' سور کا گوشت اور وہ جانور کہ جن کا سر غیراللہ کے نام پر کاٹا گیا ہے۔

مردار' خون اور سور کا گوشت حرام ہونے کا فلسفہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۳ کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا جاچکا پہلی جلد میں مذکورہ آیت کی طرف رجوع کریں۔

دورحاضر میں کسی سے مخفی نہیں کہ یہ تینوں چیزیں کس قدر آلودگی کی حامل ہیں مردار طرح طرح کے جراثیم کا منبع ہے خون بھی بدن کے تمام اجزاء کی نسبت جراثیموں کے اعتبار سے زیادہ آلودہ ہے اور سور کا گوشت بھی کئی طرح کی خطرناک بیماریوں کیلئے عامل کی حیثیت رکھتا ہے ان تمام سے قطع نظر جیسا کہ ہم نے سورہ بقرہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے خون اور سور کا گوشت کھانے سے جسمانی نقصانات کے علاوہ نفسیاتی اور اخلاقی قباحتیں بھی پیدا ہوتی ہیں اور یہ اپنے ہارمونز انسان کے وجود میں بطور یادگار چھوڑ جاتے ہیں۔

مردار بھی چونکہ ذبح نہیں کیا گیا ہوتا اس لئے اس سے خون باہر نہیں نکلتا لہٰذا اس کے کھانے سے دوسرے نقصان کے علاوہ خون کھانے کا نقصان بھی ہوتا ہے۔

رہے وہ جانور کہ جو غیر خدا کے نام پر ذبح ہوتے ہیں..................ہم جو آج بسم اللہ کہتے ہیں وہ اس کی بجائے بتوں کے نام لیتے تھے۔اس کی حرمت یقیناً صحت کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ یہ حکم اخلاقی اور روحانی پہلو رکھتا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں حلال وحرام کا ہر حکم صرف صحت کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ کچھ محرمات صرف روحانی پہلو رکھتی ہیں ان کا مقصد تہذیب نفس ہوتا ہے اورانہیں اخلاقی مسائل کے پیش نظر حرام کیا گیا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات صرف نظام معاشرہ کی حفاظت کیلئے بعض چیزیں حرام قرار دے دی گئی ہیں جو جانور نام خدا لئے بغیر ذبح کردیئے جاتے ہیں ان کی حرمت بھی اخلاقی پہلو سے ہے کیونکہ یہ حکم ایک طرف سے تو شرک اور بت پرستی کے خلاف جنگ ہے اور دوسری طرف ان نعمتوں کے خالق کی طرف توجہ کا باعث ہے۔

ضمنی طور پر اس آیت سے اور بعد کی آیات سے مجموعی طور پر یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ گوشت استعمال کرنے کے سلسلے میں

اسلام اعتدال کا راستہ معین کرتا ہے اسلام اس سلسلے میں نہ ساگ پات کھانے والے ہندومت کی طرح اس غذا کو بالکل حرام قرار دیتا ہے اور نہ دورِ جاہلیت اور ہمارے زمانے کے بعض بزعم خویش تہذیب یافتہ لوگوں کی طرح ہر قسم کا گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگ سوسمار، سرطان اور طرح طرح کے کیڑے مکوڑے تک کھا جاتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن کی سنت ہے آیت کے آخر میں استثنائی مواقع کا ذکر ہے فرمایا گیا ہے جو لوگ حرام گوشت کھانے پر مجبور ہو جائیں (مثلاً کسی بیابان میں ہوں جہاں کچھ اور کھانے کو نہ مل سکے اور ان کی جان خطرے میں ہو (اور صرف جان بچانے کی حد تک ان میں سے کچھ کھالیں اور حد سے تجاوز نہ کریں تو ان کیلئے کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۱۱۶) ہوسکتا ہے یہ روایات اس طرف اشارہ ہوں کہ حرام گوشت کیلئے اضطراری کیفیت عموماً دوران سفر پیدا ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص ظلم غصب اور چوری کے لئے سفر کرے اور اس قسم کا گوشت کھائے اگرچہ اس کیلئے ضروری ہو جائے کہ اپنی جان بچانے کیلئے ایسا کرے لیکن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا یہ گناہ نہیں بخشے گا۔

بہر حال یہ تفسیریں آیت کے عمومی مفہوم کے منافی نہیں ہیں اور انہیں یکجا کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔

مشرکین نے بے بنیاد طور پر جو چیزیں حرام قرار دے لی تھیں اور جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اگلی آیت میں ان کے بارے میں صراحت سے فرمایا گیا ہے اور اللہ پر افتراء باندھتے ہوئے اپنی زبانوں سے غلط طور پر یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے۔

یعنی یہ ایک واضح جھوٹ ہے کہ جو صرف تمہاری زبانوں سے ٹپکا ہے کہ تم خود سے کچھ چیزوں کو حلال بنا لیتے ہو اور کچھ کو حرام یہ ان چوپایوں کی طرف اشارہ ہے کہ مشرکین جن میں سے کچھ کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے اور کچھ کو حلال اور ان میں سے بعض کو بتوں کے نام کر دیتے تھے۔

کیا اللہ نے تمہیں ایسی قانون سازی کا حق دیا ہے؟ کیا یہ خدا پر افتراء نہیں؟ تمہیں تمہارے بے ہودہ افکار اور اندھی تقلید نے ان بدعتوں سے باندھ رکھا ہے۔

آیت کے آخر میں ایک حتمی خطرے کے الارم کے طور پر فرمایا گیا ہے جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی نجات اور فلاح نہیں پائیں گے۔

اصولی طور پر جھوٹ کسی کے بارے میں بھی ہو، یہی بدبختی اور عدم فلاح کا سبب۔ چہ جائیکہ وہ خدائے بزرگ کے بارے میں ہو۔ ظاہر ہے ایسے جھوٹ کا گناہ اور برے اثرات کئی گنا ہوں گے۔

(۱۱۷) اس آیت میں عدم فلاح اور بدبختی کی اس طرح سے وضاحت کی گئی ہے ایسے کاموں سے وہ اس دنیا سے تو تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں گے لیکن اس کے مقابلے میں دردناک عذاب ان کے انتظار میں ہے۔

یہ متاع قلیل ہوسکتا ہے شکم مادر میں مر جانے والے جانوروں کے بچوں کی طرف اشارہ ہو جنہیں وہ اپنے لئے حلال شمار کرتے تھے اور ان کا گوشت استعمال کرتے تھے۔

(۱۱۸) ممکن ہے یہاں یہ سوال کیا جائے کہ چار چیزوں کا جن کا ان آیات میں ذکر ہے ان کے علاوہ جانور یہودیوں پر کیوں حرام کئے گئے تھے؟

یہ آیت گویا اس سوال کا جواب دے رہی ہے ارشاد ہوتا ہے اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کردی تھیں جو تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

یہ ان چیزوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن کا ذکر سورہ انعام کی آیت............۱۴۶ میں اس طرح سے آیا ہے:

"و على الذين هادوا حرمنا كل ذى ظفر ومن البقر و الغنم حرمنا عليهم شهومهما الا ما حملت ظهور هما او الحوايا او ما اختلط بعظم ذلک جزئناهم ببغيهم و انا الصادقون"

(یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار حیوان حرام کردیا ہے یہ ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جو گھوڑے کے سموں کی طرح یک پارچہ ہوتے ہیں نیز گائے اور گوسفند کی پشت، انتڑیوں کے درمیان اور دونوں پہلوؤں یا ہڈی سے ملی ہوئی چربی کے علاوہ باقی چربی بھی حرام قرار دی ہے یہ حرمت ان کے ظلم کی وجہ سے سزا کے طور پر ہے اور ہم سچ کہتے ہیں)۔

درحقیقت حرمت کے یہ اضافی احکام یہودیوں کے مظالم اور ستم کاریوں پر عذاب اور سزا کے طور پر تھے۔اسی لئے زیر بحث آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے۔ہم نے ان پر ستم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

(۱۱۹) زیرنظر آخری آیت میں قرآن اپنی روش کے مطابق فریب خوردہ یا پشیمان ہوجانے والے افراد کیلئے لوٹ آنے کا راستہ کھولتے ہوئے فرماتا ہے تیرا پروردگار ان کے بارے میں کہ جنہوں نے جہالت کے باعث برے اعمال انجام دیئے ہیں اور پھر انہوں نے توبہ کرلی ہے اور اصلاح وتلافی کی ہے............جی ہاں! تیرا پروردگار توبہ واصلاح کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ

اولاً ارتکاب گناہ کی وجہ جہالت کو شمار کیا گیا ہے کیونکہ جہالت ہی بہت سے گناہوں کا حقیقی عامل ہے اور جو لوگ جہالت میں ارتکاب گناہ کرتے ہیں وہی آگاہی کے بعد راہ حق کی طرف لوٹتے ہیں نہ کہ وہ جنہوں نے جان بوجھ کر غرور تکبر تعصب یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے غلط راستہ اختیار کیا ہو۔

ثانیاً قرآن یہاں توبہ کو فقط دل کی توبہ وندامت تک محدود نہیں کرتا بلکہ اس کی عملی تاثیر پر تاکید کرتا ہے اور اصلاح وتلافی کے ساتھ توبہ کو مکمل شمار کرتا ہے یہ اس لئے ہے کہ ہم غلط فکر ہی کو دل ودماغ سے باہر نہ نکالیں کیونکہ ہزاروں گناہوں کا ازالہ استغفر اللہ کے ایک جملے سے نہیں ہوسکتا۔انسانی روح یا معاشرے کو جو نقصان گناہ سے پہنچتا ہے اس کی اصلاح ومرمت کی ضرورت ہوتی ہے یہی ہے حقیقی توبہ نہ کہ زبانی توبہ۔

(۱۲۰) اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَ لَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ	ابراہیم (تن تنہا) ایک امت تھا، امرِ الٰہی کا مطیع تھا، ہر قسم کے انحراف سے مبرا تھا اور وہ ہرگز مشرکین میں سے نہ تھا۔

(۱۲۱)شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ	وہ پروردگار کی نعمتوں کا شکر گزار تھا۔اللہ نے اس کو منتخب فرمایا اور اسے سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی۔
(۱۲۲) وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ	اور دنیا میں ہم نے اسے ہمتِ نیک بخشی اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہے۔
(۱۲۳)ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	پھر ہم نے تمہاری طرف وحی کی کہ ابراہیم کے دین کی اتباع کرکہ جو ہر قسم کے انحراف سے پاک ہے اور مشرکین میں سے نہ تھا۔
(۱۲۴) اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ	ہفتے کا روز (کہ جس روز یہودیوں پر کچھ چیزیں حرام تھیں) سزا کے طور پر تھا کہ اس میں انہوں نے اختلاف کیا اور جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ان کے بارے میں تیرا رب قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک امت تھے

ہم کہہ چکے ہیں کہ اس سورہ کا موضوع نعمتوں کا بیان ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے جذبہ شکر گذاری کو بیدار کیا جائے تاکہ وہ یہ نعمتیں عطا کرنے والے کی معرفت کی جانب آئے۔

زیر نظر آیات میں خدا کی شکر گزاری ایک کامل مصداق یعنی مکتب توحید کے مجاہد ہیرو اور علمبردار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے ان کا ذکر اس لحاظ سے بھی خصوصیت کا حامل ہے کہ مسلمان بالعموم اور عرب بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پہلا پیشوا اور مقتداء سمجھتے ہیں۔

اس عظیم اور بہادر انسان کی صفات میں سے یہاں پانچ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

1۔ پہلے فرمایا گیا ہے ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک امت تھا۔

اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت کیوں قرار دیا گیا ہے مفسرین نے مختلف نکات بیان کئے ہیں۔ان میں سے چار قابل ملاحظہ ہیں۔

۱............ابراہیم علیہ السلام انسانیت کے عظیم رہبر، مقتداء اور معلم تھے۔اسی بناء پر انہیں امت کہا گیا ہے کیونکہ امت اسم مفعول کے معنی میں اسے کہا جاتا ہے جس کی لوگ اقتداء کریں اور جس کی رہبری لوگ قبول کریں۔

۲............ابراہیم علیہ السلام ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ اپنی ذات میں ایک امت تھے۔کیونکہ بعض اوقات کسی انسان کی شخصیت کا نور اتنی وسیع شعاعوں کا حامل ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک دو یا بہت سے افراد سے زیادہ ہوجاتی ہے اور اس کی شخصیت ایک عظیم امت کے برابر ہوجاتی ہے۔

ان دونوں معنی میں ایک خاص روحانی تعلق ہے کیونکہ جو شخص کسی ملت کا سچا پیشوا ہوتا ہے وہ ان سب کے اعمال میں شریک اور حصہ دار ہوتا ہے اور گویا وہ خود امت ہوتا ہے۔

۳............وہ ماحول کہ جس میں کوئی خدا پرست نہ تھا اور جس میں سب لوگ شرک و بت پرستی کے جوہڑ میں غوطہ زن تھے............اس میں ابراہیم علیہ السلام تن تنہا موحد اور توحید پرست تھے پس آپ تنہا ایک امت تھے اور اس دور کے مشرکین ایک الگ امت تھے۔

۴............ابراہیم علیہ السلام ایک امت کے وجود کا سرچشمہ تھے اس لئے آپ کو امت کہا گیا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں امت کا یہ چھوٹا سا لفظ اپنے دامن میں یہ تمام وسیع معانی لئے ہوئے ہو۔

جی ہاں !ابراہیم علیہ السلام ایک امت تھے۔

وہ ایک عظیم پیشوا تھے۔

وہ ایک امت ساز جواں مرد تھے۔

جس ماحول میں کوئی توحید کا دم بھرنے والا نہ تھا وہ توحید کے عظیم علمبردار تھے۔

2۔ان کی دوسری صفت یہ تھی کہ وہ اللہ کے مطیع بندے تھے۔

3۔وہ ہمیشہ اللہ کے سیدھے راستے اور طریق حق پر چلتے تھے۔

4۔وہ کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھے۔ان کے فکر کے ہر پہلو میں ان کے دل کے ہر گوشے میں اور ان کی زندگی کے ہر طرف اللہ ہی کا نور جلوہ گر تھا۔

(۱۲۱)۔5۔ان تمام خصوصیات کے علاوہ وہ ایسے جواں مرد تھے کہ اللہ کی سب نعمتوں پر شکر گزار تھے۔

ان پانچ صفات کو بیان کرنے کے بعد ان کے اہم نتائج بیان کئے گئے ہیں۔

۱............اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت اور دعوت کی تبلیغ کیلئے منتخب کیا۔

۲............اللہ نے انہیں راہ راست کی ہدایت کی اور انہیں ہر قسم کی لغزش اور انحراف سے بچایا۔

ہم نے بارہا کہا ہے کہ خدائی ہدایت ہمیشہ لیاقت واہلیت کی بنیاد پر ہوتی ہے کہ جس کا مظاہرہ انسان کی اپنی طرف سے ہوتا

ہے۔اس کی طرف سے کسی کو کوئی چیز استعداد اور کسی حساب کتاب کے بغیر نہیں دی جاتی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی بنیاد پر یہ ہدایت نصیب ہوئی۔

(۱۲۲)۔۳..........ہم نے دنیا میں انہیں حسنہ سے نوازا۔

وسیع معنی کے اعتبار سے اس میں ہر قسم کی نیکی اور اچھائی کا مفہوم موجود ہے اس میں مقام نبوت ورسالت سے لے کر اچھی اولاد وغیرہ تک کا مفہوم موجود ہے۔

۴..........اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہے۔

اس کے باوجود کہ ابراہیم علیہ السلام صالحین کے سردار ہیں پھر بھی قرآن کہتا ہے کہ وہ صالحین میں سے ہیں اور یہ امر مقام صالحین کی عظمت کی نشانی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے ان تمام بلند مقامات کے باوجود ان میں سے ہیں..........خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے یہی تقاضا کیا تھا۔

''پروردگارا! مجھے نگاہ صائب عطا فرما اور مجھے صالحین میں سے قرار دے''۔(شعراء ۸۳)

(۱۲۳)۵۔..........ان صفات کے ساتھ ساتھ ایک اور امتیاز جو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا وہ یہ ہے کہ ان کا مکتب و مذہب صرف ان کے اہل زمانہ کے لئے نہ تھا بلکہ ہمیشہ کیلئے تھا۔خاص طور پر اسلامی امت کیلئے بھی یہ ایک الہام بخش مکتب قرار پایا ہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے پھر ہم نے تجھے وحی کی کہ دین ابراہیم کی اتباع کر کہ جو خالص توحید کا دین ہے۔

ایک مرتبہ پھر تاکید کی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہ تھے۔

(۱۲۴)ان آیات کی طرف توجہ کرنے سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اگر دین اسلام دین ابراہیم ہے اور بہت سے مسائل میں مسلمان ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں اور ان میں روز جمعہ کا احترام کرنا بھی شامل ہے تو پھر یہودی روز ہفتہ کو کیوں عید قرار دیتے ہیں اور اس روز کیوں چھٹی کرتے ہیں۔

زیر نظر آخری آیت میں اس سوال کا جواب موجود ہے ارشاد ہوتا ہے ہفتے کا دن اور ہفتے کے روز حرام قرار دی گئی چیزوں کا حکم یہودیوں کیلئے سزا کے طور پر مقرر تھا اور پھر انہوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ان میں سے بعض نے اس سزا کو قبول کر لیا اور اس روز کام کاج بالکل چھوڑ دیا اور بعض نے اس کے بارے میں اعتنائی سے کام لیا۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ وہ روز جمعہ کا احترام کریں اور اس روز تعطیل کیا کریں یہ حکم دین ابراہیم کے مطابق تھا لیکن انہوں نے بہانے بنائے اور روز ہفتہ کو ترجیح دی تو اللہ نے ان کیلئے ہفتے کا دن مقرر کیا لیکن اس کے بارے میں سختی برتی گئی اور کئی حد بندیاں اور شرائط نافذ کر دیں لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ روز ہفتہ کی تعطیل کے اس حکم کو تمہیں سند قرار نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ حکم تو بڑی سخت سزا کا پہلو رکھتا ہے اور اس سلسلے میں بہتر دلیل یہ ہے کہ یہودیوں نے خود اپنے اس انتخاب شدہ دن کے بارے میں بھی اختلاف کیا ہے ان میں بعض تو اس دن کی قدر ومنزلت کے قائل ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں اور بعض اس کے احترام کو نظر انداز کرتے ہوئے کاروبار میں لگے رہتے ہیں اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے ہیں۔

ضمناً توجہ رہے کہ ''سبت'' دراصل آرام کیلئے کام سے تعطیل کرنے کے معنی میں ہے اور روز ہفتہ کو اس لئے یوم ''سبت'' کہتے ہیں کہ یہودی اس روز عام کاروبار سے تعطیل کرتے تھے بعد ازاں مسلمانوں میں بھی اس دن کا یہی نام باقی رہ گیا اگرچہ اسلام میں یہ تعطیل کا دن نہ تھا۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے جنہوں نے اختلاف کیا ہے ان کے بارے میں اللہ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قیامت کے روز ایک مقصد یہ حاصل کیا جائے گا کہ تمام معاملات کے بارے میں اختلافات ختم کر دیئے جائیں گے کیونکہ وہ یوم البروز اور یوم الظہور ہو گا اس روز تمام حقیقتیں ظاہر ہو جائیں گی پردے ہٹ جائیں گے ہر مسئلے اور ہر معاملے کے بارے میں حق آشکار ہو جائے گا۔

(۱۲۵) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ	اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دے اور ان سے بہترین انداز میں استدلال اور مباحثہ کر۔ تیرا پروردگار ہر شخص کے بارے میں بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کس نے ہدایت پائی ہے۔
(۱۲۶) وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ	اور جب تم بدلا لینا چاہو تو صرف اتنی ہی سزا دو جتنی تم پر زیادتی ہوئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں ہی کے لئے بہتر ہے۔
(۱۲۷) وَاصْبِرْ وَ مَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَ لَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ	صبر کر اور تیرا یہ صبر اللہ کے لیے اور اس کی توفیق سے ہو، ان کی حرکات پر رنجیدہ نہ ہو اور ان کی سازشوں اور چالبازیوں پر دل تنگ نہ ہو۔
(۱۲۸) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ؏	اللہ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو نیکوکار ہیں۔

تفسیر

مخالفین کے مقابلے میں دس اہم اخلاقی احکام

اس سورہ میں مختلف آیات مشرکوں، یہودیوں اور کلی طور پر تمام مخالف گروہوں کے بارے میں ہیں یہ گفتگو کبھی نرم انداز سے

ہے اور کبھی تند و تیز لہجے میں ۔خصوصاً زیر نظر آخری آیات میں اس سلسلے میں زیادہ گہرائی اور شدت ہے ۔

یہ سورہ نحل کی آخری آیات ہیں ان میں اہم اخلاقی احکام ہیں ان میں منطقی اور استدلالی گفتگو اور طرز بحث اختیار کرنے کا حکم ہے مخالفین کو سزا دینے اور معاف کرنے کے بارے میں حکم ہے اور ان کی سازشوں کے مقابلے کی کیفیت اور طریقہ بیان کیا گیا ہے ان احکام سے ایک ہمہ گیر قانون کے طور پر ہر زمانے میں اور ہر مقام پر استفادہ کیا جا سکتا ہے یہاں ساری گفتگو دس اصولوں پر محیط ہے ترتیب کچھ یوں ہے۔

1۔ پہلے فرمایا گیا ہے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے دعوت دے۔

حکمت علم و دانش اور منطق و استدلال کے معنی میں ہے اصل میں یہ لفظ منع کرنے کے معنی میں ہے اور علم و دانش اور منطق و استدلال چونکہ فتنہ و فساد اور انحراف سے مانع ہیں لہٰذا انہیں حکمت کہا جاتا ہے بہرحال راہ حق کی طرف دعوت دینے کیلئے پہلا قدم یہ ہے کہ صحیح منطق اور نپے تلے استدلال سے کام لیا جائے .... دوسرے لفظوں میں لوگوں کی فکر و نظر کو دعوت دی جائے اور ان کی سوچ بچار کی صلاحیت کو ابھارا جائے اور عقل خوابیدہ کو بیدار کیا جائے ۔

2۔ نیز یہ دعوت عمدہ نصیحت کے ساتھ ہو۔

راہ خدا کی طرف دعوت کا یہ دوسرا اصول ہے ۔ یہ درحقیقت انسانی جذبات اور فطری احساسات سے استفادہ کرنے کا انداز ہے کیونکہ وعظ و نصیحت دراصل جذب و احساس کو ابھارنے کیلئے ہوتی ہے زیادہ تر عوام کو جذبات و احساسات کو ابھار کر حق کی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

3۔ اور مخالفین سے زیادہ اچھے طریقے سے مباحثہ کر۔

یہ تیسرا قدم ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے کہ جن کے ذہن میں پہلے سے غلط مسائل اور نظریات سمائے ہوئے ہوں ۔ مناظرے اور مباحثے کے ذریعے ان کا ذہن ان کے نظریات سے پاک کرنا چاہئے تاکہ وہ حق قبول کرنے کے قابل ہو سکیں ۔

زیر نظر پہلی آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے تیرا رب ہر کسی سے بہتر جانتا ہے کہ کون لوگ اس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور کن لوگوں نے ہدایت پائی ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ تمہاری ذمہ داری مذکورہ تین طریقوں کے مطابق حق کی طرف دعوت دینا ہے باقی رہا یہ امر کہ کون لوگ ہدایت پاتے ہیں اور کون لوگ گمراہی پر ڈٹے رہتے ہیں ۔ انہیں خدا جانتا ہے اور بس ۔

(۱۲۶) 4۔ اب تک تو اس بارے میں گفتگو تھی کہ مخالفین سے منطق، جذب و احساس اور معقول مباحثے کا طرز عمل اختیار کیا جائے لیکن معاملہ اگر اس سے بڑھ کر جھگڑے تک جا پہنچے اور مخالفین دست تجاوز دراز کریں اور انہیں سزا دینے کی نوبت آ جائے تو پھر

انہیں اتنی سزا دو جتنی انہوں نے زیادتی کی ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔

5۔لیکن اگر صبر اختیار کرو اور عفو و درگزر سے کام لو تو صبر کرنے والوں کیلئے یہی بہتر طرز عمل ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت جنگ احد کے دوران میں اس وقت نازل ہوئی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی شہادت کی دردناک کیفیت دیکھی۔ دشمن نے انہیں شہید کرنے پر بس نہیں کی تھی بلکہ ان کا سینہ اور پہلو بڑی بے دردی سے چیرے گئے ان کا جگر یا دل نکال لیا گیا ان کے کان اور ناک کاٹے گئے یہ منظر دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت دکھی ہوئے اور فرمایا۔

"اللھم لک الحمد و الیک المشتکی و انت لمستعان علی ما اری"

(خدایا! حمد تیرے لئے ہے اور تیری ہی بارگاہ میں شکایت پیش کرتا ہوں اور جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس پر تو ہی میرا مددگار ہے۔)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"لئن ظفرت لا مثلن ولا مثلن ولا مثلن"

(اگر میں ان پر فتحیاب ہو گیا تو ان کا مثلہ کروں گا ان کا مثلہ کروں گا ان کا مثلہ کروں گا۔)

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا''

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

"و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهم خير للصبرين"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً عرض کیا۔

"اصبر ! اصبر !"

(خدایا! میں صبر کروں گا' میں صبر کروں گا۔)

شاید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں یہ لمحہ کرب ناک ترین تھا لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اعصاب پر پورا کنٹرول تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفو و درگزر کا راستہ اختیار کیا۔ فتح مکہ کے واقعہ میں ہے کہ جس دن آپ ان سنگدلوں پر فتح یاب ہوئے تو عام معافی کا حکم صادر فرمایا اور جنگ احد کے موقع پر اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔

(۱۲۷)۔6۔اگر عفو و درگزر اور صبر و شکیبائی کسی توقع کے بغیر ہو تو یقینی طور پر اثر انداز ہوتی ہے یعنی صرف اللہ کی خاطر

ہو............۔لہٰذا قرآن مزید کہتا ہے صبر اختیار کر اور تیرا یہ صبر صرف اللہ کیلئے ہو اور یہ اس کی توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

کیا یہ انسان کے بس میں ہے کہ وہ ایسے جاں سوز مواقع پر قوت الٰہی اور روحانی جذبے کے بغیر صبر کرے جو اس کے تن بدن میں آگ لگا دیتے ہیں توفیق الٰہی کے بغیر کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان روح کو اذیت پہنچانے والے واقعات اور مناظر کا سامنا کرے اور صبر کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑے۔جی ہاں! یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ سب کچھ خدا کیلئے ہو اور اس کی توفیق سے ہو۔

7۔تبلیغ اور دعوت الی اللہ کے راستے میں یہ تمام زحمات اٹھانے' عفو در گذر کرنے اور صبر اختیار کرنے کے باوجود کوئی نتیجہ نہ نکلے تو بھی مایوس اور بددل نہیں ہونا چاہئے بلکہ جتنا زیادہ ممکن ہوسکے حوصلے کے ساتھ اور ٹھنڈے دل سے تبلیغ کا سلسلہ جاری وساری رکھنا چاہئے۔اسی لئے ساتواں حکم یہ دیا گیا ہے ان کی حالت پر کبیدہ خاطر نہ ہو۔

یہ حزن وملال کہ یقیناً ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہے۔ہوسکتا ہے اس سے دو میں سے ایک نتیجہ پیدا ہو۔یا تو انسان ہمیشہ کیلئے بددل ہو جائے یا وہ بے حوصلگی اور بے تابی کا اظہار کرے لہٰذا حزن وملال کی نہی درحقیقت دونوں کی نہی ہے۔یعنی راہ حق کی دعوت دیتے ہوئے نہ بیتاب ومضطرب ہونا چاہئے اور نہ ہی مایوس وناامید۔

8۔ان تمام اوصاف کے باوجود ہوسکتا ہے ہٹ دھرم دشمن سازش کا راستہ اپنائے اور خطرناک منصوبے بنائے تو ان حالات میں صحیح موقف وہی ہے کہ جو قرآن کہتا ہے ان سازشوں پر پریشان اور تنگ دل نہ ہو۔

یہ سازشیں جس قدر بھی گہری' وسیع اور خطرناک ہوں تمہارا راستہ نہیں روک سکتیں تم یہ خیال نہ کرو ہمارا دائرہ تنگ ہو گیا ہے اور ہم ان سازشوں میں گھر چکے ہیں کیونکہ تمہارا سہارا خدا ہے تم ایمان واستقامت کی قوت سے اور عقل ودانش سے ان سازشوں کو ناکام کر سکتے ہو۔

(۱۲۸) زیر نظر آخری آیت سورہ نحل کی بھی آخری آیت ہے۔اس میں اس سلسلے کا نواں اور دسواں حکم بیان کیا گیا ہے۔

9۔ارشاد ہوتا ہے اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے کہ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

تقویٰ یہاں تمام جہات سے اور وسیع مفہوم میں ہے یہاں تک کہ دشمنوں کے مقابلے میں بھی تقویٰ یعنی اپنے دشمنوں کے ساتھ اسلامی اصولوں کی پاسداری کے ساتھ برتاؤ کرنا قیدیوں کے ساتھ اسلامی طرز عمل اختیار کرنا' کج رو اور منحرف افراد کے ساتھ انصاف اور ادب کے اصولوں کا لحاظ رکھنا اور جھوٹ اور تہمت سے پرہیز کرنا۔یہاں تک کہ دوران جنگ بھی اسلامی اصولوں پر عمل کرنا' تقویٰ اور اسلامی قوانین کا پاس کرنا۔جنگ کے دوران میں نہتے اور دفاع نہ کرسکنے والے افراد پر حملہ نہ کرنا' بچوں اور کمزور بوڑھوں سے تعرض نہ کرنا۔چوپایوں کو ہلاک نہ کرنا' فصلوں کو تباہ نہ کرنا اور دشمن پر پانی بند نہ کرنا وغیرہ مختصر یہ کہ دوست اور دشمن دونوں کے ساتھ تقویٰ کی بنیاد پر سلوک کرنا چاہئے (البتہ بہت کم استثنائی مواقع ایسے ہیں جو اس حکم سے خارج ہیں)۔

10۔اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیکو کار ہیں۔

احسان اور نیکی اگر برمحل اور برموقع ہو تو یہ جنگ کا ایک عمدہ طریقہ ہے تاریخ اسلام میں اس حکمت عملی کے بہت سے مظاہر دکھائی دیتے ہیں فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سلوک مشرکین مکہ کے ساتھ کیا' جو طرز عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی سے روا رکھا جو مہربانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے قیدیوں پر کی اور جو سلوک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یہودیوں کے ساتھ کیا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں وہ سب اس کردار کے مظاہر ہیں۔

یہ دس چیزیں مخالفین کے ساتھ طرز عمل کے اتمام اصلی اور فروعی خطوط واضح کر دیتی ہے ان میں غور و فکر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں تمام منطقی، احساسی اور نفسیاتی طریقے اختیار کرنے کو کہا گیا ہے کہ جو مخالفین پر اثر انداز ہو سکیں۔

اس کے باوجود اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ صرف منطق و استدلال پر قناعت کرو بلکہ اسلام بہت سے مواقع پر ضروری قرار دیتا ہے کہ دشمنوں کی سازشوں کے مقابلے میں ہم میدان عمل میں نکلیں اور ان کی سختی کے جواب میں ضرورت کی صورت میں سختی سے جواب دیں اور ان کی سازشوں کو باطل کرنے کیئے ان کا کوئی توڑ اور سد باب کریں البتہ اس مرحلے میں بھی عدالت' تقویٰ اور اسلامی اخلاق کا اصول فراموش نہ کیا جائے۔اگر مسلمان اپنے مخالفین کے مقابلے میں اس ہمہ گیر طریقہ کار کو اختیار کرتے تو شاید آج اسلام ساری دنیا یا اس کے زیادہ تر حصے پر چھایا ہوا ہوتا۔

سورہ بنی اسرائیل

مکہ میں نازل ہوئی

اس میں ۱۱۱ آیتیں ہیں

نام اور مقام نزول

اس کا مشہور نام سورہ بنی اسرائیل ہے البتہ دیگر چند نام بھی ہیں مثلاً "سورہ اسراء" اور "سورہ سبحان" وغیرہ

ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر نام اس سورت میں موجود مطالب کے حوالے سے ہے۔ سورہ بنی اسرائیل اسے اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس سورت کی ابتداء اور اختتام کا ایک اچھا خاصا حصہ بنی اسرائیل کے بارے میں ہے۔

"اسراء" اسے اس کی پہلی آیت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جو رسول اکرمؐ کے اسراء (یعنی معراج) کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور سورہ سبحان اسے اس کے پہلے لفظ کی وجہ سے کہتے ہیں۔

البتہ جن روایات میں اس سورہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے ان میں اسے صرف بنی اسرائیل کہا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین نے اس سورہ کیلئے یہی نام انتخاب کیا ہے۔

بہر حال مشہور یہ ہے کہ اس سورہ کی تمام آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور اس کے مفاہیم و مضامین بھی مکی سورتوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ تاہم بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ اس کی کچھ آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں لیکن پہلے والا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی فضیلت

پیغمبر اکرمؐ اور امام صادقؑ سے اس سورت کی تلاوت کرنے والے کیلئے بہت زیادہ اجر و ثواب منقول ہے ان روایات میں سے ایک کہ جو امام صادقؑ سے مروی ہے اس میں آپؑ فرماتے ہیں:

"من قرء سورة بنی اسرائیل فی کل لیلة جمعة لم یمت حتی یدرک القائم و یکون من اصحابه"

(جو شخص ہر شب جمعہ سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت کرے گا وہ اس وقت تک دنیا سے نہ جائے گا جب تک قائمؑ کو نہ دیکھ لے اور وہ آپ کے یاور و انصار میں سے ہوگا)

ہم نے بارہا اس امر کا تکرار کیا ہے کہ قرآن پاک کی سورتوں کا جو اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے وہ ہرگز صرف زبانی پڑھ لینے کیلئے نہیں ہے بلکہ ان روایات میں پڑھنے سے مراد ایسا پڑھنا ہے کہ جس میں غور و فکر اور سوچ بچار شامل ہو اور اس کے نتیجے میں انسان اس قرأت اور فکر کے تقاضوں کے مطابق عمل بھی کرے۔

مضامین ایک نگاہ میں

ہم کہہ چکے ہیں' جیسا کہ مشہور ہے یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی' لہٰذا فطری امر ہے کہ اس میں مکی سورتوں کی خصوصیات موجود ہیں ان میں دعوت توحید بھی ہے معاد کی جانب بھی توجہ دلائی گئی ہے مفید نصیحتیں بھی ہیں اور شرک' ظلم' انحراف اور کج روی کے خلاف بھی اس میں بہت سارا مواد ہے کہا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر اس سورت کی آیتیں ان امور پر مشتمل ہیں۔

۱۔نبوت کے دلائل۔ بالخصوص قرآن اور معراج کے حوالے سے۔
۲۔معاد سے مربوط بحثیں انجام کار، اجر وثواب، نامہ اعمال اور اس کے نتائج۔
۳۔سورہ کے آغاز اور اختتام پر بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک حصہ۔
۴۔ارادہ واختیار کی آزادی اور یہ کہ ہر قسم کے اچھے برے عمل کا نتیجہ خود انسان کو بھگتنا پڑتا ہے۔
۵۔اس جہان کی زندگی کا حساب کتاب دوسرے جہان کیلئے نمونہ ہے۔
۶۔ہر سطح پر حق شناسی۔خصوصاً اعزاء واقرباء کے بارے میں اور ان میں سے بھی خاص طور پر ماں باپ کے بارے میں۔
۷۔فضول خرچی، کنجوس، اولاد کشی، زنا، مال یتیم کھانا، کم فروشی، تکبر اور خونریزی سب حرام ہیں۔
۸۔توحید اور خدا شناسی سے متعلق مباحث
۹۔پیش حق ہر قسم کی ہٹ دھرمی کے خلاف مقابلہ اور یہ کہ گناہ انسان اور حق کے درمیان پردہ ڈال دیتے ہیں۔
۱۰۔انسان کا مقام اور دوسری مخلوقات پر اس کی فضیلت
۱۱۔ہر قسم کی اخلاقی اور اجتماعی بیماری کے علاج کیلئے تاثیر قرآن
۱۲۔اعجاز قرآن اور اس کے مقابلے کی عدم توانائی
۱۳۔شیطانی وسوسے اور ان کے خلاف مومنین کو تنبیہ
۱۴۔مختلف اخلاقی تعلیمات
۱۵۔تاریخ انبیاء کے بعض نشیب وفراز۔تمام انسانوں کیلئے عبرت کے درس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِىۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ	پاک ومنزہ ہے وہ ذات کہ جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئی کہ جس کا ماحول پر برکت ہے، تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ یقیناً وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

تفسیر

معراج رسول اکرم صلى الله عليه وآله وسلم

اس سورت کی پہلی آیت میں ''اسراء'' کا ذکر ہے۔راتوں رات جو رسول اکرم صلى الله عليه وآله وسلم نے مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ بیت

المقدس کا سفر کیا تھا اس میں اس کا ذکر ہے۔ یہ سفر معراج کا مقدمہ بنا۔ یہ سفر جورات کے بہت کم وقت میں مکمل ہو گیا کم از کم اس زمانے کے حالات، راستوں اور معمولات کے لحاظ سے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ یہ بالکل اعجاز آمیز اور غیر معمولی تھا۔

پہلے فرمایا گیا ہے منزہ ہے وہ خدا کہ جو اپنی بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ کی طرف لے گیا۔

رات کی یہ غیر معمولی سیر اس لئے تھی تا کہ ہم اسے اپنی عظمت کی نشانیاں دکھائیں۔

آخر آیت میں فرمایا گیا ہے۔ اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ نے اپنے پیغمبر کو اس افتخار کیلئے چنا ہے تو یہ بلا وجہ نہیں ہے کیونکہ رسول ﷺ کی گفتار اور ان کا کردار اس قابل تھا کہ یہ لباس ان کے بدن کیلئے بالکل زیبا تھا۔

(۲) وَ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَ جَعَلۡنٰهُ هُدًى لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِىۡ وَكِيۡلًا ؕ	ہم نے موسیٰ کو (آسمانی) کتاب عطا فرمائی اور اسے بنی اسرائیل کیلئے ہدایت کا ذریعہ قرار دیا اور ہم نے کہا کہ ہمارے غیر کو سہارا نہ بناؤ۔
(۳) ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا	اے ان لوگوں کی اولاد کہ جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا، وہ ایک شکر گزار بندہ تھا۔
(۴) وَ قَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ فِى الۡكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيۡرًا	ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) میں بتا دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔
(۵) فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰٮهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا	جب ان میں سے پہلی سرکشی کا موقع آیا تو ہم تم پر نہایت زور آور لوگ بھیجیں گے (اور مجرموں کو پکڑنے کیلئے) گھروں کی تلاشی لیں گے اور یہ وعدہ قطعی ہے۔
(۶) ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡكَرَّةَ عَلَيۡهِمۡ وَ اَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا	اس کے بعد ہم تمہیں ان پر غلبہ دیں گے، تمہارا مال اور اولاد بڑھا دیں گے اور تمہاری تعداد (دشمن سے) زیادہ کر دیں گے۔

(۷) اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ ۟ وَ اِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَ لِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا	اگر نیکی کرو گے تو اپنے آپ سے بھلائی کرو گے اور اگر بدی کرو گے تو بھی اپنے آپ ہی سے کرو گے. پس جب دوسرے وعدے کا وقت آن پہنچا (تو دشمن تمہارا یہ حال کرے گا کہ) تمہارے چہرے غمزدہ ہو جائیں گے اور وہ مسجد (اقصیٰ) میں یوں داخل ہوں گے جیسے پہلے دشمن داخل ہوئے تھے اور جو چیز بھی ان کے ہاتھ پڑے گی اسے درہم برہم کر دیں گے۔
(۸) عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ۚ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَ جَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا	ہوسکتا ہے تمہارا رب تم پر رحم کرے. جب تم پلٹ آؤ گے تو ہم بھی پلٹ آئیں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے سخت قید خانہ بنا رکھا ہے۔

تفسیر

دو عظیم طوفانی واقعات

اس سورت کی پہلی آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک کے اعجاز آمیز سفر کا ذکر تھا ایسے واقعات کا عموماً مشرکین اور مخالفین انکار کر دیتے تھے وہ کہتے تھے کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہمارے درمیان میں سے ایک پیغمبر مبعوث ہو اور پھر اسے یہ سب اعزاز و اکرام حاصل ہو۔ لہٰذا زیر بحث آیات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی کتاب کی طرف دعوت دی تھی تا کہ واضح ہو جائے کہ رسالت کا پروگرام کوئی نئی چیز نہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل نے بھی ایسی مخالفت اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا جیسی اب یہ مشرکین کر رہے ہیں ارشاد ہوتا ہے ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب عطا کی۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کیلئے وسیلہ ہدایت قرار دیا۔

اس میں شک نہیں کہ کتاب سے یہاں مراد تورات ہے کہ جو بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی۔ اس کے بعد بعثت انبیاء کا بنیادی مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ان سے ہم نے کہا کہ میرے غیر کو سہارا نہ بناؤ۔

عمل میں توحید عقیدے میں توحید کی علامت ہے اور یہ امر توحید کی بنیادی باتوں میں سے ہے جو شخص عالم کائنات میں موثر حقیقی صرف اللہ کو جانتا ہے وہ اس کے غیر پر تکیہ نہیں کرے گا اور جو کسی اور کو سہارا بناتے ہیں یہ ان کے اعتقاد توحید کی کمزوری کی دلیل ہے۔

(۳) بنی اسرائیل کو جن نعمات الٰہی سے نوازا گیا بالخصوص کتاب آسمانی کی صورت میں روحانی نعمت اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تا کہ ان کے احساسات تشکر کو ابھارا جائے ارشاد ہوتا ہے اے ان لوگوں کی اولاد کہ جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ

کشتی میں سوار کیا تھا۔

یہ بات مت بھولو کہ نوح ایک شکر گزار بندہ تھا۔

تم کہ جو اصحاب نوح کی اولاد ہو اپنے باایمان بزرگوں کی پیروی کیوں نہیں کرتے ہو؟ کیوں کفران نعمت کی راہ اپناتے ہو؟

(۴) اس آیت میں بنی اسرائیل کی داستان انگیز تاریخ کے ایک گوشے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے ہم نے تورات میں بنی اسرائیل کو بتا دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد کرو گے۔ اور بڑی سرکشی کا ارتکاب کرو گے۔ ''قضاء'' کے اگرچہ بہت سے معنیٰ ہیں لیکن یہاں یہ لفظ بتانے کے معنیٰ میں آیا ہے۔

نیز بعد کی آیت کے قرینے سے لفظ ''الارض'' سے یہاں مراد فلسطین کی مقدس زمین ہے کہ جس میں مسجد الاقصیٰ واقع ہے۔

(۵) آئندہ آیات میں ان دو عظیم حوادث کا ذکر ہے جو اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر رونما ہوئے ارشاد ہوتا ہے جب پہلے وعدے کا مرحلہ آ پہنچا اور تم فساد، خونریزی اور ظلم کے مرتکب ہوئے تو ہم اپنے بندوں میں سے ایک جنگ آزما گروہ تمہاری طرف بھیجیں گے تاکہ وہ تمہارے اعمال کی سزا کے طور پر تمہاری سرکوبی کرے۔

یہ زورآور لوگ اس طرح سے تم پر حملہ کریں گے کہ تمہارے افراد کو پکڑنے کیلئے گھر گھر کی تلاشی لیں گے۔

اور یہ ایک قطعی اور ناقابل تغیر وعدہ ہے۔

اس آیت میں ایک مرتبہ پھر اللہ کا لطف وکرم تمہارے شامل حال ہوا اور ہم نے تمہیں اس حملہ آور قوم پر غلبہ عطا کیا۔

اور ہم نے تمہیں بہت مال وثروت سے نوازا اور کثرت اولاد سے تمہیں تقویت بخشی۔ اس قدر کہ تمہاری تعداد دشمن سے زیادہ ہوگئی۔

(۷) یہ الطاف الٰہی تمہارے لئے اس لئے ہے کہ شاید تم ہوش میں آؤ اپنی اصلاح کرو برائیوں کو ترک کر دو اور نیکیوں کا راستہ اختیار کرو کیونکہ اگر نیکی کرو گے تو اپنے آپ ہی سے بھلائی کرو گے اور اگر بدی کرو گے تو اپنے آپ ہی سے کرو گے۔

یہ ایک دائمی اصول ہے کہ نیکیاں اور برائیاں آخر کار خود انسان کی طرف لوٹتی ہیں اگر کوئی ضرب لگاتا ہے تو دراصل وہ اپنے جسم پر لگاتا ہے اور اگر کوئی کسی کی خدمت کرتا ہے تو درحقیقت اپنی ہی خدمت کرتا ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ نہ اس سزا نے تمہیں بیدار کیا اور نہ بار دیگر نعمات الٰہی حاصل ہونے نے تم پھر بھی سرکشی کرتے رہے اور راہ ظلم وتجاوز اختیار کئے رہے۔ تم نے زمین پر بہت فساد پیدا کر دیا اور غرور وتکبر میں حد سے گزر گئے۔

پھر اللہ کے دوسرے وعدے کی تکمیل کا مرحلہ آ پہنچا تو ایک اور زبردست جنگجو گروہ تم پر مسلط ہو جائے گا اور وہ تمہارا یہ حال کرے گا کہ تمہارے چہرے غمزدہ ہو جائیں گے۔

یہاں تک کہ وہ تمہاری عظیم عبادت گاہ بیت المقدس کو تمہارے ہاتھ سے چھین لیں گے اور اس مسجد میں داخل ہو جائیں گے

جیسے پہلی مرتبہ دشمن اس میں داخل ہوئے تھے۔

وہ اسی پر بس نہیں کریں گے بلکہ ان کے سارے آباد شہر اور زمینیں اجاڑ کے رکھ دیں گے۔

(۸) اس کے باجود توبہ اور خدا کی طرف بازگشت کے دروازے تم پر بند نہیں ہوئے پھر بھی ممکن ہے اللہ تم پر رحم کرے۔

اور اگر ہماری طرف لوٹ آ ؤ تو ہم بھی اپنے لطف وکرم کا رخ پھر تمہاری جانب کردیں گے اور اگر تم نے فساد اور اکڑپن کو نہ چھوڑا تو پھر تمہیں ہم شدید عذاب میں مبتلا کردیں گے۔

اور پھر یہ تو دنیا کی سزا ہے جبکہ جہنم کو ہم نے کافروں کیلئے سخت قید خانہ قرار دیا ہے۔

بنی اسرائیل کے دو تاریخی فسادات

زیر نظر آیات میں بنی اسرائیل کے دو اجتماعی انحرافات کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ یہ انحرافات فساد اور سرکشی پر منتج ہوئے ان میں سے ہر ایک کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت زور آور لوگوں کو مسلط کر دیا تاکہ وہ انہیں سخت سزا دیں اور کیفر کردار تک پہنچائیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بہت داستان انگیز ہے۔ وہ تاریخ کے بہت سے نشیب وفراز سے گزرے ہیں کبھی انہیں کامیابی نصیب ہوئی اور کبھی وہ شکست سے دوچار ہوئے لیکن قرآن یہاں کن حوادث کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس سلسلے میں مفسرین میں بہت اختلاف ہے اس سلسلے میں ہم بطورِ نمونہ چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) بنی اسرائیل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شخص جس نے ان پر حملہ کیا اور بیت المقدس کو تباہ کر دیا وہ بخت النصر تھا۔ یہ بابل کا حکمران تھا۔ اس حملے کے بعد بیت المقدس ستر برس تک اسی طرح برباد رہا یہاں تک کہ پھر یہودی اٹھے اور انہوں نے اس کی تعمیرِ نو کی۔

(۲) دوسرا شخص جس نے ان پر حملہ کیا وہ قیصرِ روم اسپیانوس تھا۔ اس نے اپنے وزیر طرطوز کو اس کام پر معمور کیا اس نے بیت المقدس کو تباہ کرنے اور بنی اسرائیل کو کمزور اور قتل کرنے میں پوری قوت صرف کردی۔ یہ واقع تقریباً سو سال قبلِ مسیح پیش آیا۔

لہٰذا ممکن ہے کہ وہ دو واقعات جن کی طرف قرآن حکیم میں اشارہ کیا گیا ہے یہی ہوں کہ جو بنی اسرائیل کی تاریخ میں بھی آئے ہیں کیوں کہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں پیش آنے والے دوسرے واقعات اس قدر سنگین اور شدید نہیں تھے کہ ان کی حکومت بالکل ملیا میٹ ہوگئی ہو بخت النصر کے حملے نے ان کی طاقت وشوکت کو بالکل تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ کورش کے زمانے تک ان کی صورتِ حال اسی طرح رہی اس کے بعد پھر بنی اسرائیل برسرِ اقتدار آئے۔ ان کی حکومت اسی طرح برقرار رہی یہاں تک کہ پھر قیصرِ روم نے ان پر حملہ کیا اور ان کی حکومت کو ختم کر دیا۔ پھر ایک طویل مدت در بدر رہے اور اب پھر کچھ عرصہ پیشتر ان لوگوں نے انسانیت کش سامراجی قوتوں کی مدد سے ایک حکومت قائم کی ہے اور اب وہ اس کی توسیع کے لیے کوشاں ہیں۔

(۹) اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ	یہ قرآن بالکل سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے اور اعمال صالح انجام دینے والے مومنین کو بشارت دیتا ہے کہ ان کیلئے بہت بڑا اجر ہے۔
(۱۰) وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۧ	اور جولوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
(۱۱) وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا	اور انسان (جلد بازی کی وجہ) سے ایسے برائی طلب کرنے لگتا ہے جیسے بھلائی طلب کرنا چاہئے اور انسان ہمیشہ ہی سے جلد باز ہے۔
(۱۲) وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا	اور ہم نے رات اور دن کو (توحید اور اپنی عظمت کی) دونشانیاں قرار دیا ہے۔ پھر ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا اور دن کی نشانی کو ضیاء بخش بنا دیا تا کہ (اس روشنی میں) تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو (اور اٹھ کھڑے ہو) اور سالوں کی گنتی اور حساب جان لو اور ہم نے ہر چیز کو مشخص کر کے اور واضح طور پر بیان کیا ہے۔

تفسیر

سعادت کا بالکل سیدھا راستہ

گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل ان کی آسمانی کتاب تورات' ان کی طرف سے احکام الٰہی کی خلاف ورزی اور اس سلسلے میں ان کی سزاؤں سے متعلق گفتگو تھی۔ اب مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی طرف بات کا رخ موڑا گیا ہے کہ جو کتب آسمانی کی آخری کڑی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ یہ قرآن لوگوں کو مستقیم ترین اور بالکل سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

''اقوم'' ''قیام'' کے مادہ سے ہے اور چونکہ انسان جب کسی اہم کام کو انجام دینا چاہتا ہے تو قیام کرتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے اسی لحاظ سے احسن طریقے اور تندہی سے کام انجام دینے کیلئے قیام بطور کنایہ استعمال ہوا ہے۔

ضمناً یہ بھی کہہ دیا جائے کہ لفظ استقامت بھی اسی مادے سے ہے اور ''قیام'' بھی اسی مادے سے ہے جس کا معنی ہے صاف

شفاف مستقیم ثابت اور ٹھوس۔

"اقوام" چونکہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے لہٰذا صاف تر مستقیم تر اور بالکل سیدھا کے معنی میں ہے اس لحاظ سے زیر بحث آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔

قرآن ایسے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے جو زیادہ مستقیم زیادہ صاف اور زیادہ محفوظ و مضبوط ہے۔

قرآن کے پیش کردہ عقائد صاف اور مستقیم ہیں روشن و واضح ہیں قابل ادارک ہیں ہر قسم کے ابہام اور خرافات سے پاک ہیں وہ عقائد کہ جو عمل کی دعوت دیتے ہیں انسانی صلاحیتوں کو مجتمع کرتے ہیں اور انسان اور عالم فطرت کے قوانین میں ہم آہنگی برقرار رکھتے ہیں۔

یہ قرآن زیادہ صاف اور زیادہ مستقیم ہے اس لحاظ سے کہ ظاہر و باطن عقیدہ و عمل فکر و نظر اور طرزِ حیات کے درمیان یکجہتی پیدا کر کے سب کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

ضمنی طور پر اس نقطے کی طرف بھی نظر ضروری ہے کہ اقوام کا ایک معنی زیادہ ثابت اور زیادہ محفوظ و مضبوط ہے نیز آیت کی عبارت میں موازنے کے طور پر کسی دوسری چیز کا ذکر نہیں ہے جبکہ اصطلاح کے مطابق متعلق کا حذف ہونا عمومیت وشمولیت کی دلیل ہے ان امور کی طرف توجہ کرنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو اسلام اور رسول کی خاتمیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کیونکہ اس آیت کے مطابق یہ دین زیادہ ثابت زیادہ باقی زیادہ ٹھوس زیادہ مظبوط اور زیادہ محفوظ ہے (غور کیجئے گا)

اس مستقیم الٰہی پروگرام سے لوگوں کا تعلق چونکہ دو طرح ہے لہٰذا اس کے بعد اس رابطے اور تعلق کے نتیجے کا انہی دو حوالوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے جن باایمان لوگوں نے نیک عمل انجام دیئے ہیں قرآن انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

(۱۰) اور وہ کہ جو آخرت اور اس کی عظمتِ عدالت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس لیے انہوں نے اعمالِ صالح انجام نہیں دیئے انہیں آگاہ کردیتا ہے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہم نے تیار کر رکھا ہے۔

مومنین کے لیے بشارت کی تعبیر تو واضح ہے لیکن بے ایمان اور سرکش افراد کے لیے درحقیقت یہ ایک قسم کا استہزاء ہے یا پھر مومنین کے لیے بشارت ہے کہ ان کے دشمنوں کا یہ انجام ہوگا۔

اس طرف بھی نظر جاتی ہے کہ مومنین کے لیے اجمالاً "اجرا کبیرا" فرمایا گیا ہے جبکہ بے ایمان افراد کی سزا کے لیے صراحتاً "عذابا الیما" فرمایا گیا ہے ان دونوں تعبیرات کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ معنوی و مادی اور روحانی وجسمانی تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔

(۱۱) اس آیت میں گزشتہ بحث کی مناسبت سے بے ایمانی کی ایک اہم علت بیان کی گئی ہے اور وہ مختلف امور کے بارے

میں درکار آ گاہی کا نہ ہونا۔ارشاد ہوتا ہے جیسے انسان بھلائی کا خواہشمند ہوتا ہے اسی طرح جلد بازی کرتے ہوئے اور درکار آ گاہی نہ ہونے کی وجہ سے برائی طلب کرنے لگتا ہے۔

کیونکہ انسان ذاتی طور پر جلد باز ہے۔

اس مقام پر''دعا'' کا ایک وسیع مفہوم ہے اور اس میں ہر قسم کی خواہش وطلب شامل ہے چاہے زبان سے ہو یا عمل سے۔

درحقیقت زیادہ سے زیادہ اور جلد از جلد منافع کے حصول کی تڑپ اس امر کا سبب بنتی ہے کہ مسائل کے تمام پہلوؤں کے بارے میں غور وفکر اور تحقیق ومطالعہ نہیں کرتا اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس جلد بازی کے باعث انسان حقیقی فائدے اور منافع کی تمیز نہیں کر پاتا بلکہ خواہشات کی سرکشی اور بے تابی حقیقت کا چہرہ چھپا دیتی ہے اور انسان اپنی بھلائی کی بجائے برائی کے پیچھے چل نکلتا ہے اس حالت میں جس طرح انسان اللہ سے بھلائی کا تقاضا کرتا ہے عدم معرفت اور غلط پہچان کے باعث برائیوں کا بھی تقاضا کرنے لگتا ہے اور جس طرح بھلائی کیلئے کوشش کرتا ہے برائی کے بھی پیچھے چل پڑتا ہے یہ نوع انسانی کیلئے ایک بہت بڑی مصیبت ہے اور سعادت کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ جو جلد بازی کی وجہ سے خطرناک گڑھوں میں جا گرتے ہیں اپنے تئیں وہ امن وخوشحالی کے راستے پر جا رہے ہوتے ہیں لیکن بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں منزل سعادت کے تصور میں برائیوں اور بدبختیوں میں جا پڑتے ہیں افتخار و عزت کی بجائے ذلت ورسوائی کے پانیوں میں جا اترتے ہیں یہ برا نتیجہ عجلت پسندی اور جلد بازی کا ہے۔

(۱۲)اس آیت میں خلقت شب وروز ان کی برکات اور عالم میں ایک نظم وحساب کی موجودگی کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے تا کہ توحید ومعرفت الٰہی کی دلیل بھی بنے اور گزشتہ سے پیوستہ بحث قیامت کی بھی تکمیل ہو جائے اور اس کے علاوہ کاموں میں غور و خوض کرنے اور عجلت سے کام نہ لینے کے ضروری ہونے کے لئے بھی مشاہدہ بن سکے۔ارشاد ہوتا ہے رات اور دن کو ہم نے اپنی نشانیوں میں سے دو نشانیاں قرار دیا ہے۔

دوسرا یہ کہ اپنے کاموں کے نظم وحساب کیلئے سالوں کی تعداد اور مدت معین کرو اور وقت کا حساب کتاب اور تقسیم طے کرلو۔

اور ہم نے سب کچھ مفصل اور واضح کر دیا ہے۔تا کہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

(۱۳) وَ كُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا	اور ہم نے ہر چیز کو مشخص کر کے (واضح طور پر) بیان فرمایا ہے۔ اور ہر شخص کے اعمال کو ہم نے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے' اور روزِ قیامت اس کیلئے ہم ایک کتاب نکالیں گے کہ جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا۔

(۱۴) اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ	(ہم اس سے کہیں گے) اپنی کتاب پڑھ۔آج اپنا حساب لگانے کیلئے تو خود ہی کافی ہے۔
(۱۵) مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا	جو شخص بھی ہدایت پالے تو اس نے اپنے ہی لئے ہدایت پائی اور جو شخص گمراہ ہو وہ خود اپنے ہی نقصان میں گمراہ ہوا اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ اپنے کاندھے پر نہیں اٹھائے گا اور ہم پیغمبر مبعوث کئے بغیر کسی (شخص یا قوم) کو عذاب نہیں دیتے۔

تفسیر

چار اہم اسلامی اصول

گزشتہ آیات میں معاد و قیامت اور حساب و کتاب کے بارے میں گفتگو تھی۔اسی مناسب سے زیر بحث آیات میں انسان کے اعمال کے حساب و کتاب کے بارے میں بات کی گئی۔ارشاد ہوتا ہے ہر شخص کے اعمال کو ہم نے اس کے گلے کا ہار بنادیا ہے۔

"طائر" پرندے کے معنی میں ہے لیکن عربوں کے درمیان معمول تھا کہ وہ پرندوں کے ذریعے نیک یا بد فال نکالتے تھے اور ان کی حرکت کی کیفیت سے نتیجہ نکالتے تھے یہاں اس چیز کی طرف اشارہ ہے مثلاً اگر ایک پرندہ ان کی دائیں طرف اڑ رہا ہوتا تو اسے نیک فال سمجھتے اور اگر بائیں طرف اڑ رہا ہوتا تو اسے بدفال خیال کرتے۔اسی لئے یہ لفظ زیادہ تر فال بد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ تفال زیادہ تر نیک فال کیلئے بولا جاتا ہے۔

(۱۳) اس آیت میں قرآن مزید کہتا ہے روز قیامت ہم اس کیلئے کتاب نکالیں گے کہ جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا۔

واضح ہے کہ کتاب سے مراد انسان کے نامہ اعمال کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے وہی نامہ اعمال کہ جو اس دنیا میں بھی موجود ہے کہ جس میں اس کے اعمال ثبت ہوتے ہیں فرق یہ ہے کہ یہاں وہ نامہ اعمال پوشیدہ اور وہاں کھلا ہوا سامنے رکھا ہوگا۔"نخرج" (نکالیں گے) اور "منشور" (کھلا ہوا) کی تعبیر اسی معنی کی طرف اشارہ ہے کہ جو اس جہان میں مخفی ہے وہ ان آشکار اور کھلا ہوا ہوگا۔

(۱۴) تو اس وقت اس سے کہا جائے گا اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے۔اپنا حساب کتاب کرنے کیلئے آج تو خود ہی کافی ہے۔

یعنی مسائل اس قدر واضح ہیں کہ جائے کلام نہیں ہے جو شخص بھی اس نامہ اعمال کو دیکھے گا خود فیصلہ کر سکے گا۔چاہے وہ خود مجرم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ نامہ اعمال خود اس کے اعمال یا اعمال کے آثار کا مجموعہ ہے۔لہٰذا کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا انکار ہو سکے۔

(۱۵) زیر نظر آخری آیت میں حساب اور جزا کے بارے میں چار اصولی احکام بیان کئے گئے ہیں۔

1۔ جو شخص ہدایت پالے تو اس نے اپنے ہی فائدے میں ہدایت پائی ہے اور اس کا نتیجہ خود اسی کو حاصل ہوگا۔

2۔ اور جو شخص گمراہی کا راستہ اپنا لے تو وہ اپنے ہی نقصان میں گمراہ ہوا ہے اور اس کے برے نتائج خود اسی کے دامن گیر ہوں گے۔

ان دو احکام کی نظیر اسی سورت کی ساتویں آیت میں بھی گزر چکی ہے۔

3۔ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ اپنے دوش پر نہیں اٹھائے گا اور کسی کو دوسرے کے جرم کی سزا نہیں دی جائے گی۔

البتہ یہ قانون سورہ نحل کی آیت ۲۵ کے مفہوم کے منافی نہیں ہے کہ جس میں ہے کہ گمراہ کرنے والے افراد سے ان لوگوں کے بارے میں بھی جوابدہی ہوگی جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے کیونکہ دوسروں کو گمراہ کرنا بھی بذات خود گناہ ہے یا گمراہ کرنے والے مثل فاعل شمار ہوں گے لہٰذا درحقیقت یہ ان کے اپنے گناہوں کا بوجھ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہاں سب کام انجام دینے والے کے حکم میں ہے۔

متعدد روایات کے مطابق جو شخص اچھی یا بری رسم کی بنیاد رکھے گا وہ جزا اور سزا میں اس رسم کی پیروی کرنیوالوں کا شریک ہے جو کچھ ہم نے سطور بالا میں کہا ہے یہ روایات اس سے متضاد نہیں ہیں کیونکہ کسی سنت یا رسم کی بنیاد رکھنے والا درحقیقت عمل کے بنیادی اسباب میں سے ہے اور عمل میں شریک ہے۔

4۔ آخر میں چوتھا حکم یوں بیان کیا گیا ہے ہم کسی شخص یا قوم کو اس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک ان کے لئے کوئی پیغمبر مبعوث نہ کریں تاکہ وہ پوری طرح انہیں ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کر کے ان پر حجت تمام کر دے۔

(۱۶) وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِکَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا	اور جب ہم کسی شہر کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کے مترفین (نفس پرستی میں مست دولت مندوں) سے اپنے احکامات بیان کرتے ہیں۔ پھر جب وہ مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں تو ہم شدت سے ان کی سرکوبی کرتے ہیں۔
(۱۷) وَ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًاۢ بَصِیْرًا	اور ایسے کتنے ہی لوگ تھے جو نوح کے بعد کی صدیوں میں رہے اور (اسی سنت کے مطابق) ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہ سے پوری طرح آگاہ و بینا ہے۔

تفسیر

عذاب الٰہی کے چار مرحلے

گزشتہ آیات میں سے آخری میں بیان کیا گیا تھا کہ ہم کسی فرد یا گروہ کو انبیاء بھیجنے اور اپنے احکام بیان کرنے کے بغیر ہرگز

سزا نہیں دیتے۔اب زیر بحث پہلی آیت میں یہی بنیادی بات ایک اور پیرائے میں بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے جب ہم کسی قوم کو ہلاک کرنے کا مصمم ارادہ کر لیتے ہیں تو پہلے ہم مترفین اور دولت کے نشے میں غرق لوگوں سے اپنے احکام بیان کرتے ہیں۔اس کے بعد جب وہ اطاعت نہیں کرتے بلکہ مخالفت کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں تو ہم ان کی شدت سے سر کوبی کرتے ہیں اور انہیں ہلاک کر دیتے ہیں۔

اس آیت کے مفہوم کے بارے میں بہت سے مفسرین نے متعدد احتمالات ذکر کئے ہیں لیکن ہماری نظر میں آیت اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے ایک سے زیادہ واضح تفسیر نہیں رکھتی۔اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اتمام حجت اور اپنے احکام بیان کرنے سے پہلے ہرگز کسی سے مواخذہ نہیں کرتا اور نہ کسی کو عذاب دیتا ہے بلکہ پہلے اپنے احکام بیان کرتا ہے اگر لوگ اطاعت کریں اور ان احکام کو اپنا لیں تو خوب اسی میں ان کی دنیا و آخرت کی سعادت ہے اور اگر وہ فسق و فجور کریں اور مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں اور احکام کو پاؤں تلے روند ڈالیں تو یہ وہ مقام ہے جہاں وہ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد ان کیلئے ہلاکت ہے۔

اس سوال کے جواب میں ایک نکتے کی طرف توجہ کی جائے تو معاملہ واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ بہت سے معاشروں مراد غلط قسم کے معاشرے ہیں میں معاشرے کی باگ ڈور مترفین ہی کے قبضے میں ہوتی ہے اور دوسرے لوگ ان کے تابع اور پیرو ہوتے ہیں علاوہ ازیں اس میں ایک اور نکتے کی طرف بھی اشارہ ہے وہ یہ کہ معاشرے کی زیادہ تر برائیوں کا سرچشمہ مترفین اور خدا کو بھولے ہوئے دولت مند ہی ہوتے ہیں جو ناز و نعمت، عیش و عشرت اور ہوا و ہوس میں مستغرق ہوتے ہیں۔

(۱۷) زیر نظر دوسری آیت میں اس مسئلے کے کئی ایک نمونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے کتنے ہی لوگ تھے جو نوح کے بعد کی صدیوں میں آئے اور اسی سنت کے مطابق ہلاک اور نابود ہو گئے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی فرد یا گروہ کا ظلم اور گناہ علم خدا کی تیز بین نگاہ سے مخفی رہ جائے خدا اپنے بندوں کے گناہ سے کافی یعنی پورا آگاہ ہے ان کیلئے بینا ہے۔

نیز یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کے قرنوں کا خصوصی ذکر کیوں کیا گیا ہے ہو سکتا ہے یہ اس لئے ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے انسانی زندگی انتہائی سادہ تھی۔یہ سب اختلافات خصوصاً معاشرے کی مترف اور مستضعف کی طبقاتی تقسیم بہت کم تھی۔یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بہت کم عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔

(۱۸) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا	جو شخص (صرف) جلد گزر جانے والی (مادّی دنیا) طلب کرتا ہے تو ہم اُسے اس قدر دے دیتے ہیں جو ہم چاہیں اور جس مقدار کا اس کے بارے میں ارادہ کریں۔اس کے بعد اس کیلئے دوزخ قرار دینگے کہ وہ اسکی جلا دینے والی آگ میں جلے گا' (جبکہ وہ درگاہِ الٰہی سے) راندہ اور مذموم ہوگا۔

(۱۹) وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَهَا سَعْیَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا	اور جوشخص صرف آخرت کو چاہے اور اپنی سعی وکوشش اس کیلئے انجام دے، وہ ایمان بھی رکھتا ہو، تو (خدا کی طرف سے) اسے اس کی سعی وکوشش پر اس کو جزا ملے گی۔
(۲۰) کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ ط وَ مَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا	ان میں سے ہر گروہ کو تیرے پروردگار کی عطا میں سے حصّہ اور مدد ملے گی، اور تیرے پروردگار کی عطا وبخشش کبھی کسی کے لئے ممنوع قرار نہیں دی گئی۔
(۲۱) اُنْظُرْ کَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط وَ لَلْاٰخِرَۃُ اَکْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَکْبَرُ تَفْضِیْلًا	دیکھو کس طرح ہم نے بعض کو بعض پر برتری عطا فرمائی ہے اور آخرت کے درجات وفضیلتیں تو اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

تفسیر

طالبان دنیا اور طالبان آخرت

گزشتہ آیات میں اوامر الٰہی کے مقابلے میں منکرین کی مخالفت اور پھر ان کی ہلاکت کے بارے میں گفتگو تھی زیر نظر آیت میں اس سرکشی اور طغیان کے حقیقی سبب یعنی حب دنیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جن لوگوں کی نظر اسی زودگزر مادی دنیا پر ہے ہم جس مقدار میں چاہتے ہیں اور اس کیلئے مناسب سمجھتے ہیں اسی زندگی میں اسے دے دیتے ہیں اس کے بعد اس کیلئے ہم جہنم قرار دیں گے کہ جس کی آگ میں جلے گا اس حالت میں کہ وہ رحمت الٰہی کی درگاہ سے راندہ اور مذموم ہوگا۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص دنیا کے پیچھے جائے گا وہ جو کچھ چاہے گا اس تک پہنچ جائے گا بلکہ اس کیلئے دو شرطیں بیان کی گئی ہیں پہلی یہ کہ وہ جو چاہے گا اس کا کچھ حصہ اسے ملے گا اتنا ہی جتنا ہم چاہیں گے۔

دوسری یہ کہ سب لوگ بھی یہ حصہ نہیں پاسکیں گے بلکہ ان میں سے کچھ متاع دنیا کے ایک حصہ تک پہنچیں گے وہی کہ جن کے بارے میں ہم چاہیں گے۔

اس طرح نہ تمام دنیا پرست دنیا تک پہنچیں گے اور نہ ہی پہنچ پانے والے اتنی دنیا حاصل کرسکیں گے جتنی وہ چاہیں گے۔

روزمرہ کی زندگی میں بھی ہم اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کتنے لوگ شب وروز دوڑتے رہتے ہیں لیکن کہیں نہیں پہنچتے اور کتنے افراد ہیں جو اس دنیا میں بڑی بڑی آرزوئیں رکھتے ہیں مگر ان میں سے کچھ ہی کی تکمیل ہوتی ہے۔

یہ امر دنیا پرستوں کیلئے تنبیہ ہے کہ اگر تم خیال کرتے ہو کہ آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ کر اپنا مقصد حاصل کر لو گے تو یہ تمہاری بہت بڑی غلطی ہے۔ ایسا کبھی نہ ہو سکے گا مقصد کا کچھ حصہ ہی تمہیں ملے گا۔

ویسے بھی انسان کی آرزوؤں کا دامن اتنا وسیع ہے کہ محدود عالم مادہ میں وہ سب پوری نہیں ہو سکتیں ایک شخص کو ساری دنیا مل جائے تو بھی اکثر وہ سیر نہیں ہوتا۔

رہے وہ لوگ کہ جو کوششیں کرتے ہیں مگر انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا تو اس کی کئی وجوہ ہیں یا تو اس لئے کہ ابھی ان کی بیداری اور نجات کی امید ہوتی ہے اور خدا ان سے محبت کرتا ہے اور یا اس وجہ سے کہ اگر وہ کچھ حاصل کر لیں تو اس قدر سرکشی کریں گے کہ مخلوق خدا پر عرصہ حیات تنگ کر دیں گے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ سزا کے طور پر جہنم کی آگ کے ساتھ مذموم اور مدحور کے الفاظ بھی تاکید کے طور پر آئے ہیں۔ ان میں سے پہلی سزا سرزنش اور مذمت ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسری خدا سے دور رہنے کے معنی میں ہے۔ درحقیقت جہنم کی آگ تو ان کیلئے جسمانی سزا ہے اور مذموم و مدحور ہونا ان کیلئے روحانی عذاب ہے کیونکہ معاد جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی اس کا عذاب و ثواب اور سزا و جزا کے بھی دونوں پہلو ہیں۔

(۱۹) ارشاد ہوتا ہے باقی رہا وہ شخص جو آخرت طلب کرتا ہے اور اسی راستے میں سعی و کوشش کرتا ہے اور وہ صاحب ایمان ہے تو اس کی یہ سعی و کوشش بارگاہ الٰہی میں قبول ہوگی۔

لہٰذا جاودانی سعادت اور دائمی خوش بختی تک پہنچنے کیلئے تین بنیادی شرائط ہیں۔

1۔ انسانی ارادہ۔ ایسا ارادہ جو حیات ابدی سے تعلق رکھتا ہو اور جلدی ختم ہو جانے والی لذات، ناپائیدار نعمات اور صرف مادی مقاصد سے تعلق نہ رکھنا بلند ہمت اور اعلیٰ جذبہ اسے قوت دینے والا ہو۔ اور یہ جذبہ و ہمت اسے ہر غیر الٰہی وابستگی اور تعلق سے آزاد کر دے۔

2۔ یہ ارادہ فکر و نظر، تصور اور روح میں کمزور و ناتواں نہ ہو بلکہ ایسا ہو کہ وجود انسانی کے سب ذرات کو حرکت میں لائے اور انسان اپنی تمام تر کوشش صرف کر دے توجہ رہے کہ لفظ "سعیھا" جو تاکید کے طور پر آیا ہے نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اپنی حتمی کوشش کہ جو آخرت تک پہنچنے کیلئے ضروری ہے انجام دیتا ہے اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔

3۔ یہ سب امور ایمان کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان کہ جو استوار اور پختہ ہو کیونکہ مصمم ارادہ اور کوشش جب ہی ثمر آور ہوگی جب اس کا سرچشمہ صحیح جذبہ ہو۔ اور صحیح جذبہ ایمان باللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ آخرت کیلئے کوشش ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی اور ایمان کا مفہوم اس میں پوشیدہ ہے لیکن اس راہ میں چونکہ ایمان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لہٰذا اس سلسلے میں دلالت التزامی پر قناعت نہیں کی گئی اور ایمان کو بالصراحت کے شرط کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۲۰) ممکن ہے یہاں یہ توہم ہو کہ دنیا کی نعمتیں دنیا پرست لوگوں کا حصہ ہیں اور طالبان آخرت اس سے محروم ہیں اس توہم

کو دور کرنے کیلئے یہ آیت کہتی ہے ہم اس گروہ کو یعنی ان میں سے ہر ایک کو اپنی عطاو بخشش کا حصہ دیں گے اور اس کی مدد کریں گے۔ کیونکہ پروردگار کی بخشش کسی سے ممنوع نہیں ہے۔ یہودی ونصاری مومن و مسلمان سب اس کے خوان نعمت سے حصہ پاتے ہیں۔

یہ آیت اس سلسلے میں ایک بنیادی امر بیان کرتی ہے اور وہ یہ کہ جس طرح اس دنیا میں کوشش مختلف ہو تو نتیجہ مختلف ہو جاتا ہے اخروی امور میں بھی پوری طرح یہی بنیاد کارفرما ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا محدود ہے اور یہاں کا فرق بھی محدود ہے لیکن آخرت چونکہ لامحدود ہے لہٰذا وہاں فرق بھی لامحدود ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے دیکھو کس طرح ہم ان میں سے بعض کو بعض دوسروں پر ان کی کوشش میں اختلاف کی وجہ سے برتری دیتے ہیں البتہ آخرت کے درجات زیادہ بڑے ہیں اور اس کی برتری وفضیلت بھی بہت زیادہ ہے۔

ہوسکتا ہے کہا جائے کہ اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ افراد بغیر کسی کوشش کے بہت سے فوائد حاصل کر لیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ استثنائی مواقع ہیں سعی وکوشش کو عمومی بنیاد کی حیثیت حاصل ہے اور یہی کامیابی کی میزان ہے اس کے مقابلے میں ان استثنائی مواقع کی پرواہ نہیں کی جاسکتی اور نہ یہ استثنائی مسئلہ عمومی وکلی بنیاد کے منافی ہے۔

ضمنی طور پر توجہ رہے کہ کوشش سے مراد فقط اس کی مقدار نہیں ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھوڑی سی کوشش بہت سی کوششوں کے مقابلے میں اپنی کیفیت کی وجہ سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے۔

(۲۲) لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ۟	اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار نہ دو ورنہ مذموم ورسوا ہو جاؤ گے۔
(۲۳) وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنۡهَرۡهُمَا وَ قُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا	تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی پرستش نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو جب ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو (ان کی ذرہ بھر اہانت بھی نہ کرو) یہاں تک کہ غیر مؤدبانہ لفظ ''اف'' تک بھی انہیں نہ کہو اور انہیں جھڑکو نہیں بلکہ کریمانہ انداز سے ان سے لطیف وسنجیدہ گفتگو کرو۔
(۲۴) وَ اخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا ؕ	لطف ومحبت سے ان کے سامنے خاکساری کا پہلو جھکائے رکھو۔ اور کہو پروردگارا! جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔

(۲۵) رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِىۡ نُفُوۡسِكُمۡ‌ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا	تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے نہاں خانہ سے آگاہ ہے اور اگر تم صالح اور نیک ہو گے تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔

تفسیر

اہم اسلامی احکام کا سلسلہ

توحید اور ماں باپ سے حسن سلوک

توحید تمام مثبت اور اصلاحی کاموں کے اسباب کا خمیر ہے توحید سے احکام کے بارے میں گفتگو شروع کر کے ان آیات کا گزشتہ آیات سے تعلق باقی رکھا گیا ہے کیونکہ گزشتہ آیات میں ایمان کوشش اور دار آخرت کا ارادہ رکھنے کے بارے میں گفتگو تھی۔

نیز یہ اس امر کی بھی تاکید ہے کہ قرآن صاف ترین اور بہترین راستے کی طرف دعوت دینے والا ہے۔توحید تمام مثبت اور اصلاحی کاموں کے اسباب کا خمیر ہے توحید سے احکام کے بارے میں گفتگو شروع کر کے ان آیات کا گزشتہ آیات سے تعلق باقی رکھا گیا ہے کیونکہ گزشتہ آیات میں ایمان کوشش اور دار آخرت کا ارادہ رکھنے کے بارے میں گفتگو تھی۔

نیز توحید کے ذکر سے بات شروع کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: خدائے یگانہ کے ساتھ کوئی معبود قرار نہ دو۔

قرآن یہ نہیں کہتا کہ خدا کے ساتھ دوسرے معبود کی پرستش نہ کرو بلکہ کہتا ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار نہ دو یہ بات زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔یعنی عقیدے میں عمل میں دعا میں اور پرستش میں کسی حالت میں بھی اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار نہ دو اس کے شرک کا ہلاکت انگیز نتیجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے اگر تم اس کیلئے شریک کے قائل ہو گئے تو مذمت اور رسوائی میں ڈوب جاؤ گے۔

مذکورہ بالا جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک انسان میں تین بہت برے اثر مرتب کرتا ہے۔

1۔شرک ضعف و ناتوانی اور ذلت و زبوں حالی کا سبب ہے جبکہ توحید قیام حرکت اور سرفرازی کا عامل ہے۔

2۔شرک مذمت و سرزنش کا سبب ہے کیونکہ یہ ایک واضح انحرافی راستہ ہے منطق عقل کا انکار ہے نعمت پروردگار کا واضح کفران ہے جو شخص ایسا انحراف اختیار کرے وہ قابل مذمت ہے۔

3۔شرک مشرک کو اس کے بنائے ہوئے معبودوں کے پاس چھوڑ دیتا ہے اور خدا اس کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے بناوٹی معبود بھی چونکہ کسی کی مدد کرنے کے قابل نہیں اور خدا بھی ان افراد کی مدد ترک کر دیتا ہے تو وہ مخذول یعنی بے یار و مددگار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

(۲۳) توحید کے بعد اس پر تاکید کے ساتھ انبیاء کی انسانی تعلیمات میں سے ایک انتہائی بنیادی تعلیم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ صرف اس کی عبادت کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔

اس کے بعد ماں باپ سے حسن سلوک کا ایک واضح مصداق بیان کیا گیا ہے جب ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے پاس بڑھاپے تک پہنچ جائیں اور شکستہ سن ہو جائیں اس طرح سے کہ انہیں تیری طرف سے مستقل دیکھ بھال کی احتیاج ہو تو ان کیلئے کسی طرح سے محبت میں دریغ نہ کرنا اور ان کی تھوڑی سی بھی اہانت نہ کرنا یہاں تک کہ خفیف سا غیر مودبانہ لفظ اف تک منہ سے نہ نکالنا۔

انہیں جھڑک نہ دینا اور ان کے سامنے بلند آواز سے نہ بولنا۔ بلکہ سنجیدہ لطیف کریمانہ اور شریفانہ انداز سے ان سے کلام کرنا۔

(۲۴) اور انتہائی عجز وانکساری سے ان کے سامنے پہلو جھکائے رکھنا۔ اور کہو پروردگار اپنی رحمت ان کے شامل حال کر جس طرح کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

دیگر چیزوں کے علاوہ اس سے یہ اہم نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ماں باپ اس قدر ناتواں ہو جائیں کہ تنہا چلنے پھرنے کے قابل نہ رہیں اور گندگی اپنے سے دور نہ کر سکیں تو پھر بھی انہیں فراموش نہ کرو کیونکہ تم بھی بچپن میں اسی طرح تھے اور وہ تمہاری حفاظت اور تجھ سے محبت میں کوئی دریغ نہ کرتے تھے لہذا ان کی محبت کا جواب ویسی ہی محبت سے دو۔

نیز ممکن ہے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی ان کا احترام اور ان کے سامنے انکساری کے معاملہ میں اولاد سے جان بوجھ کر یا لا علمی میں کچھ لغزشیں ہو جائیں لہذا زیر بحث آخری آیت میں قرآن کہتا ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے پروردگار اس سے زیادہ آگاہ ہے۔

کیونکہ اس کا علم تمام پہلوؤں سے حضور ثابت اور ازلی وابدی ہے اور ہر طرح سے غلطی اور اشتباہ سے پاک ہے جبکہ تمہارا علم ان صفات کا حامل نہیں ہے لہذا اگر تم سے سرکشی کے ارادے کے بغیر حکم الہی کے خلاف ماں باپ کے احترام اور ان سے حسن سلوک میں کوئی لغزش ہو جائے اور تم فوراً پشیمان ہو کر توبہ وتلافی کا رخ کرو تو یقیناً رحمت الہی تمہارے شامل حال ہوگی۔ اگر تم صالح اور نیک ہو اور توبہ کرتے ہو کیونکہ خدا توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

منطق اسلام میں والدین کا احترام

اگرچہ انسانی جذبات اور حق شناسی والدین کی احترام گزاری کیلئے کافی ہے لیکن اسلام ایسے امور میں بھی خاموشی روا نہیں رکھتا جن میں عقل جذبات اور طبعی میلانات واضح رہنمائی کرتے ہیں بلکہ ایسے امور میں بھی اسلام تاکید کے طور پر ضروری احکام صادر کرتا ہے۔

والدین کے احترام کے بارے میں اسلام نے اس قدر تاکید کی ہے کہ اتنی تاکید بہت کم کسی مسئلے پر کی گئی ہے نمونے کے طور

پرہم چندایک پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

1۔قرآن مجید میں چار سورتوں میں مسئلہ توحید کے فوراًبعد والدین سے حسن سلوک کاحکم آیا ہے ان دونوں مسائل کا اکٹھا بیان ہونا اس امر کو واضح کرتا ہے کہ اسلام کس حد تک ماں باپ کے احترام کا قائل ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۸۳ میں ہے

"لا تعبدون الا اللّٰہ و بالوالدین احسنا"

سورہ نساء کی آیت ۳۶ میں ہے

"واعبدوا الہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسنا"

سورہ انعام کی آیت ۱۵۱ میں ہے

"الا تشرکوابہ شیئا و بالوالدین احسانا"

اور زیر بحث آیات میں بھی ان دونوں کو ایکدوسرے کا اہم قرین قرار دیا گیا ہے

"و قضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا"

2۔اس مسئلے کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ قرآن میں بھی اور روایات میں بھی صراحت سے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ماں باپ کافر بھی ہوں تب بھی ان کا احترام بجالانا ضروری ہے سورہ لقمان کی آیت ۱۵ میں ہے

"و ان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما و صاحبھما فی الدنیا معروفا"

اگر وہ تجھ سے اصرار کریں کہ تو مشرک ہو جا اس کو شریک کر جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کر لیکن دنیاوی زندگی میں ان سے اچھا سلوک کر۔

3۔قرآن مجید میں ماں باپ کے سامنے اظہار تشکر کا ذکر نعمات الٰہی کے شکریے کے ساتھ آیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"ان اشکربی ولوالدیک" (لقمان۱۴)

اگرچہ خدا کی نعمتوں کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔یہ امر ماں باپ کے حقوق کی عظمت اور وسعت کی دلیل ہے

4۔قرآن نے ماں باپ کی ذرہ بھر بے احترامی کی اجازت نہیں دی۔ایک حدیث میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لو علم اللّٰہ شیئا ھو ادنی من اف لنھی عنہ وھو من ادنی العقوق ومن العقوق ان ینظر الرجل الی والدیہ فیحد النظر الیھما

(کوئی چیز اف سے بھی کم ہوتی تو خدا اس سے بھی روکتا اور یہ ماں باپ کی مخالفت کی کم از کم حد ہے اور ان کی طرف

غضبناک نگاہ سے دیکھنا بھی بے احترامی میں شامل ہے۔)

5۔ باوجودیکہ جہاد ایک نہایت اہم اسلامی حکم ہے جب تک واجب عینی نہ ہو یعنی اتنے افراد کافی تعداد میں موجود ہوں کہ جو اپنی خواہش سے جہاد پر جائیں تو جہاد کی نسبت ماں باپ کی خدمت میں رہنا زیادہ اہم ہے اور اگر جانا ان کی پریشانی اور بے آرامی کا سبب بنے تو ناجائز ہے۔

امام صادق علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں: ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اس نے عرض کیا میں ایک خوش وخرم اور طاقتور نوجوان ہوں میرا دل چاہتا ہے کہ جہاد میں حصہ لوں لیکن میری ماں ہے جو اس سے ناراحت ہوتی ہے۔

اس کی اس بات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ارجع فکن مع والدتک فوالذی بعثنی بالحق لا نسھابک لیلۃ خیر من جھاد فی سبیل اللّٰہ سنۃ"

(لوٹ جاؤ اور اپنی ماں کے پاس رہو قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ایک رات کہ جس میں تیری ماں تجھ سے خوش رہے ایک سال جہاد سے بہتر ہے۔)

البتہ جس وقت جہاد وجوب عینی کی صورت اختیار کرلے اور اسلامی ملک خطرے میں ہو اور سب کا حاضر ہونا ضروری ہو تو پھر کوئی عذر قابل قبول نہیں یہاں تک کہ ماں باپ کی ناراضگی بھی لیکن واجبات کفائی کے موقع پر اسی طرح مستحبات میں مسئلہ اسی طرح ہے جیسا جہاد کے مواقع پر کہا گیا ہے۔

6۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ایاکم و عقوق الوالدین فان ریح الجنۃ توجد من سیرۃ الف عام ولا یجدھا عاق"

(اس سے بچو کہ ماں باپ تمہیں عاق کردیں اور ان کے ناراض ہونے سے بچو کیونکہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت تک پہنچتی ہے لیکن ایسا شخص کبھی بھی یہ خوشبو نہیں سونگھ سکتا کہ جو ماں باپ کا عاق کردہ اور نافرمان ہو۔)

یہ تعبیر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے افراد نہ صرف جنت میں قدم نہیں رکھ سکیں گے بلکہ اس سے بہت دور ہوں گے اور اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکیں گے۔

سید قطب اپنی تفسیر فی ظلال میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔

"ایک شخص طواف میں مشغول تھا۔ اس نے اپنی ماں کو کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا اور اسے طواف کروا رہا تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس حالت میں دیکھا اس نے عرض کیا کیا یہ کام کرکے میں نے اپنی ماں کا حق ادا کردیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں یہاں تک کہ تو نے وضع حمل کے وقت کی ایک آہ کا بدلہ بھی نہیں دیا"۔

اگر ہم قلم کو آزاد چھوڑ دیں تو گفتگو بہت لمبی ہو جائے گی اور بات تفسیر سے آگے بڑھ جائے گی لیکن ہم صراحت سے کہتے

ہیں کہ اس سلسلے میں جس قدر بھی گفتگو کریں تھوڑی ہے کیونکہ والدین انسان پر حق حیات رکھتے ہیں۔

اس بحث کے آخر میں ہم اس نکتے کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ کوئی غیر منطقی یا خلاف شریعت بات کرتے ہیں تو واضح ہے کہ ایسے موقع پر ان کی اطاعت واجب نہیں رہتی لیکن ایسی صورت میں بھی بہترین طریقے سے ان کے سامنے منطقی دلیل پیش کی جائے اور امر بالمعروف کیا جائے۔

اس سلسلہ گفتگو کو ہم امام کاظم علیہ السلام کی ایک حدیث پر تمام کرتے ہیں امام فرماتے ہیں کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے باپ اور بیٹے کے حق کے متعلق سوال کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لا یسمیه باسمه ولا یمشی بین یدیه ولا یجلس قبله ولا یستسب له"

(باپ کو اس کے نام سے نہ پکارے بلکہ کہے ابا جان وغیرہ اس کے آگے آگے نہ چلے اس سے پہلے نہ بیٹھے اور کوئی کام ایسا نہ کرے کہ لوگ اس کے باپ کو گالیاں دیں اور برا بھلا کہیں یعنی یہ نہ کہیں کہ خدا تیرے باپ کو نہ بخشے کہ تو نے یہ کام کیا ہے وغیرہ)

(۲۶) وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَ الۡمِسۡكِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ وَ لَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا	اور نزدیکیوں کو ان کا حق دے دو اور (اسی طرح) مسکین اور مسافر کا اور ہرگز اسراف اور فضول خرچی نہ کرو۔
(۲۷) اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا	کیونکہ اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان نے اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کیا ہے۔
(۲۸) وَ اِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّیۡسُوۡرًا	اور اگر تو ان (حاجتمندوں) سے اعراض کرے اور تم اپنے پروردگار کی رحمت کے انتظار میں ہو تو ان سے نرم اور لطف و کرم کے پیرائے میں بات کر۔
(۲۹) وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَ لَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا	کبھی بھی اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کا حلقہ نہ بنا (اور بخشش کو ترک نہ کر) اور نہ ہی اُسے بالکل کھول دے کہ (آخرکار) تو ملامت زدہ اور بے کار ہو کر رہ جائے۔

(۳۰) اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ۬	تیرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے اس کی روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے، اور وہ اپنے بندوں کے بارے میں آگاہ و بینا ہے۔

تفسیر

انفاق و بخشش میں اعتدال

ان آیات میں اسلام کے بنیادی احکام کا ایک اور حصہ بیان کیا گیا ہے ان میں قریبیوں حاجت مندوں اور مسکینوں کے حق کی ادائیگی کے بارے میں حکم ہے نیز انفاق میں فضول خرچی سے روکا بھی گیا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے قریبیوں اور نزدیکیوں کا حق انہیں دے۔ اسی طرح حاجت مندوں اور راہ میں رہ جانے والوں کا حق انہیں دے۔ لیکن اس طرح سے کہ ہرگز فضول خرچی نہ ہو۔

اسراف اور تبزیر کا معاملہ اتنا باریک ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبرؐ ایک راستے سے گزر رہے تھے آپؐ کے ایک صحابی وضو کر رہے تھے اور پانی زیادہ ڈال رہے تھے آپؐ نے فرمایا: ''اسراف کیوں کرتے ہو؟''

سعد نے عرض کیا: ''کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ''نعم و ان کنت علی نھر جار'' (ہاں اگرچہ تم جاری دریا کے کنارے ہی کیوں نہ ہو)

(۲۷) زیرِ نظر دوسری آیت ''تبذیر'' کی ممانعت پر استدلال اور تاکید کے طور پر ہے ارشاد ہوتا ہے اسراف کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان نے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کیا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان نے پروردگار کی نعمتوں کا کیسے کفران کیا تو اس کا جواب واضح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت زیادہ قوت و استعداد دے رکھی تھی اس نے ان سب قوتوں کو غلط مقام پر صرف کیا یعنی لوگوں کو گمراہ کیا۔

بعض اوقات کوئی مسکین کسی کے پاس آتا ہے لیکن اس کی ضرورت کے مطابق اس کی مدد کرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں یہ آیت بتاتی ہے کہ ضرورت مندوں سے کیا سلوک کرنا چاہئے۔

(۲۸) ارشاد ہوتا ہے اگر تو ان ضرورت مندوں سے وسائل نہ ہونے کی وجہ سے اور رحمت کے انتظار میں ہونے کے باعث رخ موڑے تو ایسا تحقیر سختی اور بے حرمتی سے نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان سے نرم اور سنجیدہ گفتگو سے اور بڑی محبت سے پیش آنا چاہئے یہاں تک کہ اگر ہو سکے تو ان سے آئندہ کا وعدہ کر لے تا کہ وہ مایوس نہ ہوں۔

(۲۹) اعتدال چونکہ ہر چیز میں ضروری ہے یہاں تک کہ انفاق میں بھی لہٰذا اس آیت میں اس بارے میں تاکید کرتے

ہوئے فرمایا گیا ہے اپنے ہاتھ کا گردن کے گرد حلقہ نہ بنا۔

یہ تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دینے والا ہاتھ تیرے پاس ہونا چاہئے اسے بخیلوں کے ہاتھ کی طرح گردن کی زنجیر نہیں بن جانا چاہئے کہ انسان مدد کرنے کے قابل نہ رہے۔

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اپنا ہاتھ اتنا بھی کھلا نہ رکھ اور بخشش اتنی بھی بے حساب نہ کر کہ تو کام کاج سے رہ جائے اور کبھی اس کی اور کبھی اس کی ملامت سنتا رہے اور لوگوں سے جدا ہو جائے۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اصلاً بعض لوگ محروم نیاز اور مسکین کیوں ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کیلئے خرچ کرنا ضروری ہے کیا بہتر نہ تھا کہ خدا تعالیٰ خود انہیں جس چیز کی ضرورت ہے دے دیتا تا کہ وہ اس کے محتاج نہ ہوتے کہ ان پر خرچ کیا جائے۔

(۳۰) زیر نظر آخری آیت گویا اس سوال کا جواب ہے ارشاد ہوتا ہے خدا اپنی روزی جس کیلئے چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں آگاہ و بینا ہے۔

یہ تمہارے لئے ایک آزمائش اور امتحان ہے ورنہ اس کیلئے تو ہر چیز ممکن ہے وہ اس طرح سے تمہاری تربیت کرنا چاہتا ہے وہ تم میں سخاوت اور فداکاری کے جذبے پروان چڑھانا چاہتا ہے وہ تمہارے اندر خودغرضی کا خاتمہ چاہتا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ اگر وہ بالکل بے نیاز ہو جائیں تو سرکشی کی راہ اختیار کر لیں۔ان کیلئے مصلحت اسی میں ہے کہ ان کو محدود وطور پر روزی ملے کہ جس سے وہ فقر و فاقہ میں بھی مبتلا نہ ہوں اور طغیان و سرکشی کی راہ بھی اختیار نہ کریں۔

ان تمام امور سے قطع نظر انسانوں میں معلول معذور اور مجبور افراد کے علاوہ رزق کی تنگی اور وسعت ان کی سعی و کوشش سے وابستہ ہے اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ خدا جس کیلئے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اللہ کا یہ چاہنا اس کی حکمت کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ جس شخص کی کوشش زیادہ ہے اس کا حصہ زیادہ ہو اور جس کی کوشش کم ہے اس کا حصہ کم ہو۔

(۳۱) وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا	اور اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرو۔ہم انہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں انہیں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔
(۳۲)وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا	اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ بہت بڑا گناہ (اور برا عمل) ہے اور بہت بُری روش ہے۔

(۳۳) وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا	اور جس شخص کا خون خدا نے حرام قرار دیا ہے اسے سوائے حق کے قتل نہ کرو۔ اور جو شخص مظلوم مارا گیا ہے اس کے ولی کو ہم نے (حقِ قصاص پر) تسلّط دیا ہے لیکن وہ قتل میں اسراف نہ کرے، کیونکہ وہ مدد دیا گیا ہے۔
(۳۴) وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا	اور سوائے احسن طریقے کے مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ حدِّ بلوغ کو پہنچ جائے اور اپنے عہد (و پیمان) کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں تم سے پوچھا جائیگا،
(۳۵) وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا	اور جب تم ناپ تول کرو تو پیمانہ کا حق ادا کرو اور ترازو سے وزن صحیح کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔

تفسیر

چھ اہم احکام

گزشتہ آیات میں احکام اسلامی کے کچھ حصے آئے ہیں ان کے بعد زیرِ نظر آیات میں کچھ مزید احکام پیش کیے گئے ہیں چھ اہم احکام پانچ آیات میں بہت پُر معنی اور دلنشین پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔

1۔ پہلے زمانہ جاہلیت کے ایک بہت قبیح اور برے عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ انتہائی دردناک گناہوں میں سے تھا ارشاد ہوتا ہے اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ان کی روزی تمہارے ذمہ نہیں ہے بلکہ انہیں اور تمہیں ہم رزق دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا قتل ایک بہت بڑا گناہ تھا اور ہے۔

اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی اقتصادی حالت اتنی سخت اور پریشان کن تھی کہ وہ اپنی مالی حالت پتلی ہونے کی وجہ سے اپنی عزیز اولاد تک کو قتل کر دیتے تھے۔

مفسرین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا زمانہ جاہلیت کے عرب فقر کے خوف سے صرف اپنی بیٹیوں کو مٹی میں دبا دیتے تھے یا بیٹوں کو بھی زندہ درگور کر دیتے تھے۔

البتہ یہ جو کہا گیا ہے کہ بیٹے پیداواری صلاحیت رکھتے تھے اور سرمایہ شمار ہوتے تھے یہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ اس صورت میں کہ جب اس تھوڑی مدت کیلئے وہ اخراجات برداشت کر سکتے۔ حالانکہ بعض اوقات تو وہ اس قدر تنگ دستی میں ہوتے کہ اس تھوڑی سی مدت کیلئے بھی اسباب زندگی مہیا کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

(۳۲) 2۔ ایک اور عظیم گناہ کہ جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے وہ زنا اور منافی عفت عمل ہے قرآن کہتا ہے زنا کے قریب نہ جاؤ کیونکہ یہ بہت برا اور قبیح عمل ہے اور بہت بری روش ہے۔

اس مختصر سے جملے میں یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو بلکہ فرمایا کہ اس شرمناک کام کے قریب نہ جاؤ۔ یہ تعبیر اپنی گہرائی کے اعتبار سے اس حکم کیلئے تاکید ہے نیز یہ اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ اکثر اوقات اس گناہ کے کچھ تمہیدی اعمال بھی ہوتے ہیں جو تدریجاً انسان کو اس کے قریب کر دیتے ہیں ہوا و ہوس کی نظر سے عورتوں کو دیکھنا بھی اس کا ایک مقدمہ ہے بے پردگی اس کا دوسرا مقدمہ ہے بری تعلیم بری باتیں سکھانے والی کتابیں گندی فلمیں گھٹیاں جرائد اور برائی کے مختلف مراکز بھی اس کام کا مقدمہ فراہم کرتے ہیں۔

اسی طرح نامحرم عورتوں کے ساتھ خلوت بھی اس کا ایک عامل ہے یعنی ایک نامحرم مرد اور عورت کسی خالی مکان یا مقام پر ہوں تو وہ بھی اس کا عامل بن سکتا ہے۔

اس طرح جوان لڑکے اور لڑکی کی شادی نہ کرنا اور دونوں پر بلاوجہ سختیاں عائد کرنا بھی اس کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ سب زنا کے قریب جانے کے عامل ہیں مذکورہ آیت اپنے مختصر جملے میں ان سب سے روکتی ہے اسلامی روایات میں ان مقدمات میں سے ہر ایک کی الگ الگ ممانعت کی گئی ہے۔

حرمت زنا کا فلسفہ

اول۔ اس سے خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے ماں باپ اور اولاد کے درمیان رابطہ ختم ہو جاتا ہے جبکہ یہ وہ رابطہ ہے جو نہ صرف معاشرے کی شناخت کا سبب ہے بلکہ خود اولاد کی نشو ونما کا موجب بھی ہے یہی رابطہ ساری عمر محبت کے ستونوں کو قائم رکھتا ہے اور انہیں دوام دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ جس معاشرے میں غیر شرعی اور بے باپ کی اولاد زیادہ ہو اس کے اجتماعی روابط سخت تزلزل کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ ان روابط کی بنیاد خاندانی روابط ہیں۔

اس مسئلے کی اہمیت سمجھنے کیلئے لحظہ بھر اس امر پر غور کرنا کافی ہے کہ اگر سارے انسانی معاشرے میں زنا جائز اور مباح ہو جائے اور شادی بیان کا قانون ختم کر دیا جائے تو ان حالات میں غیر مشخص اور بے ٹھکانہ اولاد پیدا ہو گی اس اولاد کو کسی کی مدد اور سرپرستی حاصل نہ ہو گی۔ اسے نہ پیدائش کے وقت کوئی پوچھے گا نہ بڑا ہو کر۔

اس سے قطع نظر برائیوں سختیوں اور مشکلوں میں محبت کا اثر تسلیم شدہ ہے جبکہ ایسی اولاد سے محبت سے محروم ہو جائے گی اور انسانی معاشرہ پوری طرح تمام پہلوؤں سے حیوانی درندگی کی شکل اختیار کر لے گا۔

ثانی ۔ یہ شرمناک اور قبیح عمل ہوس باز لوگوں کے درمیان طرح طرح کے جھگڑوں اور کشمکشوں کا باعث بنے گا وہ واقعات کہ جو بعض افراد نے بدنام محلوں اور غلط مراکز کی داخل کیفیت کے بارے میں لکھے ہیں ان سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جنسی بے راہ رویاں بدترین جرائم کو جنم دیتی ہیں۔

ثالث ۔ یہ بات علم اور تجربے نے ثابت کردی ہے کہ زنا طرح طرح کی بیماریاں پھیلنے کا سبب بنا ہے اس کے آثار بد اور برے نتائج کی روک تھام کیلئے آج کے دور میں بہت سے ادارے قائم ہیں اور بہت سے اقدامات کئے گئے ہیں مگر اعداد وشمار نشاندہی کرتے ہیں کہ کس قدر افراد اس راستے میں اپنی صحت وسلامتی گنوا بیٹھے ہیں۔

رابع ۔ اکثر اوقات یہ عمل اسقاط حمل' قتل اولاد اور انقطاع نسل کا سبب بنتا ہے کیونکہ ایسی عورتیں ایسی اولاد کی نگہداری کیلئے ہرگز تیار نہیں ہوتیں اور اصولاً اولاد ان کیلئے ایسا منحوس عمل جاری رکھنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ہے لہٰذا وہ ہمیشہ اسے پہلے سے ختم کر دینے کی کوشش کرتی ہیں۔

یہ مفروضہ بالکل موہومی ہے کہ ایسی اولاد حکومت کی زیر کنٹرول اداروں میں رکھی جا سکتی ہے اس مفروضے کی ناکامی عملی طور پر واضح ہو چکی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ اس صورت میں بن باپ کی اولاد کی پرورش کس قدر مشکلات کا باعث ہے اور نتیجتاً بہت ہی نامرغوب اور غیر پسندیدہ ہے ایسی اولاد سنگدل مجرم' بے حیثیت اور ہر چیز سے عاری ہوتی ہیں۔

خامس ۔ یہ بات فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ شادی بیاہ کا مقصد صرف جنسی تقاضے پورے کرنا نہیں بلکہ تشکیل حیات میں اشتراک روحانی محبت' فکری سکون' اولاد کی تربیت اور تمام حالات زندگی میں ہمکاری شادی کے نتائج میں سے ہیں اور ایسا بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ عورت اور مرد باہم مخصوص ہوں اور عورتیں دوسروں پر حرام ہوں۔

(۳۳) 3۔اس آیت میں ایک اور حکم ہے یہ حکم انسانوں کے خون کے احترام کے بارے میں ہے اور قتل نفس کی انتہائی حرمت کا ترجمان ہے قرآن کہتا ہے جس شخص کا خون خدا نے حرام قرار دیا ہے اسے سوائے حق کے قتل نہ کرو۔

انسان کے خون کا احترام اور قتل نفس کی حرمت ایسے مسائل ہیں جن میں تمام آسمانی شریعتیں دین اور انسانی قوانین متفق ہیں اور اس قتل کو ایک بہت بڑا جرم اور گناہ شمار کرتے ہیں لیکن اسلام نے اس مسئلے کو بہت ہی زیادہ اہمیت دی ہے یہاں تک کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔

البتہ اسلام میں انسانوں کے خون کا احترام مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ غیر مسلمان جو مسلمانوں سے برسر جنگ نہیں ہیں اور ان کے ساتھ امن وسلامتی کی زندگی بسر کرتے ہیں ان کی جان ومال اور ناموس بھی محفوظ ہے اور ان پر تجاوز کرنا حرام اور ممنوع ہے۔

اس کے بعد قرآن اولیاء مقتول کے حق قصاص کے بارے میں کہتا ہے جو شخص مظلوم مارا جائے اس کے ولی کو ہم نے قاتل سے قصاص لینے کا تسلط دیا ہے۔

لیکن اسے بھی نہیں چاہئے کہ ان حالات میں وہ اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ کرے اور قتل میں اسراف کرے کیونکہ وہ مدد دیا گیا ہے۔

جی ہاں! اولیاء مقتول جب تک حد اسلام کے اندر رہتے ہیں اور اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے وہ نصرت الٰہی کے زیر سایہ ہیں یہ جملہ ان اعمال کی طرف اشارہ ہے جو زمانہ جاہلیت میں تھے اور بعض اوقات آج کل بھی ہوتے ہیں کبھی ایک شخص کے قتل ہو جانے پر مقتول کا قبیلہ دوسرے قبیلے کے کئی قتل کر ڈالتا ہے یا ایک شخص کے قتل کے بدلے قاتل کے علاوہ اور بہت سے بے گناہ افراد قتل کر دیئے جاتے ہیں جیسے زمانہ جاہلیت کی رسوم میں تھا کہ جب کسی قبیلے کا کوئی معروف آدمی قتل ہو جاتا تو مقتول کا قبیلہ قاتل کے قتل پر قناعت نہ کرتا بلکہ ضروری سمجھتا کہ قاتل کے قبیلے کا سردار یا دوسرا معروف شخص قتل کرے چاہئے اس قتل میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔

(۳۴) 4۔ اس آیت میں اس سلسلہ احکام کا چوتھا حکم ہے پہلے یتیموں کے مال کی حفاظت کی اہمیت بتائی گئی ہے اس میں وہی لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے جو منافی عفت عمل کے بارے میں گزشتہ آیات میں اختیار کیا گیا ہے ارشاد فرمایا ہے یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ۔

نہ صرف یہ کہ یتیموں کا مال نہ کھاؤ بلکہ اس کے حریم وحدود کو بھی محترم سمجھو۔ لیکن ممکن تھا کہ ناآگاہ لوگ اس حکم کو منفی حوالے سے دیکھتے اور یتیموں کا مال بے سرپرست چھوڑنے کیلئے اسے سند بنا لیتے اور یوں یتیموں کا مال حوادث کے رحم وکرم پر رہ جاتا لہٰذا فوراً بلا فاصلہ استثناء فرمایا گیا ہے مگر نہایت اچھے طریقے سے۔

اس جامع اور واضح تعبیر کے مطابق یتیموں کے اموال میں ہر ایسا تصرف جائز ہے جو ان کی حفاظت، اصلاح اور اضافے کی نیت سے ہو اور جس میں قبل ازیں ان کے ضروری پہلوؤں کا اتلاف نہ ہونے کی منصوبہ بندی کر لی گئی ہو بلکہ ایسا تصرف ان یتیموں کی ایک خدمت ہے جو اپنے مفادات کی حفاظت نہیں کر سکتے البتہ یہ کیفیت یتیم کے فکری واقتصادی رشد تک پہنچنے کے وقت تک ہونا چاہئے جیسا کہ زیر بحث آیت جاری رکھتے ہوئے قرآن کہتا ہے اس زمانے تک کہ ان میں یہ طاقت پیدا ہو جائے۔

5۔ اس کے بعد ایفائے عہد کا مسئلہ ہے ارشاد ہوتا ہے اپنا عہد وفا کرو کیونکہ ایفائے عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

بہت سے معاشرتی روابط، اقتصادی نظام اور سیاسی مسائل عہد و پیمان کے گرد گھومتے ہیں اگر عہد و پیمان متزلزل ہو جائے اور اعتماد اٹھ جائے تو معاشرے کا نظام تیزی سے درہم برہم ہو جائے اور اس پر وحشت ناک حرج مرج مسلط ہو جائے یہی وجہ ہے کہ قرآنی آیات میں ایفائے عہد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ عہد و پیمان کا مفہوم بہت وسیع ہے اس میں افراد کے درمیان جو اقتصادی اور کاروباری پیمان ہوتے ہیں وہ بھی شامل ہیں۔

6۔ آخری زیر بحث آیت میں آخری حکم ناپ تول میں عدالت کے بارے میں ہے اس کے ذریعے حقوق الناس کی حفاظت اور کم فروشی کا سد باب مقصود ہے ارشاد ہوتا ہے جب کسی پیمانہ سے کوئی چیز ناپو تو اس کا حق ادا کرو۔ اور صحیح اور سیدھے ترازو سے وزن کرو۔ کیونکہ یہ کام تمہارے فائدے میں ہے اور اس کا انجام سب سے بہتر ہے۔

اصولی طور پر حق وعدالت نظم وضبط اور حساب وکتاب ہر چیز میں اور ہر جگہ بنیادی اور حیاتی حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ یہ وہ روح ہے جو تمام عالم ہستی پر حکم فرما ہے لہٰذا اس بنیادی مسئلے سے کسی بھی قسم کا انحراف خطرناک اور بدانجام ہوگا خصوصاً کم فروشی اعتماد واطمینان کا سرمایہ ختم کر دیتی ہے کہ جو مبادلات کا اہم رکن ہے یہ کام اقتصادی نظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔

(۳٦) وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا	اس کی پیروی نہ کر جس کا تجھے علم نہ ہو کیونکہ کان، آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا۔
(۳۷) وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا	اور زمین پر تکبّر سے نہ چل، تو زمین کو چیر نہیں سکتا اور تیرے قد کی لمبائی ہرگز پہاڑوں تک نہیں پہنچ سکتی۔
(۳۸) کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْهًا	ان سب کے گناہ تیرے پروردگا کے ہاں قابلِ نفرت قرار پاتے ہیں۔
(۳۹) ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا	یہ احکام ان حکمتوں میں سے ہیں جو تجھے تیرے پروردگار نے وحی کے ذریعے دی ہیں، اور اللہ کے ساتھ ہرگز کسی کو معبود قرار نہ دے کہ تو جہنم میں جا گرے گا اس حالت میں کہ درگاہِ خدا سے ملامت شدہ اور راندہ ہوگا۔
(۴۰) اَفَاَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ۠	کیا خدا نے بیٹے تمہارے لئے مخصوص کر دیئے ہیں اور خود ملائکہ میں سے بیٹیاں لے لی ہیں؟ تم یقیناً بہت بڑی اور (انتہائی غلط) بات کہتے ہو۔

تفسیر

صرف علم کی پیروی کرو

پہلے تمام چیزوں میں تحقیق کو ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کی پیروی نہ کر۔ نہ اپنے ذاتی عمل میں علم کے بغیر عمل کر اور نہ دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت بغیر علم کے شہادت دے اور نہ ہی علم کی بغیر کوئی عقیدہ و نظریہ قائم کر۔

آیت کے آخر میں اس ممانعت کی دلیل اس طرح بیان کی گئی ہے کان آنکھ اور دل سب کے سب مسئول ہیں اور جو کچھ وہ انجام دیتے ہیں اس کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا۔

یہ ذمہ داری اس بناء پر ہے کہ جو باتیں انسان علم و یقین کے بغیر کہتا ہے وہ یا تو اس نے غیر موثق افراد سے سنی ہوتی ہیں یا وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا ہے جبکہ اس نے دیکھا نہیں ہوتا یا وہ اپنے فکر و خیال کی بنیاد پر بے بنیاد فیصلے کرتا ہے کہ جو حقیقت پر منطبق نہیں ہوتے اسی بناء پر اس کی آنکھ، کان اور فکر و عقل سے سوال کیا جائے گا کہ کیا واقعاً تم ان امور کے بارے میں یقین رکھتے تھے کہ تم نے ان کے بارے میں گواہی دی یا فیصلہ کیا یا ان کے معتقد ہوئے اور ان کے مطابق عمل کیا۔

(۳۷) متکبر نہ بنو

یہ آیت غرور و تکبر کے خلاف ہے۔ اس میں مومنین کو زندہ اور روشن تعبیر سے غرور کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے روئے زمین پر غرور و تکبر سے نہ چلو۔ کیونکہ تم ہرگز زمین کو چیر نہیں سکتے اور تمہارا لمبا قد پہاڑوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مغرور لوگ عام طور پر چلتے وقت زمین پر زور زور سے پاؤں پٹختے ہیں تاکہ لوگوں کو بتائیں کہ ہم آ رہے ہیں گردن اوپر اکڑا کر رکھتے ہیں تاکہ اہل زمین پر بزعم خود اپنی برتری جتا سکیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ تم بھی زمین پر کیسے ہی اپنے پاؤں پٹخو کیا اسے چیر سکو گے جبکہ اس کرۂ خاکی پر تمہارا وجود بالکل ناچیز ہے یہ تو بالکل اس چیونٹی کی طرح ہے جو بہت بڑے پتھر پر چل رہی ہو اور اپنا پاؤں اس پر پٹخے تو پتھر اس کی حماقت اور کم ظرفی پر ہنسے گا ہی۔

ہادیان اسلام کی اپنی زندگی اس سلسلے میں ہر مسلمان کیلئے بہت ہی سبق آموز اور نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں ہم پڑھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز اجازت نہیں دیتے تھے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوں تو کچھ لوگ پیادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب چلیں بلکہ فرماتے تھے۔

تم فلاں جگہ پہنچو میں بھی آ جاؤں گا وہاں ملاقات ہوگی پیادہ شخص کا سوار کے ساتھ چلنا سوار کے غرور اور پیادہ کی ذلت کا سبب بنتا ہے۔

نیز ہم پڑھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھتے غلاموں کی سی سادہ غذا کھاتے' بکری کا دودھ دوہتے اور گدھے کی ننگی پشت پر سوار ہوتے۔

یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتدار کا زمانہ تھا مثلاً فتح مکہ کے دن بھی اسی طرح کے کام انجام دیتے تھے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ کسی مقام پر پہنچنے سے غرور پیدا ہو گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوچہ و بازار کے لوگوں اور مستضعفین سے الگ رہنے لگے ہیں اور محنت کش عوام سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے حالات میں بھی ہے کہ آپ علیہ السلام گھر کیلئے خود پانی بھرتے اور بعض اوقات گھر میں جھاڑو دیتے۔

امام حسن مجتبیٰؑ کے حالات میں ہے کہ کئی سواریاں آپؑ کے پاس تھیں اس کے باوجود آپؑ بیس مرتبہ پا پیادہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے آپؑ فرماتے تھے۔

میں ایسا بارگاہ الٰہی میں عجز وانکساری کیلئے کرتا ہوں۔

اس آیت میں گزشتہ آیات میں بیان کئے گئے احکام پر تاکید کی گئی ہے شرک قتل نفس زنا قتل اولاد مال یتیم میں تصرف اور ماں باپ کو آزار پہنچانے کے بارے میں فرمایا گیا ہے ان تمام کا گناہ تیرے پروردگار کے نزدیک قابل نفرت ہے۔

اس تعبیر سے واضح ہوجاتا ہے کہ مکتب جبر کے پیروکاروں کے قول کے برخلاف خدا نے ہرگز ارادہ نہیں کیا کہ کسی سے گناہ سر زد ہوا گر اس نے ایسا ارادہ کیا ہوتا تو اس آیت میں اس سے کراہت اور ناراضگی مناسب نہ تھی۔

ضمناً واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن کی زبان میں بہت بڑے گناہوں کیلئے بھی لفظ مکروہ استعمال ہوا ہے۔

(۳۹) مشرک نہ بنو

تاکید مزید کیلئے اور اس لئے کہ ان تمام حکیمانہ احکام کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے فرمایا گیا ہے یہ سب حکمت آمیز احکام ہیں کہ جن کی تیرے پروردگار نے تیری طرف وحی کی ہے۔

حکمت کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ ان آسمانی احکام کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے اس کے علاوہ یہ میزان عقل پر بھی بالکل پورے اترتے ہیں اور عقل کے مطابق قابل ادارک ہیں۔

کون شخص شرک قتل نفس یا ماں باپ کو آزار پہنچانے کی قباحت کا انکار کرسکتا ہے اسی طرح کون زنا تکبر، یتیموں پر ظلم اور پیمان شکنی کے منحوس نتائج کا انکار کرسکتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ احکام حکمت عقلی کے ذریعے بھی ثابت شدہ ہیں اور وحی الٰہی کے ذریعے سے بھی اور تمام احکام الٰہی کے اصول اسی طرح ہیں اگرچہ عقل کے کم فروغ چراغ سے ان کی تفصیلات کو اکثر اوقات مشخص نہیں کیا جاسکتا اور صرف وحی الٰہی کے طاقتور نور ہی سے انہیں پہچانا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد جس طرح ان احکام کی ابتدا تحریم شرک سے کی گئی ہے حرمت شرک کی تاکید کے ساتھ ان کا اختتام ہوتا ہے ارشاد فرمایا گیا ہے خدائے یگانہ کے ساتھ ہرگز شریک کا قائل نہ ہونا اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود قرار نہ دینا۔

کیونکہ اس امر کے سبب تو دوزخ میں جا گرے گا جبکہ مخلوق خدا کی ملامت بھی تجھے دامن گیر ہوگی اور بارگاہ الٰہی سے بھی تو دھتکارا جائے گا اور اس کا قہر وغضب بھی تجھے لاحق ہوگا۔

درحقیقت تمام انحرافات جرائم اور گناہوں کا خمیر شرک اور دوگانہ پرستی سے اٹھتا ہے اسی لئے اسلام کے اساسی احکام کا یہ سلسلہ حرمت شرک سے شروع ہوتا ہے اور تحریم شرک پر ہی تمام ہوتا ہے۔

(۴۰) زیرِ نظر آخری زیر بحث آیت میں مشرکین کی ایک بیہودہ خرافاتی فکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے پایہ منطق

اور سطح فکر کو واضح کیا گیا ہے ان میں سے بہت سے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں حالانکہ خود بیٹی کا نام سن کر شرم محسوس کرتے تھے اور اپنے گھر میں اس کی ولادت کو بدبختی کا باعث خیال کرتے تھے قرآن مجید خود انہی کی منطق کی زبان میں انہیں جواب دیتا ہے کیا تمہارے پروردگار نے بیٹے صرف تمہارے حصے میں دے دیئے ہیں

اور خود اپنے لئے اس نے فرشتوں میں سے بیٹیاں لے لی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ بیٹیاں بھی بیٹوں کی طرح نعمات الٰہی ہیں اور انسانی قدر و قیمت کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ اصولی طور پر بقائے نسل انسانی ان دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو جو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا وہ بیہودہ، فضول اور خرافاتی فکر تھی۔ اس کا پس منظر کیا تھا اس کے بارے میں ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

لیکن قرآن کا مقصد یہ ہے کہ انہیں ان ہی کی منطق کے ذریعے مغلوب کرے کہ تم کیسے نادان لوگ ہو کہ اپنے پروردگار کیلئے ایسی چیز کا نظریہ رکھتے ہو جس سے خود تم عار محسوس کرتے ہو۔

اس کے بعد آیت کے آخر میں ایک قاطع اور یقینی حکم کی صورت میں فرمایا گیا ہے تم بہت بڑی اور کفر آمیز بات کرتے ہو۔ ایسی بات جو کسی منطق سے مناسبت نہیں رکھتی اور کئی حوالوں سے بے بنیاد ہے مثلاً

1۔ خدا کی اولاد ہونے کا اعتقاد اس کی ساحت مقدس میں ایک بہت بڑی اہانت ہے کیونکہ نہ وہ جسم ہے نہ عوارض جسمانی رکھتا ہے اور نہ بقائے نسل کا محتاج ہے لہٰذا اس کیلئے اولاد کا اعتقاد صرف اس کی پاکیزہ صفات کو نہ پہچاننے کی وجہ سے ہے۔

2۔ تم خدا کی ساری اولاد بیٹیوں میں منحصر کیوں سمجھتے ہو جبکہ بیٹی کیلئے بہت پست قدر و منزلت کے قائل ہو تمہارے خیالات کے لحاظ سے یہ احمقانہ اعتقاد خدا کی بارگاہ میں ایک اور اہانت ہے۔

3۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے مقام کی بھی توہین ہے جبکہ وہ فرمان حق پر قائم ہیں اور مقرب بارگاہ الٰہی ہیں خود بیٹی کے نام سے گھبرا جاتے ہو لیکن ان سب مقربان الٰہی کو بیٹی فرض کرتے ہو۔

ان امور کی جانب توجہ سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بات ایک بہت بڑی بات ہے واقعات سے انحراف کے لحاظ سے بڑی ہے گناہ اور سزا کے لحاظ سے بڑی ہے اور خود تمہارے معمول اور عادت کے لحاظ سے بھی بڑی ہے کہ تم معصوم بیٹیوں کی تحقیر و تذلیل کرتے ہو اور ان کے احترام میں کمی کرتے ہو۔

(۴۱) وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا	ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے مؤثر طور پر (دلائل کو) بیان کیا تاکہ وہ کسی طرح سمجھیں، لیکن (جن کے دل اندھے تھے) ان میں نفرت کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا۔

(۴۲) قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا	(اے رسول ان سے) کہہ دو: اگر اس (خدائے قادر) کے ساتھ اور خدا ہوتے، جیسا کہ تمہارا خیال ہے، تو وہ کوشش کرتے کہ مالک عرش خدا کی طرف کوئی راہ نکالیں۔
(۴۳) سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا	جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ اس سے پاک ومنزہ ہے (اور جو کچھ یہ سوچتے ہیں اس سے) بہت ہی برتر ہے۔
(۴۴) تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا	سات آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر موجود اس کی تسبیح وحمد کرتا ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بیشک اللہ حلیم، بخشنے والا ہے۔

تفسیر

وہ حق سے کیونکر فرار کرتے ہیں؟

گزشتہ آیات میں گفتگو مسئلہ توحید پر تمام ہوئی۔ زیر بحث آیات میں واضح اور قاطع انداز میں اسی مسئلے پر تاکید کی جا رہی ہے۔

پہلے تو توحید کے مختلف دلائل کے سامنے ایک گروہ مشرکین کی انتہائی ہٹ دھرمی کا ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے ہم نے اس قرآن میں بہت سے استدلال پیش کئے اور طرح طرح سے موثر طور پر بیان کیا تاکہ وہ سمجھیں اور راہ حق میں قدم اٹھائیں لیکن ان سب استدلال اور بیانات پر انہوں نے فرار ہی کیا اور ان کی نفرت کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا۔ اور وہ راہ حق سے دور ہی رہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان بیانات کا الٹا نتیجہ نکلتا ہے تو پھر ان کے ذکر کا فائدہ؟

جواب واضح ہے اور وہ یہ کہ قرآن ایک فرد یا ایک خاص گروہ کیلئے نازل نہیں ہوا بلکہ یہ سارے انسانی معاشرے کیلئے ہے اور مسلم ہے کہ سب انسان تو ایسے نہیں ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ وہ یہ دلائل سنتے ہیں تو راہ حق ان پر آشکار ہو جاتی ہے۔ ان تشنگان حقیقت کا ہر دستہ قرآن کے کسی ایک طرح کے بیان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور بیدار ہو جاتا ہے اور ان آیات کے نزول کا یہی اثر کافی ہے اگرچہ کوردل اس سے الٹا اثر لیتے ہیں۔

(۴۲) ارشاد ہوتا ہے اے رسول! ان سے کہہ دو۔ اگر خداوند قادر متعال کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا کہ تمہارا خیال ہے

تو وہ خدا کوشش کرتے کہ خدائے عظیم صاحب عرش تک پہنچنے کی کوئی راہ نکالیں اور اس پر غلبہ حاصل کرلیں۔ مگر وہ کرہی کیا سکتے ہیں؟

"اذا لا بتغوا الی ذی العرش سبیلا" کامفہوم اگرچہ یہ ہے کہ وہ صاحب عرش کی طرف راہ نکالتے لیکن طرز بیان نشاندہی کرتا ہے کہ مراد اس پر غلبہ حاصل کرنے کی کوئی سبیل پیدا کرنا ہے خصوصاً اللہ کی بجائے ذی العرش کی تعبیر اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی وہ بھی چاہتے کہ عرش اعلیٰ کے مالک بن جائیں اور سارے جہان ہستی پر حکومت کریں لہٰذا اس سے مقابلے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے۔

بہرحال یہ امر فطری اور طبعی ہے کہ ہر صاحب قدر چاہتا ہے کہ اپنے اقتدار کو زیادہ کامل کرے اور اپنے قلمرو حکومت کو توسیع دے اور اگر سچ مچ کوئی اور خدا موجود ہوتے تو توسیع حکومت کا یہ تنازع اور تمانع ان میں رونما ہوتا۔

(۴۳) چونکہ مشرکین کہتے ہیں کہ خدائے بزرگ نے ایک طرف نزاع کی حد سے تنزل کیا ہے لہٰذا اس آیت میں بلا فاصلہ فرمایا گیا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں خدا اس سے پاک اور منزہ ہے اور جو کچھ وہ سوچتے ہیں خدا اس سے بہتر برتر اور بالاتر ہے۔

(۴۴) اس کے بعد پروردگار کا مقام عظمت بیان کیا گیا ہے کہ وہ مشرکین کے وہم و خیال سے برتر ہے فرمایا گیا ہے کہ موجودات جہاں اس کی ذات مقدس کی تسبیح کرتی ہیں۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ حلیم و غفور ہے۔

تمہارے کفر اور شرک پر اللہ تمہارا فوری مواخذہ نہیں کرتا بلکہ کافی مہلت دیتا ہے اور تمہارے لئے توبہ کے دروازے کھلے رکھتا ہے تاکہ اتمام حجت ہوجائے۔

دوسرے لفظوں میں تم یہ صلاحیت رکھتے ہو کہ عالم کے تمام ذرات میں سے سن سکو کہ موجودات تسبیح الٰہی کا نغمہ گنگنا رہے ہیں اور تم اس قابل ہو کہ خدائے یگانہ قادر متعال کی معرفت حاصل کرسکو لیکن تم کوتاہی کرتے ہو اور اس کوتاہی کے باوجود وہ فوراً مواخذہ اور عذاب نہیں کرتا اور تمہیں زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کرتا ہے کہ تم توحید کی شناخت کرسکو اور راہ شرک ترک کرسکو۔

(۴۵) وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا	اور جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے درمیان ایک غیر محسوس حجاب پیدا کردیتے ہیں۔
(۴۶) وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا	اور ہم ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیتے ہیں تاکہ وہ اسے نہ سمجھیں، اور ان کے کانوں میں گرانی (پیدا کردیتے ہیں) اور جب تو قرآن میں اپنے پروردگار کو تنہا یاد کرتا ہے تو وہ پشت کر لیتے ہیں اور تجھ سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔

(۴۷) نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَسۡتَمِعُوۡنَ بِهٖۤ اِذۡ يَسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ وَ اِذۡ هُمۡ نَجۡوٰٓى اِذۡ يَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا	ہم جانتے ہیں کہ وہ کیوں تیری باتیں کان لگا کر سنتے ہیں اور جب وہ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں، جبکہ ظالم کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔
(۴۸) اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا	دیکھ! یہ تجھ پر کیسی پھبتیاں کستے ہیں اور اسی بناء پر یہ گمراہ ہوگئے ہیں اور یہ (حق کا) راستہ پا ہی نہیں سکتے۔

شان نزول

مجمع البیان میں طبرسی نے تفسیر کبیر میں فخر الدین رازی نے اور بعض دیگر مفسرین نے مندرجہ بالا آیات کی شان نزول کے بارے میں کہا ہے کہ ان میں سے پہلی آیت مشرکین کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب رات کے وقت آپ ﷺ قر آ ن کی تلاوت کرتے اور خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے تو یہ لوگ آپ ﷺ کو اذیت پہنچاتے۔ آپ ﷺ کو پتھر مارتے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے سے روکتے۔

تفسیر

جاہل مغرور

گزشتہ آیات کے بعد بہت سے لوگوں کے سامنے یہ سوال ابھرتا ہے کہ مسئلہ توحید اس قدر واضح ہے کہ تمام موجودات عالم اس کی گواہی دیتے ہیں تو پھر مشرکین اس حقیقت کو کیوں قبول نہیں کرتے وہ آیات قرآن سننے کے باوجود بیدار کیوں نہیں ہوتے؟

ہوسکتا ہے زیر بحث آیات اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہوں پہلی آیت کہتی ہے اے رسول ﷺ! جس وقت تو قرآن پڑھتا ہے ہم تیرے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے درمیان پردہ حائل کردیتے ہیں۔

یہ حجاب دراصل ہٹ دھرمی، تعصب خود پرستی، غرور وتکبر اور جہالت ہی تھی کہ جو ان کی فکرونظر سے حقائق قرآن چھپا دیتی تھی اور انہیں اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ توحید ومعاد دعوت پیغمبر ﷺ کی صداقت اور اس قسم کے دیگر حقائق کا ادارک کرسکیں۔

(۴۶) اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی اور بوجھ ہے۔ اسی لئے جب تو اپنے پروردگار کو قرآن میں تنہا یاد کرتا ہے تو وہ پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔

واقعاً حق سے فرار کیسی عجیب بات ہے یعنی سعادت ونجات سے فرار خوش بختی اور کامیابی سے فرار اور فہم وشعور سے فرار۔

(۴۷) مزید فرمایا گیا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ کیوں تمہاری باتیں کان دھر کر سنتے ہیں۔ اور جب وہ آپس میں سرگوشیاں

کرتے ہیں۔ جس وقت ظالم لوگ مومنین سے کہتے ہیں کہ صرف تم ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جو سحر زدہ ہے اور ساحروں نے جس کی عقل و ہوش کو ختم کر دیا ہے۔

یہ لوگ دراصل ادارک حقیقت کیلئے تیرے پاس نہیں آتے اور تیری باتیں دل کے کانوں سے نہیں سنتے بلکہ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ آ کر مخل ہوں اور اگر ہو سکے تو مومنین کو راستے سے بھٹکا دیں۔ اصولی طور پر جس کے دل پر پردہ پڑا ہے اور جس کے کان ایسے بوجھل ہوں کہ وہ حق بات سن ہی نہ سکے وہ مردان حق کی باتیں ایسے مقصد کے علاوہ نہیں سنتے۔

(۴۸) زیر بحث آخری آیت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے مختصر سی عبارت میں ان گمراہوں کو دندان شکن جواب دیا گیا ہے ارشا ہوتا ہے دیکھ! تیرے بارے میں کیسی کیسی پھبتیاں کستے ہیں کوئی تجھے جادوگر کہتا ہے کوئی سحر زدہ کوئی کاہن اور کوئی مجنون یہی وجہ ہے کہ وہ گمراہ ہوئے ہیں اور راہ حق پانے کی سکت نہیں رکھتے۔

ایسا نہیں کہ راستہ واضح نہیں ہے اور حق کا چہرہ چھپ گیا ہے بلکہ ان کے پاس چشم بینا نہیں ہے اور وہ بغض و جہالت تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی عقل و خرد گنوا بیٹھے ہیں۔

(۴۹) وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا	اور انہوں نے کہا کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے اور بکھر جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ نئی خلقت حاصل کریں گے؟
(۵۰) قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۙ	کہہ دو: تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ۔
(۵۱) اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا	یا جو مخلوق تمہاری نظر میں ان سے بھی زیادہ سخت ہو (اور جس میں زندگی کے دور دور تک کوئی آثار نہ ہوں پھر بھی خدا قادر ہے کہ تمہیں نئی زندگی کی طرف پلٹا دے)۔ عنقریب وہ کہیں گے کون، ہمیں دوبارہ پلٹائے گا؟ کہہ دو: وہی جس نے پہلے تمہیں پیدا کیا تھا۔ وہ (تعجب اور انکار) سے تیرے سامنے اپنے سر جھکاتے ہیں اور کہتے ہیں ایسا کس وقت ہوگا کہہ دو شاید (وہ وقت) نزدیک ہی ہو۔

(۵۲) يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ	وہی دن کہ جب وہ تمہیں (تمہاری قبروں سے) بلائے گا، تم بھی جواب دو گے، اس حالت میں کہ اس کی حمد کر رہے ہو گے اور خیال کرو گے کہ تم تھوڑی سی مدت ہی (عالم برزخ میں) رہے ہو۔

تفسیر

قیامت یقینی ہے

گزشتہ آیات توحید سے متعلق اور شرک کے خلاف مبارزہ کے بارے میں تھیں لیکن زیر نظر آیات میں معاد اور قیامت کے بارے میں گفتگو ہے اور ہر مقام پر اس گفتگو سے مسئلہ توحید کی تکمیل ہوئی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ عقائد اسلامی میں سے بنیادی ترین مبداء و معاد کا عقیدہ ہے یہی عقیدہ انسان کی عملی اور اخلاقی طور پر تربیت کرتا ہے یہ عقیدہ آلودگی اور گناہ سے بچاتا اور ادائیگی فرض کی دعوت دیتا ہے اور انسان کو تکامل وارتقاء کے راستے پر لے جاتا ہے۔

ان آیات میں منکرین معاد کے تین سوالات یا تین اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے پہلے ارشاد ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ جب ہم ہڈیوں میں تبدیل ہو گئے اور یہ ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو کر منتشر ہو گئیں تو کیا ہمیں نئے سرے سے تخلیق کیا جائے گا۔

(۵۰) قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے کہہ دو کہ بوسیدہ اور خاک شدہ ہڈی سے لباس حیات عطا کرنا تو آسان کام ہے تم پتھر یا لوہا بن جاؤ تو پھر بھی خدا قادر ہے کہ تمہارے بدن کو لباس حیات پہنا دے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مخلوق پتھر اور لوہے سے بھی سخت تر ہو اور زندگی سے بہت دور ہو اور اس لحاظ سے تمہاری نظر میں زیادہ بڑا کام ہو تو بھی خدا قادر ہے کہ اس کے بدن پر جامہ حیات پہنا دے۔

(۵۱) ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اچھا اگر ہم مان لیں کہ یہ بوسیدہ اور منتشر ہڈیاں پھر زندگی حاصل کر سکتی ہیں تو یہ کام انجام دینے کی قدرت کس میں ہے؟ وہ یہ اس لئے کہتے تھے کیونکہ وہ اس تبدیلی کو ایک نہایت پیچیدہ اور مشکل امر سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کون انہیں پلٹائے گا۔

اس سوال کا جواب قرآن اس طرح دیتا ہے ان سے کہو کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا۔

اگر قابل کی قابلیت میں تمہیں شک ہے تو سوچو کہ تم پہلے بھی تو خاک تھے پھر اب کیا رکاوٹ ہے کہ پھر خاک بننے کے بعد تمہیں زندگی دے دی جائے اگر فائل کی فاعلیت میں شک ہے تو وہی خدا جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔

آخر میں ان کا تیسرا اعتراض بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے وہ تعجب اور انکار کرتے ہوئے اپنا سر ہلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

یہ قیامت کب برپا ہوگی۔

قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے ان سے کہہ دو اس کا زمانہ قریب ہے۔

قیامت کی گھڑی قریب ہی ہے کیونکہ اس عالم کی مجموعی عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو دوسرے جہان کی بے پایان زندگی کے مقابلے میں تو جلدی گزر جانے والے ایک لمحے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس سے قطع نظر اگر قیامت ہمارے چھوٹے اور محدود معیار کے مطابق دور بھی ہو تو بھی قیامت کا آستانہ یعنی موت ہم سب کے قریب ہے کیونکہ موت قیامت صغریٰ ہے۔

"اذا مات الانسان قامت قیامته" (جب انسان کو موت آجاتی ہے تو اس کیلئے قیامت واقع ہو جاتی ہے۔)

یہ ٹھیک ہے کہ موت قیامت کبریٰ نہیں ہے لیکن اس کی یاد تو دلاتی ہے۔

(۵۲) اس آیت میں قیامت کی متعین تاریخ ذکر کئے بغیر اس کی بعض خصوصیات بیان کی گئی ہیں ارشاد ہوتا ہے۔ زندگی کی طرف یہ بازگشت اس دن ہوگی جس دن تمہیں تمہاری قبروں سے پکارا جائے گا اور تم چاہو یا نہ چاہو اس کی دعوت پر لبیک کہو گے اور خدا کی حمد وثناء کرتے ہوئے زندگی کی طرف پلٹ آؤ گے۔

اور وہ ایسا دن ہے کہ تم موت اور قیامت کے درمیان کے فاصلہ (دور برزخ کو کم سمجھو گے اور خیال کرو گے کہ برزخ میں تو تم تھوڑی سے مدت ہی رہے ہو۔ اگر چہ یہ طولانی ہو لیکن عالم بقاء کی بے انتہا عمر کے مقابلے میں چند جلدی سے گزر جانے والے لمحات سے زیادہ نہیں ہے۔

(۵۳) وَ قُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا	اور میرے بندوں سے کہہ دو: ایسی بات کریں کہ جو زیادہ اچھی ہو کیونکہ شیطان (ناموزوں باتوں کے ذریعے) ان کے درمیان فتنہ وفساد کھڑا کر دیتا ہے، شیطان ہمیشہ انسان کا کھلا دشمن رہا ہے۔
(۵۴) رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡکُمۡ اَوۡ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡکُمۡ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ وَکِیۡلًا	تمہارا پروردگار (تمہاری نیتوں اور اعمال) کو تم سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے (اور تمہیں اس لائق سمجھے) تو اپنی رحمت تمہارے شاملِ حال کر دے، اور اگر چاہے تو عذاب دے اور ہم نے تجھے ان پر وکیل نہیں بنایا۔

(۵۵) وَ رَبُّکَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ لَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا	وہ تمام لوگ کہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ان کے حالات سے تیرا پروردگار زیادہ آگاہ ہے۔ ہم نے بعض نبیوں کو بعض دوسرے نبیوں پر فضیلت عطا کی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔
(۵۶) قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ وَ لَا تَحۡوِیۡلًا	ان سے کہہ دو: تم نے خدا کے علاوہ جو (اپنے معبود) بنا رکھے ہیں انہیں پکار کر دیکھو، وہ تمہاری کوئی مشکل حل نہیں کر سکتے اور نہ اس میں کوئی تبدیلی لا سکتے ہیں۔
(۵۷) اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَ اَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ وَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَہٗ وَ یَخَافُوۡنَ عَذَابَہٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحۡذُوۡرًا	وہ تو وہ ہیں جو خود اپنے پروردگار سے (تقرب کا) وسیلہ طلب کرتے ہیں، ایسا وسیلہ جو زیادہ قریب ہو اور یہ اس کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ سب تیرے پروردگار کے عذاب سے بچنے کی فکر میں اور وحشت زدہ ہیں۔

تفسیر

تمام مخالفین سے منطقی طرز عمل

گزشتہ آیات میں مبداء و معاد کے بارے میں گفتگو تھی اور ان دو اہم عقائد کے بارے میں دلائل پیش کئے گئے تھے زیر بحث آیات میں مخالفین خصوصاً مشرکین کے ساتھ گفتگو اور استدلال کے آداب سکھائے گئے ہیں کیونکہ مکتب جتنا بھی عالی ہو اور منطق جتنی بھی قوی ہو اگر بحث و گفتگو صحیح طریقے اور لطف و محبت کی بجائے خشونت و سختی پر مبنی ہوگی تو بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔

لہٰذا پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے میرے بندوں سے کہہ دو کہ ایسی گفتگو کریں جو بہت اچھی ہو۔ ان کی گفتگو مضمون کے لحاظ سے، طرز بیان کے لحاظ سے، اخلاق کے حوالے سے اور انسانی آداب کے حوالے سے بہترین ہو۔

کیونکہ اگر انہوں نے قول احسن کو ترک کر دیا اور کلام میں خشونت، سختی اور ہٹ دھرمی ہوئی تو شیطان ان کے درمیان فتنہ و فساد اٹھا دے گا۔

اور یہ بات بھی فراموش نہ کرو کہ شیطان کمین لگائے بیٹھا ہے اور چین سے نہیں بیٹھا۔ کیونکہ شیطان شروع ہی سے نوع انسان کا کھلا دشمن ہے۔

لیکن تمام قرائن کو ملحوظ نظر رکھا جائے تو دوسری تفسیر ظاہر آیت سے زیادہ میل کھاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ عام طور پر لفظ

"عبادی" قرآن میں مومنین کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض مفسرین نے اس آیت کی جوشان نزول نقل کی ہے اس میں ہے کہ مکہ میں مشرکین اصحاب رسولؐ کو اذیت دیتے تھے تو گاہے دل تنگی کے عالم میں اصحاب رسول اکرمؐ سے اصرار کرتے تھے کہ ہمیں جہاد کی اجازت دی جائے یا پھر گفتگو میں سخت کلامی اور جیسا سوال ویسا جواب کی اجازت دی جائے اس پر رسول خداؐ فرماتے تھے کہ ابھی تک مجھے ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا اس موقع پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں اور انہیں حکم دیا گیا کہ صرف منطقی گفتگو سے جواب دینے کا اسلوب جاری رکھیں۔

(۵۴) یہ آیت مزید کہتی ہے تمہارا پروردگار تمہارے حالات سے زیادہ آگاہ ہے اگر وہ چاہے تو اپنی رحمت تمہارے شامل حال کر دے اور اگر چاہے تو تمہیں سزا دے۔

بہر حال آیت کے آخر میں روئے سخن پیغمبر اکرمؐ کی طرف ہے۔ آپؐ کی دلجوئی کی گئی ہے اور مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپؐ کے انتہائی رنج کو دور کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے ہم نے تجھے ان پر وکیل نہیں بنایا کہ تم یہ سمجھو کہ انہیں لازمی طور پر ایمان لانا چاہئے۔ تیری ذمہ داری تو یہ ہے کہ انہیں کھلے بندوں حق کی طرف دعوت دو اور اپنی جدوجہد جاری رکھو۔ اگر وہ ایمان لے آئیں تو بہت خوب و گرنہ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تم نے تو اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

(۵۵) یہ آیت سابقہ سے بھی بڑھ کر بات کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خدا تمہارے ہی حالات سے آگاہ نہیں بلکہ تیرا پروردگار آسمان اور زمین کے سب باسیوں کی نسبت زیادہ آگاہ ہے اور زیادہ علم رکھتا ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے، ہم نے بعض نبیوں کو بعض دیگر نبیوں پر فضیلت بخشی ہے اور داؤد کو زبور عطا کی ہے۔

یہ جملہ درحقیقت مشرکین کے ایک اعتراض کا جواب ہے وہ نہایت پر تحقیر انداز میں کہتے تھے کہ کیا خدا کے پاس اور کوئی شخص نہ تھا کہ اس نے ایک یتیم محمدؐ کو نبوت کیلئے انتخاب کیا اور اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ اسے تمام انبیاء کا سردار اور خاتم النبیین قرار دے دے۔

قرآن کہتا ہے کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے خدا ہر شخص کے انسانی مقام اور قدر و قیمت سے آگاہ ہے اور انہی عام لوگوں میں سے اپنے انبیاء کو منتخب کرتا ہے اور اس نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کسی کو خلیل کے اعزاز سے نوازا کسی کو کلیم اللہ کا مقام عطا کیا کسی کو روح اللہ قرار دیا اور پیغمبر اسلامؐ کو حبیب اللہ کی حیثیت سے چن لیا۔ خلاصہ یہ کہ اس نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور یہ فضیلت اس نے ان معیاروں کے مطابق عطا کی ہے جنہیں وہ خود جانتا ہے اور جو اس کی حکمت کے مطابق ہیں۔

رہا یہ سوال کہ سب انبیاء میں سے یہاں صرف حضرت داؤد کو زبور عطا کرنے کی بات کیوں کی گئی ہے ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ پہلو ہوں۔

1۔ کتب انبیاء میں حضرت داؤدؑ کی زبور کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ تمام تر مناجات، دعاؤں اور پند و نصیحت پر مشتمل ہے اور تمام تر قول احسن اور اچھی گفتگو کا نمونہ ہے کہ جس کا حکم پہلی آیات میں دیا گیا ہے یہ کتاب اس حکم سے سب سے زیادہ مناسبت

رکھتی ہے۔

2۔زبور داؤد میں صالحین اور نیک بندوں کی حکومت کی خبر دی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر چہ وہ لوگ ظاہراً تہی دست فقیر اور یتیم ہوں گے اور یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سچے مومنین کی دعوت سے بالکل ہم آہنگ ہے کہ جو بہت تہی دست تھے اور یہ مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے۔

3۔حضرت داؤد علیہ السلام اگر چہ وسیع حکومت کے مالک تھے لیکن خدا تعالیٰ اس بات کو ان کیلئے اعزاز وافتخار قرار نہیں دیتا بلکہ کتاب زبور کو ان کیلئے اعزاز شمار کرتا ہے تاکہ مشرکین جان لیں کہ ایک انسان کی عظمت کا معیار مال ودولت اور ظاہری اقتدار وحکومت نہیں ہے لہٰذا یتیم اور غریب ہونا تحقیر وتذلیل کی دلیل نہیں ہے۔

(۵۶)اس آیت میں پھر مشرکین کے بارے میں گفتگو ہے گزشتہ مباحث کو جاری رکھتے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا ہے ان سے کہو کہ خدا کے علاوہ جن معبودوں کو لائق پرستش سمجھتے ہیں انہیں صدا دیں۔نہ ان کے بس میں یہ ہے کہ وہ تمہاری مشکلات اور مصائب دور کرسکیں اور نہ ہی ان میں وہ کوئی تغیر وتبدل پیدا کرسکتے ہیں۔

درحقیت یہ آیت قرآن کی دیگر بہت سی آیات کی طرح مشرکین کے عقیدے اور منطق کو اس حوالے سے باطل قرار دیتی ہے کہ معبودوں کی پرستش یا تو حصول مفاد کیلئے ہے یا دفع نقصان کیلئے جبکہ ان کے تو بس میں نہیں کہ کسی کی مشکل کو ٹال سکیں یہاں تک کہ وہ تو کسی مشکل میں کوئی تبدیلی بھی پیدا نہیں کرسکتے یعنی اس کی شدت میں کمی بھی نہیں کرسکتے کہ جس سے ان کی کوئی قدرت ظاہر ہوسکے لہٰذا "فلا یملکون کشف الضر" کے بعد "ولا تحویلا" اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نہ تو مشکلات کی پوری تاثیر برطرف کرسکتے ہیں نہ ان میں تغیر کرکے کچھ تھوڑی تاثیر کم کرسکتے ہیں۔

(۵۷)اس نکتے کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ اس آیت میں "الذین" کی تعبیر یہ بات بیان کرتی ہے کہ مراد اللہ کے علاوہ سب معبود نہیں ہیں بلکہ فرشتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان جیسے معبود مراد ہیں (کیونکہ "الذین" عام طور پر ذوی العقول کی جمع کیلئے بولا جاتا ہے)

یہ آیت درحقیقت پہلی آیت میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کیلئے دلیل ہے یہ آیت کہتی ہے جانتے ہو کہ تمہاری مشکلوں کو اذن پروردگار کے بغیر ٹالنے پر کیوں قادر نہیں ہیں اس لئے کہ وہ تو خود اپنی مشکلات بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں وہ خود کوشش کرتے ہیں کہ اس کی پاک ذات کا تقرب حاصل کریں اور وہ جو کچھ بھی چاہتے ہیں اسی سے چاہتے ہیں وہ ایسے افراد ہیں جو خدا کو پکارتے ہیں اور اس کے تقرب کیلئے اس کی اطاعت کو وسیلہ بناتے ہیں۔ایسا وسیلہ جو قریب ترین ہو۔اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔کیونکہ تیرے پروردگار کا عذاب اس قدر شدید ہے کہ سب اس سے بچتے ہیں اور وحشت زدہ ہیں۔

(۵۸) وَ اِنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا نَحۡنُ مُہۡلِکُوۡہَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡہَا عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا	قیامت سے پہلے ہم ہر شہر اور آبادی کو ہلاک کردیں گے، یا (اگر گنہگار ہیں تو) انہیں سخت عذاب میں گرفتار کریں گے یہ کتابِ الٰہی (لوح محفوظ) میں ثبت ہے۔

(۵۹) وَ مَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّآ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَ اٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا ؕ وَ مَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّا تَخۡوِیۡفًا	ہمارے لئے کوئی امر مانع نہیں کہ ہم (بہانہ ساز لوگوں کے تقاضوں پر) یہ معجزات بھیجتے سوائے اس کے کہ گزرے ہوئے لوگوں نے ان کی تکذیب کی' (انہی میں سے) ثمود کو ہم نے ناقہ دیا (اور وہ ایسا معجزہ تھا) جو واضح اور روشن تھا، لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا (اور ناقہ کو ہلاک کر دیا) ہم معجزات صرف ڈرانے (اور اتمامِ حجت) کیلئے بھیجتے ہیں۔
(۶۰) وَ اِذۡ قُلۡنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الۡمَلۡعُوۡنَةَ فِی الۡقُرۡاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمۡ ۙ فَمَا یَزِیۡدُهُمۡ اِلَّا طُغۡیَانًا كَبِیۡرًا ٪	وہ وقت یاد کر جب ہم نے تجھ سے کہا کہ تیرا پروردگار لوگوں پر پوری طرح محیط ہے (اور ان کی کیفیت سے پوری طرح آگاہ ہے) ہم نے جو خواب تجھے دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کیلئے تھا۔اسی طرح جس شجر ملعونہ کا ہم نے قرآن میں ذکر کیا ہے ہم انہیں ڈراتے (اور تنبیہ کرتے) ہیں، لیکن ان کے طغیان وسرکشی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا۔

تفسیر

بہانہ سازوں کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرو

پہلے مشرکین سے توحید ومعاد کے بارے میں گفتگو تھی۔زیر بحث پہلی آیت میں بیدار کرنے کے انداز میں انہیں پند ونصیحت کی گئی ہے اس میں ان کی نگاہ عقل کے سامنے اس دنیا کے فانی ہونے کو مجسم کیا گیا ہے تا کہ وہ جان لیں کہ یہ دنیا سرائے فانی ہے اور سرائے بقاء کوئی دوسری جگہ ہے مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنے کیلئے خود کو تیار کر لیں ارشاد ہوتا ہے روئے زمین پر کوئی ایسی آبادی نہیں جسے روز قیامت سے قبل ہم ہلاک نہ کر دیں یا اسے عذاب شدید میں گرفتار نہ کریں۔ستمگروں بدکاروں اور سرکش باغیوں کو عذاب شدید کے ذریعے ہلاک کر دیں گے اور دوسرے طبعی موت یا عام حوادث کا سامنا کریں گے۔

آخر کار یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور سب راہ فنا اختیار کریں گے اور یہ ایک تسلیم شدہ اور قطعی اصول ہے کہ جو کتاب الٰہی میں ثبت ہے۔یہ کتاب وہی لوح محفوظ پروردگار کا علم بے پایاں اور عالم ہستی میں اس کے نا قابل تغیر قوانین کا مجموعہ ہے اس قطعی اور نا قابل تغیر کتاب الٰہی کی طرف توجہ کرتے ہوئے گمراہوں ستمگروں اور آلودہ مشرکین کو ابھی سے اپنے اعمال کے انجام کا اندازہ کر لینا چاہئے

اگر وہ اس جہان کے اختتام تک بھی زندہ رہے تو بھی آخر کار ان کے لئے فنا ہے اور اس کے بعد انہیں حساب اور جزا وسزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۵۹) یہاں مشرکین کا ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اچھا ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہم ایمان لے آئیں گے لیکن ایک شرط کے ساتھ اور وہ یہ کہ ہم جس معجزے کی فرمائش کریں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ پیش کریں اور درحقیقت ہمارے عذر بہانوں کے سامنے سر جھکا دیں۔

قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے اس چیز میں ہمارے لئے کوئی امر مانع نہیں کہ ہم اس قسم کے معجزات بھیجیں سوائے اس کے کہ گزشتہ لوگوں نے ان معجزات کی تکذیب کی تھی۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ معجزات جو صداقت پیغمبر کی دلیل ہیں کافی مقدار میں بھیجے جا چکے ہیں اور اب تمہارے من پسند کے معجزات اور تقاضے ایسے نہیں کہ جن سے موافقت کی جائے کیونکہ تم مشاہدہ کے بعد بھی ایمان نہیں لاؤ گے اگر تم پوچھو کہ اس کی دلیل کیا ہے تو اس کی دلیل ان گزشتہ امتوں کا طرز عمل ہے جن کی حالت بالکل تم جیسی تھی وہ بھی بہانے تراشتے اور طرح طرح کے تقاضے کرتے تھے لیکن بعد میں وہ ایمان نہ لائے۔

اس کے بعد قرآن اس کی ایک واضح مثال پیش کرتا ہے ہم نے قوم ثمود کو ایک ناقہ دیا کہ جو واضح کرنے والا تھا۔

یہ وہی اونٹنی تھی جو حکم خدا سے پہاڑ سے برآمد ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے ایسا ہی معجزہ طلب کیا تھا یہ ایک واضح اور واضح کرنے والا معجزہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے انہوں نے اس ناقہ پر ظلم کیا اور اسے قتل کر دیا۔

اصولی طور پر ہمارا یہ پروگرام نہیں کہ جو شخص بھی کسی معجزے کی فرمائش کرے۔ ہمارا پیغمبر اسے قبول کر لے ہم تو لوگوں کو سوائے متنبہ کرنے اور ان پر اتمام حجت کرنے کے لئے آیات و معجزات نہیں بھیجتے۔ ہمارے انبیاء معجزہ گر لوگ نہیں کہ بیٹھ جائیں اور جو شخص بھی کوئی فرمائش معجزہ کرے اسے پورا کرتے رہیں ان کا فریضہ بس یہ ہے کہ لوگوں تک دعوت الٰہی پہنچائیں تعلیم و تربیت کریں اور حکومت عدل قائم کریں البتہ خدا سے اپنے رابطے کے اثبات کیلئے اس قدر معجزے پیش کریں کہ جو کافی ہوں اور بس۔

(۶۰) اس کے بعد دشمنوں کی سختی اور ہٹ دھرمی کے مقابلے میں خدا تعالے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی کرتا ہے اور کہتا ہے تیری باتیں سن کر اگر یہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے وہ وقت یاد کر جب ہم نے تجھ سے کہا تھا کہ تیرا پروردگار لوگوں کی کیفیت سے بخوبی آگاہ ہے اور ان پر احاطہ علمی رکھتا ہے۔

ہمیشہ یہ ہوا کہ انبیاء کی دعوت سن کر کچھ پاک دل لوگ ایمان لے آئے جبکہ متعصب اور ہٹ دھرم لوگ بہانہ تراشی مخالفت اور دشمنی کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے گذشتہ زمانے میں بھی ایسا ہی تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے۔

ان کے بعد مزید فرمایا گیا ہے ہم نے جو خواب تجھے دکھایا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے طور پر تھا۔

اسی طرح جس شجر ملعونہ کی طرف ہم نے قرآن میں اشارہ کیا ہے وہ بھی لوگوں کی آزمائش کیلئے ہے۔

آخر میں مزید فرمایا گیا ہے ان دل کے اندھے اور ہٹ دھرم لوگوں کو ہم مختلف طریقوں سے ڈراتے ہیں لیکن اصلاحی اور تربیتی پروگرام ان کی سرکشی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتے۔

کیونکہ انسان کا دل قبول حق کیلئے آمادہ نہ ہوتو نہ صرف یہ کہ حق بات اس پر اثر نہیں کرتی بلکہ عام طور پر اس کا الٹا نتیجہ نکلتا ہے اور ان کی سختی واصرار کی وجہ سے ان کی گمراہی اور ہٹ دھرمی بڑھ جاتی ہے (غور کیجئے گا)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب اور شجر ملعونہ

اس رؤیا کے بارے میں مفسرین میں بہت اختلاف ہے۔

کچھ مفسرین کا کہنا ہے کہ رویا یہاں خواب کے معنی میں نہیں ہے بلکہ آنکھ کا واقعی مشاہدہ ہے ان مفسرین نے اسے واقعہ معراج کی طرف اشارہ سمجھا ہے کہ جس کا ذکر اسی سورہ کی ابتداء میں آیا ہے۔

اس تفسیر کے مطابق قرآن کہتا ہے معراج کا واقعہ لوگوں کیلئے آزمائش تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دن چڑھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو واقعہ معراج سنایا اس پر بہت شور اٹھا دشمن اس کا مذاق اڑانے لگے کمزور ایمان والے اس پر شک کرنے لگے اور حقیقی مومنین نے اسے مکمل طور پر قبول کرلیا کیونکہ قدرالٰہی کے سامنے یہ سب مسائل معمولی ہیں۔

بعض سنی اور شیعہ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ ایک مشہور خواب کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ بندر آپؐ کے منبر پر اچھل کود رہے ہیں۔اس پر آپؐ بہت غمگین ہوئے اور اس واقعہ کے بعد آپؐ بہت کم ہنستے تھے۔

ان بندروں سے بنی امیہ مراد لی گئی ہے۔وہ یکے بعد دیگرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ اور منبر پر بیٹھے انہوں نے اس میں ایک دوسرے کی تقلید کی۔وہ بے حیثیت افراد تھے۔وہ اسلامی حکومت اور خلافت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تباہی کی طرف لے گئے۔

تفسیر فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اہل سنت کے مشہور مفسرین قرطبی نے تفسیر الجامع میں طبرسی نے مجمع البیان میں اور متعدد دیگر مفسرین نے نقل کی ہے۔

اسی بناء پر قرآن زیر بحث آیات میں شجر ملعونہ کا لوگوں کی آزمائش کے ذریعے کے طور پر تعارف کرواتا ہے کیونکہ ہٹ دھرم مشرک اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور سچے مومنین سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

ممکن ہے سوال کیا جائے کہ یہ درخت قرآن میں شجرہ ملعونہ کے نام سے نہیں آیا اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے مراد کھانے والوں پر لعنت ہو علاوہ ازیں لعنت رحمت خدا سے دوری کے علاوہ کچھ نہیں اور وضح ہے کہ ایسا درخت رحمت پروردگار سے بہت دور ہے۔

شجرہ ملعونہ سے مراد سرکش یہودی قوم ہے وہ ایسے درخت کی طرح ہیں جس کی بہت شاخیں اور پتے ہیں لیکن بارگاہ الٰہی سے دھتکارے ہوئے ہیں۔

(۶۱) وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ	وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ جس نے کہا: کیا ایسے کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟
(۶۲) قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا	(پھر) اس نے کہا یہ شخص جسے تو نے مجھ پر ترجیح دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت تک زندہ رکھا، تو تھوڑے سے افراد کے سوا اس شخص کی ساری اولاد کو گمراہ کرونگا اور ان کی بیخ کنی کروں گا۔
(۶۳) قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا	(خدا نے) فرمایا: نکل جا! ان میں سے جو شخص بھی تیری اتباع کرے گا اس کی سزا جہنم ہے اور یہ بہت سخت سزا ہے۔
(۶۴) وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا	ان میں سے جس پر تیرا بس چلے اُسے آواز دے کر اُبھارے اور اپنے سوار اور پیادہ لشکر کو ان پر لگا دے اور مال واولاد میں ان کے ساتھ شریک ہو، اور ان سے (جھوٹے) وعدے کر، لیکن شیطان کا وعدہ سوائے جھوٹ اور فریب کے کچھ نہیں ہے۔
(۶۵) اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا	(لیکن جان لے) تو ہرگز میرے بندوں پر تسلط حاصل نہیں کر سکے گا یہی کافی ہے کہ تیرا پروردگار ان کا محافظ و وکیل ہے۔

تفسیر

شیطان کے جال

یہ آیات ابلیس کی روگردانی کے بارے میں ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ خدا نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا علاوہ ازیں اس میں اس کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نیز اس واقعے کے بعد کے کچھ امور کا بھی ذکر ہے۔

قبل ازیں ہٹ دھرم مشرکین سے متعلق مباحث تھیں ان کے بعد شیطان کے بارے میں یہ آیات اس طرف اشارہ ہیں کہ شیطان استکبار اور کفر وعصیان کا مکمل نمونہ تھا۔ دیکھو کہ اس کا کیا انجام ہوا لہٰذا تم کہ جو اس کے پیروکار ہو تمہارا ابھی وہی انجام ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ آیات اس طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ یہ دل کے اندھے مشرکین کہ جو خلاف حق راستے پر ڈٹے ہوئے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ شیطان کئی طریقوں سے انہیں گمراہ کرنے کے درپے ہے اور درحقیقت وہ اپنے اس پروگرام پر عمل پیرا ہے کہ جس کا اعلان اس نے ان الفاظ میں کیا تھا۔

(۶۱) میں اکثر اولاد آدم کو گمراہ کروں گا۔

پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب سجدہ ریز ہو گئے۔

جیسا کہ خلقت آدم علیہ السلام سے مربوط آیات کی تفسیر میں ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ سجدہ ایک طرح کا خضوع اور اظہار احترام تھا اور اس سے خلقت آدم علیہ السلام کی عظمت اور دیگر مخلوقات کی نسبت ان کے امتیازی مقام کے اظہار کے طور پر تھا یا یہ عبادت کے طور پر خدا کو سجدہ تھا کہ اس نے ایسی عجیب وغریب مخلوق پیدا کی ہے۔

ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ اگرچہ یہاں ابلیس کا ذکر فرشتوں کے ساتھ آیا ہے لیکن قرآن کی شہادت کے مطابق ان میں سے نہیں تھا بلکہ بندگی خدا کے باعث ان کی صف میں جا پہنچا تھا وہ جنات میں سے تھا اور اس کی خلقت مادی تھی۔ابلیس کے سر پر غرور وتکبر سوار تھا۔خودغرضی وخود بینی نے اس کی عقل وہوش پر پردہ ڈال رکھا تھا اسے گمراہ تھا کہ مٹی آگ سے بہت کم حیثیت کی حامل ہے جبکہ مٹی تمام برکات کا منبع اور سرچشمہ حیات ہے اس نے اعتراض کے لہجے میں بارگاہ خداوندی میں کہا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

(۶۲) جس وقت اس نے دیکھا کہ فرمان خدا کے سامنے غرور وتکبر اور سرکشی کی وجہ سے وہ ہمیشہ کیلئے اس کی بارگاہ مقدس سے دھتکار دیا گیا ہے تو اس نے عرض کیا اگر تو مجھے روز قیامت تک مہلت دے تو جسے تو نے مجھ پر ترجیح دی ہے اور اعزاز بخشا ہے میں تھوڑے سے افراد کے سوا اس کی ساری اولاد کو گمراہ کر دوں گا اور اس کی بیخ کنی کر دوں گا۔

(۶۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیطان کو مہلت دے دی گئی تا کہ ساری اولاد آدم کیلئے میدان امتحان معرض وجود میں آجائے اور حقیقی مومنین کی تربیت کا وسیلہ فراہم ہو جائے کیونکہ حوادث کی بھٹی میں انسان ہمیشہ پختہ تر ہوتا ہے اور طاقتور دشمن کے مقابلے میں دلیر ہو جاتا ہے فرمایا: (جنت سے) نکل جا! ان میں سے جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے ان کی سزا جہنم ہوگی اور یہ بہت بڑی سزا ہے۔

اس ذریعے سے آزمائش کا اعلان کیا گیا ہے اور آخر میں اس عظیم خدائی آزمائش میں کامیابی اور شکست کے بارے میں بتایا گیا ہے اس کے بعد شیطان کے ان ہتھکنڈوں حربوں اور وسائل کا ذکر کیا گیا جن سے وہ کام لیتا ہے اس سلسلے میں بہت واضح اور جاذب توجہ انداز میں فرمایا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کو اپنی آواز کے ذریعے تحریک کر سکتا ہے اور وسوسے میں ڈال سکتا ہے۔اور اپنی پکار کے ذریعہ اپنے سوار اور پیادہ لشکر کو ان کی طرف ہانک سکتا ہے۔وہ ان کے اموال اور اولاد میں شریک ہو جاتا ہے۔اور اپنے

جھوٹے وعدوں کے ذریعے انہیں فریب دیتا ہے۔

اس کے بعد قرآن خبردار کرتا ہے شیطان فریب دھوکا اور غرور پر مبنی وعدوں کے علاوہ کچھ نہیں دیتا۔

(۶۵) پھر خدا اس سے کہتا ہے لیکن جان لے کہ میرے بندوں پر تیرا کچھ بس نہ چلے گا۔ اتنا ہی کافی ہے کہ تیرا پروردگار ان بندوں کا ولی وحافظ ہے۔

(۶۶) رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا	تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ وہ تم پر مہربان ہے۔
(۶۷) وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا	اور جس وقت تمہیں دریا میں کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے تو اس کے سوا ہر ایک کو بھول جاتے ہو لیکن جس وقت وہ تمہیں لے جا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہو۔ اور انسان (نعمتوں کا) کفران کرنے والا ہے۔
(۶۸) اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۙ	کیا تم اس سے مامون ہو کہ وہ خشکی پر (ایک شدید زلزلے کے ذریعہ) تمہیں زمین میں دھنسا دے، یا تم پر سنگریزوں کا طوفان بھیج دے اور پھر تمہیں کوئی محافظ (ومددگار) نہ ملے؟
(۶۹) اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا	یا کیا تم اس سے مامون ہو کہ وہ پھر تمہیں دریا کی طرف پلٹا دے، تمہاری طرف شدید آندھی بھیج دے اور تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کر دے، یہاں تک کہ کسی ایسے شخص کو بھی پیدا نہ کرے کہ جو تمہارے خون کا مطالبہ کرے۔

تفسیر

نعمتوں کے باوجود کفران کیوں؟

اس سے قبل توحید کے بارے میں اور شرک کے خلاف بحث ہو چکی ہے زیر نظر آیات بھی اس بحث کا تسلسل ہیں۔ ان آیات میں اس موضوع پر دو حوالے سے بحث کی گئی ہے ایک استدلال و برہان کے حوالے سے اور دوسرے وجدان وضمیر کے حوالے سے۔

پہلا توحید استدلالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تمہارا پروردگار وہ ہے کہ جو دریا میں کشتی کو حرکت عطا کرتا ہے

ایک مسلسل اور دائمی حرکت۔

واضح ہے کہ دریا یا سمندر میں کشتیوں کے چلنے کیلئے بہت سے باہم پیوستہ نظام موجود ہیں۔ایک طرف پانی کو مرکب کی طرح پیدا کیا گیا ہے دوسری طرف بعض چیزوں کامخصوص وزن پانی سے بہت ہلکا ہےاس طرح سے کہ وہ پانی کے اوپر رہ سکیں یا پھر انہیں ایسی شکل میں بنایا جا سکتا ہے کہ عملی طور پر ان کا وزن پانی سے کم ہو جائے بلکہ یہاں تک کہ بھاری بوجھ اور بہت سے انسانوں کو اٹھا سکیں تیسری طرف کشتی کو حرکت دینے والی قوت کی ضرورت ہے پرانے زمانے میں یہ ضرورت منظّم ہوا میں پورا کرتی تھیں۔ یہ ہوائیں سمندروں پر ایک خاص نظم کے ساتھ چلتی ہیں۔ ملاح ان سے آشنائی حاصل کرے ان کے ذریعے بادبانی کشتیوں کو چلاتے ہیں اور بھاپ بھی ہوا کی بہن ہی ہے چوتھی طرف راستے سے آگاہی ضروری ہے۔گزشتہ زمانے میں راہوں کو پہچاننے کیلئے سورج اورستاروں سے مدد لیتے تھےاور آج کے دور میں قطب نما اور نقشوں سے۔

بہرحال اگر یہ چاروں امور باہم مربوط نہ ہوتے اور کشتیوں کو چلانے کیلئے آپس میں ہم آہنگ نہ ہوتے تو انسان نقل و حمل کے اس انتہائی اہم وسیلے سے محروم ہوتا۔آپ جانتے ہیں کہ کشتیاں ہمیشہ سے انسان کیلئے نقل وحمل اورآمدورفت کا ایک انتہائی اہم وسیلہ رہی ہیں۔آج تو ایسے ایسے بحری جہاز ہیں جو اپنے آپ میں ایک چھوٹے سے شہر کے برابر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہے تا کہ تم فضل خدا سے بہرہ مند ہو۔اپنی آمدورفت کیلئے مال تجارت کی نقل وحمل کیلئے اوردین ودنیا میں تمہاری مدد کیلئے کیونکہ پروردگار تم پر مہربان ہے۔

(٦٧) نظام خلقت کے ایک چھوٹے سے گوشے کے حوالے سے یہ توحید استدلالی کے بارے میں بات تھی اس میں خالق کے علم قدرت اور حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اب بات کا رخ استدلال فطری کی طرف مڑتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہیں بھول نہ جانا کہ جب کبھی تم کسی دریا یا سمندر میں ہوتے ہو اور تمہیں پریشانیاں اور مشکلات آگھیرتی ہیں اور تم وحشت ناک طوفانی لہروں میں گھر جاتے ہو تو وہ تمام معبود تمہیں بھول جاتے ہیں جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو اور وہی ایک تمہارا سہارا رہ جاتا ہے۔اور ایسے میں انہیں کھو ہی جانا چاہئے کیونکہ طوفانی حوادث میں جب تقلید وتعصب کے پردے فطرت انسانی کے چہرے سے ہٹتے ہیں تو نور فطرت چمکنے لگتا ہے وہی نور فطرت کہ جو نور توحیدٗ نور خدا پرستی اور نور یگانہ پرستی ہے جی ہاں! ایسے لمحات میں تمام تصوراتی وخیالی معبودوں کو جنہیں انسانی توہم نے وجود بخشا ہوتا ہے ذہن سے محو ہو جاتے ہیں اس طرح سے جیسے تیز دھوپ میں برف پانی ہو جاتی ہے۔

یہ ایک عمومی قانون ہے کہ جس کا تقریباً ہر شخص نے تجربہ کیا ہے کہ مصائب وآلام کی شدت میں جب جان پر بن جاتی ہے اس وقت تمام ظاہری اسباب بیکار ہو جاتے ہیں اور مادی امداد ناتوان ہو جاتی ہے ایسے میں انسان علم وقدرت کے عظیم مبداء کو یاد کرتا ہے کہ جو سخت ترین مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہے۔

ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ اس مبداء کا نام کیا رکھتے ہیں ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ امید کا ایک دریچہ دل کی طرف کھل جاتا ہے اور ایک لطیف وطاقتور نور دل کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے انسانی روح وقلب کے اندر خداشناسی کا یہ ایک بہت ہی نزدیکی راستہ ہے۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے لیکن تم ایسے مردود فراموش ہو کہ ادھر دست قدرت الٰہی تمہیں ساحل تک پہنچاتا ہے اور ادھر تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو اور انسان دراصل ہے ہی کفران کرنے والا۔

ایک بار پھر غرور، غفلت، اندھی تقلید اور تعصب کے پردے اس نور الٰہی کو چھپا دیتے ہیں اور گناہ و نافرمانی کا غبار اور مادی زندگی کی سرگرمیاں اس کا تابناک چہرہ پنہاں کر دیتی ہیں۔

(۶۸) لیکن کیا تمہارا خیال ہے کہ خدا خشکی اور صحرا میں تمہیں عذاب شدید میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ کیا تم اس سے مامون رہو کہ اس کے حکم سے زمین پھٹ جائے اور تم اس میں دھنس جاؤ۔ اور کیا تم اس سے مامون ہو کہ تم پر پتھروں کی بارش ہو اور تم پتھروں کے نیچے دفن ہو جاؤ۔ جبکہ یہ ایسا عذاب ہے کہ جو غرقاب ہونے سے کئی گنا سخت تر ہے اور پھر تمہیں کوئی محافظ و نگہبان بھی نہ ملے۔

(۶۹) اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے اے بھول جانے والو! کیا تمہارا خیال ہے یہ تمہارا آخری بحری سفر تھا کیا اس سے مامون ہو کہ تمہیں تمہاری ضرورتیں پھر سمندر میں نہ لے جائیں اور وہاں خدا تباہ کن تیز ہواؤں کو حکم دے کہ تمہیں تمہارے کفر اور کفران نعمت کے باعث غرق کر دیں اور اس وقت پھر یہ عالم ہوگا کہ کوئی تمہارے خون کا مطالبہ کرنے والا نہ ہوگا' کوئی نہ ہوگا جو کہے کہ ایسا کیوں ہوا۔

(۷۰) وَ لَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِي الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا	ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، خشکی و دریا میں انہیں سواریاں عطا فرمائیں طرح طرح کے پاکیزہ رزق میں سے انہیں روزی دی اور انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی۔
(۷۱) يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ‌ۚ فَمَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ فَاُولٰۤـئِكَ يَقۡرَءُوۡنَ كِتٰبَهُمۡ وَ لَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا	وہ دن یاد کرو کہ جب ہر گروہ کو ہم اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے، پس جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہوگا وہ اسے (بڑی مسرت سے) پڑھیں گے اور ان پر رائی برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔
(۷۲) وَ مَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيۡلًا	لیکن وہ لوگ جو اس دنیا میں چہرہ (حق کو دیکھ کر بھی) اندھے بنے رہے، وہ وہاں بھی اندھے رہیں گے، بلکہ گمراہ تر۔

تفسیر

انسان گلشن حیات کا بہترین پھول

تربیت و ہدایت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی عظمت اور مقام یاد دلایا جائے قرآن مجید بھی یہ طریقہ اختیار کرتا ہے گزشتہ آیات میں مشرکین اور منحرف افراد کے بارے میں گفتگو تھی۔ اب زیر نظر آیات میں نوع انسانی کے بلند مقام کا تذکرہ ہے نیز

اس کوعطا ہونے والی نعمات الٰہی کا بیان ہے تا کہ وہ اپنے اس انتہائی اعلیٰ مقام کی طرف توجہ کرے اور اپنے مقام گراں بہا کو ضائع نہ کر دے اور اپنے تئیں کسی حقیر سی قیمت پر نہ بیچ ڈالے۔

ارشاد ہوتا ہے: ہم نے اولاد آدم کو عزت وتکریم بخشی اور اسے گرامی قدر بنایا۔

اس کے بعد انسانوں کو عطا ہونے والی تین طرح کی نعمات الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

پہلی نعمت۔ہم نے انہیں خشکی و دریا میں سواریاں عطا کی ہیں۔

دوسری نعمت۔پاکیزہ رزق میں سے ہم نے انہیں روزی دی ہے۔

لفظ ''طیب'' کے مفہوم میں ہر پاکیزہ موجود شامل ہے اس مفہوم پر توجہ کی جائے تو اس عظیم خدائی نعمت کی وسعت واضح ہو جاتی ہے۔

تیسری نعمت۔ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

خدا کی طرف سے انسان کی عزت وتکریم

مندرجہ بالا آیت میں خدا کہتا ہے کہ ہم نے انسان کو عزت بخشی یہ ایک سربستہ سی بات ہے اللہ نے انسان کو کس چیز سے عزت بخشی اس سلسے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

انسان کیوں افضل ہے؟

اس سوال کا جواب کوئی پیچیدہ نہیں ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انسان ہی وہ واحد موجود ہے جس میں مختلف مادی ومعنوی اور جسمانی وروحانی قوتیں اور توانائیاں موجود ہیں یہی انسان متضاد چیزوں میں رہ کر پرورش پاسکتا ہے صرف انسان ہی ہے جو کمال وارتقاء اور پیش رفت کی لامحدود صلاحیت رکھتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ایک مشہور حدیث بھی اس مدعا پر ایک گواہ ہے۔آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''اللہ نے عالم کو تین قسم کا پیدا کیا ہے فرشتے حیوان اور انسان فرشتے عقل رکھتے ہیں اور ان میں شہوت وغضب کی قوت نہیں ہے حیوان شہوت وغضب کا مجموعہ ہیں لیکن انسان دونوں کا مجموعہ ہے تا کہ معلوم ہو کہ کونسی قوت غالب آتی ہے اگر اس کی عقل شہوت پر غالب آجائے تو یہ فرشتوں سے افضل ہے اور اگر اس کی شہوت اس کی عقل پر غالب آجائے تو یہ حیوانات سے پست تر ہے''۔

(۷۱)اس آیت میں انسان کیلئے ایک اور خدائی نعمت کی طرف اشارہ ہے نیز اس نعمت کے بعد انسان پر جو سنگین ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

پہلے مسئلہ رہبری اور انسانی سرنوشت میں اس کی تاثیر کو بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔قیامت کے دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام اور رہبر کے ساتھ پکاریں گے۔

یعنی وہ لوگ کہ جنہوں نے ہر زمانے میں انبیاء اوران کے اوصیاء کی رہبری کو قبول کیا ہے وہ اپنے ان پیشواؤں کے ساتھ ہوں گے اور جنہوں نے شیطان آئمہ ضلال اور جابر و ظالم پیشواؤں کی رہبروں کو اختیار کیا ہے وہ ان کے ساتھ ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ رہبری اور پیروی کا جو رشتہ اس جہان میں ہوگا وہ پوری طرح اس جہان میں منعکس ہوگا۔اسی بنیاد پر اہل نجات اور اہل عذاب ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔

انسان کے کمال وارتقاء کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تعبیر سب انسانوں کیلئے ایک تنبیہ بھی ہے اور اسے خبردار کرتی ہے کہ رہبر کے انتخاب میں بہت زیادہ غور وفکر سے کام لے اور اپنی فکر ونظر اور زندگی کی مہار ہر کسی کے سپرد نہ کردے۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے کہ وہاں لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے جن کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ افتخار اور سرور کے ساتھ اپنا نامہ اعمال پڑھیں گے اور ان پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔

(۷۲) لیکن جو لوگ اس جہان میں کور دل تھے وہ آخرت میں بھی اندھے ہوں گے۔اور فطری امر ہے کہ دل کے یہ اندھے سب سے زیادہ گمراہ ہوں گے۔وہ نہ اس دنیا میں راہ ہدایت پائیں گے اور نہ آخرت میں بہشت وسعادت کی راہ کیونکہ انہوں نے خود سے اپنی آنکھیں تمام حقائق کے سامنے بند کر رکھی ہیں۔انہوں نے حق کا چہرہ دیکھنے کیلئے آنکھیں نہ کھولیں۔آیات خدا اور جو کچھ باعث ہدایت وعبرت تھا اس سے آنکھیں چرائے رکھیں اور خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے انہوں نے اپنے آپ کو محروم رکھا اور دار آخرت چونکہ اس جہان کا عکس العمل ہے تو کیا تعجب کی بات ہے کہ یہ کور دل وہاں عرصہ محشر میں نابینوں کی صورت میں پیش ہوں۔

رہبری اسلام کی نظر میں

امام باقر علیہ السلام سے ایک مشہور حدیث منقول ہے اس میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ علیہ السلام اسلام کے بنیادی ارکان کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے اس وقت آپ علیہ السلام نے پانچواں رکن ولایت رہبری کو قرار دیا اور اس کا تعارف اہم ترین رکن کی حیثیت سے کروایا جبکہ اس حدیث کے مطابق نماز کو جو خالق ومخلوق کے مابین تعلق کا مظہر ہے روزہ کہ جو شہوات سے مقابلے کا راز ہے زکوۃ کہ جو انسان سے انسان کے تعلق کا اظہار ہے اور حج کہ جو اسلام کے اجتماعی پہلوؤں کا ترجمان ہے۔دیگر چار بنیادی رکن ہیں۔

بعد میں امام علیہ السلام نے مزید فرمایا:

''کسی چیز کو ولایت کی سی اہمیت حاصل نہیں ہے کیونکہ دیگر ارکان کا اجراء اسی کے سائے میں ہوگا۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مشہور حدیث میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص اس دنیا سے امام ورہبر کے بغیر چلا جائے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

تاریخ میں ایسے بہت سے مواقع دکھائی دیتے ہیں کہ کبھی ایک ملت ایک عظیم اور لائق قیادت ورہبری کی بدولت دنیا کی قوموں میں پہلی صف میں آ کھڑی ہوئی اور کبھی وہی ملت اسی افرادی قوت اور انہی وسائل کے باوجود کمزور اور نالائق قائد ورہبر کی بدولت ایسی گری کہ شاید کوئی باور نہ کریں کہ یہ وہی ملت ہے۔

(۷۳) اِنۡ کَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَکَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَہٗ ٭ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوۡکَ خَلِیۡلًا	قریب تھا کہ ہم نے تجھے جو وحی کی ہے اس کے بارے میں (اپنے وسوسوں کے ذریعہ) تجھے فریب دیں تا کہ تو اس کی بجائے کسی اور کی ہماری طرف نسبت دے اور اس صورت میں وہ تجھے اپنا دوست قرار دے لیں۔
(۷۴)وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ لَقَدۡ کِدۡتَّ تَرۡکَنُ اِلَیۡہِمۡ شَیۡئًا قَلِیۡلًا ٭ۙ	اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے (اور تو مقامِ عصمت کی وجہ سے محفوظ نہ ہوتا) تو قریب تھا کہ تُو ان کی طرف کچھ مائل ہو جاتا۔
(۷۵) اِذًا لَّاَذَقۡنٰکَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوۃِ وَ ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا	اور اگر تو ایسا کرتا تو ہم تجھے (مشرکین کی نسبت) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دُوگنی سزا کا مزہ چکھاتے، پھر ہمارے مقابلے میں تجھے کوئی مددگار نہ ملتا۔

تفسیر

شرک کیلئے تھوڑے سے جھکاؤ کی سزا

گزشتہ آیات میں شرک اور مشرکین کے بارے میں بحث تھی۔ زیر نظر آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے وسوسوں سے بچیں تا کہ ایسا نہ ہو کہ شرک و بت پرستی کے خلاف معرکے میں تھوڑی سی بھی کمزوری پیدا ہو جائے لہٰذا ضروری ہے کہ مکمل قاطعیت کے ساتھ یہ معرکہ جاری رہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے قریب تھا کہ ان کے وسوسے تیرے دل پر اثر انداز ہوتے اور ہم نے جو تجھے وحی کی ہے اس کے بارے میں تجھے فریب دیتے تا کہ تو اس کی بجائے کسی اور کی ہماری طرف نسبت دے اور پھر وہ تجھے اپنا دوست مان لیتے۔

(۷۴) اور اگر ہم تیرے دل کو حق وحقیقت پر ثابت قدم نہ رکھے ہوتے۔ اور نور عصمت کے باعث تو ثابت قدم نہ ہوتا تو قریب تھا کہ تو تھوڑا سا ان پر اعتماد کرتا اور ان کی طرف مائل ہو جاتا۔

اور اگر تو ایسا کر لیتا تو ہم تجھے مشرکین کی دنیاوی اور اخروی سزا سے دوگنی سزا چکھاتے اور پھر ہمارے مقابلے میں تیرا کوئی مددگار نہ ہوتا۔

خدایا! ہمیں ہمارے سپرد نہ کر

منابع اسلامی میں ہے کہ جس وقت زیرنظر آیات نازل ہوئیں تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

اللهم لا تكلني الى نفسي طرفة عين ابدا

(خدایا! مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے اپنے سپرد نہ کر)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ معنی خیز دعا ہم سب کو ایک اہم درس دیتی ہے اور وہ یہ کہ ہمیں ہر حالت میں خدا کی بارگاہ میں پناہ لینی چاہئے اور اس کے لطف و کرم کا سہارا لینا چاہئے کیونکہ معصوم انبیاء بھی اس کی مدد کے بغیر لغزشوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے چہ جائیکہ ہم کہ جو شیطانی وسوسوں میں گھرے رہتے ہیں۔

(٧٦) وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا	قریب تھا کہ وہ تجھے مکر و فریب اور شاطرانہ سازش کے ذریعے اس سرزمین سے باہر نکال دیتے، لیکن اگر وہ ایسا کرتے تو (عذاب خدا میں گرفتار ہو جاتے اور) تیرے بعد زیادہ دیر باقی نہ رہتے۔
(٧٧) سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا	(ہماری) یہ سنت ان انبیاء کے بارے میں ہے کہ جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا ہے اور تو ہماری سنّت میں ہرگز کوئی تغیر نہیں پائے گا۔

شان نزول

مشہور ہے کہ زیرنظر آیات اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکال دینے کیلئے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ بعد میں ان کا پروگرام بدل گیا۔ اب انہوں نے ارادہ کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس محاصرے میں سے اعجاز آمیز طریقے سے باہر آ گئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی ابتداء ہوتی ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیات مدینہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئیں جنہوں نے آپؐ کو مدینہ سے نکالنے کیلئے ایک سازش تیار کی۔ اس کے تحت وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یہ سرزمین تو انبیاء کی سرزمین نہیں ہے انبیاء کا علاقہ تو شام ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپؐ کی دعوت ترقی کرے تو وہاں چلے جایئے۔

لیکن ۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ سورت مکی ہے دوسری شان نزول درست معلوم نہیں ہوتی ۔ علاوہ ازیں جیسا کہ ہم تفسیر میں دیکھیں گے زیر نظر آیات کے الفاظ بھی اس شان نزول سے مناسبت نہیں رکھتے ۔

تفسیر

ایک اور منحوس سازش

گزشتہ آیات میں ہم نے دیکھا ہے کہ مشرکین طرح طرح کے وسوسوں کے ذریعے رسول اکرم ﷺ پر اثر انداز ہونا چاہتے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ آپ ﷺ کو جادہ مستقیم سے ادھر ادھر کر دیں لیکن لطف الٰہی نے نبی کریم کی مدد کی اور مشرکوں کی سازشیں نقش بر آب ہو گئیں ۔

اس واقعہ کے بعد زیر بحث آیات بتاتی ہیں کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لئے ایک پلان تیار کیا اس کے مطابق ان کا پروگرام تھا کہ آپ ﷺ کے پیدائش وطن سے دور کسی ایسی جگہ جلا وطن کر دیں کہ جو ویران غیر متحرک اور دور افتادہ ہو ان کا وہ منصوبہ بھی لطف الٰہی سے ناکام ہو گیا ۔

زیر نظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے قریب تھا کہ وہ ایک شاطرانہ سازش کے ذریعے تجھے اس سرزمین سے باہر نکال دیں ۔

اس کے بعد قرآن انہیں خبردار کرتا ہے کہ اگر وہ اس قسم کا کام انجام دیتے تو تیرے بعد زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکتے ۔

اور وہ بہت جلد نابود ہو جاتے کیونکہ بہت ہی بڑا گناہ ہے کہ لوگ اپنے ہمدرد اور نجات بخش رہبر کو اپنے شہر سے نکال دیں اور اس طرح سے خدا کی سب سے بڑی نعمت کا کفران کریں ۔ لوگ ایسے کام کے بعد زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتے اور خدا کا نابود کن عذاب ان کے پاس آ کے رہے گا ۔

(۷۷) یہ بات صرف مشرکین عرب سے مربوط نہیں ہے یہ ان انبیاء کے ساتھ سنت رہی ہے جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور ہماری سنت کبھی نہیں بدلتی ۔

اس سنت کا سرچشمہ ایک واضح منطق ہے اور وہ یہ کہ اس قسم کی ناشکری قوم کہ جو اپنے چراغ ہدایت کو خود بجھا دے جو اپنی نجات کے لنگر کو خود گنوا دے اور اپنے ایسے طبیب کو آزار پہنچائے جو ان کے جانکاہ امراض کا علاج کرنے والا ہو ۔ یقیناً ایسی قوم رحمت الٰہی کے لائق نہیں اور اسے عذاب آلے گا (دنیا میں اس قسم کے لوگوں کی مثالیں عام ہیں) ۔ اور قرآن بھی جگہ جگہ لوگوں کو گذشتہ لوگوں کے واقعات ذکر کرتا ہے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ دیکھو خدا کی راہ سے دور ہونے والوں اور ناشکر لوگوں کا انجام کیا ہوا؟

(۷۸) اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا	نماز قائم کر زوال خورشید سے لے کر (نصف) شب کی انتہائی تاریکی تک اور اسی طرح قرآن فجر (نماز فجر) کیونکہ قرآنِ فجر کا رات اور دن کے فرشتے مشاہدہ کرتے ہیں ۔

(۷۹) وَ مِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا	رات کے ایک حصے میں نیند سے اٹھ کھڑا ہو اور قرآن (نماز) پڑھ۔ یہ تیرے لئے ایک اضافی فریضہ ہے تاکہ تیرا پروردگار تجھے مقام محمود کی بلندی عطا کرے۔
(۸۰) وَ قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِىۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِىۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا	اور کہہ دے: پروردگارا! مجھے (ہر کام میں) سچے طریقے سے داخل فرما اور سچے طریقے سے نکال اور اپنی طرف سے کسی کو میرا سلطان و مددگار قرار دے۔
(۸۱) وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَـقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا	اور (اے پیغمبر) کہہ دے حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، (اصولاً) باطل ہے ہی (فنا اور) نابود ہونے والا۔

تفسیر

باطل کا انجام نابودی ہے

گزشتہ آیات میں توحید و شرک کے مسائل پر گفتگو تھی۔ مشرکوں کی سازشوں اور وسوسوں کا ذکر تھا۔ زیر نظر آیات میں نماز توجہ الی اللہ، عبادت خدا اور اس کے حصول میں تضرع وزاری کا ذکر ہے یہ سب کچھ شرک کے مقابلے کیلئے موثر عامل ہے اور انسانی قلب وروح سے ہر قسم کے شیطانی وسوسے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

جی ہاں! نماز ہی ہے جو انسان کو خدا کی یاد دلاتی ہے انسانی قلب وروح سے غبار گناہ کو صاف کرتی ہے اور شیطانی وسوسوں کو دور کرتی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے زوال خورشید سے نصف شب تک نماز قائم کر اور اسی طرح قرآن فجر یعنی نماز فجر کیونکہ یہ وہ نماز ہے جس پر رات اور دن کے فرشتہ کی توجہ ہے۔

"دلوک الشمس" کا معنی نصف النہار سے زوال آفتاب ہے کہ جو نماز ظہر کا وقت ہے یہ "ذلک" کے مادہ سے لیا گیا ہے اس کا معنی ہے "ملنا"۔ کیونکہ اس موقع پر سورج کی شدت تپش کے باعث انسان اپنی آنکھوں کو ملتا ہے یا پھر یہ ترکیب "ذلک" سے مائل ہونے اور جھکنے کے معنی میں ہے چونکہ سورج اس موقع پر مقام نصف النہار سے مغرب کی طرف جھکتا ہے یا یہ کہ انسان اپنے ہاتھ کو سورج کے سامنے حائل کرتا ہے گویا اس کی روشنی کو اپنی آنکھوں سے دور کرتا ہے اور آنکھ کو دوسری طرف مائل کرتا ہے۔

(۷۹) پنجگانہ واجب نمازوں کے ذکر کے بعد مزید فرمایا گیا ہے رات کے کچھ حصے میں نیند سے اٹھ کھڑا ہو اور قرآن پڑھ۔

مشہور اسلامی مفسرین نے اس تعبیر کو نوافل شب (نماز تہجد کی طرف اشارہ سمجھا ہے ان نوافل کی روایات میں بہت فضیلت بیان ہوئی ہے آیت میں اگر چہ صراحت نہیں ہے لیکن ہمارے پاس موجود مختلف قرائن کے پیش نظر یہ تفسیر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے: تیرے لئے یہ واجب نمازوں کے علاوہ ایک اضافی ذمہ داری ہے۔

بہت سے علماء نے اس جملے کو اس امر کی دلیل جانا ہے کہ نماز شب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب ہے کیونکہ 'نافلة' کا معنی ہے ''زیادہ'' گویا یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اضافی فریضہ صرف تجھ سے مربوط ہے۔

بہرحال آیت کے آخر میں اس الٰہی، روحانی اور قلب و روح کو پاک کرنے والے کام کا نتیجہ یوں بیان کیا گیا ہے قریب ہے کہ اس عمل کے باعث خدا تجھے مقام محمود پر فائز کر دے۔

اس میں شک نہیں کہ مقام محمود ایک بہت بڑا اعلیٰ اور لائق ستائش مقام ہے کیونکہ ''**محمود**'' ''**حمد**'' کے مادہ سے ستائش و تعریف کے معنی میں ہے یہ لفظ یہاں چونکہ مطلق کے طور پر آیا ہے لہٰذا اشارہ ہے کہ اولین و آخرین سب تیرے مداح خواں ہیں۔

اسلامی روایات چاہے اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہوں یا برادران اہل سنت کی کتابوں میں ان میں مقام محمود کی تفسیر مقام شفاعت کبریٰ کے طور پر کی گئی ہے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے جہان میں سب سے بڑے شفیع ہیں اور جو لوگ شفاعت کے لائق ہوں گے انہیں یہ عظیم شفاعت میسر آئے گی۔

نماز تہجد ایک عظیم روحانی عبادت ہے

دن بھر کا شور مختلف حوالوں سے انسان کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے اور انسانی افکار کو طرح طرح کی وادیوں میں لئے پھرتا ہے ایسے میں دل جمعی اور حضور قلب بہت مشکل ہوتا ہے لیکن رات کی تاریکی میں وقت سحر جب مادی زندگی کا ہنگامہ نہیں ہوتا اور کچھ دیر سو جانے کے بعد جب انسانی جسم روح کو سکون ملتا ہے اس وقت انسان نشاط اور توجہ کی ایک خاص بے مثل کیفیت میں ہوتا ہے ریا سے پاک خودنمائی سے دور اور حضور قلب کے اس ماحول میں انسان میں آمادگی کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو بہت زیادہ روح پرور اور کمال آفریں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دوستان خدا اور محبان خدا ہمیشہ رات کے پچھلے پہر عبادت کے ذریعے روح کی پاکیزگی دل کی زندگی ارادے کی تقویت اور خلوص کی تکمیل کیلئے قوت حاصل کرتے ہیں۔

ابتدائے اسلام میں بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی روحانی طریقہ سے استفادہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی تربیت کی اور ان کی شخصیت کو اتنا بلند کر دیا کہ وہ پہلے والے انسان معلوم ہی نہ ہوتے تھے گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اندر سے نئے انسان پیدا کر دیئے۔ وہ انسان جن کا ارادہ پختہ تھا جو بہادر باایمان پاکباز اور باخلوص تھے اور شاید مقام محمود کہ جس کا ذکر زیر بحث آیات میں نماز شب کے نتیجے کے طور پر ہے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہو۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا صحت بدن اور خوشنودی خدا اور اس کی رحمت کا وسیلہ ہے۔اس عبادت سے انسان نبیوں کے اخلاق سے وابستہ ہو جاتا ہے۔''

امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

''نماز شب کیلئے اٹھنا ترک نہ کرو وہ شخص خسارے میں ہے جو قیام شب سے محروم ہے''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو شخص نماز شب پڑھتا ہے دن کے وقت اس کی صورت وسیرت اچھی ہوگی۔''

ایک شخص حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔اس نے عرض کی میں نماز شب سے محروم ہو گیا ہوں۔آپ علیہ السلام نے فرمایا:''تجھے تیرے گناہوں نے گرفتار کر لیا ہے''

نماز شب کے بہت سے آداب ہیں مناسب ہوگا اس کی اجمالی کیفیت ہم یہاں بیان کر دیں تاکہ اس روحانی عمل کے سچے عاشق اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

انتہائی سادہ شکل میں نماز تہجد کی گیارہ رکعتیں ہیں ان کے مندرجہ ذیل تین حصے ہیں۔

ا۔ دو دو کر کے آٹھ رکعتیں انہیں نافلہ شب کہتے ہیں۔

ب۔ دو رکعت نافلہ شفع

ج۔ ایک رکعت جسے نافلہ وتر کہتے ہیں۔

انہیں بالکل نماز صبح کی طرح ادا کرنا ہے البتہ ان میں اذان واقامت نہیں ہے نیز نماز وتر کے قنوت کو جتنا طول دیا جا سکے بہتر ہے۔

(۸۰)اس آیت میں کامیابی کے تین اہم عوامل بتائے گئے ہیں مسلمانوں نے آج کل ان عوامل سے زیادہ تر دوری اختیار کر رکھی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مستکبر دشمنوں سے مسلسل ہزیمتیں اٹھا رہے ہیں۔

یہ تین عوامل یہ ہیں

2,1 کاموں میں سچائی کے ساتھ داخل ہونا اور نکلنا اور یہ طرز عمل مسلسل اختیار کئے رکھنا۔

''وقل رب اد خلنی مد خل صدق و اخر جنی''

3۔قدرت الٰہی پر بھروسہ اور خود اعتمادی نیز دوسروں سے ہر قسم کی وابستگی اور انحصار کا خاتمہ

''مخرج سدق واجعل لی من لد نک سلطانا نصیرا''

لہٰذا کامیابی کیلئے سچائی کی سیاست سے زیادہ موثر کوئی چیز نہیں اور استقلال غیر پر عدم انحصار اور توکل علی اللہ سے بہتر وبرتر کوئی

سہارا نہیں مسلمان ان دشمنوں کے خلاف کیونکر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے ان کے وسائل حیات لوٹ لئے ہیں جبکہ وہ فوجی' اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے خود انہی دشمنوں سے وابستہ ہیں اور انہی پر انحصار کرتے ہیں وہ ہتھیار جو ہم نے ایک دشمن سے خریدا ہے اس کی مدد سے اس دشمن پر ہم کیسے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ کیسا خام خیال اور غلط انداز فکر ہے۔

(۸۱) آیت جاء الحق............قیام مہدی علیہ السلام

بعض روایات میں "جاء الحق و زهق الباطل" کے جملے کی تفسیر قیام حضرت مہدی علیہ السلام کے حوالے سے کی گئی ہے۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"اذ قام القائم ذهبت دولة الباطل"(جس وقت امام قائم علیہ السلام قیام کریں گے باطل کی حکومت ختم ہو جائے گی۔)

ایک اور روایت میں:

''جب مہدی پیدا ہوئے تو ان کے بازو پر کندہ تھا:'قل جاء الحق و زهق الباطل انالباطل كان زهوقا"

مسلم ہے کہ ان احادیث کا مطلب یہ نہیں کہ آیت کا مفہوم اسی ایک مصداق میں منحصر ہے بلکہ ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قیام مہدی اس آیت کے واضح ترین مصادیق میں سے ہے کہ جب پوری دنیا میں باطل پر حق کو آخری فتح حاصل ہوگی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں ہے کہ فتح مکہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد الحرام میں داخل ہوئے وہاں عرب قبائل کے ۳۶۰ بت خانہ کعبہ کے گرد رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عصائے مبارک سے ہر ایک کو یکے بعد دیگرے سرنگوں کرتے تھے اور مسلسل فرما رہے تھے

"وقل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا"

(آ گیا حق اور مٹ گیا باطل، باطل کو تو مٹنا ہی تھا)

مختصر یہ کہ یہ اللہ کا ایک کلی قانون اور خلقت کا غیر متبدل اصول ہے ہر دور میں اس کا اپنا مصداق ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام اور شرک و بت پرستی کے لشکر پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابی اس کا ایک روشن رخ ہے اور اسی طرح عالمی ستمگروں اور جابروں کے خلاف قیام مہدی علیہ السلام کا ایک اور تابناک مصداق ہے۔

اسی طرح قانون الٰہی ہے کہ وہ راہ حق کے راہیوں کو مشکلات میں پر امید قوی اور پر استقامت رکھتا ہے اور اسلام کیلئے ہماری کاوشوں پر ہمیں نشاط اور قوت بخشتا ہے۔

(۸۲) وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا	ہم قرآن نازل کرتے ہیں جو مومنین کیلئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کیلئے نقصان وزیان کے سوا کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔

تفسیر

قرآن شفا بخش نسخہ ہے

گزشتہ آیات میں توحید اور حق کے بارے میں گفتگو تھی نیز شرک اور باطل کے خلاف جدوجہد کے بارے میں بات تھی۔ زیر بحث آیت میں قرآن کی انتہائی اثر انگیزی اور تعمیری تاثیر کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم قرآن نازل کرتے ہیں کہ جو مومنین کیلئے شفا اور رحمت کا سبب ہے۔ لیکن ظالم جیسا کہ ان کا ہمیشہ سے وطیرہ ہے اس وسیلۂ ہدایت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اس سے اپنی زیاں کاری میں اضافہ کے سوا کچھ نہ پائیں گے۔

(۸۳) وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا	جس وقت ہم انسان کو کوئی نعمت بخشتے ہیں تو وہ (حق سے) منہ پھیر لیتا ہے اور تکبر کے عالم میں دور ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اسے کوئی چھوٹی سی برائی پہنچتی ہے تو اور (ہر طرف سے) مایوس ہو جاتا ہے۔
(۸۴) قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۧ	کہہ دو: ہر شخص اپنی روش (اور خلق و عادت) کے مطابق عمل کرتا ہے جن کی روش زیادہ اچھی ہے، تمہارا پروردگار انہیں بہتر طور پر پہچانتا ہے۔

تفسیر

ہر شخص اپنی فطرت کی راہ لیتا ہے

زیر نظر آیات سے غیر تربیت یافتہ انسانوں کی ایک نہایت گہری اخلاقی بیماری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جس وقت ہم انسان کو کوئی نعمت بخشتے ہیں تو اس میں غرور وتکبر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگا سے منہ موڑ لیتا ہے اور عالم تکبر میں اس سے دور ہو جاتا ہے۔

لیکن جب اس سے نعمت سلب کر لیتے ہیں یہاں تک کہ اسے چھوٹی سی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے تو سرتاپا اس پر ناامیدی چھا جاتی ہے۔

(۸۴) زیرِ نظر دوسری آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روئے سخن ہے۔ارشاد ہوتا ہے کہہ دو ہر شخص اپنی روش خلق اور عادت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

مومنین آیات قرآن سے شفا طلب کرتے ہیں اور رحمت کسب کرتے ہیں جبکہ ظالم وستمگر سوائے نقصان کے ان سے کچھ نہیں پاتے۔کم ظرف انسان کہ جنہیں نعمت ملے تو مغرور ہو جاتے ہیں اور مشکل پڑے تو مایوس وبدحال ہو جاتے ہیں۔یہ سب کچھ اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق کرتے ہیں یہ طبیعت اور مزاج انسان کے باربار کے عمل کے زیر اثر بنتا ہے۔

ایسی حالت میں خدا سب کے حالات پر شاہد وناظر ہے۔جی ہاں! تمہارا رب ان لوگوں کی کیفیت سے زیادہ آگاہ ہے جن کی روش بہتر اور ہدایت کے اعتبار سے زیادہ پربار ہے۔

(۸۵) وَ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا	تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔کہہ دے: روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں تو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

تفسیر

روح کیا ہے؟

گزشتہ آیات کے بعد اب مشرکین یا اہل کتاب کے بعض اہم سولات کے جوابات دیئے جارہے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو روح میرے رب کے فرمان میں سے ہے اور تمہیں بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

گزشتہ اور موجودہ دور کے عظیم مفسرین نے روح کے معنی کے بارے میں بات کریں گے اس کے بعد قرآن میں یہ لفظ جہاں جہاں آیا ہے اسے دیکھیں گے اور اس سلسلے میں وارد شدہ روایات بیان کریں گے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ زیر بحث آیت میں روح سے کیا مراد ہے یہ کس روح کا تذکرہ ہے کہ جس کے بارے میں کچھ لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں تھوڑے سے علم کے سوا کچھ پتہ نہیں۔

آیت کے داخلی وخارجی قرائن سے ایسا لگتا ہے کہ سوال کرنے والوں نے انسان کی روح سے متعلق سوال کیا ہے وہی عظیم روح کہ جو انسان کو حیوانات سے جدا کرتی ہے جو ہمارا افضل ترین شرف ہے اور جو ہماری تمام تر طاقت اور فعالیت کا سرچشمہ ہے جس

کی مدد سے ہم زمین وآسمان کو اپنی جولان گاہ بنائے ہوئے ہیں۔ جس کے ذریعے ہم علمی اسرار کی گتھیاں سلجھاتے ہیں جس کے ذریعے ہم موجودات کی گہرائیوں تک پہنچنے کا راستہ پاتے ہیں۔ چاہتے تھے کہ عالم آفرینش کے اس عجوبہ کی حقیقت معلوم کریں۔

روح کی ساخت مادہ کی ساخت سے مختلف ہے وہ اصول جو اس پر حاکم ہیں وہ مادہ پر حاکم اصولوں اور طبیعاتی اور کیمیائی خواص سے مختلف ہیں لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک مختصر اور پر معنی جملہ کہیں کہ ''روح عالم امر میں سے ہے''۔ یعنی اس کی خلقت اسرار آمیز ہے۔

اس کے بعد اس بناء پر کہ انہیں اس جواب پر تعجب نہ ہو مزید فرمایا کہ تمہارا علم بہت ہی کم ہے لہٰذا کون سے تعجب کی بات ہے کہ تم روح کے اسرار نہ جان سکو اگر چہ وہ ہر چیز کی نسبت تم سے زیادہ قریب ہے۔

تفسیر عیاشی میں امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے آیت ''یسئلونک عن الروح'' کی تفسیر کے سلسلے میں فرمایا:

''روح مخلوقات خدا میں سے ہے اور یہ بینائی کی قوت رکھتی ہے خدا اسے انبیاء اور مومنین کے دلوں میں قرار دیتا ہے''۔

آیت کی تفسیر کے بارے میں جو کچھ ہم نے کہا ہے یہ روایات نہ فقط اس کے منافی نہیں ہیں بلکہ اس سے ہم آہنگ ہیں کیونکہ انسانی روح کے مختلف درجے اور مراتب ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور آئمہ علیہم السلام کی روح کا مرتبہ غیر معمولی اور بہت بلند ہے اور گناہ وخطا سے معصوم ہونا جس کے آثار میں سے ہے نیز بہت زیادہ علم وآگاہی بھی اس کے آثار میں سے ہے اور مسلم ہے کہ روح کا یہ مرتبہ تمام فرشتوں سے افضل ہوگا یہاں تک کہ جبریل اور میکائیل سے بھی (غور کیجئے گا)۔

(۸۶)وَ لَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیۡنَا وَکِیۡلًا	اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ وحی کی صورت میں تجھے دیا گیا ہے وہ تجھ سے لے لیں۔ پھر تو ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پائے گا۔
(۸۷)اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ کَانَ عَلَیۡکَ کَبِیۡرًا	مگر یہ کہ تیرے رب کی رحمت (تیرے شامل حال) ہو، کیونکہ تیرے رب کا فضل تجھ پر بہت زیادہ ہے۔

تفسیر

تجھے جو کچھ حاصل ہے اس کی رحمت سے ہے

گزشتہ آیات میں قرآن کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر نظر دو آیات میں بھی اسی سلسلے میں بات کی گئی ہے فرمایا گیا ہے ہم اگر چاہیں تو جو کچھ وحی کی صورت میں تجھے دیا گیا ہے وہ تجھ سے لے لیں۔ ورا ایسا ہو جائے تو پھر تو ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ

پائے گا۔

ہم ہی نے تجھے یہ علوم بخشے ہیں تا کہ تو لوگوں کا ہادی و رہبر بنے اور ہم ہی اگر مصلحت سمجھیں تو یہ تجھ سے واپس لے لیں اور اس میں کسی شخص کو کوئی دخل اور تصرف نہیں ہے۔

(۸۷) زیر نظر دوسری آیت استثناء کی صورت میں آئی ہے اس میں فرمایا گیا ہے اگر یہ علم ہم تجھ سے واپس نہیں لیتے تو یہ تیرے رب کی رحمت ہے۔ خود تیری ہدایت ونجات کیلئے بھی رحمت ہے اور عالم بشریت کی ہدایت ونجات کے لئے بھی یہ رحمت در حقیقت اسی رحمت خلقت کا تسلسل ہے۔

وہ خدا کہ جس نے اپنی عام اور خاص رحمت کے تقاضے کے مطابق انسانوں کو پیدا کیا اور انہیں لباس ہستی عطا کیا' کیا وہ لباس کہ جو تکامل وارتقاء کیلئے بہترین ہے اسی خدا نے راہ حیات طے کرنے کیلئے اپنی رحمت کے تقاضے پر ان کو نہیں دیا آ گاہ معصوم انتھک ہمدرد مہربان اور با استقامت رہبران ان کی ہدایت کیلئے مبعوث کئے یہی رحمت ہے کہ جس کا تقاضا ہے کہ روئے زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہ رہے۔

آیت کے آخر میں تاکید کے طور پر یا گزشتہ بات کی دلیل کے طور پر بیان کیا گیا ہے تیرے رب کا فضل تجھ پر بہت زیادہ ہے۔

ایک طرف تو تیری عبادت تہذیب نفس اور جہاد نے تیرے دل کی آبیاری کی اور یہ اس کے فضل کا سبب بنی اور دوسری طرف ایک رہبر کیلئے انسانوں کی ناگزیر احتیاج کے تقاضے پر تجھ پر خدا کا انتہائی فضل ہوا اس نے علم کے دروازے تیرے لئے وا کئے، تجھے انسانی ہدایت کے اسرار سے آ گاہ کیا اور تجھے خطاؤں سے محفوظ رکھا تا کہ تو اختتام جہان تک لوگوں کے لئے اسوہ نمونہ بن جائے۔

(۸۸) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا	کہہ دو: اگر انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو اس کی مثل نہیں لا سکیں گے اگر چہ اس کام میں وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔
(۸۹) وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا	اس قرآن میں ہم نے لوگوں کے سامنے طرح طرح کی مثالیں اور نمونے پیش کئے ہیں لیکن اکثر لوگ انکار حق کے سوا کچھ نہیں کرتے۔

تفسیر

قرآن کی مثل کبھی نہیں لائی جا سکتی

قبل اور بعد کی آیات قرآن کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں جبکہ زیر بحث آیات صراحت کے ساتھ اعجاز قرآن کے متعلق

بات کررہی ہیں اس لحاظ سے زیرِنظر آیات کا گزشتہ اور بعد کی آیات سے ربط محتاج بیان نہیں ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ یہاں روئے سخن اپنے رسول کی جانب کرتے ہوئے کہتا ہے ان سے کہو اگر تمام انسان اور جن مل کر قرآن کی مثل لانا چاہیں تو بھی وہ اس جیسا کلام لانے پر قادر نہیں ہوسکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

یہ آیت پوری صراحت کے ساتھ پورے عالم کو چیلنج کرتی ہے سب لوگ چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے عرب ہوں یا غیر عرب حتیٰ کہ انسان ہوں یا غیر انسان ذوی العقول موجودات' علماء' فلاسفہ' ادباء' مورخین نوابغ یا غیر نوابغ۔ غرض یہ کہ قرآن بلا استثناء سب کو مقابلے کی دعوت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر تمہارا خیال ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے اور انسانی دماغ کی ایجاد ہے تو تم بھی انسان ہو اس کی مثل لے آؤ اور اگر مشترکہ کاوش کے باوجود اپنے آپ کو ناتواں پاؤ تو یہ اعجاز قرآن کی بہتر دلیل ہے۔

عقائد اور کلام کے علماء مقابلے کی اس دعوت کو "تحدی" چیلنج کے نام سے موسوم کرتے ہیں یہ "تحدی" ہر معجزے کا ایک رکن ہے جہاں کہیں اس قسم کی تعبیر آئے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ امر معجزات میں سے ہے۔

(۸۹) زیرِ نظر دوسری آیت درحقیقت اعجاز قرآن کے ایک اور پہلو کو بیان کرتی ہے اور وہ ہے اس کی جامعیت ارشاد ہوتا ہے اس قرآن میں ہم نے تمام طرح کے معارف کا نمونہ بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اکثر جاہل و نادان لوگوں نے نہ صرف انکار حق ہی کیا ہے بلکہ ان کا ردعمل ایسا ہے گویا انہوں نے دلائل ہدایت کو دیکھا تک نہیں۔

واقعاً مضامین قرآن کا یہ تنوع اور وہ بھی ایک ایسے شخص کے ذریعے کہ جس نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا عجیب و غریب ہے کیونکہ اس آسمانی کتاب میں عقائد کے بارے میں متین اور پختہ عقلی دلائل بھی ہیں اور نوع بشر کی تمام ضروریات کی بنیاد پر متین و استوار احکام بھی ہیں تاریخ کے بارے میں بھی اس کی گفتگو بے نظیر' جذبوں کو ابھارنے والی بیدار کن' دلچسپ' ہلا دینے والی خرافات سے پاک ہے نیز اس کی اخلاقی مباحث بھی دلوں پر وہی تاثرات مرتب کرتی ہیں جو ابر بہار بے جان زمین پر اسی طرح اس کے عملی مسائل ایسے حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں جن کی کم از کم اس زمانے میں علماء کو خبر نہ تھی۔

(۹۰) وَ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا ۙ	اور انہوں (مشرکین) نے کہا: کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جبتک تو ہمارے لئے اس (خشک اور بنجر) زمین سے ایک چشمہ جاری نہ کردے۔
(۹۱) اَوۡ تَکُوۡنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡہٰرَ خِلٰلَہَا تَفۡجِیۡرًا ۙ	یا تیرے لئے کھجور اور انگور کا باغ پیدا ہو جس کے درختوں کے درمیان تو نہریں جاری کردے۔

(۹۲) اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ قَبِيۡلًا ۙ	یا جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے تو آسمان سے پتھروں کے ٹکڑے ہمارے سروں پر گرادے، یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئے۔
(۹۳) اَوۡ يَكُوۡنَ لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيۡنَا كِتٰبًا نَّقۡرَؤُهٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّىۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۚ	یا تیرے لئے سونے کا ایک مزین گھر ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے (لیکن) ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جبتک تو ہمارے لئے کوئی ایسا نامہ نہ لے آئے جسے ہم پڑھیں۔ ان سے کہہ دے: میرا رب (ان بے قیمت باتوں سے) پاک ہے جبکہ میں اس کے فرستادہ ایک انسان کے سوا کچھ نہیں ہوں۔

شان نزول

اسلامی روایات میں اور مختلف مفسرین کی تفسیروں میں مندرجہ بالا آیات کے بارے میں مختلف عبارتوں میں شان نزول نقل ہوئی ہے ان کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

بعض مشرکین مکہ کہ جن میں ولید بن مغیرہ اور ابوجہل بھی تھا خانہ کعبہ کے پاس جمع ہوئے انہوں نے ایکدوسرے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گفتگو کی آخر کار نتیجہ بحث یہ نکالا کہ کسی کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا جائے جو یہ پیغام دے کہ تیرے قبیلہ قریش کے اشراف جمع ہوئے ہیں وہ تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں لہذا تم ہمارے پاس آ ؤ۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امید ہوئی کہ شاید نور ایمان ان کے دلوں میں چمک اٹھا ہو اور وہ حق کو قبول کرنے کیلئے تیار ہوئے ہوں لہذا وہ فوراً ان کے پاس تشریف لے گئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے ایسی باتیں کیں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے تمہیں اتمام حجت کیلئے بلایا ہے ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے کہ جس نے اپنے قوم وقبیلہ کو اتنی تکلیف پہنچائی ہو جتنی تم نے پہنچائی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان میں سے کوئی بھی مسئلہ نہیں خدا نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور آسمانی کتاب مجھے دی ہے اگر اسے قبول کرلو تو اس میں تمہاری دنیا وآخرت کی بھلائی ہے اور اگر تم قبول نہ کروگے تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا تمہارے اور میرے

درمیان فیصلہ کردے۔

وہ کہنے لگے: بہت اچھا' یہ بات ہے تو ہمارے شہر جیسا تنگ کوئی اور شہر نہیں ہے مکہ کے اطراف میں پہاڑیاں ہیں اپنے پروردگار سے سوال کرو کہ ان پہاڑوں کو پیچھے کردے اور شام وعراق کی طرح یہاں دریا جاری کردے تاکہ یہ خشک و بے آب وگیاہ زمین سیراب ہوجائے نیز اس سے یہ بھی تقاضا کرو کہ ہمارے بڑوں کو زندہ کردے البتہ ان میں قصی بن کلاب ضرور ہو کیونکہ وہ راست گو بزرگ تھا تاکہ ہم اس سے پوچھیں کہ تو جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہے یا باطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے اعتنائی سے فرمایا: ''میں ان کاموں پر مامور نہیں ہوں''

وہ کہنے لگے: پھر جیسا کہ تیرا گمان ہے کہ تیرا خدا جب چاہے ہمارے سروں پر پتھر گرا سکتا ہے یہ آسمانی پتھر ہمارے سروں پر برسا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کام خدا سے متعلق ہے وہ چاہے گا تو کرے گا''

ان میں سے ایک کہنے لگا: تو یہ کام کر بھی دکھائے تب بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے ہم تو اس وقت ایمان لائیں گے جب تو خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فضول باتیں سنیں تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اس مجلس سے جانے لگے اور ان میں سے بعض افراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آئے اور کہنے لگے:

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تیری قوم نے تیرے سامنے جو بھی تجویز رکھی ہے تو نے قبول نہیں کی پھر انہوں نے کچھ امور کہ جو ان سے متعلق تھے ان کی خواہش کی تو نے وہ بھی پوری نہیں کی آخر کار انہوں نے تجھ سے اس عذاب کی خواہش کی ہے کہ جس کی تو دھمکی دیتا رہتا ہے کہ ان پر لائے گا خدا کی قسم! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو یہ نہ کرے کہ آسمان کی طرف ایک سیڑھی لگائے اور اس کے ذریعے تو ہمارے سامنے اوپر جائے اور واپسی پر اپنے ساتھ چند فرشتے لے کر آئے اور ساتھ ہی تیرے پاس ایک خط بھی ہو کہ جو تیرے دعویٰ کی صداقت کی گواہی دے۔

ابوجہل کہنے لگا: چھوڑو اسے یہ تو ہمارے بتوں کو گالیاں دینے کے علاوہ کچھ نہیں جانتا اور میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ جس وقت یہ سجدے میں ہوگا ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر اس کے دماغ پر دے ماروں گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اس حالت میں لوٹے اس قوم کی جہالت ہٹ دھرمی اور غرور کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل غم واندوہ سے معمور تھا اس موقع پر زیر نظر آیات نازل ہوئیں۔

تفسیر

طرح طرح کے بہانے

گزشتہ آیات میں قرآن حکیم کی عظمت اور اعجاز کے بارے میں بات کی گئی ہے اب زیر نظر آیات میں مشرکین کے کچھ

بہانوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ایسی بہانہ تراشیاں کرتے تھے کہ جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کافروں کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات آفریں دعوت کے جواب میں ہٹ دھرمی عناد سرکشی اور غرور کا مظاہرہ کریں۔

1۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے اور انہوں نے کہا کہ ہم اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تو اس زمین سے پانی کا چشمہ نہ جاری کر دکھائے۔

2۔ یا تمہارے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو کہ جس کے درختوں کے درمیان تو نہریں جاری کر دے۔

3۔ یا جیسا کہ تو کہتا ہے آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے سروں پر گرا دے۔

4۔ یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آ۔

5۔ یا پھر تیرے پاس سونے کا گھر ہو نقش ونگار سے مزین گھر۔

6۔ یا پھر آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ لیکن ہم تمہارے صرف آسمان پر چڑھنے سے ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اپنے ساتھ واپسی پر کوئی خط بھی لے کر آؤ جسے ہم پڑھیں۔

ان آیات کے آخر میں ہے کہ خدا نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ ان ایک دوسرے کی ضد مہمل اور مضحکہ خیز تجاویز کے جواب میں کہو میرا پروردگار ان اوہام سے پاک اور منزہ ہے۔ کیا میں خدا کے فرستادہ ایک انسان کے سوا کچھ اور ہوں؟

(۹۴) وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا	ہدایت آنے کے بعد وہ تنہا چیز جس نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا یہ تھی کہ (جہالت کی بناء پر) انہوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا؟
(۹۵) قُلۡ لَّوۡ کَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوۡلًا	کہہ دو: اگر روئے زمین پر فرشتے بھی (زندگی بسر کر رہے ہوتے اور) اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر ان کے پاس بھیجتے۔

تفسیر

پھر وہی بہانے

گزشتہ آیات میں توحید کے بارے میں مشرکین کی بہانہ تراشیوں کے حوالے سے گفتگو کی گئی تھی۔

زیر بحث آیات میں بھی ان سے ملتے جلتے ایک بہانے کا ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے ہدایت آ جانے کے بعد وہ تنہا چیز جو لوگوں کے ایمان لانے میں حائل ہوئی یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ خدا نے انسان کو نبی بنا کر کیوں بھیجا ہے۔

وہ کہتے کہ کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ بلند مقام اور بہت اہم منصب کسی انسان کے سپرد کیا جائے یہ عظیم رسالت کسی افضل مخلوق مثلاً فرشتوں کی سپرد کیوں نہ ہوتا کہ وہ اس سے اچھی طرح سے عہدہ برآ ہوں۔ خاکی انسان کہاں اور رسالت الٰہی کہاں اس مقام کے اہل افلاک کے باسی ہیں نہ کہ خاکی انسان۔

یہ کمزور سی منطق کسی ایک یا دو گروہوں نے ہی پیش نہیں کی بلکہ پوری تاریخ میں اکثر بے ایمان افراد نے انبیاء کے سامنے یہی بات کی۔

قرآن ایک نہایت مختصر سا معنی خیز اور واضح جواب دیتا ہے کہہ دو اگر روئے زمین پر فرشتے ہوتے کہ جو آرام و سکون سے رہ رہے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو پیغمبر کے طور پر نازل کرتے۔

یعنی رہبر ہمیشہ اس نوع میں سے ہونا چاہئے جس میں اس کے پیروکار ہوں انسان انسانوں کیلئے اور فرشتہ فرشتوں کیلئے رہبر اور پیروکاروں کے ایک جیسے ہونے کی دلیل بھی واضح ہے کیونکہ کسی رہبر کی تبلیغ کا اہم ترین حصہ اس کی عملی تبلیغ ہے اسی کو نمونہ اور اسوہ ہونا چاہئے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ وہی احساسات و جذبات اور طبیعت و فطرت رکھتا ہو اور اس کی جسمانی و روحانی ساخت بھی وہی ہو ایک فرشتہ کہ جو شہوت جنسی سے پاک ہوتا ہے جسے مکان کی ضرورت ہے نہ لباس کی اور جو غذا کی احتیاج بھی نہیں رکھتا اور جس میں انسانی مزاج اور غرائض کی باقی چیزیں بھی موجود نہیں وہ انسانوں کیلئے نمونہ اور اسوہ کیسے بن سکتا ہے بلکہ وہ رہبر ہو تو لوگ کہیں کہ اسے ہمارے دل کی کیا خبر؟ اسے کیا معلوم کہ ہماری روح پر شہوت اور غضب کس طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں وہ تو صرف اپنے دل کی بات کرتا ہے اس کے احساسات و جذبات ہماری طرح کے ہوتے تو وہ ہم جیسا ہی ہوتا یا ہم سے بھی برتر لہٰذا اس کی باتوں کی کیا اہمیت ہے۔

(۹۶) قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا	کہہ دو: یہی کافی ہے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں آگاہ اور بینا ہے۔
(۹۷) وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ	جسے خدا ہدایت دے وہی حقیقی ہدایت یافتہ ہے اور جس شخص کو (اس کے اعمال کے باعث) وہ گمراہی میں ڈال دے ایسے لوگوں کیلئے تو اللہ کے سوا کسی کو ہادی و سرپرست نہیں پائے گا،

وَ نَحۡشُرُهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡيًا وَّ بُكۡمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِيۡرًا	ور روزِ قیامت ان لوگوں کو ہم اوندھے منہ محشور کریں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور جس وقت اس کی آگ بجھنے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔

تفسیر

حقیقی ہدایت یافتہ

قبل ازیں آیات توحید ونبوت اور مخالفین سے گفتگو کے بارے میں تھیں۔ زیر بحث آیات میں ان گزشتہ مباحث کا ایک طرح سے اختتام ہورہا ہے اور نتیجہ بحث پیش کیا جارہا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے اگر وہ توحید ونبوت اور معاد وقیامت کے بارے میں تیرے واضح دلائل قبول نہیں کرتے تو انہیں بتادو اور کہو کہ یہی کافی ہے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے آگاہ ہے اور ان کے کام کو دیکھتا ہے۔

یہ بات کہتے ہوئے دراصل دو مقصد پیش نظر تھے پہلا یہ کہ متعصب اور ہٹ دھرم مخالفین کو تہدید کی جائے کہ خدا آگاہ و بینا ہے اور ہمارے تمہارے اعمال پر گواہ ہے یہ خیال نہ کرو کہ تم اس کے احاطہ قدرت سے باہر نکل جاؤ گے یا تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز اس پر مخفی رہ جائے گی۔

دوسرا یہ کہ یہ بات کہہ کر رسول اکرم ﷺ خدا کے بارے میں اپنے ایمان قاطع کا اظہار کر دیں کیونکہ کہنے والے کی اپنی بات میں قاطعیت سننے والے پر گہرا نفسیاتی اثر مرتب کرتی ہے ہوسکتا تھا کہ یہ محکم اور قاطع تعبیر کہ جس میں ایک قسم کی تہدید چھپی ہوئی ہے ان پر اثر انداز ہوتی ان کے دل اور فکر کو بیدار کرتی اور انہیں راہ مستقیم کی طرف دعوت دیتی۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے وہی شخص ہدایت پاتا ہے کہ جس کے دل میں اللہ نور ہدایت ڈال دے۔ لیکن جنہیں وہ ان کے اعمال کے باعث گمراہ کردے تو ان کیلئے تو خدا کے علاوہ کوئی سرپرست وراہنما نہیں پائے گا۔

لوٹ آنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں اور اس سے نور ہدایت طلب کریں۔

یہ دو جملے درحقیقت اس طرح اشارہ ہیں کہ قوی اور زبردست دلائل ہی ایمان لانے کے لئے کافی نہیں ہیں بلکہ جب تک کسی میں توفیق الٰہی شامل حال نہ ہو اور ہدایت کیلئے اہلیت پیدا نہ ہو محال ہے کہ وہ ایمان لائے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ہم چند لوگوں کو ایک اہم کارخیر انجام دینے کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی اہمیت کیلئے بہت دلائل دیتے ہیں لیکن ان میں سے بعض قبول کرلیتے ہیں اور بعض مخالفت کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ سب لوگ اس کام کی اہلیت نہیں رکھتے۔

رہا یہ مسئلہ کہ اولیاء جمع کی صورت میں کیوں ذکر ہوا ہے تو ہوسکتا ہے یہ فرضی خداؤں کے تعداد کی طرف اشارہ ہو یا ان وسائل و اسباب کے تنوع کی طرف کہ جن کی وہ پناہ لیتے تھے یعنی ان وسائل و اسباب سے انسانوں اور غیر انسانوں میں سے اور خیالی و فرضی خداؤں میں سے کوئی ان کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا۔ ان میں سے کوئی انہیں گمراہی اور بدبختی سے نجات نہیں دے سکتا۔

اس کے بعد ایک قاطع اور شدید تہدید کے انداز میں قیامت کے ایک منظر کی نشاندہی کی گئی ہے وہ منظر کہ جو ان کے اعمال کا قطعی نتیجہ ہے ارشاد ہوتا ہے روز قیامت ہم انہیں اوندھے منہ محشور کریں گے۔ اس روز وہ سیدھے نہیں چل رہے ہوں گے بلکہ عذاب کے فرشتے انہیں اوندھے منہ زمین پر کھینچیں گے۔

جی ہاں! وہ پاؤں سے چلنے کی سی عظیم نعمتوں سے محروم ہوں گے کیونکہ اس دنیا میں انہوں نے ان چیزوں میں سے راہ سعادت کیلئے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ راہ گناہ میں انہیں استعمال کیا نیز اللہ کی عظیم عدالت میں اس حالت میں پیش ہوں گے کہ وہ اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے۔

اس مقام پر یہ سوال پیش آتا ہے کہ قرآن کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرمین اور اہل جہنم دیکھیں گے سنیں گے اور باتیں کریں گے تو پھر زیرنظر آیت کیونکر کہتی ہے کہ وہ اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے اس سوال کے جواب میں مفسرین نے متعدد تفاسیر کی ہیں ان میں سے ذیل کی دو تفاسیر بہتر ہیں۔

1۔ قیامت کے مختلف مراحل ہیں۔ ان میں سے بعض مراحل میں وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے اور یہ بجائے خود ان کیلئے ایک قسم کی سزا اور عذاب ہے (کیونکہ انہوں نے دنیا میں اللہ کی ان عظیم نعمتوں سے صحیح استفادہ نہیں کیا) لیکن بعض دیگر مراحل میں ان کی آنکھ دیکھتی ہوگی ان کے کان سنتے ہوں گے اور زبان باتیں کرتی ہوگی تا کہ وہ عذاب کے مناظر دیکھیں ملامت کرنے والوں کی آوازسنیں اور پھر اپنی بے بسی پر واویلا کریں اور یہ بھی بجائے خود ایک عذاب وسزا ہے۔

2۔ مجرمین ایسی چیز نہ دیکھ سکیں گے جس سے انہیں سرور و راحت ملے، ایسی آواز نہیں سن سکیں گے کہ جو ان کے لئے باعث نشاط و سکون ہو اور ایسی بات نہیں کر سکیں گے کہ جو باعث نجات ہو اس کے برعکس وہ ایسی چیز دیکھیں گے جو ان کیلئے باعث رنج ہو۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔ لیکن یہ گمان نہ کرنا کہ آتش جہنم دنیا کی آگ کی طرح آخرکار بجھ جائے گی نہیں بلکہ جب اس کی تپش کم ہوگی تو پھر سے اسے بھڑکا دیا جائے گا اور اس کی تپش میں اضافہ کردیا جائے گا۔

(۹۸) ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمۡ بِاَنَّهُمۡ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ قَالُوۡآ ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِیۡدًا	یہ ان کی سزا ہے کیونکہ وہ ہماری آیات کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں اور پراگندہ خاک ہو جائیں گے کیا اس وقت ہماری تخلیق نو ہوگی؟

(۹۹) اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ وَجَعَلَ لَھُمْ اَجَلًا لَّارَیْبَ فِیْہِ ط فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا کُفُوْرًا	کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسے اور بھی پیدا کرنے پر قادر ہے (اور انہیں حیاتِ نو عطا کر سکتا ہے)؟ اور اس نے ان کے لئے قطعی مدت مقرر کی ہے، لیکن ظالم لوگ سوائے کفر و انکار کے کچھ نہیں کرتے۔
(۱۰۰) قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِکُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَۃِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَ مْسَکْتُمْ خَشْیَۃَ الْاِنْفَاقِ ط وَ کَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ع	ان سے کہہ دو: اگر تمہارے پاس میرے رب کی رحمت کے خزانے بھی ہوتے تو بھی تنگدلی کی وجہ سے تم انہیں روکے رکھتے اس خوف سے کہ کہیں خرچ کرنے سے تم تنگدست نہ ہو جاؤ اور انسان ہے ہی بہت تنگدل۔

تفسیر

معاد کیونکر ممکن ہے؟

گزشتہ آیات میں بتایا گیا ہے کہ دوسرے جہان میں کیسا برا انجام مجرموں کے انتظار میں ہے ایسا انجام کہ جو ہر عقلمند انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے زیرِ نظر آیات میں اس کی علت کو ایک اور حوالے سے واضح کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے یہ ان کی سزا ہے کیونکہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ جس وقت ہم بوسیدہ ہڈیوں میں بدل چکے ہوں گے اور ہمارا جسم پراگندہ مٹی کی صورت اختیار کر چکا ہوگا کیا اس وقت ہماری خلقت نو ہوگی۔

(۹۹) جو لوگ معاد جسمانی کے مسئلہ پر تعجب کرتے ہیں یا اسے ناممکن سمجھتے ہیں قرآن حکیم نے فوراً ہی انہیں جواب دیا ہے کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان کی نظیر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

لیکن انہیں جلدی نہیں کرنا چاہئے قیامت اگر چہ دیر سے آئے مگر آ کے رہے گی خدا نے ان کیلئے ایک قطعی مدت مقرر کی ہے اور جب تک وہ وقت معین نہ آ جائے قیامت برپا نہیں ہوگی۔ لیکن اہل ستم یہ باتیں سننے کے باوجود اپنی کج روی پر باقی رہتے ہیں اور کفر و انکار کے سوا کوئی راستہ اختیار نہیں کرتے۔

(۱۰۰) انہیں اصرار تھا کہ رسول کو نوع بشر میں سے نہیں ہونا چاہئے لہٰذا یہ باور کرنے میں انہیں کچھ حسد اور کم ظرفی مانع تھی کہ ہو سکتا ہے خدا یہ نعمت کسی انسان کو عطا کرے لہٰذا زیر بحث آخری آیت میں فرمایا گیا ہے ان سے کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے بھی تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو بھی اپنی تنگ دلی کی وجہ سے تم انہیں روکے رکھتے کہ انہیں خرچ کرنے میں تم تنگ دست نہ ہو جاؤ۔ اور انسان طبعاً بخیل ہے۔

معادِ جسمانی

زیرنظر آیات معادجسمانی کے اثبات کیلئے نہایت واضح آیات میں سے ہیں کیونکہ مشرکین اس بات پر تعجب کرتے تھے کہ کیسے ممکن ہے کہ خدا بوسیدہ اور خاک شدہ ہڈیوں کو پھر حیات نو سے آراستہ کرے قرآن جواب بھی اسی حوالے سے دیتا ہے اور کہتا ہے۔

وہ خدا کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے یہ قدرت رکھتا ہے کہ انسان کے منتشر اجزاء کو جمع کر کے اسے حیات نو عطا فرمادے۔

معلوم نہیں کہ ان واضح آیات کے باوجود اور ان جیسی اور بہت سی آیات کے ہوتے ہوئے اسلام کے بعض دعویدار معاد کو معاد روحانی میں کیوں منحصر سمجھتے ہیں۔

ضمناً مسئلہ معاد کے اثبات کیلئے اللہ کی ہمہ گیر قدرت کے حوالے سے قرآن نے بارہا استدلال کیا ہے سورہ یسین کے آخر میں معاد جسمانی کیلئے جو چند دلیلیں پیش کی گئی ہیں ان میں سے بھی ایک یہی اللہ کی ہمہ گیر قدرت ہے۔

(۱۰۱) وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسۡئَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَہُمۡ فَقَالَ لَہٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا	ہم نے موسیٰ کو نو واضح معجزات عطا فرمائے۔ اب تم بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جس وقت یہ (نومعجزات) ان کی مدد کیلئے آئے (تو ان کی کیا حالت تھی)۔ اور فرعون کہنے لگا: اے موسیٰ! مجھے تو یہ گمان ہے کہ تو پاگل ہے (یا ساحر ہے)۔
(۱۰۲) قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ ہٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا	اس نے جواب دیا: دلوں کو روشن کرنے کیلئے یہ معجزات زمین و آسمان کے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں بھیجے اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تو نیست و نابود ہو جائے گا۔
(۱۰۳) فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّہُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰہُ وَ مَنۡ مَّعَہٗ جَمِیۡعًا ۙ	اس (فرعون) نے ارادہ کرلیا کہ زمین سے ان سب کی بیخ کنی کر دے، لیکن ہم نے اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

(۱۰۴) وَّ قُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اسۡكُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِيۡفًا ؕ	اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا: (مصروشام کے) اس علاقے میں رہوسہولیکن جب وعدۂ آخرت کا وقت پورا ہو جائے گا۔تو ہم تم سب کو اکٹھا (اس عدالت میں) لاکھڑا کریں گے۔

تفسیر

نشانیوں کے باوجود وہ ایمان نہ لائے

پہلے کی چند آیات میں ہم نے پڑھا ہے کہ مشرکین پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے عجیب وغریب تقاضے کرتے تھے خود ان کی اپنی باتوں سے ظاہر تھا کہ ان کا مقصد تلاش حق نہیں ہے بلکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہٹ دھرمی اور عذر تراشی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

زیر بحث آیات میں درحقیقت گزشتہ امتوں کی تاریخ سے اسی صورت حال کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کیسے کیسے معجزات دیکھے مگر پھر بھی بہانے تراشے اور انکار کا راستہ ترک نہ کیا۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے ہم نے موسیٰ کو نو آیات اور واضح نشانیاں دیں۔

یہ نو آیتیں کیا تھیں۔اس سلسلے میں ہم اسی بحث کے آخر میں گفتگو کریں گے۔

مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے تیرے مخالفین اگر اس بات کا بھی انکار کر دیں تو اتمام حجت کیلئے بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب یہ نشانیاں ان کے پاس آئیں تو کیا صورت حال تھی۔لیکن مغرور سرکش اور جابر فرعون نے نہ صرف ان کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر یا دیوانہ ہونے کا الزام دیا اور کہا اے موسیٰ! میرا گمان ہے کہ تو جادوگر ہے یا دیوانہ۔

جبکہ بعض دیگر مفسرین نے مسحور کو اسی مفعول کے معنی میں لیا ہے یعنی وہ شخص جس پر جادو نے اثر کیا ہو جیسا کہ سورہ ذاریات کی آیہ ۳۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادو کا الزام بھی دیا اور جنوں کا بھی۔

(۱۰۲) اس ناروا تہمت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سکوت نہیں کیا اور پورے اعتماد اور یقین سے کہا اے فرعون! تو خوب جانتا ہے کہ ان نور بخش آیات کو آسمانوں اور زمین کے رب کے علاوہ کسی نے نازل نہیں کیا۔

لہٰذا تو علم وآگہی کے باوجود حقائق کا انکار کرتا ہے تو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ یہ معجزات وآیات خدا کی طرف سے ہیں اور مجھے بھی علم ہے کہ تو جانتا ہے یہ بصائر ہیں آشکار واضح دلائل کہ جن کے ذریعے لوگ راہ حق تلاش کر لیتے ہیں اور جادہ حق کو طے کرنے کیلئے جن سے بصیرت حاصل کرتے ہیں لہٰذا تو چونکہ شناخت حق کے باوجود انکار کرتا ہے اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ آخر کار تو ہلاک ہو کر رہے گا۔

(۱۰۳) فرعون چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دندان شکن دلائل کی تاب نہیں لاسکتا تھا لہٰذا اس نے اسی چیز کا سہارا لیا کہ جس کا

ہر دور میں بے منطق طاغوت سہارا لیتے آئے ہیں اس نے ارادہ کرلیا کہ انہیں اس علاقے سے باہر نکال دے گا لیکن ہم نے اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

(۱۰۴)اس عظیم کامیابی کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا: مصر وشام کے اس علاقے میں رہو سہو۔ لیکن جب وعدہ آخرت کا وقت آ پہنچے گا تو ہم تم سب کو میزانِ حساب کے پاس اکٹھا کریں گے۔

(۱۰۵) وَ بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ۘ	اس قرآن کو ہم نے حق کے ساتھ نازل فرمایا، حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے اور تجھے سوائے اس کے ہم نے کسی کام کیلئے نہیں بھیجا کہ تو بشارت دینے والا اور متنبہ کرنے والا ہو۔
(۱۰۶) وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّ نَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا	ہم نے قرآن تجھ پر جدا جدا آیتوں کی صورت میں نازل کیا تاکہ تو اسے لوگوں کے سامنے تدریجاً اور سکون کے ساتھ پڑھے اور یقیناً یہ قرآن ہم ہی نے نازل کیا ہے۔
(۱۰۷) قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ۙ	ان سے کہہ دو: تم مانو یا نہ مانو! جنہیں قبل ازیں علم عطا کیا گیا ہے یہ آیات جب ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ زمین پر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔
(۱۰۸) وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا	اور کہتے ہیں: پاک ہے ہمارا رب جس کے وعدے حتماً پورے ہو کر رہتے ہیں۔
(۱۰۹) وَ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَ یَزِیۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا السجدة	وہ (بے اختیار) زمین پر گر جاتے ہیں، اشک بہاتے ہیں اور ہر لمحہ ان کا خضوع وخشوع بڑھتا ہی رہتا ہے۔

تفسیر

عاشقان حق

ان آیات میں ایک مرتبہ پھر قرآن کی عظمت واہمیت واضح کی گئی ہے اور مخالفین کے بعض اعتراضات اور بہانہ سازیوں کا جواب دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔اور تجھے ہم نے صرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔

(۱۰۶)ارشاد ہوتا ہے ہم نے الگ الگ آیتوں کی صورت میں تجھ پر قرآن نازل کیا ہے تا کہ تو اسے لوگوں کے سامنے اطمینان کے ساتھ تدریجی طور پر پڑھے اور یہ دل ودماغ میں اچھی طرح سے اتر جائے اور پوری طرح عملی شکل بھی اختیار کرلے۔

مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یقیناً یہ سارے کا سارا قرآن ہم نے نازل کیا ہے۔

قرآن اگرچہ ایک کتاب ہے لیکن یہ انسانوں کی کسی تالیف کی مانند نہیں ہے کہ جو کسی ایک موضوع پر کتاب لکھنے بیٹھتے ہیں تو اسے پیش نظر رکھ کر اس کے ابواب کی تقسیم وتنظیم کرتے ہیں اور پھر اسے ضبط تحریر میں لاتے ہیں یہ تو ایسی کتاب ہے کہ جس کا پیغمبر اسلامﷺ کے تئیس (۲۳) سالہ دورِ نبوت کے واقعات سے نہ ٹوٹنے والا تعلق ہے کیسے ممکن ہے کہ یہ کتاب تئیس سالہ واقعات سے مربوط ہوا کٹھی ایک ہی روز میں نازل ہوجائے کیا تئیس سال کے واقعات ایک دن میں جمع ہو سکتے ہیں؟

(۱۰۷)یہ آیت نادان مخالفین کا غرور ختم کرنے کیلئے کہتی ہے چاہے ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ منہ کے بل خاک پر گر پڑتے ہیں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کردیتے ہیں۔

(۱۰۸)اس آیت میں ان کی اس گفتگو کا ذکر ہے جو وہ سجدہ ریز ہوتے ہوئے کرتے ہیں وہ کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب یقیناً ہمارے رب کے وعدے پورے ہوکے رہیں گے۔

(۱۰۹)ان آیات الٰہی اور اس عاشقانہ سجدے کی تاثیر کا ذکر اس آیت میں بھی جاری ہے ارشاد ہوتا ہے وہ پورے چہرے کے بل خاک پر گر پڑتے ہیں ان کے اشک رواں ہوتے ہیں اور پروردگار کے حضور ان کے خشوع وخضوع میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

خشوع جسمانی وروحانی انکساری،ادب اور تواضع کی ایک کیفیت ہے جو کسی شخصیت یا حقیقت کے سامنے ہوتی ہے۔

(۱۱۰)قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا	کہہ دو: اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جسے بھی پکارو (اس کی پاک ذات ایک ہی ہے اور) اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔اور اپنی نماز نہ زیادہ بلند پڑھ اور نہ زیادہ آہستہ، بلکہ درمیانی (معتدل) راہ اختیار کرو۔
(۱۱۱) وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ	اور کہہ دو: حمد وستائش اس اللہ کیلئے ہے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے، نہ جس کی حکومت میں کوئی شریک ہے اور نہ وہ کمزور وعاجز ہے کہ کوئی اس کا ولی وحامی ہے

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۚ	اور اس کی کبریائی بیان کرو کمال درجے کی کبریائی۔

شان نزول

مفسرین نے زیرنظر پہلی آیت کی شان نزول کے بارے میں ابن عباس کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے

مکہ میں ایک رات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کو یارحمٰن اور یارحیم کہہ کر پکار رہے تھے کہ عذر تراش مشرکوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا دیکھو! یہ شخص ہمیں تو سرزنش کرتا ہے کہ ہم کئی خدا کیوں مانتے ہیں لیکن خود دو خداؤں کی پرستش کرتا ہے حالانکہ اس کا خیال ہے کہ یہ موحد ہے اور اس کا ایک سے زیادہ معبود نہیں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا گیا کہ یہ متعدد نام ایک ہی ذات پاک کی خبر دیتے ہیں۔

تفسیر

خدا کے مختلف ناموں کا بہانہ

گذشتہ آیات میں مشرکین کے کمزور اور بے بنیاد بہانوں کا ذکر تھا اور ان کا جواب دیا گیا تھا۔ زیرنظر آیات میں ان کے آخری بہانوں کا ذکر ہے وہ کہتے تھے کہ خدا کو مختلف ناموں سے کیوں پکارتے ہیں جبکہ یہ توحید کے مدعی ہیں قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے کہہ دو تم اسے اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے کئی اچھے اچھے نام ہیں۔

دل کے یہ اندھے اپنی روزمرہ کی زندگی پر بھی نظر نہیں کرتے تھے خود ان کے ہاں ایک شخص، ایک جگہ یا ایک چیز کیلئے کئی نام ہوتے تھے اور یہ مختلف پہلوؤں کے حوالے سے رکھے جاتے تھے تو کیا ان حالات میں باعث تعجب ہے کہ جس خدا کا وجود لامتناہی ہے جو تمام کمالات نعمات اور اچھائیوں کا سرچشمہ ہے اس جہان کی ہر گردش جس کے ہاتھ میں ہے اس ذات مقدس کے ہر کمال اور ہر کام کی مناسبت سے کوئی خاص نام نہ ہو۔

قرآن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ بہت آہستہ بلکہ درمیانی راہ اپناؤ۔

لہٰذا مذکورہ بالا آیت مشہور فقہی اصطلاح کے مطابق جہریہ اور اخفائیہ نمازوں سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کے پیش نظر بلند یا آہستہ پڑھنے میں افراط وتفریط کا مسئلہ ہے فرمایا گیا ہے کہ نہ زیادہ بلند پڑھو کہ شور معلوم ہو اور نہ اتنا آہستہ کہ صرف جنبش لب باقی رہ جائے اور کان تک آواز ہی نہ آئے۔

(۱۱۱) اب ہم سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت پر پہنچتے ہیں اس میں حمد کے ساتھ سورہ کا اختتام ہوتا ہے جیسے اس کی ذات پاک کی تسبیح کے ساتھ اس سورہ کی ابتداء ہوئی تھی درحقیقت یہ آخری آیت اس سورہ کے تمام توحیدی مباحث اور مفاہیم کا نتیجہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہہ دو حمد مخصوص ہے اس خدا کیلئے جس کا کوئی بیٹا ہے نہ عالم ہستی کی حکومت و مالکیت میں جس کا کوئی شریک ہے اور نہ توانائی کیلئے اس کا کوئی سر پرست ہے۔اور وہ ایسی صفات کا حامل خدا ہے کہ ہر لحاظ سے تمہاری فکر سے برتر و بالاتر ہے لہذا اس کی بڑائی اور کبریائی کو سمجھو اور اس کی لامتناہی عظمت سے آشنائی حاصل کرو۔

دوسرے لفظوں میں یہ آیت اللہ سے ہر قسم کے مدد گار اور شبیہ کی نفی کرتی ہے چاہے وہ اس سے کم تر ہو مثلاً اولاد یا اس جیسا ہو مثلاً شریک یا اس سے بالاتر ہو مثلاً ولی۔

مرحوم طبرسی نے بعض مفسرین سے کہ جن کے نام انہوں نے نہیں لکھے نقل کیا ہے کہ یہ آیت تین انحرافی گروہوں کے اعتقاد کی نفی کرتی ہے پہلے عیسائی اور یہودی کہ جو خدا کے بیٹے کے قائل تھے دوسری مشرکین عرب جو اس کیلئے شریک خیال کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت اپنے مراسم عبادت میں کہتے تھے

"لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک"

تیسرے ستارہ پرست اور مجوسی کہ جو خدا کیلئے ولی اور مدد گار کے قائل تھے۔

"سَاعَةٌ مِنْ عَالِمٍ مُتَّكِئٌ عَلٰى فِرَاشِهِ يَنْظُرُ فِیْ عِلْمِهِ خَيْرٌ مِّنَ الْعابِدِ سَبْعِيْنَ عَامًا"

عالم کا ایک لمحہ کے لئے اپنے بستر پر تکیہ لگائے، حصول علم میں منہمک ہونا، کسی عابد کے ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

سورہ کہف

اس سورہ کی ۱۱۰ آیتیں ہیں
آیت ۲۸ کے سوا سب مکی ہیں

سورہ کہف کے مضامین

یہ سورہ اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش سے شروع ہوتی ہے اور توحید ایمان اور عمل صالح کے ذکر پر تمام ہوتی ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورہ کے مضامین بھی زیادہ تر مبداء ومعاد اور بشارت وانذار پر مشتمل ہیں۔ ایک اور مسئلہ جس کی طرف اس سورہ میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ جب تک طاقت ہو مقابلہ کریں اور طاقت نہ ہونے کی صورت میں انہیں چاہئے کہ ہجرت کرجائیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اصحاب کہف، موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام کا واقعہ اور حضرت ذوالقرنین کی داستان کہ جس کا اس سورہ میں ذکر ہے دیگر قرآنی واقعات کے برخلاف اس کا قرآن میں کسی اور جگہ کوئی ذکر نہیں آیا۔ بہرحال یہ بات اس سورہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

سورہ کہف کی فضیلت

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا تمہیں ایسی سورہ کا تعارف کراؤں کہ جو نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کی نگرانی کررہے تھے اور اس کی عظمت سے زمین وآسمان معمور تھے۔

صحابہ نے عرض کی: جی ہاں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''وہ سورہ کہف ہے۔ جو شخص جمعہ کے روز اس کی تلاوت کرے گا آئندہ جمعہ تک اللہ اسے بخش دے گا ایک اور روایت کے مطابق آئندہ جمعہ تک اللہ اسے گناہ سے محفوظ رکھے گا......اور اسے ایسا نور عطا کرے گا کہ جو آسمان تک ضوفشاں ہوگا اور وہ شخص دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا''۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

''جو شخص ہر شب جمعہ سورہ کہف کی تلاوت کرے گا دنیا سے وہ شہید جائے گا اور شہداء کے ساتھ مبعوث ہوگا اور روز قیامت شہداء کی صف میں شمار ہوگا''۔

ہم نے بارہا کہا ہے کہ قرآن کی سورتوں کی عظمت۔ ان کے روحانی اثرات اور اخلاقی برکات ان کے مضامین ومفاہیم کے لحاظ سے ہیں۔ یعنی ان اثرات وبرکات کے حصول کیلئے ان مفاہیم پر ایمان لانا اور ان پر عمل کرنا ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱)اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ	حمد مخصوص ہے اللہ کیلئے جس نے اپنے (برگزیدہ) بندہ پر یہ (آسمانی) کتاب نازل فرمائی اور اس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہ رکھی۔
(۲)قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ	وہ کتاب کہ جو ثابت، مستقیم اور دوسری کتب کی نگہبان ہے، تاکہ اس کے شدید عذاب سے ڈرائے اور نیک عمل انجام دینے والے مومنین کو بشارت دے کہ ان کیلئے اچھا اجر ہے۔
(۳)مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ۙ	(یعنی وہی بہشت) جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے
(۴)وَّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ٭	(نیز) انہیں ڈرائے کہ جو کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے لئے بیٹا انتخاب کیا ہے۔
(۵)مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا	نہ انہیں ہرگز اس بات پر یقین ہے نہ ان کے آباؤ اجداد کو، یہ بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، یقیناً وہ جھوٹ کہتے ہیں۔

تفسیر

حمد اور ستائش الٰہی سے آغاز

سورہ کہف قرآن کی بعض دیگر سورتوں کی مانند اللہ کی حمد و ثنا سے شروع ہوتی ہے اور حمد چونکہ کسی اہم اور لائق تعریف کام پر ہوتی ہے لہٰذا ساتھ ہی نزول قرآن کا ذکر کیا گیا ہے، وہ قرآن کہ جو ہر قسم کی کجی سے پاک ہے ارشاد ہوتا ہے تعریف ہے اس خدا کی جس نے اپنے بندے پر یہ آسمانی کتاب نازل کی کہ جس میں کسی قسم کا ٹیڑھ پن نہیں ہے۔

(۲) ایسی کتاب ہے کہ جو ثابت و مستحکم، جو معتدل و مستقیم ہے جو حقیقی انسانی معاشرے کے قیام کیلئے ہے اور جو تمام آسمانی کتب کی پاسدار ہے۔ تاکہ برے کام انجام دینے والوں اور دل کے اندھوں کو اللہ کے عذاب شدید سے ڈرائے۔ اور سچے مومنین کہ جو ہمیشہ عمل صالح انجام دیتے ہیں انہیں بشارت دے کہ عظیم اور عمدہ جزا ان کے انتظار میں ہے۔

(۳) ایسی جزا کہ جو جاودانی ہے اور جس میں وہ تا ابد رہیں گے۔

(۴) اس کے بعد یہودی ہوں، عیسائی ہوں یا مشرکین ہر قسم کے مخالفین کے ایک عمومی انحراف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس آسمانی کتاب کا ایک ہدف یہ ہے کہ پیغمبر ان لوگوں کو ڈرائے کہ جو خدا کیلئے بیٹے کے قائل ہیں۔

یعنی ....عیسائیوں کو ڈرائے چونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور یہودیوں کو ڈرائے چونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور مشرکین کو ڈرائے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔

(۵) اس کے بعد اس قسم کے بے بنیاد عقائد کی اساس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انہیں اپنے اس عقیدے کے بارے میں کوئی علم و یقین نہیں ہے اور اگر یہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرتے ہیں تو ان کے آباؤ اجداد کا بھی یہی عالم تھا۔ تاہم یہ منہ سے بہت بڑی اور وحشت ناک بات نکالتے ہیں۔

خدا کا جسم ہونا، خدا کی اولاد ہونا، خدا کو مادی احتیاجات ہونا..........مختصر یہ کہ خدا کا محدود ہونا..........یہ کیسی وحشت ناک باتیں ہیں۔

جی ہاں۔ یہ صرف جھوٹ بولتے ہیں۔

"قیم"، یہ کلمہ قرآن کی تعریف کے سلسلے میں آیا ہے جو قرآن کی استقامت اس کے اعتدال..........اور ہر قسم کے تضاد سے پاک ہونے پر تاکید بھی ہے اس عظیم کتاب کے جاودانی ہونے پر دلالت بھی ہے اور اصالتوں کی محافظ ہونے کا مفہوم بھی دیتا ہے نیز یہ ہر قسم کی کج روی سے اصلاح کرنے والی کتاب کا معنی بھی دیتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ کتاب احکام الٰہی اور انسانی عدالت وفضیلت کی نگہبانی کیلئے نمونہ بھی ہے۔

یہ صفت "قیم"، دراصل اللہ کی صفت قیومیت سے مشتق ہے جس کے مطابق خدا تمام موجودات اور اشیاء عالم کا محافظ و نگہبان ہے۔

(۶) فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا	اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم غم کے مارے اپنی جان دے بیٹھو گے۔
(۷) اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَیُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا	جو کچھ روئے زمین پر ہے اسے ہم نے اس کی زینت قرار دیا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں بہتر عمل کون کرتا ہے۔

(۸)وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ؕ	(لیکن یہ زیب و زینت پائیدار نہیں ہے) اور آخر کار ہم روئے زمین کو چٹیل میدان بنا دیں گے۔

تفسیر

غم نہ کرو۔ یہ دنیا آزمائش گاہ ہے

گزشتہ آیات میں رسول اکرم ﷺ کی رسالت اور رہبری کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر نظر پہلی آیت میں رہبری کی ایک نہایت اہم شرط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے ہمدردی اور غمخواری۔ ارشاد ہوتا ہے گویا تو اس شدت غم میں اپنی جان دے بیٹھے گا کہ یہ لوگ آسمانی کتاب پر ایمان نہیں لاتے۔

(۷) اس آیت میں اس عالم کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ دنیا انسانوں کیلئے میدان آزمائش ہے۔ ارشاد ہوتا ہے جو کچھ روئے زمین پر ہے اسے ہم نے اس کی زینت قرار دیا ہے۔ ہم نے دنیا کو حسین بنایا ہے اس کا ہر گوشہ دل کو کھینچتا ہے نگاہوں کو دعوت دیدار دیتا ہے اور انسان میں مختلف احساسات کو ابھارتا ہے۔ جذبات کی یہ کشاکش' خوبصورت چیزوں کی یہ چمک دمک اور دلربا چہروں کی یہ جاذبیت انسان کیلئے آزمائش ہے۔ انسان کا ایمان' ارادے کی قوت اور معنویت وفضیلت ہر چیز کا امتحان ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ساتھ ہی فرمایا گیا ہے تاکہ انہیں آزمائیں کہ ان میں سے بہتر عمل کون انجام دیتا ہے۔

بہر حال یہ تمام انسانوں بالخصوص تمام مسلمانوں کیلئے ایک تنبیہ اور صدائے بیدار باش ہے اور انہیں متوجہ کیا جا رہا ہے کہ دنیا کی دلربائیوں سے ضرب نہ کھائیں کیونکہ یہ دنیا تو میدان آزمائش ہے ان دلفریب مظاہر سے دل لگانے کی بجائے حسن عمل کے بارے میں سوچیں۔

(۸) اس کے بعد فرمایا گیا ہے یہ پائدار نہیں ہے اور آخر کار نابود ہو جائے گی اور ہم روئے زمین کی تمام چیزوں کو ختم کر دیں گے اور سرسبز زمین کو چٹیل میدان میں بدل کے رکھ دیں گے۔

جی ہاں! یہ حسین اور دل انگیز مناظر کہ جو فصل بہار میں صحراؤں اور کوہساروں کے دامن میں دکھائی دیتے ہیں' پھولوں کی مسکراہٹیں جھومتے ہوئے شجر' سرگوشیاں کرتے ہوئے پتے ندی نالوں کے زمزمے۔ سب فصل خزاں میں ختم ہو جاتے ہیں۔ درختوں کی شاخیں قربان ہو جاتی ہیں۔ ندی نالے خاموش ہو جاتے ہیں غنچے خشک ہو جاتے ہیں پتے مرجھا جاتے ہیں اور زندگی کی آواز چپ ہو جاتی ہے۔

انسانوں کی رنگین زندگی کا بھی یہی عالم ہے۔ یہ محل اور یہ فلک بوس عمارتیں یہ رنگا رنگ لباس یہ گوناں گوں نعمتیں یہ خدام اور یہ مقام ومنصب سب ختم ہو جانے والی چیزیں ہیں ایک دن ایسا آئے گا کہ خشک وخاموش قبرستان کے سوا کچھ باقی نہیں ہوگا اور یہ ایک بہت بڑا درس عبرت ہے۔

(۹)اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَهۡفِ وَ الرَّقِیۡمِ ۙ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا	کیا تم خیال کرتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری عجیب نشانیوں میں سے تھے۔
(۱۰)اِذۡ اَوَی الۡفِتۡیَۃُ اِلَی الۡکَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّ هَیِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا	وہ وقت یاد کرو جب جوانوں کے اس گروہ نے غار میں جا پناہ لی اور کہا: پروردگارا! ہمیں اپنی رحمت سے نواز اور ہمیں راہ نجات فراہم کر۔
(۱۱)فَضَرَبۡنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمۡ فِی الۡکَهۡفِ سِنِیۡنَ عَدَدًا ۙ	ان کے کانوں پر ہم نے پردہ ڈال دیا اور وہ سالہا سال سوئے رہے۔
(۱۲)ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَیُّ الۡحِزۡبَیۡنِ اَحۡصٰی لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ؏	پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ واضح ہو جائے کہ ان دو گروہوں میں سے کسے اپنی نیند کی مدت خوب یاد ہے۔

شان نزول

قریش کے سرداروں نے اپنے دو ساتھی پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کی تحقیق کیلئے علماء یہود کے پاس مدینہ بھیجے وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ کیا گزشتہ کتب میں اس سلسلے میں کوئی چیز ملتی ہے یا نہیں؟

انہوں نے مدینہ پہنچ کر علماء یہود سے رابطہ کیا ان سے ملے اور قریش کی بات بیان کی تو یہودی علماء نے کہا تم محمد ﷺ سے تین مسائل کے بارے میں سوال کرو اگر اس نے سب کا کافی و دانی جواب دے دیا تو وہ خدا کی طرف سے رسول ہے۔

انہوں نے بات جاری رکھی۔سب سے پہلے پوچھنا کہ بہت مدت پہلے جو چند جوان اپنی قوم سے جدا ہو گئے تھے وہ کون تھے؟ کیونکہ ان کی داستان اور جوان کے ساتھ گزری بہت عجیب و غریب ہے۔علماء یہود کہنے لگے پھر سوال کرنا کہ وہ کون ہے جس نے پوری زمین کا چکر لگایا اور زمین کے مشرق و مغرب تک جا پہنچا اس کا واقعہ کس طرح ہے۔

انہوں نے کہا نیز یہ بھی پوچھنا کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟

قریش کے نمائندے واپس مکہ سرداران قریش کے پاس پہنچ گئے اور کہا ہم نے محمد ﷺ کے سچ اور جھوٹ کی پہچان کا معیار پا لیا ہے۔

پھر انہوں نے اپنا سارا واقعہ سنایا۔

اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے سوالات آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں کل جواب دوں گا۔

لیکن آپ ﷺ نے انشاء اللہ نہ کہا۔ پندرہ دن گزر گئے لیکن اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی اور جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس نہ آئے اس پر اہل مکہ پراپیگنڈا کرنے لگے اور طرح طرح کی غلط باتیں بنانے لگے۔

رسول اللہ ﷺ پر یہ بات بہت گراں گزری۔ آخرکار جبرائیل آئے اور خدا کی طرف سے سورہ کہف لائے۔ اس میں ان جوانوں کی داستان بھی تھی اس سیاح عالم کا واقعہ بھی تھا علاوہ ازیں آپ ﷺ پر آیہ **و یسئلونک عن الروح**............بھی نازل ہوئی۔

تفسیر

اصحاب کہف

گزشتہ آیات میں اس دنیا کی زندگی کے بارے میں بتایا گیا تھا اور یہ واضح کیا گیا تھا کہ یہ دنیا انسان کیلئے آزمائش ہے قرآن چونکہ عمومی حساس مسائل کیلئے کئی ایک مثالیں پیش کرتا ہے یا گزشتہ تاریخ سے نمونے پیش کرتا ہے لہذا یہاں بھی پہلے اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور ان کا ذکر ایک نمونہ عمل کے طور پر کیا گیا ہے۔

چند بیدار فکر اور با ایمان نوجوان تھے وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کر رہے تھے انہوں نے اپنے عقیدے کی حفاظت اور اپنے زمانے کے طاغوت سے مقابلے کیلئے ان سب نعمتوں کو ٹھوکر ماردی پہاڑ کے ایک غار میں جا پناہ لی۔ وہ غار کہ جس میں کچھ بھی نہ تھا۔ یہ اقدام کر کے انہوں نے راہ ایمان میں اپنی استقامت اور پامردی ثابت کردی۔

پہلے فرمایا گیا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ اصحاب کہف ورقیم ہماری عجیب آیات میں سے تھے۔

زمین و آسمان میں ہماری بہت سی عجیب آیات ہیں کہ جن میں سے ہر ایک عظمت تخلیق کا ایک نمونہ ہے خود تمہاری زندگی میں عجیب اسرار موجود ہیں کہ جن میں سے ہر ایک تمہاری دعوت کی حقانیت کی نشانی ہے اور اصحاب کہف کی داستان مسلماً ان سے عجیب تر نہیں ہے۔

(۱۰) اس کے بعد فرمایا گیا ہے اس وقت کا سوچو جب چند جوانوں نے ایک غار میں جا پناہ لی۔

جب وہ ہر طرف سے مایوس تھے انہوں نے بارگاہ خدا کا رخ کیا اور عرض کی پروردگارا! ہمیں اپنی رحمت سے بہرہ ور کر۔ اور ہمارے لئے راہ نجات پیدا کردے۔

ایسی راہ کہ جس سے ہمیں اس تاریک مقام سے چھٹکارا مل جائے اور تیری رضا کے قریب کردے ایسی راہ کہ جس میں خیر و سعادت ہو اور ذمہ داری ادا ہو جائے۔

(۱۱) ہم نے ان کی دعا قبول کی۔ ان کے کانوں پر خواب کے پردے ڈال دیئے اور وہ سالہا سال تک غار میں سوئے رہے۔

(۱۲) پھر ہم نے انہیں اٹھایا اور بیدار کیا تا کہ ہم دیکھیں کہ ان میں سے کون لوگ اپنی نیند کی مدت کا بہتر حساب لگاتے ہیں۔

(۱۳) نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۖ	ہم تجھ سے ان کا صحیح واقعہ بیان کرتے ہیں، وہ (اصحاب کہف) ایسے جوانمرد تھے کہ جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انہیں مزید ہدایت فرمائی۔
(۱۴) وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا	ہم نے ان کے دل مضبوط کئے جبکہ انہوں نے قیام: کیا اور کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، ہم اس کے علاوہ ہرگز کسی کی پرستش نہیں کریں گے۔ اگر ہم ایسی بات کریں تو ہم نے بے ہودہ بات کی۔
(۱۵) هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ	ہماری اس قوم نے اللہ کی بجائے اوروں کو معبود بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ ان معبودوں کیلئے کوئی واضح دلیل کیوں پیش نہیں کرتے؟ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے کہ جو خدا پر جھوٹ باندھے؟
(۱۶) وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا	اور جس وقت ان لوگوں سے اور ان سے ”کہ اللہ کی بجائے جن کی یہ پرستش کرتے ہیں“ تم کنارہ کشی اختیار کرلو، تو غار میں جا پناہ لو کہ تمہارا رب تم پر اپنی رحمت (کا سایہ) کرے گا اور تمہارے لئے آسائش و نجات کی راہ کھول دے گا۔

تفسیر

داستان اصحاب کہف کی تفصیل

اجمالی طور پر واقعہ بیان کرنے کے بعد چودہ آیتوں میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ گفتگو کا آغاز یوں کیا گیا ہے ان کی داستان جیسا کہ ہے ہم تجھ سے بیان کرتے ہیں۔

وہ چند جوانمرد تھے کہ جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت اور بڑھا دی تھی۔

آیات قرآن سے اجمالی طور پر اور تاریخ سے تفصیلی طور پر یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اصحاب کہف جس دور اور ماحول میں رہے تھے اس میں کفر و بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ ایک ظالم حکومت کہ جو عام طور پر شرک' کفر' جہالت' غارت گری اور ظلم کی محافظ تھی لوگوں کے سروں پر مسلط تھی لیکن یہ جوانمرد کہ جو ہوش و صداقت کے حامل تھے آخر کار اس دین کی خرابی کو جان گئے۔ انہوں نے اس کے خلاف قیام کا مصمم ارادہ کر لیا اور فیصلہ کیا کہ اگر اس دین کے خاتمے کی طاقت نہ ہوئی تو ہجرت کر جائیں گے۔

(۱۴) اسی لئے گزشتہ بحث کے بعد قرآن کہتا ہے جب انہوں نے قیام کیا اور کہا کہ ہمارا رب آسمان و زمین کا پروردگار ہے ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس کے علاوہ کسی معبود کی ہرگز پرستش نہیں کریں گے۔ اگر ہم ایسی بات کریں اور اس کے علاوہ کسی کو معبود سمجھیں تو ہم نے بیہودہ اور حق سے دور بات کہی۔

ان با ایمان جوانمردوں نے واقعاً توحید کے اثبات اور الہٰ کی نفی کیلئے واضح دلیل کا سہارا لیا اور وہ یہ کہ ہم واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ آسمان و زمین کا کوئی مالک اور پروردگار ہے کہ وجود نظام خلقت جس کے وجود کی دلیل ہے اور ہم بھی اس عالم ہستی کا ایک حصہ ہیں لہٰذا ہمارا پروردگار بھی وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔

(۱۵) اس کے بعد وہ ایک اور دلیل سے متوسل ہوئے اور وہ یہ کہ ہماری اس قوم نے خدا کے علاوہ معبود بنا رکھے ہیں۔ تو کیا دلیل و برہان کے بغیر بھی اعتقاد رکھا جا سکتا ہے وہ ان کی الوہیت کے بارے میں کوئی واضح دلیل پیش کیوں نہیں کرتے۔ کیا تصور خیال یا اندھی تقلید کی بناء پر یہ ایسا عقیدہ اختیار کیا جا سکتا ہے؟

یہ کیسا کھلم کھلا ظلم اور عظیم انحراف ہے؟ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے کہ جو خدا پر جھوٹ باندھے۔

یہ افتراء اپنے اوپر بھی ظلم ہے اور معاشرے پر بھی اپنے اوپر اس طرح کہ وہ اپنے آپ کو اس طرح بدبختی اور تباہی کے سپرد کر دیتا ہے اور معاشرے پر اس طرح کہ یہی عقیدہ وہ اس میں پیش کرتا ہے اور اسے ہی انحراف کی طرف کھینچتا ہے اور یہ ساحت قدس پروردگار میں بھی ظلم ہے اور اس کے مقام بزرگ کی اہانت ہے۔

(۱۶) ان توحید پرست جواں مردوں نے بہت کوشش کی کہ لوگوں کے دلوں سے شرک کا زنگ اتر جائے اور ان کے دلوں میں توحید کی کونپل پھوٹ پڑے لیکن وہاں تو بتوں اور بت پرستی کا ایسا شور تھا اور ظالم بادشاہ کے ظلم و بے داد کا ایسا خوف تھا کہ گویا سانس مخلوق خدا کے سینے میں گھٹ کے رہ گئی تھی اور نغمہ توحید ان کے حلق میں ہی اٹک کر رہ گیا تھا۔

لہٰذا انہوں نے مجبوراً اپنی نجات کیلئے اور بہتر ماحول کی تلاش کیلئے ہجرت کا عزم کیا۔ لہٰذا باہمی مشورے ہونے لگے کہ کہاں جائیں کس طرف کو کوچ کریں۔ آپس میں کہنے لگے۔ جب اس بت پرست قوم سے کنارہ کشی اختیار کر لو اور خدا کو چھوڑ کر جنہیں یہ پوجتے ہیں ان سے الگ ہو جاؤ اور اپنا حساب کتاب ان سے جدا کر لو تو غار میں جا پناہ لو۔ تاکہ تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت کا سایہ کر دے اور اس مشکل سے نکال کر تمہیں نجات کی راہ پر ڈال دے۔

(۱۷)وَ تَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَ اِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمۡ فِىۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ ۚ وَ مَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرۡشِدًا ۠	جب سورج نکلتا ہے تو تو دیکھے گا کہ ان کے (غار کے) دائیں طرف جھک کے نکلتا ہے، وقت غروب بائیں جانب کو اور وہ غار کے اندر ایک وسیع جگہ پر موجود ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جس شخص کی ہدایت اللہ کرے در حقیقت وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ بھٹکا دے تو پھر تجھے اس کا کوئی سرپرست وراہنما نہیں ملے گا۔
(۱۸)وَ تَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّ هُمۡ رُقُوۡدٌ ۖ وَّ نُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَ كَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّ لَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا	(اور اگر تو ان کو دیکھتا تو) سمجھتا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ نیند میں مستغرق تھے اور ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ بدلواتے ہیں (تا کہ ان کا جسم صحیح وسالم رہے) اور ان کے کتے نے غار کے دہانے پر اپنے اگلے پاؤں پھیلا رکھے ہیں (اور نگہبانی کر رہا ہے)۔ اور اگر تو انہیں دیکھتا تو بھاگ کھڑا ہوتا اور سرتا پا وحشت زدہ ہو جاتا۔

تفسیر

اصحاب کہف کا اہم مقام

ان دو آیات میں قرآن غار میں اصحاب کہف کی عجیب وغریب زندگی کی کچھ تفصیلات بیان کر رہا ہے۔

ان دو آیتوں میں غار اور اصحاب کہف کی چھ نشانیاں اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

1......غار کا دہانہ شمال کی طرف ہے اور غار چونکہ زمین کے شمال نصف کرہ میں واقع تھی لہٰذا سورج کی روشنی مستقیم اس میں نہیں پڑتی تھی۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے اگر تو وقت طلوع سورج کو دیکھتا تو وہ غار کی دائیں جانب جھک کے گزرتا ہے اور غروب کے وقت بائیں جانب۔

اس طرح سے ان پر سورج کی براہ راست روشنی نہیں پڑتی تھی۔ اگر پڑتی رہتی تو ہوسکتا ہے کہ ان کے جسم بوسیدہ ہو جاتے۔

2......وہ غار کی ایک وسیع جگہ میں تھے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ غار کے دہانے پر موجود نہ تھے کیونکہ وہ تو عموماً تنگ ہوتا ہے وہ غار کے وسطی حصے میں تھے تا کہ

دیکھنے والوں کی نظروں سے بھی اوجھل رہیں اور سورج کی براہ راست چمک سے بھی۔ یہاں قرآن سلسلہ گفتگو کو گویا روکتے ہوئے ایک معنوی نتیجہ بیان کرتا ہے کیونکہ اس ساری داستان کا ذکر اسی مقصد کیلئے کیا جا رہا ہے ارشاد ہوتا ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جس شخص کو اللہ ہدایت دے وہی حقیقی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ بھٹکا دے اس کیلئے تجھے کوئی سرپرست و راہنما نہیں ملے گا۔

جی ہاں! جو لوگ راہ خدا میں قدم اٹھاتے ہیں اور اس کی راہ میں جہاد کیلئے نکل پڑتے ہیں ہر قدم پر انہیں اللہ کا لطف و کرم حاصل ہوتا ہے یہ لطف و کرم کام کی بنیاد ہی میں میسر نہیں آتا بلکہ اس کی جزئیات میں بھی شامل حال رہتا ہے۔

(۱۸) 3......ان کی نیند عام نیند کی سی نہ تھی۔ اگر تو انہیں دیکھتا تو خیال کرتا کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ گہری نیند میں سوئے ہوئے تھے۔

یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ان کی آنکھیں بالکل ایک بیدار شخص کی طرح پوری طرح کھلی تھیں۔ یہ استثنائی حالت شاید اس بناء پر تھی کہ موذی جانور قریب نہ آئیں کیونکہ وہ بیدار آدمی سے ڈرتے ہیں یا اس کی وجہ یہ تھی کہ ماحول رعب انگیز رہے تاکہ کوئی انسان ان کے پاس جانے کی جرات نہ کرے اور یہ صورت حال ان کیلئے ایک سپر کا کام دے۔

4......اس بناء پر کہ سالہا سال سوئے رہنے کی وجہ سے ان کے جسم بوسیدہ نہ ہو جائیں۔ ہم انہیں دائیں بائیں کروٹیں بدلواتے رہتے تھے۔ تاکہ ان کے بدن کا خون ایک ہی جگہ نہ ٹھہر جائے اور طویل عرصہ ایک طرف مرتکز ہونے کی وجہ سے ان کے اعصاب خراب نہ ہو جائیں۔

5......اس دوران میں کتا کہ جوان کے ہمراہ تھا غار کے دہانے پر اپنے اگلے پاؤں پھیلائے ہوئے تھے اور پہرا دے رہا تھا۔

6......غار میں اصحاب کہف کا منظر ایسا رعب انگیز تھا کہ اگر تو انہیں جھانک کے دیکھ لیتا تو بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرا وجود سرتاپا خوفزدہ ہو جاتا۔

(۱۹) وَكَذٰلِكَ بَعَثۡنٰهُمۡ لِيَتَسَآءَلُوۡا بَيۡنَهُمۡ‌ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ‌ؕ قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثۡتُمۡ ؕ فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ وَلۡيَتَلَطَّفۡ وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا	اسی طرح ہم نے انہیں (نیند سے) اٹھا بٹھایا تاکہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کتنی مدت سوئے ہو، انہوں نے کہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ کہنے لگے تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے ہو۔ تمہارے پاس جو سکہ ہے اب وہ دے کر کسی کو شہر کی طرف بھیجو تاکہ وہ دیکھے کہ سب سے پاکیزہ کھانا جہاں سے ملتا ہو وہاں سے وہ کھانے کیلئے کچھ لے آئے۔ لیکن اسے چاہیئے کہ بڑی احتیاط سے کام لے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو تمہارے بارے میں کچھ بتا بیٹھے۔

(۲۰)اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَ لَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا	کیونکہ اگر انہیں تمہارے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا اپنے دین کی طرف پھیر لے جائیں گے اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر تم کبھی فلاح کا منہ نہیں دیکھ پاؤ گے۔

تفسیر

ایک طویل نیند کے بعد بیداری

خدا نے چاہا تو آئندہ آیات کے ذیل میں ہم پڑھیں گے کہ اصحاب کہف کی نیند اتنی لمبی ہوگئی کہ وہ تین سو نو سال (۳۰۹) تک سوئے رہے اور ان کی نیند موت سے بالکل ملتی جلتی تھی اور ان کی بیداری بھی قیامت کی مانند تھی۔ لہٰذا زیر بحث آیات میں قرآن کہتا ہے اور ہم نے انہیں اسی طرح اٹھا کھڑا کیا۔

یعنی اسی طرح کہ جیسے ہم اس پر قادر تھے کہ انہیں لمبی مدت تک سلائے رکھتے انہیں پھر سے بیدار کرنے پر بھی قادر تھے۔

ہم نے انہیں نیند سے بیدار کر دیا تا کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے کتنی مدت سوئے ہو؟

انہوں نے کہا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔

لیکن آخر کار چونکہ انہیں صحیح طرح سے معلوم نہ ہو سکا کہ کتنی دیر سوئے ہیں لہٰذا کہنے لگے تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ کتنی دیر سوئے ہو۔

لیکن انہیں بھوک اور پیاس کا احساس ہوا کیونکہ ان کے بدن میں جو غذا تھی وہ تو تمام ہو چکی تھی لہٰذا پہلے انہوں نے یہی تجویز کیا کہ تمہارے پاس چاندی کا جو سکہ ہے اپنے میں سے ایک کو دو تا کہ وہ جائے اور دیکھے کہ کس کے پاس اچھی پاکیزہ غذا ہے اور جتنی تمہیں چاہئے تمہارے لئے لے آئے۔

لیکن بہت احتیاط سے جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کو تمہارے بارے میں کچھ بتا بیٹھے۔

(۲۰) کیونکہ اگر انہیں تمہارے بارے میں پتہ چل گیا اور انہوں نے تمہیں آ لیا تو سنگسار کر دیں گے یا پھر تمہیں اپنے دین (بت پرستی) کی طرف موڑ لے جائیں گے۔

اور اگر ایسا ہو گیا تو تم نجات اور فلاح کا منہ نہ دیکھ پاؤ گے۔

(۲۱)وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَارَيۡبَ فِيۡهَا ۚ اِذۡ يَتَنَازَعُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اَمۡرَهُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَيۡهِمۡ بُنۡيَانًا ؕ رَبُّهُمۡ اَعۡلَمُ بِهِمۡ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰٓى اَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا	اور ہم نے اس طرح سے لوگوں کو ان کے حال سے مطلع کیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ (قیامت) حق ہے، دنیا کے ختم ہو جانے اور قیامت کے برپا ہو جانے میں کوئی شک نہیں۔اس وقت ان میں اس بارے میں نزاع پیدا ہو گیا (یعنی مخالفوں نے) کہا: ان پر عمارت بنا دیجائے (تا کہ لوگ یہ واقعہ بھول جائیں۔وہ لوگوں کو بھی کہتے تھے کہ) ان کا رب ان کی کیفیت سے بہتر آ گاہ ہے۔(لیکن جو اس واقعہ کو قیامت و معاد کی دلیل سمجھتے تھے) انہوں نے کہا: ہم ان کے مدفن کے پاس ایک مسجد بنائیں گے (تا کہ انہیں بھلا نہ جا سکے)۔
(۲۲)سَيَقُوۡلُوۡنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ ۚ وَ يَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَةٌ سَادِسُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ رَجۡمًاۢ بِالۡغَيۡبِ ۚ وَ يَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ ؕ قُلۡ رَّبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۙ۫ فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَّ لَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ۚ	بعض کہتے ہیں کہ وہ تین افراد تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب بلا دلیل باتیں ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ وہ سات افراد تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا، کہہ دو کہ میرا رب ان کی تعداد سے بہتر آ گاہ ہے، چند افراد کے سوا ان کی تعداد کو کوئی نہیں جانتا، لہٰذا ان کے بارے میں بغیر دلیل بات نہ کر، نہ ان کے بارے میں کسی سے سوال نہ کرو،
(۲۳)وَ لَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاىۡءٍ اِنِّىۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ	اور ہرگز یہ نہ کہو کہ میں کل فلاں کام انجام دوں گا۔

(۲۴)اِلَّآ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيۡتَ وَ قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّهۡدِيَنِ رَبِّىۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا	مگر یہ کہ خدا چاہے اور اگر تو بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر اور کہہ: مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے زیادہ واضح (روشن) راستہ کی ہدایت کرے گا۔

تفسیر

اصحاب کہف کے واقعے کا اختتام

جلد ہی لوگوں میں ان عظیم جوانمردوں کی ہجرت کی داستان پھیل گئی۔ ظالم بادشاہ سیخ پا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی ہجرت یا بھاگ نکلنا لوگوں کی بیداری اور آگاہی کا سبب بن جائے۔ لہٰذا اس نے خاص افراد کو مامور کیا کہ انہیں ہر جگہ تلاش کیا جائے اور ان کا کچھ اتہ پتہ معلوم ہو تو گرفتاری کیلئے تعاقب کیا جائے اور انہیں سزا دی جائے۔

لیکن انہوں نے جتنی بھی کوشش کی کچھ نہ پایا۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اس پر کیا گزری جو غذا لینے کیلئے آیا۔ وہ شہر میں داخل ہوا تو اس کا منہ تعجب سے کھلے کا کھلا رہ گیا شہر کی عمارتوں کی شکل وصورت تمام تبدیل ہو چکی تھی، سب چہرے ناشناس تھے لباس نئے انداز کے تھے یہاں تک کہ لوگوں کی بول چال اور رسم ورواج بھی بدل چکے تھے کل کے ویرانوں پر آج محل تھے اور جہاں پہلے محل تھے وہاں ویرانے ہی ویرانے تھے۔

اب وہ سوچنے لگا کہ وہ غار میں ایک یا آدھا دن سوئے ہیں تو پھر یہ اتنی تبدیلیاں اتنی مدت میں کیسے ممکن ہیں؟

اس وقت لوگوں کا تعجب انتہا کو پہنچ گیا جب اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تا کہ اس کھانے کی قیمت ادا کرے جو اس نے خریدا تھا دکاندار کی نگاہ سکے پر پڑی وہ تین سو سال سے زیادہ پرانے دور کا تھا اور شاید اس زمانے کے ظالم بادشاہ دقیانوس کا نام بھی اس پر کندہ تھا جب اس نے وضاحت چاہی تو خریدار نے جواب میں کہا میرے ہاتھ میں تو یہ سکہ ابھی تازہ ہی آیا ہے۔

خود اسے بھی احساس ہوا کہ وہ اور اس کے ساتھی کسی گہری اور طولانی نیند میں مستغرق رہے ہیں۔ اس بات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں آن کی آن میں پھیل گئی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ایک نیک اور خدا پرست بادشاہ حکومت کرتا تھا لیکن معاد جسمانی اور موت کے بعد مردوں کے جی اٹھنے کے مسئلہ پر یقین کرنا وہاں کے لوگوں کیلئے مشکل تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو اس بات پر یقین نہیں آتا تھا کہ انسان مرنے کے بعد پھر جی اٹھے گا لیکن اصحاب کہف کی نیند کا واقعہ معاد جسمانی کے طرفداروں کیلئے ایک دندان شکن دلیل بن گیا۔

اسی لئے زیر نظر پہلی آیت میں قرآن کہتا ہے جیسے ہم نے انہیں سلا دیا تھا اسی طرح انہیں اس گہری اور طویل نیند سے بیدار کیا اور لوگوں کو ان کے حال کی طرف متوجہ کیا تا کہ وہ جان لیں کہ قیامت کے بارے میں خدا کا وعدہ حق ہے۔

اور دنیا کے خاتمے اور قیام قیامت میں کوئی شک نہیں۔

یہ سونا اور جاگنا کئی حوالوں سے مرنے اور پھر جی اٹھنے سے عجیب تر ہے کیونکہ وہ صدیوں سوئے رہے لیکن ان کا بدن بوسیدہ نہ ہوا جبکہ انہوں نے کچھ کھایا نہ پیا۔تو پھر وہ اتنی لمبی مدت زندہ کس طرح رہے۔

کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ خدا ہر چیز اور ہر کام پر قادر ہے۔ایسے منظر کی طرف نظر کی جائے تو موت کے بعد زندگی کا مسئلہ کوئی عجیب معلوم نہیں ہوتا بلکہ یقینی طور پر ممکن دکھائی دیتا ہے۔

جو شخص غذا لینے شہر میں آیا تھا اس نے یہ صورت دیکھی تو جلدی سے غار کی طرف پلٹا اور اپنے دوستوں کو سارا حال سنایا وہ سب کے سب گہرے تعجب میں ڈوب گئے۔ان کو یہ زندگی بہت سخت اور ناگوار لگی۔لہٰذا انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اس جہان سے ہماری آنکھیں بند ہو جائیں اور ہم جوار رحمت حق میں منتقل ہو جائیں۔

ایسا ہی ہوا اس دنیا سے انہوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ان کے جسم غار میں پڑے تھے کہ لوگ ان کی تلاش کو نکلے۔

اس مقام پر معاد جسمانی کے طرفداروں اور مخالفوں کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔مخالفین کی کوشش تھی کہ لوگ اصحاب کہف کے سونے اور جاگنے کے مسئلہ کو جلد بھول جائیں لہٰذا انہوں نے تجویز پیش کی کہ غار کا دروازہ بند کر دیا جائے تاکہ وہ ہمیشہ کیلئے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں۔

وہ لوگوں کو خاموش ہونے کیلئے کہتے تھے کہ ان کے بارے میں زیادہ باتیں نہ کرو ان کی داستان اسرار آمیز ہے ان کا پروردگار ان کی کیفیت سے زیادہ آگاہ ہے۔لہٰذا ان کا قصہ ان تک رہنے دو اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔

جبکہ حقیقی مومن کہ جنہیں اس واقعے کی خبر ہوئی اور جو اسے قیامت کے حقیقی مفہوم کے اثبات کیلئے ایک زندہ دلیل سمجھتے تھے ان کی کوشش تھی کہ یہ واقعہ ہرگز فراموش نہ ہونے پائے لہٰذا انہوں نے کہا ہم ان کے مدفن کے پاس مسجد بناتے ہیں تاکہ لوگ انہیں اپنے دلوں سے ہرگز فراموش نہ کریں علاوہ ازیں ان کی ارواح پاک سے لوگ استمداد کریں۔

اس آیت میں یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ بزرگان دین کی قبور کے احترام میں مسجد اور عبادت خانہ بنانا نہ صرف حرام نہیں ہے بلکہ اچھا اور پسندیدہ کام ہے۔

(۲۲) اس آیت میں ان چند اختلافات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو اصحاب کہف کے بارے میں لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ان میں سے ایک ان کی تعداد کے بارے میں ہے۔ارشاد ہوتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔

یہ سب بلادلیل باتیں ہیں اور اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

کہہ دے میرا رب ان کی تعداد بہتر جانتا ہے۔

صرف تھوڑے سے لوگ ان کی تعداد جانتے ہیں۔

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے۔استدلالی اور منطقی گفتگو کے علاوہ ان کے بارے میں بحث نہ کر۔

"ا فلا تمارفیھم الّا مراءً ظاھرا" کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے ساتھ اس طرح سے منطقی اور استدلالی گفتگو کر کہ تیری منطق کی برتری واضح ہو۔

جو لوگ بغیر دلیل کے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں بات کرتے ہیں ان سے اس بارے میں سوال نہ کر۔

(۲۳) اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ایک عمومی حکم دیا گیا ہے کبھی نہ کہو کہ میں کل یہ کام کروں گا۔مگر یہ کہ خدا چاہے۔

یعنی آئندہ کی خبروں اور کاموں کے ارادے میں انشاءاللہ حتمی طور پر کہا کرو کیونکہ:

اولاً:ارادہ کرنے میں ہرگز تم مستقل نہیں کیونکہ خدا نہ چاہے تو کوئی شخص بھی کسی کام کی طاقت نہیں رکھتا لہذا یہ واضح کیا کرو کہ تمہاری قوت اس کی لایزال قوت سے ہے اور تمہاری طاقت اس کی قدرت سے وابستہ ہے اس لئے لازمی طور پر انشاءاللہ (اگر خدا نے چاہا تو) کہا کرو۔

ثانیاً:ایسا انسان کہ جس کی طاقت محدود ہو اور راہ میں رکاوٹیں پیدا ہونے کا احتمال بھی ہو اس کیلئے صحیح نہیں ہے کہ وہ آئندہ کی کوئی یقینی اور قطعی خبر دے جبکہ بعض اوقات اچانک غیر متوقع رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔لہذا ایسی باتوں کے ساتھ انشاءاللہ کہنا چاہئے۔

اس جملے کے بعد قرآن کہتا ہے اگر تو بھول جائے تو پھر اپنے رب کو یاد کر۔

یہ جملہ اس طرف اشارہ ہے کہ آئندہ کے امور کے بارے میں بات کرتے ہوئے انشاءاللہ کہنا بھول جائے تو جس وقت یاد آئے فوراً تلافی کرو اور انشاءاللہ کہو یہ کہنے سے گزشتہ کی تلافی ہو جائے گی اور کہہ مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے زیادہ واضح راستے کی ہدایت کرے گا۔

(۲۵) وَ لَبِثُوۡا فِیۡ کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ وَ ازۡدَادُوۡا تِسۡعًا	وہ اپنے غار میں تین سو سال سے نو سال اوپر ٹھہرے رہے۔
(۲۶) قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَ اَسۡمِعۡ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ ۫ وَّ لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا	کہہ دو: ان کے قیام کی مدت سے خدا زیادہ آگاہ ہے، آسمان اور زمین کے پوشیدہ امور سے وہی واقف ہے واقعاً وہ کیا خوب دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔اسکے علاوہ ان کا کوئی ولی و سرپرست نہیں اور کوئی شخص اس کے حکم میں شریک نہیں ہے۔

(۲۷)وَ اتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا	جو کچھ کتاب میں سے تیرے رب کی طرف سے تجھ پر وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کر،کوئی اس کے فرمودات بدل نہیں سکتا اور اس کے علاوہ تجھے کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

تفسیر

اصحاب کہف کی نیند

گزشتہ آیات میں موجود قرائن سے اجمالاً معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کی نیند بہت لمبی تھی۔ یہ بات ہر شخص کی حس جستجو کو ابھارتی ہے۔ ہر شخص جاننا چاہتا ہے کہ وہ کتنے برس سوئے رہے۔ زیر نظر آیات اس داستان کی قرآن حکیم میں آخری آیات ہیں۔ ان آیات میں تردد ختم کرتے ہوئے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وہ اپنی غار میں تین سو سال سے نو برس زیادہ سوئے رہے۔

اس لحاظ سے وہ کل تین سو نو سال غار میں سوئے رہے۔

(۲۶) اس کے بعد اس بارے میں لوگوں کے اختلاف آراء کو ختم کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کہہ دے خدا ان کے قیام کی مدت کو بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین کے غیب کے احوال اس کے سامنے ہیں اور وہ ہر کسی کی نسبت انہیں زیادہ جانتا ہے۔ اور جو کل کائنات ہستی سے باخبر ہے کیونکر ممکن ہے کہ وہ اصحاب کہف کے غار میں قیام کی مدت سے آگاہ نہ ہو۔

واقعاً وہ کیا خوب دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔

لہٰذا آسمانوں اور زمین کے باسیوں کا اس کے علاوہ کوئی اور سرپرست نہیں ہے۔

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے اور کوئی شخص حکم خدا میں شریک نہیں ہے۔

درحقیقت یہ اللہ کی ولایت مطلقہ کے بارے میں تاکید ہے۔

(۲۷) زیر نظر آخری آیت میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جو کچھ کتاب خدا میں سے تجھ پر وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کر۔

اور ادھر ادھر کی دروغ آمیز اور بے بنیاد باتوں کی پروانہ کر۔ ان امور میں تجھے صرف وحی خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے کیونکہ کوئی چیز اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتی اور اس کی بات اور اس کی معلومات میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔

اس کا علم اور کلام بندوں کے علم اور کلام کی طرح نہیں ہے کہ جو ہر روز نئے انکشاف اور آگاہی کی وجہ سے تبدیل ہوتا رہے۔ اسی لئے بندوں کے علم اور کلام پر سو فیصد اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اسی وجہ سے تجھے اس کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

اس واقعے کے تربیتی اور تعمیری پہلو

اس عجیب وغریب تاریخی واقعے کوقرآن نے تمام طرح کے خرافات اور بے بنیاد باتوں سے پاک کرکے ٹھیک بیان کر دیا ہے یہ واقعہ بھی قرآن کے دیگر تمام واقعات کی طرح تربیتی اور تعمیری نکات سے معمور ہے۔

1......اس داستان کا پہلا سبق تقلید کے بند توڑنا ہے۔اس داستان کا تقاضا ہے کہ فاسد ماحول کے رنگ میں نہیں رنگے جانا چاہئے۔

اصولی طور پر انسان کو معاشرہ ساز ہونا چاہئے نہ کہ اس کی برائیوں کا شریک کار سست کمزور اور بے حیثیت لوگ وہ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں۔

''خواہی نشوی رسوا ہم رنگ جماعت شو''

(اگر تم ذلیل نہیں ہونا چاہتے تو جیسے لوگ ہیں ویسے ہو جاؤ)۔

جبکہ اہل ایمان اور حریت فکر رکھنے والے افراد کہتے ہیں۔

''لوگوں کا ہم رنگ ہونا تیرے لئے باعث ننگ وعار ہے''۔

2......اس عبرت انگیز واقعے کا دوسرا سبق برے ماحول سے ہجرت اختیار کرنا۔

3......اس داستان کا تیسرا درس تقیہ ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ تقیہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ انسان اپنے حقیقی مقام یا موقف کو ایسے مقام پر مخفی رکھے کہ جہاں ظاہر کرنا بے نتیجہ ہوتا کہ مقابلے کیلئے اور دشمن پر ضرب لگانے کے موقع کیلئے اپنی قوت کو محفوظ رکھا جا سکے۔

4......اللہ کی راہ میں سب انسان برابر ہیں۔وزیر اور چرواہا اکٹھے ہیں بلکہ ان کی حفاظت کرنے والا کتا بھی ان کے ساتھ ہے یہ بھی اس واقعے کا ایک درس ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ مادی دنیا کے امتیازات اور مقام ومنصب راہ حق کے مسافروں کو ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں کرتے اور راہ توحید تمام انسانوں میں مساوات کا راستہ ہے۔

5......اس داستان کا ایک درس یہ بھی ہے کہ مشکلات کے مواقع پر اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کی تعجب انگیز طور پر امداد کی جاتی ہے۔

6......اصحاب کہف نے ان سخت ترین حالات میں بھی ہمیں پاکیزہ غذا کھانے کا درس دیا کیونکہ جسم انسان کی غذا کا انسانی روح فکر اور دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔انسان جب حرام اور ناپاک غذا سے آلودہ ہوتا ہے تو وہ راہ خدا سے اور تقوی سے دور ہو جاتا ہے۔

7۔مشیت خدا پر بھروسہ اور اعتماد ضروری ہے۔اس کے لطف وکرم سے مدد طلب کرنا اور آئندہ کے امور کیلئے انشاء اللہ کہنا۔ یہ درس بھی ہم نے اس واقعے کے ضمن میں سیکھا ہے۔

8......اس واقعے سے ایک اور اصلاحی سبق یہ ملتا ہے کہ مخالفین سے سابقہ پڑے تو ضروری ہے کہ بحث منطقی بنیاد پر کی جائے

کیونکہ جب اصحاب کہف اس شرک آلود ماحول پر تنقید کرتے تو منطقی دلائل کا سہارا لیتے۔

9......دسواں درس اس داستان کا معاد جسمانی اور قیامت کے دن انسان کی حیات نو کے امکان کا ہے۔

بہر حال مقصد خواہ مخواہ کی مشغولیت اور داستان گوئی نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسانوں کو مجاہد، بہادر، باایمان، آگاہ اور شجاع بنانا ہے اور ان کی اصلاح کرنا ہے اس کیلئے دیگر تبلیغی طریقوں کے علاوہ ایک یہ ہے کہ انسان کی گزشتہ تاریخ سے حقیقی نمونے پیش کئے جائیں۔

(۲۸)وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ بِالۡغَلٰوةِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَهٗ وَ لَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡھُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَةَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوٰهُ وَ کَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا	(اے پیغمبر متکبر دشمنوں کے مقابلے میں) صبر و استقامت اختیار کر (اور) ان لوگوں کے ساتھ کہ جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور صرف اس کی ذات کے خواہاں ہیں۔ حیات دنیا کی آرائش کی وجہ سے ہرگز اپنی آنکھیں ان سے نہ اٹھا اور ان لوگوں کی اطاعت نہ کر جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، وہ کہ جنہوں نے ہوائے نفس کی پیروی کی ہے اور جن کے کام تجاوز پر مبنی ہیں۔
(۲۹)وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ۙ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِھِمۡ سُرَادِقُھَا ؕ وَ اِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُھۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡهَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا	اور کہہ دے کہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے، جو چاہے ایمان لے آئے (اور اس حقیقت کو مان لے) اور جو چاہے کافر ہو جائے۔ ظالموں کیلئے ہم نے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے کہ جس کی قناتیں انہیں ہر طرف سے گھیر لیں گی اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں ایسا پانی پیش کیا جائے گا جو پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا اور منہ کو بھون ڈالے گا، وہ کیا برا پانی ہے اور کیا برا ٹھکانا ہے۔
(۳۰)اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۚ	یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل انجام دیئے تو ہم نیک لوگوں کی جزا ضائع نہیں کریں گے۔

(۳۱) أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهِمُ ٱلْأَنْهَٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ ۚ نِعْمَ ٱلثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا	وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کا مسکن بہشت جاوداں ہے، ایسے باغات بہشت کے جن کے درختوں اور محلوں کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ وہ وہاں سونے کے کنگنوں سے سنوارے جائیں گے اور انہیں سبز رنگ کے نازک اور دبیز ریشم کے (فاخرہ) لباس پہنائے جائیں گے۔ وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیا ہی اچھی جزا ہے اور کیسی پیاری جگہ ہے۔

شان نزول

کچھ سرمایہ دار متکبر خودغرض اشراف خدمت رسول ﷺ میں حاضر ہوئے۔ وہ سلمان، ابوذر، صہیب اور خباب وغیرہ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے۔ اے محمد ﷺ! اگر تو کسی محفل میں صدر نشین ہو اور ایسے افراد اپنے سے دور کر دے یعنی مجلس میں اشراف اور بڑے لوگ بیٹھے ہوں تو ہم تیرے پاس آئیں گے تیری مجلس میں بیٹھیں گے اور تیری باتوں سے فائدہ اٹھائیں گے لیکن کیا کریں ان لوگوں کے ہوتے ہوئے تو ہم یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔

اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں اور پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ان پرفریب کھوکھلی باتوں کی طرف ہرگز مائل نہ ہوں اور زندگی کے ہر دور میں ہمیشہ باایمان، پاک دل افراد کے ساتھ رہیں کہ جو سلمان و ابوذر جیسے ہوں۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا:

''حمد ہے اس خدا کیلئے جس نے موت سے پہلے یہ حکم دیا کہ تم جیسے لوگوں کے ساتھ رہوں''

''معکم المحیاو معکم الممات''

تمہارے ساتھ جینا اور تمہارے ساتھ مرنا ہی اچھا ہے۔

تفسیر

پاک دل غریب لوگ

اصحاب کہف کے واقعے نے ہمیں جو بہت سے درس دیئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسانوں کی قدر و قیمت کا معیار منصب ظاہری مقام اور دولت و ثروت نہیں ہے۔ اللہ کی راہ میں وزیر اور چرواہا ایک ہی صف میں ہیں زیر بحث آیات میں درحقیقت اسی اہم مسئلے کا ذکر ہے ان میں پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے ان افراد کے ساتھ رہو کہ جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور صرف اسی کی پاک ذات کے طلبگار ہیں۔

اس کے بعد تاکید کے طور پر گفتگو جاری ہے یہ باایمان کہ جو ظاہراً فقیر سے ہیں ان سے ہرگز اپنی آنکھیں نہ پھیرو اور دنیا کی زینتوں کی خاطر خدا سے بے خبر ان متکبرین کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔

مزید تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے اور جن کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے ان کی اطاعت نہ کرو۔ ان کی کہ جنہوں نے ہوائے نفس کی پیروی کی ہے (واتبع ھویہ) وہی کہ جن کے سارے کام افراط پر مبنی ہیں۔ جو سوچ بچار اور غور و فکر سے کام نہیں لیتے اور جن کے کام حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔

(۲۹) مذکورہ موضوع کی اس قدر اہمیت ہے کہ اگلی آیت میں قرآن صراحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے کہتا ہے کہہ دو کہ میرا تو یہ طریق کار ہے اور یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک حقیقت ہے جو چاہے ایمان لے آئے اور اس حقیقت کو قبول کر لے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔

لیکن یہ جان لو کہ یہ دنیا پرست ظالم کہ جو اپنی دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت پر اتراتے ہوئے سلمان و ابوذر جیسے لوگ کے کھردرے لباس کا مذاق اڑاتے ہیں ان کا انجام بہت برا اور تاریک ہے کیونکہ ہم نے ان ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ جس نے چاروں طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے۔

جی ہاں! وہ جب اس دنیاوی زندگی میں پیاسے ہوتے تو آواز دیتے اور خدام طرح طرح کے مشروبات ان کے سامنے لا حاضر کرتے لیکن جہنم میں جب وہ پانی مانگیں گے انہیں ایسا پانی پیش کیا جائے گا جو ایسی پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا کہ اگر چہرے کے قریب ہو تو اسے بھون دے۔ یہ پینے کی کیا بری چیز ہے۔ اور دوزخ کتنا برا ٹھکانا ہے۔

یہاں ان کے عیش کدوں میں طرح طرح کے مشروبات ہیں اور جب وہ ساقی کو آواز دیتے ہیں تو وہ شراب کے رنگا رنگ جام ان کے سامنے لا حاضر کرتے ہیں دوزخ میں بھی ان کیلئے ساقی اور مشروبات موجود ہیں لیکن وہاں کا مشروب پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا یتیموں کے اشک سوزاں اور محتاجوں کی آہ آتشیں سے ابلتا ہوا پانی۔

جی ہاں وہاں جو کچھ ہے وہ یہاں کی کیفیتوں کا تجسم ہے (پناہ بخدا)

(۳۰) قرآن حکیم کی روش چونکہ تطبیقی اور تربیتی ہے لہٰذا خود غرض دنیا پرستوں کے اوصاف اور ان کا کیفر کردار بیان کرنے کے بعد حقیقی مومنین کی حالت اور ان کا انتہائی زیادہ اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے پہلے مختصر طور پر اور پھر ذرا تفصیل سے۔ ارشاد ہوتا ہے وہ کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم ان نیکوکاروں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کریں گے۔

(۳۱) پھر ان کا اجر و ثواب ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جنت جاوداں ان کیلئے ہیں۔ وہ باغات بہشت کہ جن کے درختوں تلے نہریں رواں ہیں۔ وہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ ہوں گے۔ اور وہ سبز رنگ کے نازک و بیز ریشم کے فاخرہ لباس زیب تن کئے ہوں گے۔ جبکہ وہ تختوں اور کرسیوں پر تکیہ لگائے ہوں گے۔ واہ کیا کہنا! کیا اچھی چیز ہے۔ اور دوستوں کا کیسا اچھا اکٹھ ہے۔

(۳۲)وَ اضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّ حَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّ جَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ؕ	(اے رسول) ان سے دوشخصوں کی مثال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے قسم قسم کے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے۔ ان کے گردا گرد کھجور کے درخت تھے اور ان دونوں کے درمیان اچھی بابرکت کھیتی تھی۔
(۳۳)كِلۡتَا الۡجَنَّتَيۡنِ اٰتَتۡ اُكُلَهَا وَ لَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـًٔا ۙ وَّ فَجَّرۡنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ	دونوں باغ پھلتے پھولتے تھے اوران کے بارآور ہونے میں کوئی کمی نہ تھی۔ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کی تھی۔
(۳۴)وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكۡثَرُ مِنۡكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا	اس باغ کے مالک کو خوب پیداوار ملتی تھی۔لہٰذا جب وہ اپنے دوست سے بات کرنے لگا تو اس نے کہا میں دولت کے لحاظ سے تجھ سے برتر ہوں اور میرے پاس زیادہ طاقتور افراد ہیں،
(۳۵)وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِيۡدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ	حالانکہ وہ اپنے ساتھ ظلم کر رہا تھا۔پھر وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور کہنے لگا کہ میرا خیال نہیں کہ یہ باغ کبھی اجڑ جائے گا۔
(۳۶)وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰى رَبِّىۡ لَاَجِدَنَّ خَيۡرًا مِّنۡهَا مُنۡقَلَبًا	مجھے توقع نہیں کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف پلٹ بھی گیا (اور قیامت آ بھی گئی) تو مجھے اس سے بہتر جگہ ملے گی۔

تفسیر

مستضعفین کے مقابلے میں مستکبرین کا موقف

گزشتہ آیات میں ہم نے دیکھا ہے کہ دنیا پرست کس طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ وہ تہی دست اور غریب مردان حق سے دور دور رہیں ہم نے یہ بھی پڑھا ہے کہ دوسرے جہان میں ان کا انجام کیا ہوگا زیر بحث آیتوں میں دو دوستوں یا دو بھائیوں کی داستان مثال کے طور پر بیان کی گئی ہے ان میں سے ہر ایک مستکبرین اور مستضعفین کا ایک نمونہ تھا ان کی طرز فکر اور ان کی گفتار و کردار ان دونوں گروہوں کے موقف کا ترجمان تھا۔

پہلے فرمایا گیا ہے اے رسول! ان سے ان دو افراد کی مثال بیان کرو کہ جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے۔ان میں طرح طرح کے انگور تھے ان کے گرداگرد کھجور کے درخت آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

(۳۳) ان دونوں باغوں کے درمیان ہری بھری کھیتی تھی۔ایسے باغ اور کھیتیاں جن میں ہر چیز خوب تھی۔انگور بھی تھے' کھجوریں بھی تھیں گندم اور دوسرا اناج بھی تھا۔خود کفیل کھیتیاں تھیں۔ یہ دونوں باغ پیداوار کے لحاظ سے بھرے پرے تھے۔درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے اور کھیتیوں کے پودے خوب خوشہ دار تھے۔ان دونوں باغوں میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ پانی جو ہر چیز کیلئے مادۂ حیات ہے' خصوصا باغات و زراعت کیلئے انہیں فراہم تھا۔کیونکہ دونوں باغوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کی تھی۔

(۳۴) اس طرح سے ان باغات اور کھیتیوں کے مالک کو خوب پیداوار ملتی تھی۔

دنیاوی مقصد پورا ہو رہا ہو تو کم ظرف اور بے وقعت انسان اپنی دنیاوی مراد پا کر غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سرکشی کرنے لگتا ہے پہلے پہلے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے باغات کے اس مالک نے بھی اپنے دوست سے بات کرتے ہوئے کہا میں دولت اور سرمائے کے لحاظ سے تجھ سے برتر ہوں میری آبرو' عزت اور حیثیت تجھ سے زیادہ ہے۔اور افرادی قوت بھی میرے پاس بہت زیادہ ہے۔

(۳۵) جیسا کہ معمول ہے آہستہ آہستہ اس کے خیالات بڑھتے چلے گئے اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ دنیا کو جاوداں مال و دولت کو ابدی اور مقام و حشمت کو دائمی خیال کرنے لگا وہ مغرور تھا حالانکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہا تھا ایسے میں اپنے باغ میں داخل ہوا اس نے ایک نگاہ سرسبز درختوں پر ڈالی جن کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے خم ہو گئی تھیں۔اس نے اناج کی ڈالیوں کو دیکھا' نہر کے آب رواں کی لہروں پر نظر کی کہ جو چلتے چلتے درختوں کو سیراب کر رہا تھا۔ایسے میں وہ سب کچھ بھول گیا اور کہنے لگا میرا خیال نہیں کہ میرا باغ بھی کبھی اجڑے گا۔

(۳۶) پھر اس نے اس سے بھی آگے کی بات کی۔اس جہان کا دائمی ہونا چونکہ عقیدہ قیامت کے منافی ہے لہٰذا وہ انکار قیامت کا سوچنے لگا۔اس نے کہا

میرا ہرگز نہیں خیال کہ کوئی قیامت بھی ہے۔یہ تو وہ باتیں ہیں جو بعض لوگوں نے جی بہلانے کیلئے بنا رکھی ہیں۔

پھر مزید کہنے لگا فرض کیا قیامت ہو بھی اور میں اپنے اس حیثیت اور مقام کے ساتھ اپنے رب کے پاس جاؤں بھی تو یقیناً اس سے بہتر جگہ پاؤں گا۔

وہ ان خام خیالوں میں غرق تھا اور ایک کے بعد دوسری فضول بات کرتا جاتا تھا کہ اس کا باایمان ساتھی بول اٹھا (اس نے جو باتیں کیں ان کا ذکر آئندہ آیات میں آ رہا ہے)۔

(۳۷)قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؕ	جب وہ یہ باتیں کرر ہا تھا تو اس کے (مومن) دوست نے کہا : کیا تو اس خدا سے کافر ہو گیا ہے کہ جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور پھر تجھے پورا انسان بنا دیا۔
(۳۸)لٰكِنَّاۡ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا	لیکن میرا تو ایمان ہے کہ اللہ میرا رب ہے اور میں کسی کو اپنے رب کا شریک قرار نہیں دیتا۔
(۳۹)وَ لَوْ لَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ۚ	جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ رحمت اللہ کی منشا سے ہے اور اس کے علاوہ کوئی قوت نہیں ہے۔ اگر تو مجھے مال و اولاد کے لحاظ سے کم پاتا ہے (تو یہ کوئی اہم بات نہیں ہے)۔
(۴۰)فَعَسٰی رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ۙ	بعید نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرما دے اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی عذاب ایسا نازل کر دے کہ جو اسے چٹیل میدان میں بدل ڈالے کہ جس پر پاؤں پھسل پھسل جائیں۔
(۴۱)اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا	یا اس کا پانی زمین کی تہوں میں ایسا اتر جائے کہ تو اسے پا بھی نہ سکے۔

تفسیر

مستضعفین کا جواب

ان آیات میں اس مغرور، بے ایمان، خودغرض دولت مند کی بے بنیاد باتوں کا جواب اس کے مومن دوست کی زبانی دیا گیا ہے۔ پہلے وہ خاموشی سے اس کوتاہ فکر انسان کی باتیں سنتا رہا تا کہ جو کچھ اس کے اندر ہے باہر آ جائے اور پھر ایک ہی بار اسے جواب دیا جائے اس نے کہا کیا تو اس خدا سے کافر ہو گیا ہے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور پھر تجھے پورا شخص بنایا۔

(۳۸) اس کے بعد اس باایمان شخص نے اس کے کفر اور غرور کو توڑنے کیلئے کہا لیکن میرا تو ایمان ہے کہ اللہ میرا پروردگار ہے

اور مجھے اس عقیدے پر فخر ہے۔

اور میں کسی کو اپنے رب کا شریک قرار نہیں دیتا۔

(۳۹) توحید اور شرک کا مسئلہ انسان کی سرنوشت میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے اس کے بارے میں گفتگو جاری ہے جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ نعمت اللہ کی منشا سے ہے تو نے اسے اللہ کی جانب سے کیوں نہیں جانا اور اس کا شکر کیوں نہیں بجالایا۔

تو نے کیوں نہیں کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی کچھ طاقت نہیں۔

یہ تمام وسائل اور صلاحیتیں تجھے اللہ نے بخشی ہیں اپنی طرف سے تو کچھ بھی تیرے پاس نہیں ہے اور اس کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد اس نے مزید کہا یہ جو تجھے نظر آتا ہے کہ میں مال و اولاد کے لحاظ سے تجھ سے کم ہوں یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔

(۴۰) اللہ تیرے باغ کی نسبت مجھے بہتر عطا کر سکتا ہے۔

بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خدا آسمان سے تیرے باغ پر بجلی گرائے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ سرسبز و شاداب زمین ایسے چٹیل میدان میں بدل جائے کہ جہاں پاؤں پھسلتے ہوں۔

(۴۱) یا زمین کو حکم دے کہ وہ ہل جائے اور یہ چشمے اور نہریں اس کی تہہ میں ایسی چلی جائیں کہ پھر تو انہیں پا نہ سکے۔

درحقیقت اس باایمان اور توحید پرست شخص نے اپنے مغرور ساتھی کو خبردار کیا کہ وہاں نعمتوں سے دل نہ باندھ لے کیونکہ ان میں کوئی چیز بھی بھروسے کے قابل نہیں ہے۔

(۴۲) وَ اُحِيۡطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصۡبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيۡهِ عَلٰى مَاۤ اَنۡفَقَ فِيۡهَا وَ هِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُشۡرِكۡ بِرَبِّىۡۤ اَحَدًا	(عذاب الٰہی آن پہنچا) اور اس کا سارا ثمرہ تباہ ہوگیا، اس کی جو لاگت آئی تھی اس پر وہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔ باغ کی حالت یہ تھی کہ اپنی ٹہنیوں پر اوندھا گرا پڑا تھا۔ اب وہ کہتا تھا: اے کاش! ہم نے کسی کو اپنے رب کا شریک قرار نہ دیا ہوتا۔
(۴۳) وَ لَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنۡتَصِرًا ؕ	اور کوئی جتھا (اور گروہ) نہ تھا جو خدا کے سوا اس کی مدد کرتا، اور نہ وہ آپ اپنی کچھ مدد کر سکتا تھا۔

(۴۴) هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ۧ	اس وقت ثابت ہوا کہ ولایت (اور قدرت) حق تعالیٰ ہی کیلئے ہے، جس کے ہاں (اطاعت گزاروں کیلئے) بہترین ثواب اور بہترین انجام ہے۔

تفسیر

تکبر وشرک کا انجام

ان کی آپس کی گفتگو ختم ہوگئی۔اس خدا پرست شخص کی باتوں کا اس مغرور و بے ایمان دولت مند کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔وہ اپنے انہی جذبات اور طرز فکر کے ساتھ اپنے گھر لوٹ گیا اسے اس بات کی خبر نہ تھی کہ اس کے باغوں اور سرسبز کھیتوں کی تباہی کیلئے اللہ کا حکم صادر ہو چکا ہے اسے خیال نہ تھا کہ وہ اپنے تکبر اور شرک کی سزا اسی جہان میں پالے گا اور اس کا انجام دوسروں کیلئے باعث عبرت بن جائے گا۔

عذاب الٰہی نازل ہوا تباہ کن بجلی کی صورت میں یا وحشت ناک طوفان کی شکل میں یا ہولناک زلزلے کی صورت میں اللہ کا عذاب نازل ہوا بہر حال جو کچھ بھی تھا اس نے چند لمحوں میں تر و تازہ باغات سر بفلک درخت اور خوشوں سے لدی کھیتیاں درہم برہم اور تباہ کر دیں اور عذاب الٰہی حکم خدا سے ہر طرف سے اس کے ثمرہ پر محیط ہو گیا اور اسے نابود کر دیا۔

دن چڑھا، باغ کا مالک باغ کی طرف چلا سرکشی اس کے ذہن میں سمائی ہوئی تھی وہ اپنے باغات کی پیداوار سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھا جب وہ باغ کے قریب پہنچا تو اچانک اس نے وحشت ناک منظر دیکھا حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی اور وہ وہاں بے حس وحرکت کھڑا ہو گیا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ یہ خواب دیکھ رہا ہے یا حقیقی سب درخت اوندھے پڑے تھے کھیتیاں زیروزبر ہو چکی تھیں۔ زندگی کے کوئی آثار وہاں دکھائی نہ دیتے تھے۔گویا وہاں کبھی بھی شاداب وسرسبز باغ اور کھیتیاں نہ تھیں۔اس کا دل دھڑکنے لگا چہرے کا رنگ اڑ گیا۔حلق خشک ہو گیا اس کے دل و دماغ سے سب غرور ونخوت جاتی رہی۔اسے ایسے لگا جیسے وہ ایک طویل اور گہری نیند سے بیدار ہوا ہے وہ مسلسل اپنے ہاتھ مل رہا تھا اسے ان اخراجات کا خیال آ رہا تھا جو اس نے پوری زندگی میں ان پر صرف کئے تھے۔اب وہ سب برباد ہو چکے تھے اور درخت اوندھے گرے پڑے تھے۔

اس وقت وہ اپنی فضول باتوں اور بیہودہ سوچوں پر پشیمان ہوا۔وہ کہتا تھا کاش میں نے کسی کو اپنے پروردگار کا شریک قرار نہ دیا ہوتا اے کاش میں نے شرک کی راہ پر قدم نہ رکھا ہوتا۔

(۴۳) زیادہ المناک پہلو یہ تھا کہ ان تمام مصائب و آلام کے سامنے وہ تن تنہا کھڑا تھا خدا کے علاوہ کوئی نہ تھا کہ جو اس مصیبت عظیم اور اتنے بڑے نقصان پر اس کی مدد کرتا۔اور چونکہ اس کا سارا سرمایہ تو یہی تھا جو برباد ہو گیا تھا اب اس کے پاس کچھ بھی نہ

تھا۔لہٰذا وہ خود بھی اپنی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن جو بھی ہوا اب تو وقت گزر چکا تھا اور کسی سنگین مصیبت کو دیکھ کر جو بیداری پیدا ہوتی ہے وہ تو اضطراری حیثیت رکھتی ہے۔ایسی بیداری تو فرعون اور نمرود جیسے افراد میں بھی پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کیلئے بھی اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

(۴۴) یہ وہ وقت تھا کہ یہ حقیقت پھر پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ ولایت وقدرت خدا کیلئے ہے وہ خدا کہ جو عین حق ہے۔

جی ہاں! اس موقع پر یہ پوری طرح واضح ہو گیا کہ تمام نعمتیں اس کی طرف سے ہیں اور جو کچھ اس کا ارادہ ہو وہی کچھ ہوتا ہے اور اس کے لطف وکرم پر بھروسہ کے بغیر کچھ نہیں بنتا۔

جی ہاں وہی ہے کہ جس کے ہاں اطاعت گزاروں کیلئے بہترین جزا وثواب ہے اور بہتر عاقبت وآخرت۔

پس اگر انسان کسی سے دل لگانا چاہتا ہے اور کسی پر بھروسہ کرنا چاہتا ہے اور کسی سے جزا کی امید باندھنا چاہتا ہے تو کیا ہی بہتر ہے کہ وہ خدا سے لو لگائے اس پر بھروسہ کرے اور اس کے لطف واحسان کی امید رکھے۔

(۴۵) وَ اضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا	انہیں حیات دنیا کیلئے یہ مثال دو کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں،اس سے زمین کی پود خوب پھلی پھولی، پھر کچھ عرصے بعد وہ خشک ہوگئی اور ہوا نے اسے اِدھر اُدھر بکھیر دیا، اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
(۴۶) اَلۡمَالُ وَ الۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَ الۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيۡرٌ اَمَلًا	مال و اولاد تو دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور باقیات الصالحات کا ثواب تیرے رب کے ہاں بہتر اور زیادہ امید بخش ہے۔

تفسیر

زندگی کی ابتدا وانتہا کیلئے ایک مثال

گزشتہ آیات میں مادی دنیا کی ناپائیدار نعمتوں کے بارے میں گفتگو تھی اور اس حقیقت کا ادارک چونکہ ۹۰ یا ۸۰ سال کی عمر میں عام افراد کے لئے آسان نہیں ہے لہٰذا قرآن نے زیرنظر آیت میں اس کیلئے ایک بڑی زندہ اور منہ بولتی مثال پیش کی ہے یہ وہ مثال ہے جو لوگ اپنی زندگی میں عموماً دیکھتے رہتے ہیں یہ مثال مغرور وغافل افراد کو بیدار کرنے کیلئے بیان کی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے حیات دنیا کیلئے ان سب آسمان سے برسنے والے بارش کے قطروں کی مثال بیان کر۔

بارش کے یہ حیات بخش قطرے پہاڑوں' صحراؤں اور میدانوں میں گرتے ہیں۔زمین کے اندر موجود وہ دانے جن میں

صلاحیت ہوتی ہے ان میں ان قطروں سے جان پڑ جاتی ہے اور وہ اپنی زندگی کا ارتقائی سفر شروع کر دیتے ہیں۔

دانے اگر چہ سخت ہوتے ہیں اور ان کی جلد مضبوط ہوتی ہے لیکن وہ بارش کی نرمی کے ساتھ نرم ہو جاتے ہیں ان میں سے پودے پھوٹتے ہیں اور آخر کار شاخیں مٹی سے سر نکالتی ہیں سورج چمکتا ہے باد نسیم چلتی ہے زمین میں موجود غذائی مواد بھی مدد کرتا ہے اور یہ نورس شاخیں ان تمام عوامل حیات سے قوت پا کر رشد و نمو کا سفر جاری رکھتی ہیں اس طرح سے کچھ مدت بعد پودے ایک دوسرے سے مل جل جاتے ہیں ایسے کہ جیسے گلے مل رہے ہوں۔

کوہ و صحرا میں زندگی لہلہانے لگتی ہے پھول اور پھل شاخوں کو زینت بخشتے ہیں تو ہر طرف خوشیاں اور مسرتیں بکھر جاتی ہیں۔
لیکن یہ دلربا منظر زیادہ دیر نہیں رہتا پھر باد خزاں چلنے لگتی ہے موت کی گرد ان کے سروں پر آ پڑتی ہے ہوا خنک ہو جاتی ہے اور پانی کم ہو جاتا ہے زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ وہ مسکراتے ہوئے سرسبز و شاداب پودے مردہ اور بے فروغ شاخوں اور پتوں میں بدل جاتے ہیں۔

وہ پتے کہ جنہیں فصل بہار کی تیز ہوائیں بھی جدا نہیں کر سکتی تھیں آج اس قدر بے جان ہو گئے ہیں کہ ہوا کے جھونکے انہیں جدا کر کے ادھر ادھر لئے پھرتے ہیں۔

جی ہاں! خدا ہر چیز پر قادر تھا اور قادر ہے۔

(۴۶) مال و ثروت اور افرادی قوت کہ جو دنیاوی زندگی کے دو اصلی رکن ہیں ان کے بعد اس آیت میں فرمایا گیا ہے مال و اولاد حیات دنیا کی زینت ہیں۔

یہ حیات دنیا کے شجر کی شاخوں کے پھول ہیں جن کی عمر بہت کم ہے راہ خدا میں رنگ جاوداں نہ پالیں تو یہ بہت بے اعتبار ہیں۔

درحقیقت اس آیت میں دنیاوی زندگی کے سرمائے کے دو اہم ترین حصوں کی نشاندہی کی گئی ہے دنیاوی زندگی کی باقی چیزیں انہیں دو سے وابستہ ہیں ایک اقتصادی قوت ہے اور دوسری افرادی قوت۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے باقیات صالحات (پائیدار اور شائستہ کاموں اور نیکیوں کا ثواب) تیرے پروردگار کے ہاں بہتر اور زیادہ امید بخش ہے۔

اس تعبیر "باقیات الصالحات" کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ اس میں ہر صالح اور اچھا عقیدہ، نظریہ، گفتار اور کردار شامل ہے کہ جو باقی رہ جاتا ہے اور جس کے اثرات و برکات لوگوں پر اور معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔

(۴۷) وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ	اس دن کا سوچو جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو دیکھے گا کہ زمین کھلے میدان کی طرح ہوگی اور ہم ان سب کو محشور کریں گے اور کسی کو نظر انداز نہیں کریں گے۔

(۴۸)وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا	وہ سب صف بستہ تیرے رب کے حضور پیش ہوں گے، تم سب کو ہمارے پاس آنا پڑے گا جس طرح ابتدا میں ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا جب کہ تمہارا یہ گمان تھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کرینگے۔
(۴۹)وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۧ	اور (سب انسانوں کے نامہ اعمال کی) کتاب وہاں رکھ دی جائے گی، تو تو گنہگاروں کو دیکھے گا کہ وہ اس میں جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھ دیکھ کر ڈریں گے اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسی کتاب ہے کہ جو کسی چھوٹے بڑے عمل کو حساب کئے بغیر نہیں چھوڑتی اور وہ اپنے تمام اعمال کو موجود پائیں گے اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

تفسیر

ہائے ہماری شامت! یہ کیسی کتاب ہے

گزشتہ آیات میں ایک خود پرست اور مغرور انسان کے بارے میں گفتگو تھی کہ جس نے اپنے تکبر کی وجہ سے قیامت کا انکار کر دیا تھا زیرنظر آیات میں قیامت کی کیفیت کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس سلسلے میں تین مراحل کا ذکر ہے۔

پہلا مرحلہ انسانوں کے قبروں سے اٹھنے سے پہلے کا ہے۔

دوسرا مرحلہ قیامت کا ہے اور

تیسرا مرحلہ اس کے بعد کا ہے

ارشاد ہوتا ہے اس وقت کا سوچو جب جہاں ہستی کا یہ نظام نئے نظام کے مقدمے کے طور پر درہم برہم ہو جائے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور سطح زمین کی ساری اونچ نیچ ختم ہو جائے گی زمین کھلے میدان کی طرح ہوگی اور ہر چیز اس میں تم نمایاں دیکھو گے۔

ان آیات میں ان حوادث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو آغاز قیامت میں رونما ہوں گے یہ حوادث بہت زیادہ ہیں۔قرآن حکیم کی آخری مختصر سورتوں میں ان کا خاص طور پر بہت ذکر ہے انہیں "اشراط الساعة" قیامت کی نشانیاں کہا جاتا ہے۔

مزید فرمایا گیا ہے اس وقت ہم محشور کریں گے اور ان میں سے ہم کسی کو نظر انداز نہیں کریں گے۔

بہر حال مذکورہ جملہ اس حقیقت کی تاکید کرتا ہے کہ معاد کا حکم سب کیلئے ہے اور اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے۔

(۴۸) اس آیت میں قبروں سے انسانوں کے اٹھنے اور محشور ہونے کی کیفیت کے بارے میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وہ سب ایک ہی صف میں تیرے رب کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔

ہوسکتا ہے یہ تعبیر اس طرف اشارہ ہو کہ لوگوں کا ہر گروہ جو ایک عقیدے کا حامل ہے یا جن کے عمل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں وہ ایک صف میں ہوں گے یا یہ کہ سب کے سب کسی فرق اور امتیاز کے بغیر ایک صف میں ہوں گے۔ اور انہیں کہا جائے گا تم سب کو ہمارے پاس اس طرح آنا پڑا جیسے ہم نے آغاز میں تمہیں پیدا کیا۔

نہ مال وثروت کا کوئی پتہ ہے نہ زر وزیور کی کوئی خبر ہے' نہ مادی امتیازات ہیں' نہ رنگا رنگ لباس ہیں اور نہ یاور و مددگار...... بالکل اسی طرح جیسے ابتدائے آفرینش میں تھے' آج بھی اسی پہلی حالت میں ہو۔

لیکن تمہیں یہ گمان تھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ گاہ قرار نہیں دیں گے۔ اور یہ اس وقت ہوتا تھا جب مادی وسائل اور نعمتوں کا غرور تم پر چھا جاتا تھا تمہیں دنیا جاوداں لگنے لگتی تھی اور آخرت کی فطری فکر اس میں چھپ جاتی تھی۔

(۴۹) اس کے بعد اس قیامت کبریٰ کے دوسرے مراحل بیان کئے گئے ہیں ارشاد ہوتا ہے وہ کتاب وہاں رکھ دی جائے گی جو سب انسانوں کا نامہ اعمال ہے۔

گنہگار جب اس کے مندرجات سے آگاہ ہوں گے تو خوفزدہ ہو جائیں گے اور وحشت کے آثار تو ان کی چہرے پر دیکھے گا۔

تو اس وقت فریاد کریں گے اور کہیں گے ہائے افسوس! یہ کیسی کتاب ہے کہ جو کوئی چھوٹا بڑا عمل شمار کئے بغیر نہیں چھوڑتی۔

اس تحریری سند کے علاوہ۔ تم اپنے سب اعمال کو حاضر پاؤ گے۔

نیکیاں' برائیاں' مظالم' عدل کے کام' فضول باتیں اور خیانتیں سب ان کے سامنے مجسم ہوں گی۔

درحقیقت وہ اپنے کئے میں گرفتار ہوں گے اور تیرا رب تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

یہ تو وہی کام ہوں گے جو انہوں نے اس جہان میں انجام دیئے ہیں لہٰذا وہ شکوہ بھی اپنے آپ ہی سے کر سکتے ہیں۔

ایسی عدالت میں ایمان واقعاً انسانی تربیت کیلئے کس قدر موثر ہے ہوا و ہوس پر کنٹرول کیلئے یہ ایمان کس قدر مفید ہے یہ ایمان انسان کو کس قدر آگاہی اور بیداری عطا کرتا ہے اور اس کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے کیا یہ ممکن ہے انسان اس عدالت پر عقیدہ رکھتا ہو اور پھر گناہ کرے۔

(۵۰)وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوۡنَہٗ وَ ذُرِّیَّتَہٗۤ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِیۡ وَ ہُمۡ لَکُمۡ عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِیۡنَ بَدَلًا	اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔وہ جنوں سے تھا اس لئے وہ اپنے رب کے حکم کی اطاعت سے نکل گیا' (اسکے باوجود تم) میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو اولیا بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ظالم لوگ بہت برا بدل اپناتے ہیں۔
(۵۱)مَاۤ اَشۡہَدۡتُّہُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَا خَلۡقَ اَنۡفُسِہِمۡ ۪ وَ مَا کُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّیۡنَ عَضُدًا	میں نے آسمانوں اور زمینوں کی خلقت کے وقت انہیں نہیں بلایا تھا اور نہ خود انہیں پیدا کرتے وقت انہیں شریک کیا تھا۔اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا۔
(۵۲)وَ یَوۡمَ یَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَکَآءِیَ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡہُمۡ فَلَمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَہُمۡ وَ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمۡ مَّوۡبِقًا	اس دن کا سوچو کہ جب اللہ کہے گا کہ اب انہیں آواز دو جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے (تاکہ وہ تمہاری مدد کو آئیں) لیکن انہیں جتنا بھی پکاریں وہ ان کی کچھ نہ سنیں گے اور ہم ان دونوں کے درمیان مرکز ہلاکت بنادیں گے۔
(۵۳)وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ مُّوَاقِعُوۡہَا وَ لَمۡ یَجِدُوۡا عَنۡہَا مَصۡرِفًا ۠	اور سارے مجرم (جہنم کی) آگ دیکھیں گے اور یقین کرلیں گے کہ انہیں آگ میں ڈالا جائیگا۔آگ ان پر ڈالی جائے گی اور انہیں اس سے بچ نکلنے کی کوئی راہ سجھائی نہ دے گی۔

تفسیر

شیطانوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ

قرآن میں کئی مقامات پر خلقت آدم علیہ السلام کی داستان بیان ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا مگر ابلیس نے حکم خدا کی مخالفت کی جیسا کہ ہم اشارہ کرچکے ہیں یہ تکرار ہمیشہ کسی مقصد کے پیش نظر ہے اور ہر موقع پر کوئی خاص نکتہ پنہاں ہوتا ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ کسی ایک اہم واقعے کے مختلف پہلو ہوں اور جب بھی اس واقعے کا ذکر ہو تو کوئی ایک پہلو ملحوظ نظر ہو۔

گزشتہ مباحث میں مستکبر و مغرور دولت مندوں کے بارے میں ایک مثال بیان کی گئی ہے اس مثال میں تہی دست مستضعفین کے بارے میں ان کے خیالات بیان کئے گئے ہیں اور پھر ان کے انجام کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

دراصل روز اول سے غرور و تکبر ہی انحراف کفر اور سرکشی کی بنیاد رہا ہے لہٰذا زیر بحث آیات میں ابلیس کا ذکر ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس امر کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے تا کہ ہم جان لیں کہ شروع ہی سے غرور و تکبر کفر و سرکشی کا سرچشمہ رہا ہے علاوہ ازیں اس داستان سے واضح ہوتا ہے کہ انحرافات کا باعث شیطانی وسوسے ہیں اور اس کے وسوسوں کے سامنے سر جھکا دینا کس قدر احمقانہ حرکت ہے کہ جس نے پہلے دن ہی سے ہماری دشمنی پر کمر باندھ رکھی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وہ دن یاد کرو کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نافرمانی کی۔

اس استثناء سے ہوسکتا ہے یہ وہم پیدا ہو کہ ابلیس فرشتوں میں سے ہے حالانکہ فرشتے معصوم ہیں لہٰذا اس نے کیونکر سرکشی کی۔ اس لئے ساتھ فرمایا گیا ہے وہ جنوں میں سے تھا اس لئے اپنے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔

وہ فرشتوں میں سے نہیں تھا لیکن اللہ کی بندگی، اطاعت اور قرب کی وجہ سے اس نے فرشتوں کی صف میں جگہ پالی تھی۔ یہاں تک کہ شاید ان کا استاد ہو گیا تھا لیکن لمحہ بھر کے غرور تکبر نے اسے ایسا گرایا کہ اس کا تمام تر روحانی مقام جاتا رہا اور وہ بارگاہ خدا سے ٹھکرا دیا گیا اور وہ خدا کے نزدیک سب سے بڑھ کر قابل نفرت ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کیا اس کے باوجود تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو اپنا سرپرست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔

اس نے تمہاری گمراہی اور تباہی کیلئے قسم کھا رکھی ہے اور تمہارے باپ کے بارے میں اس کی دشمنی پہلے روز ہی آشکار ہو گئی تھی۔

خدا کے بدلے شیطان اور اس کی اولاد کو اپنانا کتنا برا ہے۔

واقعاً کس قدر بری بات ہے کہ انسان عالم و آگاہ رحیم و مہربان اور فیض رساں خدا کو چھوڑ کر شیطان اور اس کے حواریوں کو اپنا لے یہ بدترین انتخاب ہے کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک عقلمند انسان ایسے کو اپنا ولی، راہنما اور سہارا سمجھ لے کہ جس نے روز اول سے اس کی دشمنی پر کمر باندھ رکھی ہے۔

(۵۱) اس آیت میں اس غلط خیال کے ابطال کیلئے ایک اور دلیل پیش کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی خلقت کے وقت ہم نے ابلیس اور اولاد ابلیس کو نہیں بلایا یہاں تک کہ ان کی اپنی تخلیق کے وقت بھی انہیں شریک نہیں کیا۔

آخر میں مزید فرمایا گیا ہے میں ہرگز گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا۔ یعنی خلقت تو دوستی اور ہدایت کی بنیاد پر ہے لہٰذا جس کا کام ہی گمراہ کرنا ہو اس نظام خلقت کو چلانے میں اس کا دخل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تو آفرینش و ہستی کے اس نظام کی بالکل مخالف سمت میں گامزن ہے وہ تو خرابیاں پیدا کرتا ہے اور ویرانیاں لاتا ہے نہ کہ اصلاح تکامل اور ارتقاء کیلئے کچھ کرتا ہے۔

(۵۲) یہ آیت ایک مرتبہ پھر خبردار کرتی ہے اس وقت کا سوچو جب اللہ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے انہیں اب اپنی مدد کیلئے آواز دو۔ ایک عمر تم ان کا دم بھرتے رہے اور ان کے آستانے پر سجدہ کرتے رہے۔ اب جب کہ تمہیں عذاب کی

موجوں نے گھیر لیا ہے تو انہیں آواز دو کہ ایک لمحے کیلئے تو تمہاری مدد کو آ جائیں۔

وہ لوگ گویا انہی دنیاوی افکار کے مطابق انہیں پکاریں گے لیکن یہ خیالی اور جعلی معبود انہیں جواب تک نہیں دیں گے چہ جائکہ مدد کو آئیں۔اوران کے درمیان ہم مرکز ہلاکت بنائیں گے۔

(۵۳) زیر بحث آخری آیت میں شیطان کے پیروکاروں اور مشرکین کا انجام واضح کیا گیا ہے اس دن گنہگار جہنم کی آگ دیکھیں گے۔وہ آگ کہ جس کے بارے میں انہیں کبھی یقین نہ آتا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگی۔اس موقع پر انہیں اپنی گزشتہ غلطیوں کا اندازہ ہوگا اور اب انہیں یقین آئے گا کہ وہ آگ میں ڈالے جائیں گے اور آگ ان پر ڈالی جائے گی۔پھر انہیں یقین آجائے گا کہ اب اس سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔

نہ ان کے خود ساختہ معبود ان کی فریاد کو پہنچیں گے نہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان کے بارے میں موثر ہوگی اور نہ جھوٹ زر یا زور سے وہ جہنم کی آگ سے بچ سکیں گے وہ آگ کہ جو ان کے اعمال و کردار نے دہکائی ہے۔

(۵۴)وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ اَکۡثَرَ شَیۡءٍ جَدَلًا	اس قرآن میں ہم نے لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثال بیان کی ہے لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔
(۵۵)وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰی وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَہُمۡ سُنَّۃُ الۡاَوَّلِیۡنَ اَوۡ یَاۡتِیَہُمُ الۡعَذَابُ قُبُلًا	انسانوں کے ایمان لانے اور اپنے رب سے طلب مغفرت میں اس کے سوا کیا امر مانع ہے کہ وہ بھی سابقہ لوگوں کے سے انجام کے منتظر ہیں یا یہ کہ عذابِ الٰہی کو دیکھنے کے منتظر ہیں۔
(۵۶)وَ مَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ ۚ وَ یُجَادِلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِہِ الۡحَقَّ وَ اتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَ مَاۤ اُنۡذِرُوۡا ہُزُوًا	اور ہم نے رسولوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے،اور کفار حق کو نیچا دکھانے،ہماری ان آیتوں اور سزاؤں کا مذاق اڑانے کیلئے جھگڑتے رہتے ہیں۔

تفسیر

گویا وہ عذاب کے منتظر ہیں

ان آیات میں گویا گزشتہ اور آئندہ کی بحثوں کا نتیجہ پیش کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اس قرآن میں ہم نے لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثال بیان کی ہے۔

گزشتہ لوگوں کی ہلا کر رکھ دینے والی تاریخ کے مختلف نمونے ہم نے پیش کئے ہیں ہم نے ان کی زندگی کے دردناک واقعات اور تلخ و شیریں باتیں لوگوں کو بتائی ہیں اور مسائل کو ایسی نچلی سطح پر بیان کیا گیا ہے کہ آمادہ دل حق کو قبول کرلیں اور باقی لوگوں

کیلئے اتمام حجت ہوجائے اور کسی ابہام کی گنجائش باقی نہ رہے۔

لیکن اس کے باوجود سرکش لوگ بالکل ایمان نہ لائے کیونکہ انسان سب سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔

(۵۵) اس آیت میں ایسی طرح طرح کی مثالیں پیش کی گئیں، ہلا دینے والے واقعات بیان کئے گئے اور منطق و دلیل سے بات کی گئی ہے۔ جس انسان کا دل صاف ہے اس پر ان چیزوں کو ضرور اثر کرنا چاہئے پھر بھی بہت سے ایسے گروہ ہیں کہ جو ایمان نہیں لائے۔ ہدایت الٰہی آ جانے کے بعد ایمان اور طلب مغفرت میں لوگوں کو سوائے اس کے کونسا امر مانع تھا کہ وہ گزشتہ لوگوں کے سے انجام کے منتظر تھے۔

اور یا پھر وہ اس بات کے منتظر تھے کہ عذاب الٰہی کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

یہ آیت درحقیقت اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ہٹ دھرم اور مغرور لوگ ہرگز اپنے ارادے اور رغبت سے ایمان نہیں لائیں گے یہ صرف دو صورتوں میں ایمان لائیں گے پہلی یہ کہ جیسے گزشتہ قوموں کو عذاب نے آ گھیرا تھا اسی طرح انہیں بھی آ گھیرا۔ اور دوسری یہ کہ کم از کم یہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ایسے اضطراری ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔

(۵٦) اس کے بعد مخالفین کی ہٹ دھرمی کے مقابلے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی تسلی اور دلجوئی کیلئے فرمایا گیا ہے۔ تیری ذمہ داری تو صرف بشارت اور انذار ہے ہم نے انبیاء و مرسلین کو بشارت و انذار کے علاوہ کسی اور چیز کیلئے نہیں بھیجا۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ایسے لوگ مخالفت کرنے لگیں اور مذاق اڑائیں کافر اور ہٹ دھرم لوگ ہمیشہ غلط طور پر جھگڑتے رہے ہیں اس زعم میں کہ حق کو ختم کر دیں اور قیامت و عذاب کے بارے میں ہماری آیتوں کا مذاق اڑائیں۔

یہ آیت درحقیقت سورہ حج کی آیات ۴۲ تا ۴۵ کے مشابہ ہے ان میں ہے

''اگر انہوں نے تیری تکذیب کی ہے تو تجھ سے پہلے قوم نوح عاد اور ثمود نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے''۔

(۵۷) وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡہَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اَکِنَّۃً اَنۡ یَّفۡقَہُوۡہُ وَ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرًا ؕ وَ اِنۡ تَدۡعُہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی فَلَنۡ یَّہۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا	ان سے بڑھ کر کون ظالم ہے کہ جنہیں پروردگار کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کیا ہوتا ہے اسے بھول جاتے ہیں ان کے دلوں پر ہم نے پردہ ڈال دیا ہے تاکہ وہ کچھ نہ سمجھیں اور ان کے کان ہم نے بھاری کر دیئے ہیں (تاکہ انہیں آوازِ حق سنائی نہ دے) یہی وجہ ہے کہ اگر تم انہیں ہدایت کی طرف پکارو گے تو وہ ہرگز ہدایت حاصل نہیں کریں گے۔

(۵۸)وَ رَبُّکَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا	اور تیرا رب بخشنے والا،اور صاحبِ رحمت ہے۔اگر وہ انہیں ان کے اعمال کی سزا دینا چاہتا تو ان کے لئے فوراً عذاب بھیج دیتا،لیکن ان کے لئے ایک وعدہ گاہ ہے کہ جہاں پہنچنے سے وہ رہ نہیں سکتے۔
(۵۹)وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۧ	یہ قریہ اورآبادیاں(جنہیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو)وہ ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور(پھربھی)ان کی ہلاکت کے لئے ہم نے معیادمقرر کی۔

تفسیر

عذاب الٰہی میں جلدی نہیں ہوسکتی

گزشتہ آیات میں تاریک دل متعصب کافروں کے بارے میں گفتگو تھی۔زیرنظر آیات میں بھی وہی سلسلہ گفتگو جاری ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے ان سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے کہ جنہیں ان کے رب کی آیات یاددلائی جاتی ہیں تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔

لفظ "تذکر"(یاددہانی) گویا اس طرف اشارہ ہے کہ انبیاء کی تعلیمات حقائق کی یادآوری کی طرح ہیں گویا یہ تعلیمات روح انسانی کی گہرائیوں میں موجود ہوتی ہے اور انبیاء کا کام ان کے چہرے سے پردہ ہٹانا ہے۔

یہ بات لائق توجہ ہے کہ ان دل کے اندھوں کو تین طرح سے بیداری کا درس دیا گیا ہے

اول............یہ کہ یہ حقائق تمہاری فطرت،وجدان اور وح سے مکمل آشنائی رکھتے ہیں۔

دوم............یہ کہ تمہارے رب کی طرف سے ہیں۔

سوم............یہ کہ یہ نہ بھول جاؤ کہ تم نے بہت سی غلطیاں کی ہیں اور انبیاء کی تعلیم کا مقصد ان کے اثرات کو دور کرنا ہے۔

لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے گرادیئے ہیں تاکہ وہ سمجھ نہ پائیں اور ان کے کان بوجھل کردیئے ہیں تاکہ وہ آواز حق سن نہ سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ اگر تم انہیں حق کی طرف پکارو تو وہ ہرگز ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

(۵۸) خدا کا تربیتی پروگرام ایسا ہے کہ وہ بغیر مہلت اور موقع دیئے ظالم بادشاہوں کی طرح فوراً سزا نہیں دیتا اس کی وسیع

رحمت کا تقاضا ہے کہ گنہگاروں کو زیادہ سے زیادہ مہلت دی جائے اور اصلاح کا موقع دیا جائے یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ تیرا رب بخشنے والا اور صاحب رحمت ہے۔

اگر وہ انہیں سزا دینا چاہتا تو ان پر فوراً عذاب بھیج دیتا۔

لیکن ان کیلئے ایک معیاد مقرر ہے کہ جب وہ پوری ہوگئی تو پھر وہ بچ کر نہیں جائیں گے۔

اس کی بخشش کا تقاضا ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں کو بخش دے اور اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ دوسروں کے عذاب میں بھی جلدی نہ کرے شاید وہ توبہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں لیکن اس کی عدالت کا بھی تقاضا ہے کہ جب سرکشی انتہا کو پہنچ جائے تو پھر ان کا حساب بے باق کر دے وہ فاسد و مفسد افراد کو جن کی اصلاح کی امید تک باقی نہ رہے اصولی طور پر ایسے لوگوں کی بقاء حکمت خلقت کی نظر سے کوئی معنی نہیں رکھتی لہٰذا ان کا خاتمہ ضروری ہے تا کہ زمین ان کے وجود ناپاک سے پاک ہو جائے۔

(۵۹) آخر میں ایک اور یاد دہانی ہے آیات کے اس سلسلے کے آخر میں گزشتہ ظالموں کا دردناک انجام یاد دلاتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور یہ آبادیاں کہ جو ویرانوں میں بدل چکی ہیں جب یہ لوگ ظلم وستم کے مرتکب ہوئے تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا لیکن اس کے باوجود ہم نے انہیں عذاب کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ ان کی ہلاکت کیلئے ایک معیاد مقرر کی ہے۔

(۶۰)وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا	وہ وقت یاد کرو کہ جب موسیٰ نے اپنے دوست سے کہا میں تلاش جاری رکھوں گا جب تک کہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں اگرچہ اس کیلئے مجھے طویل سفر جاری رکھنا پڑے۔
(۶۱)فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِهِمَا نَسِیَا حُوۡتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا	جس وقت وہ ان دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو انہیں اپنی مچھلی کا خیال نہ رہا (جو انہوں نے پکا کر کھانے کیلئے پکڑ رکھی تھی) اور وہ نکل بھاگی۔
(۶۲)فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا	آگے جا کر موسیٰ نے اپنے ہمسفر دوست سے کہا: لاؤ ہمارا کھانا لے آؤ۔ ہم اس سفر سے بہت تھک گئے ہیں۔

(۶۳) قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ۖ عَجَبًا	اس نے کہا: آپ کو یاد ہے کہ جب ہم نے اس پتھر کے پاس پناہ لی تھی (اور آرام کیا) تو میں مچھلی کے بارے میں بتانا بھول گیا تھا اور یہ بات شیطان نے میرے ذہن سے نکال دی تھی اور مچھلی عجیب طریقے سے دریا کی طرف چلتی بنی۔
(۶۴) قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۙ	(موسیٰ نے) کہا: اسی کو تو ہم ڈھونڈ رہے تھے پھر وہ اسے تلاش کرتے ہوئے اسی راستے سے واپس آئے۔

تفسیر

خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی حیرت انگیز داستان

مفسرین نے ان آیات کی شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ کچھ اہل قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس عالم کے بارے میں سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس کی پیروی کا حکم دیا گیا تھا یہ آیات اسی ضمن میں نازل ہوئی ہیں۔

اصولی طور پر اس سورت کہف میں تین واقعات بیان ہوئے ہیں یہ تینوں ایک لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ پہلے واقعہ اصحاب کہف کا ہے جو گزر چکا ہے دوسرا زیر نظر ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی داستان ہے تیسرا واقعہ ذوالقرنین کے بارے میں ہے جو بعد میں آئے گا۔

یہ تینوں واقعات ہمیں ہماری اس محدود زندگی سے باہر نکالتے ہیں جس کے ہم عادی ہو چکے ہیں یہ واقعات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ جہاں اسی میں محدود نہیں کہ جو کچھ ہمیں لگتا ہے اور نہ ہی واقعات کی حقیقت بس وہی ہے جو ہمیں معلوم ہوتی ہے یا جو ہم سمجھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کہ جو اس زمانے کے بڑے عالم تھے ان کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ یہ واقعہ نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کہ جو اپنے ماحول کے آگاہ ترین اور عالم ترین فرد تھے بعض پہلوؤں سے ان کا علم بھی محدود تھا لہٰذا وہ استاد کی تلاش میں نکلے تاکہ اس سے درس لیں استاد نے بھی ایسے درس دیئے کہ جن میں سے ہر ایک دوسرے سے عجیب تر ہے اس داستان میں بہت سے اہم نکات پوشیدہ ہیں۔

زیر نظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے دوست اور ساتھی جوان سے کہا کہ میں تو کوشش جاری رکھوں گا جب تک مجمع البحرین تک نہ پہنچ جاؤں اگر چہ مجھے یہ سفر لمبی مدت تک جاری رکھنا پڑے۔

"فتاه" سے مراد "یوشع بن نون" ہیں وہ بنی اسرائیل کے رشید، شجاع اور باایمان جوانمرد تھے ہوسکتا ہے۔

"مجمع البحرین" کا مطلب ہے دو دریاؤں کا سنگم بحرین سے مراد خلیج عقبہ اور خلیج سویز کے ملنے کی جگہ۔ یہ دونوں خلیجیں جنوب میں پہنچ کر آپس میں مل جاتی ہیں اور پھر بحیرہ احمر اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔

بہر حال جس وقت وہاں دو دریاؤں کے سنگم پر جا پہنچے تو ایک مچھلی کہ جوان کے پاس تھی اسے بھول گئے۔لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چلتی بنی۔

یہ مچھلی جو ظاہراً ان کے پاس غذا کے طور پر تھی۔ یہ تازہ مچھلی تھی کہ جو معجزانہ طور پر زندہ ہو کر اچھل کر پانی میں جا کر تیرنے لگی۔

کیونکہ بعض مچھلیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو پانی سے نکلنے کے بعد بہت دیر تک نیم جان صورت میں رہتی ہیں اور اس مدت میں پانی میں گر جائیں تو ان کی معمول کی زندگی پھر شروع ہو جاتی ہے۔

(۶۲) آخر کار موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہی دو دریاؤں کے سنگم سے آگے نکل گئے تو لمبے سفر کے باعث انہیں خستگی کا احساس ہوا اور بھوک بھی ستانے لگی اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو یاد آیا کہ غذا تو ہم ہمراہ لائے تھے لہذا انہوں نے اپنے ہمسفر دوست سے کہا ہمارا کھانا لائیے اس سفر نے تو بہت تھکا دیا ہے۔

(۶۳) اس وقت ان کے ہمسفر نے انہیں خبر دی کہ آپ کو یاد ہے کہ جب ہم نے اس پتھر کے پاس پناہ لی تھی (اور آرام کیا تھا) تو مجھے مچھلی کے بارے میں بتانا یاد نہ تھا اور شیطان ہی تھا جس نے یہ بات مجھے بھلا دی تھی۔ ہوا یہ کہ مچھلی نے بڑے حیران کن طریقے سے دریا کی راہ لی اور پانی میں چلتی بنی۔

(۶۴) یہ معاملہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کیلئے اس عالم بزرگ کو تلاش کرنے کیلئے نشانی کی حیثیت رکھتا تھا لہذا موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی تو ہمیں چاہئے تھا اور یہی چیز تو ہم ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

اور اس وقت وہ تلاش کرتے ہوئے اسی راہ کی طرف پلٹے۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے کہ کیا ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر نسیان کا شکار ہو جائیں کیونکہ قرآن کہتا ہے۔

"وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں کہ جن مسائل کا تعلق احکام الٰہی اور امور تبلیغی سے نہ ہو یعنی روز مرہ کے عام مسائل ہوں ان میں نسیان ہو جائے۔لہٰذا یہ نسایان نہ پیغمبر سے بعید ہے اور نہ مقام عصمت کے منافی ہے۔

(۶۵)فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا	(وہاں) انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا، وہ بندہ کہ جسے ہم نے اپنی رحمت عطا فرمائی تھی اور جسے ہم نے اپنی طرف سے بہت سا علم دیا تھا۔
(۶۶)قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا	موسیٰ نے اس سے کہا: مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کی پیروی کروں تا کہ جو علم آپ کو عطا کیا گیا ہے اور جو باعثِ رشد و اصلاح ہے آپ وہ مجھے سکھلا دیں۔
(۶۷)قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا	اس نے کہا: تم ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔
(۶۸)وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا	اور جس چیز کے رموز سے تم آگاہ ہی نہیں ہو تو تم اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہو؟
(۶۹)قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا	(موسیٰ نے) کہا انشاء اللہ مجھے صابر پاؤ گے اور میں کسی امر میں آپ کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا۔
(۷۰)قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا	(خضر نے) کہا: اچھا اگر تم چاہتے ہو تو میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ اور دیکھو کسی مسئلہ کے بارے میں سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود (مناسب موقع پر) تم سے بیان کروں گا۔

تفسیر

عظیم استاد کی زیارت

جس وقت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمسفر دوست مجمع البحرین اور پتھر کے پاس پلٹ کر آئے تو اچانک ہمارے بندوں میں سے ایک بندے سے ان کی ملاقات ہوگئی وہ بندہ کہ جس پر ہم نے اپنی رحمت کی تھی اور جسے ہم نے بہت سے علم و دانش سے نوازا تھا۔

(۶۶) اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے ادب سے اس عالم بزرگ کی خدمت میں عرض کیا کیا مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کی پیروی کروں تا کہ جو علم آپ کو عطا کیا گیا ہے اور جو باعث رشد و صلاح ہے مجھے بھی تعلیم دیں۔

(۶۷) لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس عالم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔

(۶۸) ساتھ ہی اس کی وجہ اور دلیل بھی بیان کر دی اور کہا تم اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہو جس کے اسرار سے تم آ گاہ ہی نہیں۔

یہ عالم اسرار و حوادث کے باطنی علوم پر دسترس رکھتا تھا جبکہ حضرت موسیٰ نہ باطن پر مامور تھے اور نہ ان کے بارے میں زیادہ آ گاہی رکھتے تھے۔

ایسے مواقع پر زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ حوادث کے ظاہر سے ان کا باطن مختلف ہوتا ہے

ایسے مواقع پر جو شخص ظاہر کو دیکھتا ہے وہ اس پر صبر نہیں کر پاتا اور اس پر اعتراض کرتا ہے یا مخالفت کرنے لگتا ہے۔

(۶۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ بات سن کر پریشان ہوئے انہیں خوف تھا کہ اس عالم بزرگ کا فیض ان سے منقطع نہ ہو لہٰذا انہوں نے وعدہ کیا کہ تمام امور پر صبر کریں گے اور کہا انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کام میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔

یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر انتہائی ادب و احترام اور خدا کی حیثیت پر اپنے بھروسے کا اظہار کیا آپ نے اس عالم سے یہ نہیں کہا کہ میں صابر ہوں بلکہ کہتے ہیں انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے لیکن چونکہ ایسے واقعات پر صبر کرنا کہ جو ظاہراً ناپسندیدہ ہوں اور انسان جن کے اسرار سے آ گاہ نہ ہو کوئی آسان کام نہیں اس لئے اس عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کرتے ہوئے پھر عہد لیا اور کہا اچھا اگر تم میرے پیچھے پیچھے آنا چاہتے ہو تو دیکھو! خاموش رہنا اور کسی معاملے پر سوال نہ کرنا جب تک کہ مناسب موقع میں خود تم سے بیان نہ کر دوں۔

(۷۱) فَانْطَلَقَا ٛ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا	پس وہ چل پڑے، یہاں تک کہ ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ اس نے کشتی میں سوراخ کر دیا (تو موسیٰ نے) کہا: کیا آپ نے اس میں سوار لوگوں کو غرق کرنے کیلئے اس میں سوراخ کر دیا ہے؟ واقعاً آپ نے کیسا برا کام کیا ہے۔
(۷۲) قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا	اس نے کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے۔
(۷۳) قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا	(موسیٰ نے کہا) اس بھول پر میرا مواخذہ نہ کریں اور اس امر پر مجھ پر سخت گیری نہ کریں۔

(۷۴)فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا	پس پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ ایک بچے کو دیکھا اس نے اس بچے کو قتل کر دیا (موسیٰ نے) کہا: کیا آپ نے ایک پاک انسان کو قتل کر دیا۔ جبکہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا؟ آپ نے سچ مچ برا کام کیا ہے۔
(۷۵)قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا	اس (عالم) نے (پھر) کہا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کر پاؤ گے؟
(۷۶)قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا	(موسیٰ نے) کہا: اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیے کیونکہ پھر میری طرف سے آپ کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا۔
(۷۷)فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ اِسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا	پس وہ پھر چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک بستی کے پاس پہنچے۔ انہوں نے ان (بستی والوں) سے کھانا مانگا لیکن انہوں (بستی والوں) نے (انہیں) مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ (اس کے باوجود) انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی کہ جو گر رہی تھی (اس عالم نے) اس (دیوار) کو مرمت کر دی۔ تو (موسیٰ نے) کہا: کم از کم اس کام کی اجرت ہی لے لیتے۔
(۷۸)قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا	اس (عالم نے) کہا: اب تمہارے اور میرے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے لیکن میں جلد تمہیں اس چیز کے راز سے آگاہ کر دونگا جس پر تم صبر نہیں کر سکے۔

تفسیر

خدائی معلم اور یہ ناپسندیدہ کام؟

موسیٰ علیہ السلام اس عالم ربانی کے ساتھ چل پڑے چلتے چلتے ایک کشتی تک پہنچے اور اس میں سوار ہو گئے۔

وہ دونوں کشتی پر سوار ہو گئے تو اس عالم نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ ایک طرف تو اللہ کے عظیم نبی بھی تھے لہٰذا انہیں لوگوں کی جان و مال کا محافظ بھی ہونا چاہئے تھا اور انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرنا چاہئے تھا اور دوسری طرف ان کا انسانی ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اس قسم کے غلط کام پر خاموشی اختیار کریں لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ان کا جو معاہدہ ہوا تھا اسے ایک طرف رکھا اور اس کام پر اعتراض کر دیا اور کہا کیا آپ نے اہل کشتی کو غرق کرنے کیلئے اس میں سوراخ کر دیا ہے۔ واقعاً آپ نے کس قدر برا کام انجام دیا ہے۔

(۷۲) اس وقت اس عالم نے بڑی متانت کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام پر نگاہ ڈالی اور کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکو گے۔

(۷۳) اس واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عجلت اگرچہ فطری تھی تاہم وہ پشیمان ہوئے انہیں اپنا معاہدہ یاد آیا لہٰذا معذرت آمیز لہجے میں استاد سے کہا اس بھول پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور اس کام پر مجھ پر سخت گیری نہ کیجئے۔

(۷۴) ان کا دریائی سفر ختم ہو گیا وہ کشتی سے اتر آئے سفر جاری تھا اثنائے راہ میں انہیں ایک بچہ ملا لیکن اس عالم نے کسی تمہید کے بغیر ہی اس بچے کو قتل کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر نہ رہا گیا۔ یہ نہایت وحشت ناک منظر تھا بلا جواز اور بے وجہ ایک بے گناہ بچے کا قتل ایسی چیز نہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش رہ سکتے۔ آپ غصے سے آگ بگولہ ہو گئے غم و اندوہ اور غصے کا یہ عالم تھا کہ آپ نے پھر اپنے معاہدے کو نظر انداز کرتے ہوئے اب کے شدید تر اور واضح تر اعتراض کیا۔ یہ واقعہ بھی پہلے واقعے کی نسبت زیادہ وحشت ناک تھا وہ کہنے لگا کیا آپ نے ایک بے گناہ اور پاک انسان کو قتل کر دیا جبکہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا۔

واقعاً آپ نے کیسا برا کام انجام دیا ہے۔

(۷۵) اس عالم بزرگوار نے پھر اپنے خاص اطمینان اور نرم لہجے میں وہی جملہ دہرایا کہا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم ہرگز میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔

(۷۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا عہد یاد آ گیا انہیں بہت احساس شرمندگی ہو رہا تھا کیونکہ دو مرتبہ یہ پیمان ٹوٹ چکا تھا چاہے بھول کر ہی ایسا ہوا ہو۔ انہیں خیال آ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے استاد کی بات صحیح ہو کہ انہوں نے تو پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ ابتداء میں ان کے کام موسیٰ علیہ السلام کیلئے نا قابل برداشت ہوں گے موسیٰ علیہ السلام نے پھر عذر خواہی کے لہجے میں کہا کہ اس دفعہ بھی مجھ سے صرف نظر کیجئے اور میری بھول چوک کو نظر انداز کر دیجئے اور اگر اس کے بعد میں آپ کے کاموں کے بارے میں وضاحت کا تقاضا کروں (اور آپ پر اعتراض کروں) تو پھر بے شک مجھے ساتھ نہ رکھیں اور اس صورت میں آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔

یہ جملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انصاف پسندی، بلند نظر اور عالی ظرفی کی حکایت کرتا ہے اور نشاندہی کرتا ہے کہ وہ ایک حقیقت کے سامنے سر جھکا دینے والے تھے اگرچہ وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔

(۷۷)اس گفتگو اور نئے معاہدے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنے استاد کیساتھ چل پڑے چلتے چلتے وہ ایک بستی میں پہنچے انہوں نے اس بستی والوں سے کھانا مانگا لیکن بستی والوں نے انہیں مہمان بنانے سے انکار کردیا۔

اس آیت میں ''قریہ'' سے مراد شہر ''ناصرہ'' یا بندرگاہ ''ایلہ'' ہے

بہر صورت جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اوران کے استاد کے ساتھ اس شہر میں پیش آیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کے رہنے والے بہت بخیل اور کم ظرف لوگ تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شہر والوں کے بارے میں ایک حدیث منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''وہ کمینے اور کم ظرف لوگ تھے''۔

قرآن کہتا ہے اس کے باوجود انہوں نے اس شہر میں ایک گرتی ہوئی دیوار دیکھی تو اس عالم نے اس کی مرمت شروع کردی اور اسے کھڑا کردیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تھکے ہوئے تھے انہیں بھوک بھی ستا رہی تھی کوفت الگ تھی وہ محسوس کررہے تھے اس آبادی کے ناسمجھ لوگوں نے ان کی اوران کے استاد کی توہین کی ہے دوسری طرف وہ دیکھ رہے تھے اس بے احترامی کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام اس گرتی ہوئی دیوار کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے جیسے ان کے سلوک کی مزدوری دے رہے ہوں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کم ازکم استاد یہ کام اجرت لے کر ہی کرتے تاکہ کھانا تو فراہم ہو جاتا۔

لہٰذا وہ اپنے معاہدے کو پھر بھول گئے انہوں نے پھر اعتراض کیا لیکن اب لہجہ پہلے کی نسبت ملائم اور نرم تھا کہنے لگے اس کام کی کچھ اجرت ہی لے لیتے۔

درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سوچ رہے تھے کہ یہ عدل تو نہیں کہ انسان ان لوگوں سے ایثار کا سلوک کرے کہ جو اس قدر فرومایہ اور کم ظرف ہوں۔

(۷۸)اس موقع پر اس عالم بزرگوار نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آخری بات کہی کیونکہ گزشتہ تمام واقعات کی بنا پر انہیں یقین ہوگیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے کاموں کو برداشت نہیں کرسکتے۔ لہٰذا فرمایا لو اب تمہارے اور میرے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے جلد میں تمہیں ان امور کے اسرار سے آگاہ کروں گا کہ جن پر تم صبر نہ کرسکے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہ کیا کیونکہ گزشتہ واقعے میں یہی بات وہ خود تجویز کرچکے تھے یعنی خود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ حقیقت ثابت ہو چکی تھی کہ ان کا نباہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن پھر بھی جدائی کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پر ہتھوڑے کی ضرب کی طرح لگی۔ ایسے استاد سے جدائی کہ جس کا سینہ مخزن اسرار ہو۔ جس کی ہمراہی باعث برکت ہو اور جس کی ہر بات ایک درس ہو جس کا طرز عمل الہام بخش ہو جس کی پیشانی سے نور خدا ضو فشاں ہو اور جس کا دل علم الٰہی کا گنجینہ ہو۔ ایسے رہبر سے جدائی باعث رنج وغم تھی۔ لیکن یہ ایک ایسی تلخ حقیقت تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہرحال قبول کرنا تھی۔

(۷۹)اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا	ہاں وہ کشتی کی بات! تو وہ کچھ مسکین وغریب افراد کی تھی جو اس سے دریا میں کام کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اس میں کوئی نقص ڈال دوں (کیونکہ) ایک ظالم بادشاہ ان کے پیچھے تھا کہ جو ہر (صحیح وسالم) کشتی کو زبردستی ہتھیا رہا تھا۔
(۸۰)وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ	رہا وہ لڑکا، تو اس کے ماں باپ صاحبِ ایمان تھے۔ہم نے پسند نہ کیا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر اکسائے۔
(۸۱)فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا	ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے میں انہیں پاک تر اور محبوب تر اولاد عطا فرمادے۔
(۸۲)وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ	رہی اس دیوار کی بات، تو وہ اس شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ان کا باپ نیک اور صالح شخص تھا، تیرا رب چاہتا تھا کہ وہ بالغ ہوکر اپنا خزانہ نکال لیں اور یہ تیرے پروردگار کی رحمت تھی۔ میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کئے۔اور یہ تھا ان کاموں کا راز کہ جن پر تو صبر کی تاب نہ رکھتا تھا۔

تفسیر

حضرت خضر علیہ السلام کے ناپسندیدہ کاموں کا راز

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا جدا ہونا طے پا گیا تو ضروری تھا کہ یہ الٰہی استاد اپنے ان کاموں کے اسرار ظاہر کرے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنہیں گوارا نہیں کر پائے تھے۔درحقیقت ان سے ہمراہی کا فائدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے یہی تھا کہ وہاں تین عجیب واقعات کا راز سمجھ لیں اور یہی راز بہت سے مسائل کی تفہیم کیلئے کلید بن سکتا تھا اور مختلف سوالوں کا جواب اس میں پنہاں تھا۔

حضرت خضر نے کشتی والے واقعے سے بات شروع کی اور کہنے لگے ہاں تو وہ کشتی والی بات یہ تھی کہ وہ چند غریب ومسکین افراد کی ملکیت تھی وہ اس سے دریا میں کام کرتے تھے میں نے سوچا کہ اس میں کوئی نقص ڈال دوں کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک ظالم بادشاہ

ان کے پیچھے ہے اور وہ ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی ہتھیا لیتا ہے۔

گویا کشتی میں سوراخ کرنا ظاہراً تو برا لگتا تھا لیکن اس کام میں ایک اہم مقصد پوشیدہ تھا اور وہ تھا کشتی کے غریب مالکوں کو ایک غاصب بادشاہ کے ظلم سے بچانا کیونکہ اس کے نزدیک عیب دار کشتیاں اس کے کام کی نہ تھیں اور ایسی کشتیوں پر وہ قبضہ نہیں جماتا تھا خلاصہ یہ کہ یہ کام چند مسکینوں کے مفاد کی حفاظت کیلئے تھا اور اسے انجام پانا ہی چاہئے تھا۔

(۸۰) اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام لڑکے کے قتل کے مسئلے کی طرف آتے ہیں کہتے ہیں رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ صاحب ایمان تھے ہمیں یہ بات اچھی نہ لگی کہ وہ اپنے ماں باپ کو راہ ایمان سے بھٹکا دے اور سرکشی وکفر پر ابھارے۔

بہرحال اس عالم نے اس لڑکے کو قتل کر دیا اور اس لڑکے کے زندہ رہنے کی صورت میں اس کے ماں باپ کو آئندہ جو ناگوار واقعات پیش آنے والے تھے انہیں اس قتل کی دلیل قرار دیا۔

(۸۱) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان کو اس کے بدلے زیادہ پاک اور زیادہ پر محبت اولاد عطا فرمائے۔

(۸۲) آخری زیر بحث آیت میں تیسرا کام یعنی دیوار بنانے کے واقعہ کا جواب ہے اس عالم نے اس واقعے کے راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ رہی دیوار کی بات تو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ چھپا ہوا تھا اور ان کا باپ ایک نیک اور صالح شخص تھا۔

تیرا پروردگار چاہتا تھا کہ وہ بالغ ہو جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ تو تیرے رب کی طرف سے رحمت تھی۔ اور ان کے نیک ماں باپ کی وجہ سے میں مامور تھا کہ اس دیوار کو تعمیر کروں کہ کہیں وہ گر نہ جائے اور خزانہ ظاہر ہو کر خطرے سے دوچار نہ ہو جائے۔

آخر میں انہوں نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہر قسم کا شک دور ہو جائے اور وہ یقین کر لیں کہ یہ سب کام ایک خاص منصوبے اور ذمہ داری کے تحت تھے لہٰذا انہوں نے کہا اور میں نے یہ کام خود سے نہیں کئے بلکہ اللہ کے حکم کے تحت انجام دیئے۔

جی ہاں! یہ تھے ان کاموں کے راز کہ جن پر صبر کی تم میں تاب نہیں تھی۔

موسیٰ وخضر علیہما السلام کی داستان سے حاصل ہونے والے دروس

اس داستان سے ہمیں بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں مثلاً

1۔ عالم رہبر کی تلاش اور اس کے علم سے استفادہ کرنا اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر نے اس کی تلاش میں اتنا سفر کیا اور یہ سب انسانوں کیلئے ایک نمونہ ہے وہ جس مرتبہ کے بھی ہوں اور جس سن وسال کے اور انہیں جیسے بھی حالات درپیش ہوں۔

2۔ جوہر علم الٰہی کا سرچشمہ عبودیت اور اللہ کی بندگی ہے جیسا کہ زیر نظر آیات میں ہم نے پڑھا ہے

''وہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ تھا اسے ہم نے اپنے خاص علم سے نوازا تھا''۔

3۔علم ہمیشہ عمل کیلئے حاصل کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عالم دوست سے کہتے ہیں
''مجھے ایسا علم سکھایئے جو راہ مقصد میں میرے لئے مفید ہو''۔
یعنی میں علم برائے علم نہیں چاہتا بلکہ حصول مقصد کیلئے علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

4۔کاموں میں جلد بازی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بہت سے امور کیلئے مناسب موقع کی ضرورت ہوتی ہے۔

5۔چیزوں اور واقعات کا ظاہری چہرہ بھی ہوتا ہے اور باطنی بھی۔یہ ایک اہم سبق ہے کہ جو ہمیں درس دیتا ہے کہ ہمیں جلد بازی سے فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کتنے ہی ایسے واقعات ہیں کہ جو ہمیں ناپسند ہوتے ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے لئے اللہ کا لطف خفی تھے۔اسی بات کے بارے میں قرآن حکیم ایک اور جگہ کہتا ہے۔
''ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں ناپسند ہو حالانکہ وہ تمہارے فائدے میں ہو اور ممکن ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے''(بقرہ............۲۱۶)

6۔اعتراض کے ساتھ ساتھ حقیقتوں کا اعتراف اس داستان کا ایک اور سبق ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین بار نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے عالم دوست سے کئے گئے عہد کو نظر انداز کر دیا اور باوجود اس کے اس استاد کی جدائی انہیں سخت ناگوار تھی تاہم اس تلخ حقیقت کے سامنے انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا اور ان کے اقدام کو حق تسلیم کیا ان سے بڑی محبت اور خلوص کے عالم میں جدا ہوئی اور اپنے کام میں لگ گئے جبکہ اس دوستی اور رفاقت کے مختصر سے عرصے میں انہوں نے حقیقت کے عظیم خزانے جمع کر لئے تھے۔
انسان کو نہیں چاہئے کہ آخر عمر تک اپنی آزمائش میں لگا رہے اور ایسے مستقبل کیلئے اپنی زندگی کو تجربہ گاہ نہ بنالے کہ جو ہرگز نہیں آئے گا جب انسان کسی ایک چیز کو چند مرتبہ آزمالے تو پھر اس کے نتیجے کے سامنے سر جھکا دے۔

7۔ماں باپ کے ایمان کا اولاد کے لئے اثر بھی اس داستان کا ایک اہم سبق ہے حضرت خضر علیہ السلام نے ایک نیک اور صالح باپ کی وجہ سے اس کی اولاد کی اس قدر حمایت اپنے ذمہ لے لی کہ جس قدر ہو سکتی۔یعنی اولاد اپنے باپ کے ایمان اور امانت کی وجہ سے سعادت مند ہو سکتی ہے اور اس کی نیکی کا فائدہ اس کی اولاد کو پہنچ سکتا ہے چند ایک روایات میں ہے کہ وہ مرد صالح ان یتیموں کا باپ نہیں تھا بلکہ ان کے دور کے اجداد میں شمار ہوتا تھا (جی ہاں!عمل صالح کی تاثیر اس قدر ہے)
اس کے صالح ہونے کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے اپنی اولاد کیلئے معنویت کے خزانے اور حکیمانہ پند و نصائح بطور یادگار چھوڑے۔

8۔اس داستان کا ایک سبق یہ ہے کہ ماں باپ کو تکلیف پہنچانے سے عمر کم ہو جاتی ہے جب ایسی اولاد موت کی مستحق ہے کہ جس نے آئندہ ماں باپ کو تکلیف پہنچانا ہے ان کے مقابلے میں سرکشی اور کفران اختیار کرنا ہے یا انہیں راہ خدا سے منحرف کرنا ہے تو پھر اس اولاد کی کیفیت بارگاہ الٰہی میں کیا ہوگی۔
کہ جو اس وقت مشغول گناہ ہے۔

9۔اس داستان کا ایک درس یہ ہے کہ لوگ اس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جسے نہیں جانتے۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص ہمارے بارے میں نیکی کرتا ہے لیکن چونکہ ہم باطن کار سے آگاہ نہیں ہوتے اس لئے اسے دشمن خیال کرتے ہیں اور اس پر برہم ہوتے ہیں خصوصا ہم ان چیزوں کے بارے میں کم صبر اور بے حوصلہ ہوتے ہیں جنہیں نہیں جانتے۔البتہ یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان ایسے امور کے بارے میں بے صبر ہوتا ہے کہ جن کا صرف ایک رخ اور ایک زاویہ اس کے سامنے ہوتا ہے بہرحال یہ داستان ہمیں بتاتی ہے کہ فیصلہ کرنے میں جلدبازی سے کام نہیں لینا چاہئے بلکہ تمام پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ کرنا چاہئے۔

10۔اس داستان سے ہم استاد اور شاگرد کے آداب بھی سیکھ سکتے ہیں اس عالم ربانی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہونے والی گفتگو سے استاد اور شاگرد کے درمیان آداب کے سلسلے میں بہت سے نکات سامنے آتے ہیں مثلاً

۱......حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کے تابع قرار دیتے ہیں

۲......انکساری کا اظہار کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے استاد کا علم بہت زیادہ قرار دیتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ میں تو اس علم کا کچھ حصہ حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں لفظ "مما" اس کی دلیل ہے۔

(۸۳)وَ یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْهُ ذِکْرًا ؕ	اور تجھ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ان سے کہہ دو کہ عنقریب اس کی کچھ سرگزشت تم سے بیان کروں گا۔
(۸۴)اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۙ	ہم نے اسے روئے زمین پر قدرت وحکومت عطا فرمائی اور ہر طرح کے اسباب اس کے اختیار میں دیئے۔
(۸۵)فَاَتْبَعَ سَبَبًا	پس اس نے ان اسباب سے استفادہ کیا
(۸۶)حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا	یہاں تک کہ وہ سورج کے مقام غروب تک پہنچا۔اسے آفتاب ایسے دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ سیاہ کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہو۔وہاں اس نے ایک قوم کو آباد پایا۔ہم نے کہا :اے ذوالقرنین! کیا تم انہیں سزا دینا چاہو گے یا اچھی جزا؟
(۸۷)قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّکْرًا	وہ کہنے لگا: جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں تو ہم عنقریب سزا دیں گے اور وہ اپنے رب کی طرف پلٹ جائیں گے اور اللہ انہیں سخت سزا دے گا۔

(۸۸)وَ اَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ اِۨلۡحُسۡنٰی ۚ وَ سَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا یُسۡرًا ؕ	رہا وہ شخص جو ایمان لے آئیگا اور نیک کام کرے گا وہ اچھی جزا پائے گا اور ہم اسے آسان کام کہیں (سونپیں) گے۔
(۸۹)ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا	اس نے پھر ان اسباب سے کام لیا۔
(۹۰)حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ۙ	یہاں تک کہ وہ سورج کے مقام طلوع تک جا پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ سورج ایسے لوگوں پر طلوع کر رہا ہے جن کیلئے سورج کے سوا ہم نے کوئی ستر (اور لباس) قرار نہیں دیا۔
(۹۱)کَذٰلِکَ ؕ وَ قَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡهِ خُبۡرًا	جی ہاں! (ذوالقرنین کا معاملہ) ایسا ہی تھا اور اس کے پاس جو وسائل تھے ہم ان سے اچھی طرح آگاہ تھے۔

تفسیر

ذوالقرنین کی عجیب کہانی

اصحاب کہف کے بارے میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ہم نے کہا تھا کہ چند قریشیوں نے رسول اللہ ﷺ کو آزمانا چاہا اس مقصد کیلئے انہوں نے مدینہ کے یہودیوں کے مشورے سے تین مسئلے پیش کئے۔

اب ذوالقرنین کی داستان کی باری ہے۔

ذوالقرنین کی داستان ایسی ہے کہ جس پر طویل عرصے سے فلاسفہ اور محققین غور و خوض کرتے چلے آئے ہیں اور ذوالقرنین کی معرفت کیلئے انہوں نے بہت کوشش کی ہے۔

اس سلسلے میں پہلے ہم ذوالقرنین سے مربوط آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ ان آیات کی تفسیر کے بعد ذوالقرنین کی شخصیت کو جاننے کیلئے ہم آیات روایات اور مورخین کے اقوال کا جائزہ لیں گے۔ دوسرے لفظوں میں پہلے ہم اس کی شخصیت کے بارے میں گفتگو کریں گے اور پہلا موضوع وہی ہے جو قرآن کی نظر میں اہم ہے۔

اس سلسلے کی پہلی آیت کہتی ہے تجھ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو عنقریب اس کی سرگزشت کا کچھ حصہ تم سے بیان کروں گا۔

بہرحال اس آیت کی ابتداء یہ بتاتی ہے کہ لوگ پہلے بھی ذوالقرنین کے بارے میں بات کیا کرتے تھے البتہ اس سلسلے میں ان میں اختلاف اور ابہام پایا جاتا تھا اسی لئے انہوں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے ضروری وضاحتیں چاہیں۔

(۸۴)اس کے بعد فرمایا گیا ہے ہم نے اسے زمین پر تمکنت عطا کی قدرت ثبات قوت اور حکومت بخشی۔

اور ہر طرح کے وسائل واسباب اس کے اختیار میں دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو ہر چیز تک پہنچنے کے اسباب عنایت فرمائے تھے سبب کے اس مفہوم میں عقل وروایت انتظامی صلاحیت' طاقت وقوت لشکر' افرادی قوت' مادی وسائل غرض ہر قسم کے ایسے مادی وسائل شامل ہیں جو مقاصد کے حصول کیلئے ضروری تھے۔

(۸۵)اس نے بھی ان سے استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ سورج کے مقام غروب تک پہنچ گیا۔ وہاں اس نے محسوس کیا کہ سورج تاریک اور کیچڑ آلود چشمے یا دریا میں ڈوب جاتا ہے۔

وہاں اس نے ایک قوم کو دیکھا (کہ جس میں اچھے برے ہر طرح کے لوگ تھے)۔

تو ہم نے ذوالقرنین سے کہا کہ تم انہیں سزا دینا چاہو گے یا اچھی جزا۔

(۸۷) ذوالقرنین نے کہا وہ لوگ کہ جنہوں نے ظلم کئے ہیں انہیں تو ہم سزا دیں گے۔ اور پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جائیں گے اور اللہ انہیں شدید عذاب کرے گا۔ یہ ظالم وستمگر دنیا کا عذاب بھی چکھیں گے اور آخرت کا بھی۔

(۸۸)اور رہا وہ شخص کہ جو باایمان ہے اور عمل صالح کرتا ہے اسے اچھی جزاء ملے گی۔ اور اسے ہم آسان کام سونپیں گے۔

اس سے بات بھی محبت سے کریں گے اور اس کے کندھے پر سخت ذمہ داریاں بھی نہیں رکھیں گے اور اس سے زیادہ خراج بھی وصول نہیں کریں گے۔

(۸۹) ذوالقرنین نے اپنا مغرب کا سفر تمام کیا اور مشرق کی طرف جانے کا عزم کیا اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے جو وسائل اس کے اختیار میں تھے اس نے ان سے پھر استفادہ کیا۔

(۹۰)اور اپنا سفر اسی طرح جاری رکھا یہاں تک کہ سورج کے مرکز طلوع تک جا پہنچا۔

وہاں اس نے دیکھا سورج ایسے لوگوں پر طلوع کر رہا ہے کہ جن کے پاس سورج کی کرنوں کے علاوہ تن ڈھانپنے کی کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ لوگ بہت ہی پست درجے کی زندگی گزارتے تھے یہاں تک کہ برہنہ رہتے تھے یا بہت ہی کم مقدار لباس پہنتے تھے کہ جس سے ان کا بدن سورج سے نہیں چھپتا تھا۔

جی ہاں! ذوالقرنین کا معاملہ ایسا ہی ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کے اختیار میں اپنے اہداف کے حصول کیلئے کیا وسائل تھے۔

(۹۲)ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا	اس نے پھر ان وسائل سے استفادہ کیا۔

(۹۳)حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا	(اور اسی طرح اپنا سفر جاری رکھا) یہاں تک کہ پہاڑوں کے درمیان پہنچا اور وہاں ان دو گروہوں سے مختلف ایک ایسا گروہ پایا جس کے لوگ کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔
(۹۴)قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَهُمۡ سَدًّا	(وہ لوگ) کہنے لگے: اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج اس سرزمین پر فساد برپا کرتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ اگر اخراجات تجھے ہم فراہم کر دیں اور تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دے؟
(۹۵)قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡهِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّةٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَهُمۡ رَدۡمًا ۙ	(ذوالقرنین نے) کہا: اللہ نے جو میرے اختیار میں دیا ہے وہ (اس سے) بہتر ہے (جس کی تم پیشکش کرتے ہو) قوت و طاقت سے میری مدد کرو تا کہ تمہارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دوں۔
(۹۶)اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡهِ قِطۡرًا ؕ	لوہے کی بڑی بڑی سلیں میرے پاس لے آؤ (اور انہیں ایک دوسرے پر چن دو) تا کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ پوری طرح چھپ جائے اس کے بعد اس نے کہا (اس کے اطراف میں آگ روشن کرو اور) آگ کو دھونکو یہاں تک کہ (دھونکتے دھونکتے) انہوں نے لوہے کی سلوں کو سرخ انگارہ بنا کر پگھلا دیا اس نے کہا: (اب) پگھلا ہوا تانبا میرے پاس لے آؤ (تا کہ اسے اس کے اوپر ڈال دوں)۔

(۹۷)فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا	(آخرکاراس نے ایسی مضبوط دیوار بنادی کہ)اب وہ اس کے اوپر نہیں جا سکتے تھے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکتے تھے۔
(۹۸)قَالَ هٰذَا رَحۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّىۡ‌ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّىۡ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ‌ ۚ وَكَانَ وَعۡدُ رَبِّىۡ حَقًّا ؕ	اس نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے لیکن جب میرے رب کا وعدہ آن پہنچا تو اسے درہم برہم کر دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ حق ہے۔

تفسیر

ذوالقرنین نے دیوار کیسے بنائی؟

زیر نظر آیات میں حضرت ذوالقرنین کے ایک اور سفر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس کے بعد اس نے حاصل وسائل سے پھر استفادہ کیا۔

اور اس طرح اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا وہاں ان دوگروہوں سے مختلف ایک اور گروہ کو دیکھا۔ یہ لوگ کوئی بات نہیں سمجھتے تھے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کوہستانی علاقے میں جا پہنچے مشرق اور مغرب کے علاقے میں وہ جیسے لوگوں سے ملے تھے یہاں ان سے مختلف لوگ تھے۔ یہ لوگ انسانی تمدن کے اعتبار سے بہت ہی پسماندہ تھے کیونکہ انسانی تمدن کی سب سے واضح مظہر انسان کی گفتگو ہے۔

(۹۴)اس وقت یہ لوگ یاجوج ماجوج نامی خونخوار اور سخت دشمن سے بہت تنگ اور مصیبت میں تھے۔ ذوالقرنین کہ جو عظیم قدرتی وسائل کے حامل تھے ان کے پاس پہنچے تو انہیں بڑی تسلی ہوئی۔ انہوں نے ان کا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگے۔ اے ذوالقرنین! یاجوج وماجوج اس سرزمین پر فساد کرتے ہیں یا ممکن ہے کہ خرچ آپ کو ہم دے دیں اور آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں۔

وہ ذوالقرنین کی زبان تو نہیں سمجھتے تھے اس لئے ہوسکتا ہے یہ بات انہوں نے اشارے سے کی ہو یا پھر ٹوٹی پھوٹی زبان میں اظہار مدعا کیا ہو۔

(۹۵)اس پر ذوالقرنین نے انہیں جواب دیا یہ تم نے کیا کہا؟ اللہ نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے کہ جو تم مجھے دینا چاہتے ہو اور میں تمہاری مالی امداد کا محتاج نہیں ہوں۔

تم قوت وطاقت کے ذریعے میری مدد کروتا کہ میں تمہارے اوران دو مفسد قوموں کے درمیان مضبوط اور مستحکم دیوار بنا دوں۔

(۹۶) پھر ذوالقرنین نے حکم دیا۔لوہے کی بڑی بڑی سلیں میرے پاس لے آؤ۔

"زبر" 'زبرۃ" (بروزن غرفۃ) کی جمع ہے یہ لوہے کے بڑے اور ضخیم ٹکڑے کے معنی میں ہے جب لوہے کی سلیں آ گئیں توانہیں ایک دوسرے پر چننے کاحکم دیا یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ پوری طرح چھپ گئی۔

تیسرا حکم ذوالقرنین نے یہ دیا کہ آگ لگانے کا مواد (ایندھن وغیرہ) لے آؤ اوراسے اس دیوار کے دونوں طرف رکھ دو اوراپنے پاس موجود وسائل سے آگ بھڑکاؤ اور اس میں دھونکو یہاں تک کہ لوہے کی سلیں انگاروں کی طرح سرخ ہوکر آخر پگھل جائیں۔

درحقیقت وہ اس طرح لوہے کے ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ کر ایک کر دینا چاہتے تھے یہی کام آج کل خاص مشینوں کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے لوہے کی سلوں کو اتنی حرارت دی گئی کہ وہ نرم ہوکر ایک دوسرے سے مل گئیں۔

پھر ذوالقرنین نے آخری حکم دیا کہا کہ پگھلا ہوا تانبا لے آؤ تا کہ اسے اس دیوار کے اوپر ڈال دوں۔

اس طرح اس لوہے کی دیوار پر تانبے کا لیپ کر کے اسے ہوا کے اثر سے اور خراب ہونے سے محفوظ کر دیا۔

(۹۷) آخرکار یہ دیوار اتنی مضبوط ہوگئی کہ اب وہ مفسد لوگ نہ اس کے اوپر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔

(۹۸) ذوالقرنین نے بہت اہم کام انجام دیا تھا۔مستکبرین کی روش تو یہ ہے کہ ایسا کام کر کے وہ بہت فخر وناز کرتے ہیں یا احسان جتلاتے ہیں لیکن ذوالقرنین چونکہ مرد خدا تھے لہٰذا انتہائی ادب کے ساتھ کہنے لگے یہ میرے رب کی رحمت ہے۔

اگر میرے پاس ایسا اہم کام کرنے کیلئے علم و آگاہی ہے تو یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر مجھ میں کوئی طاقت ہے اور میں بات کر سکتا ہوں تو وہ بھی اس کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد مزید کہنے لگے۔یہ نہ سمجھنا کہ یہ کوئی دائمی دیوار ہے جب میرے پروردگار کا حکم آیا تو یہ درہم برہم ہو جائے گی اور زمین بالکل ہموار ہو جائے گی۔

اور میرے رب کا وعدہ حق ہے۔

یہ کہہ کر ذوالقرنین نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اختتام دنیا اور قیامت کے موقع پر یہ سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔

داستان ذوالقرنین کے تاریخی اور تربیتی نکات

یہ داستان بہت سے تربیتی اور تعمیری نکات کی حامل ہے سب سے زیادہ ان نکات پر غور کیا جانا چاہئے اور یہی درحقیقت قرآن کا اصل مقصد ہے۔

1...... پہلا درس کہ جو ہمیں یہ داستان سکھاتی ہے یہ ہے کہ اسباب و وسائل سے کام لئے بغیر عالم میں کچھ نہیں ہو سکتا لہٰذا اللہ

تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کو کام کرنے اور کامیابی حاصل کرنے کیلئے اسباب وسائل عطا کئے۔

2......کوئی حکومت اپنے اچھے لوگوں کی تحسین وتشویق کے بغیر اور خطا کاروں کو سزا دیئے اور باز پرس کئے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔یہی وہ اصول ہے جس سے حضرت ذوالقرنین نے استفادہ کیا اور کہا۔

حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کے نام ایک فرمان جاری کیا۔یہ فرمان نظام مملکت کا ایک جامع دستورالعمل ہے اس مشہور حکم میں آپ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''تیری نگاہ میں نیک اور بد کبھی ایک نہیں ہونے چاہیں کیونکہ اس طرح تو نیک لوگ اپنے کام سے بددل ہو جائیں گے اور برے بے پرواہ''

3......عدل الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ کسی پر اتنا بوجھ اور ذمہ داری ڈالی جائے کہ جو اس کیلئے تکلیف دہ نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے تصریح کی میں ظالموں کو سزا دوں گا اور نیک لوگوں کو اچھی جزا دوں گا اور پھر فرمایا

میں ان کے سامنے آسان پروگرام رکھوں گا۔

یعنی ان کے ذمہ آسان کام لگاؤں گا تاکہ وہ شوق اور رغبت سے یہ کام سرانجام دے سکیں۔

4......ایک وسیع اور ہمہ گیر مملکت مختلف علاقوں میں لوگوں کے مختلف حالات سے بے اعتنا نہیں رہ سکتی۔

5......ہر قوم کے مسائل حل کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ایک قوم کہ جو قرآن کے بقول

''لا یکادون یفقھون قولا''

یعنی......بات تک نہ سمجھتی تھی۔حضرت ذوالقرنین نے اسے بھی اپنی نگاہ کرم سے دور نہیں رکھا اور جیسے بھی ممکن ہوا ان کا درد دل سنا اور ان کی احتیاج کو پورا کیا۔

6......ایک صحیح معاشرے کی زندگی کیلئے امن اولین اور اہم ترین شرط ہے یہی وجہ ہے کہ قیام امن اور مفسدین کو روکنے کیلئے حضرت ذوالقرنین نے بہت باعث زحمت کام اپنے ذمے لیا۔

7......اس تاریخی واقعے سے ایک اور سبق یہ لیا جاسکتا ہے کہ جن کا کوئی مسئلہ ہے اور جو کسی درد میں مبتلا ہیں انہیں بھی اپنے مسئلے کے حل اور درد کے علاج میں شریک ہونا چاہئے کیونکہ جو خود درد میں مبتلا ہو اس کی آہ اثر رکھتی ہے۔

اصولی طور پر جنہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو جب کام ان کی شراکت سے انجام پاتا ہے تو ان کی صلاحیتیں بھی ابھرتی ہیں کام کی کوئی قدر وقیمت بھی ہوتی ہے اور پھر وہ اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں کیونکہ اس میں ان کی زحمتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔

ضمنی طور پر اس سے یہ بھی اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ ایک پسماندہ قوم کو بھی جب کوئی صحیح سرپرست اور منصوبہ بندی میسر آجائے تو وہ بھی بڑے اہم اور محیر العقول کام کرسکتی ہے۔

8......ایک سبق اس داستان سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ ایک خدائی رہبر کو مال دنیا اور مادیات سے بے پرواہ اور بے اعتناء

ہونا چاہئے اور جو کچھ اللہ نے اسے عطا کیا ہے اسی پر قناعت کرنا چاہئے۔

قرآن مجید میں واقعات انبیاء میں ہم بار ہا دیکھتے ہیں کہ ان کی یہ بات بہت بنیادی ہوتی تھی کہ ہماری دعوت تم سے کسی اجر وصلہ کیلئے نہیں اور ہم تم سے کسی اجر کی خواہش نہیں کرتے۔

9......کام کو ہر لحاظ سے ٹھوس اور پائیدار کرنا اس داستان کا ایک اور سبق ہے۔

10......تکبر۔انسان کو زیبا نہیں۔انسان کتنا بھی طاقتور اور صاحب قدرت ہو اور بڑے بڑے کام کر گزرے پھر بھی اسے ہرگز اپنے اوپر غرور اور ناز نہیں کرنا چاہئے۔یہ وہ درس ہے جو حضرت ذوالقرنین نے سب کو دیا ہے۔

11......آخر کار تمام چیزیں زائل ہو جائیں گی اس جہان کی مضبوط ترین عمارتیں بھی آخر کار تباہ ہو جائیں گی اگر چہ وہ لوہے اور فولاد کی بنی ہوں۔یہ اس داستان کا آخری منصب ومقام حاصل کرنے کیلئے کسی قانون اور قاعدے کی پرواہ نہیں کرتے اور دنیا کے لئے ایسی حریصانہ کوشش کرتے ہیں کہ گویا موت اور فنا ہے ہی نہیں۔

یاجوج ماجوج کون ہیں؟

قرآن مجید کی دو سورتوں میں یاجوج ماجوج کا ذکر آیا ہے ایک زیر بحث آیات میں اور دوسرا سورہ انبیاء کی آیت ۹۶ میں۔

آیات قرآن واضح طور پر گواہی دیتی ہیں کہ یہ دو وحشی خونخوار قبیلوں کے نام تھے وہ لوگ اپنے اردگرد رہنے والوں پر بہت زیادتیاں اور ظلم کرتے تھے۔

لہٰذا یہ زیادہ صحیح لگتا ہے کہ یاجوج اور ماجوج انہی وحشی قبائل میں سے تھے جب کورش ان علاقوں کی طرف گئے تو قفقاز کے لوگوں نے درخواست کی کہ انہیں ان قبائل کے حملوں سے بچایا جائے لہٰذا اس نے وہ مشہور دیوار تعمیر کی ہے جسے دیوار ذوالقرنین کہتے ہیں۔

(۹۹)وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ	اس دن کہ (جب یہ دنیا ختم ہو جائیگی) ہم انہیں اس طرح سے چھوڑ دیں گے کہ وہ باہم موجزن ہونگے۔اس روز صور پھونکا جائیگا اور ہم انہیں نئی زندگی عطا کر کے سب کو جمع کر دیں گے۔
(۱۰۰)وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ	اس روز ہم جہنم کو کافروں کے سامنے پیش کریں گے۔
(۱۰۱)اِلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۧ	وہی جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا، جو مجھے یاد نہیں کرتے تھے اور وہی کہ جن کے کان تو تھے لیکن تاب سماعت نہ تھی۔

(۱۰۲)اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا	کیا کافروں کو یہ گمان ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا سرپرست بنا سکتے ہیں؟اور ہم نے جہنم کو کافروں کی منزل قرار دے رکھا ہے۔

تفسیر

بے ایمانوں کا ٹھکانا

گزشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ یاجوج و ماجوج کو روکنے کیلئے ایک دیوار بنائی گئی تھی اور یہ دیوار قیامت کے موقع پر درہم برہم ہو جائے گی۔اسی مناسبت سے زیر بحث آیات میں قیامت کے بارے میں گفتگو جاری ہے ارشاد ہوتا ہے اس روز کہ جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی تو ہم انہیں چھوڑ دیں گے اور وہ باہم موجزن ہوں گے.

"یموج"اس موقع پر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ہم عام طور پر کہتے ہیں کہ فلاں موقع پر لوگوں کا دریا موجزن تھا یا پھر یہ لفظ اضطراب اور لرزنے کی طرف اشارہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن لوگوں کے بدن پر کپکپی طاری ہو گی گویا ان کے جسم پانی کی لہروں کی طرح لرز رہے ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے اس دن صور پھونکا جائے گا ہم انہیں نئی زندگی بخشیں گے اور ان سب کو جمع کریں گے۔

اس میں شک نہیں کہ تمام انسان اس میدان میں جمع ہوں گے اور کوئی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

آیات قرآن سے مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان کے اختتام اور دوسرے جہان کے آغاز میں دو بڑی عظیم تبدیلیاں عالم میں رونما ہوں گے۔

پہلی: عظیم تبدیلی یہ ہو گی کہ تمام موجودات اور انسان فنا ہو جائیں گے یہ ایک ضرب کا پروگرام ہے۔

دوسری: عظیم تبدیلی معلوم نہیں کہ پہلے تحول و تغیر سے کتنی دیر بعد ہو گی اور وہ ہے مردوں کا قبروں سے اٹھنا یہ بھی ایک ضرب کا پروگرام ہے۔

قرآن نے "نفخ في الصور" کہہ کر ان پروگراموں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱۰۰)اس کے بعد کفار کے حالات کے بارے میں بات شروع ہوتی ہے ان کی صفات جو ان کے انجام کی موجب ہیں وہ بھی بیان کی گئی ہیں اور ان کے اعمال کا انجام بھی ارشاد ہوتا ہے ہم اس روز جہنم ان کے سامنے پیش کر دیں گے۔

جہنم اپنے طرح طرح کے عذاب اور مختلف دردناک سزاؤں کے ساتھ ان کے سامنے پوری طرح آشکار ہوگی اسے دیکھنا بھی ان کیلئے ایک دردناک اور جانکاہ عذاب ہے چہ جائیکہ گرفتار عذاب جہنم ہونا۔

(۱۰۱) یہ کون سے کافروں کا ذکر ہے اور وہ اس انجام کو کیوں پہنچیں گے اس سلسلے میں قرآن ان کا یوں تعارف کرواتا ہے وہی کہ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا اور جو حق کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ انہیں میری یاد آتی۔

وہی کہ جن کے کان تو تھے لیکن تاب سماعت نہ تھی۔

دراصل وہ لوگ تلاش حق اور ادارک حقائق کا نہایت اہم وسیلہ کو جو خوش بختی و بدبختی کا عامل ہے بے کار کر چکے ہیں۔

جی ہاں! حق کا چہرہ آشکار ہے اور اس جہان کی ہر چیز انسان کے ساتھ بات کرتی ہے صرف چشم بینا اور گوش شنوا کی ضرورت ہے۔

(۱۰۲) اس آیت میں ان کے انحراف کی بنیادی وجہ بتائی گئی ہے یہی وہ انحراف ہے جو دیگر انحرافات کا باعث ہے ارشاد ہوتا ہے کیا کافروں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ میری بجائے میرے بندوں کو اپنا ولی و سرپرست بنا سکتے ہیں۔

یہ بندے کہ جنہیں معبود بنایا گیا ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے ان کا مقام جس قدر بھی بلند ہو کیا ان کے پاس کوئی چیز خود اپنی طرف سے بھی ہے کہ وہ کسی کی خدا کی بجائے سرپرستی کر سکیں یا اس کے برعکس جو کچھ بھی ان کے پاس ہے وہ بھی خدا کی طرف سے ہے یہاں تک کہ وہ خود بھی اس کی ہدایت کے محتاج ہیں یہ ایسی حقیقت ہے جو کافروں نے بھلا رکھی ہے اور شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے جہنم کو ہم نے کافروں کی منزل کے طور پر تیار کیا ہے اور اسی منزل پر ان کا استقبال ہوگا۔

(۱۰۳) قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ؕ	کہد و: کیا ہم تمہیں خبر دیں کہ زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟
(۱۰۴) اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ هُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا	وہ لوگ جن کی ساری کوششیں دنیوی زندگی میں بھٹک کے رہ گئی ہیں اور اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام انجام دے رہے ہیں۔

(۱۰۵)أُولَئِکَ الَّذِینَ کَفَرُوا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ وَ لِقَآئِهِ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَلَا نُقِیۡمُ لَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَزۡنًا	وہ ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے آیاتِ ربانی اور اللہ کی ملاقات کا انکار کیا ہے۔ اسی بناء پر ان کے سارے اعمال اکارت ہو گئے ہیں۔ لہٰذا قیامت کے دن ان کیلئے ہم میزانِ حساب قائم نہیں کریں گے۔
(۱۰۶)ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمۡ جَهَنَّمُ بِمَا کَفَرُوۡا وَاتَّخَذُوۡٓا اٰیٰتِیۡ وَ رُسُلِیۡ هُزُوًا	ان کی سزا جہنم ہے کیونکہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور یہ لوگ میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے۔
(۱۰۷)اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا	رہے وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے تو باغاتِ فردوس ان کی منزل ہیں۔
(۱۰۸)خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا	جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کبھی یہاں سے کہیں اور جانے کی خواہش نہیں کریں گے۔

تفسیر

سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟

ان آیات میں اور ان کے بعد سورہ کے آخر تک بے ایمان لوگ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان آیات میں بلکہ اس پوری سورت میں مختلف جگہوں پر جو بحثیں آئی ہیں انہیں جمع کر دیا گیا ہے خصوصا اصحاب کہف، موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام اور ذوالقرنین کی جدوجہد اور مخالفین کے مقابلے میں ان کے طرز عمل سے مربوط مباحث کا ان آیات میں ایک طرح سے نچوڑ آ گیا ہے۔

سب سے پہلے تو ان لوگوں کا ذکر ہے کہ جو زیادہ خسارے میں ہیں اور انسانوں میں سب سے زیادہ بدبخت ہیں لیکن سننے والوں کے احساس جستجو کو تحریک دینے کیلئے اس اہم مسئلے پر گفتگو سوالیہ انداز میں کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ کہہ دو کیا تمہیں ان لوگوں کے بارے میں خبر نہ دوں کہ جو لوگوں میں سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔

(۱۰۴) فوراً ہی خود جواب دیا گیا ہے تاکہ سننے والا زیادہ دیر تک متحیر نہ رہے۔ زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں حیاتِ دنیا میں بھٹک کے رہ گئی ہیں مگر پھر بھی ان کا خیال ہے کہ وہ اچھے کام انجام دے رہے ہیں۔

یقیناً نقصان صرف یہ نہیں ہے کہ انسان مادی مفادات گنوا بیٹھے بلکہ حقیقی نقصان تو یہ ہے کہ انسان اصل سرمایہ ہی کھو دے۔ عقل و ہوش، خداداد صلاحیتیں عمر جوانی اور صحت و سلامتی سے بڑھ کر کون سا سرمایہ ہوسکتا ہے یہی چیزیں ہیں کہ جن کا ماحصل انسانی اعمال ہیں اور ہمارے عمل ہماری استعداد اور طاقت کی ایک مجسم شکل کے ہوتے ہیں۔

جب یہ قوتیں اور صلاحیتیں بے ہودہ اعمال کی شکل اختیار کرلیں تو گویا یہ سب ضائع ہوگئیں اور راہ گم کردہ ہوگئیں۔

لیکن حقیقی اور کئی گنا نقصان اس صورت میں ہے۔ کہ انسان اپنا مادی اور روحانی سرمایہ کسی غلط اور کج راستے پر گنوا دے اور خیال کرے کہ اس نے اچھا کام کیا ہے وہ اپنے کاموں سے نہ کوئی نتیجہ حاصل کرے نہ اس نقصان سے کوئی سبق سیکھے اور نہ ایسے کاموں کے تکرار سے بچے۔

(۱۰۵) اس آیات میں اس نقصان اٹھانے والے گروہ کی صفات اور عقائد و نظریات بیان کئے گئے ہیں اور چند ایسی صفات بیان کی گئی ہیں جو تمام بدبختیوں کی جڑ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی آیات کو للکارتے ہیں۔

وہ ان آیات سے کفر کرتے ہیں کہ جو آنکھ کو بصارت اور کان کو شنوائی عطا کرتی ہیں وہ آیات کہ جو غرور کے پردوں کو چاک کر کے حقیقت کا چہرہ انسان کے سامنے نمایاں کر دیتی ہیں مختصر یہ کہ وہ آیات جو نور اور روشنی ہیں اور جو انسان کو اوہام کے ظلمات سے باہر نکال دیتی ہیں اور سرزمین حقائق کی طرف ہدایت کرتی ہیں۔

آیات الٰہی سے کفر اختیار کرنے اور خدا کو فراموش کرنے کے بعد وہ لقائے الٰہی کے بھی منکر ہو گئے ہیں۔

جی ہاں! جب تک معاد پر ایمان مبداء پر ایمان کے ساتھ نہ ہو اور انسان یہ احساس نہ کرلے کہ کوئی طاقت اس کے اعمال کی نگران ہے اور سب اس کی عظیم دقیق اور سخت عدالت میں پیش ہوں گے۔ وہ اپنے اعمال کی صحیح جانچ پرکھ نہیں کرے گا اور اس کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے مبداء و معاد سے اسی انکار اور کفر کی وجہ سے ان کے اعمال اکارت ہوگئے ہیں۔ جیسے ایک تیز رفتار آندھی تھوڑی سی خاکستر کو نابود کر دیتی ہے۔ اور چونکہ ان کا کوئی ایسا عمل نہیں کہ جو ناپ تول کے لائق ہو یا جس کی کوئی اہمیت ہو لہٰذا ان کیلئے روز قیامت کوئی میزان قائم نہیں کی جائے گی۔

کیونکہ وزن اور ناپ تول تو وہاں ہوتا ہے جہاں بساط میں کچھ ہو جن کی بساط میں کچھ بھی نہیں ان کیلئے میزان اور ناپ تول کی کیا ضرورت ہے۔

(۱۰۶) اس کے بعد ان کے انحراف، بدبختی اور نقصان کا تیسرا عامل بیان کیا گیا ہے نیز ان کا کیفر کردار بھی بتایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے ان کی سزا جہنم ہے اس لئے کہ وہ کافر ہوگئے ہیں اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اس طرح انہوں نے نہ صرف عقائد کے تین بنیادی اصولوں توحید نبوت اور قیامت سے کفر اختیار کیا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان کا مذاق اڑایا ہے۔

(۱۰۷) گزشتہ آیات سے کفار اور ان لوگوں کا کردار وانجام واضح ہوگیا کہ جو زیادہ خسارے میں ہیں اب مومنین اور ان کے انجام کی باری ہے تاکہ دونوں کا موازنہ ہو جائے اور اس طرح صورت حال بالکل واضح ہو جائے قرآن کہتا ہے وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے باغات فردوس ان کی منزل ہے۔

فردوس ایک ایسا باغ ہے جس میں تمام ضروری نعمتیں جمع ہیں اور اس طرح سے فردوس جنت کے بہترین باغوں میں سے ہے

(۱۰۸) اور کسی نعمت کا کمال تبھی ہوگا جب اسے زوال نہ ہو لہٰذا ساتھ ہی فرمایا گیا ہے وہ ان باغات بہشت میں سدا رہیں گے۔

انسان کی طبیعت اگرچہ جدت پسند اور وہ ہمیشہ تنوع تغیر اور تبدل چاہتا ہے لیکن فردوس کے باسی کبھی بھی نقل مکانی اور تبدیلی کی خواہش نہیں کریں گے۔

اس بناء پر کہ وہ جو کچھ چاہیں گے وہاں موجود ہے یہاں تک کہ تنوع اور تکامل بھی۔ جیسا کہ چند اہم نکات کے ذیل میں ہم وضاحت کریں گے۔

(۱۰۹) قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا	کہہ! دو سمندر میرے پروردگار کے کلمات (لکھنے کیلئے) سیاہی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے (لیکن) میرے پروردگار کے کلمات ختم نہیں ہونگے، اگرچہ ایسے ہی (سمندر) ان کے ساتھ اور بڑھا دیئے جائیں۔
(۱۱۰) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۧ	کہہ: دو میں تو تم جیسا بشر ہوں (البتہ میری خصوصیت یہ ہے کہ) مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے، اسے چاہیئے کہ عمل صالح انجام دے اور کسی کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہ کرے۔

شان نزول

یہودیوں نے جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ آیت سنی

''ما اوتیتم من العلم الا قلیلا'' (سورہ بنی اسرائیل......۸۵)

تمہیں تو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

تو انھوں نے کہا یہ بات کیونکر صحیح ہوسکتی ہے جبکہ ہمیں تورات دی گئی ہے اور جسے تورات دی گئی ہے اس کے پاس خیر کثیر ہے اس وقت یہ مندرجہ بالا پہلی آیت نازل ہوئی اور بتایا کہ ہمارے پاس جو علم ہے وہ اللہ کے لا متناہی علم کے مقابلے میں ناچیز ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہودیوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا

خدا نے تجھے حکمت دی ہے "ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا" (اور جسے حکمت دی گئی ہے اسے تو خیر کثیر مل گئی) لیکن جب ہم تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں تو تو مبہم سا جواب دیتا ہے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے نشاندہی کی ہے کہ انسان کے پاس جتنا بھی علم ہو اللہ کے لامحدود علم کے مقابلے میں ناچیز ہے۔

تفسیر

جو لقائے الٰہی کی امید رکھتے ہیں

یہ آیات مستقل اور جاری بحث کا حصہ ہیں اور ان کا تعلق اس سورت کے تمام مباحث سے ہے کیونکہ اس سورہ میں مذکورہ تینوں اہم واقعات نئے اور عجیب وغریب مطالب سے پردہ ہٹاتے ہیں گویا قرآن ان آیات میں یہ کہنا چاہتا ہے کہ خدا کے علم کے مقابلے میں اصحاب کہف، موسیٰ علیہ السلام وخضر علیہ السلام اور ذوالقرنین کے واقعات سے آگہی کوئی اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ تمام کائنات اور عالم ہستی کا ماضی، حال اور مستقبل اس کے علم کا حصہ ہے۔

بہرحال قرآن زیر بحث پہلی آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتا ہے کہہ دو اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کیلئے سیاہی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے میرے رب کے کلمات ختم نہیں ہوں گے اگرچہ ہم ان جیسے سمندروں کا اضافہ بھی کردیں۔

دراصل اس آیت میں قرآن اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ عالم ہستی یہی کچھ ہے جو تم دیکھ رہے ہو یا جانتے ہو یا محسوس کرتے ہو بلکہ یہ کائنات اس قدر وسیع وعظیم ہے کہ اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور اس سے ان موجودات کے نام، صفات اور خصوصیات لکھیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن جہاں ہستی کے موجودات کا احصاء وشمار نہیں ہو پائے گا۔

ایک اہم بات کہ جس کی طرف اس مقام پر توجہ ضروری ہے یہ ہے کہ زیر بحث آیت ماضی وحال اور مستقبل کے لحاظ سے جہاں ہستی کی وسعت کی غماز ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کی بھی ترجمان ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جو عالم ہستی کی وسعت میں تھیں یا اس وقت ہیں اللہ تعالیٰ ان کا علمی احاطہ رکھتا ہے بلکہ اس کا علم چونکہ حضوری علم ہے اس لئے ان

موجودات سے جدانہیں ہوسکتا (غور کیجئے گا)

دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر زمین کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلمیں بن جائیں تو ہرگز اس پر قادر نہیں کہ جو کچھ اللہ کے علم میں ہے اسے رقم کرسکیں۔

(۱۱۰) زیرنظر دوسری آیت سورہ کہف کی آخری آیت ہے یہ دینی عقائد کے بنیادی اصولوں کا مجموعہ ہے اس میں توحید' رسالت پیغمبر ﷺ اور معاد سب کا ذکر موجود ہے درحقیقت سورہ کہف کی ابتداء بھی اس سے ہوئی تھی۔

نبوت کے بارے میں پوری تاریخ انسان میں بہت غلو اور مبالغہ ہوا ہے اس لئے قرآن کہتا ہے کہہ دو میں تو تم جیسا ایک بشر ہوں میرا امتیاز اور خصوصیت صرف یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔

یہ کہہ کر قرآن نے ان تمام مشرکانہ خیالی امتیازات پر خط بطلان کھینچ دیا ہے کہ جو انبیاء کو مرحلہ بشریت سے مرحلہ الوہیت کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس کے بعد جن مسائل کی انبیاء پر وحی ہوتی ہے ان میں سے مسئلہ توحید کی نشاندہی کی گئی ہے مجھ پر وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے۔

صرف اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کیوں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ توحید تمام عقائد اور انسانوں کیلئے تمام سعادت بخش انفرادی و اجتماعی پروگراموں کا نچوڑ ہے۔

اگر دینی تعلیمات کو موتیوں کی لڑی کہا جائے تو توحید کو وہ دھاگا کہیں گے جو ان موتیوں کو باہم ملائے رکھتا ہے۔ لہٰذا کہنا چاہئے کہ توحید وہ روح ہے جو اس پیکر اسلام میں پھونکی گئی ہے۔

اجتماعی مسائل' پورا انسانی معاشرہ اور جو کچھ اس سے مربوط ہے اسے توحید و وحدت کے سائے میں ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے لوازمات سے آراستہ ہوسکے۔

یہی وجہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ

''لا الہ الا اللہ'' پروردگار کا محکم قلعہ ہے جو شخص اس میں داخل ہو گیا وہ عذاب الٰہی سے مامون ہو گیا۔

اس آیت کا تیسرا جملہ مسئلہ قیامت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ''فاء'' تفریع کے ذریعے اسے مسئلہ توحید سے منسلک کر دیتا ہے ارشاد ہوتا ہے لہٰذا جو شخص بھی اپنے رب کی لقاء کا امیدوار ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح انجام دے۔

لقائے پروردگار دراصل اس کی ذات پاک کا باطنی مشاہدہ ہے یہ دل کی آنکھ اور داخلی بصیرت سے ہوتا ہے اگرچہ اس دنیا میں بھی حقیقی مومنین کیلئے یہ ممکن ہے لیکن یہ معاملہ چونکہ بہت روشن' زیادہ واضح ہو کر عمومیت اختیار کرلے گا۔

آخری جملے میں عمل صالح کی حقیقت کو مختصر طور پر اس طرح واضح کیا گیا ہے کسی کو پروردگار کی عبادت میں شریک نہیں کرنا چاہئے۔

زیادہ واضح لفظوں میں۔ جب تک عمل میں خلوص پیدا نہ ہو وہ صالح نہیں ہوسکتا اور الٰہی اور خدائی رنگ اختیار نہیں کرسکتا۔

درحقیقت وہ عمل صالح جس کا سرچشمہ رضائے الٰہی ہو اور جو اخلاص گوندھا ہوا ہو وہ لقائے الٰہی کا پاسپورٹ ہے۔

اسلام میں اخلاص عمل خالص اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

''جو شخص چالیس دن اپنے اعمال خالص اللہ کیلئے انجام دے تو اللہ اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت و دانش کے چشمے جاری کردے گا''۔

سورہ مریم

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۹۸ آیات ہیں

سورہ مریم کے مضامین

یہ سورہ مضامین کے لحاظ سے چند اہم حصوں کی حامل ہے

ا......اس سورہ کا اہم ترین حصہ جناب زکریا علیہ السلام ، حضرت مریم علیہا السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور توحید کے ہیرو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام اور خداوند تعالیٰ کے بعض دوسرے بزرگ انبیاء کے کچھ حالات پر مشتمل ہے کہ جو خاص تربیتی نکات کا حامل ہے۔

۲......اس سورہ کا دوسرا حصہ کہ جو پہلے حصہ کے بعد سب سے اہم ہے وہ قیامت سے مربوط مسائل اور دوبارہ اٹھائے جانے کی کیفیت مجرموں کی سزا پرہیزگاروں کی جزا اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کے ساتھ مربوط ہے۔

۳......آخری حصہ قرآن خداوند تعالیٰ سے اولاد کی نفی اور مسئلہ شفاعت سے مربوط اشارے ہیں کہ جو مجموعی طور پر نفوس انسانی کو ایمان پاکیزگی اور تقوی کی طرف راہنمائی کیلئے ایک موثر تربیتی پروگرام پر مشتمل ہے۔

سورہ مریم کی فضیلت

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے

''جو شخص اس سورہ کو مسلسل پڑھتا رہے وہ دنیا سے نہیں جائے گا مگر یہ کہ خداوند تعالیٰ اس سورہ کی برکت سے اسے جان و مال اور اولاد کے لحاظ سے بے نیاز کر دے گا''۔

یہ غنا اور بے نیازی انسان کے اس سورہ کے مفاہیم کو جان و دل سے اپنانے کا نتیجہ ہے اور یہ در اصل اس کے مفاہیم ہیں جو اس کے اعمال و گفتار کے اندر منعکس ہو رہے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱) کٓہٰیٰعٓصٓ ۚ	کھیعص
(۲) ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ۖ	یہ تیرے پروردگار کی رحمت کی اس کے بندے زکریا کے بارے میں، ایک یاد (داستان) ہے۔
(۳) اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا	اس وقت جب اس نے (عبادت کی) خلوت گاہ میں اپنے پروردگار کو پکارا۔

(۴)قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَ ہَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَ اشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّ لَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا	اس (زکریا) نے کہا: پروردگارا! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور بڑھاپے کے شعلے نے میرے تمام سر کو گھیر لیا ہے اور میں تجھ سے دعا کر کے کبھی بھی محروم نہیں رہا۔
(۵)وَ اِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ وَ کَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا فَہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِیًّا ۙ	اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے خوفزدہ ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنی قدرت سے مجھے جانشین عطا فرما۔
(۶)یَّرِثُنِیۡ وَ یَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ ٭ۖ وَ اجۡعَلۡہُ رَبِّ رَضِیًّا	جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث بنے اور اس کو تو اپنی رضا و پسندیدگی سے نواز۔

تفسیر

حضرت زکریا علیہ السلام کی پر اثر دعا

پھر ایک دفعہ اس سورہ کی ابتداء میں ہمیں حروف مقطعہ کا سامنا ہے۔

وہ یہ ہے کہ اسلامی منابع و مصادر میں اس سورہ کے حروف مقطعہ کے بارے میں دو قسم کی روایات نظر آتی ہیں۔ پہلی روایات تو وہ ہیں کہ جو ان حروف مقطعہ میں سے ہر ایک کو خداوند تعالیٰ کے عظیم اسماء حسنیٰ میں سے ایک ایک اسم کی طرف اشارہ قرار دیتی ہیں "کاف" اشارہ ہے "کافی" کی طرف کہ جو خداوند تعالیٰ کا ایک عظیم نام ہے اور "هم" اشارہ ہے "هاوی" کی طرف اور "یاء" اشارہ ہے "ولی" اور "عین" اشارہ ہے "عالم" کی طرف اور "ص" اشارہ ہے "صادق الوعد" (وہ جو اپنے وعدہ کا سچا ہے) کی طرف۔

دوسری قسم ان روایات کی ہے کہ جو ان حروف مقطعہ کی کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے قیام کی داستان کے ساتھ تفسیر کرتی ہیں ان کے مطابق "کاف" اشارہ ہے "کربلا" کی طرف "ها" اشارہ ہے خاندان پیغمبر کے ہلاک اور شہید ہونے کی طرف اور "یا" یزید کی طرف اور "عین" "مسئلہ عطش (پیاس) کی طرف اور "ص" "امام حسین علیہ السلام اور ان کے جانباز یار و انصار کے صبر و استقامت کی طرف۔

البتہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قرآن مجید کی آیات مختلف معانی کی حامل ہو سکتی ہیں اور بعض اوقات گزشتہ اور آیندہ کے

مفاہیم بیان کرتی ہیں کہ جو متنوع ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتے۔

(۲) حروف مقطعہ کے ذکر کے بعد سب سے پہلی بات حضرت زکریا علیہ السلام کی داستان سے شروع ہوتی ہے خدا فرماتا ہے یہ یاد ہے اس رحمت کی جو تیرے پروردگار نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔

(۳) اس وقت جبکہ وہ کوئی فرزند نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان اور غمناک تھے تو انہوں نے درگاہ خدا کی طرف رخ کیا اس وقت خلوت گاہ میں اور وہاں پر کہ جہاں کوئی ان کی آواز نہیں سن رہا تھا اپنے پروردگار کو پکارا اور اس سے دعا کی۔

(۴) اس نے کہا پروردگارا! میری ہڈیاں جو میرے جسم کا ستون اور میرے بدن کے محکم ترین اعضاء ہیں کمزور ہوگئی ہیں۔

اور بڑھاپے کے شعلوں نے میری سر کے تمام بالوں کو گھیر لیا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتے ہیں پروردگارا! میں ہرگز ان دعاؤں میں جو میں نے تیری بارگاہ میں کبھی کی ہیں محروم نہیں پلٹا۔

گزشتہ زمانے میں تو نے مجھے ہمیشہ دعاؤں کی اجابت وقبولیت کا عادی بنایا ہے اور کبھی مجھے محروم نہیں کیا۔ اب جبکہ میں بوڑھا اور ناتواں ہوگیا ہوں تو اب اور بھی زیادہ اس بات کا حقدار ہوں کہ تو میری دعا قبول فرمائے اور مجھے ناامید نہ پلٹائے۔

(۵) اس کے بعد اپنی حاجت کی اس طرح تشریح کرتے ہیں پروردگارا! میں اپنے بعد اپنے عزیز واقارب سے خوفزدہ ہوں ہوسکتا ہے وہ فتنہ وفساد سے اپنے ہاتھ آلودہ کریں اور میری بیوی بانجھ ہے تو اپنی طرف سے مجھے ولی اور جانشین بخش دے

(۶) ایسا جانشین کہ جو میرا بھی وارث بنے اور اسی طرح آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ پروردگارا! میرے اس جانشین کو اپنا پسندیدہ بنا۔

ہمارے نظریئے کے مطابق اگر ہم اوپر کی مجموعی بحث سے یہ نتیجہ نکالیں کہ لفظ ''ارث'' یہاں پر وسیع مفہوم رکھتا ہے کہ جس میں ارث اموال بھی شامل ہے اور مقامات معنوی کی میراث۔

کیونکہ اگر فاسد اور برے لوگ ان اموال میں صاحب اختیار ہو جاتے تو واقعاً یہ پریشان کرنے والی بات تھی اور اگر رہبری وہدایت غیر صالح افراد کے ہاتھ جا پڑتی تو بہت ہی پریشانی اور مصیبت کا سبب بنتی اس بناء پر حضرت زکریا علیہ السلام کا خوف دونوں صورتوں میں قابل توجیہ ہے۔

(۷) يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا	اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں کہ جس کا نام یحیٰی ہے۔ ہم نے اس سے پہلے کوئی لڑکا اس کا ہمنام قرار نہیں دیا۔
(۸) قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا	اس نے کہا پروردگارا! میرے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بھی بہت زیادہ بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں۔

(۹)قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْئًا	فرمایا اسی طرح تیرے پروردگار نے کہا ہے (اور ارادہ کیا ہے) یہ میرے لئے آسان ہے اور میں نے تجھے پہلے خلق کیا تھا جبکہ تو کوئی چیز نہیں تھا۔
(۱۰)قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا	عرض کیا: پروردگارا! میرے لئے کوئی نشانی قرار دے۔فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو مکمل تین دن لوگوں سے بات نہیں کر سکے گا۔
(۱۱)فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا	پس وہ اپنی محرابِ عبادت سے لوگوں کی طرف نکلا اور اشارہ کے ساتھ انہیں کہا کہ (اس نعمت کے شکرانے کے طور پر) صبح وشام خدا کی تسبیح کرو۔

تفسیر

زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی

یہ آیات حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کی بارگاہ پروردگار میں قبولیت کو بیان کر رہی ہیں یہ ایسی استجابت وقبولیت تھی جو اس کے مخصوص لطف وعنایت سے آمیختہ تھی فرمایا گیا ہے اے زکریا! ہم تجھے ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں کہ جس کا نام یحیٰؑ ہے ایسا لڑکا کہ جس کا پہلے کوئی ہم نام نہیں ہوا۔

(۸) لیکن حضرت زکریا علیہ السلام چونکہ ایسے مطلوب تک پہنچنے کیلئے ظاہری اسباب کو کارآمد نہیں سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے بارگاہ پروردگار میں وضاحت کا تقاضا کیا۔انہوں نے کہا پروردگارا! یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھے کوئی بیٹا نصیب ہو جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بھی سن وسال کے لحاظ سے اس حد کو پہنچ گیا ہوں کہ بالکل بوڑھا اور ناکارہ ہو گیا ہوں۔

(۹) لیکن بہت جلدی حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے سوال کے جواب میں بارگاہ خداوندی سے یہ پیغام مل گیا فرمایا معاملہ اسی طرح ہے کہ جیسا تیرے پروردگار نے کہا ہے اور یہ میرے لئے آسان بات ہے۔

یہ مسئلہ کوئی عجیب وغریب نہیں ہے کہ تجھ جیسے بوڑھے مرد اور ظاہراً بانجھ بیوی سے بچہ پیدا ہو اور میں نے تجھے پہلے پیدا کیا تھا جبکہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ خدا جو یہ قدرت وتوانائی رکھتا ہے کہ بغیر کسی چیز کے تمام چیزوں کو پیدا کرے یہ کونسی تعجب کی بات ہے کہ اس سن وسال

میں اوران حالات میں تجھے فرزند عنایت کردے۔

(۱۰) بہر حال حضرت زکریا علیہ السلام بہت ہی مسرور ہوئے نور امید نے ان کے سراپا کو گھیر لیا لیکن یہ پیغام ان کی نظر میں بہت ہی اہم اوران کے مستقبل کو روشن کرنے والا تھا لہٰذا خداوند تعالیٰ سے اس کام کیلئے کسی نشانی کا تقاضا کیا اور کہا پروردگارا! میرے لئے کوئی نشانی قرار دے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام خدائی وعدہ پر ایمان رکھتے تھے اور وہ بالکل مطمئن تھے لیکن جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو معاد پر ایمان کامل رکھتے تھے زیادہ سے زیادہ اطمینان قلب کی خاطر اسی زندگی میں معاد کی صورت کا مشاہدہ کرنے کا تقاضا کیا تھا اسی طرح زکریا علیہ السلام نے بھی زیادہ سے زیادہ حصول اطمینان کیلئے اس قسم کی نشانی کا تقاضا کیا تھا۔

خداوند تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ باوجود اس کے تمہاری زبان صحیح وسالم ہے تم مکمل تین دن رات لوگوں سے گفتگو نہیں کرسکو گے اور تمہاری زبان صرف ذکر خدا اور اس سے مناجات کرسکے گی۔

لیکن یہ کتنی عجیب وغریب نشانی تھی۔ یہ ایک ایسی نشانی تھی کہ جو ایک طرف تو اس کی مناجات ودعا کے ساتھ ہم آہنگ تھی اور دوسری طرف اس کو تمام مخلوق سے منقطع کررہی تھی۔

یہ ایک واضح اور آشکار نشانی ہے کہ انسان صحیح وسالم زبان رکھتے ہوئے اور پروردگار کے ساتھ ہر قسم کی مناجات وحمد وثنا کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود لوگوں سے بات کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

(۱۱) اس بشارت اور اس واضح نشانی کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام اپنی محراب عبادت سے لوگوں کے پاس آئے اور انہیں اشارہ کے ساتھ اس طرح کہا صبح شام پروردگار کی تسبیح کرو۔

کیونکہ وہ عظیم نعمت جو خداوند تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ اس کی وسعت پوری قوم کیلئے تھی اور ان سب کے مستقبل پر اثر انداز ہونے والی تھی۔

اسی بناء پر اس لائق تھی کہ اس نعمت کے شکرانے میں سب کے سب خداوند تعالیٰ کی تسبیح کیلئے اٹھ کھڑے ہوں اور خداوند تعالیٰ کی مدح وثنا کریں اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ یہ عطا کہ جو ایک معجزہ تھی افراد بشر کے دلوں میں ایمان کی جڑیں راسخ کرسکتی تھی یہ بھی ایک اور نعمت تھی۔

(۱۲) يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ	اے یحیٰ (اللہ کی) کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور ہم نے فرمانِ نبوت اسے بچپن میں عطا فرمایا۔
(۱۳) وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ تَقِيًّا ۙ	اور اسے اپنی بارگاہ سے رحمت ومحبت عطا کی اور پاکیزگی بھی اور وہ پرہیزگار بھی تھا۔

(۱۴)وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیۡهِ وَ لَمۡ یَکُنۡ جَبَّارًا عَصِیًّا	وہ اپنے ماں باپ کیلئے نیکوکار تھا اور جبّار و عاصی و نافرمان نہیں تھا۔
(۱۵)وَ سَلٰمٌ عَلَیۡهِ یَوۡمَ وُلِدَ وَ یَوۡمَ یَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا ؑ	اور اس پر سلام ہے اس دن جب وہ پیدا ہوا اور اس دن جب وہ مرے گا اور اُس دن جبکہ وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

تفسیر

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عمدہ صفات

گزشتہ آیات میں ہم نے دیکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سا فرزند سعید مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد ہم ان آیات میں خداوند تعالیٰ کا اہم فرمان یحییٰ علیہ السلام سے خطاب کی صورت میں پڑھتے ہیں اے یحییٰ کتاب خدا کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔

مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد تورات ہے۔

بہر حال کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ آسمانی کتاب تورات اور اس کے مطالب واحکام کا اجراء مکمل اور قطعی صورت میں عزم راسخ اور آہنی ارادہ کے ساتھ کریں اس ساری کتاب پر عمل کریں اسے عام کرنے کیلئے ہر قسم کی مادی و روحانی اور انفرادی واجتماعی قوت سے فائدہ اٹھائیں۔

اس حکم کے بعد ان دس نعمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو خدا نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں یا انہوں نے توفیق الٰہی سے کسب کی تھیں۔

1......ہم نے اسے بچپن میں فرمان نبوت اور عقل و ہوش و درایت عطا کی۔

(۱۳)۔2......ہم نے اپنی طرف سے اسے بندوں کیلئے رحمت و محبت بخشی۔

3......ہم نے اسے روح و جان اور عمل کی پاکیزگی عطا کی۔

4......وہ پرہیزگار تھے اور جو بات فرمان پروردگار کے خلاف ہوتی تھی اس سے دوری اختیار کرتے تھے۔

(۱۴)۔5......اسے ہم نے اپنے ماں باپ کے ساتھ خوش گفتار، نیکوکار اور محبت کرنے والا پایا۔

6......وہ خلق خدا سے خود کو برتر سمجھنے والا اور ظالم و مستکبر نہیں تھا۔

7......وہ معصیت کار اور گناہ سے آلودہ نہیں تھا۔

(۱۵) 8'9'10......اور چونکہ وہ ان عظیم افتخارات اور عمدہ صفات کا مالک تھا لہٰذا جس دن وہ پیدا ہوا اس دن بھی اور جس دن اس کو موت آئے اس دن بھی اور جس دن وہ دوبارہ زندہ کر کے قبر سے اٹھایا جائے گا اس دن بھی اس پر ہمارا درود و سلام ہو۔

"سلام علیه یوم ولد و یوم یموت و یوم یبعث حیا" کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان کی زندگی کی تاریخ میں اور اس کے ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے میں تین دن بہت سخت ہیں۔

1......اس دنیا میں قدم رکھنے کا دن۔

2......موت اور عالم برزخ کی طرف منتقل ہونے کا دن۔

3......اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا دن۔

اور چونکہ ان تین انتقالی دنوں میں فطرتاً کئی طرح کے بحرانوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا خداوند تعالیٰ ان میں اپنے مخصوص بندوں کو سلامتی اور عافیت عطا فرماتا ہے اور انہیں ان تینوں طوفانی مرحلوں میں اپنی حمایت کے جلو میں لے لیتا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت

حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے زمانے کے ایک طاغوت کے اپنی ایک محرم سے غیر شرعی روابط کے خلاف آواز اٹھانے کی بناء پر شہید ہوئے ہوا یہ کہ ہیرودیس فلسطین کا ہوس پرست بادشاہ تھا وہ اپنے بھائی کی بیٹی ہیرودیا پر عاشق ہو گیا۔

یہ خبر جب خداوند تعالیٰ کے بزرگ پیغمبر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پہنچی تو انہوں نے صراحت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ یہ شادی ناجائز ہے۔اور میں ایسے کام کی اپنی پوری طاقت کے ساتھ مخالفت کروں گا۔

اور یہ خبر اس لڑکی ہیرودیا کے کانوں تک بھی جا پہنچی وہ حضرت یحییٰ کو اپنے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھنے لگی اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ کسی مناسب موقع پر ان سے انتقام لے گی اور اپنی ہوا و ہوس کی راہ سے اس رکاوٹ کو ہٹا دے گی اس نے اپنے چچا کے ساتھ اپنے راہ و رسم میں اضافہ کر دیا اور اپنے حسن و جمال کو اس کیلئے ایک جال بنا دیا اور اس پر اس طرح سے اثر انداز ہوئی کہ ایک دن ہیرودیس نے اس سے کہا کہ تیری جو بھی آرزو ہے مجھ سے مانگ تو جو کچھ چاہے گی وہ تجھے ملے گا۔

ہیرودیا نے کہا میں یحییٰ علیہ السلام کے سر کے سوا اور کچھ نہیں چاہتی۔

ہیرودیس جو اس عورت کا دیوانہ تھا انجام پر غور کئے بغیر یہ کام کرنے پر تیار ہو گیا اور ابھی دیر نہ گزری تھی کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر اس بدکار عورت کو پیش کر دیا۔لیکن آخر کار اس کے لئے اس کام کے ہولناک نتائج نکلے۔

سالار شہیداں امام حسین علیہ السلام فرماتے تھے۔

"دنیا کی پستیوں میں سے یہ امر ہے کہ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا سر بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کیلئے ہدیہ کے طور پر لے جایا گیا"۔

(۱۶)وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ	اس کتاب (قرآن) میں مریم کو یاد کرو،اس وقت جب وہ اپنے گھر والوں سے جدا ہوئی اور مشرق کی جانب (ایک مقام پر جا کر) ٹھہر گئی
(۱۷)فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا	اور اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا۔ پس اس وقت ہم نے اپنی روح اس کی طرف بھیجی اور وہ بے عیب و نقص انسانی شکل میں مریم کے سامنے حاضر ہوئی۔
(۱۸)قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا	(وہ بہت ڈری اور) اس نے کہا: میں خدائے رحمٰن کی طرف سے تجھ سے پناہ مانگتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔
(۱۹)قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا	اس نے کہا: میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔(میں اس لئے آیا ہوں) تاکہ تجھے ایک پاک و پاکیزہ بیٹا بخشوں۔
(۲۰)قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا	اس (مریم) نے کہا: یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے ہاں بیٹا ہو حالانکہ مجھے ابھی تک کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار عورت بھی نہیں ہوں۔
(۲۱)قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا	اس نے کہا: بات یہی ہے کہ تیرے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ کام میرے لئے آسان ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ اسے لوگوں کیلئے نشانی قرار دیں اور وہ ہماری طرف سے رحمت ہو اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے(اور اس میں گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں ہے)۔

تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی داستان اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ

شروع کیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں قصوں کے درمیان بہت قریبی تعلق ہے اگر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک ایسے بوڑھے اور ضعیف باپ سے اور ایک ایسی ماں سے جو بانجھ تھی عجیب تھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے ماں سے پیدا ہو جانا اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔

اگر بچپن میں عقل اور نبوت کے مقام تک پہنچنا حیرت انگیز ہے تو گہوارے میں گفتگو کرنا اور وہ بھی کتاب و نبوت کے بارے میں اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔

بہر حال یہ دنوں خداوند تعالیٰ کی ایسی نشانیاں ہیں جو ایک دوسرے سے بڑی ہیں اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں ایسے اشخاص کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جو نسب کی حیثیت سے بہت ہی قریبی رشتہ رکھتے تھے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی بہن تھی اور یہ دونوں خواتین بانجھ اور عقیم تھیں اور دونوں صالح اور نیک فرزند کی آرزو میں زندگی بسر کر رہی تھیں۔

پہلی زیر بحث آیت کہتی ہے آسمانی کتاب قرآن مجید میں مریم کی بات کرو کہ جس وقت اس نے اپنے گھر والوں سے جدا ہو کر مشرقی حصہ میں قیام کیا۔

درحقیقت وہ ایک ایسی خالی اور فارغ جگہ چاہتی تھی جہاں پر کسی قسم کا کوئی شور وغل نہ ہوتا کہ وہ اپنے خدا سے راز و نیاز میں مشغول رہ سکے اور کوئی چیز اسے یاد محبوب سے غافل نہ کرے۔

(۱۷) اس وقت مریم علیہا السلام نے اپنے اور دوسروں کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔ تا کہ اس کی خلوت گاہ ہر لحاظ سے کامل ہو جائے۔

بہر حال اس وقت ہم نے اپنی روح (جو بزرگ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے) اس کی طرف بھیجی اور وہ بے عیب خوبصورت اور کامل انسان کی شکل میں مریم کے سامنے ظاہر ہوئی۔

(۱۸) ظاہر ہے ایسے موقع پر مریم کی کیا حالت ہوگی۔ اس پر اس قسم کے منظر کو دیکھ کر کیا گزری ہوگی۔ ایک خوبصورت اجنبی آدمی اس کی خلوت گاہ میں پہنچ گیا تھا اس پر بڑی وحشت طاری ہوئی فوراً پکاریں کہ میں خدائے رحمٰن کی پناہ چاہتی ہوں کہ مجھے تجھ سے بچائے اگر تو پرہیزگار ہے۔

اور یہ خوف ایسا تھا کہ جس نے مریم علیہا السلام کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ خدائے رحمان کا نام لینا اور اس کی رحمت عامہ کیساتھ توصیف کرنا ایک طرف اور اسے تقویٰ اور پرہیزگاری کی تشویق کرنا دوسری طرف' یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ اگر وہ اجنبی آدمی کوئی برا ارادہ رکھتا ہو تو اس پر کنٹرول کرے اور سب سے بڑھ کر خدا کی طرف پناہ لینا وہ خدا کہ جو انسان کیلئے سخت ترین حالات میں سہارا اور جائے پناہ ہے اور کوئی قدرت اس کی قدرت کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

(۱۹) حضرت مریم علیہا السلام یہ بات کہنے کے ساتھ اس اجنبی آدمی کے ردعمل کی منتظر تھیں۔ ایسا انتظار جس میں بہت پریشانی اور

وحشت کا رنگ تھا لیکن یہ حالت زیادہ دیر باقی نہ رہی اس اجنبی نے گفتگو کیلئے زبان کھولی اور اپنی عظیم ذمہ داری اور ماموریت کو اس طرح سے بیان کیا۔اس نے کہا کہ میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔

اس جملہ نے اس پانی کی طرح جو آگ پر چھڑکا جائے حضرت مریم علیہا السلام کے پاکیزہ دل کو سکون بخشا۔لیکن یہ سکون زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔کیونکہ اس نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہا میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں ایک ایسا لڑکا بخشوں جو جسم و روح اور اخلاق وعادات کے لحاظ سے پاک و پاکیزہ ہو۔

(۲۰) یہ بات سنتے ہی مریم علیہا السلام کانپ اٹھیں وہ پھر ایک گہری پریشانی میں ڈوب گئیں اور کہا کہ یہ بات کیسے ممکن ہے کہ میرے کوئی لڑکا ہو حالانکہ کسی انسان نے اب تک مجھے چھوا تک نہیں اور میں ہرگز کوئی بدکار عورت بھی نہیں ہوں۔

وہ اس حالت میں صرف معمول کے اسباب کے مطابق سوچ رہی تھیں۔

(۲۱) لیکن جلدی ہی اس نئی پریشانی کا طوفان بھی پروردگار عالم کے قاصد کی ایک دوسری بات سننے سے تھم گیا اس نے مریم سے صراحت کے ساتھ کہا مطلب تو یہی ہے کیونکہ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ کام میرے لئے سہل اور آسان ہے۔

تو تو اچھی طرح میری قدرت سے آگاہ ہے تو نے تو بہشت کے وہ پھل جو دنیا میں اس فصل میں ہوتے ہی نہیں اپنے محراب عبادت کے پاس دیکھے ہیں۔جو تیری پاکیزگی کی شہادت کیلئے تھی تجھے تو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ تیرے جد امجد آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔پھر یہ کیسا تعجب ہے کہ جو تجھے اس خبر سے ہو رہا ہے۔

اس کے بعد اس نے مزید کہا ہم چاہتے ہیں کہ اسے لوگوں کیلئے آیت اور ایک معجزہ قرار دیں۔اور ہم چاہتے ہیں کہ اسے اپنے بندوں کیلئے اپنی طرف سے رحمت قرار دیں۔بہر حال یہ فیصلہ شدہ امر ہے اور اس میں گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔

(۲۲)فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا	آخر کار (مریم) حاملہ ہوگئی اور وہ (بیت المقدس سے) کسی دور دراز مقام کی طرف چلی گئی۔
(۲۳)فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ‌ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا	دردزہ کی تکلیف اسے ایک کھجور کے تنے کی طرف لے گئی (وہ اس قدر پریشان ہوئی کہ) اس نے کہا: اے کاش میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور بالکل فراموش ہوگئی ہوتی۔
(۲۴)فَنَادٰٮهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا	اچانک اس کے پاؤں کے نیچے کی طرف سے (کسی نے) اسے پکار کر کہا: غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے پاؤں کے نیچے (خوشگوار) پانی کا چشمہ جاری کر دیا ہے

(۲۵)وَ هُزِّیۡۤ اِلَیۡکِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَۃِ تُسٰقِطۡ عَلَیۡکِ رُطَبًا جَنِیًّا ۫	اور کھجور کے اس درخت کو ہلا تاکہ تر وتازہ کھجوریں تجھ پر گریں۔
(۲۶)فَکُلِیۡ وَ اشۡرَبِیۡ وَ قَرِّیۡ عَیۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِیۡۤ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُکَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا	اس (لذیذ غذا) کو کھا اور اس (خوشگوار پانی) میں سے پی اور اپنی آنکھوں کو (اس مولود سے) روشن رکھ اور جب تو انسانوں میں سے کسی کو دیکھے تو اشارہ سے کہہ دے: میں نے خدائے رحمٰن کیلئے روزہ رکھا ہوا ہے اور میں آج کسی کے ساتھ بات نہیں کرونگی (یہ نومولود خود ہی تیرا دفاع کرے گا)

تفسیر

مریم علیہا السلام سخت طوفانوں کے تھپیڑوں میں

سرانجام مریم علیہا السلام حاملہ ہوگئی اور اس موعود بچے نے اس کے رحم میں جگہ پائی۔

بہرحال اس امر کے سبب وہ بیت المقدس سے کسی دور دراز مقام پر چلی گئی۔

وہ اس حالت میں ایک امید وبیم کے درمیان پریشان وخوشی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ وقت گزار رہی تھی کبھی وہ یہ خیال کرتی کہ آخرکار یہ حمل ظاہر ہوجائے گا۔

کون میری بات قبول کرے گا کہ ایک عورت بغیر شوہر کے حاملہ ہوگئی۔ سوائے اس کے کہ اس کا دامن آلودہ ہو میں اس اتہام کے مقابلہ میں کیا کروں گی۔

لیکن دوسری طرف وہ یہ محسوس کرتی تھی کہ یہ فرزند خداوند تعالیٰ کا موعود پیغمبر ہے۔ یہ ایک عظیم آسمانی تحفہ ہوگا وہ خدا کہ جس نے مجھے ایسے فرزند کی بشارت دی ہے اور ایسے معجزانہ طریقے سے اسے پیدا کیا مجھے اکیلا کیسے چھوڑے گا؟

(۲۳) جو کچھ بھی تھا مدت حمل ختم ہوئی اور مریم کی زندگی کے طوفانی لمحات شروع ہوگئے۔

اگرچہ اس حالت میں عورتیں اپنے قریبی عزہ کی پناہ لیتی ہیں تاکہ وہ بچے کی پیدائش کی سلسلے میں ان کی مدد کریں لیکن مریم علیہا السلام کی حالت چونکہ ایک استثنائی کیفیت تھی وہ ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی ان کے وضع حمل کو دیکھے لہٰذا دردزہ کے شروع ہوتے ہی انہوں نے بیابان کی راہ لی قرآن اس سلسلے میں کہتا ہے وضع حمل کا وہ درد اسے کھجور کے درخت کے پاس کھینچ لے گیا۔

"جذع النخلة" کی تعبیر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ جذع درخت کے تنا کے معنی میں ہے یہ نشاندہی کرتی ہے اس درخت کا صرف تنا باقی رہ گیا تھا یعنی وہ خشک شدہ درخت تھا۔

اس حالت میں غم واندوہ کا ایک طوفان تھا جو مریم علیہا السلام کے پورے وجود میں طاری تھا۔

یہ طوفان اس قدر سخت تھا اور یہ باران کے دوش پر اتنا سنگین تھا کہ بے اختیار ہوکر بولیں اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور بالکل بھلادی جاتی۔

یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو صرف آئندہ کی تہمتوں کا خوف ہی نہیں تھا کہ جوان کے دل کو بے چین کئے ہوئے تھا بلکہ انہیں سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ دوسری مشکلات بھی تھیں کسی دایہ اور ہمدم ومددگار کے بغیر وضع حمل سنسان و بیان میں بالکل تنہائی وآرام کیلئے کوئی جگہ نہ ہونا' پینے کیلئے پانی اور کھانے کیلئے غذا کا فقدان اور نومولود کیلئے نگہداشت کے کسی وسیلے کا نہ ہونا یہ ایسے امور تھے کہ جنہوں نے انہیں سخت پریشان کر رکھا تھا۔

(۲۴) لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک باقی نہ رہی اور امید کا وہی روشن نقطہ جو ہمیشہ ان کے دل کی گہرائیوں میں رہتا تھا چمکنے لگا۔ یکا یک ایک آواز ان کی کانوں میں آئی جوان کے پاؤں کے نیچے سے بلند ہورہی تھی اور واضح طور پر کہہ رہی تھی کہ غمگین نہ ہو۔ ذرا غور سے دیکھ تیرے پروردگار نے تیرے پاؤں کے نیچے ایک خوشگوار پانی کا چشمہ جاری کردیا ہے۔

(۲۵) ایک نظر اپنے سر کے اوپر ڈالو اور غور سے دیکھو کہ کس طرح خشک تنا بار آور کھجور کے درخت میں تبدیل ہوگیا ہے کہ پھلوں نے اس کی شاخوں کو زینت بخشی ہے اور اس کھجور کے درخت کو ہلاؤ تا کہ تازہ کھجوریں تم پر گرنے لگیں۔

(۲٦) اس لذیذ اور قوت بخش غذا میں سے کھاؤ اور اس خوشگوار پانی میں سے پیو۔

اور اپنی آنکھوں کو اس نومولود سے روشن رکھو۔

اور اگر آیندہ کے حالات سے پریشانی ہے تو مطمئن رہو۔ جب تم کسی بشر کو دیکھو اور وہ تم سے اس بارے میں وضاحت چاہے تو اشارہ کے ساتھ اس سے کہہ دینا کہ میں نے خدائے رحمٰن کیلئے روزہ رکھا ہوا ہے خاموشی کا روزہ اور اس سبب سے میں آج کسی سے بات نہیں کروں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمہیں اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ تم آپ اپنا دفاع کرو وہ ذات کہ جس نے یہ مولود تمہیں عطا کیا ہے اس نے تیری دفاع کی ذمہ داری بھی اسی کے سپرد کردی ہے اس لئے تم ہر طرح سے مطمئن رہو اور غم واندوہ کو اپنے دل میں جگہ نہ دو۔

آیت کی تعبیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نذر سکوت خاموشی کے روزے کی منت ماننا اس قوم اور جمعیت کیلئے ایک جانا پہچانا کام تھا اس وجہ سے اس کام کیلئے انہوں نے جناب مریم علیہا السلام پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

لیکن اس قسم کا روزہ شریعت اسلام میں مشروع اور جائز نہیں ہے۔

حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے۔

''خاموشی کا روزہ حرام ہے''

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے
''پہلی چیز جو وضع حمل کے بعد عورت کو کھانی چاہئے وہ رطب (تازہ کھجور) ہے''
چند ایک روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حاملہ عورت کیلئے بہتر غذا اور اس کی دوا کھجور ہے۔

(۲۷)فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا یٰمَرۡیَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَیۡئًا فَرِیًّا	پس مریم اسے گود میں لئے ہوئے اپنی قوم کیطرف آئیں تو انہوں نے کہا: کہ اے مریم! تو نے تو بہت عجیب اور برا کام کیا ہے۔
(۲۸)یٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا کَانَ اَبُوۡکِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّ مَا کَانَتۡ اُمُّکِ بَغِیًّا ۖۚ	اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں کوئی بدکار عورت تھی۔
(۲۹)فَاَشَارَتۡ اِلَیۡهِ ؕ قَالُوۡا کَیۡفَ نُکَلِّمُ مَنۡ کَانَ فِی الۡمَهۡدِ صَبِیًّا	(مریم نے) اس کی طرف اشارہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ ہم اس بچے کے ساتھ کہ جو ابھی گہوارہ میں ہے، کیسے بات کریں؟
(۳۰)قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ۟ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ۙ	(اچانک عیسیٰ بول اٹھے اور) کہا: کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے (آسمانی) کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے
(۳۱)وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ۖ	اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے برکتوں والا بنایا ہے اور مجھے تاحیات نماز پڑھتے رہنے اور زکوۃ ادا کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔
(۳۲)وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ ۫ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا	اور مجھے میری ماں کیلئے نیکوکار قرار دیا ہے اور جبّار و شقی قرار نہیں دیا۔
(۳۳)وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَ یَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا	اور مجھ پر (خدا کا) سلام ہے اس دن جب میں پیدا ہوا اس دن جب میں مروں گا اور اس دن جب میں زندہ ہو کر اٹھایا جاؤں گا۔

تفسیر

حضرت مسیح علیہ السلام کی گہوارے میں باتیں

آخر کار حضرت مریم علیہا السلام اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے بیابان سے آبادی کی طرف لوٹیں اور اپنی قوم اور رشتہ داروں کے پاس آئیں۔

جونہی انہوں نے ایک نومولود بچہ ان کی گود میں دیکھا تعجب کے مارے ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا وہ لوگ کہ جو مریمؑ کی پاکدامنی سے اچھی طرح واقف تھے اوران کے تقویٰ وکرامت کی شہرت کوسن چکے تھے سخت پریشان ہوئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کچھ تو شک وشبہ میں پڑ گئے اور بعض ایسے لوگ کہ جو فیصلہ کرنے میں جلد باز تھے انہوں نے اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور کہنے لگے اس بدکاری کے ساتھ تمہارے روشن ماضی پر بہت افسوس ہے اور صد افسوس اس پاک خاندان پر کہ جو اس طرح بدنام ہوا کہنے لگے اے مریم! تو نے یقیناً بہت ہی عجیب اور برا کام انجام دیا ہے۔

(۲۸) بعض نے ان کی طرف رخ کیا اور کہا اے ہارون کی بہن تیرا باپ تو کوئی برا آدمی نہیں تھا اور تیری ماں بھی بدکار نہیں تھی۔

یہ بات کہ جو انہوں نے مریمؑ سے کہی کہ اے ہارون کی بہن وجہ یہ ہے کہ ہارون ایک ایسا پاک وصالح آدمی تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے درمیان ضرب المثل ہوگیا تھا۔

وہ جس شخص کا پاکیزگی کے ساتھ تعارف کروانا چاہتے تھے تو اس کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ ہارون کا بھائی ہے یا ہارون کی بہن ہے۔

(۲۹) اس وقت جناب مریمؑ نے خداوندتعالیٰ کے حکم سے خاموشی اختیار کی' صرف ایک کام جو انہوں نے انجام دیا یہ تھا کہ اپنے نومولود بچے عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن اس کام نے ان کے تعجب کو اور بھی برانگیختہ کر دیا۔

بہرحال انہوں نے اس سے کہا ہم ایسے بچے کے ساتھ کہ جو ابھی گہوارہ میں ہے کیسے باتیں کریں۔

(۳۰) بہرحال وہ لوگ اس کی یہ بات سن کر پریشان ہوگئے بلکہ شاید غضب ناک ہوگئے جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے سے یہ کہا کہ اس کا تمسخر اور استہزاء کرنا جادہ عفت و پاکدامنی سے اس کے انحراف کی نسبت ہمارے لئے زیادہ سخت اور سنگین تر ہے۔

لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ کیونکہ اس نومولود بچے نے بات کرنے کیلئے زبان کھولی اور کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے آسمانی کتاب مرحمت فرمائی ہے۔اور مجھے پیغمبر قرار دیا ہے۔

(۳۱) اور خدا نے مجھے ایک بابرکت وجود قرار دیا ہے خواہ میں کہیں بھی ہوں۔میرا وجود بندوں کے لئے ہر لحاظ سے مفید ہے۔اور اس نے مجھے تاحیات نماز پڑھتے رہنے اور زکوٰۃ دینے کی وصیت کی ہے۔

(۳۲) اور اس کے علاوہ مجھے اپنی والدہ کے بارے میں نیکوکار قدردانی کرنے والا اور خیرخواہ قرار دیا ہے۔

اور اس نے مجھے جبار وشقی قرار نہیں دیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں

''میرا دل نرم ہے اور میں اپنے آپ کو اپنے نزدیک چھوٹا سمجھتا ہوں''۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دونوں صفات جبار وشقی کا نقطہ مقابل ہیں۔

آخر میں یہ نومولود کہتا ہے خدا کا مجھ پر سلام و درود ہو اس دن کہ جب میں پیدا ہوا اور اس دن کہ جب میں مروں گا اور اس دن کہ جب میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ جملہ آیا ہے اور حضرت عیسیٰ مسیح کے بارے میں بھی لیکن اس فرق کے ساتھ کہ پہلے موقع پر خداوند تعالیٰ نے یہ بات کہی ہے اور دوسرے موقع پر حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ تقاضا کیا ہے۔

(۳۴)ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ	یہ ہے عیسیٰ ابن مریم۔ یہ وہ حق بات ہے جس میں وہ شک کرتے ہیں۔
(۳۵)مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ	خداوند تعالیٰ کیلئے ہرگز یہ بات درست نہیں ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، وہ منزہ ہے۔ جس وقت وہ کسی کام (کے کرنے) کا فیصلہ فرماتا ہے تو کہتا ہے ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر

کیا خدا کا بیٹا ممکن ہے؟

قرآن مجید سابقہ آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ کی بہت ہی عمدہ اور روشن وواضح تصویر کشی کرنے کے بعد ان شرک آمیز باتوں اور خرافات کی نفی کرتے ہوئے جو ان لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہی ہیں اس طرح کہتا ہے یہ ہے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام۔

اس عبارت میں ان کے مریم کا بیٹا ہونے پر خصوصیت کے ساتھ تاکید کرتا ہے۔ تاکہ یہی بات خدا کا بیٹا ہونے کی نفی کی تمہید اور مقدمہ بن جائے۔

اور اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ ''یہ وہ قول حق ہے کہ جس میں انہوں نے شک وشبہ کا اظہار کیا ہے اور ہر ایک نے انحراف کی راہ اختیار کر لی ہے۔

یہ عبارت درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمام گزشتہ مطالب کی صحت پر ایک تاکید ہے اور یہ کہ ان مطالب میں تھوڑی سی بھی غلطی نہیں ہے۔

(۳۵) اس آیت میں قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے خدا کیلئے یہ امر ہرگز شائستہ نہیں ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو وہ ایسی باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

بلکہ وہ تو جس وقت بھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے تو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صاحب فرزند ہونا۔ جیسا کہ عیسائی خدا کے بارے میں خیال کرتے ہیں۔ پروردگار عالم کے مقام مقدس سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ ایک طرف تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ اس کا جسم ہو دوسری طرف سے محدودیت اور تیسری طرف سے احتیاج۔

"کن فیکون" کی تعبیر جو قرآن مجید کی آیات میں آٹھ مواقع پر آئی ہے یہ امر خلقت میں خداوند تعالیٰ کی قدرت کی وسعت اور اس کے تسلط و حاکمیت کی بہت ہی عمدہ تصویر ہے۔

(۳۶)وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ	اور اللہ میرا اور تمہارے پروردگار ہے۔ اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔
(۳۷)فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِهِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ	لیکن (اسکے بعد) اسکے پیروں کاروں میں سے کئی گروہوں نے اختلاف کیا۔کافروں پروائے ہے ان کے اس حال پر جب وہ (قیامت کے) عظیم دن کا مشاہدہ کریں گے۔
(۳۸)اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَ اَبۡصِرۡ ۙ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ	اس روز ان کے کہنے سننے والے کان اور کیسی دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی جبکہ وہ ہمارے پاس آئیں گے لیکن یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔
(۳۹)وَ اَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ۘ وَ هُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ وَّ هُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	انہیں اس یوم حسرت (یعنی روزِ قیامت) سے ڈرا، وہ دن جب ہر چیز ختم ہو جائیگی، حالانکہ وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے۔
(۴۰)اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَ مَنۡ عَلَیۡهَا وَ اِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ ؑ	ہم زمین کے اور اس میں موجود تمام لوگوں کے بھی وارث ہو جائیں گے اور سب کے سب ہماری طرف ہی لوٹ کر آئیں گے۔

تفسیر

قیامت، حسرت کا دن

مذکورہ صفات کے ساتھ اپنا تعارف کرانے کے عبد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسئلہ توحید پر خاص طور پر عبادت کے سلسلے میں تاکید کی اور کہا خدا میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس تم اسی کی عبادت و پرستش کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی ابتدا سے ہی ہر قسم کے شرک اور دو یا دو سے زیادہ خداؤں کی عبادت و پرستش سے مبارزہ کیا اور ہر جگہ توحید پر تاکید کی۔

(۳۷) لیکن اس تمام تاکید کے باوجود کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام توحید اور خدائے یگانہ کی پرستش کے بارے میں کیا کرتے تھے ان کے بعد ان کے پیروکاروں میں سے کئی گروہوں نے مختلف راستے اختیار کر لئے (اور خاص طور پر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی انہوں نے کئی قسم کے عقائد تراش لئے۔ قیامت کے عظیم دن کے مشاہدے سے ان کی حالت پر کہ جنہوں نے کفر وشرک کی راہ اختیار کی وائے ہے۔

مسیحیت کی تاریخ بھی اس بات کی اچھی طرح گواہی دیتی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے بارے میں اور مسئلہ توحید کے بارے میں کس حد تک اختلاف کیا۔

ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ خدا ہے کہ جو زمین پر نازل ہوا ہے ایک گروہ کو اس نے زندہ کیا اور بہت سے لوگوں کو موت دے دی اس کے بعد آسمان کی طرف صعود کر گیا ہے۔

بعض دوسروں نے کہا کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔

بعض نے کہا کہ وہ تین اقانیم (تین مقدس ذوات میں سے ایک تھا باپ بیٹا اور روح القدس (باپ خدا بیٹا خدا اور روح القدس)

بعض نے یہ کہا کہ وہ ان تین میں کا تیسرا ہے خدا معبود ہے وہ بھی معبود ہے اور اسکی ماں بھی معبود ہے۔ یعنی خدا کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب مریم علیہا السلام بھی خدا ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ وہ بندہ خدا ہے اور اس کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

چونکہ اصل توحید سے انحراف عیسائیوں کا سب سے بڑا انحراف شمار ہوتا ہے مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں ہم نے دیکھا کہ خداوند تعالیٰ انہیں کس طرح سے تہدید کر رہا ہے۔

(۳۸) یہ آیت میدان قیامت میں ان کی حالت کو بیان کر رہی ہے اور یہ کہتی ہے کہ اس دن جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ان کے کیسے سننے والے کان اور کیسی دیکھنے والی آنکھیں ہو جائیں گی۔ لیکن یہ ظالم آج جبکہ دنیا میں ہیں تو کھلی گمراہی میں ہیں۔

اصولی طور پر اس عدالت اور اعمال کے آثار کا مشاہدہ انسان کی آنکھوں اور کانوں سے غفلت کے پردے دور کر دے گا۔ یہاں تک کہ دل کے اندھے بھی آگاہ اور دانا ہو جائیں گے لیکن کیا فائدہ کیونکہ یہ بیداری اور آگاہی ان کی حالت کیلئے مفید نہ ہوگی۔

(۳۹) ایک مرتبہ پھر اس روز بے ایمان اور ستمگر لوگوں کے انجام کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کہتا ہے ان دل کے اندھوں کو جو غفلت میں پڑے ہوئی ہیں اور ایمان نہیں لاتے روز حسرت (قیامت کے دن) سے کہ جس میں تمام چیزیں اختتام کو پہنچ جائیں گی اور تلافی اور بازگشت کیلئے کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

اس دن نیکوکار بھی افسوس کریں گے کہ اے کاش ہم زیادہ سے زیادہ نیک اعمال بجالائے ہوتے اور بدکار بھی افسوس کریں گے کیونکہ نظروں کے سامنے سے تمام پردے ہٹ جائیں گے اور ہر شخص پر اعمال کے حقائق اوران کے نتائج آشکار ہوجائیں گے۔

(۴۰) آخری زیر بحث آیت تمام ظالموں اور ستمگروں کو خبردار کررہی ہے کہ یہ اموال جوان کے قبضے میں ہیں ہمیشہ ان کے پاس نہیں رہیں گے جیسا کہ خودان کی زندگی جاودانی اور ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے بلکہ ان سب کا اصلی مالک خدا ہے لہٰذا فرماتا ہے ہم زمین کے بھی اور تمام ان لوگوں کے بھی جو اس پر رہتے ہیں وارث ہوجائیں گے اور آخرکار وہ سب کے سب ہماری طرف پلٹ کر آئیں گے۔

(۴۱) وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا	(اس) کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو۔ وہ خدا کا بہت ہی سچا نبی تھا۔
(۴۲) اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا	جب اس نے اپنے باپ سے (یعنی چچا) کہا: اے بابا تو ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتا ہے کہ جو نہ سنتی ہے اور نہ ہی دیکھتی ہے اور تیری کوئی مشکل بھی حل نہیں کرتی؟
(۴۳) یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا	اے بابا! مجھے ایسے علم و دانش عطا ہوئے ہیں جو تجھے نصیب نہیں ہوئے۔ لہٰذا تو میری پیروی کرتا کہ میں تجھے سیدھے راستے کی ہدایت کروں۔
(۴۴) یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا	اے بابا! شیطان کی پرستش نہ کر کیونکہ شیطان خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے۔
(۴۵) یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا	اے بابا! مجھے اس بات کا خوف ہے کہ خدائے رحمٰن کی طرف سے تجھ پر کوئی عذاب نازل ہو جائے جس کے نتیجے میں تو شیطان کا دوست ٹھہرے۔

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام کی مؤثر منطق

یہاں سے توحید کے ہیرو ابراہیم خلیل علیہ السلام کی زندگی کے کچھ حصے کا تذکرہ ہے ان آیات میں تاکید کی گئی ہے کہ اس عظیم پیغمبر

کی دعوت بھی تمام رہبران الٰہی کی دعوت کی طرح نقطہ توحید ہی سے شروع ہوئی ہے۔

پہلی آیت میں قرآن کہتا ہے اس کتاب قرآن میں ابراہیم کو یاد کرو۔

کیونکہ وہ بہت ہی سچا مرد تھا خدا کی تعلیمات وفرامین کی تصدیق کرنے والا تھا اور خدا کا پیغمبر تھا۔

پیغمبروں اور وحی الٰہی کے حاملین میں جو عمدہ ترین اور بہترین صفت ہونی چاہئے وہ یہی ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کے فرمان کو بے کم وکاست خدا کے بندوں تک پہنچا دیں۔

(۴۲)اس کے بعد ان کی اپنے باپ آزر کے ساتھ گفتگو بیان کی گئی ہے (یہاں باپ سے مراد چچا ہے۔

قرآن کہتا ہے اس وقت جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا اے بابا! تو ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتا ہے جو تو سنتی ہے اور نہ ہی دیکھتی ہے اور نہ ہی تیری کوئی مشکل حل کر سکتی ہے۔

یہ مختصر اور زوردار بیان شرک اور بت پرستی کی نفی کرنے والی دلیلوں میں سے ایک بہترین دلیل ہے کیونکہ انسان کو پروردگار عالم کی معرفت کے بارے میں ابھارنے والی چیزوں میں سے ایک نفع ونقصان کا احتمال ہے اسے علمائے عقائد دفع ضرر محتمل سے تعبیر کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں کہ تو ایسے معبود کی طرف کیوں جاتا ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ تیری کسی مشکل کو حل نہیں کر سکتا بلکہ وہ تو اصلاً سننے اور دیکھنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔

(۴۳) اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام واضح منطق کے ساتھ اسے دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس امر میں ان کی پیروی کرے۔ فرماتے ہیں۔اے بابا! مجھے وہ علم ودانش ملی ہے جو تجھے نصیب نہیں ہوئی۔اس بناء پر تو میری پیروی کر اور میری بات سن۔

میری پیروی کر، تاکہ میں تجھے سیدھی راہ کی طرف ہدایت کروں۔

میں نے وحی الٰہی کے ذریعہ سے بہت علم وآگہی حاصل کی ہے اور میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں خطا کے راستے پر نہیں چلوں گا تجھے بھی ہرگز غلط راستے کی دعوت نہیں دوں گا۔

(۴۴)اس کے بعد اس اثباتی پہلو کو منفی پہلو اور ان آثار کے ساتھ ملاتے ہوئے کہ جو اس دعوت پر مترتب ہوتے ہیں کہتے ہیں اے بابا! شیطان کی پرستش نہ کر کیونکہ شیطان ہمیشہ خدائے رحمٰن کا نافرمان رہا ہے۔

یہاں عبادت سے مراد اطاعت اور اس کے حکم کی پیروی کرنے کے معنی میں ہے اور یہ بات خود ایک قسم کی عبادت شمار ہوتی ہے۔

(۴۵)ایک مرتبہ پھر اسے شرک اور بت پرستی کے برے نتائج کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اے بابا! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تیری اختیار کردہ شرک و بت پرستی کے سبب خدائے رحمٰن کی طرف سے تجھ پر عذاب آئے اور تو اولیائے شیطان میں سے ہو جائے۔

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے چچا آزر کے سامنے یہ تعبیر بہت ہی جاذب نظر اور عمدہ ہے کہ ایک طرف اسے مسلسل "یا

ابت" (اے بابا) کے خطاب سے کہ جو ادب واحترام کی نشانی ہے مخاطب کئے جا رہے ہیں اور دوسری طرف "ان یمسک" کا جملہ نشاندہی کرتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام آزر کو معمولی سی تکلیف پہنچنے سے بے چین و پریشان ہیں۔

(۴۶)قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ‌ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ‌ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا	اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے رُوگردان ہے؟ اگر تو (اس کام سے) دستبردار نہ ہوا تو میں تجھے سنگسار کروں گا۔ تو مجھ سے ایک طویل مدت کیلئے دور ہو جا۔
(۴۷)قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ‌ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىۡ حَفِيًّا	(ابراہیم نے) کہا: تجھ پر سلام ہو میں عنقریب اپنے پروردگار سے تیرے لئے عفو (وبخشش) کی درخواست کروں گا کیونکہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔
(۴۸)وَ اَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّىۡ ‌ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّىۡ شَقِيًّا	اور میں تم سے اور جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو ان سے بھی کنارہ کشی کرتا ہوں، اور میں تو اپنے پروردگار ہی کو پکارتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میری دعا میرے پروردگار کی بارگاہ میں قبول ہوئے بغیر نہ رہے گی۔
(۴۹)فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ‌ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيًّا	جسوقت (ابراہیم نے) خود ان سے اور جن جن چیزوں کی وہ خدا کے علاوہ پرستش کرتے تھے، ان سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی، تو ہم نے اسے اسحٰق (سا بیٹا) اور یعقوب (ایسا پوتا) عطا فرمایا، اور ہم نے (ان میں) ہر ایک کو بزرگ پیغمبر قرار دیا۔
(۵۰)وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا ۚ	اور ان پر اپنی رحمت کی ارزانی فرمائی اور ہم نے ان کیلئے سچی زبان (نیک نام) اور اعلیٰ مقام قرار دیا۔

تفسیر

شرک اور مشرکین سے دوری کا نتیجہ

گزشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان کے چچا کی ہدایت کے سلسلے میں منطقی باتیں جو خاص لطف ومحبت کی آمیزش

رکھتی تھیں گزر چکی ہیں اب آزر کے جوابات بیان کرنے کی نوبت ہے تاکہ ان دونوں کا آپس میں موازنہ کرنے سے حقیقت اور واقعیت ظاہر ہو جائے قرآن کہتا ہے کہ نہ صرف ابراہیم علیہ السلام کی دل سوزیاں اوران کا مدلل بیان آزر کے دل پر اثر انداز نہ ہوسکا بلکہ وہ ان باتوں کو سن کر سخت برہم ہوا اوراس نے کہا اے ابراہیم کیا تو میرے خداؤں سے روگرداں ہے۔

اگر تو اس کام سے باز نہیں آئے گا تو میں ضرور ضرور تجھے سنگسار کردوں گا۔

اور تو اب مجھ سے دور ہو جا میں پھر تجھے نہ دیکھوں۔

(۴۷) لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام پیغمبروں اور آسمانی رہبروں کی مانند اپنے اعصاب پر کنٹرول رکھا اور تندی اور تیزی اور شدید خشونت وسختی کے مقابلے میں انتہائی بزرگواری کے ساتھ کہا تجھ پر سلام۔

ممکن ہے کہ یہ سلام الوداعی اور خدا حافظی کا سلام ہو کیونکہ اس کے اور بعد کے چند جملوں کے کہنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو چھوڑ دیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ایسا سلام ہو کہ جو دعوی اور بحث کو ترک کرنے کیلئے کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہا میں عنقریب تیرے لئے اپنے پروردگار سے بخشش کی درخواست کروں گا کیونکہ وہ میرے لئے رحیم و لطیف اور مہربان ہے۔

حقیقت یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کی خشونت وسختی اور تہدید ودھمکی کے مقابلے میں اسی جیسا جواب دینے کی بجائے اس کے برخلاف جواب دیا اوراس کیلئے پروردگار سے استغفار کرنے اوراس کیلئے بخشش کی دعا کرنے کا وعدہ کیا۔

(۴۸) س کے بعد یہ فرمایا کہ میں تم سے تجھ سے اوراس بت پرست قوم سے کنارہ کشی کرتا ہوں اوراسی طرح ان سے بھی کہ جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو یعنی بتوں سے بھی کنارہ کشی کرتا ہوں۔

اور میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میری دعا میرے پروردگار کی بارگاہ میں قبول ہوئے بغیر نہیں رہے گی۔

یہ آیت ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزر کے مقابلے میں ادب کی نشاندہی کرتی ہے اور دوسری طرف ان کی اپنے عقیدہ میں قاطعیت اور یقین کو واضح کرتی ہے۔

(۴۹) ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول کی وفا کی اور اپنے عقیدہ پر جتنا زیادہ سے زیادہ استقامت کے ساتھ رہا جا سکتا ہے باقی رہے ہمیشہ توحید کی منادی کرتے رہے اگرچہ اس وقت کے تمام فاسد اور برے معاشرے نے ان کے خلاف قیام کیا لیکن وہ جناب بالآخر اکیلے نہ رہے اور تمام قرون واعصار میں بہت سے پیروکار پیدا کرلئے اس طور پر کہ دنیا جہان کے تمام خدا پرست لوگ ان کے وجود پر فخر کرتے ہیں۔

قرآن اس بارے میں کہتا ہے جس وقت ابراہیم نے ان بت پرستوں سے اوران تمام چیزوں سے کہ جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے کنارہ کش اختیار کرلی تو ہم نے اسے اسحاق سا بیٹا اور یعقوب سا پوتا عطا فرمایا اوران میں سے ہر ایک کو ہم نے عظیم

پیغمبر قرار دیا۔

یہ بڑا انعام (یعنی اسحٰق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا) اسی استقامت کا نتیجہ تھا کہ جو ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے مبارزہ اور اس دین باطل سے کنارہ کشی کرنے میں اپنی طرف سے دکھائی۔

(۵۰) علاوہ ازیں ہم نے انہیں اپنی رحمت کا ایک حصہ بخشا۔

وہ خاص رحمت جو خالصین و مخلصین مردان مجاہد اور راہ خدا میں مبارزہ کرنے والوں ہی کا حصہ ہے اور بالآخر ہم نے اس باپ اور اس کے بیٹوں کیلئے تمام امتوں کے درمیان نیک نام اچھی زبان اور اعلی مقام قرار دیا۔

درحقیقت یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس درخواست کا جواب ہے کہ جو سورہ شعراء کی آیہ ۸۴ میں بیان ہوئی ہے

''خدایا! میرے لئے آئندہ آنے والی امتوں میں لسان صدق (سچی زبان) قرار دے''۔

(۵۱)وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا	اور اس (آسمانی) کتاب میں موسیٰ کو یاد کرو۔ وہ مخلص تھا اور بلند مرتبہ رسول، اور پیغمبر تھا۔
(۵۲)وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا	ہم نے اُسے (کوہِ) طور کی دائیں طرف سے پکارا اور اسے قریب کیا اور اس سے ہم نے گفتگو کی۔
(۵۳)وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا	اور ہم نے اپنی رحمت سے اسے اس کا بھائی ہارون، جو کہ نبی تھا، بخشا۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام ایک مخلص و برگزیدہ پیغمبر

زیر نظر تین آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک مختصر سا اشارہ کرتی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔

پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے اپنی آسمانی کتاب میں موسی کو یاد کرو۔

اس کے بعد ان نعمتوں میں سے جو اللہ نے اس عظیم پیغمبر کو مرحمت فرمائی ہیں پانچ قسم کی نعمتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

1......وہ خدا کی اطاعت اور بندگی کی وجہ سے اس مقام کو پہنچا کہ پروردگار نے اسے خالص اور پاک بنا دیا۔

اور یقینی طور پر جو شخص ایسے مقام پر فائز ہو جائے وہ انحراف اور آلودگی کے خطرے سے محفوظ رہتا ہے چونکہ شیطان خدا کے بندوں کو منحرف کرنے پر اپنے تمام تر اصرار کے باوجود اعتراف کرتا ہے کہ وہ مخلصین کو گمراہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا

2......وہ بلند مرتبہ پیغمبر اور رسول ہے۔

حقیقت رسالت یہ ہے کہ کسی کے ذمہ کوئی کام کیا جائے اور وہ اس ماموریت کی تبلیغ اور ادائیگی کا پابندی ہو اور یہ وہ مقام ہے کہ جو ان تمام انبیاء کو حاصل تھا جو دعوت دینے پر مامور تھے۔

(۵۲) 3...... بعد والی آیت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے آغاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے ہم نے اسے کوہ طور کی دائیں طرف سے بلند آواز میں پکارا۔

اس تاریک اور پر وحشت رات میں جبکہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ مدین کے بیابانوں سے گزر کر مصر کی طرف جا رہے تھے تو ان کی زوجہ کو وضع حمل کی تکلیف شروع ہوگئی اور وہ خود ایک شدید سردی کی لپیٹ میں آ گیا اور ایک آگ کے شعلے کی تلاش میں جا رہا تھا کہ یکا یک اور اچانک دور سے ایک بجلی چمکی اور ایک آواز آئی اور موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کا فرمان دیا گیا اور یہ اس کی زندگی کا عظیم ترین افتخار اور شیریں ترین لمحہ تھا۔

4......علاوہ ازیں ہم نے اسے قریب کیا (اپنا تقرب بخشا) اور اس سے گفتگو کی۔

خداوند تعالیٰ کی ندا ایک نعمت تھی اور ان سے تکلم و گفتگو دوسری نعمت

(۵۳) اور آخر میں ہم نے اپنی رحمت سے اسے ہارون جیسا بھائی عطا کیا کہ جو خود بھی پیغمبر تھا۔

(۵۴) وَ اذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِسۡمٰعِیۡلَ ۫ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَ کَانَ رَسُوۡلًا نَّبِیًّا ﴿ۚ﴾	اپنی (آسمانی) کتاب میں اسمعیل کو یاد کرو، جو اپنے وعدوں میں سچا، اور ایک بزرگ پیغمبر اور رسول تھا۔
(۵۵) وَ کَانَ یَاۡمُرُ اَہۡلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ ۪ وَ کَانَ عِنۡدَ رَبِّہٖ مَرۡضِیًّا	وہ ہمیشہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتا تھا اور ہمیشہ اپنے پروردگار کی رضا کا حامل تھا۔

تفسیر

اسماعیل علیہ السلام، صادق الوعد پیغمبر

ابراہیم علیہ السلام اور ان کی فداکاریوں، اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں مختصر سا اشارہ کرنے کے بعد، قرآن ابراہیم علیہ السلام کے بزرگ ترین فرزند اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں گفتگو شروع کرتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو ان کے فرزند اسمعیل علیہ السلام کی یاد کے ساتھ اور ان کے پروگراموں کی اسمعیل علیہ السلام کے پروگراموں کے ساتھ تکمیل کرتا ہے یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اعلی صفات میں سے پانچ صفات جو سب لوگوں کیلئے نمونہ بن سکتی ہیں بیان کی گئی ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے اپنی آسمانی کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو۔

وہ اپنے وعدوں میں سچا تھا، عالی مقام پیغمبر تھا، وہ ہمیشہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور ہمیشہ اپنے پروردگار کی رضا کا حامل رہتا تھا۔

(۵۶)وَ اذۡكُرۡ فِی الۡكِتٰبِ اِدۡرِیۡسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا ٭ۙ	اور اس کتاب میں ادریس کو بھی یاد کرو۔ وہ بہت ہی سچا اور عظیم پیغمبر تھا۔
(۵۷)وَّ رَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا	اور ہم نے اسے بلند مقام پر پہنچایا۔
(۵۸)اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ ٭ وَ مِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫ وَّ مِنۡ ذُرِّیَّةِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡرَآءِیۡلَ ۫ وَ مِمَّنۡ هَدَیۡنَا وَ اجۡتَبَیۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا السجدة	وہ سب کے سب ایسے پیغمبر تھے جنہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا۔ یہ ان انبیاء میں سے تھے کہ جو آدم کی اولاد میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے کہ جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ اور وہ ابراہیم و یعقوب کی ذریت میں سے تھے اور ایسے تھے کہ جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی اور برگزیدہ کیا تھا۔ وہ ایسے افراد تھے کہ جس وقت خدائے رحمٰن کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو وہ زمین پر گر پڑتے اور سجدے میں گریہ کیا کرتے تھے۔
(۵۹)فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا ۙ	لیکن ان کے بعد ناشائستہ اور ناخلف اولاد نے ان کی جگہ لے لی، انہوں نے نماز کو ضائع کیا اور شہوات کی پیروی کی اور وہ عنقریب اپنی گمراہی (کی سزا) کو دیکھیں گے۔
(۶۰)اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا ۙ	مگر جو لوگ توبہ کر لیں ایمان لے آئیں اور عمل صالح بھی انجام دیں تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر معمولی سا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

تفسیر

پیغمبرانِ خدا سچے تھے لیکن............

اس سورہ کی یادآوریوں کے آخری حصے میں' حضرت ادریس علیہ السلام پیغمبر کے بارے میں بات کی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے اپنی آسمانی کتاب (قرآن) میں ادریس کو یاد کر وہ صدیق اور پیغمبر تھا۔

(۵۷)اس کے بعد اس کے بلند پایہ مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔ہم نے اسے ایک بلند مقام تک پہنچا دیا۔

اس بارے میں کہ اس سے حضرت ادریس علیہ السلام کے مقام معنوی کی عظمت سے اس عظیم پیغمبر کے معنوی مقامات اور روحانی درجات کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔

(۵۸)اس کے بعد ان تمام افتخارات واعزازات کو جو گزشتہ آیات میں عظیم انبیاء کے سلسلے میں اور ان کی صفات وحالات اور ان نعمتوں کے بارے میں جو خداوند تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی تھیں۔اجتماعی صورت میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا وہ ایسے انبیاء تھے کہ جنہیں خدا نے اپنی نعمتوں سے نوازا تھا۔

ان میں سے بعض آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور بعض ان لوگوں کی اولاد میں سے تھے جو نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے اور بعض ابراہیم علیہ السلام اور اسرائیل علیہ السلام کی ذریت میں سے تھے۔

ذریت آدم علیہ السلام سے مراد ادریس علیہ السلام ہیں جو مشہور قول کے مطابق نوح علیہ السلام پیغمبر کے جدامجد تھے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی اولاد سے مراد ابراہیم ہیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نوح کے بیٹے سام کی اولاد میں سے تھے۔

اور ذریت ابراہیم علیہ السلام سے مراد اسحٰق علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام ہیں اور اسرائیل کی ذریت سے مراد موسیٰ علیہ السلام ، ہارون علیہ السلام ،زکریا علیہ السلام ،یحیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

اس کے بعد اس بحث کی ان عظیم انبیاء کے سچے پیروکاروں کی یاد سے تکمیل کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے اور ان لوگوں میں سے کہ جنہیں ہم نے ہدایت کی ہے اور انہیں منتخب کیا ہے ایسے لوگ ہیں کہ جب خدائے رحمٰن کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ خاک پر گر پڑتے ہیں اور سجدہ ریز ہوجاتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلتا ہے۔

(۵۹)اس کے بعد اس گروہ کے بارے میں کہ جو انبیاء کے انسان ساز مکتب سے الگ ہوکر ناخلف پیروکار بن گئے گفتگو کی گئی ہے قرآن ان کے کچھ برے اعمال کو شمار کرتا ہے اور کہتا ہے ان کے بعد ایسی ناخلف اولاد ہوئی کہ انہوں نے نماز کو ضائع کردیا۔

اور شہوات کی پیروی کرنے لگے یہ لوگ جلد ہی اپنی گمراہی کی سزا پالیں گے۔

ممکن ہے یہ جملہ اس گروہ کی طرف اشارہ ہو کہ جو بنی اسرائیل میں سے گمراہی کی راہ پر چل نکلا تھا۔انہوں نے خدا کو بھلادیا تھا خواہشات کی پیروی کو ذکر خدا پر ترجیح دینے لگ گئے تھے۔

اس بارے میں کہ اس مقام پر ''اضاعه صلاة'' سے مراد ایسے اعمال بجالانا ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں نماز ضائع ہوجائے۔

(۶۰)قرآن یہی چاہتا ہے کہ ایمان وحق کی طرف آنے کی راہ کھلی رکھے یہاں بھی ناخلف نسلوں کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد قرآن اس طرح کہتا ہے۔مگر وہ لوگ کہ جو توبہ کرلیں گے ایمان لے آئیں گے اور عمل صالح انجام دیں گے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا سا ظلم بھی نہ ہوگا۔

(۶۱)جَنّٰتِ عَدۡنِ الَّتِیۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَہٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ وَعۡدُہٗ مَاۡتِیًّا	(وہاں) دائمی باغات ہیں جن کا خدائے رحمان نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے اگر چہ ان کو انہوں نے دیکھا نہیں، لیکن خدا کا وعدہ حتمی طور پر پورا ہو کر رہے گا۔
(۶۲)لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَ لَہُمۡ رِزۡقُہُمۡ فِیۡہَا بُکۡرَۃً وَّ عَشِیًّا	وہ وہاں ہرگز لغو اور بیہودہ گفتگو نہیں سنیں گے اور سوائے سلام کے کوئی بات نہیں ہو گی اور اس میں ہر صبح و شام ان کیلئے روزی مقرر ہے۔
(۶۳)تِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ کَانَ تَقِیًّا	یہ وہی جنت ہے کہ جو ہم بطور میراث اپنے پرہیزگار بندوں کو عطا کریں گے۔

تفسیر

جنت کی توصیف

ان آیات میں جنت اور جنتوں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے جس کا بیان آیات گزشتہ میں آیا ہے۔ پہلے بہشت موعود کی اس طرح توصیف کی گئی ہے ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں کہ جن کا خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور انہوں نے انہیں دیکھا نہیں ہے (لیکن ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ خدا کا وعدہ حتمی طور پر پورا ہو کر رہے گا۔

(۶۲) اس کے بعد بہشت کی عظیم نعمتوں میں سے ایک اور نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ وہاں کوئی لغو اور بیہودہ بات ہرگز نہیں سنیں گے۔ نہ کوئی جھوٹ' نہ گالی گلوچ' نہ تہمت، نہ زبان کے زخم' نہ کوئی تمسخر اور مذاق اڑانے کی بات یہاں تک کہ کوئی بیہودہ بات نہیں ہو گی۔

صرف ایک چیز جو وہاں ہمیشہ کان میں آتی رہے گی وہ سلام ہے۔

ایسا سلام جو امن و سلامتی کے ماحول کا ایک نمونہ اور پاکیزگی و تقوی' صلح و آشتی اور آرام و سکون کے ماحول کی ایک نشانی ہے۔

اس نعمت کے بعد ایک اور نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہر صبح و شام ان کی روزی بہشت میں ان کیلئے حاضر ہے۔

(۶۳) جنت اور اس کی مادی و روحانی نعمتوں کی اجمالی تعریف و توصیف کے بعد اہل جنت کا ایک مختصر سے جملے میں تعارف کرواتے ہوئے قرآن کہتا ہے یہ وہی جنت ہے کہ جو ہم اپنے پرہیزگار بندوں کو میراث کے طور پر دیں گے۔

گویا اتنی نعمتوں سے بھری جنت کے دروازے کی کلید ی تقوی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۶۴)وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِکَ ۚ وَ مَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا ۚ	ہم تیرے پروردگار کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، وہ سب اسی کا ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہ تھا (اور نہ ہے)
(۶۵)رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ۧ	وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، کا پروردگار ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو اور اسکی عبادت کرنے میں صبر سے کام لو۔ کیا اس کا کوئی مثل و مانند تمھیں مل سکتا ہے؟

شان نزول

بہت سے مفسرین مذکورہ بالا آیت کی شان نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ چند دنوں تک وحی منقطع رہی اور خدائی وحی کا پیغام رساں جبرئیل پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس نہ آیا جب یہ مدت ختم ہوگئی اور جبرئیل پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوا' تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تونے دیر کیوں کردی میں تیرا بہت ہی مشتاق رہا۔ تو جبرئیل نے عرض کی میں تو آپ سے بھی زیادہ مشتاق تھا لیکن میں تو حکم کا پابند ہوں۔

جب مجھے حکم ملتا ہے میں تو اس وقت آتا ہوں اور جب مجھے کوئی حکم نہ ہو تو میں نہیں آتا۔

تفسیر

پیغمبرانِ خدا تو حکم کے بندے ہیں

زیرنظر پہلی آیت قاصد وحی کی زبانی کہتی ہے ہم تیرے پروردگار کے فرمان کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اور ہم تو جان و دل سے اس کے بندے ہیں جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آئندہ و گزشتہ اور زمانہ حال یہاں اور وہاں اور سب جگہ دنیا و آخرت و برزخ سب کچھ پروردگار کی ذات پاک کے ساتھ متعلق ہے اور اسی کا ہے۔

اور یہ بھی جان لو کہ تمہارا پروردگار نہ فراموش کرنے والا تھا اور نہ ہے۔

(۶۵) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے یہ سب تیرے پروردگار کے حکم سے ہے جو آسمانوں زمین اور جو کچھ ان کے درمیان

ہے کا پروردگار ہے۔

اب جبکہ یہ بات ہے اور تمام ہدایات اسی کی طرف سے ہیں تو پھر صرف اسی کی عبادت کرو۔

ایسی عبادت کہ جو توحید واخلاص کے ساتھ ہو اور چونکہ اس راہ بندگی و اطاعت اور خدا کی خالص عبادت میں بہت زیادہ سختیاں اور مشکلات پیش آتی ہیں لہٰذا مزید ارشاد ہوتا ہے اس کی عبادت کی راہ میں صابر رہ۔

اور آخری جملے میں ہے کیا تجھے خدا کا کوئی مثل و مانند نظر آتا ہے۔

یہ جملہ درحقیقت اس بات پر ایک دلیل ہے جو اس سے پہلے جملے میں بیان ہوئی ہے یعنی کیا اس کی پاک ذات کیلئے کوئی شریک اور مثل و مانند ہے کہ جس کی طرف تم دست سوال دراز کرو اور اس کی عبادت کرو؟

وَ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا	اور انسان کہتا ہے: کیا میں مرنے کے بعد آئندہ (قبر سے) زندہ ہو کر باہر نکلوں گا؟
(۶۷)اَوَ لَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ يَكُ شَيْـًٔا	کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس سے پہلے اسے اس حال میں خلق کیا تھا جبکہ وہ کوئی چیز تھا ہی نہیں۔
(۶۸)فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۚ	تیرے پروردگار کی قسم ہم ان سب کو اور شیاطین کو بھی ضرور ضرور زندہ کر کے اٹھائیں گے اس کے بعد ہم ان سب کو جہنم کے گرداگرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے۔
(۶۹)ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۚ	پھر ہم ہر گروہ اور جماعت میں سے ان لوگوں کو جو خدائے رحمٰن کے مقابل میں سب سے زیادہ سرکش تھے الگ کرلیں گے۔
(۷۰)ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا	پھر ہم ان افراد کے بارے میں بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو سب سے پہلے جہنم میں جلنے کے سزاوار ہیں (اور ہم انہیں دوسروں کی نسبت پہلے سزا دیں گے)

شان نزول

مفسرین کی ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ آیات ابی بن خلف یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو ایک بوسیدہ ہڈی کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور اسے اپنے ہاتھ سے رگڑ کر ہوا میں بکھیر رہے تھے تاکہ اس کا ہر ہر

ذرہ کسی نہ کسی گوشہ میں بکھر جائے وہ کہتے تھے کہ محمد(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف دیکھو جس کا گمان یہ ہے کہ خدا ہمیں مرنے اور اس ہڈی کی طرح ہماری ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا یہ بات قطعاً ممکن نہیں ہے۔

تفسیر

دوزخیوں کی کچھ توصیف

گزشتہ آیات میں قیامت اور بہشت و دوزخ کے بارے میں بحث ہوئی تھی۔ زیر بحث آیات بھی اسی بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔

پہلی آیت میں قیامت کا انکار کرنے والوں کی گفتگو کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے انسان کہتا ہے کہ کیا مرنے کے بعد آئندہ زمانے میں قبر سے زندہ ہو کر باہر نکلوں گا۔

البتہ یہ استفہام ایک استفہام انکاری ہے یعنی ایسی بات ممکن نہیں ہے۔

(٦٧) بلا فاصلہ اسی لب و لہجے اور اسی تعبیر کیا تھا سے جواب دیا گیا ہے کیا انسان اس حقیقت کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس سے پہلے اسے اس حال میں پیدا کیا تھا جبکہ وہ مطلقاً کوئی چیز ہی نہیں تھا۔

(٦٨) اس آیت میں منکرین معاد اور بے ایمان گنہگاروں کو انتہائی یقینی انداز میں تہدید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تیرے پروردگار کی قسم ہم ان سب کو ان شیاطین کے ساتھ کہ جو انہیں وسوسہ میں ڈالتے تھے یا ان کے معبود تھے سب کو محشور کریں گے۔

پھر ہم ان سب کو جہنم کے گرداگرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے۔

یہ آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بے ایمان اور گنہگار لوگوں کی دادگاہ جہنم کے نزدیک ہے۔

(٦٩) اس دادگاہ عدل میں چونکہ اولیت کا لحاظ رکھا جائے گا لہذا اس آیت میں فرمایا گیا ہے ہم سب سے پہلے ان لوگوں کو گرفت میں لیں گے جو سب سے زیادہ سرکش اور سب سے بڑھ کر باغی ہیں ہم ہر گروہ اور جماعت میں سے ایسے افراد کو کہ جو خدائے رحمٰن کے سامنے سب سے زیادہ سرکش ہوں گے علیحدہ کر لیں گے۔

وہی بے شرم لوگ کہ جنہوں نے خدائے رحمٰن کی نعمتوں تک کو بھلا دیا ہے اور اپنے ولی نعمت کے مقابلے میں گستاخی نافرمانی اور طغیان و سرکشی پر اتر آئے۔ ہاں! ہاں! یہی لوگ سب سے زیادہ جہنم کے سزاوار ہیں۔

(٧٠) پھر اسی معنی کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ہم ان لوگوں سے کہ جو جہنم کی آگ میں جلنے کیلئے اول نمبر پر ہیں اچھی طرح آگاہ ہیں۔

ہم انہیں انتہائی دقت نظر کے ساتھ چھانٹ کر نکال لیں گے اور اس میں کسی قسم کی غلطی یا اشتباہ نہیں ہوگا۔

(۷۱)وَ اِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ	اور تم سب کے سب (بلا استثنا) جہنم میں جاؤ گے یہ تیرے پروردگار کا حتمی امر اور قطعی فیصلہ ہے۔
(۷۲)ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا	پھر ہم ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، رہائی بخشیں گے اور ظالموں کو اسی میں رہنے دیں گے جبکہ وہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے۔

تفسیر

کیا سب جہنم میں جائیں گے؟

مذکورہ بالا آیات بھی قیامت کی خصوصیات اور جزا وسزا کے بارے میں ہیں پہلے تو ایک ایسے مطلب کی طرف کہ جس کا سننا شاید اکثر لوگوں کیلئے حیرت انگیز ہو اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تم سب کے سب بلا استثناء جہنم میں جاؤ گے۔

یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک حتمی امر ہے اور ایک قطعی فیصلہ ہے۔

(۷۲) پھر ہم ان لوگوں کو کہ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا نجات دے دیں گے اور ظالموں اور ستمگروں کو جبکہ وہ کمزوری اور ذلت کی وجہ سے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے اسی میں رہنے دیں گے۔

ان دونوں آیات کی تفسیر میں اس طرح تمام انسان نیک و بد بلا استثناء جہنم میں وارد ہوں گے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دوزخ نیک لوگوں پر سرد و سالم رہے گی جیسا کہ نمرود کی آگ ابراہیم علیہ السلام پر سرد و سالم رہی۔

"یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراهیم" (سورہ انبیاء............۶۹)

کیونکہ آگ کا ان سے کوئی میل نہیں اس لئے ان سے دور ہو جائے گی اور فرار کرے گی اور جس جگہ وہ ٹھہریں گے وہاں خاموش ہو جائے گی لیکن دوزخی چونکہ جہنم کی آگ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں لہٰذا قابل اشتعال مادہ کی طرح جب وہ آگ کے قریب پہنچیں گے تو وہ فوراً بھڑک اٹھیں گے۔

حقیقت میں دوزخ اور اس کے عذابوں کا مشاہدہ اس بات کیلئے ایک مقدمہ ہوگا کہ مومنین جنت کی خداداد نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کریں۔

علاوہ ازیں دوزخی بھی اس منظر کے مشاہدہ سے زیادہ سزا اور تکلیف محسوس کریں گے۔

(۷۳)وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ خَیۡرٌ مَّقَامًا وَّ اَحۡسَنُ نَدِیًّا	اور جس وقت ہماری واضح آیات انہیں سنائی جاتی ہیں تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ دونوں گروہوں (ہم اور تم) میں سے کونسا گروہ مرتبہ و مقام کے لحاظ سے بہتر ہے اور کس کی محبت و مشاورت کی محفلوں کی سج دھج اور کس کی سخاوت بڑھ کر ہے۔
(۷۴)وَ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءۡیًا	ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا ہے کہ جن کا مال و ثروت بھی ان سے زیادہ تھا اور ظاہری سج دھج میں بھی وہ ان سے زیادہ تھے۔
(۷۵)قُلۡ مَنۡ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلۡیَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا الۡعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضۡعَفُ جُنۡدًا	تم کہدو کہ جو شخص گمراہی میں ہے خدا اسے اس وقت تک مہلت دیتا ہے کہ وہ اس چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھ لے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ ہے اسی دنیا کا عذاب، یا آخرت کا عذاب۔ وہ ایسا دن ہوگا کہ جب وہ یہ جان لیں گے کہ کس شخص کا مقام زیادہ برا ہے اور کس کا لشکر زیادہ کمزور ہے
(۷۶)وَ یَزِیۡدُ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا هُدًی ؕ وَ الۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیۡرٌ مَّرَدًّا	لیکن جن لوگوں نے ہدایت کی راہ اختیار کر لی خداوند تعالیٰ ان کی ہدایت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ وہ آثار و عمل صالح جو (انسان سے) باقی رہ جاتے ہیں، تیرے پروردگار کی بارگاہ میں ان کا ثواب اچھا اور انجام زیادہ قدر و قیمت والا ہے۔

تفسیر

گزشتہ آیات میں بے ایمان ظالموں کے بارے میں بحث تھی۔ زیر بحث آیات میں ان کی منطق اور انجام کے ایک گوشہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ پہلا گروہ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا تھا ایسے پاک دل مستضعفین کا تھا جن کا ہاتھ دنیا کے مال و منال سے خالی تھا۔

چونکہ اس زمانے کے جاہلانہ معاشرے کی طرح............قدر و قیمت کا معیار وہی زر و زیور' دولت وثروت' مقام ومنصب اور ظاہری ہیبت تھی لہٰذا ستمگار ثروت مند لوگ غریب وفقیر مومنین پر فخر وناز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہماری حیثیت اور شخصیت کی نشانی تو ہمارے ساتھ موجود ہے اور تمہاری کوئی حیثیت وشخصیت نہ ہونے کی نشانی وہی تمہارا فقر وفاقہ اور تمہاری محرومیت ہے۔

جیسا کہ قرآن پہلی زیر بحث آیت میں کہتا ہے جس وقت ہماری واضح آیات انہیں سنائی جاتی ہیں تو مغرور وستمگر کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ دونوں گروہوں ہم اور تم میں سے کونسا گروہ مرتبہ ومقام کے لحاظ سے بہتر ہے اور کس کی محبت ومشاورت کی محفلیں سج دھج میں بہتر ہیں اور کس کی سخاوت زیادہ ہے۔

(۸۴) لیکن قرآن انہیں ایک بہت مدلل' قاطع اور خاموش کر دینے والا جواب دیتا ہے گویا انہوں نے بشر کی گزشتہ تاریخ کو بھلا دیا ہے۔

ان سے پہلے بے شمار قومیں ایسی تھیں کہ جن کا مال ودولت اور وسائل زندگی ان سے بہتر تھے اور وہ لوگ ظاہری شان وشوکت کے اعتبار سے بھی ان سے زیادہ آراستہ وپیراستہ تھے لیکن ہم نے ان ستم کاروں اور ظالموں کو نابود کر دیا۔

کیا ان کا مال ودولت ان کی زرق برق محفلیں ان کے فاخرہ لباس اور خوبصورت چہرے ان سے خدا کے عذاب کو روک سکتے ہیں۔

(۷۵) اس کے بعد قرآن انہیں ایک اور تنبیہ کرتا ہے کہ تم ان سے یہ کہہ دو کہ اے بے ایمان ظالموں! تم یہ گمان نہ کر لینا کہ یہ تمہاری دولت مایہ رحمت ہے بلکہ اکثر اوقات یہ عذاب الٰہی کی دلیل ہوتی ہے جو شخص گمراہی میں مبتلا ہے اور اسی راستے پر چلتے رہنے پر مصر ہے خدا اسے مہلت دیتا ہے اور یہ خوشحال زندگی اسی طرح جاری وساری رہتی ہے۔

(یہ مہلت) اس زمانے تک ہوگی کہ یہ خود اپنی آنکھوں سے خدا کے وعدوں کو دیکھ لیں اس دنیا کا عذاب یا آخرت کا عذاب۔

اس دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کی جگہ اور محفل زیادہ بری ہے
اور کس کا لشکر زیادہ کمزور ہے۔

یہ ستمگروں اور دنیا کی شان وشوکت اور لذت کے شیدائیوں کا انجام ہے لیکن جن لوگوں نے ہدایت کی راہ اختیار کی خدا ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ہدایت کے کئی درجے ہوتے ہیں جس وقت انسان اس کے ابتدائی درجوں کو خود سے طے کر لیتا ہے تو خدا اس کی مدد فرماتا ہے اور اسے اعلیٰ سے اعلیٰ درجوں پر فائز کر دیتا ہے۔

آیت کے آخر میں ان لوگوں کو کہ جنہوں نے دنیا میں ناپائیدار زیب وزینت پر بھروسہ کر لیا تھا اور ان کے ذریعہ دوسروں پر فخر کیا کرتے تھے قرآن یہ جواب دیتا ہے وہ آثار واعمال صالح جو انسان سے باقی رہ جاتے ہیں تیرے پروردگار کی بارگاہ میں ان کا ثواب بیش تر اور ان کا انجام زیادہ قیمتی ہے۔

(۷۷)اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ؕ	کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور یہ کہا کہ مجھے تو بہت سارا مال اور اولاد عطا کی جائے گی۔
(۷۸)اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۙ	کیا وہ غیب کے بھیدوں کو جان گیا ہے یا اس نے خدا سے کوئی عہد و پیمان لے لیا ہے؟
(۷۹)كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۙ	ہرگز ایسا نہیں ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے عنقریب لکھ لیں گے اور اس پر دائمی عذاب کریں گے۔
(۸۰)وَّ نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا	اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اسکے ہم وارث ہو جائیں گے اور وہ تن تنہا ہمارے پاس آئے گا۔
(۸۱)وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۙ	انہوں نے خدا کے سوا کچھ معبود اپنے لئے منتخب کر لیے ہیں جو ان کی عزت کا سبب بنیں۔
(۸۲)كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۧ	ہرگز ایسا نہیں ہے۔ عنقریب ان کے معبود ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے بلکہ وہ ان کے خلاف قیام کریں گے۔

تفسیر

ایک بیہودہ اور انحرافی خیال

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایمان و پاکیزگی اور تقویٰ ان کیلئے مناسب نہیں ہے اور ان کی وجہ سے وہ دنیا سے محروم رہ جاتے ہیں جب کہ ایمان و تقویٰ کو چھوڑ دینے سے دنیا ان کا رخ کر لیتی ہے اور وہ مالدار بن جاتے ہیں۔

بہرحال ہمارے زمانے کی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی کچھ نادان لوگ موجود تھے جو اس قسم کی سوچ رکھتے تھے یا کم از کم اس طرح کا اظہار کرتے تھے۔

قرآن زیر بحث آیات میں اس بحث کی مناسبت سے کہ جو کفار اور ظالموں کے انجام کے سلسلے میں اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس طرز فکر اور اس کے انجام کے بارے میں بیان کر رہا ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ہماری آیات کو جھٹلاتا ہے اوران سے کفر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے بہت زیادہ مال واولاد حاصل ہوگا۔

(۷۸)اس کے بعد قرآن انہیں اس طرح جواب دیتا ہے کیا وہ اسرارغیب سے آگاہ ہوگیا ہے یا اس نے اس بارے میں خدا سے کوئی عہدو پیمان لے لیا ہے۔

اس قسم کی پیشین گوئی تو وہی شخص کرسکتا ہے اور وہی شخص مال واولاد کے ہونے کے ساتھ کفر کے کسی رابطہ کا قائل ہوسکتا ہے کہ جو اسرارغیب سے آگاہ ہو کیونکہ ہمیں تو ان دونوں کے درمیان کوئی رابطہ نظر نہیں آتا یا پھر اس نے خدا سے کوئی عہدو پیمان لیا ہو جبکہ اس قسم کی بات بھی بے معنی ہے۔

(۷۹)اس کے بعد قطعی الفاظ کے ساتھ قرآن مزید کہتا ہے ایسا نہیں ہے کفرو بے ایمانی ہرگز کسی کے مال واولاد میں زیادتی کا سبب نہیں ہوگی ہم عنقریب جو کچھ وہ کہتا ہے اسے لکھ لیں گے۔

ہاں یہ بات ممکن ہے کہ یہ بے بنیاد باتیں بعض سادہ لوح افراد کے انحراف کا سبب بن جائیں یہ سب باتیں ان کے نامہ اعمال میں لکھ لی جائیں گی۔

اوراس پر ہم اپنے عذاب کو دائمی بنادیں گے (پے درپے اور یکے بعد دیگرے عذاب)۔

یہی مال واولاد جو غرور وگمراہی کا سبب بنے ہوئے ہیں خود اس کیلئے ایک دائمی عذاب بن جائیں گے (یہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ اس کے لئے عذاب بن سکتی ہیں)۔

(۸۰)مال واولاد کے بارے میں وہ جس چیز کا ذکر کررہا ہے اس کے تو ہم وارث بن جائیں گے اور قیامت کے دن وہ یکہ وتنہا ہمارے پاس آئے گا۔

ہاں انجام کار یہ ہے کہ وہ ان تمام مادی وسائل کو یہیں چھوڑ کر چلتا بنے گا اور پروردگار کی دادگاہ عدل میں خالی ہاتھ حاضر ہوگا اس وقت اس کی حالت یہ ہوگی کہ اس کا نامہ اعمال گناہوں سے سیاہ اور نیکیوں سے خالی ہوگا۔

(۸۱)اس آیت میں ان کی بت پرستی کے ایک اور سبب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انہوں نے خدا کے سوا کچھ اور معبود اپنے لئے بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کی عزت کا سبب بنیں۔

تا کہ وہ خدا کی بارگاہ میں ان کی شفاعت کریں اور مشکلات میں ان کی مدد کریں لیکن یہ کتنی نا سمجھی اور اور خام خیالی کی بات ہے؟

(۸۲)جیسا کہ انہوں نے سمجھا ہے ہرگز ایسا نہیں ہے نہ صرف یہ کہ بت ان کیلئے باعث عزت نہیں ہوں گے بلکہ وہ تو ذلت اور عذاب کا سرچشمہ ہیں۔اسی وجہ سے جلد ہی یعنی قیامت کے دن یہ معبودان عبادت کرنے والوں کی عبادت کے منکر ہوجائیں گے اوران سے اعلان بیزاری کریں گے بلکہ ان کے خلاف ہوجائیں گے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''قیامت کے دن وہ معبود کہ جو خدا کے علاوہ انہوں نے بنا رکھے تھے وہ ان کے خلاف ہوجائینگے اوران سے اور ان کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے''۔

(۸۳)اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ تَؤُزُّہُمۡ اَزًّا ۙ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں کی طرف بھیجا ہے تا کہ وہ انہیں شدت کے ساتھ تحریک کریں۔
(۸۴)فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَہُمۡ عَدًّا ۚ	اس لئے تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر۔ ہم انہیں (اور ان کے اعمال کو) بڑی باریک بینی کے ساتھ شمار کریں گے۔
(۸۵)یَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِیۡنَ اِلَی الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا ۙ	جس دن ہم پرہیز گاروں کو خدائے رحمٰن (اور ان کی جزا) کی طرف رہنمائی کریں گے۔
(۸۶)وَّ نَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ وِرۡدًا ۘ وقف لازم	اور مجرموں کو اس حال میں کہ وہ پیاسے ہوں گے جہنم کی طرف ہانکیں گے۔
(۸۷)لَا یَمۡلِکُوۡنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ۘ وقف لازم	انہیں ہرگز شفاعت کا اختیار نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو خدائے رحمٰن کی طرف سے کوئی عہد و پیمان رکھتا ہے۔

تفسیر

شفاعت کیسے لوگ کر سکتے ہیں؟

اس بحث کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ جو گزشتہ آیات میں مشرکین کے بارے میں بیان ہوئی ہے زیر بحث آیات در حقیقت ان کے انحراف کے بعض علل و اسباب اور پھر ان کی بدبختی اور برے انجام کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اس حقیقت کو بھی ثابت کرتی ہیں کہ دوسرے معبود نہ صرف ان کی عزت و وقار کا باعث نہیں تھے بلکہ وہ تو ان کی بدبختی اور ذلت کا سبب بن گئے ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں کی طرف بھیجا تا کہ وہ انہیں غلط راستوں پر جن پر وہ چل رہے ہیں تیز کر دیں بلکہ تہ و بالا کر دیں۔

شیاطین کا انسانوں پر مسلط ہونا جبری اور بے خبری کا تسلط نہیں ہے بلکہ یہ خود انسان ہی ہے کہ جو شیاطین کو اپنے قلب و روح کے اندر داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے۔

(۸۴) اس کے بعد روئے سخن پیغمبر ﷺ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان کے بارے میں جلد بازی سے کام نہ لو ہم ان کے تمام اعمال کو انتہائی باریکی کے ساتھ شمار کر لیں گے۔

اور ان سب کو اس دن کے لئے کہ جس دن عدل الٰہی کی عدالت قائم ہوگی، ثبت اور محفوظ کر لیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ان کی زندگی کے دنوں کو شمار کرنا، بلکہ ان کے سانسوں کو گننا ہو یعنی ان کی بقاء کی مدت مختصر ہے اور گننے اور شمار کرنے میں آ جاتی ہے۔

(۸۵) اس کے بعد متقین اور مجرمین کی آخری منزل کو مختصر اور فصیح عبارت میں اس طرح بیان کرتا ہے ہم نے ان تمام اعمال کو اس دن کے لئے ذخیرہ کر لیا ہے جس دن ہم پرہیز گاروں کو عزت واحترام کے ساتھ خداوند رحمان کی طرف یعنی جنت اور اس کے انعامات کی طرف اجتماعی طور پر رہنمائی کریں گے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! ''وفد'' مسلمہ طور پر ایسے افراد کو کہتے ہیں کہ جو سواریوں پر سوار ہوں وہ ایسے افراد ہیں کہ جنہوں نے تقویٰ کو اختیار کیا ہے خدا نے انہیں دوست بنایا ہے اور انہیں اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اور ان کے اعمال سے راضی ہو کر انہیں متقین کا نام دیا ہے''۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اس کے مقابلے میں ہم مجرموں کو اس حالت میں کہ وہ پیاسے ہوں گے جہنم کی طرف ہانکیں گے۔

جیسا کہ پیاسے اونٹوں کو پانی کی طرف ہانکتے ہیں لیکن یہاں پانی نہیں بلکہ آگ ہوگی۔

اور اگر وہ یہ تصور کرتے ہوں کہ وہاں شفاعت کے ذریعے کسی جگہ پہنچ سکتے ہیں تو انہیں جان لینا چاہئے کہ وہ ہرگز وہاں شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے۔

نہ تو کوئی اوران کی شفاعت کرے گا اور نہ وہ بطریق اولیٰ اس بات پر قادر ہوں گے کہ خود کسی دوسرے کی شفاعت کریں۔

عہد سے مراد ہے پروردگار سے ہر قسم کا رابطہ اور اسکی معرفت واطاعت اور اسی طرح اولیائے حق کے مکتب سے وابستگی اور ہر قسم کا عمل صالح ہے۔

(۸۸) وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ	انہوں نے کہا کہ خدائے رحمٰن نے کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔
(۸۹) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۙ	تم نے یہ کیسی بری اور طعن کی بات کی ہے۔
(۹۰) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ	قریب ہے کہ اس بات پر آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ شدّت کے ساتھ گر پڑیں۔
(۹۱) اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ	اس لئے کہ انہوں نے خدائے رحمٰن کیلئے بیٹے کا ادعا کیا ہے۔
(۹۲) وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ	اور یہ بات تو ہرگز سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔
(۹۳) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ	آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کوئی بھی ہے سب اس کے بندے ہیں۔

(۹۴)لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا	اس نے ان سب کا احصا کر رکھا ہے اور اچھی طرح سے شمار کیا ہوا ہے۔
(۹۵)وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا	اور وہ سب کے سب قیامت کے دن یکہ وتنہا اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔

تفسیر

خدا اور اولاد کا ہونا؟

چونکہ گزشتہ آیات میں شرک اور مشرکین کے انجام کے بارے میں گفتگو تھی لہٰذا بحث کے آخر میں شریک کی ایک شاخ یعنی خدا کی اولاد ہونے کے اعتقاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی قباحت اور برائی کو نہایت قاطع انداز میں واضح کیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ خدائے رحمٰن نے کسی کو اپنا بیٹا بنالیا ہے۔

نہ صرف عیسائی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے حقیقی بیٹے ہیں بلکہ یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے نیز بت پرستوں فرشتوں کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ رکھتے تھے اور انہیں خدا کی بیٹاں خیال کرتے تھے۔

(۸۹)اس کے بعد انتہائی سخت لہجے میں فرمایا گیا ہے تم نے یہ کیسی بری اور بڑی سخت بات کی ہے۔اور خدا کے لئے اس قسم کی نازیبا بات کی ہے۔

(۹۰)چونکہ یہ ناروانسبت اصل توحید کے خلاف ہے کیونکہ نہ کوئی اس کا مثل ونظیر ہے اور نہ ہی اسے اولاد کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ جسم اور جسمانیت کے عوارض رکھتا ہے گویا تمام عالم ہستی جس کی بنیاد توحید پر قائم ہے اس ناروانسبت سے وحشت واضطراب میں ڈوب جائے گا۔

لہٰذا اس آیت میں قرآن مزید کہتا ہے قریب ہے کہ اس بات پر آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ شدت کے ساتھ گر پڑیں۔

(۹۱)پھر تاکید کیلئے اور موضوع کی اہمیت کے بیان کی خاطر کہتا ہے اس لئے کہ انہوں نے خدائے رحمٰن کیلئے بیٹے کا ادعا کیا ہے۔

(۹۲)درحقیقت انہوں نے خدا کو کسی بھی طرح سے پہچانا ہی نہیں ورنہ وہ یہ جان لیتے کہ خدائے رحمٰن کیلئے ہرگز یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔

انسان چند چیزوں میں سے کسی ایک کیلئے اولاد کی خواہش کرتا ہے یا تو وہ اس بنا پر کہ اس کی زندگی ختم ہونے والی ہے لہٰذا اسے بقاء نسل کیلئے تولید مثل کی ضرورت ہے۔

یا وہ مدد اور یار ومددگار کا طالب ہے کیونکہ اس کی قوت وطاقت محدود ہے یا اسے تنہائی سے وحشت ہے۔

لیکن خدا کے بارے میں ان مطالب کی کوئی حقیقت نہیں ہے نہ تو اس کی قدرت محدود ہے نہ اس کی زندگی ختم ہونے والی

ہے نہ اس کے وجود میں ضعف وکمزوری کا نام ونشان ہے نہ تنہائی کا کوئی احساس اور نہ ہی اسے کوئی ضرورت واحتیاج ہے۔

(۹۳) اسی بناء پر اس آیت میں فرمایا گیا ہے آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے سب اس کے بندے ہیں اور اس کے تابع فرمان ہیں۔

اور باوجود اس کے کہ تمام بندے اس کے مطیع اور تابع فرمان ہیں اسے ان کی اطاعت وفرماں برداری کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود وہی اس کے نیاز مند اور محتاج ہیں۔

(۹۴) وہ ان سب پر محیط ہے اور ان کی تعداد کو پوری طرح سے جانتا ہے۔

یعنی اس بات کا ہرگز تصور نہ کرنا کہ کس طرح ممکن ہے کہ اتنے بندوں کا اس نے حساب رکھا ہوگا۔ جو اس لامحدود (ہماری نظر میں) کائنات کا خالق ہے وہ اس کا حساب کیسے نہیں کرسکتا۔ اس قسم کی بات یقیناً ایک احمق ہی سوچ سکتا ہے

(۹۵) وہ سب کے سب قیامت کے دن یکہ وتنہا اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا۔

اس بناء پر مسیح علیہ السلام بھی عزیز بھی فرشتے بھی اور تمام کے تمام انسانوں بھی اس کے اس ہمہ گیر حکم میں شامل ہیں اس حالت میں یہ بات کس قدر نامناسب ہے کہ ہم اس کیلئے اولاد کا عقیدہ رکھ کر اور اس کی ذات پاک کو عظمت کی بلندیوں سے اس قدر نیچے لے آئیں اور اس کے صفات جلال وجمال کا انکار کردیں۔

(۹۶) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا	جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے خدائے رحمٰن ان کی محبت دلوں میں ڈال دے گا۔
(۹۷) فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا	ہم نے قرآن کو تیری زبان پر آسان کردیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تو پرہیزگاروں کو بشارت دے اور سخت قسم کے دشمنوں کو ڈرائے۔
(۹۷) وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۠	ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی (بے ایمان اور گنہگار) قوموں کو ہلاک کیا ہے۔ کیا تم ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہو، یا ان کی خفیف سی آواز بھی سنتے ہو؟

تفسیر

ایمان محبوبیت کا سرچشمہ ہے

مذکورہ بالا تین آیات میں جو سورہ مریم کی آخری آیات ہیں پھر اہل ایمان، مومنین اور بے ایمان ستمگروں کی بات ہورہی ہے اور قرآن اور اس کی بشارتوں اور اس کی تنبیہوں سے متعلق گفتگو ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے وہ لوگ جو ایمان لائے اورانہوں نے اعمال صالح انجام دیئے خداوند رحمان ان کی محبت دلوں میں ڈال دے گا۔

ایمان اور عمل صالح ایک غیر معمولی قوت جذب وکشش رکھتے ہیں۔خدا کی وحدانیت اور انبیاء کی دعوت پر ایمان واعتقاد کی چمک انسان کے قلب وروح فکر ونظر اور گفتار وکردار میں اعلی انسانی اخلاق تقوی پا کیزگی سچائی امانت شجاعت ایثار و درگزر کی صورت میں جلوہ گر ہے۔

متعدد روایات کو جو آیت"ان الذين امنوا و عملوا الصلحات سيجعل لهم الرحمن ودا"کی شان نزول میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہیں ان سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ آیت آغاز میں علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

بہر حال جیسا کہ ہم نے مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں بیان کیا ہے علی علیہ السلام کے بارے میں اس آیت کا نزول ایک کامل اور اکمل نمونے کے عنوان سے ہے اور یہ تمام مومنین کیلئے سلسلہ مراتب کے ساتھ مفہوم کے اعتبار سے عام ہونے میں مانع نہیں ہوگا۔

(۹۷)اس کے بعد قرآن کی طرف کہ جو ایمان اور عمل صالح کی ہدایت کا سرچشمہ ہے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے قرآن کو تیری زبان پر آشنا کر دیا ہے تا کہ تو پرہیزگاروں کو اس کے ذریعے بشارت دے اور سخت مزاج اور ہٹ دھرم دشمنوں کو ڈرائے۔

(۹۸)زیر بحث آخری آیت میں جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی دلجوئی کیلئے (خصوصا اس نکتہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس وقت مسلمان انتہائی سخت دباؤ میں تھے اور تمام ہٹ دھرم دشمنوں کو تنبیہ اور تہدید کیلئے قرآن کہتا ہے ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی بے ایمان اور گنہگار قوموں کو ہلاک ونابود کیا ہے وہ اس طرح نابود اور بھولی بسری ہوگئیں کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

اے پیغمبر! کیا تو ان میں سے کسی کو محسوس کرتا ہے یا ان کی کوئی خفیف سی آواز سنتا ہے۔

یعنی یہ ستمگر قومیں اور حق وحقیقت کے سخت دشمن اس طرح سے درہم برہم ہوئے کہ ان کی خفیف سی آواز تک بھی سنائی نہیں دیتی۔

سورہ طٰہٰ

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۱۳۵ آیات ہیں

سورہ طہٰ کے مضامین

اس کے مضامین بھی باقی تمام مکی سورتوں کی مانند ہیں جو زیادہ تر مبدا و معاد کے بارے میں ہیں۔

پہلے حصہ میں عظمت قرآن اور پروردگار کی کچھ صفات جلال و جمال کی طرف مختصر سا اشارہ ہے۔

دوسرے حصہ میں کہ جو اسی (۸۰) سے زیادہ آیات پر مشتمل ہے موسیٰ علیہ السلام کی داستان بیان ہوئی ہے۔

تیسرے حصہ میں کچھ معاد کے بارے میں بیان ہے اور کچھ قیامت کی خصوصیات کا ذکر ہے

چوتھے حصہ میں قرآن اور اس کی عظمت کا بیان ہے۔

پانچویں حصہ میں جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کی سرگزشت بیان کی گئی ہے ابلیس کی وسوسہ انگیزی کا ماجرا بیان کیا گیا ہے اور انجام کاران کے زمین پر اترنے کا تذکرہ ہے۔

چھٹے اور آخری حصہ میں مومنین کے لئے بیدار کن پند و نصائح ہیں کہ جن میں سے اکثر کا روئے سخن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔

سورہ طٰہٰ کی فضیلت

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

''سورہ طٰہٰ کی تلاوت ترک نہ کرو کیونکہ خدا اسے اور اس کی تلاوت کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جو شخص ہمیشہ اس کی تلاوت کرتا رہے خدا قیامت کے دن اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دے گا اور وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا اور آخرت میں اسے اتنا اجر ملے گا کہ وہ راضی ہو جائے گا''۔

ہم پھر یہ بات ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حقیقت کو دہرائیں کہ تمام ایسے عظیم ثواب جو پیغمبر اور آئمہ علیہم السلام سے ان سوروں کی تلاوت کے بارے میں ہم تک پہنچے ہیں ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ صرف تلاوت کرنے سے انسان کو یہ سب نتائج حاصل ہو جائیں گے بلکہ اس سے مراد وہ تلاوت ہے جو غور و فکر کا مقدمہ بنے ایسا غور و فکر کہ جس کے آثار انسان کے تمام اعمال و گفتار سے ظاہر ہوں اور اگر ہم اس سورہ کے اجمالی مطالب پر نظر کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ مذکورہ بالا روایات اس سورہ کے مطالب کے ساتھ کامل مناسبت رکھتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱) طٰهٰ ۚ	طہٰ

(۲)مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۙ	ہم نے قرآن کو تجھ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو خود کو مشقت میں ڈالدے۔
(۳)اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۙ	اسے تو صرف ان لوگوں کی یاد آوری اور تذکرہ کیلئے نازل کیا ہے کہ جو (خدا سے) ڈرتے ہیں۔
(۴)تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَ السَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ؕ	یہ قرآن اس کی طرف سے نازل ہوا ہے جو زمین اور بلند آسمانوں کا خالق ہے۔
(۵)اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی	وہ خدائے رحمٰن ہے کہ جو عرش پر مسلّط ہے۔
(۶)لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا وَ مَا تَحۡتَ الثَّرٰی	جو کچھ آسمانوں میں، زمین میں، ان دونوں کے درمیان اور زمین کی گہرائیوں میں موجود ہے سب اُسی کا ہے۔
(۷)وَ اِنۡ تَجۡہَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّہٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی	اگر تم اونچی آواز سے بات کرو گے (یا پوشیدہ طور پر) تو وہ تمام چھپی ہوئی اور خفیہ ترین باتوں کو بلکہ خفیہ ترین باتوں کو جانتا ہے۔
(۸)اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی	وہی خدا ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسکے اچھے اچھے نام ہیں۔

شان نزول

مذکورہ بالا ابتدائی آیات کی شان نزول میں بہت سی روایات بیان ہوئی ہیں کہ جن سے مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ وحی و قرآن کے نازل ہونے کے بعد بہت ہی زیادہ عبادت کرنے لگے تھے خاص طور پر کھڑے کھڑے عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آ گئے تھے۔

تو مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں اور آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اپنے اوپر اتنی مشقت نہ ڈالیں۔

تفسیر

خودکو اتنا مشقت میں نہ ڈالو

اس سورہ کے آغاز میں ہمیں پھر حروف مقطعہ کا سامنا ہے جو انسان کے احساس جستجو کو ابھارتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے''طٰہ'' پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نام ہے اور اس کا معنی ہے۔

''اے وہ شخص کہ جو حق کا طالب اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا ہے''۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ''طه''دو رمزی حروف کا مرکب ہے ''طا''''طالب الحق''کی طرف اشارہ ہے اور ''ھا'' ''هادی الیه'' کی طرف ہم جانتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں بھی اور موجودہ زمانہ میں بھی رمزی حروف اور مختصر علامات سے استفادہ ہوتا رہا ہے خاص طور پر ہمارے زمانہ میں تو اس سے بہت ہی استفادہ کیا جاتا ہے۔

لفظ ''طه'' نے لفظ ''یٰسین''کی طرح زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تدریجاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم خاص کی صورت اختیار کر لی ہے یہاں تک کہ آل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آل طٰہ بھی کہا جاتا ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام کو دعائے ندبہ میں ''یابن طه'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) اس آیت میں پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ہم نے قرآن تجھ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دے۔

یہ ٹھیک ہے کہ پروردگار کی عبادت اور اس کے قرب کی جستجو اس کی پرستش کے ذریعہ بہترین کام ہے لیکن ہر کام ایک حساب سے ہوتا ہے عبادت بھی ایک حساب سے کی جاتی ہے تم خود پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ تمہارے پاؤں متورم ہو جائیں اور تبلیغ و جہاد کیلئے تمہاری قوت میں کمی آ جائے۔

(۳) اس آیت میں قرآن کے نازل کرنے کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ہم نے تو قرآن کو صرف ان لوگوں کی یاد آوری اور تذکر کیلئے نازل کیا ہے کہ جو خدا سے ڈرتے ہیں۔

''من یخشی'' کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ جب تک انسان میں ایک قسم کا احساس ذمہ داری و جواب دہی نہ ہو۔اس وقت تک وہ حقائق کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا کیونکہ قبول کرنے والی صلاحیت ہر سچ کے بار آور ہونے میں بھی شرط ہے اور درحقیقت یہ تعبیر اس چیز کے مشابہ ہے کہ جو سورہ بقرہ کی ابتداء میں بیان ہوئی ہے

(۴) اس کے بعد اس خدا کا تعارف کرواتا ہے کہ جو قرآن کو نازل کرنے والا ہے تاکہ اس کی معرفت کے ذریعے قرآن کی عظمت آشکار ہو لہٰذا ارشاد ہوتا ہے یہ قرآن اس کی طرف سے نازل ہوا ہے کہ جو زمین اور بلند آسمانوں کا خالق ہے۔

حقیقت میں یہ توصیف نزول قرآن کی ابتداء اور انتہا کی طرف اشارہ کر رہی ہے اس کی انتہا زمین ہے اور ابتداء آسمان

ہیں۔

(۵) پھر قرآن کے نازل کرنے والے پروردگار کا تعارف جاری رکھتے ہوئے قرآن کہتا ہے وہ خدا رحمٰن ہے کہ جس کی رحمت کا فیض ہر جگہ پر محیط ہے اور وہ عرش پر مسلط ہے۔

"استوی علی العرش" پروردگار کے جہان ہستی پر تسلط اور مکمل احاطہ اور سارے عالم میں اس کی تدبیر وفرمان کے نفوذ کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) عالم ہستی پر خدا کی حاکمیت کا ذکر کرنے کے بعد اس کی مالکیت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جو کچھ آسمانوں میں زمین میں ان دونوں کے درمیان اور زمین کی گہرائیوں میں موجود ہے سب اسی کی ملکیت ہے۔

(۷) اس آیت میں اسکے چوتھے رکن یعنی اس کی عالمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے وہ اس قدر علمی احاطہ رکھتا ہے کہ اگر تو آشکار بات کرے تو بھی وہ جانتا ہے اور پوشیدہ اور آہستہ طور پر بات کرے تب بھی وہ جانتا ہے یہاں تک کہ وہ مخفی سے مخفی تر بات سے بھی آگاہ ہے۔

(۸) مذکورہ بالا تمام آیات سے قرآن کے نازل کرنے والے کے بارے میں چار صفات یعنی خلقت حکومت مالکیت اور علم سے متعلق اجمالی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں قرآن کہتا ہے وہی اللہ وہ خدا ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اس کیلئے اچھے اچھے نام اور صفات ہیں۔

یہ تعبیر دراصل اچھے ناموں کے معنی میں ہے یہ بات محتاج ثبوت نہیں کہ خدا کے سب ہی نام اچھے ہیں لیکن خدا کے اسماء و صفات میں سے بعض نام کیونکہ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں لہٰذا وہ اسماء حسنیٰ کہلاتے ہیں۔

(۹) وَ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى وقف لازم	اور کیا موسیٰ کی خبر تم تک پہنچی ہے۔
(۱۰) اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى	جب اسے (دور سے) آگ دکھائی دی تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: کہ تم (تھوڑی دیر کیلئے) رُک جاؤ، میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے لئے اس میں سے ایک چنگاری لے آؤں یا اس آگ کے ذریعے راستہ معلوم کرلوں۔
(۱۱) فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ط	جس وقت وہ آگ کے پاس آیا تو اسے ندا دی گئی: اے موسیٰ!

(۱۲)اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ۚ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ؕ	میں تیرا پروردگار ہوں۔ اپنے جوتے اتار دے، کیونکہ تو مقدس سرزمین ''طوی'' میں ہے
(۱۳)وَ اَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی	اور میں نے تجھے (مقامِ رسالت کیلئے) منتخب کر لیا ہے۔اب جو کچھ بھی تیری طرف وحی کی جائے اسے غور سے سن۔
(۱۴)اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ	میں اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کیلئے نماز قائم کر۔
(۱۵)اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی	قیامت (حتماً) آئے گی میں اسے اس لئے چھپا کر رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص اپنی سعی و کوشش کے بدلے اپنی جزا دیکھ لے۔
(۱۶)فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنْھَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِھَا وَ اتَّبَعَ ھَوٰہُ فَتَرْدٰی	اور جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے، تجھے ہرگز اس سے باز نہ رکھیں ورنہ تو ہلاک ہو جائیگا۔

تفسیر

بیابان میں آگ کا شعلہ

یہاں سے خدا کے عظیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان شروع ہوتی ہے اسّی (۸۰) سے زیادہ آیات میں ان پر گزرنے والے واقعات کے اہم حصوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے تاکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کیلئے جوان دنوں مکہ میں دشمنوں کی طرف سے سخت دباؤ میں تھے یہ داستان تسلی اور دلاسے کا کام دے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ یہ شیطانی طاقتیں خدا کی قدرت کے مقابلے میں ٹھہرنے کی تاب نہیں رکھتیں اور ان کی یہ سب سازشیں نقش بر آب ہیں۔

ان آیات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلے حصہ میں............حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و بعثت کے آغاز اور وحی کی پہلی شعاعوں کا بیان ہے۔

دوسرے حصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف سے فرعون اور اس کے حواریوں کوتوحید پرستی کے دین کی دعوت دینے کا ذکر ہے۔

تیسرے حصہ میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے اور فرعون اور اس کے حواریوں کے چنگل سے ان کے نجات پانے کی کیفیت اور دشمنوں کے غرق ہونے کا تذکرہ ہے۔

چوتھے حصہ میں۔ بنی اسرائیل کے دین توحید سے شرک کی طرف بڑی تیزی سے انحراف کرنے اور سامری کے وسوسوں کو قبول کرنے کا ذکر ہے۔

اب ہم زیر بحث آیات کی طرف کہ جو پہلے حصے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں متوجہ ہوتے ہیں زیر نظر پہلی آیت کہتی ہیں کیا تمہیں موسیٰ کی خبر پہنچی ہے۔

(۱۰) اس کے بعد فرمایا گیا ہے جب اسے دور سے آگ دکھائی دی تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم تھوڑی دیر کیلئے رک جاؤ میں نے آگ دیکھی ہے میں اس کی طرف جاتا ہوں شاید میں اس سے تمہارے لئے ایک چنگاری لے آؤں یا اس آگ کے ذریعے راستہ معلوم کرلوں۔

(۱۱) جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس آئے تو ایک آواز سنی جو انہیں مخاطب کر کے کہہ رہی تھی اے موسیٰ علیہ السلام!

(۱۲) میں تیرا پروردگار ہوں اپنے جوتے اتار دے کیونکہ تو مقدس سرزمین طویٰ میں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز کہ میں تیرا پروردگار ہوں سنی تو حیران رہ گئے اور ایک ناقابل بیان پرکیف حالت ان پر طاری ہوگئی۔

حکم ملا کہ پاؤں سے اپنا جوتا اتار دو کیونکہ تو نے مقدس سرزمین میں قدم رکھا ہے وہ سرزمین کہ جس میں نور الٰہی جلوہ گر ہے وہاں خدا کا پیغام سننا ہے اور رسالت کی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے لہٰذا انتہائی خضوع اور انکساری کے ساتھ اس سرزمین میں قدم رکھو یہ ہے دلیل پاؤں سے جوتا اتارنے کی۔

(۱۳) اس کے بعد اسی کہنے والے سے یہ بات بھی سنی اور میں نے تجھے مقام رسالت کیلئے چن لیا ہے اب جو بھی وحی تیری طرف ہوتی ہے اسے غور سے سنو۔

(۱۴) اور اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے وحی کا پہلا جملہ اس صورت میں حاصل کیا۔ میں اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

اب جبکہ یہ بات ہے تو صرف میری ہی عبادت کر ایسی عبادت کہ جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہو۔ اور نماز قائم کرتا کہ ہمیشہ میری یاد میں رہے۔

اس آیت میں انبیاء کی دعوت کی اہم ترین بنیاد یعنی مسئلہ توحید کو بیان کرنے کے بعد خدائے یگانہ کی عبادت کا موضوع ایمان وتوحید کے درخت کے ایک ثمر کے عنوان سے بیان ہوا ہے اور اس کے بعد عظیم ترین عبادت اور خلق کا خالق کے ساتھ اہم ترین

تعلق اور اس کی ذات پاک کو فراموش نہ کرنے کی موثر ترین راہ یعنی نماز کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱۵) اور چونکہ توحید اور اس کی فروعات کے ذکر کے بعد دوسرا بنیادی مسئلہ معاد ہے لہٰذا اس آیت میں قرآن کہتا ہے قیامت یقیناً آئے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے مخفی رکھوں تاکہ ہر شخص اپنی سعی وکوشش کے مطابق جزا پائے۔

زیر بحث آیت کے مطابق قیامت کو مخفی رکھنے کی علت وسبب یہ ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی وکوشش کے مطابق جزا دے دوسرے لفظوں میں ایک قسم کی آزادی عمل پیدا ہوگی۔

(۱۶) آخری زیر بحث آیت میں ایک اساسی مسئلے کی طرف کہ جو تمام مذکورہ عقیدتی اور تربیتی پروگراموں کے اجراء کا ضامن ہے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے تجھے ہرگز اس سے باز نہ رکھیں ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔

تم بے ایمان لوگوں ان کے وسوسوں اور کاموں میں رکاوٹیں ڈالنے کے مقابلے میں مضبوطی سے کھڑے ہو جاؤ نہ تو ان کی کثرت سے وحشت زدہ ہو نہ ان کی سازشوں سے کسی قسم کا خوف کرو اور نہ ہی ان کی اس ہاؤ ہو اور شور وغل سے اپنی دعوت کی حقانیت اور اپنے مکتب کی اصالت میں کسی قسم کا شک وشبہ کرو۔

(۱۷) وَ مَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی	اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟
(۱۸) قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی	کہا: یہ میرا عصا ہے میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اس سے اپنی بھیڑوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے اپنی دوسری ضروریات کو بھی پورا کرتا ہوں۔
(۱۹) قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی	(اللہ نے) کہا: اے موسیٰ اپنے عصا کو نیچے پھینک دے۔
(۲۰) فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی	پس (موسیٰ نے) اسے پھینکا تو وہ اچانک ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا۔ اور دوڑنے لگا۔
(۲۱) قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ٙ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی	فرمایا: اسے پکڑ لے اور ڈر نہیں۔ ہم اسے اس کی پہلی صورت پر پلٹا دیں گے
(۲۲) وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ۙ	اور اپنا ہاتھ اپنی بغل کے اندر لے جا تو وہ بے عیب سفید اور چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دوسرا معجزہ ہے۔

(۲۳) لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۚ	ہم چاہتے ہیں کہ اپنی بڑی بڑی نشانیاں تجھے دکھائیں۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا

اس میں شک نہیں کہ انبیاء کو اپنا خدا کے ساتھ ربط ثابت کرنے کیلئے معجزے کی ضرورت ہے ورنہ ہر شخص پیغمبری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمان نبوت ملنے کے بعد اس کی سند بھی ملنی چاہئے لہٰذا اسی پر خطرات جناب موسیٰ علیہ السلام نے دو عظیم معجزے خدا سے حاصل کئے۔

قرآن اس ماجرے کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔

(۱۸) موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا یہ لکڑی میرا عصا ہے۔

اور چونکہ محبوب نے ان کے سامنے پہلی مرتبہ یوں اپنا دروازہ کھولا تھا لہٰذا وہ اپنے محبوب سے باتیں جاری رکھنا اور انہیں طول دینا چاہتے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ شاید وہ یہ سوچ رہے تھے کہ یہ میرا صرف یہ کہنا کہ یہ میرا عصا ہے کافی نہ ہو بلکہ اس سوال کا مقصد اس عصا کے آثار و فوائد کو بیان کرنا ہو لہٰذا مزید کہا میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں۔

اور اس سے اپنی بھیڑوں کیلئے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں۔

اس کے علاوہ میں اس سے دوسرے کام بھی لیتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک گہرے تعجب میں تھے کہ اس عظیم بارگاہ سے یہ کس قسم کا سوال ہے اور میرے پاس اس کا کیا جواب ہے پہلے جو فرمان دیئے گئے تھے وہ کیا تھا اور یہ پرسش کس لئے ہے؟

(۱۹) اچانک انہیں حکم دیا گیا اے موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا پھینک دے۔

(۲۰) موسیٰ علیہ السلام نے فوراً اسی وقت عصا پھینک دیا وہ اچانک ایک بہت بڑا سانپ بن گیا اور وہ چلنے پھرنے لگا۔

(۲۱) اس موقع پر موسیٰ کو حکم دیا گیا کہ اسے پکڑ لے اور ڈر نہیں ہم اسے اس کی اسی پہلی صورت میں پلٹا دیں گے۔

(۲۲) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا گیا ہے۔

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں لے جاؤ کہ سفید، چمکدار اور روشن ہو کر باہر آئے اور اس میں کوئی عیب و نقص نہ ہوگا اور یہ تمہارے لئے ایک دوسرا معجزہ ہے۔

(۲۳) پہلی آیات میں جو کچھ بیان کیا گیا اس سے نتیجہ نکالتے ہوئے آخری زیر بحث آیت میں فرمایا گیا ہے ہم نے ان کو

تیرے اختیار میں دے دیا ہے تا کہ ہم تجھے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔

"آیات کبری" سے مراد وہی دو اہم معجزے ہیں کہ جن کا اوپر ذکر آیا ہے۔

(۲۴)اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ؑ	فرعون کے پاس جا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔
(۲۵)قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِىۡ صَدۡرِىۡ ۙ	عرض کیا: پروردگارا! میرے سینہ کو کشادہ کردے،
(۲۶)وَ يَسِّرۡ لِىۡۤ اَمۡرِىۡ ۙ	میرے کام کو مجھ پر آسان کردے
(۲۷)وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِىۡ ۙ	اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے
(۲۸)يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِىۡ ۖ	تا کہ وہ میری باتوں کو سمجھیں۔
(۲۹)وَاجۡعَلۡ لِّىۡ وَزِيۡرًا مِّنۡ اَهۡلِىۡ ۙ	میرے خاندان میں سے میرا ایک وزیر قرار دے۔
(۳۰)هٰرُوۡنَ اَخِى ۙ	میرے بھائی ہارون کو۔
(۳۱)اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِىۡ ۙ	اس کے ذریعے میری کمر کو مضبوط کردے
(۳۲)وَ اَشۡرِكۡهُ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ۙ	اور اسے میرے کام میں شریک کردے
(۳۳)كَىۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا ۙ	تا کہ ہم تیری بہت بہت تسبیح کریں
(۳۴)وَّ نَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا ؕ	اور تجھے بہت بہت یاد کریں
(۳۵)اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا	کیونکہ تو ہمیشہ ہماری حالت سے آگاہ رہا ہے۔
(۳۶)قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى	فرمایا: اے موسیٰ تو نے جتنی درخواستیں کیں وہ سب کی سب تجھے عطا کردی گئیں

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام کے نپے تلے تقاضے

لیکن اس کے بعد ان کے نام فرمان رسالت صادر ہوتا ہے ایسی رسالت کہ جو بہت ہی عظیم اور سنگین ہے ایسی رسالت جو

علاقے کے طاقتور ترین اور خطرناک ترین لوگوں کو فرمان الٰہی پہنچانے سے شروع ہوتی ہے اللہ فرماتا ہے فرعون کی طرف جا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

ہاں ایک فاسد اور خراب شدہ ماحول کی اصلاح اور ہر جہت سے ایک انقلاب برپا کرنے کیلئے فساد کے سرغنوں اور کفر کے سربراہوں سے کام شروع کرنا چاہئے ایسے لوگوں سے کہ جو معاشرے کے تمام لوگوں میں اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔

(۲۵) موسیٰ علیہ السلام اس قسم کی سنگین ماموریت پر نہ صرف گھبرائے نہیں بلکہ معمولی سی تخفیف کیلئے بھی خدا سے درخواست نہ کی اور کھلے دل سے اس کا استقبال کیا زیادہ سے زیادہ اس ماموریت کے سلسلے میں کامیابی کے وسائل کی خدا سے درخواست کی۔

چونکہ کامیابی کا پہلا ذریعہ عظیم روح فکر بلند اور عقل توانا ہے اور دوسرے لفظوں میں سینہ کی کشادگی وشرح صدر ہے لہٰذا عرض کیا میرے پروردگار! میرا سینہ کشادہ کردے۔

(۲۶) چونکہ اس راستے میں بے شمار مشکلات ہیں جو خدا کے لطف وکرم کے بغیر حل نہیں ہوتیں لہٰذا خدا سے دوسرا سوال یہ کیا کہ میرے کاموں کو مجھ پر آسان کردے اور مشکلات کو رستے سے ہٹادے آپ نے عرض کیا میرے کام کو آسان کردے۔

(۲۷) اس کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ سے زیادہ قوت بیان کا تقاضا کیا کہنے لگے میری زبان کی گرہ کھول دے۔

(۲۸) اور خصوصیت کے ساتھ اس کی علت یہ بیان کی تاکہ وہ میری باتوں کو سمجھیں۔

یہ جملہ حقیقت میں پہلی آیت کی تفسیر کر رہا ہے اور اس سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ زبان کی گرہ کے کھلنے سے مراد یہ نہ تھی کہ موسیٰ کی زبان میں بچپنے میں جل جانے کی وجہ سے کوئی لکنت آ گئی تھی۔ بلکہ اس سے گفتگو میں ایسی رکاوٹ ہے جو سننے والے کیلئے سمجھنے میں مانع ہوتی ہے یعنی میں ایسی فصیح وبلیغ اور ذہن میں بیٹھ جانے والی گفتگو کروں کہ ہر سننے والا میرا مقصد اچھی طرح سے سمجھ لے۔

بہرحال ایک کامیاب رہبر ورہنما وہ ہوتا ہے کہ جو سعی فکر اور قدرت روح کے علاوہ ایسی فصیح وبلیغ گفتگو کر سکے کہ جو ہر قسم کے ابہام اور نارسائی سے پاک ہو۔

(۲۹) نیز اس بار سنگین کیلئے یعنی رسالت الٰہی رہبری بشر اور طاغوتوں اور جابروں کے ساتھ مقابلے کیلئے یار ومددگار کی ضرورت ہے اور یہ کام تنہا سرانجام دینا ممکن نہیں ہے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار سے جو چوتھی درخواست کی وہ یہ تھی خداوندا! میرے لئے میرے خاندان میں سے ایک وزیر اور مددگار قرار دے۔

(۳۰) اس کے بعد خصوصی طور پر اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا یہ ذمہ داری میرے بھائی ہارون کے سپرد کردے۔

ہارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور ان سے تین سال بڑے تھے بلند قامت فصیح البیان اور اعلیٰ علمی قابلیت کے مالک تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے تین سال پہلے رحلت فرمائی

وہ پیغمبر مرسل تھے۔ جنہیں خدا نے اپنی رحمت سے موسیٰ کو بخشا تھا

(۳۱) اس کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام کو وزارت و معاونت پر متعین کرنے کیلئے اپنے مقصد کو اس طرح بیان کرتے ہیں خداوندا! میری پشت ان کے ذریعے مضبوط کردے۔

(۳۲) اس مقصد کی تکمیل کیلئے یہ تقاضا کرتے ہیں اسے میرے کام میں شریک کردے۔

وہ مرتبہ رسالت میں بھی شریک ہو اور اس عظیم کام کو روبہ عمل لانے میں بھی شرکت کرے البتہ حضرت ہارون ہر حال میں تمام پروگراموں میں جناب موسیٰ کے پیرو تھے اور موسیٰ علیہ السلام ان کے امام و پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔

(۳۳) آخر میں اپنی تمام درخواستوں کا نتیجہ اس طرح بیان کرتے ہیں تا کہ ہم تیری بہت بہت تسبیح کریں۔

(۳۴) اور تجھے بہت بہت یاد کریں۔

(۳۵) کیونکہ تو ہمیشہ ہی ہمارے حالات سے آگاہ رہا ہے۔

(۳۶) چونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا اپنے مخلصانہ تقاضوں میں سوائے زیادہ سے زیادہ اور کامل تر خدمت کے اور کچھ مقصد نہیں تھا' لہٰذا خدا نے ان کے تقاضوں کو اسی وقت قبول کرلیا اس نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام! تمہاری تمام درخواستیں قبول ہیں۔

حقیقت میں ان حساس اور تقدیر ساز لمحات میں جس جس چیز کی انہیں ضرورت تھی ان کا خدا سے اکٹھا ہی تقاضا کرلیا' اور اس نے بھی مہمان کا انتہائی احترام کیا اور اس کی تمام درخواستوں اور تقاضوں کو ایک مختصر سے جملے میں حیات بخش ندا کے ساتھ قبول کرلیا اور اس میں کسی قسم کی قید و شرط عائد نہ کی۔

(۳۷) وَ لَقَدۡ مَنَنَّا عَلَیۡکَ مَرَّۃً اُخۡرٰۤی ۙ	اور ایک مرتبہ اور بھی ہم نے تم پر احسان کیا تھا،
(۳۸) اِذۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّکَ مَا یُوۡحٰۤی ۙ	اس وقت جب ہم نے تیری ماں کو وہ وحی کی تھی جس کی اسے ضرورت تھی۔
(۳۹) اَنِ اقۡذِفِیۡہِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡہِ فِی الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِہِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡہُ عَدُوٌّ لِّیۡ وَ عَدُوٌّ لَّہٗ ؕ وَ اَلۡقَیۡتُ عَلَیۡکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیۡ ۚ وَ لِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ ۘ وقف لازم	کہ تم اسے (موسیٰ کو) صندوق میں ڈال دو اور اس صندوق کو دریا میں بہا دو، تو دریا اسے کنارے پر جا لگائے گا۔ (وہاں سے) میرا دشمن اور اس کا دشمن اُسے اٹھا لے گا اور میں نے اپنی طرف سے اس کے دل میں محبّت ڈال دی تھی تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش کئے جاؤ۔

(۴۰)اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُکَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَنْ یَّکْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰکَ اِلٰٓی اُمِّکَ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰکَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰکَ فُتُوْنًا ۬ؕ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ ۬ؕ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی	اسوقت جبکہ تیری بہن (فرعون کے محل کے پاس) چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی: کیا میں تمہیں ایک ایسے گھر کی نشاندہی کروں جو اس نومولود بچہ کی کفالت کرے (اور وہاں اس کیلئے ایک اچھی دایہ ہے)۔تو پھر ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں تجھ سے ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو اور تو نے (فرعونیوں میں سے) ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے تجھے غم و اندوہ سے نجات دی اور تجھے ہر طرح سے آزمایا۔اسکے بعد تو کئی سال مدین کے لوگوں کے درمیان رہا۔پھر ایک معین وقت پر (فرمانِ رسالت کے حصول کیلئے) تو اس جگہ آیا۔
(۴۱)وَ اصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ ۚ	اور میں نے تیری اپنے لئے پرورش کی۔

تفسیر

کتنا مہربان خدا ہے!

ان آیات میں خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایک اور حصے کی طرف اشارہ کر رہا ہے جوان کے بچپن کے دور اور فرعونیوں کے غیض وغضب سے معجزانہ طور پر نجات پانے سے متعلق ہے اگر چہ تاریخی تسلسل کے لحاظ سے یہ حصہ زندگی رسالت ونبوت کے زمانے سے پہلے تھا لیکن چونکہ موسیٰ علیہ السلام پر خدا کی نعمتوں کا موسیٰ علیہ السلام کی آغاز عمر سے بیان ہو رہا تھا لہٰذا اہمیت کے اعتبار سے اسے موضوع رسالت سے دوسرے درجہ پر رکھا گیا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے اے موسیٰ! ہم نے تجھ پر ایک مرتبہ پہلے بھی احسان کیا تھا اور تجھ کو اپنی نعمتوں سے نوازا تھا۔

(۳۸) اس اجمال کے ذکر کے بعد اس کی تفصیل شروع کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

اس وقت جبکہ ہم نے تیری ماں کو وہ وحی کی تھی جس وحی کی اس وقت ضرورت تھی۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس روز موسیٰ کے فرعونیوں کے چنگل سے نجات پانے کیلئے جس قدر رہنمائی کی ضرورت تھی وہ سب ہم نے موسیٰ کی ماں کو تعلیم کر دی تھی۔

(۳۹) فرعون نے بنی اسرائیل کو بڑی سختی کے ساتھ دبایا ہوا تھا خاص طور پر اس نے حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کے

لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کردو اور لڑکیوں کو کنیزی کے لئے باقی رکھو۔اس نے یہ حکم اس بچے کو وجود میں آنے سے روکنے کیلئے کہ جس کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی ہوئی تھی کہ وہ بنی اسرائیل سے اٹھے گا اور فرعون کا تخت حکومت الٹ کے رکھ دے گا۔

بہر حال ماں نے محسوس کیا کہ اس کے نومولود بچے کی جان خطرے میں ہے اور اسے وقتی طور پر مخفی رکھنے سے بھی مشکل حل نہیں ہوگی۔ایسے وقت میں اس خدا نے کہ جس نے اس بچے کو ایک عظیم قیام کیلئے نامزد کیا ہوا ہے اس ماں کے دل میں الہام کیا کہ اسے اب ہمارے حوالے کر دو اور دیکھتی رہو کہ ہم اس کی کس طرح حفاظت کریں گے اور اسے تیری طرف واپس لوٹا دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل پر یہ الہام ہوا تم اسے ایک صندوق میں ڈال دو اور صندوق کو دریا میں ڈال دو۔

لفظ ''تابوت'' لکڑی کے صندوق کے معنی میں ہے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ ہمیشہ اس صندوق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس میں مردوں کو رکھا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے دریا اس بات پر مامور ہے کہ اس کو ساحل پر ڈال دے تاکہ آخر کار میرا دشمن بھی اور اس کا دشمن بھی اسے اٹھا لے (اور اپنے دامن میں اس کی پرورش کرے۔

موسیٰ علیہ السلام کو اس نشیب وفراز سے پر راستے میں ایک ڈھال کی ضرورت تھی لہٰذا خدا نے اپنی محبت کا سایہ ان پر ڈال دیا اس طرح سے کہ جو بھی انہیں دیکھے فریفتہ اور گرویدہ ہو جائے نہ صرف یہ کہ ان کے قتل کئے جانے پر راضی نہ ہو بلکہ وہ اس بات پر بھی راضی نہ ہو کہ ان کا کوئی بال بھی بیکا ہو جائے جیسا کہ قرآن ان آیات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے۔

میں نے اپنی طرف سے تیرے اوپر محبت ڈال دی۔

کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی دایہ آل فرعون میں سے تھی اور اس کا یہ پکا ارادہ تھا کہ اس کی ولادت کی خبر جا بر فرعون کے دربار میں جا کر دے لیکن جب اس کی نگاہیں پہلی مرتبہ نومولود کی آنکھوں پر پڑیں تو اسے ایسے لگا جیسے اس کی آنکھوں میں ایک بجلی کوندگئی ہو جس نے دایہ کے دل کو روشن ومنور کر دیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی فریفتہ ہوگئی اور ہر قسم کا برا ارادہ اس کے دماغ سے نکل گیا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اس سے مقصد یہ تھا کہ تو میرے حضور میں اور میرے ہی علم کی نگاہوں کے سامنے پرورش پائے۔

(۴۰) فرعون کا محل دریائے نیل کے ایک کنارے پر بنا ہوا تھا۔اس وقت فرعون اور اس کی بیوی پانی کے کنارے دریا کی لہروں کا نظارا کر رہے تھے۔اچانک اس پر اسرار صندوق نے ان کی توجہ اپنی طرف موڑ لیا۔اس وقت فرعون نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ صندوق کو پانی سے نکال لائیں جب صندوق کو کھولا گیا تو انہوں نے انتہائی تعجب کے ساتھ اس میں ایک خوبصورت نومولود بچے کو دیکھا اور یہ ایسی چیز تھی کہ جس کا انہیں گمان تک بھی نہ تھا۔

فرعون کو خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ نومولود بچہ ضروری طور پر بنی اسرائیل میں سے ہے جو مامورین دربار کے خوف سے اس قسم کے انجام سے دوچار ہوا ہے لہٰذا اس نے اس کے قتل کرنے کا حکم دے دیا لیکن اس کی بیوی جو بانجھ تھی وہ بچے کی محبت میں گرفتار ہوگئی اور ایک

ایسی پراسرار شعاع اس نومولود بچہ کی آنکھ سے نکلی جو اس عورت کے دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی اور اسے اپنا گرویدہ اور فریفتہ بنالیا۔ اس نے فرعون کا دامن پکڑلیا وہ کہہ رہی تھی یہ بچہ تو آنکھ کی ٹھنڈک ہے اس نے تقاضا کیا کہ وہ اس بچے کے قتل سے باز آجائے۔آخرکار وہ بڑے اصرار سے اپنی بات کو بادشاہ کے دل میں بٹھانے میں کامیاب ہوگئی۔

دوسری طرف بچے کو بھوک لگ گئی وہ دودھ کیلئے بے چین تھا رو رہا ہے' آنسو بہا رہا ہے لیکن وہ جس دایہ کو بھی لے کر آئے نومولود نے اس کا دودھ پینے سے انکار کردیا۔

اب ہم باقی داستان آیات کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

ہاں !اے موسیٰ ہم نے یہ مقدر کردیا تھا کہ تم ہماری علم کی نگاہوں کے سامنے پرورش پاؤ اس وقت جب کہ تمہاری بہن فرعون کے محل کے پاس سے چلی جارہی تھی اور ماں کے حکم کے مطابق تیرے حالات کی نگرانی کررہی تھی۔

وہ فرعون کے مامورین سے کہنے لگی کیا میں تمہیں ایک ایسی عورت کا تعارف کراؤں جو اس نومولود کی سرپرستی کرسکے۔

اور شاید اس نے یہ بھی کہا کہ اس عورت کا دودھ پاک و پاکیزہ ہے اور مجھے اطمینان ہے کہ یہ نومولود بچہ اس کا دودھ پی لے گا۔

مامورین دربار اس پر بہت خوش ہوئے اور اس امید پر کہ شاید جس کی انہیں تلاش ہے' اس طریقے سے وہ مل جائے اس کے ساتھ چل پڑے۔موسیٰ علیہ السلام کی بہن جو خود کو ایک اجنبی ظاہر کررہی تھی اس نے ماں کو ساری سرگزشت سے آگاہ کیا ماں بھی اپنے ہوش و حواس کو قائم رکھتے ہوئے محبت اور امید کا ایک طوفان دل میں لئے فرعون کے دربار میں آپہنچی۔انہوں نے بچہ اس کی گود میں ڈال دیا بچے نے ماں کی خوشبو سونگھی۔آشنا خوشبو۔اچانک اس کے پستان کو جام شیریں کی طرح پکڑ لیا اور انتہائی شوق اور رغبت کے ساتھ دودھ پینے میں مشغول ہوگیا۔حاضرین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور فرعون کی بیوی کی آنکھیں بھی خوشی اور شوق سے چمک اٹھیں۔

فرعون نے بچے کو اس کے سپرد کردیا اور اسکی بیوی نے اس کی حفاظت و نگرانی کی بہت زیادہ تاکید کی اور اسے حکم دیا کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بچہ اسے دکھانے کیلئے لایا کرے۔

اس مقام پر قرآن کہتا ہے ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں تیری وجہ سے ٹھنڈی رہیں اور اس کے دل میں کوئی غم نہ آنے پائے۔

سالہا سال گزر گئے اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے لطف و محبت کے سائے اور امن و امان کے ماحول میں پرورش پائی اور رفتہ رفتہ وہ جوان ہونے لگے۔

ایک دن موسیٰ ایک راستے سے گزر رہے تھے کہ دو آدمیوں کو اپنے سامنے لڑتے جھگڑتے دیکھا ان میں سے ایک بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا قبطیوں (مصریوں اور فرعون کے ہواخواہوں) میں سے۔حضرت موسیٰ اس کی مدد کیلئے لپکے اور اس کا دفاع کرتے ہوئے اک زوردار مکا قبطی کو رسید کیا لیکن مظلوم کے دفاع میں یہ مکا کسی نازک جگہ پر جا لگا اور اس ایک مکے سے قبطی کا کام تمام

ہوگیا۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بعض دوستوں کی نصیحت کے مطابق' پوشیدہ طور پر مصر سے باہر نکل گئے اور مدین کی طرف چل پڑے۔ وہاں حضرت شعیب پیغمبر کے پاس امن وامان کا ایک ماحول مل گیا جس کی تفصیل انشاءاللہ سورہ قصص کی تفسیر میں آئے گی۔

اس مقام پر قرآن کہتا ہے تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور غم واندوہ میں ڈوب گیا لیکن ہم نے تجھے اس غم واندوہ سے نجات بخشی۔

اس کے بعد ہم نے تجھے حادثات کے ذریعہ یکے بعد دیگرے آزمایا۔

پھر تو سالہا سال مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا۔

یہ طولانی راستہ طے کرنے اور روحانی وجسمانی طور پر آمادہ ہونے اور احادیث کے طوفانوں سے کامیابی وکامرانی کے ساتھ باہر نکلنے کے بعد تو اس زمانہ میں کہ جو فرمان رسالت لینے کیلئے مقدر تھا یہاں آیا۔

(۴۱) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے میں نے تجھے اپنے لئے پرورش کیا اور بنایا سنوارا ہے۔ میں نے تیری پرورش وحی حاصل کرنے کی سنگین ذمہ داری کیلئے رسالت قبول کرنے کیلئے اور اپنے بندوں کی ہدایت و رہبری کیلئے کی ہے اور میں نے تجھے حادثات کی کٹھالیوں میں آزمایا ہے تجھے قوت وطاقت عطا کی ہے اور اب جبکہ یہ عظیم ذمہ داری تیرے کندھے پر ڈالی جارہی ہے تو تو ہر طرح سے تیار ہو چکا ہے اور بنایا سنوارا جا چکا ہے۔

(۴۲) اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۚ	تو اور تیرا بھائی (دونوں) میری آیات کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور میری یاد میں کوتاہی نہ کرو۔
(۴۳) اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖۚ	تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔
(۴۴) فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى	لیکن اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ متوجہ ہو یا (خدا سے) ڈرے۔
(۴۵) قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى	(موسیٰ و ہارون) دونوں نے کہا: پروردگارا! ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا۔
(۴۶) قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى	فرمایا: ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں، میں (ہر چیز کو) سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

(۴۷)فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى	تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو ہم تیرے (پروردگار کے) بھیجے ہوئے (رسول) ہیں۔ پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان پر تشدد و آزار نہ کر۔ ہم تیرے پروردگار کی طرف سے تیرے لئے واضح نشانی لے کر آئے ہیں اور سلام و درود ہو اس پر کہ جو ہدایت کی پیروی کرے۔
(۴۸)اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى	(اس سے کہو) کہ ہماری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ اس شخص پر عذاب ہوگا کہ جو (آیاتِ الٰہی) کو جھٹلائے گا اور روگردانی کرے گا۔

تفسیر

جابر فرعون کے ساتھ پہلی ٹکر

اب جب کہ تمام چیزیں مہیا ہو چکی ہیں اور تمام ضروری وسائل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہو چکے ہیں تو انہیں اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تو اور تیرا بھائی دونوں جو آیات میں نے تمہیں دی ہیں ان کے ساتھ اب نکل پڑو۔

وہ آیات جن میں موسیٰ علیہ السلام کے یہ دو عظیم معجزے بھی اور پروردگار کی وہ تمام نشانیاں تعلیمات اور وہ سارے پروگرام بھی شامل ہیں کہ جو خود بھی اس کی دعوت کی حقانیت بیان کرتے ہیں۔

اور ان کی روحانی تقویت کیلئے اور زیادہ سے زیادہ سعی و کوشش کی تاکید کرنے کی خاطر مزید فرمایا میرے ذکر اور میری یاد اور میرے احکام کے اجراء میں سستی نہ کرنا۔

کیونکہ سستی اور قاطعیت کو ترک کرنا تمہاری ساری زحمتوں کو برباد کر دے گا۔ لہٰذا مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور کسی بھی حادثہ سے ہراساں نہ ہو اور کسی بھی طاقت کے مقابلہ میں سستی اور کمزوری نہ دکھاؤ۔

(۴۳) اس کے بعد ان کے بھیجنے کا اصل مقصد اور وہ خاص بات کہ جس کی طرف انہیں توجہ رکھنا ہے بیان کرتے ہوئے فرمایا تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

اس وسیع و عریض سرزمین کی عام بدبختیوں کا عامل اور اصل سبب وہی ہے اور جب تک اس کی اصلاح نہ ہوگی کوئی کام نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی قوم کی پیشرفت یا پسماندگی اور خوش بختی یا بدبختی کا اصل عامل ہر چیز سے زیادہ اس قوم کے رہنما اور سردار ہی ہوا کرتے ہیں۔

(۴۴)اس کے بعد آغاز کار میں فرعون سے ملاقات کے موثر طریقے کی تشریح اس طرح کی گئی ہے اس غرض سے کہ تم اس پر اثر انداز ہوسکو۔نرم انداز سے اس سے گفتگو کرنا شاید وہ متوجہ ہو یا خدا سے ڈرے۔

(۴۵)لیکن اس کے باوجود موسیٰؑ و ہارون اس بات پر پریشان تھے کہ کہیں یہ سرکش وطاقتور اور مستکبر شخص جس کی سخت گیری اور سخت مزاجی کا ہر جگہ چرچا ہے اس سے پہلے کہ موسیٰ و ہارونؑ اسے دعوت دیں وہ پیش قدمی کرتے ہوئے انہیں ختم ہی نہ کر دے۔لہٰذا عرض کی پروردگارا! ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ہماری بات سننے سے پہلے ہی ہمیں سزا دینے کا حکم صادر نہ کر دے اور تیرا پیغام اس کے اور اس کے مصاحبین کے کانوں تک پہنچنے ہی نہ پائے یا سننے کے بعد سرکشی کرنے لگے۔

(۴۶)لیکن خدا نے قطعی انداز میں ان سے فرمایا تم بالکل نہ ڈرو میں خود تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔

اس بناء پر ایسے خدائے توانا کے ہوتے ہوئے کہ جو ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے اور اسی وجہ سے ہر چیز اور ہر بات کو سنتا ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے اور تمہارا حامی و مددگار ہے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۴۷)اس کے بعد اپنی دعوت کو فرعون کے سامنے پیش کرنے کی کیفیت انتہائی باریکی کے ساتھ پانچ مختصر، قاطع اور پر معنی و مطلب جملوں میں بیان فرماتا ہے ان میں سے ایک اصل ماموریت کا معنی ومفہوم اور مطلب بتلایا گیا ہے تیسرے میں دلیل وسند کا بیان ہے چوتھے میں قبول کرنے والوں کو شوق دلایا گیا ہے اور پانچویں اور آخری جملہ میں مخالفت کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے۔

پہلے کہتا ہے تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے (بھیجے ہوئے) رسول ہیں۔

دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور انہیں اذیت وتکلیف نہ پہنچا۔

پھر اپنی دلیل اور ثبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خدا کہتا ہے کہ اس سے کہو ہم تیرے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے نشانی اور دلیل لے کر آئے ہیں۔

ہم بیہودہ اور فضول بات نہیں کرتے اور بغیر دلیل کے کوئی گفتگو نہیں کرتے۔لہٰذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ کم سے کم ہماری باتوں پر غور تو کرے اور اگر ٹھیک ہو تو انہیں قبول کرے۔

اس کے بعد مومنین میں شوق پیدا کرنے کیلئے مزید ارشاد ہوتا ہے جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں ان پر سلام ہے۔

یہ جملہ ممکن ہے کہ ایک دوسرے معنی کی طرف بھی اشارہ ہو اور وہ یہ کہ اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی تکلیف رنج خدا کے دردناک عذاب اور انفرادی واجتماعی زندگی کی مشکلات سے سلامتی صرف انہیں لوگوں کیلئے ہے جو خدائی ہدایت کی پیروی کرتے ہیں اور درحقیقت یہ موسیٰؑ کی دعوت کا آخری نتیجہ ہے۔

(۴۸)انہیں حکم دیا گیا کہ آخر میں اس دعوت سے روگردانی کا برا انجام بھی اسے سمجھا دیں اور اس سے کہیں کہ ہماری طرف وحی ہوئی ہے کہ عذاب الٰہی ان لوگوں کے دامن گیر ہوگا کہ جو اس کی آیات کو جھٹلائیں گے اور اس کے فرمان سے روگردانی کریں گے۔

یہ ایک حقیقت ہے جو اس کے سامنے واشگاف الفاظ میں بیان کی جارہی ہے۔

(۴۹)قَالَ فَمَنۡ رَّبُّكُمَا يٰمُوۡسٰى	(فرعون نے) کہا: اے موسیٰ تمہارا پروردگار کون ہے؟
(۵۰)قَالَ رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى	(موسیٰ نے) کہا: ہمارا پروردگار تو وہ ہے جس نے ہر موجود کو وہ کچھ دیا جو اس کی خلقت کیلئے لازم تھا پھر اس کو ہدایت کی۔
(۵۱)قَالَ فَمَا بَالُ الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰى	اس نے کہا: پھر ہم سے پہلے لوگوں کا حال کیا ہوگا؟
(۵۲)قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ فِىۡ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّىۡ وَ لَا يَنۡسَى ۚ	موسیٰ نے کہا: ان کا علم میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں ثبت ہے۔ میرا پروردگار نہ تو گمراہ ہوتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے۔
(۵۳)الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّ سَلَكَ لَكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى	وہ خدا وہی تو ہے کہ جس نے زمین کو تمہارے لئے آرام و آسائش کی جگہ قرار دیا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا کہ جس کے ذریعے ہم نے انواع و اقسام کے نباتات (اندھیری خاک سے) نکالے۔
(۵۴)كُلُوۡا وَ ارۡعَوۡا اَنۡعَامَكُمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ۚ	تم خود اس میں سے کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ بیشک اس میں صاحبانِ عقل کیلئے واضح نشانیاں ہیں۔
(۵۵)مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى	ہم نے تمہیں اسی (خاک) سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تم کو پھر لوٹا دینگے اور اس سے تمہیں دوبارہ نکال کھڑا کریں گے۔

تفسیر

تمہارا پروردگار کون ہے؟

یہاں قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ گفتگو کو براہ راست بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔

جس وقت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے تو وہی مؤثر اور جچے تلے جملے جو خدا نے فرمان رسالت دیتے وقت انہیں تعلیم کئے تھے بیان کرنا شروع کر دیئے۔ جو کہ گذشتہ آیات میں گزر چکے ہیں۔

جس وقت فرعون نے یہ باتیں سنیں تو اس کا پہلا ردعمل یہ تھا کہ اس نے کہا اے موسیٰ! بتاؤ تمہارا پروردگار کون ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مغرور اور خودسر فرعون یہ تک کہنے کیلئے تیار نہ ہوا کہ میرا پروردگار کہ جس کے تم مدعی ہو کون ہے؟ بلکہ یہ کہا کہ تمہارا پروردگار کون ہے؟

(۵۰) موسیٰ نے فوراً ہی پروردگار کا بہت ہی جامع اور انتہائی مختصر تعارف کروایا۔

کہا ہمارا پروردگار تو وہی ہے جس نے ہر موجود کو وہ کچھ عطا کیا جو اس کی خلقت کا لازمہ تھا اور اس کے بعد مختلف مراحل ہستی میں اس کی رہبری اور ہدایت کی۔

اس مختصر سی گفتگو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام آفرینش اور عالم ہستی کے دو بنیادی اور اساسی اصولوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک معرفت پروردگار کیلئے ایک واضح اور مستقل دلیل ہے۔

موسیٰ علیہ السلام، فرعون کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہ عالم ہستی نہ تو تجھ میں منحصر ہے اور نہ ہی سرزمین مصر میں نہ آج کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی گزشتہ زمانہ سے۔

اس وسیع عالم کا گزشتہ زمانہ بھی تھا اور آئندہ بھی ہو گا گزشتہ زمانے میں نہ میں تھا اور نہ تو اور اس عالم کے دو بنیادی مسائل ہیں ایک ضروریات کو مہیا کرنا اور دوسرے موجودات کی پیش رفت کیلئے قوت اور وسائل کو بروئے کار لانا۔ یہ دونوں چیزیں تجھے ہمارے پروردگار سے اچھی طرح سے آشنا کرسکتی ہیں اور اس سلسلے میں تو جتنا زیادہ غور وفکر کرے گا اس کی عظمت وقدرت کے بیشمار دلائل تجھے ملتے چلے جائیں گے۔

(۵۱) فرعون نے یہ جامع اور عمدہ جواب سن کر ایک اور سوال پیش کیا اس نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر ہم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی ذمہ داری کیا ہوگی۔

(۵۲) بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ گزشتہ اقوام کے تمام امور میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں ثبت ہیں میرا پروردگار کبھی بھی انہیں سنبھال رکھنے میں گمراہ نہیں ہوتا اور نہ ہی بھولتا ہے۔

اس بناء پر ان کا حساب کتاب محفوظ ہے اور آخر کار وہ اپنے اعمال کی جزا یا سزا تک پہنچ جائیں گے۔

(۵۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کا ایک حصہ چونکہ مسئلہ توحید اور خداشناسی کے بارے میں تھا لہٰذا قرآن اس مقام پر ایک اور بات بھی کرتا ہے وہی خدا کہ جس نے زمین کو تمہارے لئے مہد آسائش بنایا اور اس میں راستے پیدا کئے اور آسمان سے پانی برسایا۔

ہم نے اس پانی کے ذریعے انواع واقسام کی مختلف نباتات مٹی سے نکالیں۔

اس ساری آیت میں خدا کی عظیم نعمتوں میں چار حصوں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ جو انسانی زندگی میں ضرورت اولیہ میں سے شمار ہوتا ہے۔

1۔ زمین کہ جو انسان کیلئے آرام وآسائش کا گہوارہ ہے۔

2۔ راستے جو خدا نے زمین میں پیدا کئے ہیں کہ جو اس کے تمام منطقوں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں۔

3۔ پانی جو مایہ حیات اور تمام برکات کا سرچشمہ ہے آسمان سے نازل فرمایا۔
4۔ چارے اور طرح طرح کی نباتات جو اس پانی کے ذریعے زمین سے اگتی ہیں۔
یہ چاروں عظیم نعمتیں انسانی زندگی کی سب سے اول اور سب سے مقدم ضرورتیں ہیں۔
(۵۴) آخر میں خدا کی ان تمام نعمتوں میں سے پانچویں اور آخری نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان نباتات سے حال ہونے والی چیزوں میں سے تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی ان میں سے غذا فراہم کرو۔
اور آخر میں جب ان تمام نعمتوں کی طرف اشارہ کر چکا تو فرماتا ہے ان چیزوں میں صاحبان عقل کیلئے واضح وروشن نشانیاں ہیں۔
یعنی ہر قسم کی فکر اور دانش ہی اس حقیقت کو سمجھ سکتی ہے۔
(۵۵) اس مناسبت سے کہ ان آیات کے توحید بیان میں زمین اور اس کی نعمتوں کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے معاد کو بھی آخری زیر بحث آیت میں اسی زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے فرماتا ہے اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں دوبارہ لوٹا دیں گے اور اسی سے تمہیں زندہ کر کے نکال کھڑا کریں گے۔

(۵۶) وَ لَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰی	ہم نے اپنی ساری نشانیاں اسے دکھائیں لیکن اس نے تکذیب کی اور انکار کیا۔
(۵۷) قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی	اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تو اس لے آیا ہے کہ ہمیں ہماری سرزمین سے اپنے اس جادو کے ذریعہ نکال باہر کرے؟
(۵۸) فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى	ہم بھی یقینی طور پر اسی جیسا جادو تیرے لئے لے آئیں گے۔ ابھی سے (اس کی تاریخ معیّن کر لے اور) ہمارے اور اپنے درمیان مدت مقرر کر لے کہ ہم اور تم دونوں جس کی خلاف ورزی نہ کریں، ایسی جگہ طے کرو جو سب کیلئے یکساں ہو۔
(۵۹) قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَ اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى	(موسیٰ نے) کہا: ہمارا تمہارا وعدہ زینت کے دن (روزِ عید) کا ہوا شرط یہ ہے کہ سب کے سب لوگ دن چڑھتے ہی جمع ہو جائیں۔

(۶۰)فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى	پس فرعون اس مجلس سے اٹھا اور اس نے اپنے تمام مکر وفریب جمع کئے اور پھر (مقررہ دن) ان سب کو لے آیا۔
(۶۱)قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍۚ وَ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى	موسیٰ نے ان سے کہا: تم پر وائے ہو! خدا پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں اپنے عذاب کے ساتھ نابود کر دے گا، اور ناامیدی (و شکست) اس شخص کے لئے ہے کہ جو (خدا پر) افتراء باندھے۔
(۶۲)فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى	پھر ان کے کام کے سلسلہ میں نزاع پیدا ہو گیا اور وہ آپس میں سرگوشی کے ساتھ چپکے چپکے باتیں کرنے لگے۔
(۶۳)قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى	انہوں نے کہا کہ مسلمہ طور پر یہ دونوں کے دونوں جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اپنے جادو کے ذریعے تمہاری سرزمین سے نکال دیں اور تمہارے بلند مرتبہ دین کو ختم کر دیں۔
(۶۴)فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّاۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى	(اب جبکہ یہ بات ہے تو) اپنی تمام قوت وتدبیر جمع کرلو (اور مقابلے کے میدان میں) صف باندھ کر کھڑے ہوجاؤ اور کامیابی تو آج اسی کی ہے کہ جو اپنی برتری ثابت کردے۔

تفسیر

آخری مقابلے کیلئے فرعون کی تیاری

آیات کے اس حصے میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مقابلے کے ایک اور مرحلہ کا بیان ہو رہا ہے قرآن مجید اس حصے کو اس جملے کے ساتھ شروع کرتا ہے ہم نے اپنی سبھی نشانیاں فرعون کو دکھائیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کے سیاہ دل پر اثر نہ کرسکی اس نے سب کی تکذیب کی اور انہیں قبول کرنے سے انکار کردیا۔

یہ ان معجزات کے ساتھ مربوط ہے جو انہوں نے ابتداء دعوت میں فرعون کو دکھائے تھے یعنی معجزہ عصا ید بیضا اور ان کی آسمانی دعوت کے مطالب جو کہ خود ان کی حقانیت کی ایک زندہ دلیل ہے۔

(۵۷) اب آیئے دیکھتے ہیں کہ سرکش، مستکبر اور ہٹ دھرم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات کے جواب میں

کیا کہا؟

تمام جھوٹے صاحبان اقتدار کی طرح انہیں کس طرح متہم کیا؟ قرآن کہتا ہے اس نے کہا اے موسیٰ کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہماری سرزمین اور وطن سے اپنے جادو کے ذریعے باہر نکال دے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ دعویٰ نبوت، دعوت توحید اور یہ معجزاتی نمائی سب حکومت پر قبضے اور ہمیں اور قطبیوں کو ہمارے آباؤ اجداد کی زمین سے نکالنے کیلئے ایک سازش ہے۔

یہ تہمت بالکل وہی حربہ ہے جو پوری تاریخ میں سب صاحبان اقتدار اور استعمار گر استعمال کرتے رہے ہیں جس وقت وہ اپنے آپ کو خطرے میں پاتے تو اپنے بچاؤ اور مفاد کی خاطر لوگوں کو تحریک کرنے کیلئے ملک خطرے میں ہے کا ہوا کھڑا کر دیتے ملک یعنی ان صاحبان اقتدار کی حکومت اور اس مملکت کی بقاء؟ یعنی خود ان کی اپنی بقا۔

(۵۸) فرعون نے اس کے بعد مزید کہا تم یہ گمان نہ کر لینا کہ ان جادوؤں کی مانند (جادو) پیش کرنا ہمارے بس میں نہیں یقیناً جان لو کہ ہم عنقریب تیرے جواب میں اسی قسم کا جادو لے آئیں گے۔

اور اس غرض سے کہ زیادہ سے زیادہ قاطعیت کا اظہار کرے اس نے کہا ابھی اسی وقت اس کی تاریخ مقرر کر ہمارے اور تیرے درمیان وعدہ ہونا چاہئے کہ جس سے نہ ہم ادھر ادھر ہوں اور نہ تو وہ ہو بھی ایسی جگہ کہ جو ہم سب کیلئے برابر ہو۔

(۵۹) لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تحمل اور بردباری کا دامن نہ چھوڑا اور فرعون کے شور و غل پر ہرگز نہ گھبرائے اور پوری صراحت اور قاطعیت کے ساتھ کہا میں بھی تیار ہوں! ابھی اسی وقت دن اور وقت کا تعین کئے دیتا ہوں ہمارا اور تمہارا وعدہ زینت کے دن (روز عید) کا ہوا۔ شرط یہ ہے کہ تمام لوگ دن چڑھے تک اس جگہ جمع ہو جائیں۔

(۶۰) بہر حال فرعون نے موسیٰ کے حیرت انگیز معجزات اور اپنے حواریوں میں ان معجزات کے نفسیاتی اثرات دیکھے تو پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ جادوگردوں کی مدد سے ان کا مقابلہ کرے گا لہٰذا اس نے موسیٰ کے ساتھ معاہدہ کیا اور اس مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے تمام مکر و فریب سمیت کر سب کو مقررہ روز لے کر پہنچ گیا۔

(۶۱) آخر کار مقرر دن آ پہنچا حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے اس عظیم اجتماع کے سامنے کھڑے ہو گئے مدمقابل گروہ میں سے کچھ لوگ جادوگر تھے ان کی تعداد بعض مفسرین کے قول کے مطابق ۷۲ افراد تھی بعض کے مطابق چار سو افراد تک تھی اور بعض دوسروں نے اس سے بہت زیادہ تعداد بھی بیان کی ہے۔

ان میں سے کچھ افراد فرعون اور اس کے مصاحبین اور اطرافیوں پر مشتمل تھے باقی اکثریت تماشائی عوام تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر جادوگروں کی طرف یا فرعونیوں اور جادوگروں کی طرف رخ کیا اور ان سے کہا وائے ہو تم پر تم خدا پر جھوٹ نہ باندھو کیونکہ وہ تمہیں اپنے عذاب سے تباہ و برباد کر دے گا۔

اور شکست و ناامید اور خسارہ اس کیلئے ہے کہ جو خدا پر افترا باندھتا ہے اور اس کی طرف باطل کی نسبت دیتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ موسیٰ کی خدا پر افترا سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو یا کسی چیز کو اس کا شریک قرار دینا خدا کے بھیجے ہوئے معجزات کو جادو سے تعبیر کرنا اور فرعون کو اپنا معبود اور الہ خیال کرنا تھا۔

(۶۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دوٹوک باتیں جو جادوگروں کی باتوں کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں رکھتی تھیں۔ بلکہ اس کا طریقہ تمام سچے پیغمبروں والا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاکیزہ دل سے نکلی ہوئی تھیں بعض کے دلوں پر اثر کر گئیں اور اس پر ان لوگوں میں اختلاف پڑ گیا بعض شدت عمل کے طرفدار تھے بعض شک وشبہ میں پڑ گئے اور کہنے لگے ہوسکتا ہے موسیٰ علیہ السلام خدا کے عظیم پیغمبر ہوں اور اگر ایسا ہوا ان کی تہدید اور دھمکیاں موثر ہوکر رہیں گی۔ خاص طور پر ان کا اور ان کے بھائی ہارون کا وہی چرواہوں والا سادہ لباس تھا ان کے چہرے پر عزم راسخ کی جھلک تھی تنہا ہونے کے باوجود ان میں کوئی کمزوری اور کسی قسم کا تغیر نظر نہیں آ رہا تھا ان کی گفتگو ان کی سچائی کی ایک اور دلیل تھی۔ لہٰذا قرآن کہتا ہے وہ آپس میں اپنے کاموں کے بارے میں نزاع میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کے ساتھ سر گوشیاں کرنے لگے۔

(۶۳) لیکن بہرحال مقابلہ جاری رکھنے اور شدت عمل کے طرفدار کامیاب ہوگئے انہوں نے گفتگو کا سلسلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مختلف طریقوں سے موسیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنے والوں کو تحریک کرنے لگے پہلے انہوں نے کہا یہ دونوں جادوگر ہیں۔

اس بناء پر ان کے مقابلہ میں گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ تم اس وسیع وعریض ملک میں جادوگروں کے سردار اور بزرگ ہو اور تمہاری قوت وطاقت ان سے زیادہ ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے جادو کے ذریعہ باہر نکال دیں وہ سرزمین کہ جو تمہیں جان کی طرح عزیز ہے اور تم اس سے تعلق رکھتے ہو اور وہ تم سے تعلق رکھتی ہے۔

علاوہ ازیں وہ صرف تمہیں تمہارے وطن سے نکال دینے پر ہی قانع نہیں ہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے مقدسات کا بھی مذاق اڑائیں اور تمہارے بلند مرتبہ دین اور سچے مذہب ہی کو ختم کردیں۔

اب جب کہ یہ بات ہے تو شک وشبہ کو کسی طرح بھی اپنی قریب نہ پھٹکنے دو اور اپنی تمام طاقت منصوبہ مہارت وقوت جمع کرو اور کام میں لاؤ۔

اس کے بعد سب کے سب متحد ہوکر ایک ہی صف میں میدان مقابلہ میں قدم رکھو۔

کیونکہ اس تقدیر ساز مقابلے میں وحدت واتحاد ہی تمہاری کامیابی وکامرانی کا ضامن ہے۔

اور آخر میں کامیابی تو آج اسی کیلئے ہوگی جو اپنی برتری اپنے حریف پر ثابت کردے گا۔

(۶۵) قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى	(جادوگروں نے) کہا: اے موسیٰ! کیا تو پہلے (اپنے عصا کو) پھینکے گا یا پہلے ہم پھینکیں؟

(۶۶)قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَ عِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى	(موسیٰ نے) کہا پہلے تم پھینکو۔ پس فوراً ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے اثر سے اسے ایسی نظر آنے لگیں جیسے وہ حرکت کر رہی ہوں۔
(۶۷)فَاَوۡجَسَ فِىۡ نَفۡسِهٖ خِيۡفَةً مُّوۡسٰى	موسیٰ! اس وقت اپنے دل میں کچھ ڈرے۔
(۶۸)قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى	ہم نے کہا: ڈرو نہیں۔ یقیناً کامیاب تو تم ہی ہو گے۔
(۶۹)وَ اَلۡقِ مَا فِىۡ يَمِيۡنِكَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا كَيۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى	اور جو چیز تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے (اس کو زمین پر) ڈال دو۔ یہ ان تمام چیزوں کو جنہیں انہوں نے بنایا ہے نگل جائیگی کیونکہ وہ تو صرف جادوگر کا مکروفریب ہی ہیں اور جادوگر جہاں کہیں بھی جائے گا فلاح نہیں پائے گا۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام بھی میدان میں آجاتے ہیں

جادوگر ظاہراً متحد ہوگئے اور انہوں نے عزم بالجزم کرلیا کہ موسیٰ کے ساتھ مقابلہ کریں گے جس وقت میدان میں قدم رکھا تو انہوں نے کہا اے موسیٰ! کیا تو پہلے جادو کے آلات پھینکے گا یا ہم پہلے پھینکیں۔

(۶۶) لیکن موسیٰ علیہ السلام نے جلد بازی نہ کی کیونکہ انہیں اپنی کامیابی کا پورا اطمینان تھا اور اس سے قطع نظر اس قسم کے مقابلوں میں عموماً وہ بازی لے جاتا ہے کہ جو پیش قدمی نہ کرے انہوں نے ان سے کہا تم پہلے پھینکو۔

جادوگروں نے بھی اس بات کو قبول کرلیا اور جتنی لاٹھیاں اور رسیاں وہ جادو کرنے کیلئے اپنے ہمراہ لائے تھے ان سب کو ایک ہی بار میدان میں ڈال دیا اور اگر ہم اس روایت کو کہ جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ ہزاروں آدمی تھے قبول کرلیں تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ انہوں نے ہزاروں لاٹھیاں اور رسیاں کہ جن کے اندر ایک خاص قسم کا مواد بھرا ہوا تھا ایک لمحہ کے اندر میدان میں پھینک دیں۔

اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے اس طرح نظر آئیں جیسے وہ حرکت کر رہی ہیں۔

ہاں! چھوٹے بڑے رنگ برنگے مختلف شکلوں کے سانپ اچھلنے کودنے لگے۔

(۶۷) بہت ہی عجیب منظر تھا جادوگر کہ جن کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اس فن سے ان کی آگاہی بھی کمال درجہ کی تھی اور وہ اجسام کے طبعیاتی و کیمیائی خواص سے استفادہ کرنے کے طریقوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے لہٰذا وہ حاضر پر اس طرح اثر انداز

ہونے کے قابل ہو گئے کہ انہیں یہ یقین دلا دیں کہ یہ تمام بے جان چیزیں جاندار بن گئی ہیں۔

خوشی کا ایک شور فرعونیوں کی طرف سے بلند ہوا کچھ لوگ خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے چیخنے لگے اور پیچھے کی طرف ہٹ گئے۔

(٦٧) اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے ایک خفیف سا خوف اپنے دل میں محسوس کیا۔

یہ اندرونی خوف بالکل معمولی اور خفیف سا تھا اور وہ بھی اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ جادوگروں کے جادو کے اثر سے جو رعب انگیز منظر وجود میں آیا تھا اس کی کسی اہمیت کے قائل ہو گئے تھے بلکہ انہیں خوف اس بات کا تھا کہ کہیں لوگ اس منظر سے متاثر نہ ہو جائیں اس طرح سے کہ انہیں واپس لوٹانا آسان نہ رہے۔

(٦٨) بہر حال اس موقع پر خدا کی مدد اور نصرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ پہنچی اور وحی کے فرمان نے ان کی ذمہ داری واضح کر دی جیسا کہ قرآن کہتا ہے ہم نے اس سے کہا خوف کو اپنے قریب بھی نہ آنے دو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔

اس طرح سے موسیٰ نے اپنی قوت قلب کو جو لمحہ بھر کیلئے متزلزل ہوئی تھی پھر سے مجتمع کیا۔

پھر ان سے فرمایا گیا جو کچھ تیرے دائیں ہاتھ میں ہے اسے نیچے ڈال دے جو کچھ انہوں نے بنایا ہے یہ ان سب کو نگل جائے گا۔

چونکہ ان کا کام تو صرف جادوگر کا مکر وفریب ہے۔

اور جادوگر جہاں کہیں بھی جائے گا کامیاب نہ ہوگا۔

جادوگر کا کام ایک محدود انسانی قوت کے سہارے سے ہوتا ہے اور معجزہ خدا کی بے پایاں اور لازوال قدرت سے معرض وجود میں آتا ہے۔

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ اپنا عصا پھینکو بلکہ فرمایا جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے ''اسے پھینکو'' یہ تعبیر شاید عصا سے بے اعتنائی کے عنوان سے ہو اور اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ عصا کی کوئی اہمیت نہیں ہے جو بات اہم ہے وہ خدا کے ارادہ اور اس کا حکم ہے اگر اس کا ارادہ ہو تو عصا تو آسان ہے اس سے چھوٹی اور حقیر چیز بھی اس قسم کی قدرت نمائی کر سکتی ہے۔

(٧٠) فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی	(پس موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور جو کچھ انہوں نے بنا رکھا تھا وہ اسے نگل گیا تو جادوگر) سجدے میں گر پڑے اور انہوں نے کہا: ہم ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر ایمان لائے ہیں۔

(۷۱)قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَهٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ لَـكَبِيۡرُكُمُ الَّذِىۡ عَلَّمَكُمُ السِّحۡرَ‌ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمۡ فِىۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ وَلَتَعۡلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبۡقٰى	(فرعون نے) کہا: کیا میری اجازت کے بغیر تم اس پر ایمان لے آئے ہو؟ یقیناً وہ تمہارا بڑا ہے کہ جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے پس یقیناً میں تمہارے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور کھجور کے تنوں کے اُوپر تمہیں سولی چڑھا دوں گا اور تم جان لوگے کہ ہم میں سے کس کی سزا زیادہ دردناک اور زیادہ پائیدار ہے۔
(۷۲)قَالُوۡا لَنۡ نُّـؤۡثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالَّذِىۡ فَطَرَنَا‌ فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ‌ؕ اِنَّمَا تَقۡضِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَاؕ	انہوں نے کہا: اس خدا کی قسم کہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہم واضح و روشن دلائل پر، جو ہم تک پہنچے ہیں تجھے ہرگز مقدم نہ رکھیں گے جو حکم تو کرنا چاہے کر، کیونکہ تُو تو صرف اس دنیا کی زندگی میں حکم چلا سکتا ہے۔
(۷۳)اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَـغۡفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا عَلَيۡهِ مِنَ السِّحۡرِ‌ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى	ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو اور تو نے ہمیں جو جادو کرنے پر کیا، اسے بخش دے۔ اور خدا بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔
(۷۴)اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ‌ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى	یقیناً جو شخص مجرم ہو کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اس کیلئے جہنم کی آگ ہے، جس میں نہ تو وہ مرے گا اور نہ جیئے گا۔
(۷۵)وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۤـئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰىۙ	اور جو شخص مومن ہو اور اس نے نیک عمل انجام دیئے ہوں (جب وہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہوگا) تو اس کیلئے عالی درجات ہیں۔

(۷۶)جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَکّٰی ۠	جنت کے دائمی باغات کہ جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کی جزا ہے کہ جو اپنے آپ کو پاک کرے۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام کی عظیم کامیابی

گزشتہ آیات میں ہم یہاں تک پہنچے تھے کہ موسیٰ کہ یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنا عصا پھینکیں تا کہ جادوگروں کے جادو کی کارروائیوں کا خاتمہ کردیں۔

زیر بحث آیات میں بھی اسی مسئلہ کو بیان کیا جارہا ہے البتہ جو جملے واضح تھے وہ حذف کردیئے گئے ہیں (یعنی موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا عصا ایک عظیم سانپ میں بدل گیا اور جادوگروں کے جادو کے تمام اسباب وآلات نگل گیا۔ تمام لوگوں میں ایک شوروغل بلند ہوا فرعون سخت پریشان ہوا اور اس کے مصاحبین کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

جادوگر جو جادو اور دوسری باتوں کا فرق اچھی طرح سے پہچانتے تھے انہوں نے یقین کرلیا کہ یہ کام خدا کے معجزے کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور یہ شخص خدا کا بھیجا ہوا ہے کہ جو انہیں ان کے پروردگار کی طرف دعوت دیتا ہے ان کے دلوں میں ایک طوفان اٹھا اور ایک عظیم انقلاب ان کی روح میں پھوٹ پڑا۔

لہٰذا جیسا کہ آیت کہتی ہے سب کے سب جادوگر سجدے میں گر پڑے اور انہوں نے کہا ہم موسیٰ وہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں۔

(۷۱) یہ بات واضح اور بدیہی ہے کہ جادوگروں کے اس عمل نے فرعون کے پیکر اور اس کی جابر، خودسر اور ظالم حکومت پر ایک ضرب کاری لگائی اور اس کے تمام ارکان کو ہلا کر رکھ دیا۔

لہٰذا فرعون کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ شوروغل اور سخت اور غلیظ قسم کی دھمکیوں کے ساتھ اپنی رہی سہی حیثیت کو بچائے جادوگروں کی طرف رخ کرتے ہوئے اس نے کہا کیا تم میری اجازت کے بغیر ہی اس پر ایمان لے آئے ہو۔

یہ جابر و مستکبر، نہ صرف اس بات کا مدعی تھا کہ اس کی لوگوں کے جسم وجان پر حکومت ہے بلکہ وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ تمہارے دل بھی میرے ہی قبضہ واختیار میں ہیں اور مجھ ہی سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا تمہارے دل کا ارادہ بھی میری اجازت کے ماتحت ہونا چاہئے۔

بہرحال فرعون نے اسی بات پر قناعت نہ کی بکہ فوراً ہی جادوگروں پر ایک فقرہ چست کیا اور ان پر اتہام لگاتے ہوئے کہا کہ یہ تمہارا بڑا ہے اسی نے تمہیں جادو سکھایا ہے اور یہ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت ایک سازش ہے۔

بلاشک فرعون کو معلوم تھا اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ جو بات وہ کہہ رہا ہے جھوٹ ہے۔

لیکن ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس وقت بے لگام اور خودسر لوگ اپنی نامشروع حیثیت کو خطرے میں دیکھتے ہیں تو وہ کسی قسم کے جھوٹ اور تہمت لگانے سے باک نہیں کرتے۔

پھر اس بات پر ہی بس نہ کی بلکہ جادوگروں کو نہایت سخت لہجے میں موت کی دھمکی دیتے ہوئے کہا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھوں کو اور دوسری طرف کے پاؤں کو قطع کر دوں گا اور بلند کھجور کے تنے پر تمہیں سولی چڑھا دوں گا تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میرا عذاب زیادہ دردناک اور زیادہ پائیدار ہے یا موسیٰ وہارون کے خدا کا عذاب۔

(۷۲) آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ فرعون کی ان شدید دھمکیوں کے جواب میں جادوگروں نے کیا ردعمل دکھایا؟ وہ نہ صرف یہ کہ مرعوب نہیں ہوئے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلے اور میدان سے باہر نہ نکلے بلکہ وہ میدان میں مضبوطی سے ڈٹے رہے اور کہا اس خدا کی قسم کہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیں جو واضح دلائل میسر آئے ہیں ہم ان پر ہرگز تجھے مقدم نہ رکھیں گے۔

تو جو فیصلہ کرنا چاہے کر لے۔

لیکن یہ جان لے کہ تو تو صرف اس دنیاوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے (مگر آخرت میں ہم کامیاب ہوں گے اور تو شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(۷۳) پھر انہوں نے مزید کہا اگر تو یہ دیکھ رہا ہے کہ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں تو یہ اس لئے ہے تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے (ہم جادو اور جادوگری کی وجہ سے بہت سے گناہوں کے مرتکب ہو چکے ہیں)۔

اور اسی طرح وہ بڑا گناہ (یعنی رسول خدا کے مقابلے میں جادو کا مظاہرہ جس کے کرنے پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا' اللہ ہمیں معاف کرتے ہوئے اپنی رحمت میں شامل کرے اور خدا ہر چیز سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

مختصر یہ کہ ہمارا مقصد گزشتہ گناہوں سے پاک ہونا ہے۔ ان میں سے ایک گناہ خدا کے سچے پیغمبر کے ساتھ مقابلہ کرنا بھی ہے۔

(۷۴) جادوگروں نے اس کے بعد اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اگر ہم ایمان لے آئے ہیں تو اس کی دلیل واضح و روشن ہے۔ کیونکہ جو شخص بے ایمان اور گنہگار قیامت میں خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اس کیلئے دوزخ کی جلانے والی آگ ہے۔

اور دوزخ میں سب سے بڑی مصیبت اس کیلئے یہ ہے کہ اس میں نہ تو وہ مرے گا اور نہ ہی آزاد ہوگا۔

بلکہ وہ ہمیشہ موت اور زندگی کی کشمکش میں رہے گا ایسی زندگی کہ جو موت سے زیادہ تلخ اور تکلیف دہ ہوگی۔

(۷۵) اور جو شخص اس عظیم بارگاہ میں ایمان اور عمل صالح کے ساتھ پہنچے گا وہ عالی درجوں پر فائز ہوگا۔

(۷۶) ہمیشہ باقی رہنے والی جنتیں کہ جن کے درختوں کے نیچے نہریں جارے ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور یہ اس شخص کی جزا ہے کہ جو ایمان اور اطاعت پروردگار کے ساتھ اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ کرے۔

زیر نظر آیات میں جادوگروں کی سرگزشت نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ماحول کی مجبوری کا مسئلہ ایک جھوٹ سے زیادہ

حیثیت نہیں رکھتا انسان فاعل مختار ہے اور ارادے کی آزادی کا مالک ہے جس وقت بھی وہ مصمم ارادہ کرے اسی وقت باطل کی طرف سے حق کی جانب اپنے راستے کو بدل سکتا ہے چاہے اس کے ماحول کے تمام لوگ گناہ میں غرق اور منحرف ہی ہوں۔ وہ جادوگر جو سالہا سال سے اسی شرک آلود ماحول میں نہایت شرک آمیز اعمال کے خود مرتکب ہو رہے تھے جس وقت انہوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ حق کو قبول کریں اور اس کے راستہ میں عاشقانہ انداز میں ڈٹ جائیں تو وہ کسی دھمکی سے نہ ڈرے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے عظیم مفسر مرحوم طبرسی کے قول کے مطابق

"وہ صبح کے وقت تو کافر اور جادوگر تھے اور شام کے وقت راہ حق کے نیکوکار شہید بن گئے"۔

(۷۷)وَ لَقَدۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی ۙ۬ اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِیۡقًا فِی الۡبَحۡرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَکًا وَّ لَا تَخۡشٰی	ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو (مصر سے) اپنے ساتھ لے جا اور ان کیلئے دریا میں سے خشک راستہ بنا دے، تاکہ نہ تو (فرعونیوں کے) تعاقب سے تجھے خوف ہو اور نہ دریا میں غرق ہونے کا ڈر ہو۔
(۷۸)فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِیَهُمۡ مِّنَ الۡیَمِّ مَا غَشِیَهُمۡ ؕ	(اس طرح) سے فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور دریا نے انہیں (اپنی پرخروش موجوں کے درمیان) پوری طرح چھپا لیا۔
(۷۹)وَ اَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَ مَا هَدٰی	اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور ہرگز ہدایت نہ کی۔

تفسیر

بنی اسرائیل کی نجات اور فرعونیوں کا غرق ہونا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں پر دوٹوک اور نمایاں کامیابی حاصل کرلی اور کثیر تعداد میں موجود یہ جادوگر آپ پر ایمان لے آئے تو آپ کا دین باقاعدہ طور پر مصر کے لوگوں کے افکار و اذہان میں داخل ہوگیا اگرچہ قبطیوں کی اکثریت نے اسے قبول نہیں کیا لیکن یہ ان کیلئے ہمیشہ ایک مسئلہ بنا رہا مصر میں بنی اسرائیل اقلیت میں تھے تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رہبری میں ہمیشہ کیلئے آل فرعون کے ساتھ ان کی معرکہ آرائی شروع ہوگئی۔

کئی سال اسی طرح سے گزر گئے اور کئی تلخ و شیریں حادثات پیش آئے۔

زیر بحث آیات میں ان واقعات کا آخری حصہ یعنی بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا

ہے ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات مصر سے باہر نکال کر لے جا۔

بنی اسرائیل، معینہ علاقے فلسطین کی طرف چلنے کیلئے تیار ہو گئے لیکن جس وقت وہ دریائے نیل کے کنارے پر پہنچے تو فرعونیوں کو خبر ہو گئی۔ فرعون نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ بنی اسرائیل نے اپنے آپ کو دریا اور دشمن کے محاصرہ میں پایا۔

لیکن خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ ان کیلئے دریا میں خشک راستہ بنا دے۔

ایسا راستہ کہ جس وقت تم اس میں قدم رکھو تو نہ فرعونیوں کے پیچھا کرنے کا خوف ہو اور نہ ہی دریا میں غرق ہونے کا۔

(۷۸) اس طرح موسیٰ اور بنی اسرائیل ان راستوں میں داخل ہو گئے کہ جو دریا میں پانی کے ہٹ جانے کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے اس موقع پر فرعون اپنے لشکر کے ساتھ دریا کے کنارے پر پہنچ گیا اور اس نے یہ غیر متوقع اور حیرت انگیز منظر دیکھا اور فرعون نے اپنے لشکر کو بنی اسرائیل کے پیچھے لگا دیا اور خود بھی اسی راستہ پر چلنے لگا۔

ادھر فرعون کے لشکر کا آخری آدمی دریا میں اترا اور ادھر بنی اسرائیل کا آخری شخص دریا سے باہر نکل گیا۔

اس وقت پانی کی موجوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی پہلی جگہ پر لوٹ آئیں۔ موجیں اس فرسودہ عمارت کی مانند کہ جس کی بنیادیں نکال دی جائیں ایک دم ان کے اوپر آ پڑیں اور وہ پوری طرح دریا کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کے نیچے چھپ گئے۔

اور اس طرح سے ایک جابر و ستمگر اپنے طاقتور اور زبردست لشکر کے ساتھ پانی کی موجوں میں غوطے کھانے لگا اور اس کے لشکری دریا کی مچھلیوں کا لقمہ بن گئے۔

(۷۹) ہاں فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہرگز انہیں ہدایت نہ کی۔

(۸۰) يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى	اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن (کے چنگل) سے نجات دی، اور کوہِ طور کی دائیں طرف کیلئے تمہارے ساتھ وعدہ کیا اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔
(۸۱) كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى	وہ پاکیزہ رزق کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کھاؤ لیکن اس میں سرکشی نہ کرو، (ورنہ) میرا غضب تم پر آئے گا۔ اور جس پر میرا غضب آیا وہ تباہ ہو گیا۔

(۸۲)وَ اِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اھۡتَدٰی	میں ان لوگوں کو بخش دوں گا کہ جو توبہ کر لیں، ایمان لے آئیں اور عمل صالح انجام دیں اور اس کے بعد ہدایت پر رہیں۔

تفسیر

نجات کی واحد راہ

گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کی آل فرعون کے چنگل سے نجات کا بیان ایک عظیم معجزہ کی صورت میں کیا گیا تھا۔ اب زیر نظر تینوں آیات میں بنی اسرائیل سے عمومی اعتبار سے گفتگو ہو رہی ہے اور انہیں وہ عظیم نعمتیں یاد دلائی جا رہی ہیں جو خدا نے انہیں بخشی ہیں اور انہیں راہ نجات کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے اے بنی اسرائیل! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن کے چنگل سے رہائی بخشی۔

اس کے بعد ایک اہم معنوی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمہیں ایک مقدس وعدہ گاہ کی طرف دعوت دی کوہ طور کے دائیں طرف جو وحی الٰہی کا مرکز ہے۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے ساتھ طور کی وعدہ گاہ کی طرف جانے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اسی وعدہ گاہ میں خدا نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کی الواح نازل کیں اور ان سے باتیں کیں اور پروردگار کے جلوہ خاص کا سب نے مشاہدہ کیا۔

اس کے بعد ایک اہم مادی نعمت کہ جو بنی اسرائیل کیلئے خدا کا ایک لطف خاص تھا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے تم پر "من و سلوی" نازل کیا۔

جب تم اس بیابان میں سرگردان تھے پاس کوئی مناسب غذا نہیں تھی تو لطف خدا تمہاری مدد کیلئے آگے بڑھا لذیذ اور خوش مزہ کھانا اتنی مقدار میں کہ جتنی تمہیں ضرورت تھی تمہیں مہیا کیا تم اس سے استفادہ کرتے رہے۔

(۸۱) آیت میں ان تینوں بیش بہا نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد قرآن انہیں اس طرح سے خطاب کرتا ہے ہم نے جو پاکیزہ روزی تمہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ' لیکن اس میں سرکشی نہ کرنا۔

نعمتوں میں طغیان یہ ہے کہ انسان ان سے خدا کی اطاعت اور اپنی سعادت کیلئے استفادہ کرنے کی بجائے ان کو گناہ ناشکری کفران نعمت' سرکشی اور ادھر ادھر کے افکار کا اسیر بننے کا ذریعہ بنا لے جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا۔ ان کو یہ تمام خدائی نعمتیں حاصل تھیں اور پھر بھی کفر و طغیان گناہ کی راہ پر چل پڑے۔

اس کے بعد انہیں خبردار کیا گیا ہے اگر تم طغیان و سرکشی کرو گے تو میرا غضب تمہیں دامن گیر ہو جائے گا۔

اور جس پر میرا غضب نازل ہوجائے وہ تباہ وبرباد ہوجاتا ہے۔

"ھوی" دراصل بلندی سے گرنے کے معنی میں ہے کہ جس کا نتیجہ عام طور پر نابود ہونا ہے علاوہ ازیں یہاں پر مرتبہ ومقام سے گرنا اور قرب پروردگار سے دوری اور اس کی جناب سے راندہ درگاہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

(۸۲) چونکہ یہ بات ہمیشہ ضروری ہے کہ تنبیہ وتہدید کے ساتھ ساتھ تشویق و بشارت بھی ہوتا کہ امید وبیم کی قوت کو.......... جو ارتقا وتکامل کیلئے بنیادی عامل ہے.......... یکساں طور پر ابھارے اور توبہ کرنے والوں کیلئے واپسی کے دروازوں کو کھلا رکھے۔ لہٰذا اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے میں ان لوگوں کو بخش دوں گا کہ جو توبہ کرلیں ایمان لے آئیں نیک عمل انجام دیں اور اس کے بعد ہدایت پر بھی قائم رہیں۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ غفار مبالغہ کا صیغہ ہے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ خدا اس قسم کے لوگوں کو نہ صرف ایک دفعہ بلکہ بار بار اپنی بخشش اور مغفرت سے نوازتا ہے۔

(۸۳) وَ مَآ اَعۡجَلَکَ عَنۡ قَوۡمِکَ یٰمُوۡسٰی	اے موسیٰ! کیا سبب ہوا کہ تو (کوہ طور پر آنے کیلئے) اپنی قوم سے جلدی کرکے آگے پہنچ گیا؟
(۸۴) قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰۤی اَثَرِیۡ وَ عَجِلۡتُ اِلَیۡکَ رَبِّ لِتَرۡضٰی	عرض کیا: پروردگارا! وہ تو میرے پیچھے پیچھے (آرہے) ہیں، اور میں نے تیری طرف (آنے کی اسلئے) جلدی کی تاکہ تو مجھ سے راضی ہو۔
(۸۵) قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَکَ مِنۡۢ بَعۡدِکَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ	فرمایا: ہم نے تیری قوم کو تیرے بعد آزمائش میں ڈالدیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کردیا ہے۔
(۸۶) فَرَجَعَ مُوۡسٰۤی اِلٰی قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۬ۚ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَمۡ یَعِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَیۡکُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ یَّحِلَّ عَلَیۡکُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِیۡ	موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے پلٹے، (اور ان سے) کہا: اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا تم سے میری جدائی کی مدت زیادہ ہوگئی تھی یا تم یہ چاہتے تھے کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب ٹوٹ پڑے کہ تم نے میرے وعدے کی مخالفت کی؟

(۸۷)قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَکَ بِمَلۡکِنَا وَ لٰکِنَّا حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِیۡنَۃِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰہَا فَکَذٰلِکَ اَلۡقَی السَّامِرِیُّ ۙ	انہوں نے کہا: ہم نے اپنے ارادہ واختیار سے تو تیرے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ (ہوا یہ کہ) ہم (فرعون کی) قوم کے کچھ زیورات اٹھا لائے تھے۔ ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا اور سامری نے بھی اسی طرح (زیور آگ میں) ڈال دیئے۔
(۸۸)فَاَخۡرَجَ لَہُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ فَقَالُوۡا ہٰذَاۤ اِلٰـہُکُمۡ وَ اِلٰہُ مُوۡسٰی ۬ فَنَسِیَ ؕ	پھراس نے (انہی پگھلے ہوئے زیورات سے) ان کیلئے ایک بچھڑا بنا ڈالا۔ وہ ایک ایسی صورت تھی جس میں سے گائے کی سی آواز آتی تھی اور لوگوں سے کہا کہ یہی تمہارا خدا ہے اور موسیٰ کا خدا بھی یہی ہے۔ (مگر) اس (سامری) نے اپنا عہد فراموش کردیا۔
(۸۹)اَفَلَا یَرَوۡنَ اَلَّا یَرۡجِعُ اِلَیۡہِمۡ قَوۡلًا ۬ۙ وَّ لَا یَمۡلِکُ لَہُمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا ٪	کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کا جواب تک نہیں دیتا اور نہ وہ انہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نفع؟
(۹۰)وَ لَقَدۡ قَالَ لَہُمۡ ہٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِہٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ وَ اَطِیۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ	اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے (میری) قوم! تمہاری اس بچھڑے کے ذریعے سے آزمائش کی گئی ہے، اور بلاشبہ تمہارا پروردگار تو خدائے رحمٰن ہی ہے۔ پس تم میری پیروی کرو اور میرے فرمان کی اطاعت کرو۔
(۹۱)قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَیۡہِ عٰکِفِیۡنَ حَتّٰی یَرۡجِعَ اِلَیۡنَا مُوۡسٰی	اس پر انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم تو (عبادت کیلئے) اسی کے گرد گھومتے رہیں گے جبتک کہ موسیٰ خود پلٹ کر ہمارے پاس نہ آئے۔

تفسیر

سامری کا شور وغوغا

ان آیات میں موسیٰ اور بنی اسرائیل کی زندگی کا ایک اور اہم حصہ بیان کیا گیا ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کے نمائندوں کے ساتھ کوہ طور کی وعدہ گاہ پر جانے اور پھر ان کی غیبت کے زمانے میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی سے متعلق ہے پروگرام یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کے احکام حاصل کرنے کیلئے کوہ طور پر جائیں اور بنی اسرائیل کے کچھ افراد بھی اس سفر میں ان کے ساتھ

رہیں تاکہ اس سفر خداشناسی اور وحی کے بارے میں نئے حقائق ان کیلئے آشکار ہوں۔

پروردگار سے مناجات کا شوق اور وحی کی آواز سننے کا اشتیاق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں موجزن تھا۔لہٰذا انہوں نے بڑی تیزی کے ساتھ یہ راستہ طے کیا اور دوسروں سے پہلے اکیلے ہی پروردگار کی وعدہ گاہ میں پہنچ گئے۔

یہاں آپ پر وحی نازل ہوئی اے موسیٰ! کیا سبب ہوا کہ اپنی قوم سے پہلے ہی آ پہنچا اور اس قدر جلدی کی۔

(۸۴) موسیٰ علیہ السلام نے فوراً عرض کیا پروردگارا! وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور میں نے تیری میعادگاہ اور محضر وحی تک پہنچنے کیلئے اس لئے جلدی کی ہے تاکہ تو مجھ سے راضی اور خوشنود ہو۔

نہ صرف تیری مناجات اور تیری بات سننے کے عشق نے مجھے بے قرار کیا ہوا تھا بلکہ میں مشتاق تھا کہ جتنا جلدی ہو سکے تیرے قوانین و احکام حاصل کروں اور تیرے بندوں تک انہیں پہنچاؤں اور اس طرح خوب تیری رضا حاصل کروں۔ ہاں! میں تیری رضا کا عاشق ہوں اور تیرا فرمان سننے کا مشتاق ہوں۔

(۸۵) لیکن آخر میں پروردگار کے معنوی جلوؤں کے دیدار کی مدت تیس راتوں سے بڑھا کر چالیس راتیں کر دی گئی اس طرح مختلف قسم کے اسباب جو پہلے سے ہی بنی اسرائیل میں انحراف کیلئے موجود تھے اپنا کام کر گئے۔سامری جیسا ہوشیار اور منحرف آدمی استاد بن گیا اس نے کچھ چیزوں سے کام لے کر ایک بچھڑا بنایا اور قوم کو اس کی پرستش کرنے کی دعوت دی۔

آخر کار یہی موقع تھا کہ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو اسی میعادگاہ میں فرمایا ہم نے تمہاری قوم کی تمہارے بعد آزمائش کی ہے لیکن وہ اس امتحان میں پورے نہیں اترے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔

(۸۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ بات سنتے ہی ایسے پریشان ہوگئے گویا ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی ہو۔شاید وہ دل ہی دل میں کہتے ہوں گے میں نے سالہا سال تک خون جگر پیا، زحمتیں اٹھائیں، ہر قسم کے خطرے کا سامنا کیا، تب جا کر کہیں اس قوم کو توحید سے آشنا کیا لیکن افسوس صد افسوس! میری چند روزہ غیبت میں میری محنتیں برباد ہوگئیں۔

لہٰذا فوری طور پر موسیٰ غصے میں بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف پلٹے۔

جس وقت ان کی نگاہ گوسالہ پرستی کے اس تکلیف دہ منظر پر پڑی تو وہ چیخ اٹھے'اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ اچھا وعدہ نہیں کیا تھا۔

یہ اچھا وعدہ یا تو وہ وعدہ تھا کہ جو بنی اسرائیل سے تورات کے نزول اور اس میں آسمانی حکم کے بیان کے سلسلے میں کیا گیا تھا یا یہ نجات پانے اور آل فرعون پر کامیابی حاصل کرنے اور زمین کی حکومت کا وارث بن جانے کا وعدہ تھا یا یہ ان لوگوں کیلئے کہ جو توبہ کریں ایمان لائیں اور عمل صالح بجالائیں مغفرت اور بخشش کا وعدہ تھا یا ان تمام امور سے متعلق وعدہ تھا۔

اس کے بعد مزید کہا کیا تم سے میری جدائی کی مدت زیادہ ہوگئی ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے مانا کہ میری واپسی کی مدت تیس دن سے بڑھ کر چالیس دن ہوگئی تھی مگر یہ کوئی ایسا

زیادہ طولانی زمانہ نہیں ہے کیا تمہیں خود ہی نہیں چاہئے تھا کہ اس مختصر سی مدت میں اپنے آپ کو محفوظ رکھتے یہاں تک کہ اگر میں سالہا سال بھی تم سے دور رہتا تو بھی خدا کا دین کہ جس کی میں نے تمہیں تعلیم دی ہے اور وہ معجزات کہ جن کا تم نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے تمہارے پیش نظر ہونے چاہیں تھے اور تمہیں میری تعلیمات کی پیروی کرنا چاہئے تھی۔

یا تم اپنے اس قبیح عمل کے ذریعے یہ چاہتے تھے کہ تمہارے پروردگار کا غضب تم پر نازل ہو جبھی تو تم نے مجھ سے باندھے ہوئے عہد کی مخالفت کی ہے۔

(۸۷) بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام ان پر سخت غصے میں ہیں اور اس بات پر متوجہ ہوئے کہ واقعاً انہوں نے بہت ہی برا کام انجام دیا ہے تو عذر تراشی پر اتر آئے اور کہنے لگے ہم نے اپنے اختیار کے ساتھ تو تیرے عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔

دراصل ہم خود اپنے ارادے سے گوسالہ پرستی کی طرف مائل نہیں ہوئے تھے فرعونیوں کے کچھ قیمتی زیورات ہمارے ساتھ تھے وہ جنہیں ہم نے اپنے سے دور پھینک دیا اور سامری نے بھی انہیں پھینک دیا۔

(۸۸) بہر حال سامری نے فرعونیوں کے آلات زینت سے کہ جو فرعونیوں نے ظلم وستم کے ذریعے حاصل کئے ہوئے تھے اور جن کا اس کے علاوہ اور کوئی مصرف نہیں تھا کہ وہ اس قسم کے فعل حرام پر خرچ ہوں ان کیلئے ایک بچھڑے کا مجسمہ بنایا جو ایک ایسی مورت تھی جس میں سے گائے کی سی آواز آتی تھی۔

بنی اسرائیل نے جب یہ منظر دیکھا تو اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام توحید تعلیمات کو بھول گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا۔

اور اس طرح سامری نے موسیٰ کے ساتھ بلکہ موسیٰ کے خدا کے ساتھ کیا ہوا اپنا عہد و پیمان بھلا دیا اور لوگوں کو گمراہی میں دھکیل دیا۔

(۸۹) یہاں خدا ان بت پرستوں کو توبیخ وسرزنش کے عنوان سے کہتا ہے کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کا جواب تک نہیں دیتا۔ نہ تو ان سے کسی قسم کے ضرر کو دور کر سکتا ہے اور نہ ہی انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

ایک حقیقی معبود کو کم از کم اپنے بندوں کے سوالات کے جواب تو دینے چاہئیں کیا صرف اس مجسمہ طلائی سے آواز کا سنائی دینا ایسی آواز کہ جس میں کسی ارادہ واختیار کا احساس نہیں ہے پرستش کرنے کی دلیل بن سکتا ہے؟

(۹۰) اس میں شک نہیں کہ اس شور وغوغا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین اور خدا کے بزرگ پیغمبر ہارون علیہ السلام نے اپنی رسالت کے فرائض کو پورے طور پر انجام دیا اور انحراف وفساد سے مقابلہ کرنے کا فریضہ جتنا ان کیلئے ممکن تھا ادا کرتے رہے جیسا کہ قرآن کہتا ہے ہارون نے موسیٰ کے میعادگاہ سے واپس آنے سے پہلے بنی اسرائیل سے یہ بات کہی تھی کہ تم سخت آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو۔ لہٰذا تم دھوکا نہ کھاؤ اور راہ خدا توحید سے منحرف نہ ہو۔

اس کے بعد مزید کہا تمہارا پروردگار مسلماً وہی بخشنے والا خدا ہے کہ جس نے یہ سب نعمتیں تمہیں مرحمت فرمائی ہیں۔

تم غلام تھے اس نے تمہیں آزادی دی تم اسیر تھے اس نے تمہیں رہائی بخشی تم گمراہ تھے اس نے تمہیں ہدایت کی تم پراگندہ اور بکھرے ہوئے تھے اس نے تمہیں ایک الٰہی انسان کی رہبری کے زیر سایہ جمع اور متحد کیا تم جاہل اور بھٹکے ہوئے تھے اس نے تمہیں علم کے نور سے اجالا بخشا اور توحید کے صراط مستقیم کی طرف تمہاری ہدایت کی۔

اب جبکہ معاملہ اس طرح ہے تو تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

کیا تم یہ بات بھول گئے ہو کہ میرے بھائی موسیٰ نے مجھے اپنا جانشین بنایا ہے اور میری اطاعت تم پر فرض اور واجب قرار دی ہے پھر تم عہد شکنی کیوں کر رہے ہو اور کس لئے خود کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں گرا رہے ہو؟

(۹۱) لیکن بنی اسرائیل اس طرح ہٹ دھرمی کے ساتھ اس بچھڑے سے لپٹے ہوئے تھے کہ اس مرد خدا اور ہمدرد رہبر کی یہ قوی منطق اور روشن دلائل ان کے اوپر اثر انداز نہ ہوئے۔ انہوں نے صراحت کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کی مخالفت کا اعلان کیا اور کہا ہم تو اسی طرح اس گوسالہ کی پرستش کرتے رہیں گے یہاں تک کہ خود موسیٰ ہمارے پاس پلٹ کر آئیں۔

اس طرح انہوں نے عقل کے مسلمہ حکم کو بھی پاؤں تلے روند ڈالا اور اپنے رہبر کے جانشین کے فرمان کی بھی پروا نہ کی۔

لیکن بہرحال ہارون علیہ السلام تقریباً بارہ ہزار ثابت قدم مومنین کی اقلیت کے ساتھ اس قوم سے الگ ہو گئے جبکہ جاہل اور ہٹ دھرم اکثریت اس بات پر آمادہ ہو چکی تھی کہ انہیں قتل کر دے۔

(۹۲) قَالَ یٰہٰرُوۡنُ مَا مَنَعَکَ اِذۡ رَاَیۡتَہُمۡ ضَلُّوۡۤا ۙ	(موسیٰ نے) کہا: اے ہارون! جس وقت تو نے دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تجھے کس چیز نے روکا۔
(۹۳) اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیۡتَ اَمۡرِیۡ	کہ تو نے میری پیروی نہ کی؟ کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے؟
(۹۴) قَالَ یَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡیَتِیۡ وَ لَا بِرَاۡسِیۡ ۚ اِنِّیۡ خَشِیۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَیۡنَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَ لَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ	(ہارون نے) کہا: اے میرے ماں جائے! میری داڑھی اور سر نہ پکڑو۔ میں تو اس بات سے ڈرا کہ تو یہ کہنے لگے کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میری نصیحت پر عمل نہ کیا۔
(۹۵) قَالَ فَمَا خَطۡبُکَ یٰسَامِرِیُّ	(پھر موسیٰ نے سامری کی طرف رخ کیا اور) کہا: اے سامری! تو نے یہ کام کیوں کیا؟

(۹۶)قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِہٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَۃً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُہَا وَ کَذٰلِکَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ	(سامری نے) کہا: میں نے ایسی چیز دیکھی جو انہوں نے نہیں دیکھی میں نے (خدا کے بھیجے ہوئے) رسول کے آثار میں سے کچھ حصہ اٹھالیا۔ اسکے بعد میں نے اس کو ڈالدیا اور میرے نفس نے اس مطلب کو اسی طرح خوشنما بنایا۔
(۹۷)قَالَ فَاذۡہَبۡ فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوۃِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَکَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَہٗ ۚ وَ انۡظُرۡ اِلٰۤی اِلٰہِکَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَیۡہِ عَاکِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّہٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّہٗ فِی الۡیَمِّ نَسۡفًا	(موسیٰ نے) کہا تو (لوگوں کے درمیان سے) نکل جا۔ تیرا دنیا کی زندگی میں حصّہ (صرف) یہ ہے کہ (جو شخص تیرے نزدیک ہوگا) تو (اس سے) کہیگا مجھے مت چھونا، اور بیشک تیرے لئے (عذاب کا) ایک وقت مقرر ہے کہ ہرگز اس کے خلاف نہیں ہوگا۔ (اب) تو اپنے معبود کی طرف دیکھ جس کی تو مسلسل پرستش کرتا رہا ہے اور دیکھ پہلے تو ہم اسے جلائیں گے اور پھر اس کے ذرات کو دریا میں بکھیر دیں گے۔
(۹۸)اِنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَسِعَ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا	تمہارا معبود تو صرف وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تفسیر

سامری کا عبرت ناک انجام

اس بحث کے بعد جو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی شدید مذمت کے بارے میں کی تھی اور جو اس سے پہلی آیت میں بیان ہو چکی ہے زیر بحث آیات میں پہلے موسیٰ کی اپنے بھائی ہارون کے ساتھ گفتگو اور اس کے بعد سامری کے ساتھ جو باتیں ہوئیں کو بیان کیا جارہا ہے۔

پہلے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف رخ کر کے کہا اے ہارون! جس وقت تو نے یہ دیکھا کہ یہ قوم گمراہ ہوگئی ہے تو تو نے میری پیروی کیوں نہ کی۔

کیا میں نے اس وقت جبکہ میں میعادگاہ کی طرف جانا چاہتا تھا یہ نہیں کہا تھا کہ تو میرا جانشین ہے اور اس گروہ کے درمیان اصلاح کرنا اور مفسدین کے راستے کو اختیار نہ کرنا۔

تو ان بت پرستوں کے ساتھ مقابلے کیلئے کیوں اٹھ کھڑا نہ ہوا؟

(۹۳) اس بنا پر "الا تتبعن" کے جملے سے مراد یہ ہے کہ بت پرستی کے بارے میں میری شدت عمل کی روشنی کی تو نے پیروی کیوں نہ کی۔

اس کے بعد موسیٰ نے مزید کہا کیا تو نے میرے فرمان کی خلاف ورزی کی ہے۔

(۹۴) موسیٰ علیہ السلام انتہائی شدت اور سخت غصہ کی حالت میں یہ باتیں اپنے بھائی سے کر رہے تھے اور ان کے سامنے چیخ رہے تھے جبکہ ان کی داڑھی اور سر کو پکڑا ہوا تھا اور کھینچ رہے تھے۔

ہارون علیہ السلام نے جب اپنے بھائی کو شدید پریشان دیکھا تو اس لئے کہ انہیں لطف و مہربانی کی طرف لائیں اور ان کی بے قراری اور بے چینی میں کمی کریں اور ضمنی طور پر اس واقعے کے سلسلے میں اپنا عذر پیش کریں کہا اے میرے ماں جائے! میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑ میں نے تو یہ سوچا کہ اگر میں مقابلے کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہوں اور ان کی گرفت کرتا ہوں تو بنی اسرائیل میں ایک شدید تفرقہ پڑ جائے گا اور میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تو واپسی پر کہنے لگے کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ کیوں ڈالا اور میری غیبت کے زمانے میں میری نصیحت کا خیال نہیں کیا۔

اس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی بے گناہی کو ثابت کر دیا۔

(۹۵) اپنے بھائی سے گفتگو کرنے اور ان کے بری الذمہ ثابت ہونے کے بعد سامری سے باز پرس شروع کی اور کہا یہ کام تھا کہ جو تو نے انجام دیا ہے اور اے سامری! تجھے کس چیز نے اس بات پر آمادہ کیا۔

اس نے جواب میں کہا میں کچھ ایسے مطالب سے آگاہ ہوا کہ جو انہوں نے نہیں دیکھے اور وہ اس سے آگاہ نہیں ہوئے۔

میں نے ایک چیز خدا کے بھیجے ہوئے رسول کے آثار میں سے لی اور پھر میں نے اسے دور پھینک دیا اور میرے نفس نے اس بات کو اسی طرح مجھے خوش نما کر کے دکھایا۔

(۹۷) یہ بات صاف طور پر واضح اور روشن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب میں سامری کی بات کسی طرح بھی قابل قبول نہیں تھی لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مجرم ہونے کا فرمان اسی عدالت میں صادر کر دیا اور اسے اور اس کے گوسالہ کے بارے میں تین حکم دیئے۔

پہلا حکم یہ کہ اس سے کہا تو لوگوں کے درمیان سے نکل جا اور کسی کے ساتھ میل ملاپ نہ کر اور تیری باقی زندگی میں تیرا حصہ صرف اتنا ہے کہ جو شخص بھی تیرے قریب آئے گا تو اس سے کہے گا کہ مجھ سے مس نہ ہو۔

اس طرح ایک قاطع اور دوٹوک فرمان کے ذریعے سامری کو معاشرے سے باہر نکال پھینکا اور اسے مطلق گوشہ نشینی میں ڈال

دیا۔

سامری کیلئے دوسری سزا یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ نے اسے قیامت میں ہونے والے عذاب کی بھی خبر دی۔ اور کہا تیرے آگے ایک وعدہ گاہ ہے خدائی دردناک عذاب کا وعدہ کہ جس سے ہرگز نہیں بچ سکے گا۔

تیسرا کام یہ تھا کہ جو موسیٰؑ نے سامری سے کہا اپنے اس معبود کو کہ جس کی تو ہمیشہ عبادت کرتا تھا ذرا دیکھ اور نگاہ کر ہم اس کو جلا رہے ہیں اور پھر اس کے ذرات کو دریا میں بکھیر دیں گے۔

آخری جملہ میں حضرت موسیٰؑ نے مسئلہ توحید پر بہت زیادہ تاکید کرتے ہوئے اللہ کی حاکمیت کو واضح کیا اور اس طرح کہا تمہارا معبود صرف اللہ ہے وہی اللہ کہ جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے وہی کہ جس کے علم نے تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

وہ گھڑے ہوئے بتوں کی طرح نہیں ہے کہ جو نہ کسی بات کو سنتے ہیں نہ کوئی جواب دیتے ہیں نہ کوئی مشکل حل کرتے ہیں اور نہ کسی نقصان کو دور کرتے ہیں۔

(۹۹) كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَ قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖۚ	ہم اسی طرح سے تمہارے لئے گزری ہوئی خبروں کو بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھے ذکر (قرآن) عطا فرمایا۔
(۱۰۰) مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ	جو شخص اس سے منہ پھیر لے وہ قیامت کے دن (گناہ اور جوابدہی کا) سنگین بوجھ (اپنے کندھے پر) اٹھائے گا۔
(۱۰۱) خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ	وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور قیامت کے دن ان کے اٹھانے کیلئے بہت ہی برا بوجھ ہے۔
(۱۰۲) يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۖۚ	وہ دن جس میں صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرمین کو نیلے بدنوں کے ساتھ جمع کریں گے۔
(۱۰۳) يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا	وہ آپس میں آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے ہوں گے (بعض کہیں گے) تم نے صرف دس شبانہ روز قیام کیا ہے۔

(۱۰۴) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۠	وہ جو کچھ کہیں گے ہم اس سے اچھی طرح آگاہ ہیں جبکہ وہ شخص جس کی روش ان میں سب سے بہتر ہے کہیگا کہ تم تو صرف ایک ہی دن ٹھہرے ہو۔

تفسیر

ان کے کندھوں پر بدترین بوجھ

گزشتہ آیات اگرچہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل، سامری اور فرعونیوں کی تاریخ کے بارے میں تھیں اس کے باوجود ان آیات کے متن کی مناسبت سے طرح طرح کی بحثیں ہو چکی ہیں ان مباحث کے اختتام پر قرآن ایک کلی نتیجہ بھی پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اسی طرح سے گزری ہوئی خبروں کو یکے بعد دیگرے تیرے لئے بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے ہم نے اپنی طرف سے تجھے قرآن دیا۔

وہ قرآن کہ جو دروس عبرت، دلائل عقلی، گزشتہ قوموں کی سبق آموز خبروں اور آئندہ آنے والے لوگوں کو بیدار کرنے والے مسائل سے معمور ہے۔

اصولی طور پر قرآن مجید کا اہم حصہ گزشتہ لوگوں کی سرگزشت کا بیان ہے۔

(۱۰۰) اسی بنا پر یہ آیت ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے کہ جو قرآن کے حقائق اور تاریخ کے عبرت انگیز سبق کو بھول جاتے ہیں جو قرآن سے منہ پھیر لے گا وہ قیامت میں گناہ اور جوابدہی کا سنگین بوجھ کندھے پر اٹھائے ہوئے ہوگا۔

ہاں! پروردگار سے روگردانی انسان کو اس طرح سے بے راہ روی کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے کہ قسم قسم کے گناہوں اور فکری وعقیدتی انحرافات کا سنگین بوجھ اس کے کندھے پر رکھ دیتی ہے (اصولی طور پر لفظ وزر خود سنگین بوجھ کے معنی میں ہے اور اسے نکرہ کی شکل میں پیش کرنا اس بارے میں مزید تاکید ہے۔

(۱۰۱) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے وہ اپنے ان اعمال کے بوجھ تلے ہمیشہ دبے رہیں گے۔

اور گناہ کا یہ سنگین بوجھ ان کیلئے قیامت کے دن بہت ہی برا بوجھ ہے۔

(۱۰۲) اس کے بعد قیامت کے دن کی توصیف اور اس کے آغاز کے بیان کو شروع کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے وہی دن کہ جس میں صور پھونکا جائے گا اور ہم گنہگاروں کو نیلے اور سیاہ بدنوں کے ساتھ اس دن جمع کریں گے۔

(۱۰۳) اس حالت میں مجرمین آپس میں عالم برزخ میں اپنے توقف کی مقدار کے بارے میں آہستہ آہستہ گفتگو کریں گے بعض کہیں گے کہ تم تو صرف دس راتیں (یا دس رات دن) عالم برزخ میں رہے ہو۔

ان کا یہ آہستہ آہستہ کہنا یا تو اس شدید وحشت اور رعب کی وجہ سے ہوگا کہ جو قیامت کا منظر دیکھ کر انہیں لاحق ہوگا یا ضعف و

ناتوانی کے اثر سے ہوگا۔

(۱۰۴) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے، ہم اس سے کہ جو وہ کہتے ہیں مکمل طور پر آگاہ ہیں۔

چاہے وہ آہستہ سے کہیں یا بلند آواز سے۔

اور اس موقع پر وہ شخص کہ جو سب سے بہتر راہ و روش اور عقل وشعور رکھتا ہے یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک ہی دن ٹھہرے ہو۔

(۱۰۵) وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ۙ	اور تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ میرا پروردگار انہیں (ریزہ ریزہ کرکے) تباہ کردے گا۔
(۱۰۶) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۙ	پھر زمین کو صاف ہموار اور بے آب و گیاہ چھوڑ دے گا۔
(۱۰۷) لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا ؕ	(اس طرح کہ) تو اس میں کسی قسم کی پستی اور بلندی نہیں دیکھے گا۔
(۱۰۸) يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِىَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا	اس دن سب کے سب خدائی دعوت دینے والے کی پیروی کریں گے اور تمام آوازیں عظمتِ خدا کے سامنے خاضع ہوں گی اور سوائے آہستہ آواز کے تو کچھ نہیں سنے گا۔
(۱۰۹) يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِىَ لَهٗ قَوْلًا	اس دن (کسی شخص کی) شفاعت فائدہ نہیں دے گی سوائے اس شخص کے کہ جسے خدائے رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور وہ اس کی گفتگو سے راضی ہے۔
(۱۱۰) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا	جو کچھ ان (مجرموں نے) آگے بھیجا ہے اور جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) پیچھے چھوڑا ہے وہ (خدا) اسے جانتا ہے، لیکن وہ اللہ کے بارے احاطہ علمی نہیں رکھتے۔
(۱۱۱) وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَىِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا	اور اس دن تمہارے چہرے خدائے حیّ و قیوم کے سامنے خاضع ہوں گے اور مایوس (اور زیاں کار) وہ لوگ ہوں گے کہ جنہوں نے ظلم کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔

(۱۱۲)وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلۡمًا وَّ لَا هَضۡمًا	(لیکن) وہ شخص جو مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل انجام دے گا، نہ تو اسے کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ ہی اپنے حق کے نقصان کا۔

تفسیر

قیامت کا ہولناک منظر

چونکہ گزشتہ آیات میں اختتام دنیا اور آغازِ قیامت کے بارے میں گفتگو تھی، زیر اس آیت میں بھی وہی مسئلہ جاری ہے۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے پیغمبر اسلام سے، دنیا کے اختتام کے موقع پر پہاڑوں کے انجام کے بارے میں سوال کیا ہوگا۔

لہٰذا قرآن کہتا ہے: تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

جواب میں ان سے ''کہہ دو کہ میرا پروردگار انہیں بکھیر کر سنگریزوں میں تبدیل کردے گا اور پھر انہیں تباہ و برباد کردے گا۔

پہاڑوں کے انجام کے بارے میں، قرآن کی تمام آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میدانِ قیامت میں مختلف مراحل طے کریں گے۔

پہلے تو وہ لرزہ براندام ہوں گے (مزمل............۱۴)

پھر وہ چلنے لگ جائیں گے (طور............۱۰)

اور تیسرے مرحلے میں وہ بکھر کر سنگریزوں کی شکل اختیار کرلیں گے (مزمل............۱۴)

اور آخری مرحلے میں طوفان اور آندھیاں انہیں اپنی جگہ سے اٹھا کر فضا میں بکھیر دیں گی کہ وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح نظر آئیں گے: (قارعہ............۵)

(۱۰۶) آیت کہتی ہے کہ پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور ان کے ذرّات کے بکھر جانے کے ساتھ ''خدا صفحۂ زمین کو ایک صاف اور ہموار بے آب و گیاہ چٹیل میدان کی طرح کردے گا''

(۱۰۷) اس طرح سے کہ تم اس میں کسی طرح کا ٹیڑھا پن اور پستی و بلندی نہ دیکھو گے'' کیا دعوت کرنے اور پکارنے والا جو کوئی بھی ہو، اس کا حکم اِس طرح سے نافذ ہوگا کہ کسی شخص میں اس کی خلاف ورزی کرنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اس موقع پر پروردگار رحمان کی عظمت کے سامنے تمام کی تمام آوازیں خاضع ہوجائیں گی اور آہستہ آہستہ سی آوازوں کے سوا تمہیں کوئی چیز سنائی نہ دے گی''

آوازوں کی یہ خاموشی یا تو عرصہ محشر میں عظمت الٰہی کے رعب کی وجہ سے ہوگی کہ جس کے سامنے سب کے سب خضوع کرینگے یا حساب و کتاب اور نتیجہ اعمال کے خوف سے اور یا دونوں وجوہ سے۔

(۱۰۹) چونکہ ممکن ہے کہ بعض لوگ اس اشتباہ میں گرفتار ہوجائیں کہ گناہوں میں غرق ہونے کے باوجود کچھ شفاعت کرنے

والوں کی شفاعت کے ذریعہ بچنا ممکن ہو جائے گا تو فوراً فرمایا گیا ہے: اس دن کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی، سوائے ان لوگوں (کی شفاعت) کے کہ جنہیں خدائے رحمن شفاعت کی اجازت دے دے گا اور اس سلسلے میں ان کی گفتگو سے راضی ہوگا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہاں شفاعت بے حساب نہیں ہوگی بلکہ شفاعت کا پرگرام، شفاعت کرنے والوں کے بارے میں بھی اور جن کی شفاعت ہو سکے گی، ان کے بارے میں بھی، ایک دقیق پروگرام ہے اور جب تک لوگوں میں اس بات کی لیاقت اور استحقاق نہ ہوگا کہ ان کی شفاعت کی جائے، شفاعت بے معنی ہے۔

(۱۱۰) اور جو کچھ لوگوں کا قیامت کے میدان میں حساب اور جزا کے لئے حاضر ہونا، اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ خدا ان کے اعمال و کردار سے آگاہ ہے۔ لہٰذا اس آیت میں اس طرح اضافہ کیا گیا ہے: خدا ان تمام باتوں کو جو انہوں نے آگے بھیجی ہیں اور جنہیں وہ دنیا میں اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں، جانتا ہے اور ان کے تمام افعال و اقوال اور نیتوں سے جو وہ پہلے رکھتے تھے اور اس جزا و سزا سے کہ جو انہیں آئندہ پیش آنے والی ہے سب سے باخبر ہے لیکن وہ پروردگار کے بارے میں احاطہ علمی نہیں رکھتے۔

اس طرح سے خدا کا علمی احاطہ ان کے اعمال کے بارے میں بھی اور ان کی جزا کے سلسلے میں بھی اور یہ دونوں حقیقت میں کامل اور عادلانہ قضاوت کے دو رکن ہیں کہ قاضی ان حادثات سے بھی کہ جو رونما ہوئے ہیں کامل طور پر باخبر اور ان کے فیصلہ اور جزا سے بھی آگاہ ہو۔

(۱۱۱) ''اور اس دن تمام لوگ خدائے حیّ و قیوم کے سامنے مکمل طور پر خاضع ہوں گے''۔

اس مقام پر خدا کی تمام صفات میں سے ''حیّ و قیوم'' کا انتخاب اِس وجہ سے ہے کیونکہ یہ دونوں صفات قیامت کے مسئلہ کے ساتھ کہ جو سب کی زندگی اور قیام کا دن ہے، مناسب رکھتی ہے۔

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے: خدائی ثواب سے مایوس اور ناامید وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ظلم و ستم کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا ہے۔

گویا ظلم و ستم ایک ایسے عظیم بوجھ کی طرح ہے کہ جو انسان کے کندھوں پر وزن ڈالتا ہے اور اس کو خدا کی دائمی نعمتوں کی طرف بڑھنے سے روکتا ہے۔

(۱۱۲) چونکہ قرآن کی روش عام طور پر مسائل میں مطابقت کو بیان کرنا ہے لہٰذا اس دن ظالموں اور مجرموں کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد، مؤمنین کی حالت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: باقی رہے وہ لوگ کہ جو اعمال صالح بجالائیں اور وہ مومن بھی ہوں، تو وہ نہ تو کسی ظلم و ستم سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی اپنے حق کا نقصان ہو جانے سے۔ اصولی طور پر عملِ صالح ایمان کے بغیر وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ دوسرے لفظوں میں اس غرض سے کہ عمل صالح مسلسل، پائدار اور گہرا انجام پائے، اسے پاک اور صحیح عقیدے سے سیراب ہونا چاہیے۔

(۱۱۳)وَ كَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفۡنَا فِيۡهِ مِنَ الۡوَعِيۡدِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ اَوۡ يُحۡدِثُ لَهُمۡ ذِكۡرًا	اوراسی طرح ہم نے اس قرآن کو(فصیح وبلیغ زبان) عربی میں اتارا ہےاوراس میں ہم نے طرح طرح سے خوف دلایا ہے کہ شاید وہ تقویٰ اختیار کرلیں یا یہ ان کے لئے (نصیحت اور) یاددہانی کا سبب بنے۔
(۱۱۴)فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ وَ لَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰٓى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۫ وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا	پس بلند مرتبہ ہے اللہ جو مالک برحق ہےاورتم قرآن پڑھنے میں، اس سے پہلے کہ اس کی وحی تجھ پر پوری ہو، جلدی نہ کیا کرو اور یہ کہا کرو کہ اے میرے پروردگار میرے علم کو اور زیادہ فرمادے۔

تفسیر

علم میں اضافے کی دعا

گزشتہ آیات میں قیامت اوروعدووعید سے مربوط تربیتی مسائل کے بارے میں جو کچھ آیا ہے،تو درحقیقت ان آیات میں اس کی طرف مجموعی اعتبار سے اشارہ ہے۔

فرمایا گیا ہے: اسی طرح ہم نے اسے عربی (فصیح وبلیغ زبان میں) قرآن کی صورت میں اتارا ہےاور ہم نے اس میں مختلف بیانات وعبارات کے ذریعے ڈرایا ہے کہ شاید وہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کریں یا کم سے کم ان کے لئے نصیحت اور یاددہانی ہو۔

لفظ ''عربی'' اگرچہ عربی زبان کے معنی میں ہے لیکن دولحاظ سے یہاں قرآن کی فصاحت وبلاغت اوراس کے مفاہیم کے رسا ہونے کی طرف اشارا ہے۔

پہلا یہ کہ اصولی طور پر عربی زبان۔ دنیا بھر کے زبان شناسوں کی تصدیق کے مطابق۔ ایک رساترین زبان ہےاوراس کا ادب قوی ترین اَدب ہے۔

دوسرا یہ کہ کبھی ''صرفنا'' مختلف قسم کے بیانات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ جو قرآن ایک حقیقت بیان کرنے میں اختیار کرتا ہے،مثلاً وعیداور مجرموں کی سزا کبھی گزشتہ امتوں کی سرگزشت کے لباس میں کبھی حاضرین سے خطاب کی صورت میں،کبھی میدان قیامت میں ان کے حالات کی تصویر کشی کی صورت میں اور کبھی کسی دوسرے پیرائے میں بیان کرتا ہے۔

(۱۱۴)اس آیت میں مزید ارشاد ہوتا ہے: بلند مرتبہ ہے وہ خدا کہ جو بادشاہِ برحق ہے۔

بعض اوقات پیغمبر اکرم ﷺ آیات قرآن حاصل کرنے کے اشتیاق اور اسے لوگوں تک پہنچانے کے لئے حفظ کرنے کی خاطر نزولِ وحی کے وقت جلدی فرمایا کرتے تھے اور جبرئیل کو پورے طور پر اس بات کی مہلت نہ دیتے تھے کہ وہ اپنی بات کو تمام کر لیں۔ اس آیت کے آخر میں نہیں نصیحت کی جارہی ہے: قرآن کے لیے جلدی نہ کیا کرو، اس سے پہلے کہ اس کی وحی پوری ہو۔

اور یہ کہا کرو! کہ اے پروردگار! میرے علم میں زیادتی فرما۔

جہاں رسول اللہ ﷺ اس علم سے سرشار اور آگہی سے معمور روح کے باوجود اس بات پر مامور ہوں کہ آخری عمر تک خدا سے علم میں اضافے کی دعا کرتے رہیں تو دوسروں کی ذمہ داری کامل طور پر واضح اور روشن ہو جاتی ہے۔ درحقیقت اسلام کی نظر میں علم کی کوئی حد یا سرحد نہیں ہوتی۔ بہت سے امور میں زیادتی اور اضافہ کا مطالبہ مذموم ہے لیکن علم میں مدوح ہے۔ افراط بری چیز ہے لیکن علم میں افراط کا کوئی معنیٰ نہیں ہے۔

(۱۱۵) وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا	ہم نے آدم سے پہلے پہل عہد لیا تھا لیکن وہ اسے بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم و استقامت نہ پائی۔
(۱۱۶) وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى	اور جس وقت ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا (اور سجدہ نہ کیا)
(۱۱۷) فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى	ہم نے کہا: اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنّت سے باہر نکال دے کیونکہ اس طرح تو تم زحمت اور مشقت میں پڑ جاؤ گے۔
(۱۱۸) اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ۙ	(جبکہ بہشت میں تم راحت و آرام سے ہو) اس میں تمہیں نہ تو بھوک لگے گی اور نہ ہی تم برہنہ ہو گے۔
(۱۱۹) وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى	اور اسمیں نہ تمہیں پیاس لگے گی نہ سورج کی دھوپ تمہیں تکلیف پہنچائے گی۔
(۱۲۰) فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى	لیکن شیطان نے اسے وسوسہ میں ڈال دیا اور کہا: اے آدم! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیری عمرِ جاوداں کے درخت اور لا فانی ملک کی طرف رہنمائی کروں؟

(۱۲۱)فَاَكَلَا مِنۡهَا فَبَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى	آخرکار (آدم وحوا) دونوں نے اِسمیں سے کھالیا (ان کا بہشتی لباس اتر گیا) اوران کی شرمگاہیں ان پرظاہر ہوگئیں اوروہ دونوں بہشت کے درختوں کے پتوں کواپنے اوپر لپیٹنے لگے اور (آخرکار) آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور (اسکے انعامات سے) محروم ہوگیا۔
(۱۲۲)ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَهَدٰى	اسکے بعد اسکے پروردگار نے اس کو برگزیدہ بنا دیا اوراس کی توبہ قبول کرلی اوراسے ہدایت کی۔

تفسیر

شیطان کی فریب کاری

زیرنظر آیات آدم وحوا علیہما السلام کی داستان اورابلیس کی ان سے دشمنی اورمقابلہ کرنے کے بارے میں ہیں۔

شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق وباطل کی جنگ آج اورکل اورموسیٰ علیہ السلام وفرعون میں منحصرنہیں ہے یہ ابتدائے آفرینش آدم علیہ السلام سے جاری ہےاوراسی طرح سے جاری رہے گی۔

خدا سے عہد اور پیمان سے بات ہورہی ہے۔فرمایا گیا ہے: ہم نے آدم علیہ السلام سے پہلے عہدو پیمان لے لیا تھا لیکن وہ اسے بھول گیااوراپنے عہدو پیمان کا پابند نہ رہا۔ممنوعہ درخت کے نزدیک نہ جانے کا خدا کا فرمان ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آدم علیہ السلام کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ ان سے صرف ''ترکِ اولیٰ'' سرزدہوایا دوسرے لفظوں میں آدم علیہ السلام کی جنّت میں سکونت کا دور،تکلیف (یاذمہّ داری یامسٔولیت) کا دورنہیں تھا۔ بلکہ یہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے تیار ہونے اورذمہّ داریوں کی جواب دہی کوقبول کرنے کاایک تجرباتی دورتھا۔

۱۱۶۔اس کے بعداسی قصہ کےایک دوسرے حصہّ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:اس وقت کو یادکرو کہ جب ہم نےفرشتوں سے کہا کہ آدم کوسجدہ کرو،ان سب نے تو سجدہ کیامگر ابلیس نے نہ کیا،اس نے انکارکردیا۔

اس سے آدم کا باعظمت مقام اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے۔وہ آدم کہ جومسجود ملائکہ تھااور پروردگار کی اس عظیم مخلوق کے لئے لائق احترام تھا۔ضمنی طور پران سے ابلیس کہ سجدہ، پرستش وعبادت کے معنی میں خدا کے ساتھ مخصوص ہےاورخدا کے سوا کوئی شخص اورکوئی

چیز بھی معبود نہیں ہوسکتی ہے۔ اِس بنا پر فرشتوں کا یہ سجدہ خدا کے لیے تھا، زیادہ سے زیادہ اس باعظمت وجود کی آفرینش کی خاطر سے کہ:

شائستہ ستائش آں آفرید گاری است

کار چنیں دل آویز نقمشی زمأ و طینی!

(۱۱۷) بہر حال ہم نے اس موقع پر آدم کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا اور ''ہم نے کہا اے آدم! اس طرزِ عمل سے یہ تصدیق ہو گئی کہ ابلیس تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے اس کا خیال رکھنا کہ کہیں وہ تمہیں جنت سے باہر نہ نکال دے جس سے تو رنج و تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔

(۱۱۸) اس کے بعد خدا، بہشت کے راحت و آرام اور اس باہر کے ماحول کے درد و رنج کی آدم کے لئے اس طرح تشریح کرتا ہے: تو یہاں پر نہ تو بھوکا رہے گا۔ اور نہ ہی برہنہ ہوگا:

(۱۱۹) نہ تو اس میں پیاسا رہے گا اور نہ ہی سورج کی تپتی ہوئی دھوپ تجھے تکلیف پہنچائے گی۔

ان دونوں آیات میں انسان کی چار اصلی اور ابتدائی ضروریات یعنی کھانا، پانی لباس، اور مکان (سورج سے بچاؤ کے لئے سائے) کی ضرورت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

(۱۲۰) لیکن ان تمام باتوں کے باوجود شیطان نے آدم کے خلاف عداوت اور دشمنی پر کمر باندھ لی۔ اسی وجہ سے وہ آرام سے نہ بیٹھا۔ اس نے آدم کو وسوسہ ڈالنا شروع کر دیا اور کہا: اے آدم! کیا میں تجھے عمر جاودانی کے درخت کا پتہ نہ دوں کہ جو شخص اس کا پھل کھالے گا وہ ہمیشہ زندہ رہے گا، کیا تو ہمیشہ کی حکومت و سلطنت تک پہنچنے کی راہ جاننا چاہتا ہے۔

حقیقت میں شیطان نے یہ اندازہ لگا لیا کہ آدم کا میلان کس چیز کی طرف ہے اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ زندگی جاوداں اور بے زوال قدرت و اقتدار تک پہنچنے کا خواہشمند ہے لہٰذا اس نے انہیں پروردگار کی مخالفت کی طرف کھینچنے کے لیے انہی دونوں عوامل سے استفادہ کیا۔

(۱۲۱) آخر کار جو نہیں ہونا چاہئے تھا، وہ ہو گیا۔ آدم و حوا دونوں نے ممنوعہ درخت سے کھا لیا اور اس کے ساتھ ہی بہشتی لباس ان کے بدنوں سے گر پڑے اور ان کے اعضأ آشکار ہو گئے۔

جب آدم و حوا نے یہ کیفیت دیکھی تو فوراً ''جنت کے درختوں کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانپنے لگے''۔

ہاں! آخر کار'' آدم نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی اور اس کی جزا اور انعام سے محروم ہو گیا''۔

لیکن چونکہ آدم ذاتاً پاک اور مومن تھے اور رضائے خدا کی راہ میں قدم اٹھاتے تھے اور یہ غلطی جو شیطانی وسوسہ کی وجہ ہو گئی ایک استثنائی پہلو رکھتی تھی۔ لہٰذا خدا نے انہیں ہمیشہ کے لئے اپنی رحمت سے دور نہیں کیا بلکہ'' اس واقعہ کے بعد اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ بنا لیا اور اس کی توبہ قبول کر لی اور اسے ہدایت کی''۔

(۱۲۳)قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشۡقٰى	(خدا نے) فرمایا!تم دونوں (اوراسی طرح شیاطین) اس باغ سے نیچے اتر جاؤ، اس حالت میں کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، لیکن جس وقت میری ہدایت تمہارے پاس آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ تو وہ گمراہ ہوگا اور نہ ہی رنج وتکلیف میں مبتلا ہوگا۔
(۱۲۴)وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّ نَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى	اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا، وہ تنگ زندگی گزارے گا اور قیامت کے دن ہم اسے نابینا محشور کریں گے۔
(۱۲۵)قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِىۡۤ اَعۡمٰى وَ قَدۡ كُنۡتُ بَصِيۡرًا	وہ کہے گا: پروردگار!: تو نے مجھے نابینا کیوں محشور کیا؟ میں تو بینا تھا۔
(۱۲۶)قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى	(خدا) فرمائیگا: یہ اس بنا پر ہے کہ میری آیات تیرے پاس پہنچیں اور تو نے انہیں بھلا دیا۔اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا۔
(۱۲۷)وَ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَ لَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبۡقٰى	اور جو شخص اسراف کرے گا اور اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان نہیں لائے گا ہم اسے اسی قسم کی جزا دیں گے اور آخرت کا عذاب زیادہ شدید اور زیادہ پائدار ہے۔

تفسیر

تنگ زندگی

آدم علیہ السلام کی توبہ اگرچہ قبول ہوگئی تھی مگر انہوں نے ایسا کام کیا تھا کہ اب پہلی جیسی حالت کی طرف لوٹنا ممکن نہیں تھا، لہٰذا خدا نے "انہیں اور حوا کو حکم دیا کہ تم دونوں، اور اسی طرح شیطان بھی تمہارے ساتھ، جنّت سے زمین پر اتر جاؤ۔

"درآنحالیکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے"۔

لیکن میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ راہ سعادت اور نجات تمہارے سامنے کھلی ہوئی ہے' پس جس وقت میری ہدایت تمہارے

پاس آئے تو تم میں سے جو کوئی اس ہدایت کی پیروی کریگا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ ہی بد بخت''۔

(۱۲۴)اور اس غرض سے کہ جو لوگ حق تعالیٰ کے فرمان کو بھلا دیتے ہیں، ان کی پریشانی کا نتیجہ بھی واضح ہو جائے، مزید فرمایا گیا ہے:

اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا وہ تنگ اور سخت زندگی بسر کرے گا۔

''اور قیامت کے دن ہم اسے نابینا محشور کریں گے''۔

(۱۲۵)وہاں وہ یہ ''عرض کرے گا کہ پروردگار! تو نے مجھے نابینا کیوں محشور کیا ہے جب کہ پہلے تو میں بینا تھا''۔

(۱۲۶)خدا کی طرف سے اسے فوراً یہ جواب دیا جائے گا: یہ اس بناً پر ہے کہ ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں، تو تو نے انہیں فراموش کر دیا اور انہیں ملحوظِ نظر نہ رکھا۔ لہٰذا آج کے دن تو بھی فراموش کر دیا جائے گا۔

اور تیری آنکھیں پروردگار کی نعمتوں اور اس کے مقام قرب کو نہ دیکھ پائیں گی۔

(۱۲۷)اور آخر میں مجموعی نتیجہ نکالتے ہوئے آخری زیر بحث آیت میں فرمایا گیا ہے: اور جو لوگ اسراف کریں گے اور اپنے پروردگار کی آیت پر ایمان نہیں لائیں گے ہم انہیں اسی قسم کی جزا دیں گے۔

''اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ شدید اور زیادہ پائدار ہے۔''

اصولاً زندگی کی یہ تنگی زیادہ تر معنویات کی کمی اور روحانی استغنا کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مستقبل کے بارے میں مطمئن نہ ہونا، موجودہ امکانات و وسائل کے نابود ہو جانے کا خوف اور مادی دنیا کے ساتھ انتہائی وابستگی بھی اس کا سبب بنتی ہے۔ اور وہ شخص کہ جو خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اس نے اس کی پاک ذات کے ساتھ دل لگایا ہے، وہ ان تمام پریشانیوں سے امان میں ہوتا ہے۔

(۱۲۸)اَفَلَمۡ یَہۡدِ لَہُمۡ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ یَمۡشُوۡنَ فِیۡ مَسٰکِنِہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ۠	کیا ان کی ہدایت کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے بہت سے گذشتہ لوگوں کو (جنہوں نے سرکشی اور فساد کیا تھا) ہلاک کر دیا اور یہ ان کے (ویران شدہ) مکانوں میں آتے جاتے ہیں؟ ان میں صاحبانِ عقل کے لئے واضح دلائل موجود ہیں۔
(۱۲۹)وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَکَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّی ؕ	اور اگر تیرے پروردگار کی سنّت و تقدیر اور مقررہ زمانے کا لحاظ نہ ہوتا تو عذابِ الٰہی بہت جلد انہیں دامن گیر ہو جاتا۔

(۱۳۰)فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَ مِنۡ اٰنَآیِٔ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَ اَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّکَ تَرۡضٰی	اس بناء پر جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کرو اور طلوعِ آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور اسی طرح اثنائے شب میں اور دن کے اطراف میں پروردگار کی تسبیح اور حمد بجالاؤ، تاکہ تم خوش رہو۔

تفسیر

گزشتہ لوگوں کی تاریخ سے عبرت حاصل کرو

چونکہ گذشتہ آیات میں مجرمین کے بارے میں بہت بحث ہو چکی ہے۔ لہٰذا زیر بحث پہلی آیت میں بیداری کے ایک بہترین اور مؤثر ترین طریقے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے گزشتہ لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ۔ ارشاد ہوتا ہے:

کیا ان کی ہدایت کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ ہم نے بہت سی گزشتہ اقوام کو کہ جو گزشتہ زمانوں میں زندگی بسر کرتی تھیں ہلاک کر دیا۔

وہی لوگ جو خدا کے دردناک عذاب میں گرفتار ہوئے اور یہ ان کے ویران شدہ گھروں میں آتے جاتے ہیں۔

یہ اپنی آمد و رفت کے راستے میں (یمن کے سفر میں) قوم عاد کے گھروں سے (شام کے سفر میں) قوم ثمود کے مساکن سے (فلسطین کے سفر میں) قوم لوط کے زیر وزبر مکانوں سے گزرتے ہیں اور ان کے آثار دیکھتے ہیں لیکن درس عبرت نہیں لیتے۔

ہاں! ہاں! ''ان میں صاحبانِ عقل کے لئے واضح دلائل اور بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔

گزشتہ لوگوں کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کا موضوع ان مسائل میں سے ایک ہے جو قرآن اور اسلامی احادیث میں بار بار آیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں منقول ہے:

''لوگوں میں سے سب سے زیادہ غافل وہ شخص ہے کہ جو دنیا کے ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے اور متغیر ہونے سے نصیحت حاصل نہیں کرتا اور رات اور دن کے بدلنے میں غور و فکر نہیں کرتا''۔

(۱۲۹) یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے کہ جو یہاں پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس پروگرام کو جو خدا نے گزشتہ زمانے کے مجرمین کے لئے ترتیب دیا تھا، اس گروہ کے لئے کیوں ترتیب نہیں دیتا۔ قرآن کہتا ہے۔ اگر تیرے پروردگار کی سنّت اور تقدیر اور مقرر زمانہ نہ ہوتا، تو عذاب الٰہی جلد ہی دامن گیر ہو جاتا۔

سنّت الٰہی کہ جسے قرآن میں متعدد مواقع پر ''کلمہ'' کہا گیا ہے، یہ انسانوں کی آزادی کے بارے میں حکم فطرت اور فرمانِ

آفرنیش کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اگر ہر مجرم کو فوراً ہی اور بغیر کسی قسم کی مہلت دیئے سزا دے دی جائے۔ تو ایمان اور عمل صالح تقریباً اضطراری اور اجباری پہلو اختیار کرلیں گے اور زیادہ تر خوف اور سزا کی وحشت سے فوری طور پر انجام پا جائیں گے۔ اس بنا پر وہ حصول کمال اور ارتقاء کا ذریعہ نہ ہوں گے حالانکہ یہی ان کا اصل مقصد ہے۔

علاوہ ازیں اگر تمام مجرموں کو فوراً سزا دیئے جانے کا حکم ہوجائے تو پھر تو کوئی بھی روئے زمین پر زندہ نہ بچے گا۔

اس بنا پر ضروری ہے کہ کچھ مہلت ہوتا کہ گنہگار سوچ بچار کرلیں اور اصلاح کی راہ اختیار کریں اور راہِ حق کے تمام راہیوں کر خودسازی کے لئے کچھ مہلت بھی دے دی جائے۔

۱۳۰۔ اس کے بعد روئے سخن پیغمبر ﷺ کی طرف کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: اب جب کہ یہ بنا نہیں ہے کہ ان بدکاروں کو فوری طور پر سزا دی جائے، تو تم ان کی باتوں پر جو وہ تمہیں کہتے ہیں صبر سے کام لو۔

پیغمبر اکرم ﷺ کو روحانی طور پر تقویت پہنچانے اور ان کے دل کو تسلی دینے کے لیئے انہیں خدا کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنے اور نماز و تسبیح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور اسی طرح رات کے درمیان اور دن کے اطراف میں اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجا لاؤ تا کہ تم راضی اور خوشنود رہو اور تمہارا دل ان کی دکھ پہنچانے والی باتوں سے پریشان نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ مشرکین کی بدگویوں اور ناروا باتوں پر صبر کرتے ہوئے یہ حمد و تسبیح شرک و بت پرستی کے خلاف ایک مظاہرہ ہے۔

(۱۳۱) وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى	وہ مادّی نعمتیں جو ہم نے کفّار کے مختلف گروہوں کو دے رکھی ہیں، تم ہرگز ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ یہ دنیوی زندگی کے شگوفے ہیں اور یہ اسلیئے ہے کہ ہم ان کے ذریعہ ان کی آزمائش کریں اور تیرے پروردگار کی روزی ہی بہتر اور سب سے زیادہ پائیدار ہے۔
(۱۳۲) وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى	اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور تم بھی اس کی انجام دہی کے پابند رہو۔ ہم تم سے روزی نہیں چاہتے بلکہ ہم ہی تمہیں روزی عطا فرماتے ہیں اور اچھا انجام تو تقویٰ ہی کے لئے ہے۔

(۱۳۳)وَ قَالُوْا لَوْ لَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ اَوَ لَمْ تَاْتِہِمْ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی	(اور انہوں نے یہ) کہا کہ پیغمبر ہمارے لئے اپنے پروردگار کا کوئی معجزہ یا نشانی لے کر کیوں نہیں آتا؟ (تم ان سے یہ کہہ دو کہ) کیا گزشتہ اقوام کی واضح خبریں جو گزشتہ آسمانی کتابوں میں تھیں، ان کے لئے نہیں آئیں؟
(۱۳۴)وَ لَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰی	اگر ہم انہیں اس (قرآن کے نزول) سے پہلے عذاب کے ذریعے ہلاک کردیتے تو (قیامت میں) کہتے: پروردگار! تو نے ہمارے لئے کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری آیات کی پیروی کرتے؟
(۱۳۵)قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَ مَنِ اهْتَدٰی ۠	تم کہہ دو (ہم اور تم) سب ہی انتظار میں ہیں۔ جب یہ بات ہے تو انتظار کرو لیکن تم جلدی ہی جان لوگے کے صراطِ مستقیم پر کون ہے، اور کون ہدایت یافتہ ہے۔

تفسیر

یہاں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کئی احکام دیئے گئے ہیں کہ جن سے حقیقت میں عام مسلمان مراد ہیں اور یہ اس بحث کی تکمیل ہے کہ جو صبرہ شکیبائی کے سلسلہ میں گزشتہ آیات میں شروع ہوئی ہے۔ پہلے فرمایا گیا ہے: وہ مادی نعمتیں جو ہم نے کفار و مخالفین کے مختلف گروہوں کو دے رکھی ہیں، تم ہرگز ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا۔

ہاں ''یہ ناپائدار نعمتیں و دنیاوی زندگی کے شگوفے ہیں''۔

ایسے شگوفے (اور پھول) کہ جو جلدی کھل جاتے ہیں اور (پھر) مرجھا جاتے ہیں اور ٹکڑے ہوکر زمین پر گر جاتے ہیں اور چند دنوں سے زیادہ پائدار نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود ''یہ سب اس لئے ہیں تا کہ ہم انہیں ان کے ذریعہ آزمائیں۔

بہر حال ''جو کچھ تیرے پروردگار نے تجھے روزی دے رکھی ہے وہ زیادہ بہتر اور پائدار ہے''

خدا نے تجھے انواع وقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ ایمان و اسلام، قرآن و آیاتِ الٰہی، حلال و پاکیزہ روزی، اور آخر میں آخرت کی جاوداں اور دائمی نعمتیں۔ یہ پائدار اور جاودانی رزق ہے۔

(۱۳۲) اس آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو خوش کرنے اور ان کے دل کو تقویت پہنچانے کیلئے فرمایا گیا ہے: اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کے انجام دینے کے لئے پابندی کرو۔

کیونکہ یہ نماز تیرے لئے اور تیرے خاندان کے لئے دل کی پاکیزگی اور صفائی اور روح کی تقویت اور یادِ خدا کے دوام کا سبب ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ اگر نماز کا حکم تجھے اور تیرے خاندان کو دیا گیا ہے تو اس کے فائدے اور برکات بھی صرف تمہارے ہی لئے ہوں گے''ہم تجھ سے روزی نہیں چاہتے بلکہ ہم ہی تجھے روزی دیتے ہیں۔

یہ نماز پروردگار کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں کرتی بلکہ تم انسانوں کے لئے سرمایہ تکامل وارتقا اور تربیّت کا اعلیٰ درجہ ہے۔

اور آیت کے آخر میں مزید فرمایا ہے: اور نیک انجام تو تقویٰ اور پرہیز گاری کے لئے ہی ہے۔

جو چیز باقی رہنے والی ہے اور جس کا انجام مفید، تعمیر اور حیات بخش ہے، وہ تقویٰ اور پرہیز گاری ہی ہے۔ پرہیز گار ہی آخر کار کامیاب ہوں گے اور غیر متقی لوگ شکست کھائیں گے۔

(۱۳۳) اس آیت میں کفّار کی ایک بہانہ جوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: انہوں نے کہا: پیغمبر! اپنے پروردگار کے پاس سے ہماری من پسند کا کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتا۔

فوراً ہی انہیں جواب دیا گیا ہے: کیا گزشتہ اقوام کی واضح خبریں کہ جو گذشتہ آسمانی کتابوں میں آئی تھیں، ان کے لئے نہیں آئیں۔ کہ جو پے در پے معجزات پیش کرنے کے لئے تقاضے اور عذر تراشیاں کرتے تھے اور معجزات دیکھنے کے بعد بھی اپنے کفر وانکار پر باقی رہتے تھے اور خدا کا شدید عذاب انہیں آ پکڑتا تھا۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر یہ بھی اسی راہ پر چلیں گے تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا۔

(۱۳۴) بہر حال یہ بہانہ سازی کرنے والے، حق طلب لوگ نہیں ہیں بلکہ یہ ہمیشہ نئی سے نئی بہانہ تراشی میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ''اگر ہم اس قرآن کے نزول اور پیغمبر اسلام کے آنے سے پہلے، انہیں سزا دے کر ہلاک کر دیتے، تو وہ یہ کہتے کہ پروردگارا! تو نے ہمارے لئے کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے، اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہو جائیں''؟

لیکن اب جبکہ یہ عظیم پیغمبر ایسی باعظمت کتاب لے کر ان کے پاس آیا ہے تو ہر روز نئی سے نئی بات کرتے ہیں اور حق سے فرار کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تراشے رہتے ہیں۔

(۱۳۵) انہیں خبردار کر دو اور یہ''کہہ دو کہ ہم اور تم سب کے سب انتظار کر رہے ہیں۔ ہم تمہارے بارے میں خدائی وعدوں کے انتظار میں ہیں اور تم بھی اس انتظار میں ہو کہ مشکلات اور مصائب تمہیں دامن گیر ہوں۔

''اب جب کہ یہ بات ہے تو انتظار کرو''۔

''لیکن تم بہت جلد جان لو گے کہ راہ مستقیم اور دین حق پر کون لوگ ہیں اور حق کی منزل اور خدا کی جاوداں نعمت کی طرف ہدایت پانے والے کون ہیں''۔

اور اس قاطع اور پرمعنی جملے کے ساتھ قرآن ہٹ دھرم اور بہانہ ساز منکرین سے اپنی گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔

سورہ انبیاء

سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اوراس کی ۱۱۲ آیات ہیں

سورہ انبیاء کے مضامین

1۔ یہ سورہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، انبیاء کی سورت ہے کیونکہ اس میں سولہ انبیاء کے نام آئے ہیں بعض کے خاص خاص حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور بعض کا صرف ذکر ہے۔ اور وہ ہیں: موسیٰ، ہارون، ابراہیم، لوط، اسحٰق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسمٰعیل، ادریس، ذالکفل، ذالنون (یونس) زکریا اور یحیٰ علیہم السلام۔

2۔ اس کے علاوہ مکی سورتوں کی خصوصیت ہے کہ وہ عقائد دینی خصوصاً مبدأ و معاد کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ اس سورہ میں بھی یہ بات پوری طرح موجود ہے۔

3۔ اس سورہ کے ایک حصہ میں حق کی باطل پر، توحید کی شرک پر، عدل وانصاف کے لشکر کی جنود ابلیس پر کامیابی وکامرانی کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

4۔ یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ سورہ غافل اور بے خبر لوگوں کو سختی کے ساتھ تنبیہ کرتے ہوئے حساب وکتاب سے شروع ہوتا ہے اور اس کے اختتام میں بھی اسی سلسلہ کی دوسری تنبیہات ہیں۔

سورۂ انبیاء کی فضیلت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں منقول ہے:

''جو شخص سورہ انبیاء کو پڑھے گا، خدا اس کے حساب کو آسان کردے گا۔ (روز قیامت اس کے اعمال کا حساب لینے میں سخت گیری نہیں کرے گا) اور ہر وہ پیغمبر کہ جس کا نام قرآن میں ذکر ہوا ہے وہ اس سے مصافحہ کرے گا اور اسے سلام کرے گا''۔

اور اس کا پڑھنا مقدمہ اور تمہید ہے سمجھنے کے لئے اور سمجھنا مقدمہ ہے ایمان وعمل کے لئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَ هُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ	لوگوں کا (وقت) حساب ان کے نزدیک آچکا ہے لیکن وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔
(۲) مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَ هُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۙ	جو کوئی بھی نئی نصیحت ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس آتی ہے وہ اسے کھیل سمجھتے ہیں اور مذاق اڑانے کے انداز میں اسے سنتے ہیں،

(۳)لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۖۗ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ	(حالت یہ ہے کہ) ان کے دل کھیل اور بیخبری میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ ظالم چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا اس کے سوا کچھ اور بات بھی ہے کہ یہ تم ہی جیسا ایک بشر ہے؟ کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟
(۴)قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۫ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ	(لیکن پیغمبر نے) فرمایا میرا پروردگار آسمان اور زمین کی ہر بات جانتا ہے اور وہ (بڑا) سننے والا اور جاننے والا ہے۔
(۵)بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۖۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ	انہوں نے کہا: (جو کچھ محمد ﷺ لائے ہیں یہ وحی نہیں ہے) یہ پریشان خواب وخیال ہیں بلکہ اس نے دل سے جھوٹ گھڑ کے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے، وہ ایک شاعر ہے۔ (اگر وہ سچا ہے) تو ہمارے لئے ایسا ہی ایک معجزہ لے آئے جیسے معجزے پہلے انبیاء کو دے کر بھیجا گیا تھا۔

تفسیر

یہ سورہ تمام لوگوں کیلیے ایک سخت تنبیہ کے ساتھ شروع ہوتی ہے، بلکہ ہلا دینے والی اور بیدار کن تنبیہ۔ فرمایا گیا ہے: لوگوں کا حساب ان کے قریب آ پہنچا ہے، حالانکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور منہ موڑے ہوئے ہیں۔

ان کا عمل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس غفلت اور بے خبری نے ان کے سارے وجود کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے، ورنہ یہ بات کیسے ممکن ہوسکتی ہے کہ انسان حساب کے نزدیک ہونے پر ایمان رکھتا ہو۔ وہ بھی دقیق حساب۔ اور پھر وہ تمام مسائل کو معمولی سمجھے اور ہر قسم کے گناہ میں آلودہ ہو۔

حساب کا نزدیک ہونا گزشتہ کی نسبت نزدیک خاص طور پر جبکہ پیغمبر اسلام ﷺ سے یہ منقول ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

میری بعث اور قیامت ان دونوں (انگلیوں) کی طرح ہے (شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔

(۲) یہ آیت ان کے اعراض اور روگردانیوں کی ایک نشانی کو اس صورت میں بیان کرتی ہے: ان کے رب کی جو بھی کوئی نئی نصیحت اور یاددہانی ان کے پاس آتی ہے، وہ اسے کھیل اور مذاق کے موڈ میں سنتے ہیں۔

اصولی طور پر جاہل، متکبر اور خودغرض لوگوں کی ایک بدبختی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ خیرخواہی کرنے والوں کی پندونصائح کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہی بات اس کا سبب بن جاتی ہے کہ وہ ہرگز خواب غفلت سے بیدار نہ ہوں جبکہ ایک مرتبہ بھی وہ سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کریں، تو ہوسکتا ہے کہ ان کی زندگی کا راستہ اسی لمحے تبدیل ہوجائے۔

(۳) پھر مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے: وہ ایسی حالت میں ہیں کہ ان کے دل لہوولعب اور بے خبری میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

کیونکہ وہ تمام محکم اور سنجیدہ مسائل کو ظاہری لحاظ سے شوخی اور لہوولعب سمجھتے ہیں۔

اور یہ امر فطری اور طبیعی ہے کہ ایسے افراد ہرگز راہ سعادت نہیں پاسکتے۔

اس کے بعد ان کے شیطانی منصوبوں کے ایک گزشتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

یہ ظالم سازش پر مبنی اپنی سرگوشیاں چھپاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تم ہی جیسا ایک عام بشر ہے۔

جبکہ وہ ایک عام بشر زیادہ نہیں ہے، تو لازماً اس کے یہ خارق عادت کام اور اس کی بات کی اثر پذیری جادو کے سوا کچھ نہیں ''تو کیا تم جادو کے پیچھے جاتے ہو، حالانکہ تم (یہ سب کچھ) دیکھ رہے ہو۔

وہ اپنی اس گفتگو میں دو چیزوں کا سہارا لیتے تھے۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بشر ہونا اور دوسرے ان کی طرف جادو کی نسبت دینا۔ اور بعد کی آیات میں جو اور چیزیں انہوں نے غلط منسوب کیں ان کا ذکر بھی آئے گا۔ قرآن ان کا بھی جواب دیتا ہے۔

(۴) لیکن پہلے قرآن کلی صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے اس طرح جواب دیتا ہے۔

میرا پروردگار ہر بات کو جانتا ہے چاہے وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔

یہ تصور نہ کرنا کہ تمہاری مخفی باتیں اور پوشیدہ سازشیں اس پر مخفی ہیں۔ کیونکہ ''وہ سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے''۔

وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے اور تمام کاموں سے باخبر ہے۔ نہ صرف وہ باتوں کو سنتا ہے بلکہ وہ ان خیالات وتصورات کو بھی جو ان کے ذہنوں میں گزرتے ہیں اور ان ارادوں کو بھی کہ جو ان کے سینوں میں چھپے ہوئے ہیں، جانتا ہے۔

(۵) مخالفین کی بہانہ بازیوں کی دو قسموں کا بیان کرنے کے بعد، ان بہانہ بازیوں کی دوسری چار قسموں کا ذکر شروع کرتے ہوئے قرآن اس طرح کہتا ہے:

انہوں نے کہا کہ پیغمبر جو کچھ وحی کے عنوان سے لایا ہے، یہ پریشان خوابوں اور پراگندا خیالوں کے سوا کچھ بھی نہیں کہ جنہیں

وہ حقیقت اور واقعیت سمجھ بیٹھا ہے۔

اور کبھی اپنی اس بات کو بدل کر کہتے ہیں کہ: ''وہ جھوٹا آدمی ہے اور اس نے خدا سے یہ باتیں جھوٹ منسوب کی ہیں۔

اور کبھی کہتے ہیں کہ: ''نہیں وہ تو ایک شاعر ہے'' اور یہ باتیں اس کے شاعرانہ تخیلات کا مجموعہ ہیں۔

اور آخری مرحلہ میں کہتے ہیں کہ اگر ہم ان تمام باتوں کو چھوڑ دیں پھر بھی، اگر وہ سچ کہتا ہے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا (رسول) ہے تو ہمارے لئے کوئی معجزہ لے کر آئے جیسا کہ گزشتہ انبیاء معجزات کے ساتھ بھیجے گئے تھے''۔

رسول اکرم ﷺ کی طرف ان چیزوں کی نسبت، جو ایک دوسرے کی نقیض اور ضد ہیں، کا مطالعہ اور تحقیق خود اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ وہ لوگ حق طلب اور حقیقت کے متلاشی نہیں تھے بلکہ ان کا مقصد بہانہ جوئی اور حریف کو ہر قیمت اور ہر صورت میں میدان سے باہر نکالنا تھا۔

(٦)مَآ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا‌ ۚ اَفَهُمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ	تمام آبادیاں جنہیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا (معجزات دیکھنے کے باوجود) وہ ہرگز ایمان نہ لائے، تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے؟
(٧)وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ‌ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ	ہم نے تجھ سے پہلے مرد ہی بھیجے کہ جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ (وہ سب کے سب انسان ہی تھے اور نوعِ بشر سے تھے) اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔
(٨)وَ مَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوۡا خٰلِدِيۡنَ	ہم نے انہیں ایسے جسم نہیں دیئے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ عمر جاوداں رکھتے تھے۔
(٩)ثُمَّ صَدَقۡنٰهُمُ الۡوَعۡدَ فَاَنۡجَيۡنٰهُمۡ وَ مَنۡ نَّشَآءُ وَ اَهۡلَكۡنَا الۡمُسۡرِفِيۡنَ	اس کے بعد جو وعدہ ہم نے ان سے کیا تھا اس کو ہم نے وفا کیا، انہیں اور جس جسکو ہم چاہتے تھے (ان کے دشمنوں کے چنگل سے) نجات دی اور زیادتی کرنیوالے کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

(۱۰)لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۠	ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جس میں تمہارے لئے نصیحت (اور بیداری) کا وسیلہ موجود ہے۔کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟

تفسیر

تمام پیغمبر نوع بشر میں سے تھے

گزشتہ آیات میں دشمنان اسلام کی طرف سے ایسے چھ اعتراضات کا ذکر تھا کہ جو ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔ یہاں انہیں کا جواب دے رہی ہیں۔

یہ پہلی آیت ان کے من پسند معجزات یہ طلب کرنے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔اور کہتی ہے: تمام شہر اور آبادیاں کہ جنہیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا ہے، انہوں نے بھی اس قسم کے معجزات کا تقاضا کیا تھا لیکن جب ان کے مطالبات پورے کر دیئے گئے تو وہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے۔

اس ضمن میں انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ اگر اقتراحی معجزات کے سلسلے میں تمہارے تقاضے کو پورا کر دیا جائے اور پھر بھی تم ایمان نہ لاؤ۔تو تمہاری تباہی و نابودی حتمی و یقینی ہو جائے گی۔

(۷) یہ آیت ان کے سب سے پہلے اعتراض کا خصوصیت سے جواب دے رہی ہے، یہ اعتراض پیغمبر کے بشر ہونے کے سلسلے میں تھا۔آیت کہتی ہے تو ہی نہیں کہ جو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ انسان بھی ہے بلکہ تمام کے تمام پیغمبر جو تجھ سے پہلے آئے ہیں وہ سب کے سب مرد ہی تو تھے کہ

جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ جسے سب لوگ جانتے ہیں اور اس سے آگاہ ہیں ''اور اگر تم نہیں جانتے، تو جو آگاہ ہیں ان سے پوچھ لو''۔

(۸) یہ آیت انبیاء کے بشر ہونے کے سلسلے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے: ہم نے پیغمبروں کو ایسے جسم نہیں دیئے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ ہرگز عمر جاوداں بھی نہیں رکھتے تھے۔

انسانوں کے رہبر کو انہیں کی نوع میں سے ہونا چاہئے، ان ہی اغراض، احساسات، جذبات، احتیاجات اور علائق کے ساتھ تاکہ وہ ان کے درد اور تکالیف کو محسوس کرے۔اور علاج کا بہترین طریقہ اپنی تعلیمات کے ذریعے پیش کرے تاکہ وہ تمام انسانوں کے لئے نمونہ اور ایک اسوہ بنے اور سب پر حجت تمام کرے۔

(۹) اس کے بعد سخت اور ہٹ دھرم منکرین کو تنبیہ اور خبردار کرنے کے عنوان سے قرآن اس طرح کہتا ہے: ہم نے اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا تھا ہم انہیں دشمنوں کے چنگل سے رہائی بخشیں گے اور ان کے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیں گے، ہاں!

آخرکار ہم نے اپنے اس وعدہ کر پورا کیا اور ان کی صداقت کو آشکار کیا انہیں اور ان تمام لوگوں کو کہ جنہیں ہم چاہتے تھے نجات دی اور زیادتی کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کردیا۔

ہاں! جس طرح افراد بشر میں سے رہبران بشر کو منتخب کرنا ہماری سنت تھی، یہ بھی ہماری سنت تھی۔ کہ ہم مخالفین کی سازشوں کے مقابلہ میں ان کی حمایت کریں اور اگر پے در پے پند ونصائح ان پر اثر انداز نہ ہوں تو صفحۂ زمین کو ان کے وجود کی گندگی سے پاک کردیں۔

(۱۰) آیت میں ایک مختصر اور پرمعنی جملے میں مشرکین کے اکثر اعتراضات کا نئے سرے سے جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جس میں تمہاری بیداری کا وسیلہ موجود ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

جو شخص اس کتاب کی آیات کا مطالعہ کرے کہ جو معاشرے کے لئے تذکر اور دل کی بیداری اور فکر ونظر کے تحرک اور پاکیزگی کا موجب ہیں، تو وہ اچھی طرح سے جان لے گا کہ یہ ایک واضح اور جاودانی معجزہ ہے۔ اس آشکار معجزے کے ہوتے ہوئے کہ جس میں مختلف جہات سے اعجاز کے آثار نمایاں ہیں۔ (انتہائی زیادہ قوت جاذبہ کی جہت سے، مضامین کی جہت سے، احکام وقوانین کی جہت سے اور عقائد ومعارف وغیرہ کی جہت سے) کیا پھر بھی کسی دوسرے معجزے کی انتظار میں ہو؟

قرآن کا بیدار کرنے والا ہونا، جبری اور اضطراری پہلو نہیں رکھتا بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ انسان خود چاہتا ہو اور وہ اپنے دل کے دریچے اس کے سامنے کھول دے۔

(۱۱) وَ كَمۡ قَصَمۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ كَانَتۡ ظَالِمَةً وَّ اَنۡشَاۡنَا بَعۡدَهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ	ہم نے کتنی ایسی بستیوں کو کہ جو ظالم تھیں درہم برہم کردیا اور ان کے بعد ہم ایک دوسری قوم کو لے آئے۔
(۱۲) فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَرۡكُضُوۡنَ ؕ	انہوں نے جس وقت ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو اچانک راہِ فرار اختیار کی۔
(۱۳) لَا تَرۡكُضُوۡا وَ ارۡجِعُوۡۤا اِلٰى مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِيۡهِ وَ مَسٰكِنِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡـَٔلُوۡنَ	فرار نہ کرو اور اپنی ناز ونعمت سے پُر زندگی کی طرف لوٹ آؤ اور اپنے خوبصورت گھروں میں (آجاؤ)، شائد کہ سائل آئیں اور تم سے سوال کریں۔ (اور تم ان کو محروم کر کے پلٹا دو)
(۱۴) قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ	انہوں نے کہا: ہائے افسوس ہم پر کہ ہم ظالم تھے۔

(۱۵)فَمَا زَالَتْ تِّلْکَ دَعْوٰهُمْ حَتّٰی جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ	پس وہ اسی طرح سے اپنی ان باتوں کو دہرا رہے تھے، یہاں کہ ہم نے انہیں جڑ سے کاٹ کر خاموش کر دیا۔

تفسیر

ظالم عذاب کے چنگل میں کیسے گرفتار ہوئے؟

یہاں ان آیات میں ان باتوں کے بعد کہ جو ہٹ دھرم مشرکین اور کفار کے بارے میں گزریں، قرآن گزشتہ قوموں کے انجام کے ساتھ ان کے انجام کا موازنہ کر کے واضح کرتا ہے

پہلے کہتا ہے: کتنی ظالم اور ستمگر آبادیاں ایسی تھیں کہ جنہیں ہم نے تہ و بالا کر دیا۔

''اور ان کے بعد ایک دوسری قوم کو میدان آزمائش میں لے آئے''۔

(۱۲) اب ان کے حالات کی تفصیل بیان کی گئی ہے جب کہ عذاب ان کی آبادیوں کو آلیتا تھا۔ خدائی عذاب کے مقابلہ میں ان کی بیچارگی واضح کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: جس وقت انہوں نے محسوس کیا کہ خدا کا عذاب انہیں دامن گیر ہو کے رہے گا تو انہوں نے فرار کی راہ اختیار کی۔

ٹھیک ایک شکست خوردہ لشکر کی مانند کہ جو دشمن کی برہنہ شمشیروں کو اپنی پشت پر دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ کھڑا ہو۔

(۱۳) لیکن سرزنش کے عنوان سے انہیں کہا جائے گا: بھاگو نہیں! اور اپنی ناز و نعمت سے پر زندگی اور زر و جواہر بھرے ہوئے مکانوں، محلوں، بنگلوں کی طرف پلٹ آؤ، شاید سائل تم سے سوال کریں۔

یہ عبارت ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہمیشہ ان کی پر ناز و نعمت زندگی میں سائل اور خیرات مانگنے والے ان کے گھروں کے دروازوں پر امید لے کر آتے تھے اور محروم ہو کر پلٹ جاتے تھے۔ انہیں کہا گیا ہے کہ ''پلٹ جاؤ اور انہیں نفرت انگیز مناظر کو پھر دہراؤ''

یہ حقیقت میں ایک قسم کا استہزاء اور سرزنش ہے۔

(۱۴) بہر حال وہ اس وقت بیدار ہوں گے اور جس چیز کو وہ پہلے مذاق سمجھتے تھے اسے سنجیدہ ترین صورت میں اپنے سامنے دیکھیں گے اور وہ چیخ اٹھیں گے ''اور کہیں گے وائے ہو ہم پر کہ ہم ظالم و ستمگر تھے۔

(۱۵) لیکن یہ اضطراری بیدار کہ عذاب کے حقیقی مناظر کے سامنے ہر شخص میں پیدا ہو جاتی ہے بے قدر قیمت ہے اور اس سے ان کا انجام بدل نہیں سکتا لہٰذا قرآن آخری زیر بحث آیت میں اضافہ کرتا ہے:

اور وہ اس طرح اس بات کا کہ ''وائے ہو ہم پر کہ ہم ظالم تھے'' تکرار کر رہے تھے کہ ہم نے ان کی جڑ کو کاٹ کر رکھ دی اور انہیں خاموش کر دیا۔

(۱۶)وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ	ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔
(۱۷)لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ﴿ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ	بفرضِ محال اگر ہم چاہتے بھی کہ کوئی سرگرمی (اور مشغولیت) ڈھونڈیں تو اپنے شایانِ شان کسی چیز کا انتخاب کرتے۔
(۱۸)بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط وَ لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ	بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں تاکہ اسے (باطل کو) ہلاک کردیں اور اس طرح باطل نابود ہوجاتا ہے۔لیکن تم پر وائے ہو اس توصیف پر کہ جو تم کرتے ہو۔

تفسیر

آسمان وزمین کی خلقت کھیل نہیں ہے

چونکہ گزشتہ آیات میں یہ حقیقت بیان ہوئی تھی کہ ظالم بے ایمان اپنی خلقت کے بارے میں سوائے عیش وعشرت کے کسی مقصد کے قائل نہیں تھے اور حقیقتاً اس جہان کو بے مقصد خیال کرتے تھے۔قرآن مجید یہاں، اس طرزِ فکر کو باطل قرار دینے اور پوری کائنات خصوصاً انسانوں کی خلقت کے لئے گراں قدر مقصد ہونے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے: ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے فضول اور بے ہودہ پیدا نہیں کیا ہے۔

یہ پھیلی ہوئی زمین، یہ وسیع آسمان اور ان میں موجود یہ قسم قسم کی موجودات، اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ کوئی اہم مقصد پیش نظر تھا۔

ہاں! مقصد تھا اور وہ یہ تھا کہ ایک طرف تو وہ اس عظیم پیدا کرنے والے وجود کا ثبوت بنیں اور دوسری طرف سے "معاد" کے لئے دلیل بنیں ورنہ یہ سب شور وغل چند دن کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

(۱۷) یہ آیت کہتی ہے کہ اب جبکہ یہ بات مسلم ہوگئی کہ عالم بے مقصد نہیں ہے۔، یہ بھی مسلم ہے کہ اس خلقت کا مقصد، خدا کا خلقت کے کام میں سرگرم اور مشغول رہنا نہیں ہے کیونکہ ایسی سرگرمی اور مشغولیت غیر معقول ہے بفرض محال اگر ہم چاہتے کہ اپنے لئے کوئی سرگرمی ڈھونڈیں، تو ایسی چیز کا انتخاب کرتے کہ جو ہمارے لئے مناسب ہوتی۔

زیر بحث آیت دو حقائق کو بیان کرتی ہے۔اول تو یہ امر محال ہے کہ پروردگار کا مقصد اپنے آپ کو مشغول رکھنا ہو۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے: فرض کریں کہ اگر مقصد مشغول رہنا ہو، تو یہ سرگرمی اس کی ذات کے شایان شان ہونا چاہئے۔ عالم مجردات اور اسی قسم کی چیزوں میں سے، نہ کہ اس عالم سے کہ جو مادہ میں محدود ہے۔

(۱۸)اس کے بعد قطعی اور دوٹوک الفاظ میں ان احمقوں کے اوہام کو باطل کرنے کے لئے کہ جو دنیا کو بے مقصد یا صرف مشغول اور سرگرم رہنے کا ذریعہ خیال کرتے ہیں، قرآن اس طرح کہتا ہے: یہ جہان ایک ایسا مجموعہ ہے کہ جو حقیقت و واقعیت ہے، یہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی بنیاد باطل پر ہو بلکہ ہم حق کو باطل کے سر پر دے پٹخیں گے تا کہ اسے نابود اور ہلاک کر دے اور باطل محو و نابود ہو جائے۔

اور آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: لیکن تم پروائے ہو، اس توصیف پر، کہ جو تم عالم کے بے مقصد ہونے کے بارے میں کرتے ہو۔

یعنی ہم ہمیشہ بے ہودگی کی طرف مائل لوگوں کے خیالات واوہام کے مقابلے میں عقلی دلائل، واضح استدلال اور اپنے آشکار معجزات پیش کرتے ہیں تا کہ غور فکر کرنے والوں اور صاحبان عقل کی نظروں میں، یہ خیالات واوہام درہم برہم ہو جائیں۔

(۱۹)وَ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ	جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت پر گھمنڈ نہیں کرتے اور نہ ہی تھکتے ہیں۔
(۲۰)یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ	رات دن تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور کمزوری و کاہلی نہیں دکھاتے۔
(۲۱)اَمِ اتَّخَذُوْۤا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ	کیا انہوں نے ایسے زمینی خدا بنا لئے ہیں کہ جو پیدا کر کے انہیں پھیلاتے ہوں؟
(۲۲)لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ	اگر آسمان و زمین میں خدا کے سوا اور کئی خدا ہوتے تو ان دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ یہ لوگ جو توصیفات بیان کر رہے ہیں عرش کا پروردگار اللہ ان تمام باتوں سے منزّہ اور پاک ہے۔
(۲۳)لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ	کوئی شخص اس کے کام پر اعتراض نہیں کر سکتا جبکہ ان کے کاموں پر اعتراض ہو سکتا ہے۔

(۲۴) اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ ۚ هٰذَا ذِكۡرُ مَنۡ مَّعِىَ وَ ذِكۡرُ مَنۡ قَبۡلِىۡ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَـقَّ فَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ	کیا انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں؟ تم کہہ دو کہ اپنی دلیل لاؤ، یہ تو میری اور ان (پیغمبروں) کی بات ہے جو مجھ سے پہلے تھے، لیکن ان (لوگوں) میں سے اکثر حق کو نہیں سمجھتے، اسی وجہ سے وہ اس سے روگردان ہو جاتے ہیں۔
(۲۵) وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ	اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی بھی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس کی طرف ہم نے یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔

تفسیر

شرک خیال آرائی سے شروع ہوتا ہے

گزشتہ آیات میں اس حقیقت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ عالم ہستی بغیر ہدف و مقصد کے نہیں ہے بلکہ یہ انسانوں کے لئے ایک جچا تُلا ہدف کمال رکھتا ہے۔

ممکن ہے یہ توہّم پیدا ہو کہ خدا کو ہمارے ایمان اور عبادت کی کیا ضرورت ہے لہٰذا زیر نظر پہلی آیت یہاں پہلے اسی بات کا جواب دیتی ہیں اور کہتی ہیں: تمام (ذوی العقول) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اسی کی ملکیت ہیں۔

''اور وہ فرشتے کہ جو مقربان بارگاہ الٰہی ہیں، کبھی بھی اس کی عبادت پر تکبر نہیں کرتے اور نہ کبھی تھکتے ہیں''۔

(۲۰) وہ ہمیشہ رات دن تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور معمولی کمزوری اور کاہلی بھی وہ اپنے پاس نہیں آنے دیتے۔

ان حالات میں اسے تمہاری اطاعت و عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب عظیم فرشتے شب و روز اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں بلکہ وہ تو ان کی عبادت کا بھی محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اس نے تمہیں ایمان، عمل، صالح، بندگی اور عبادت کا حکم دیا ہے تو اس کا فائدہ تمہارے ہی لئے ہے۔

(۲۱) جب گزشتہ آیات میں عالم ہستی کے فضول اور بے مقصد ہونے کی نفی ہو چکی اور یہ ثابت ہو گیا کہ یہ عالم ایک مقدس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، تو اس کے یہاں اس جہاں کے مدبر و مدیر اور وحدت معبود کا مسئلہ شروع کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، کیا انہوں نے زمین پر کچھ خدا بنا لئے ہیں، ایسے خدا کہ جو موجودات کو تخلیق و حیات عطا کریں۔ اور جہان ہستی میں انہیں پھیلا سکیں۔

(۲۲) یہ آیت معبودوں اور خداؤں کی نفی کے لئے ایک نہایت روشن دلیل کو اس طرح سے بیان کرتی ہے: اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور بھی کوئی معبود اور خدا ہوتا۔ تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ اور نظام جہاں درہم برہم ہو جاتا۔

عرش کا پروردگار خدا اس توصیف سے کہ جو وہ کرتے ہیں منزہ اور پاک ہے

یہ ناروا نسبتیں اور یہ بناوٹی خدا اور خیالی معبود اوہام وخیالات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اور اس کی پاک ذات کی کبریائی کا دامن ان ناروا نسبتوں سے آلودہ نہیں ہوسکتا۔

وہ دلیل، جو مذکورہ بالا آیت میں توحید کے اثبات اور کئی معبودوں کی نفی کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ سادہ، آسان، روشن اور واضح ہونے کے باوجود اس سلسلے کی وقیق فلسفی دلیلوں میں سے ایک ہے کہ جسے علما ''برھان تمانع'' کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ اس دلیل کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

ہم بلا شک وشبہ اس جہان میں ایک نظام واحد کو حکم فرما دیکھ رہے ہیں، ایسا نظام کہ جو تمام جہات سے ہم آہنگ ہے۔ اس کے قوانین کی یہ ہم آہنگی اور نظام آفرینش اس بات کی ترجمانی کرتے ہیں کہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہی مبدأ ہے کیونکہ اگر متعدد مبدأ ہوتے اور اس میں متعدد ارادے کارفرما ہوتے تو یہ ہم آہنگی ہرگز موجود نہ ہوتی اور وہی چیز کہ جسے قرآن ''فساد'' سے تعبیر کرتا ہے دنیا میں صاف طور پر نظر آتی۔

(۲۳) اس استدلال سے کہ جو آیت میں بیان ہوا ہے، عالم کے مدبر اور اسے چلانے والے کی توحید ثابت ہوگئی تو اس آیت میں فرمایا گیا ہے: اس نے اس طرح سے حکیمانہ طور جہان کو نظام بخشا ہے کہ کسی قسم کے اعتراض وگفتگو کی اس میں گنجائش ہی نہیں ہے۔ کوئی شخص اس کے کام پر تنقید نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی (اعتراض کے طور پر) اس سے سوال کرسکتا ہے جبکہ دوسرے اس طرح نہیں ہیں۔ ان کے افعال وکردار میں بہت سے اعتراضات اور سوالوں کی گنجائش ہے۔

ہم دو قسم کے سوال کرتے ہیں۔ سوال کی ایک قسم تو وہ ہے جسے توضیحی سوال کہتے ہیں کیونکہ انسان کچھ مسائل سے بے خبر ہوتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ ان کی حقیقت معلوم کرے۔ اس قسم کے سوالات خدا کے افعال کے بارے میں بھی جائز ہیں باقی رہی سوال کی دوسری قسم، وہ اعتراضی سوال ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ انجام دیا گیا فعل نادرست اور غلط تھا۔ مسلمہ طور پر خداوند حکیم کے افعال پر اس قسم کے اعتراضات کوئی معنی نہیں رکھتے لیکن دوسروں کے افعال میں اس قسم کے سوالات کی بہت گنجائش ہوتی ہے۔

(۲۴) یہ آیت نفی شرک کے سلسلے میں دو دوسری دلیلوں پر مشتمل ہے۔ گزشتہ دلیل مل کر یہ مجموعاً تین دلیلیں ہو جائیں گی۔ پہلے فرمایا گیا ہے۔ کیا انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے معبود منتخب کر لئے ہیں؟ تم کہہ دو کہ تم اپنی دلیل پیش کرو۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر گزشتہ دلیل سے کہ جس کی بنیاد یہ تھی کہ عالم ہستی کا نظام توحید کی دلیل ہے۔ صرف نظر کرلو تو کم از کم شرک اور ان خداؤں کی الوہیت ثابت کرنے کے لئے تو کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے۔ تو پھر عاقل انسان ایسی بات بغیر دلیل کے کیسے قبول کرتا ہے؟

اس کے بعد آخری دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ صرف میں اور میرے ہمراہی نہیں کہ جو توحید کی بات کرتے ہیں بلکہ تمام گزشتہ انبیاء اور سب ایمان لانے والے مؤحد تھے۔ یہ وہی دلیل ہے کہ جسے علماء عقائد نے خدا کی وحدانیت کے مسئلہ پر انبیاء کے اجماع واتفاق کے عنوان کے ماتحت بیان کیا ہے۔

ممکن ہے کہ کبھی بت پرستوں کی کثرت .... بعض لوگوں کے لئے توحید قبول کرنے میں مانع ہو لہٰذا قرآن مزید کہتا ہے: لیکن ان میں اکثر حق کو نہیں جانتے اس لئے انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا ہے۔

بہت سے معاشروں میں نادان اکثریت کی مخالفت کرنا ہمیشہ بے خبر لوگوں کے لئے روگردانی کے مترادف قرار دی جاتی رہی ہے اور قرآن نے اس اکثریت کے طرز عمل کو بنیاد بنانے کی شدت کے ساتھ مذمت کی ہے۔

(۲۵) ممکن ہے کہ بعض بے خبر یہ کہنے لگیں کہ ہمارے سامنے عیسیٰ علیہ السلام جیسے انبیاء بھی ہیں کہ جنہوں نے متعدد خداؤں کی طرف دعوت دی ہے۔ تو قرآن آخری زیر بحث آیت میں کہتا ہے: ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے پاس یہ وحی نہ آئی ہو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے لہذا میری ہی عبادت کرو۔

اس طرح سے یہ ثابت ہو گیا کہ نہ عیسیٰ نے اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور پیغمبر نے کبھی شرک کی دعوت دی تھی اور اس قسم کی نسبتیں تہمت ہیں۔

(۲۶) وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَہٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّکۡرَمُوۡنَ ۙ	انہوں نے کہا کہ خدائے رحمٰن اولاد رکھتا ہے۔ اس کی ذات منزہ ہے (اس عیب و نقص سے)۔ یہ (فرشتے تو) اس کے مکرم بندے ہیں۔
(۲۷) لَا یَسۡبِقُوۡنَہٗ بِالۡقَوۡلِ وَ ھُمۡ بِاَمۡرِہٖ یَعۡمَلُوۡنَ	جو ہرگز بات کرنے میں اس پر سبقت نہیں کرتے اور اس کے فرمان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔
(۲۸) یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ وَ مَا خَلۡفَھُمۡ وَ لَا یَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰی وَ ھُمۡ مِّنۡ خَشۡیَتِہٖ مُشۡفِقُوۡنَ	وہ (خدا) ان (فرشتوں) کے آج کے اور آئندہ کے تمام اعمال کو بھی جانتا ہے اور ان کے گزشتہ اعمال سے بھی آگاہ ہے اور وہ سوائے اس شخص کے کہ جس سے خدا راضی ہے کسی کی شفاعت نہیں کرتے اور وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔
(۲۹) وَ مَنۡ یَّقُلۡ مِنۡھُمۡ اِنِّیۡۤ اِلٰہٌ مِّنۡ دُوۡنِہٖ فَذٰلِکَ نَجۡزِیۡہِ جَھَنَّمَ ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ ۠	اور جو کوئی ان (فرشتوں) میں سے یہ کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں۔ تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح سے سزا دیتے ہیں۔

تفسیر

فرشتے مکرم اور فرمانبردار بندے ہیں

چونکہ گزشتہ بحث کی آخری آیت میں پیغمبروں اور ہر قسم کے شرک کی نفی کے بارے میں گفتگو تھی، اس آیت میں سب کے سب بحث فرشتوں کے خدا کی اولاد ہونے کی نفی کے بارے میں ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ بہت سے مشرکین عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے خدا کی اولاد ہیں اور اسی بنا پر کبھی ان کی پرستش کرتے تھے۔قرآن نے یہاں صراحت کے ساتھ اس بے ہودہ اور بے بنیاد عقیدے کی مذمت کرتا ہے اور مختلف دلائل کے ساتھ اس کا بطلان ظاہر کرتا ہے۔

پہلے کہتا ہے: انہوں نے کہا کہ خدائے رحمٰن کی اولاد ہے۔

اگر ان کی مراد حقیقی بیٹا ہو تو اس کے لئے جسم لازم ہے اور اگر یہ مستبنیٰ (منہ بولا بیٹا) ہو کہ جو عربوں میں معمول تھا، تو وہ بھی ضعف واحتیاج کی دلیل ہے لیکن ایک ازلی، ابدی وجود جو جسم نہ رکھتا ہو اور ہر لحاظ سے بے نیاز ہو اسکے بارے میں بیٹا یا اولاد کوئی معنی نہیں رکھتی۔

لہٰذا ساتھ ہی فرمایا ہے: وہ اس عیب ونقص سے پاک اور منزہ ہے۔

اس کے بعد فرشتوں کی صفات چھ شقوں میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ مجموعی طور اس بات پر ایک روشن دلیل ہیں کہ وہ خدا کی اولاد نہیں ہیں۔

1۔وہ بندگان خدا ہیں۔

2۔وہ مکرم ومحترم بندے ہیں۔

وہ بھاگ جانے والے غلاموں کی طرح نہیں ہیں کہ جو اپنے آقا کی سختی اور دباؤ تلے رہ کر خدمت کرتے ہیں بلکہ وہ ایسے بندے ہیں کہ جو ہر لحاظ سے مکرم ہیں اور جو راہ عبودیت کو اچھی طرح سے جانتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔خدا نے بھی عبودیت میں ان کے خلوص کی وجہ سے انہیں مکرم ومحترم قرار دیا ہے۔اور انہیں اپنی بہت سی نعمات عطا کی ہیں۔

(۲۷)۔3۔وہ اس قدر مؤدب اور خدا کے فرمانبردار ہیں کہ ''کبھی بات کرنے میں اس پر سبقت نہیں کرتے''۔

4۔اور عمل کے لحاظ سے بھی ''وہ صرف اسی کے فرمان پر عمل کرتے ہیں''۔

کیا یہ صفات، اولاد کی ہوسکتی ہیں یا بندوں کی؟

(۲۸) اس کے بعد ان کے بارے میں خدا کے احاطہ عملی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

خدا ان کے آج اور آیندہ کے اعمال کو بھی جانتا ہے اور گذشتہ کو بھی ان کی دنیا سے بھی آگاہ ہے اور ان کی آخرت سے بھی۔ ان کے وجود سے پہلے بھی اور ان کے وجود کے بعد بھی۔

مسلمہ طور پر فرشتے اس امر سے آگاہ ہیں کہ خدا ان کے بارے میں یہ سب کچھ جانتا ہے اور یہی عرفان اس بات کا سبب بنتا ہے کہ وہ نہ تو اس سے پہلے کوئی بات کہتے ہیں اور نہ ہی اس کے فرمان سے سرتابی کرتے ہیں۔

5۔اس میں شک نہیں کہ وہ جو کہ خدا کے مکرم ومحترم بندے ہیں، حالت مندوں کے لئے شفاعت کریں گے لیکن اس بات پر توجہ رہے کہ ''وہ ہرگز کسی ایسے کی شفاعت نہیں کریں گے جس بارے میں یہ نہ جان لیں کہ خدا اس سے راضی ہے اور اس نے اس کی

شفاعت کی اجازت دے دی ہے"۔

یہ جملہ ان لوگوں کا جواب ہے کہ جو یہ کہتے تھے کہ ہم فرشتوں کی اس لئے عبادت کرتے ہیں تا کہ وہ بارگاہ خداوندی میں ہماری شفاعت کریں قرآن کہتا ہے: وہ اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کر سکتے لہٰذا جو کچھ چاہتے وہ براہ راست خدا سے چاہو، یہاں تک کہ شفاعت کرنے والوں کو شفاعت کی اجازت بھی۔

6۔اسی معرفت اور آگاہی کے سبب سے "وہ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور صرف اسی کے خوف کو اپنے دل میں راہ دیتے ہیں"۔

وہ اس لئے نہیں ڈرتے کہ انہوں نے کوئی گناہ کیا ہے بلکہ وہ عبادت میں کوتاہی یا ترک اولی سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(۲۹) یہ بات ہے کہ فرشتے ان عمدہ اور امتیازی صفات اور خالص مقام عبودیت کے با وجود ہرگز خدائی کا دعویٰ نہیں کرتے۔لیکن اگر یہ فرض کرلیں کہ "ان میں سے کوئی یہ کہنے لگے کہ خدا نہیں، میں معبود ہوں، تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے، ہاں! ظالموں کو ہم اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں"۔

درحقیقت الوہیت کا دعویٰ کرنا، اپنے اوپر بھی اور معاشرے کے اوپر بھی ظلم کرنے کا ایک واضح مصداق ہے اور قانون کلی میں "کذالک نجزی الظالمین" درج ہے۔

(۳۰)اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ	کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین ایک دوسرے سے ملے ہُوئے تھے اور ہم نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا؟ اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔کیا ان نشانیوں کے با وجود بھی وہ ایمان نہیں لاتے؟
(۳۱)وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۠ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ	اور ہم نے زمین میں پہاڑ گاڑ دئے تا کہ وہ آرام وسکون میں رہیں اور ان کے ساتھ کسی طرف کو ڈھلک نہ جائے اور ان میں درّے اور راستے قرار دیئے تا کہ (لوگ) اپنی منزلِ مقصود کو جا پہنچیں۔
(۳۲)وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖۚ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ	اور آسمان کو محفوظ چھت قرار دیا۔لیکن وہ اس (وسیع آسمان میں موجود توحید) کی نشانیوں سے روگرداں ہیں۔

(۳۳)وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ	وہ وہی ہے جس نے رات دن بنائے، نیز سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے کہ جن میں ہر ایک اپنے ہی مدار میں گردش کر رہا ہے۔

تفسیر

جہان ہستی میں خدا کی نشانیاں

یہاں عالم ہستی کے نظام میں خدا کی نشانیوں کا ایک سلسلہ اور اس کے نظم تدبیر کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ گزشتہ مباحث پر مزید تاکید ہے۔ پہلے فرمایا گیا ہے: کیا کفار نے یہ نہیں دیکھا کہ سارے آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے اور ہم نے انہیں کھول دیا۔ اور ہم نے ہر زندہ موجود کو پانی سے پیدا کیا ہے۔

آسمان کی باہم پیوستگی سے مراد یہ ہے کہ ابتداء میں بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین کی باہم پیوستگی سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی نباتات نہ اگتی تھیں لیکن خدا نے ان دونوں کو کھول دیا۔ آسمان سے بارش نازل کی اور زمین سے انواع و اقسام کی نباتات اگائیں۔

کیا ان آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی ایمان نہیں لائے۔

تمام زندہ موجودات کے پانی سے پیدا ہونے کے بارے میں دو تفسیریں مشہور ہیں:

1۔ تمام زندہ موجودات کی حیات............ خواہ وہ نباتات ہوں یا حیوانات .... پانی کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہی پانی کہ بالآخر جس کا مبدأ وہی بارش ہے کہ جو آسمان سے نازل ہوتی ہے۔

2۔ دوسری یہ کہ یہاں ''ماء'' نطفہ کے پانی کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے عام طور پر زندہ موجودات وجود میں آتے ہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ موجودات زمانے کے محققین اور سائنس دان یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ زندگی کا سب سے پہلا جاندار سمندروں کی گہرائیوں میں پیدا ہوا، اسی بنا پر وہ زندگی اور حیات کا آغاز پانی سے سمجھتے ہیں۔

نیز اگر قرآن انسان کی خلقت کو مٹی سے شمار کرتا ہے، تو اس بات کو نہیں ہونا چاہیئے کہ مٹی سے مراد وہی ''طین'' (گارا) ہے کہ جو پانی اور مٹی سے مل کر بنتا ہے۔

(۳۱) آیت توحید کی نشانیوں اور اس کی عظیم نعمتوں کے ایک اور حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے: ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے تا کہ وہ انسانوں کو نہ لرزائے۔

پہاڑوں نے کرۂ زمین کو ایک زرہ کی طرح اپنے اندر لیا ہوا ہے اور یہ زمین کے اندر گیسوں کے دباؤ کی وجہ سے جو شدید جھٹکے اور زلزلے پیدا ہوتے ہیں، انہیں بہت حد تک روکنے کا سبب بنتے ہیں۔

علاوہ ازیں پہاڑوں کی یہی وضع وکیفیت، چاند کی کشش سے ہونے والے مدوجزر کے مقابلہ میں زمین کے اوپر کے حصہ کی حرکات کوکم سے کم رکھتی ہے۔

دوسری طرف اگر پہاڑ نہ ہوتے تو سطح زمین ہمیشہ تیز ہواؤں کی زد میں ہوتی اوراس میں کوئی آرام وسکون دکھائی نہ دیتا، جیسا کہ شورزدہ زمینوں اورخشک جلانے والے بیابانوں میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد ایک اورنعمت کی طرف کہ وہ بھی اس کی عظمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ہم نے ان عظیم پہاڑوں کے اندردرے اورراستے بنادیئے ہیں تاکہ ان کی راہنمائی ہواوروہ اپنی منزل مقصودتک پہنچ جائیں۔

سچ مچ اگر یہ درے اورشگاف نہ ہوتے تو زمین میں ان عظیم پہاڑوں کا موجودسلسلہ مختلف علاقوں کوایک دوسرے سے اس طرح جدا کردیتا کہ ان کا تعلق ایک دوسرے سے بلکل ختم ہوجاتا، اوریہ بات اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ سب ظہور پذیر ہونے والے امورایک حساب اور پروگرام کے مطابق ہیں۔

(۳۲)اور چونکہ انسان کی زندگی کے سکون کے لئے زمین کا سکون تنہا کافی نہیں ہے بلکہ اوپر کی طرف سے بھی اس کے لئے امن وامان ہونا چاہیئے لہٰذا بعدوالی آیت میں یہ اضافہ کیا گیا ہے: ہم نے آسمان کو محفوظ چھت قرار دیا ہے لیکن وہ اس وسیع آسمان میں موجودتوحید کی آیات اورنشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

یہاں پر آسمان سے مراد وہ فضا ہے کہ جس نے زمین کو ہرطرف سے گھیر رکھا ہے اورمحققین کی تحقیقات کے مطابق اس کی ضخامت کئی سوکلومیٹر ہے۔ یہ ظاہری طور پر لطیف قشر، کہ جو ہوااورگیسوں سے مل کر بنا ہے اس قدر محکم اورمضبوط ہے کہ باہر کی طرف سے جو بھی ٹکرانے والی موجود چیز زمین کی طرف آئے گی وہ نابود ہوجائے گی اور یہ زمین کے کرہ کورات دن ''شہاب'' کے پتھروں کی بمباری سے، کہ جو ہرقسم کے گولوں سے زیادہ خطرناک ہیں، محفوظ رکھتا ہے۔

علاوہ ازیں سورج کی وہ شعاعیں کہ جوموت کا پیغام بن سکتی ہیں، اس کے ذریعہ سے صاف ہوجاتی ہیں اوران مہلک شعاعوں کوکہ جوفضا سے زمین کی طرف آرہی ہوتی ہیں روک دیتا ہے۔

(۳۳)اس آیت میں رات دن اورسورج وچاند کی خلقت کا بیان شروع کرتے ہوئے کہا گیا ہے: وہی ہے کہ جس نے رات دن اورسورج وچاند کو پیدا کیا ہے۔ اوران میں سے ہرایک اپنے مدار میں گردش کررہا ہے۔

(۳۴)وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ ؕ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ	ہم نے تجھ سے پہلے کسی بھی انسان کودائمی زندگی نہیں دی (تو اس وقت وہ لوگ جو تیری موت کا انتظار کررہے ہیں) اگر تو مرجائے تو کیا وہ ہمیشہ جیتے ہی رہیں گے؟

(۳۵)كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ	ہر انسان موت کا ذائقہ چکھے گا۔اور ہم مصیبت و راحت کے ذریعے تمہاری آزمائش کریں گے اور آخر کار تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔

تفسیر

موت سب کے لئے ہے

گزشتہ آیات کے ایک حصہ میں بیان ہوا ہے کہ مشرکین پیغمبر اکرم ﷺ کی نبوت کی تردید کے لئے ان کے انسان ہونے کو بہانہ بناتے تھے۔ان کا عقیدہ یہ تھا کہ پیغمبر کو حتمی طور پر فرشتہ ہونا اور ہر قسم کے عوارض بشری سے خالی ہونا چاہئے۔

یہ آیت ان کے کچھ اور اعتراضات کی طرف اشارہ کرتی ہیں، کبھی تو وہ یہ کہتے تھے کہ پیغمبر نے جو شاعرانہ سر وصدا بلند کر رکھی ہے، ہمیشہ نہیں رہے گی اور اس کے مرنے سے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔جیسا کہ سورہ طور کی آیت ۳۰ میں بیان ہوا ہے:

''ام یقولون شاعر نتربص به ریب المنون''

اور کبھی یہ خیال کرتے تھے کہ چونکہ اس شخص کا نظریہ یہ ہے کہ یہ خاتم انبیا ﷺ ہے۔لہٰذا اسے ہرگز نہیں مرنا چاہئے تاکہ اپنے دین کا محافظ ہو۔لہٰذا اس کی موت اس کے دعویٰ کے باطل ہونے کی دلیل ہوگی۔

قرآن اس آیت میں مختصر سے جملے میں انہیں جواب دیتا ہے اور کہتا ہے: ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو جاوداں زندگی نہیں دی۔

یہ فطرت کا نا قابل تغیر قانون ہے کہ کوئی بھی شخص حیات جاودانی نہیں رکھتا، لہٰذا جو لوگ ابھی سے تیری موت کی خوشی منا رہے ہیں کیا اگر تجھے موت آنی ہے تو وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔شریعت و دین و آئین کی بقا اس کے لانے والے کی بقا کی محتاج نہیں ہے۔کیونکہ ممکن ہے اس کا جانشین اس کا دین و مذاہب کو پڑا ہے۔

(۳۵)اس کے بعد تمام نفوس کے بارے میں موت کے بلا استثناء عمومی قانون کو اس طرح بیان کرتا ہے ہر انسان موت کا ذائقہ چکھے گا۔

موت کے عمومی قانون بیان کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ناپائیدار زندگی کا مقصد کیا ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

قرآن اسی آیت کے آخر میں کہتا ہے: ہم تمہارا شر اور خیر کے ذریعے امتحان لیں گے اور آخر کار تم ہماری طرف ہی لوٹ کر آؤ گے۔

تمہاری اصلی جگہ یہ جہاں نہیں ہے بلکہ دوسرا جہاں ہے۔تم یہاں صرف امتحان دینے کے لئے آئے ہو اور امتحان ختم ہونے

اور ضروری کسب کمال کے بعد اپنی اصلی جگہ کی طرف، جوکہ دار آخرت ہے، چلے جاؤ گے۔ لہٰذا کوشش کرو کہ اس عارضی جگہ کے سامان کی بجائے اس جگہ کے لئے سامان فراہم کرو جہاں تم نے مستقل جا کر رہنا ہے

مسلمہ طور پر بلا و مصیبت کے ذریعے ہونے والی آزمائش زیادہ سخت اور زیادہ مشکل ہوتی ہے۔

(۳۶)وَ اِذَا رَاٰکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّتَّخِذُوۡنَکَ اِلَّا ہُزُوًا ؕ اَہٰذَا الَّذِیۡ یَذۡکُرُ اٰلِہَتَکُمۡ ۚ وَ ہُمۡ بِذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ	اور (اے پیغمبر) جب کفار تجھے دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق اڑانے کے سوا انہیں اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔ (اور وہ یہ کہتے ہیں کہ) کیا یہ وہی شخص ہے کہ جو تمہارے خداؤں کے بارے میں باتیں بناتا ہے؟ حالانکہ وہ خود خدائے رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔
(۳۷)خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ	ہاں! انسان جلد باز مخلوق ہے (مگر جلدی نہ کرو) میں عنقریب تمہیں اپنی آیات دکھاؤں گا۔
(۳۸)وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو (تو بتاؤ) یہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔
(۳۹)لَوۡ یَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا حِیۡنَ لَا یَکُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡہِہِمُ النَّارَ وَ لَا عَنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ	لیکن اگر کافر اس زمانے کو جانتے ہوتے جب وہ آگ کے شعلوں کو اپنے چہروں اور اپنی پشتوں سے دور نہیں کر سکیں گے اور کوئی شخص ان کی مدد بھی نہیں کرے گا (تو پھر اس قدر قیامت کے بارے میں جلدی نہ کرتے)!
(۴۰)بَلۡ تَاۡتِیۡہِمۡ بَغۡتَۃً فَتَبۡہَتُہُمۡ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ رَدَّہَا وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ	یہ خدائی عذاب اچانک ان کے پاس آئے گا اور انہیں مبہوت کردیگا۔ اس طرح سے کہ اسے دور کرنے کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور انہیں مہلت بھی نہیں دیجائیگی۔

تفسیر

انسان جلد باز مخلوق ہے

یہاں میں مشرکین کی پیغمبر اسلام کے متعلق............کچھ اور نکتہ چینیوں اور اعتراضات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں اصولی

مسائل میں ان کی انحرافی طرزفکر کو بیان کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔جس وقت کفار تجھے دیکھتے ہیں،تو تیرا تمسخر اڑانے کے سوا انہیں اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔

وہ بے پروائی کے ساتھ تیری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: کیا یہ وہی ہے کہ جو تمہارے خداؤں اور بتوں کی برائی کرتا ہے۔

حالانکہ وہ خود خدائے رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ اگر کوئی شخص ان پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کی برائی کرے.......... برائی ہی بیان نہ کرے، بلکہ حقیقت کا اظہار کرے اور یہ کہے کہ یہ بے روح و بے شعور اور ایک بے قدر وقیمت موجودات ہیں،تو اس بات پر تعجب کرتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ایسے مہربان اور بخشنے والے خدا کا منکر ہوجائے کہ جس کی رحمت کے آثار وسعت عالم پر محیط ہیں اور ہر چیز میں اس کی عظمت اور رحمت کی دلیل موجود ہے،تو یہ ان کے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

(۳۷) اس کے بعد ان بے مہار انسانوں کے قبیح اور بے سروپا کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: انسان جلد باز مخلوق ہے۔

درحقیقت ''خلق الانسان من عجل'' کی تعبیر ایک قسم کی تاکید ہے۔یعنی انسان اس طرح کا جلد باز ہے کہ گویا جلد بازی اور ''عجلہ'' سے پیدا ہوا ہے اور اس کے وجود کے تار و پود اسی سے بنے ہیں اور سچ مچ بہت سے آدمی اسی بات کے عادی ہیں۔وہ خیر اور بھلائی میں بھی جلد باز ہیں اور شر اور برائی میں بھی

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے: جلدی نہ کرو، میں بھی اپنی آیات تمہیں عنقریب دکھاؤں گا۔

ممکن ہے یہاں پر ''آیاتی'' کی تعبیر، عذاب، بلا مصائب اور سزاؤں کی آیات اور نشانیوں کی طرف اشارہ ہو کہ پیغمبر جس سے مخالفین کو ڈراتے تھے اور یہ کور مغز بار بار یہی کہتے تھے کہ وہ بلائیں اور مصیبتیں جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے کہاں گئیں؟

قرآن کہتا ہے کہ جلدی نہ کرو، زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ وہ تمہیں آلیں گی۔

(۳۸) ان کے ایک اور عاجلانہ تقاضہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔

(۳۹) یہ آیت ان کو جواب دیتے ہوئے کہتی ہے: اگر کافر اس زمانے کو جانتے ہوتے کہ جب وہ آگ کے شعلوں کو اپنے چہروں اور پشتوں سے دور نہیں کر سکیں گے، اور کوئی شخص ان کی امداد کے لئے بھی نہیں آئے گا، تو وہ ہرگز عذاب کے لئے جلدی نہ کرتے اور یہ نہ کہتے کہ قیامت کب آئے گی۔

(۴۰) اور یہ بات خاص طور پر قابل، توجہ ہے کہ ''یہ خدائی سزا اور جلا ڈالنے والی آگ اس طرح سے اچانک انہیں آلے گی کہ وہ مبہوت ہو کر رہ جائیں گے''۔

''اور انہیں اس طرح سے غافل اور مقہور و مغلوب کر دے گی کہ ان میں اسے دور کرنے کی بھی طاقت نہ ہوگی''۔

یہاں تک کہ اگر وہ اب مہلت کی خواہش بھی کریں اور اس کے برخلاف کہ جس کے لئے وہ پہلے جلد بازی کیا کرتے تھے تاخیر کی درخواست کرنے لگیں تو بھی، انہیں مہلت نہیں دی جائیگی۔

(۴۱)وَ لَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ	(اگر یہ تیرا مذاق اڑاتے ہیں تو پریشان نہ ہو) تجھ سے پہلے پیغمبروں کا بھی مذاق اڑایا جاتا تھا لیکن آخرکار جس چیز کا تمسخر اڑایا کرتے تھے وہی عذاب تمسخر اڑانے والوں کے دامن گیر ہو گیا۔
(۴۲)قُلۡ مَنۡ يَّكۡلَؤُكُمۡ بِالَّيۡلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحۡمٰنِ‌ؕ بَلۡ هُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ	تم کہہ دو کہ رات کو اور دن کو خدا (کے عذاب) سے تمہیں کون بچا سکتا ہے، کیا وہ اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔
(۴۳)اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا‌ؕ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَ اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَا هُمۡ مِّنَّا يُصۡحَبُوۡنَ	لیکن ان کے معبود ایسے ہیں کہ جو ہمارے مقابلہ میں ان کا دفاع کریں؟ یہ (بناوٹی خدا) تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے (دوسروں کی مدد کیا کریں گے) اور نہ ہی ہماری طرف سے کسی طاقت کے ذریعہ ان کی مدد بھی ہوگی۔
(۴۴)بَلۡ مَتَّعۡنَا هٰٓؤُلَاۤءِ وَ اٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى طَالَ عَلَيۡهِمُ الۡعُمُرُ‌ؕ اَفَلَا يَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا‌ؕ اَفَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ	ہم نے انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو اپنی نعمتوں سے بہرہ مند کیا، یہاں تک کہ انہوں نے طولانی عمر پائی (اور وہی ان کے غرور و طغیان کا سبب بن گئی)۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پے در پے اور مسلسل زمین (اور اسمیں رہنے والوں) میں کمی کرتے جا رہے ہیں؟ کیا وہ غالب ہیں؟ (یا ہم؟)

(۴۵)قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُکُمۡ بِالۡوَحۡیِ ۫ۖ وَ لَا یَسۡمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنۡذَرُوۡنَ	کہہ دو کہ میں تو تمہیں صرف وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں۔ لیکن وہ لوگ کہ جن کے کان بہرے ہیں، (جس وقت) انہیں ڈرایا جاتا ہے تو باتوں کو سنتے ہی نہیں ہیں۔

تفسیر

گزشتہ آیات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مشرکین اور کفار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے۔

یہ پہلی آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلاسہ اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: یہ صرف تم ہی نہیں ہو کہ جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے بلکہ ”تجھ سے پہلے جو پیغمبر آئے تھے انہوں نے ان کا بھی مذاق اڑایا تھا“۔

”لیکن آخر کار وہ عذاب الٰہی کہ جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، تمسخر اڑانے والوں کے دامن گیر ہوگیا۔

لہٰذا تم کسی قسم کے غم واندوہ کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دو اور جاہلوں کے اس طرح کے کام سے تیری عظیم روح پر معمولی سا اثر بھی نہیں ہونا چاہئے اور یہ تیرے آہنی عزم میں کسی قسم کا خلل نہ ڈالنے پائیں۔

(۴۲) اس آیت میں فرمایا گیا ہے: نہ صرف قیامت میں عذاب الٰہی سے تمہیں کوئی نہیں بچاسکے گا، بلکہ اس دنیا میں بھی یہی حال ہے۔ تم کہہ دو کہ رات اور دن میں خدائے رحمان کے عذاب سے تمہیں کون بچاسکتا ہے۔

حقیقت میں اگر خدا نے آسمان (جو زمین) کو ایک محفوظ چھت قرار نہ دیا ہوتا............جیسا کہ پہلی آیات میں بیان ہوا ہے۔............تو تمہارے لئے صرف یہی کافی تھا کہ رات دن تم آسمانی پتھروں کی زد میں ہوتے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ ”اللہ“ کی بجائے ”رحمٰن“ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تم یہ تو دیکھو کہ تم نے کس قدر گناہ کئے ہیں کہ تم نے اس خدا کو بھی ناراض کردیا ہے جو رحمت عامہ کا مرکز ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: لیکن انہوں نے پروردگار کی یاد سے منہ موڑ لیا ہے، نہ اس کے انبیاء کے مواعظ ونصائح کی طرف کان دھرتے ہیں اور نہ ہی خدا اور اس کی نعمتوں کی یاد ان کے دلوں کو ہلاتی ہے اور نہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس بارے میں سوچتے ہیں“ بلکہ انہوں نے اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیر لیا ہے“۔

(۴۳) پھر سوال کیا گیا ہے کہ: یہ ظالم اور گنہگار کافر، خدائی عذاب کے مقابلے میں کس پر اعتماد کئے ہوئے ہیں ”کیا وہ ایسے خدا رکھتے ہیں جو ہمارے مقابلہ میں ان کا دفاع کرسکیں“۔

”ان کے یہ جعلی خدا تو خود اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے“ اور نہ اپنا دفاع کرسکتے ہیں۔

اور نہ ہی ان کے ہماری طرف سے رحمت اور مخفی قوت کے ذریعے کوئی مدد کی جائے گی اور نہ ہی ان کا کسی طرح سے کوئی ساتھ دیا جائے گا۔

(۴۴) یہ آیت میں بے ایمان لوگوں کی سرکشی اور طغیان کی ایک اہم علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے

ہم نے انہیں اوران کے آباؤاجداد کوانواع واقسام کی نعمتوں عطا کیں، یہاں تک کہ انہوں نے طولانی عمریں پائیں۔

لیکن کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ جہان اوراس کی نعمتیں پائدار نہیں ہیں ''کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم مسلسل زمین اور زمین کے رہنے والوں میں کمی کررہے ہیں''۔

اقوام وقبائل یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، چھوٹے اور بڑے افراد میں سے کوئی بھی عمر جاودانی نہیں رکھتا اورسب کے سب اپنا سر نقاب فنا میں چھپارہے ہیں۔ وہ قومیں جوان سے زیادہ قوی، زیادہ طاقتور اور زیادہ سرکش تھیں سب نے تاریک مٹی کے نیچے اپنا منہ چھپالیا۔ یہاں تک کہ دانشمند بزرگ اور علماء نے بھی اس جہان سے آنکھیں بند کرلیں۔

''تو ان حالات میں کیا وہ غالب ہیں، یا ہم غالب ہیں''۔

(۴۵) اس کے بعد یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کو وحی کے ذریعے ڈرائے۔ اس لئے روئے سخن پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ان سے کہہ دو کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، میں تو صرف وحی کے ذریعے تمہیں ڈراتا ہوں۔

اور اگر تمہارے سخت دل پر اس کا اثر نہیں ہوتا تو یہ بات باعث تعجب نہیں ہے اور نہ ہی وحی آسمانی میں کسی نقص کی دلیل ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''بہرے لوگوں کو جب ڈرایا جاتا ہے تو وہ سنتے ہی نہیں''۔

سننے والے کان کی ضرورت ہے تاکہ وہ خدا کی بات سنے نہ کہ ایسے کان کی کہ جن پر گناہ، غفلت اور غرور کے پردے اس طرح پڑے ہوئے ہوں کہ وہ حق بات سننے کی اہلیت بالکل کھو چکے ہیں۔

(۴۶) وَ لَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ	اگر تیرے پروردگار کا معمولی سا عذاب بھی انہیں چھولے تو وہ چیخ اٹھیں اور کہنے لگیں کہ ہائے افسوس ہم تو سب ظالم تھے۔
(۴۷) وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ	قیامت کے دن ہم عدل کے ترازو نصب کریں گے، لہٰذا کسی بھی شخص پر ذرا سی بھی زیادتی نہیں ہوگی، اور اگر کسی نے رائی برابر بھی کوئی نیکی یا برائی کی ہوگی تو ہم اس کو حاضر کردیں گے اور اس کے لئے یہی کافی ہے کہ حساب کرنے والے ہم ہوں گے۔

تفسیر

قیامت میں عدل کے ترازو

گزشتہ آیات میں بے ایمان لوگوں کے غرور اور بے خبری کی حالت بیان کی گئی تھی اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

یہ مغرور اور بے خبر لوگ نعمت اور سکون کی حالت میں تو ہرگز خدا کے بندے نہیں بنتے (لیکن) اگر تیرے پروردگار کے عذاب کا ایک ذرہ بھی ان کے دامن کو آ لگے۔ تو اس طرح سے وحشت زدہ ہو جائیں اور چیخنے لگیں کہ ہائے افسوس ہم تو سب کے سب ظالم تھے۔

لیکن کیا فائدہ؟ کیونکہ یہ اضطراری بیداری بھی ان کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگی۔

(۴۷) یہ آیت قیامت میں دقیق حساب کتاب اور عادلانہ جزا و سزا کی طرف اشارہ کر رہی ہے، تاکہ بے ایمان اور ستمگر یہ جان لیں کہ اگر بالفرض دنیا کا عذاب انہیں دامنگیر نہ ہوا تو آخرت کی سزا تو حتمی ہے اور باریک بینی کے ساتھ ان کے تمام اعمال کا حساب کتاب لیا جائے گا۔

لہٰذا ارشاد ہوتا ہے: ہم قیامت کے دن عمل کے ترازو نصب کریں گے۔

اسی بنا پر ساتھ ہی مزید ارشاد ہوتا ہے: کسی بھی شخص پر وہاں معمولی سا بھی ظلم و ستم نہیں ہوگا۔

نہ نیکی کرنے والوں کو جزاء میں کوئی کمی ہوگی اور نہ ہی بدکاروں کی سزا میں کوئی زیادتی کی جائے گی۔

لیکن ظلم و ستم کی اس نفی کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حساب کتاب میں باریک بینی نہیں ہوگی بلکہ ''اگر رائی کے برابر بھی کسی کا کوئی نیک یا بد کام ہوگا، تو ہم اسے حاضر کر دیں گے'' (اور اسے تول کر دکھائیں گے)۔

''اور (عدل کے لئے) اتنی بات ہی کافی ہے کہ بندوں کے اعمال کا حساب کرنے والے ہم خود ہوں گے''۔

احادیث اسلامی میں آیا ہے کہ قیامت کے دن وزن کرنے کے ترازو انبیاء، ائمہ اور نیک پاک لوگ ہوں گے کہ جن کے نامۂ اعمال میں کوئی تاریک نقطہ ہے ہی نہیں

(۴۸) وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ	ہم نے موسیٰ و ہارون کو فرقان، (حق کو باطل سے جدا کرنے کا وسیلہ) نور اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت کا ذریعہ عطا فرمایا،
(۴۹) الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ	وہی (پرہیزگار) کہ جو اپنے پروردگار سے غیب میں ڈرتے ہیں اور قیامت کا خوف رکھتے ہیں۔''

(۵۰)وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۠	اور یہ قرآن ایک مبارک ذکر ہے، جسے ہم نے (تم پر) نازل فرمایا ہے۔تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو؟

تفسیر

انبیاء کی کچھ داستانیں

ان آیات میں اوران کے بعدوالی چند آیات میں انبیاء کی زندگی کے کچھ حالات بیان ہوئے ہیں کہ جن میں بہت سے تربیتی نکات ہیں۔ان حالات سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بارے میں گزشتہ بحثوں اور مخالفین کے ساتھ ان کے مقابلے اور مشکلات، زیادہ واضح ہوجاتے ہیں کیونکہ ان میں بہت سے مشترک پہلو موجود ہیں۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے: ہم نے موسیٰ وہارون کو "فرقان"، یعنی حق کو باطل سے جدا کرنے کا ذریعہ، نوراور پرہیز گاروں کے لئے نصیحت عطا کی۔

(۴۹) یہ آیت پرہیز گاروں کا اس طرح تعارف کراتی ہے: وہ وہی لوگ ہیں کہ جو اپنے پروردگار سے غیب میں اور پنہاں طور پر ڈرتے ہیں۔

اور قیامت کے دن کا خوف رکھتے ہیں۔

حقیقت میں پرہیز گار لوگ قیامت کے دن سے بہت لگاؤ اور تعلق رکھتے ہیں کیونکہ وہ جزا اور خدا کی رحمت کا مرکز ہے لیکن اس کے باوجود معاملہ حساب وکتاب کا بھی خوف رکھتے ہیں۔

(۵۰)اس آیت میں قرآن کا گزشتہ کتابوں سے ایک موازنہ کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: یہ ایک مبارک ذکر ہے کہ جسے ہم نے تم پر نازل کیا ہے۔

کیا تم اس کا انکار کرتے ہو۔

کیا ایسی کتاب سے بھی انکار کی گنجائش ہے؟ اس کی حقانیت کی دلیلیں خود اسی کے اندر پوشیدہ ہیں، اس کی نورانیت آشکار ہے اور اس کے راستے پر چلنے والے سعادت منداور کامیاب ہیں۔

(۵۱)وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۚ	ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے رشدو ہدایت (کا ذریعہ) دے دیا تھا اور ہم اس (کی اہلیت) سے آگاہ تھے۔

(۵۲)اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡهِ وَ قَوۡمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیۡلُ الَّتِیۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ	جس وقت اس نے اپنے باپ (چچا آزر) اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ بے روح مجسمے کو جن کی تم ہمیشہ پرستش کرتے رہتے ہو، کیا ہیں؟
(۵۳)قَالُوۡا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیۡنَ	(انہوں نے) کہا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو دیکھا ہے کہ وہ ان (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں۔
(۵۴)قَالَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُكُمۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ	(ابراہیم نے) کہا کہ یقیناً تم بھی اور تمہارے آباواجداد بھی کھلی گمراہی میں پڑے رہے ہو۔
(۵۵)قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِیۡنَ	(انہوں نے) کہا: کہ کیا تو حق بات لے کر ہمارے پاس آیا ہے، یا مذاق کر رہا ہے؟
(۵۶)قَالَ بَلۡ رَّبُّكُمۡ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ الَّذِیۡ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِیۡنَ	(ابراہیم نے) کہا: (میں تو کامل طور پر حق لے کر آیا ہوں کہ) تمہارا پروردگار تو وہی آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں بھی اس بات کا گواہ ہوں۔
(۵۷)وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیۡدَنَّ اَصۡنَامَكُمۡ بَعۡدَ اَنۡ تُوَلُّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ	خدا کی قسم! میں تمہارے جانے کے بعد تمہاری غیر حاضری میں تمہارے بتوں کی نابودی کا منصوبہ بناؤں گا۔
(۵۸)فَجَعَلَهُمۡ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیۡرًا لَّهُمۡ لَعَلَّهُمۡ اِلَیۡهِ یَرۡجِعُوۡنَ	آخرکار (ایک مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے) ان کے بڑے بت کے سوا۔ ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تا کہ وہ لوٹ کر اسکے پاس آئیں

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کی نابودی کے لئے منصوبہ

ہم بیان کر چکے کہ اس سورہ میں۔ سولہ پیغمبروں کے حالات اور واقعات بیان ہوئے ہیں۔

یہاں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور بت پرستوں کے ساتھ ان کی معرکہ آرائی کا ایک اہم حصہ بیان ہو رہا ہے۔ پہلے فرمایا گیا ہے۔ہم نے رشد وہدایت کا وسیلہ پہلے سے ابراہیم علیہ السلام کو دے دیا تھا اور ہم اس کی اہلیت سے آگاہ تھے۔

(۵۲)اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک اہم کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ابراہیم علیہ السلام کا یہ رشد وہدایت اس وقت ظاہر ہوا کہ جب اس نے اپنے باپ (یہ ان کے چچا آزر کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ عرب بعض اوقات چچا کو بھی ''اب'' کہتے ہیں)اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں کیا ہیں کہ جن کے تم گردیدہ ہو اور رات دن ان کا طواف کرتے ہو اور ان سے دستبردار نہیں ہوتے۔

ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو درحقیقت بت پرستی کے ابطال کے لئے ایک واضح اور روشن استدلال ہے کیونکہ بتوں میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں

(۵۳) لیکن بت پرست درحقیقت اس منہ بولتی اور واضح منطق کا کوئی جواب نہیں رکھتے تھے۔سوائے اس کے کہ اس کی ذمہ داری اپنے بڑوں کے سر تھوپ دیں۔لہٰذا انہوں نے کہا: ہم نے اپنے آباؤ اجداد اور بڑوں کو دیکھا ہے کہ وہ ان کی پرستش کرتے ہیں اور ہم اپنے بڑوں کی سنت کو پورا کر رہے ہیں۔

(۵۴) چونکہ صرف بڑوں کی سنت اور روش کسی مشکل کو حل نہیں کرتی اور ہمارے پاس اس بات کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ بزرگان گزشتہ آئندہ آنے والی نسلوں سے زیادہ عالم اور زیادہ عاقل تھے۔ بلکہ اکثر معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کیونکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ علم و دانش بڑھتی رہتی ہے۔لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً انہیں جواب دیا: تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد بھی یقیناً واضح گمراہی میں تھے۔

(۵۵) یہ تعبیر کہ جس میں بہت سی تاکیدیں موجود ہیں اور بڑی قاطعیت رکھتی ہیں، اس بات کا سبب بنی کہ بت پرست کچھ ہوش میں آئیں اور تحقیق کی جانب مڑیں۔ابراہیم کی طرف رخ کر کے کہنے لگے: کیا سچ مچ تو کوئی حق بات لے کر آیا ہے یا مذاق کر رہا ہے۔

(۵۶) لیکن ابراہیم علیہ السلام نے صراحت کے ساتھ انہیں جواب دیا: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سنجیدہ، محکم اور عین واقعیت ہے کہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔

وہی خدا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور خود بھی اس عقیدہ کے گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دوٹوک گفتگو سے یہ واضح کیا: کہ وہ ذات ہی پرتش کے لائق ہے کہ جو ان سب کی، زمین کی اور تمام موجودات کی خالق ہے۔

(۵۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے یہ بات سو فی صد صحیح اور محکم ہے اور وہ اس عقیدہ پر ہر مقام تک قائم ہیں اور اس کے نتائج ولوازم کو... جو کچھ بھی ہوں انہیں... جان و دل سے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، مزید کہتے ہیں: مجھے

خدا کی قسم، جس وقت تم یہاں پر موجود نہیں ہوگے اور یہاں سے کہیں باہر جاؤ گے، تو میں تمہارے بتوں کو نابود کرنے کا منصوبہ بناؤں گا۔

(۵۸) بہر حال وہ۔ بغیر اس کے کہ اس کام کے خطرات سے ڈرتے یا جو طوفان اس کام کے بعد کھڑا ہوگا۔ اس کا کوئی خوف دل میں لاتے۔ مردانہ وار میدان میں کود پڑے اور بڑی شجاعت سے ان تراشے ہوئے خداؤں سے جنگ کرنے کے لئے چل پڑے کہ جن کے اتنے متعصب اور نادان عقیدت مند تھے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: سوائے ان کے بڑے بت کے سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

مقصد ان کا یہ تھا کہ ''شاید بت پرست لوٹ کر اس کے پاس آئیں اور وہ بھی ساری باتیں ان سے کہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہم بت پرستی کے لفظ سے زیادہ تر پتھر اور لکڑی کے بتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن ایک لحاظ سے بت اور بت پرستی وسیع مفہوم رکھتی ہے کہ جو غیر خدا کی طرف ہر قسم کی توجہ۔ خواہ کسی بھی شکل وصورت میں ہے۔ پر محیط اور مشہور ومعروف حدیث کے مطابق کہ:

''جو چیز بھی انسان کو اپنی طرف مشغول اور خدا سے دور کرے، وہ اس کا بت ہے''۔

(۵۹)قَالُوۡا مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ	انہوں نے کہا کہ جس نے بھی ہمارے معبودوں کیساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ وہ قطعی طور ظالم ہے (اور اسے سزا ملنی چاہئے)
(۶۰)قَالُوۡا سَمِعۡنَا فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ ؕ	(بعض) کہا: ہم نے ایک جوان کو سنا ہے کہ جو بتوں کی (مخالفت کی) بات کرتا تھا، اس کا نام ابراہیم ہے۔
(۶۱)قَالُوۡا فَاۡتُوۡا بِهٖ عَلٰٓى اَعۡيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡهَدُوۡنَ	(بعض نے) کہا: اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتا کہ وہ گواہی دیں۔
(۶۲)قَالُوۡۤا ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ؕ	(جب انہوں نے ابراہیم کو حاضر کیا تو) اس سے کہا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟
(۶۳)قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ	اس (ابراہیم) نے کہا بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہوگا۔ انہی سے پوچھ لو، اگر یہ بات کرتے ہوں۔

(۶۴)فَرَجَعُوۡۤا اِلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ فَقَالُوۡۤا اِنَّکُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۙ	وہ اپنے ضمیر کی طرف لوٹے (اور اپنے آپ سے) کہنے لگے کہ حق بات تو یہ ہے کہ تم خود ہی ظالم ہو۔
(۶۵)ثُمَّ نُکِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِہِمۡ ۚ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا ہٰۤؤُلَآءِ یَنۡطِقُوۡنَ	اس کے بعد انہوں نے اپنا رخ موڑ لیا (اور اپنے ضمیر کی آواز کو بالکل بھلا دیا اور کہنے لگے) تُو جانتا ہے کہ یہ بات نہیں کر سکتے۔
(۶۶)قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُکُمۡ شَیۡئًا وَّ لَا یَضُرُّکُمۡ ؕ	(ابراہیم نے) کہا: کیا تم خدا کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے ہو کہ جو نہ تو تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان؟
(۶۷)اُفٍّ لَّکُمۡ وَ لِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ	تف ہے تم پر بھی اور اس پر بھی جسے خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو؟ کیا تم سوچتے نہیں (اور کیا تمہارے پاس عقل نہیں ہے)؟

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دندان شکن دلیل

آخر وہ عید کا دن ختم ہو گیا اور بت پرست خوشی مناتے ہوئے شہر کی طرف پلٹے اور سب بت خانے کی طرف گئے جونہی وہ بت خانے کے اندر پہنچے تو ایک ایسا منظر دیکھا کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ آباد بت خانہ کے بجائے بتوں کا ایک ڈھیر تھا ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ ایک دوسرے پر گرے ہوئے تھے۔ چیخنے چلانے لگے، یہ بلا اور مصیبت ہمارے خداؤں کے سر پر کون لایا ہے''۔

''یقیناً جو کوئی بھی تھا، ظالموں میں سے تھا''۔

اس نے ہمارے خدؤں پر بھی ظلم کیا ہے، ہماری قوم اور معاشرے پر بھی اور خود اپنے اوپر بھی۔

(۶۰) لیکن وہ لوگ جو بتوں کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کی دھمکیوں سے آگاہ تھے اور ان جعلی خداؤں کے بارے میں ان کی اہانت آمیز باتوں کو جانتے تھے، کہنے لگے: ہم نے سنا ہے ایک جوان بتوں کے بارے میں باتیں کرتا تھا اور انہیں برا بھلا کہتا تھا، اس کا نام ابراہیم ہے۔

بعض روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اسوقت مکمل طور پر جوان تھے اور احتمال یہ ہے کہ ان کی عمر ۱۶ سولہ سال سے

زیادہ نہیں تھی۔

(۶۱) اصولاً معمول یہ ہے کہ جب کسی جگہ کوئی جرم ہو جائے تو اس شخص کو تلاش کرنے کے لئے کہ جس سے وہ جرم سرزد ہوا ہو ان سے دشمنی رکھنے والوں کو تلاش کیا جاتا ہے اور اس ماحول میں ابراہیمؑ کے سوا مسلماً کوئی شخص بتوں کے ساتھ دست وگریبان نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا تمام افکار انہی کی طرف متوجہ ہو گئے اور بعض نے کہا: ''اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو جاؤ اور اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرو تا کہ وہ لوگ کہ جو پہچانتے ہیں اور خبر رکھتے ہیں گواہی دیں''۔

(۶۲) منادی کرنے والوں نے شہر میں ہر طرف یہ منادی کی کہ جو شخص بھی ابراہیمؑ کی بتوں سے دشمنی اور ان کی بدگوئی کے بارے میں آگاہ ہے، حاضر ہو جائے، جلد ہی جو آگاہ تھے وہ لوگ بھی اور تمام دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے تا کہ دیکھیں کہ اس ملزم کا انجام کیا ہوتا ہے۔

آخر کار عدالت لگی اور باز پرس ہوئی۔ زعمائے قوم وہاں جمع ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ خود نمرود اس عمل کی نگرانی کر رہا تھا۔

پہلا سوال جو انہوں نے ابراہیمؑ سے کیا وہ یہ تھا: ''انہوں نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا ہے''۔

(۶۳) ابراہیمؑ نے ایسا جواب دیا کہ وہ خود گھر گئے اور ایسے گھرے کے کہ نکلنا ان کے بس میں نہ تھا۔ ''ابراہیم نے کہا: یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے، ان سے پوچھو اگر یہ بات کرتے ہوں''۔

جرائم کی تفتیش کے اصول یہ ہیں کہ جس کے پاس آثار جرم یا آلۂ جرم ملے وہ ملزم ہے (مشہور روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے وہ کلہاڑا بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا تھا)۔

اصلاً تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟ تم اپنے بڑے خدا کو ملزم قرار کیوں نہیں دیتے؟ کیا یہ احتمال نہیں ہے کہ وہ چھوٹے خداؤں پر غضبناک ہو گیا ہو یا اس نے انہیں اپنا آئندہ کا رقیب فرض کرتے ہوئے ان سب کا حساب ایک ہی ساتھ پاک کر دیا ہو؟

(۶۴) ابراہیم کی باتوں نے بت پرستوں کو ہلا کر رکھ دیا، ان کے سوئے ہوئے وجدان کو بیدار کیا اور اس طوفان کی مانند کہ جو آگ کی چنگاریوں کے اوپر پڑی ہوئی بہت سی راکھ کو ہٹا دیتا ہے اور اس کی چمک کو آشکار کر دیتا ہے، ان کی فطرت، توحید کو تعصب، جہالت اور غرور کے پردوں کے پیچھے سے آشکار وظاہر کر دیا۔

زود گزر لمحے میں وہ موت کی سی ایک گہری نیند سے بیدار ہو گئے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: وہ اپنے وجدان اور فطرت کی طرف پلٹے اور خود اپنے آپ سے کہنے لگے کہ حق بات یہ ہے کہ ظالم تو تم خود ہی ہو۔

تم نے تو خود اپنے اوپر بھی ظلم وستم کیا ہے اور اس معاشرے کے اوپر بھی کہ جس کے ساتھ تمہارا تعلق ہے اور نعمتوں کے بخشنے والے پروردگار کی ساحت مقدس میں بھی۔

(۶۵) لیکن افسوس! کہ جہالت وتعصب اور اندھی تقلید کا زنگ اس سے کہیں زیادہ تھا کہ وہ توحید کے اس ہیرو کی صیقل بخش پکار سے کلی طور پر دور ہو جاتا۔

افسوس کہ یہ روحانی اور مقدس بیداری زیادہ دیر تک نہ رہ سکی اور ان کے آلودہ اور تاریک ضمیر میں، جہالت اور شیطانی قوتوں کی طرف سے اس نور توحید کے خلاف قیام عمل میں آ گیا اور ہر چیز اپنی پہلی جگہ پر پلٹ آئی۔ قرآن کتنی لطیف تعبیر پیش کر رہا ہے: اس کے بعد وہ اپنے سر کے بل الٹے ہو گئے۔

اور اس غرض سے کہ اپنے گونگے اور بے زبان خداؤں کی طرف سے کوئی عذر پیش کریں، انہوں نے کہا: ''تو تو جانتا ہے کہ یہ باتیں نہیں کرتے''۔

یہ تو ہمیشہ چپ رہتے ہیں اور خاموشی کے رعب کو نہیں توڑتے۔

اور اس تراشے ہوئے عذر کے ساتھ انہوں نے یہ چاہا کہ بتوں کی کمزوری، بدحالی اور ذلت کو چھپائیں۔

(۶۶) یہ مقام تھا کہ جہاں ابراہیم جیسے ہیرو کے سامنے منطقی استدلال کے لئے میدان کھل گیا تا کہ ان پر تابڑ توڑ حملے کریں اور ان کے ذہنوں کو ایسی سرزنش اور ملامت کریں کہ جو منطقی اور بیدار کرنے والی ہو۔'' (ابراہیم نے) پکار کر کہا: کیا تم خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہو کہ جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ضرر''۔

(۶۷) پھر یہ توحید کو اس سے بھی بالاتر لے گیا اور سرزنش کے تازیانے ان کی بے درد روح پر لگائے اور کہا: تف ہے تم پر بھی اور تمہارے ان خداؤں پر بھی کہ جنہیں تم نے خدا کو چھوڑ کر اپنا رکھا ہے''۔

''کیا تم کچھ سوچتے نہیں ہو اور تمہارے سر میں عقل نہیں ہے''۔

لیکن انہیں برا بھلا کہنے اور سرزنش کرنے میں نرمی اور ملائمت کو بھی نہیں چھوڑا کہ کہیں اور زیادہ ہٹ دھرمی نہ کرنے لگیں۔

(۶۸)قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ	انہوں نے کہا: اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم کچھ کر سکتے ہو۔
(۶۹)قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۙ	(آخر کار اسے آگ میں پھینک دیا لیکن ہم نے) کہا: اے آگ! ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔
(۷۰)وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ	وہ چاہتے تھے کہ اس منصوبہ سے ابراہیم کو نابود کر دیں لیکن ہم نے انہیں سب سے زیادہ خسارے میں ڈال دیا۔

تفسیر

آگ گلزار ہو گئی

اگر چہ ابراہیم علیہ السلام کے علمی و منطقی استدلال کے ذریعے سب کے سب بت پرست مغلوب ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے دل میں اس شکست کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

لیکن تعصب اور شدید ہٹ دھرمی حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن گئی۔ لہٰذا ابراہیم کے بارے میں بہت ہی سخت اور خطرناک قسم کا ارادہ کرلیا۔

ان لوگوں نے (چیخ) کر کہا: اسے جلادو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو، اگر تم سے کوئی کام ہوسکتا ہے۔

انہوں نے اس قسم کی بہت سی فضول اور مہمل باتیں کیں اور لوگوں کو ابراہیم کے خلاف بھڑکایا اس طرح سے کہ لکڑیوں کے چند گٹھوں کی بجائے کہ جو کئی افراد کے جلانے کیلئے کافی ہوتے ہیں، لکڑیوں کے ہزار ہا گٹھے ایک دوسرے پر رکھ کر لکڑیوں کا ایک پہاڑ بنا دیا اور اس کے بعد آگ کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔

(۶۹) بہرحال لوگوں کے شور غل ہاؤ ہو اور جوش و خروش کے اس عالم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے شعلوں کے اندر پھینک دئے گئے لوگوں نے خوشی سے اس طرح نعرے لگائے گویا بتوں کو توڑنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نابود اور خاکستر ہوگیا۔

لیکن وہ خدا کہ جس کے فرمان کے سامنے تمام چیزیں سرخم کئے ہوئے ہیں۔ جلانے کی صلاحیت اسی نے آگ میں رکھی ہے اور ماؤں کے دل میں محبت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ اس نے ارادہ کرلیا کہ خالص بندۂ مومن آگ کے اس دریا میں صحیح و سالم رہے تا کہ اس کے افتخار اور اعزاز کی سندوں میں ایک اور سند کا اضافہ ہوجائے۔

جیسا کہ قرآن اس مقام پر کہتا ہے: ہم نے آگ سے کہا: اے آگ! ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہوجا۔

اس میں شک نہیں کہ یہاں خدا کا فرمان فرمان تکوینی تھا۔ وہی فرمان کہ جو وہ جہان ہستی میں آفتاب و مہتاب، زمین و آسمان پانی اور آگ، نباتات اور پرندوں کر دیتا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ آگ اس قدر ٹھنڈی ہوگئی کہ ابراہیم علیہ السلام کے دانت ٹھنڈک کی شدت سے بجنے لگے۔

(۷۰) اس آیت میں نتیجہ پیش کرتے ہوئے مختصر اور جچے تلے الفاظ میں فرمایا گیا ہے: انہوں نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ ابراہیم کو ایک خطرناک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نابود کردیں لیکن ہم نے انہیں کو سب سے زیادہ گھاٹے میں رہنے والا قرار دے دیا۔

یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ابراہیم کے آگ میں صحیح و سالم رہ جانے سے صورت حال بالکل بدل گئی۔ خوشی اور مسرت کا شور و غل ختم ہوگیا۔ تعجب سے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

لیکن پھر بھی تعصب اور ہٹ دھرمی حق کو قبول کرنے میں پوری طرح حائل ہوگئی۔ اگر چہ کچھ بیدار دل اس واقعے سے بہرہ ور بھی ہوئے اور ابراہیم علیہ السلام کے خدا کے بارے میں ان کے ایمان میں زیادتی اور اضافہ ہوا۔

(۷۱) وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ	اور ہم نے اسے (ابراہیم) اور لوط کو اس سرزمین (شام) کی طرف نجات دی جسے ہم نے سب اہلِ جہان کیلئے بابرکت بنایا ہے۔

(۷۲)وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ	اور ہم نے اسے اسحاق اور (اس کے بعد) یعقوب بھی عطا فرمایا، اور ہم نے ان سب کو مردانِ صالح قرار دیا۔
(۷۳)وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۚۙ	اور ہم نے انہیں ایسے امام (اور پیشوا) قرار دیا جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت کرتے تھے اور ہم نے انہیں نیک کام انجام دینے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی۔ اور وہ صرف میری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

تفسیر

بت پرستوں کی سرزمین سے ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ اور اس خطرناک مرحلہ سے ان کی معجزانہ نجات نے نمرود کے ارکان حکومت کو لرزہ براندام کر دیا۔

ابراہیم علیہ السلام ان حالات میں اس شہر اور اس ملک میں رہا تو اپنی باتوں، قوی منطق اور بے نظیر شجاعت کے ساتھ، مسلمہ طور پر اس جابر، خودسر اور خودغرض حکومت کے لئے ایک خطرے کا مرکز بن سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کو ہر حالت میں اس سرزمین چلے جانا چاہیئے۔

دوسری طرف ابراہیم علیہ السلام حقیقت میں اپنی رسالت کا کام اس سرزمین میں انجام دے چکے تھے۔

اب ان کے لئے بھی مفید یہی تھا کہ یہاں سے کسی دوسری سرزمین کی طرف چلے جائیں اور اپنی رسالت کے کام کو وہاں بھی عملی شکل دیں۔

لہٰذا انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ لوط (جو آپ علیہ السلام کے بھتیجے تھے) اور اپنی بیوی سارہ اور احتمالاً مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر اس سرزمین سے شام کی طرف ہجرت کر جائیں۔

جیسا کہ قرآن اس آیت میں کہتا: ہم نے ابراہیم اور لوط کو ایسی سرزمین کی طرف نجات دی کہ جسے ہم نے سارے جہان والوں کے لئے برکتوں والا بنایا تھا۔

۷۲۔ اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام پر خدا کی ایک نہایت اہم نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے صالح اولاد اور ایک پھلنے پھولنے والی اچھی نسل۔ فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے اسحاق (سا بیٹا) عطا کیا اور (اس کے بعد اسحاق کا بیٹا) یعقوب بھی عطا کیا۔ اور ہم نے ان سب کو صالح، شائستہ اور مفید قرار دیا"۔

۷۳۔ یہ آیت ان عظیم پیغمبروں کے مقام امامت ورہبری اوران کی کچھ صفات اوراہم پروگراموں کی طرف اجتماعی طور پر اشارہ کررہی ہے۔

اس آیت میں مجموعی طور پران کی صفات شمار کی گئی ہیں۔ان میں صالح ہونے کی صفت کا اضافہ کرلیا جائے تو سات ہوجاتی ہیں۔

پہلے فرمایا گیاہے: ہم نے انہیں امام اورلوگوں کا رہبر قراردیا۔

بعد کے مرحلے میں اس مقام کی فعلیت اوراس کا نتیجہ بیان کیا گیاہے: وہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے ہیں۔

ہدایت صرف رہنمائی اورراستہ دکھانے کے معنی ہے۔اورمنزل مقصودتک پہنچانے کے معنی میں ہے۔

تیسری، چوتھی اور پانچویں نعمت اوران کی خصوصیت یہ تھی کہ: ہم نے انہیں اچھے کام انجام دینے اور۔(اسی طرح) نماز قائم کرنے اورزکوۃ ادا کرنے کی وحی کی۔

آخر حصے میں ان کے مقام ''عبودیت'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیاہے: وہ صرف ہماری عبادت کرتے تھے۔

(۷۴)وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۙ	اورلوط کو(یادکرو) جسے ہم نے حکم اورعلم دیا اوراس شہر سے نجات بخشی جہاں کے باشندے قبیح اور برے کام کرتے تھے کیونکہ وہ برے اورفاسق لوگ تھے۔
(۷۵)وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۠	اورہم نے اس کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا، بیشک وہ صالحین سے تھا۔

تفسیر

بروں کے علاقوں سے لوط علیہ السلام کی نجات

حضرت لوط علیہ السلام چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریبی رشتہ داروں اوران پرسب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کے بعد، ابلاغ رسالت کے سلسلہ میں ان کی جدوجہد اورکوششوں کے ایک حصہ کی طرف اوران کے لئے پروردگار کے انعامات واحسانات کی طرف یوں اشارہ کیا گیاہے: اورلوط کریادکروکہ جسے ہم نے حکم اورعلم دیا۔

لوط علیہ السلام بزرگ انبیاء میں سے ہیں، جوابراہیم کے ہمعصر تھے اورانہوں نے ابراہیم کے ساتھ سرزمین بابل سے فلسطین کی طرف ہجرت کی تھی۔اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جدا ہوکر ''سدوم'' شہر میں آئے کیونکہ اس علاقے کے لوگ گناہ اور بدکاری میں مبتلا تھے۔خصوصاً جنسی انحرافات اورآلودگیوں میں غرق تھے۔انہوں نے اس منحرف قوم کی ہدایت کے لئے بہت کوشش کی اوراس راستے میں خون جگر کے گھونٹ پئے لیکن ان دل کے اندھوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔

انجام کار......خدا کے شدید عذاب نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان کی آبادیاں بالکل تہ و بالا ہو گئیں اور سوائے لوط کے گھر والوں کے، ان کی بیوی سمیت سب کے سب نابود ہو گئے۔

لہٰذا زیر بحث آیت کے آخر میں اس کرم فرمائی کی طرف کہ جو اس نے لوطؑ پر کی تھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے اسے اس شہر سے کہ جہاں لوگ قبیح کام کرتے تھے رہائی بخشی۔

کیونکہ وہ برے لوگ تھے اور وہ فرمان حق کی اطاعت سے باہر نکل گئے تھے۔

(۷۵) اس کے بعد حضرت لوطؑ پر کئے گئے آخری انعام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے اپنی خالص رحمت میں داخل کیا۔

کیونکہ وہ صالح اور نیک بندوں میں سے تھا۔

(۷۶) وَ نُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ	اور نوح (کو یاد کرو) جب اس نے (ابراہیم و لوط سے) پہلے اپنے پروردگار کو پکارا تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما لیا اور اسے اور اسکے خاندان کو عظیم غم سے نجات عطا فرمائی دی۔
(۷۷) وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ	اور ہم نے اس کی اس قوم کے مقابلہ میں کہ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا، مدد فرمائی کیونکہ وہ بُری قوم تھی لہٰذا ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

تفسیر

متعصب اور ہٹ دھرم لوگوں سے نوحؑ کی نجات

ابراہیمؑ اور لوطؑ کی داستان کے ایک گوشہ کا ذکر کرنے کے بعد، ایک اور عظیم پیغمبر یعنی حضرت نوحؑ کی سرگزشت کے ایک حصہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اور نوح کو یاد کرو جبکہ اس نے (ابراہیم و لوط سے پہلے) اپنے پروردگار کو پکارا اور بے ایمان منحرف لوگوں کے چنگل سے نجات کے لئے درخواست کی۔

حضرت نوحؑ کی یہ ندا ظاہری طور پر ان کی اس نفرین اور بددعا کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید کی سورہ نوح میں بیان ہوئی ہے، جہاں پر ہے:

پروردگارا! اس بے ایمان قوم کے کسی فرد کو باقی نہ رہنے دے کیونکہ اگر یہ باقی رہ گئے تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور

ان کی آئندہ نسل بھی کافروفاجر ہی ہوگی۔(نوح............۲۶۔۲۷)

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: ہم نے اس کی دعا قبول کرلی اور اس کے گھر والوں کو اس عظیم غم سے نجات بخشی۔

یہاں پر ”اھل“ ایک وسیع معنی رکھتا ہے کہ جس میں آپ کے مومن عزیز واقارب بھی شامل ہیں اور خاص اصحاب وانصار بھی۔

(۷۷)اس میں مزید فرمایا گیا ہے: ہم نے اس کی، اس قوم کے مقابلہ میں مدد کی کہ جو ہماری آیات کی تکذیب کرتی تھی۔

”کیونکہ وہ بری قوم تھی لہٰذا ہم نے ان سب کو غرق کردیا“۔

یہ جملہ ایک بار پھر اس حقیقت پر ایک تاکید ہے کہ خدائی عذاب اور سزائیں ہرگز انتقامی پہلو نہیں رکھتیں بلکہ بنیاد یہ ہے کہ حیات اور نعمات زندگی سے استفادہ کرنے کا حق انہی لوگوں کو حاصل ہے کہ جو ارتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے، اللہ کے راستے پر چل رہے ہوں اور اگر ان سے کسی دن انحرافی راستے میں قدم پڑ بھی جائے، تو وہ غلطی پر غور کرتے ہوئے واپس لوٹ آئیں۔

(۷۸)وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ اِذۡ یَحۡکُمٰنِ فِی الۡحَرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡهِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ ۚ وَ کُنَّا لِحُکۡمِهِمۡ شٰهِدِیۡنَ ۙ	اور داؤد وسلیمان (کو یاد کرو) کہ جس وقت وہ ایک کھیت کے بارے میں، جس کو ایک قوم کی بھیڑیں رات کو چر گئی تھیں (اور اسے خراب کردیا تھا) فیصلہ کررہے تھے اور ہم ان کے فیصلے کے گواہ تھے۔
(۷۹)فَفَهَّمۡنٰهَا سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ کُلًّا اٰتَیۡنَا حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا ۫ وَّ سَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ یُسَبِّحۡنَ وَ الطَّیۡرَ ؕ وَ کُنَّا فٰعِلِیۡنَ	ہم نے اس کا (صحیح فیصلہ) سلمان کو سمجھا دیا تھا، اور ہم نے ان میں ہر ایک کو فیصلہ کی (لیاقت اور) آگاہی دی تھی، اور ہم نے داؤد کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کردیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ (خدا کی) تسبیح کرتے تھے اور ہم یہ کام کرنے پر قادر ہیں۔
(۸۰)وَ عَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّکُمۡ لِتُحۡصِنَکُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِکُمۡ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ شٰکِرُوۡنَ	اور ہم نے اسے (داود کو) زرہ بنانے کی تعلیم دی تاکہ وہ تمھیں تمہاری جنگوں میں محفوظ رکھے۔ کیا تم (خدا کی نعمتوں کا) شکرادا کرتے ہو؟

تفسیر

داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق واقعات کے بیان کے بعد داؤد وسلیمان کی

زندگی کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ ابتداء میں ایک فیصلے کا ذکر ہے کہ جو حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان نے کیا تھا۔ ایک اجمالی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

اور داؤد و سلیمان کو یاد کرو کہ جس وقت وہ ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے کہ جس کو ایک قوم کی بھیڑیں رات کے وقت چر گئی تھیں۔ اور ہم ان کے فیصلے کے شاہد تھے۔

وہ واقعہ اس طرح تھا: کہ بھیڑوں کا ایک ریوڑ رات کے وقت انگوروں کے ایک باغ میں داخل ہو گیا اور انگوروں کی بیلوں اور انگوروں کے گچھوں کو کھا گیا اور انہیں خراب اور ضائع کر دیا۔ باغ کا مالک حضرت داؤد کے پاس شکایت لے کر پہنچا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس اتنے بڑے نقصان کے بدلے میں تمام بھیڑیں باغ کے مالک کو دے دی جائیں۔ سلیمان علیہ السلام جو اس وقت بچے تھے باپ سے کہتے ہیں کہ: اے خدا کے عظیم پیغمبر! آپ اس حکم کو بدل دیں اور منصفانہ فیصلہ کریں! باپ نے کہا کہ وہ کیسے؟

آپ جواب میں کہتے ہیں کہ: بھیڑیں تو باغ کے مالک کے سپرد کی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے اور باغ کو اس بھیڑوں کے مالک کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اس کی اصلاح اور درستی کی کوشش کرے جس وقت باغ پہلی حالت میں لوٹ آئے تو وہ اس کے مالک کے سپرد کر دیا جائے اور بھیڑیں بھی اپنے مالک کے پاس لوٹ جائیں گی (اور خدا نے بعد والی آیت کے مطابق سلیمان کے فیصلہ کی تائید کی)

(۷۹) بہرحال اس آیت میں سلیمان کے فیصلے کی اس صورت میں تائید کی گئی ہے: ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا تھا، اور ہماری تائید سے اس نے اس جھگڑے کے حل کی بہترین راہ معلوم کر لی۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ غلط تھا۔ کیونکہ قرآن ساتھ ہی کہتا ہے: ہم نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو آگاہی اور فیصلے کی اہلیت اور علم عطا کیا تھا۔

اس کے بعد ایک اور اعزاز کہ جو خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا تھا، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ہم نے پہاڑوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور اسی طرح پرندوں کو بھی۔

یہ سب باتیں ہماری قدرت کے سامنے کوئی اہم چیز نہیں ہیں "ہم یہ کام انجام دینے پر قادر تھے۔

(۸۰) اس آیت میں ایک اور نعمت کی طرف کہ خدا نے اس عظیم پیغمبر کو عطا کی تھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ہم نے اسے زرہ بنانے کی تعلیم دی تھی تاکہ تمہاری جنگوں میں تمہاری حفاظت کرے، کیا تم خدا کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہو۔

(۸۱) وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ	ہم نے سلیمان کے لئے تیز ہوا کو مسخر کر دیا تھا، جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف، جسے ہم نے بابرکت بنا دیا تھا، چلتی تھی اور ہم ہر چیز سے آگاہ تھے۔

(۸۲)وَ مِنَ الشَّیٰطِیۡنِ مَنۡ یَّغُوۡصُوۡنَ لَہٗ وَ یَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِکَ ۚ وَ کُنَّا لَہُمۡ حٰفِظِیۡنَ ۙ	اورشیاطین کے ایک گروہ کو بھی ہم نے اس کے لئے مسخر فرما دیا تھا کہ وہ اس کے لئے (دریاؤں میں) غوطے لگاتے تھے اور اسکے علاوہ دوسرے کام بھی اسکے لئے سرانجام دیتے تھے اور ہم انہیں (بغاوت اور سرکشی کرنے سے) باز رکھتے تھے۔

تفسیر

ہوائیں سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان

یہاں بعض ان نعمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو خدا نے اپنے ایک اور پیغمبر یعنی سلیمان علیہ السلام کو عطا کی تھیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ہم نے تیز اور طوفان خیز ہواؤں کو سلیمان کے لئے مسخر کر دیا تھا کہ جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھیں۔ کہ جسے ہم نے مبارک قرار دیا تھا۔

اور یہ کوئی عجیب کام نہیں ہے، کیونکہ ہم چیز سے آگاہ تھے اور ہیں۔

ہم عالم ہستی کے اسرار اور اس پر حاکم قوانین اور نظاموں سے بھی آگاہ ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انہیں کس طرح سے زیر فرمان کیا جا سکتا ہے اور اس کام کے نتیجہ اور انجام سے بھی واقف ہیں۔ بہرحال ہر چیز ہمارے علم وقدرت کے سامنے قانع اور تابع فرمان ہے۔

(۸۲) آیت حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ایک اور خاص عنایت کو بیان کرتی ہے: ہم نے بعض شیاطین کو اس کے لئے مسخر کر دیا تھا کہ جو اس کے لئے سمندر میں غوطے لگاتے تھے (اور جواہرات اور قیمتی چیزیں باہر نکال کر لاتے تھے) اور اس کے لئے ان کے علاوہ اور خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

اور ہم انہیں اس کے فرمان، سرکشی سے روکے رکھتے تھے۔

جنات کا یہ گروہ کہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر تھا سمجھدار، فعال اور ہنرمند افراد پر مشتمل تھا۔

(۸۳)وَ اَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ۚ ۖ	اور ایوب (کو یاد کرو) جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا (اور عرض کی) بدحالی اور مشکلات نے میری طرف رُخ کرلیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔

(۸۴)فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّ اٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَ مِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ ذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ	پس ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور جن آلام میں وہ مبتلا تھے انہیں ہم نے برطرف کر دیا۔اور اس کے گھر والے اسے پلٹا دئے اور انہی جیسے اسے مزید عطا فرمائے،اپنی رحمتِ خاص کے طور پر تاکہ یہ عبادت گزاروں کے لئے ایک سبق بن جائے۔

تفسیر

حضرت ایوب علیہ السلام کی مشکلات سے نجات

یہاں خدا کے ایک اور عظیم پیغمبر اور ان کی سبق آموز سرگزشت کے بارے میں ہیں اور وہ ''ایوب علیہ السلام'' وہ دسویں پیغمبر ہیں کہ جن کی زندگی کے ایک گوشہ کی طرف سورہ انبیا میں اشارہ ہوا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی داستان دردناک بھی ہے اور باوقار بھی،ان کا صبر وضبط خصوصاً ناگوار حادثات میں عجیب وغریب تھا۔اس طرح سے ''صبر ایوب'' ایک ضرب المثل بن گیا۔

فرمایا گیا ہے:ایوب کو یاد کرو کہ جس وقت اس نے اپنے پرودگار کو پکارا اور عرض کیا کہ دکھ،درد اور بیماری نے میری طرف رخ کرلیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔

(۸۴) یہ آیت کہتی ہے:ایوب کی اس دعا کے بعد ہم نے اس کی دعا کو قبول کرلیا اور اس کے رنج،دکھ اور پریشانی کو برطرف کر دیا۔اور اس کے خاندان والے اسے پلٹا دئے اور ان کے ساتھ ان ہی جیسے مزید بھی عطا کئے۔تاکہ یہ ہماری طرف سے ان کے لئے رحمت خالص ہو اور یہ خدا کی عبادت کرنے والوں کے لئے بھی ایک سبق ہو۔تاکہ مسلمان یہ جان لیں کہ مشکلات چاہے جتنی بھی ہوں اور مصیبتیں چاہے جس قدر ہوں،دشمن بھی چاہے جتنے بھی پھیلے ہوئے ہوں،اور وہ (دشمن) چاہے جتنی بھی طاقت وقدرت رکھتے ہوں،پھر بھی پروردگار کے تھوڑے سے لطف وکرم سے یہ سب کچھ برطرف ہونے والی چیزیں ہیں،نہ صرف نقصانات کی تلافی ہو جاتی ہے،بلکہ بعض اوقات خدا بااستقامت صبر کرنے والوں کی جزا کے عنوان سے،جو کچھ ان کے ہاتھ سے گیا ہوا ہوتا ہے،اتنا ہی اور مزید اس پر اضافہ کر دیتا ہے اور یہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک درس ہے۔

(۸۵)وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِدۡرِيۡسَ وَ ذَا الۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۚ ۖ	اور اسماعیل، ادریس اور ذالکفل (کو یاد کرو) کہ وہ سب صابرین میں سے تھے۔

(۸۶)وَ اَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ	اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمایا، کیونکہ وہ صالحین میں سے تھے۔

تفسیر

اسماعیل علیہ السلام ادریس علیہ السلام اور ذاالکفل علیہ السلام کا مقام صبر وشکیبائی

تین دوسرے پیغمبروں کے مقام صبر وشکیبائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: اسمٰعیل، ادریس اور ذالکفل کو یاد کرو، وہ سب کے سب صابرین میں سے تھے۔

ان میں سے ہرایک نے دشمنوں کے مقابلہ میں یا زندگی کی طاقت فرسا مشکلات کے سامنے صبر واستقامت دکھائی ہے اور انہوں نے ان حوادث کے سامنے ہرگز گھٹنے نہیں ٹیکے۔ ان میں سے ہرایک استقامت اور پامردی کا ایک نمونہ تھا۔

(۷۶) اس کے بعد اس صبر واستقامت پر ان کیلئے خدا کے عظیم انعام کا ذکر ہے: ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کرلیا کیونکہ وہ صالحین میں سے تھے۔

(۸۷)وَ ذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ ٭ۖ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ۚ	اور ذوالنون (یونس کو بھی یاد کرو) جب وہ غصے میں آ کر (اپنی قوم کے درمیان سے) چلا گیا اور اس کا خیال تھا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔ (لیکن جب وہ مچھلی کے منہ میں چلا گیا) تو وہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پکارا: خداوندا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ومنزہ ہے، میں ہی قصوروار تھا۔
(۸۸)فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ ؕ وَ کَذٰلِکَ نُـْجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمایا اور اسے رنج وغم سے نجات بخشی اور ہم مومنین کو اسی طرح سے نجات عطا فرماتے ہیں۔

تفسیر

یونس کی وحشت ناک زنداں سے رہائی

یہ دونوں آیات عظیم پیغمبر یونس علیہ السلام کی سرگزشت کا ایک حصہ بیان کررہی ہیں، پہلے فرمایا گیا ہے: ”ذالنون“ کو یاد کرو جبکہ وہ اپنی بت پرست اور نافرمان قوم سے ناراض ہوکر چلے گئے۔

اس نے یہ گمان کرلیا تھا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔

ان کا یہ خیال تھا کہ انہوں نے اپنی نافرمان قوم میں اپنی رسالت کا کام پوری طرح انجام دے دیا ہے اور اس بارے میں انہوں نے کوئی ترک اولیٰ تک بھی نہیں کیا۔ اور اب جبکہ قوم کو اس کی حالت پر چھوڑ کر جا رہے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حالانکہ بہتر یہ تھا کہ وہ ان لوگوں میں رہتے............اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے اور خون جگر پیتے۔ اس امید پر کہ شاید وہ بیدار ہو جائیں اور خدا کی طرف رجوع کریں۔

آخرکار اسی ترک اولیٰ کی وجہ سے انہیں سختی کا منہ دیکھنا پڑا، ایک بہت بڑے مگرمچھ نے انہیں نگل لیا۔ ''اور انہوں نے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پکارا: خداوندا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے''۔

''خداوندا! تو پاک اور منزہ ہے، میں ہی ستمگاروں میں سے تھا''۔

میں نے خود اپنے اوپر بھی ظلم کیا ہے اور اپنی قوم کے اوپر بھی مجھے چاہئے تھا کہ میں اس سے بھی زیادہ شدائد اور سختیوں کو برداشت کرتا اور تمام مصیبتوں کو جھیلتا، شائد وہ راہ راست پر آجاتے۔

(۸۸) بالآخر ہم نے اس کی دعا قبول کرلی اور غم سے اسے رہائی بخشی۔ اس طرح ہم مؤمنین کو نجات دیں گے۔

ہاں! ہاں!............ ہم مومنین میں سے جو بھی بارگاہ خداوندی میں اپنی کوتاہی اور تقصیر پر توبہ کرے گا اور اس کی ذات پاک سے مدد اور رحمت طلب کرے گا تو ہم اس کی دعا قبول کرکے اس کے غم و اندوہ برطرف کردیں گے۔

(۸۹) وَ زَكَرِيَّآ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرۡنِىۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَيۡرُ الۡوٰرِثِيۡنَ ۖ	اور زکریا (کو یاد کرو) کہ جب اس نے اپنے رب کو پکارا (اور عرض کیا): اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ (اور مجھے ایک آبرومند بیٹا عطا فرما) اور بہترین وارث تو تو ہی ہے۔
(۹۰) فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۡ وَ وَهَبۡنَا لَهٗ يَحۡيٰى وَ اَصۡلَحۡنَا لَهٗ زَوۡجَهٗ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَ يَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوۡا لَنَا خٰشِعِيۡنَ	پس ہم نے اس (زکریا) کی دعا قبول کرلی اور اسے یحییٰ سا بیٹا عطا فرمایا اور ہم نے اس کے لئے اس کی بیوی میں صلاحیت پیدا کردی، کیونکہ وہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور (رحمت کے) شوق اور (عذاب کے) خوف کیساتھ ہمیں پکارتے اور وہ (ادب اور مسؤلیت کے احساس سے) ہمارے حضور گڑگڑایا کرتے تھے۔

تفسیر

زکریا علیہ السلام تنہا نہ رہے

یہ دونوں آیتیں خدا کے دو اور بزرگ پیغمبروں حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی زندگی کا ایک گوشہ بیان کررہی ہیں۔

پہلے فرمایا ہے: زکریا علیہ السلام کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا، پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر۔

زکریا علیہ السلام کی عمر کے سالہا سال گزر گئے وہ بہت بوڑھے ہو گئے لیکن ابھی تک ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور دوسری طرف ان کی بیوی بانجھ تھی اور اب بچہ جننے کے قابل نہ تھی۔

انہیں ایک ایسے بیٹے کی تمنا تھی کہ جو ان کے خدائی پرگراموں کو چلائے تا کہ ان کے تبلیغی کام ادھورے نہ رہ جائیں۔

ایسے وقت میں آپ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ، بارگاہ خداوندی کی طرف رجوع کیا اور ایک صالح بیٹے کے لئے دعا کی۔

(۹۰)۔خدا نے حقیقت عشق سے سرشار اور پرخلوص یہ دعا قبول کر لی اور ان کی خواہش پوری کر دی۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اسے یحییٰ سا بیٹا عطا فرمایا۔

اور اس مقصود تک پہنچنے کے لئے اس کی بانجھ بیوی کو درست کر دیا اور اس میں بچے کی پیدائش کی صلاحیت پیدا کر دی۔

اس کے بعد اس گھرانے کی تین عمدہ صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وہ لوگ نیک کاموں کی انجام دہی میں جلدی کرتے تھے۔

وہ اطاعت سے عشق اور گناہوں سے وحشت کے ساتھ ہر حالت میں ہمیں پکارتے تھے۔ وہ ہمیشہ ہمارے سامنے (ادب و احترام اور احساس مسوئلیت کے ساتھ گڑگڑایا کرتے تھے)۔

ان تینوں صفات کا ذکر ممکن ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ انہیں جس وقت کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ کم ظرف اور ضعیف الایمان لوگوں کی طرح ....غفلتوں اور غرور میں گرفتار نہیں ہو جاتے تھے۔

(۹۱) وَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِیۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ جَعَلۡنٰهَا وَ ابۡنَهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ	اور یاد کرو اس خاتون کو کہ جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی اور ہم نے اسکے اندر اپنی روح میں سے پُھونکا اور اسے اور اسکے بیٹے کو عالمین کے لئے ایک عظیم نشانی قرار دیا۔

تفسیر

مریم علیہا السلام پاک دامن خاتون

اس آیت میں حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام، عظمت اور احترام کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: یاد کرو مریم کو جس نے اپنی عزت کی حفاظت کی۔

پھر ہم نے اپنی روح میں سے اس میں پھونکا۔

اور اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو ہم نے عالمین کے لئے عظیم نشانی قرار دیا۔

(۹۲)اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖؗ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ	یہ (پیغمبر اور اس کی امت) سب ایک ہی امت ہیں اور میں تمہارا پروردگار ہوں، پس میری ہی عبادت کرو۔
(۹۳)وَ تَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ۠	اور (ایک گروہ نے) آپس میں اپنے کام میں تفرقہ ڈالدیا ہے، (لیکن آخرکار) سب کے سب ہماری ہی طرف پلٹ کر آئیں گے۔
(۹۴)فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ	جو شخص بھی کچھ اعمالِ صالح بجالائے گا، جب کہ وہ باایمان بھی ہو، تو اس کی کوششوں کی ناقدری نہیں ہوگی اور ہم ان کے تمام اعمال لکھ رہے ہیں

تفسیر

ایک امت

گزشتہ آیات میں خدا کے بعض پیغمبروں کے نام آئے ہیں۔ ان کے حالات زندگی بیان ہوئے ہیں یہاں پر مجموعی طور پر نتیجہ نکالتے ہوئے فرمایا گیا ہے: یہ عظیم پیغمبر کہ جن کی طرف اشارہ ہوا ہے، سب کے سب ایک ہی امت تھے۔

ان سب کا پروگرام بھی ایک تھا اور ان کا ھدف ومقصد بھی ایک ہی تھا۔ اگرچہ زمانہ اور ماحول کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف خصوصیات اور ان کا انداز کار کچھ مختلف تھا یعنی ان کی تکنیک مختلف تھی۔

پروگرام اور ہداف ومقصد کی یہ یگانگت اور وحدت اس بنا پر تھی کہ وہ سب کے سب ایک ہی مبدأ سے فیض حاصل کرتے تھے کہ۔ جو خدائے واحد ویکتا ارادہ تھا۔ لہٰذا ساتھ ہی فرمایا گیا ہے: میں تم سب کا پرودگار ہوں لہٰذا تم صرف میری ہی عبادت کرو۔

درحقیقت انبیاء کی توحید عقیدت وعمل کا سرچشمہ وحی ہے۔

(۹۳) اس آیت میں، لوگوں کی اکثریت کے اس توحیدی بنیاد سے انحراف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وہ اپنے معالے میں اختلافات کا شکار ہوگئے۔

معاملہ اس حد کو پہنچ گیا کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کو لعن ونفرین کرنے لگا اور یہ توحید اور حق دین واحد سے انحراف کا نتیجہ تھا۔

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے: لیکن یہ سب کے سب آخرکار ہماری ہی طرف لوٹ کر آئیں گے۔ یہ اختلاف جو عارضی ہے ختم ہو جائے گا اور پھر قیامت میں سب کے سب وحدت ہی کی طرف جائیں گے۔

۹۴۔اس آیت میں پروردگار کی پرستش کی راہ میں ''امت واحدہ'' کے ساتھ ہم آہنگی کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے: جو کوئی بھی کچھ اعمال صالح انجام دے گا، جبکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہو، تو اس کی جدوجہد اور کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔

اور مزید تاکید کے لئے اضافہ کیا گیا ہے: اور ہم اس کے اعمال صالح یقیناً لکھیں گے۔ بہرحال یہ آیت قرآن کی بہت سی دوسری آیات کی طرح، اعمال، صالح کی قبولیت کی شرط ایمان کو شمار کرتی ہے۔

(۹۵)وَ حَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ	وہ شہر اور آبادیاں کہ جنہیں ہم نے (گناہوں کی پاداش میں) ہلاک کر دیا، ان کے لئے حرام ہے کہ وہ (اس دنیا میں) پلٹ کر آئیں،
(۹۶)حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ	یہاںتک کہ جب یاجوج و ماجوج پر راہیں کھول دی جائیں گے اور وہ تیزی کے ساتھ ہر بلندی سے گزر جائیں گے۔
(۹۷)وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ	اور (قیامت کے بارے میں) حق کا وعدہ (ایفا کے) قریب ہو جائیگا تو اس وقت کافروں کی آنکھیں وحشت سے حرکت چھوڑ دیں گی، (وہ کہیں گے) وائے ہو ہم پر کہ ہم اس کے بارے میں غفلت میں تھے! بلکہ ہم تو ظالم تھے۔

تفسیر

کفار قیامت کے آستانے پر

گزشتہ آیات میں نیکوکار مومنین کے بارے میں گفتگو تھی اور زیر بحث آیت میں ایسے افراد کی طرف اشارہ کہ جو فرمایا گیا ہے: ان بستیوں پر کہ جنہیں ہم نے ان کے گناہوں کے جرم میں نابود کر دیا ہے، حرام ہے کہ وہ دنیا کی طرف پلٹ کر آئیں، وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔

درحقیقت وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو عذاب الٰہی دیکھنے کے بعد یا ہلاکت کے بعد اور عالم برزخ میں جانے کے بعد، غرور و غفلت کے پردوں کو اپنی نگاہوں کے سامنے سے ہٹا ہوا پائیں گے، تو آرزو کریں گے کہ اسے کاش! وہ ان تمام خطاؤں اور گناہوں کی تلافی کرنیکے لئے، دوبارہ دنیا کی طرف لوٹ جاتے، لیکن قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ ان کی بازگشت بالکل حرام یعنی ممنوع ہے۔

(۹۶) بہر حال یہ بے خبر لوگ ہمیشہ غفلت اور غرور میں ہی رہیں گے اور ان کی یہ بدبختی اسی طرح باقی رہے گی یہاں تک کہ دنیا ختم ہو جائے گی۔

جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

''یہ بات اس وقت تک ہوتی رہے گی یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج پر راہ کھول دی جائے گی اور وہ ساری زمین میں پھیل جائیں اور وہ ہر بلندی سے تیزی کے ساتھ گزر جائیں۔

(۹۷) اس کے ساتھ ہی یہ فرمایا گیا ہے: اس وقت خدا کا وعدۂ حق نزدیک آ پہنچے گا۔

اور ایک گھبراہٹ اس طرح کفار کے سارے وجود پر چھا جائے گی کہ ان کی آنکھیں حرکت نہیں کر پائیں گی۔ اور وہ یہ منظر حیرانی کے ساتھ دیکھیں گے۔

اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے سے غفلت اور غرور کے پردے ہٹ جائیں گے اور انہیں پکاریں گے: وائے ہو ہم پر، ہم تو اس منظر سے غفلت میں ہی تھے۔

اور چونکہ اپنے اس عذر سے اپنے گناہ نہیں چھپا سکیں گے اور خود کو بری بھی قرار نہ دے سکیں گے، لہٰذا صراحت کے ساتھ کہیں گے: نہیں بلکہ ہم ہی ظالم تھے۔

اصولی طور پر خدا کے ان تمام پیغمبروں اور آسمانی کتابوں اور ان تمام ہلا دینے والے حوادث اور اسی طرح ایسے عبرت آموز سبقوں کے باوجود.................. کہ جو زمانہ ان کے سامنے پیش کرتا ہے.................. یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے کہ وہ پھر بھی غفلت میں رہیں، لہٰذا جو کچھ ان سے سرزد ہوا ہے، تفسیر ہے اور خود اپنے اوپر اور دوسروں کے اوپر بھی ظلم ہے۔

(۹۸) اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ	تم بھی اور جن جن کی تم خدا کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہوں گے، اور تم سب کے سب اس میں اسی (جہنم) میں جاؤ گے۔
(۹۹) لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	اگر یہ (بت) خدا ہوتے تو ہرگز اس (آگ) میں نہ جاتے اور وہ سب کے سب ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔
(۱۰۰) لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ	وہاں پر وہ دردناک طریقہ سے نالہ و فریاد کرتے ہوں گے اور وہاں انہیں کچھ سنائی نہ دے گا۔

(۱۰۱)اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡہَا مُبۡعَدُوۡنَ ۙ	لیکن وہ لوگ جن سے ہم نے پہلے سے اچھا وعدہ کیا ہوا ہے، انہیں اس سے دور ہی رکھا جائے گا۔
(۱۰۲)لَا یَسۡمَعُوۡنَ حَسِیۡسَہَا ۚ وَ ہُمۡ فِیۡ مَا اشۡتَہَتۡ اَنۡفُسُہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ۚ	وہ جہنم کی آگ کی آواز (تک بھی) نہیں سنیں گے، اور وہ جیسی نعمت چاہیں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس مستغرق رہیں گے۔
(۱۰۳)لَا یَحۡزُنُہُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ وَ تَتَلَقّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ؕ ہٰذَا یَوۡمُکُمُ الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ	انہیں وہ عظیم وحشت محزون و مغموم نہیں کرے گی اور فرشتے ان کے استقبال کے لئے بڑھیں گے (اور یہ کہیں گے): یہی تو وہ دن ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

تفسیر

جہنم کا ایندھن

گزشتہ آیات میں ظالم مشرکین کے انجام کے بارے میں گفتگو تھی۔ ان آیات میں روئے سخن ان کی طرف کرتے ہوئے، ان کی اور ان کے معبودوں کے مستقبل کی اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے: تم بھی اور جن جن کی تم خدا کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو (سب کے سب) جہنم کا ایندھن ہیں۔

زیر بحث آیت مشرکین سے کہتی ہے کہ جہنم میں آگ جلانے والا ایندھن جس سے اس کے شعلے پیدا ہوں گے، خود تم اور تمہارے بناوٹی خدا ایندھن کے بے قدر و قیمت ٹکڑوں کی طرح یکے بعد دیگرے جہنم میں پھینکے جاؤ گے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: تم اس میں جاؤ گے۔

پہلے تو بتوں کو آگ میں ڈالیں گے، پھر تم ان پر وارد ہو گے، گویا تمہارے خدا اس آگ کے ساتھ کہ جو ان کے وجود سے نکلے گی، تمہارا استقبال کریں گے۔

(۹۹) اسکے بعد عمومی نتیجہ نکالتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اگر یہ بت خدا ہوتے تو ہرگز جہنم کی آگ میں نہ پہنچتے۔

لیکن یہ جان لو کہ نہ صرف یہ کہ وہ جہنم میں پہنچیں گے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں رہیں گے۔

(۱۰۰) ان ''گمراہ عبادت کرنے والوں'' کی ''ان بے قدر و قیمت معبودوں'' کے ساتھ دردناک کیفیت کے بارے میں مزید وضاحت کے لئے فرمایا گیا ہے: وہ دوزخ میں دردناک نالہ و فریاد کریں گے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ غم انگیز نالہ و فریاد صرف ان عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہی مربوط نہ ہو بلکہ شیاطین کہ جو ان کے

معبود تھے وہ بھی، اس میں ان کے شریک ہوں۔

بعد کا جملہ ان کی ایک اور دردناک سزا کو بیان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: انہیں دوزخ میں کچھ سنائی نہیں دے گا:

یہ جملہ ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ کوئی اسی بات ہرگز نہیں سنیں گے کہ جو ان کے لئے راحت کا باعث بنے۔ بلکہ وہ دوزخیوں کے جانکاہ نالے اور عذاب کے فرشتوں کی جھڑکیاں ہی سنیں گے۔

بعض نے کہا ہے کہ وہ کسی کی آواز کو بالکل نہیں سنیں گے۔ گویا وہ اکیلے ہی عذاب میں ہیں اور یہ بات خود زیادہ عذاب کا سبب ہے۔

(۱۰۱) آیت سچے مومنین اور صاحبان ایمان مردوں اور عورتوں کے حالات بیان کر رہی ہے تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ سے دونوں کی کیفیت زیادہ واضح ہو جائے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: وہ لوگ کہ جن سے ہم نے ان کے ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے پہلے سے اچھا وعدہ کر رکھا ہے، اور وہ اس وحشت ناک اور ہولناک آگ سے دور رہیں گے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نے اس جہاں میں مومنین سے جتنے وعدے کئے ہیں، ہم انہیں پورا کریں گے ان میں سے ایک ان کا جہنم کی آگ سے دور رہنا ہے۔

(۱۰۲) اس آیت میں خدا کی چار عظیم نعمتوں کا ذکر ہے کہ جو ان لوگوں کو میسر ہوں گی۔

پہلی یہ کہ وہ آگ کی آواز تک نہیں سنیں گے۔

سچے مومنین چونکہ جہنم سے دور رہیں گے، لہذا یہ وحشت ناک آوازیں ہرگز ان کے کانوں میں نہیں پڑیں گی۔ دوسری یہ کہ وہ جیسی نعمت چاہیں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں مستغرق رہیں گے۔

یعنی وہاں پر اس جہان کی طرح محدودیت نہیں ہے۔ یہاں تو انسان بہت سی نعمتوں کی آرزو کرتا ہے لیکن ان تک نہیں پہنچ پاتا۔

وہاں پر وہ جو بھی مادی معنوی نعمت چاہے گا، اس کی دسترس میں ہوگی۔ وہ بھی ایک دن یا دو دن نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

تیسری یہ کہ عظیم وحشت انہیں مغموم نہیں کرے گی۔

''فزع اکبر'' (عظیم اور بڑی وحشت) کو بعض نے روز قیامت کی وحشتوں کی طرف اشارہ سمجھا ہے کیونکہ وہ ہر وحشت سے بڑی ہے۔

آخر میں ان لوگوں کے لئے آخری نعمت کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ: رحمت کے فرشتے ان کا استقبال کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے،

انہیں مبارکباد دیں گے اور یہ بشارت دیں گے کہ یہ وہی دن ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

(۱۰۴)يَوۡمَ نَطۡوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ‌ؕ كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِيۡدُهٗ‌ ؕ وَعۡدًا عَلَيۡنَا‌ ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيۡنَ	وہ دن جب ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے خطوط کا غذوں کو آپس میں لپیٹا جاتا ہے۔(پھر) جس طرح سے ہم نے خلقت کی ابتدا کی تھی، اسی طرح سے اسے واپس لوٹائیں گے۔ یہ وہ وعدہ کہ جو ہم نے کیا ہے اور ہم یقینی طور پر اسے انجام دیں گے۔

تفسیر

جب آسمانوں کو لپیٹ دیا جائے گا

گزشتہ بحث کی آخری آیت میں تھا کہ سچے مومنین عظیم وحشت سے غمگین نہیں ہوں گے۔ یہاں پر اس بڑی وحشت کے دن کا ایک اور رخ پیش کیا جارہا ہے اور درحقیقت اس وحشت کی عظمت کی علت کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

یہ معاملہ اس دن حقیقت کی صورت اختیار کرلے گا کہ جب ہم آسمانوں کو اس طرح سے لپیٹ دیں گے کہ جس طرح خطوں کو لپیٹا جاتا ہے۔

اس آیت میں، دنیا کے اختتام پر، عالم ہستی کے لپیٹ دیئے جانے کی، ایک لطیف تشبیہ ہے۔ اس وقت اوراق کے یہ طومار کھلے ہوئے ہیں اور اس کے تمام نقوش اور خطوط پڑھے جارہے ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر قائم اور برقرار ہے لیکن جب قیامت کا حکم ہوجائے گا تو یہ عظیم طومار اپنے تمام خطوط و نقوش کے ساتھ لپیٹ دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ: ''جس طرح ہم نے اسے ابتداء میں پیدا کیا ہے (اسی طرح) دوبارہ پلٹائیں گے'' یہ کام ہماری عظیم قدرت کے سامنے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اور آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: یہ وہ وعدہ ہے کہ جو ہم نے کیا ہے اور یقیناً ہم اسے انجام دیں گے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کی پہلی صورت میں بازگشت سے مراد یہ ہے کہ انسان دوبارہ ننگے پاؤں اور عریاں............جیسا کہ ابتدائے خلقت میں تھے...... پلٹ کر آئیں گے لیکن بلاشک اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ آیت کا مفہوم اسی معنی منحصر ہے، بلکہ یہ تو مخلوق کے پہلی صورت میں لوٹنے کی ایک شکل ہے۔

(۱۰۵)وَ لَقَدۡ كَتَبۡنَا فِى الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوۡنَ	ہم نے ذکر (تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ میرے صالح بندے زمین (کی حکومت) کے وارث ہوں گے۔

(۱۰۶)اِنَّ فِیۡ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ؕ	اس میں عبادت گزاروں کے لئے ایک روشن ابلاغ ہے۔

تفسیر

زمین کی حکومت صالحین کے لئے ہوگی

گزشتہ آیات میں صالح مومنین کے لئے اخروی جزا کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرنے کے بعد، اس آیت اور اس کی بعد والی آیت میں نہایت عمدگی اور فصاحت سے ان کی ایک واضح دنیاوی جزا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ ہے زمین کی حکومت۔ ارشاد ہوتا ہے،

ہم نے ''زبور'' میں ''ذکر'' کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ آخرکار میرے صالح بندے زمین (حکومت) کے وارث ہوجائیں گے۔

زبور سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب ہی ہے اور ''ذکر'' تورات کے معنی میں ہے۔

اس طرح آیت کا معنی یوں ہوگا:

ہم نے تورات کے بعد، زبور میں یہ لکھ دیا تھا کہ اس زمین کی میراث ہمارے صالح بندوں تک پہنچے گی۔

ایک اور سوال کہ جو یہاں باقی رہ جاتا ہے، یہ ہے کہ خدا کے صالح بندے کون ہیں؟

لفظ ''صالحین'' جو کہ ایک وسیع معنی رکھتا ہے، تمام اہلیتیں اور لیاقتیں ذہن میں آجاتی ہیں۔ عمل وتقویٰ کے لحاظ سے اہلیت، علم وآگاہی کے لحاظ سے اہلیت، قدرت وقوت کے لحاظ سے اہلیت اور تدبیر ونظم وضبط اور اجتماعی شعور کے لحاظ سے اہلیت، علم وآگاہی کے لحاظ سے اہلیت، قدرت وقوت اور تدبیر ونظم وضبط اور اجتماعی شعور کے لحاظ سے اہلیت۔

بعض روایات میں یہ آیت صراحت کے ساتھ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے یار وانصار کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے۔ یہ روایات اسی ایک عالی اور آشکار مصداق کا بیان ہیں۔ ہرگز آیت کے مفہوم کی عمومیت کو محدود نہیں کرتیں۔

جہان انسانیت میں نظام آفرینش ہی آئندہ زمانے میں ایک صحیح اجتماعی نظام کے قبول کرنے کے لئے ایک روشن دلیل بنے گا اور یہ وہی چیز ہے کہ جو زیر بحث آیت اور ''عالم کے مصلح عظیم'' (مهدی ارواحنا له الفدا) کے قیام سے مربوط احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔

(۱۰۶) یہ آیت مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے: اس بات میں ان لوگوں کے لئے کہ جو خدا کی اخلاص کے ساتھ عبادت کرتے ہیں، ایک واضح اور روشن ابلاغ۔

(۱۰۷)وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ	اور (اے رسول) ہم نے تجھے عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

(۱۰۸)قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ	تم کہہ دو کہ مجھے تو صرف یہ وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود خدائے یگانہ ہے۔تو کیا (حق کے سامنے) سرِ تسلیم خم کرو گے؟
(۱۰۹)فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍؕ وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ	اگر (ان تمام باتوں کے باوجود) وہ روگردانی کریں تو تم ان سے یہ کہہ دو کہ میں تم سب کو یکساں طور پر عذابِ الٰہی سے خبر دار کرتا ہوں اور میں یہ نہیں جانتا کہ (عذابِ خدا کا) یہ وعدہ تمہارے نزدیک ہے یا دور۔
(۱۱۰)اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ یَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ	یقیناً وہ ظاہر باتوں کو بھی جانتا ہے اور جسے تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے
(۱۱۱)وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ	اور میں یہ نہیں جانتا کہ شاید یہ بات تمہارے لئے آزمائش ہو اور ایک (معیّن) مدّت کے لئے فائدہ اٹھانے کے لئے ہو۔
(۱۱۲)قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۠	(پیغمبر نے) عرض کیا: پروردگار! تو حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے، اور ہمارا پرودگار ہی وہ رحمٰن ہے جس سے میں تمہاری ناروا تہمتوں پر مدد طلب کرتا ہوں۔

تفسیر

عالمین کے لئے پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

گزشتہ آیات صالح بندوں کو روئے زمین کی حکومت کی بشارت دے رہی تھیں، اور اس قسم کی حکومت تمام جہانوں کیلئے باعث رحمت ہے، اس لئے زیر بحث آیت میں وجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمت عامہ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر عالمین کے لئے رحمت بنا کر۔

دنیا کے سبھی لوگ خواہ وہ مومن ہوں یا کافر تیری رحمت کے ممنون ہیں کیونکہ تو نے ایسے دین وآئین کی ترویج اپنے ذمہ لی ہے کہ جو سب کی نجات کا سبب ہے۔

۱۰۸۔اور چونکہ رحمت کا اہم ترین مظہر اور اس کی محکم ترین بنیاد، مسئلہ توحید اور اس کے جلوے ہیں لہٰذا اس آیت میں فرمایا گیا:

تم یہ کہہ دو کہ مجھ پر تو یہی وحی ہوئی ہے کہ تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے۔

تو کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ اس بنیادی اصل یعنی توحید کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو اور بتوں کی چھوڑ دو۔

درحقیقت اس آیت میں تین بنیادی نکات پیش کئے گئے ہیں۔

اعتقاد میں توحید، عمل میں توحید، صفوں میں توحید، قانون میں توحید، غرضیکہ ہر چیز میں توحید۔

دوسرا نکتہ یہ ہے۔ اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام دعوت کا خلاصہ، اصل توحید ہے۔ زیادہ صحیح الفاظ میں ایک روح ہے کہ جو دین کے بدن میں پھونکی گئی ہے۔

آخری نکتہ یہ ہے کہ تمام معاشروں اور قوموں کی اصل مشکل مختلف شکلوں میں شرک سے آلودگی ہے۔

اصل مشکل شرک اور شرک کے مظاہر سے باہر آنا اور بتوں کو توڑنے کے لئے آستینیں چڑھانا ہے۔ نہ صرف پتھر اور لکڑی کے بتوں کو، بلکہ ہر قسم کے بتوں کو، خصوصاً انسانی طاغوتوں کو توڑنے کے لئے۔

(۱۰۹) آیت کہتی ہے کہ اگر ان تمام باتوں کے باوجود ہماری دعوت اور پیغام کی طرف توجہ نہ کریں اور روگردانی کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں تم سب کو یکساں طور پر عذاب الٰہی کے خطرے سے آگاہ کرتا ہوں۔

پھر اسی تہدید کو اور زیادہ آشکار صورت میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: میں نہیں جانتا کہ عذاب کا وہ وعدہ کہ جو تم سے کیا گیا ہے، قریب ہے دور۔

یہ خیال نہ کرنا کہ یہ وعدہ دور ہے، شاید نزدیک ہو اور بہت ہی نزدیک ہو۔

یہ عذاب اور سزا کہ جس کی یہاں انہیں تہدید کی گئی ہے، ممکن ہے کہ عذاب قیامت ہو یا دنیا کی سزا اور یا یہ دونوں ہی ہوں پہلی صورت میں اس کا علم خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی بھی شخص ٹھیک طور پر وقوع قیامت کی تاریخ سے آگاہ نہیں ہے حتیٰ کہ خدا کے پیغمبر بھی۔

اور دوسری اور تیسری صورت میں ممکن ہے کہ اس کی جزئیات اور زمانے کے بارے میں اشارہ ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اس قسم کے حادثات کے بارے میں ہمیشہ پہلو نہیں رکھتا بلکہ یہ بعض اوقات ارادی پہلو رکھتا ہے یعنی جب تک ارادہ نہ کریں نہیں جانتے۔

(۱۱۰) یہ تصور بھی اپنے ذہنوں میں نہ پھٹکنے دو کہ اگر تمہاری سزا میں کچھ تاخیر ہو جائے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ خدا تمہارے اعمال اور تمہاری باتوں سے آگاہ نہیں ہے۔ نہیں! ایسا نہیں ہے! وہ سب کچھ جانتا ہے "وہ تمہاری آشکار باتوں کو بھی جانتا ہے، اور ان باتوں کو بھی کہ جنہیں تم چھپاتے ہو"۔

اصولی طور پر پنہاں وآشکار، تمہارے لئے تو مفہوم رکھتا ہے کیونکہ تمہارا علم محدود ہے۔ لیکن اس ذات کے لئے کہ جس کا علم بے پایاں اور لامتناہی ہے، غیب وشہود ایک ہے اور پوشیدہ اور اعلانیہ یکساں ہے۔

(۱۱۱) علاوہ ازیں اگر تم یہ دیکھ رہے ہو کہ خدائی سزا فوری طور پر تمہارے دامن گیر نہیں ہو رہی تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ تمہارے کام سے آگاہ نہیں مجھے کیا معلوم؟ شاید یہ تمہاری آزمائش کے لئے ہو''۔

''اور وہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس دنیا کی لذتوں سے ایک مدت تک بہرہ مند کرے'' اور اس کے بعد تم سے ہر چیز لے لے اور جزا دے۔ درحقیقت یہاں خدائی سزاؤں کی تاخیر کے دو فلسفے بیان ہوئے ہیں۔

پہلا فلسفہ امتحان وآزمائش ہے، خدا ہرگز عذاب میں جلد بازی نہیں کرتا تا کہ مخلوق کی کافی حد تک آزمائش کر لے اور اتمام حجت کر دے دوسرا فلسفہ یہ ہے کہ کچھ ایسے افراد ہیں کہ جن کی آزمائش تو مکمل ہو چکی ہے اور ان کی سزا کا فیصلہ قطعی ہو چکا ہے لیکن اس غرض سے کہ انہیں سخت سے سخت سزا ہو، اپنی نعمت کو ان پر وسیع کر دیتا ہے تا کہ وہ پوری طرح نعمت میں غرق ہو جائیں اور ٹھیک اسی حالت میں جب کہ وہ نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں عذاب کے تازیانے ان پر پڑنے لگیں تا کہ وہ اور بھی زیادہ دردناک اور تکلیف دہ محسوس ہوں اور محرموں اور ستم دیدہ لوگوں کی تکلیفوں کا اچھی طرح احساس کریں۔

(۱۱۲) زیر بحث آیت کہ جو سورۂ انبیاء کی بھی آخری آیت ہے، اس سورت کی پہلی آیت کی طرح بے خبر لوگوں کی غفلت کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کا قول نقل کیا گیا ہے:

اس سے ان لوگوں کے غرور غفلت کے بارے میں آپ کی ناراضگی اور پریشانی ظاہر ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: پیغمبر نے ان کی تمام روگردانیوں اور اعراض کو دیکھنے کے بعد'' عرض کیا: میرے پروردگار! اب حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور اس سرکش گروہ کو اپنی عدالت کے قانون کے مطابق سزا دے''۔

دوسرے جملے میں روئے سخن مخالفین کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

''ہم سب کا پروردگار خدائے رحمٰن ہے اور ہم اس کی مقدس بارگاہ میں ان ناروا تہمتوں پر کہ جو تم اس کی طرف دیتے ہو، اسی سے مدد مانگتے ہیں''

سورہ حج

مدینہ میں نازل ہوئی

اس کی ۷۸ آیات ہیں

سورۂ حج کے مضامین اور مطالب

اس سورت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں حج کے بارے میں کچھ آیات ہیں۔

اگر ہم مکی اور مدنی سورتوں کے مطابق ومفاہیم، دونوں جگہوں کے ماحول، مسلمانوں کی ضروریات اور اسی لحاظ سے پیغمبر اکرم ﷺ کی تعلیمات کو ذہن میں رکھ غور کریں تو فوراً اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سورت کی بعض آیات مدنی سورتوں میں پائی جانے والی آیات سے مشابہ ہیں۔ جسے حج اور جہاد کے احکامات اور تفصیلات جن کا تعلق مسلمانوں کی مدنی زندگی اور ضروریات سے ہے۔

مطالب اور مضامین کے اعتبار سے اس سورت کی مندرجہ ذیل تقسیم کی جاسکتی ہے۔

ا۔ قیامت کا بیان:

بہت سی آیات اس مضمون کی حامل ہیں، ان میں قیامت کا منطقی استدلال اور غافل لوگوں کو جوابدہی کی وعید موجود ہے۔

۲۔ شرک اور مشرکین کا بیان:

آیات کا دوسرا حصہ شرک اور مشرکین کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے سے متعلق ہے۔

۳۔ عذاب الٰہی کا بیان:

آیات کا ایک حصہ گزشتہ اقوام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید عذاب اور ان کے عبرتناک انجام کے مطالعے کی ترغیب دیتا ہے۔

۴۔ حج کا بیان:

آیات کا چوتھا حصہ حج کے بارے میں ہے۔ اس حصے کا تاریخی پس منظر، بیان کیا گیا ہے۔

۵۔ ظالموں کے خلاف قیام کا بیان:

آیات کا ایک اور حصہ جابروں اور ظالموں کے خلاف اٹھنے اور دشمنوں کی جارحیت سے نپٹنے کے بارے میں ہے۔

۶۔ فروع دین کا بیان: آیات کا آخری حصہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق وعظ ونصیحت پر مشتمل ہے، اس میں

نماز اور زکوۃ کی ترغیب دی گئی ہے، بھلائی کی تلقین، برائی پر تنبیہ اور توکل علی اللہ کی طرف رغبت دلائی گئی ہے۔

اس سورت کی تلاوت کے فضائل

اسلام کے گرامی قدر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث مروی ہے۔

''جو بھی سورۂ حج کی تلاوت کرے اللہ اسے ان تمام لوگوں کو تعداد کے برابر اجر ثواب عطا کرے گا جو گزشتہ زمانے میں حج وعمرہ بجالائے اور جو آئندہ بجالائیں گے''۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کثیر ثواب اور عظیم درجہ صرف لفظی تلاوت سے حاصل نہیں ہوگا، بلکہ فکرساز تلاوت سے حاصل ہوگا۔ ایسی فکر جو عمل پرور ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ‌ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِیۡمٌ	اے لوگو! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرو۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ قیامت کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے۔
(۲) یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمۡ بِسُكٰرٰى وَلٰـكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیۡدٌ	جس دن یہ رونما ہوگا تو تم دیکھو گے کہ شیرخوار بچوں کی ماؤں کو بچوں کا ہوش نہیں رہے گا اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تجھے یوں لگے گا گویا لوگ مدہوش ہو گئے ہیں۔ حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے۔ بلکہ اللہ کے عذاب کی شدت ہی کچھ ایسی ہوگی۔

تفسیر

قیامت کا وحشت ناک زلزلہ

اس سورت کا آغاز ایسی دو آیتوں سے ہو رہا ہے، جن میں جھنجھوڑ نے اور ہلا کر رکھ دینے والے واقعات کا ذکر ہے۔

یہ آیتیں انسان کو بے ساختہ اس فانی دنیا کے اس ہولناک مستقبل کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

پہلی آیت میں بلا استثناء سب لوگوں سے کہا گیا ہے: اے لوگو! پروردگار کے عذاب سے ڈرو اور پرہیزگاری اختیار کرو، کیونکہ قیامت کا زلزلہ بہت شدید اور اہم واقعہ ہے۔

"یا ایھا الناس" کا خطاب واضح کر رہا ہے کہ یہاں رنگ، نسل، زبان، مکان، زمان، جغرافیائی حدود اور قوم قبیلہ میں ترجیح اور فرق روا نہیں رکھا گیا۔ مومن، کافر، چھوٹا، بڑا، بوڑھا، جوان، مرد، عورت، ماضی، حال اور مستقبل غرضیکہ کوئی بھی اس خطاب سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اس آیت میں اس کیفیت کے چند نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

1۔ "خوف اور بوکھلاہٹ کا یہ حال ہوگا کہ مائیں اپنے شیر خوار بچوں تک سے غافل ہوجائیں گی"

2۔ "گھبراہٹ کی وجہ سے ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہوجائے گا۔

3۔ "لوگ مدہوشی کی سی کیفیت میں دکھائی دیں گے۔ حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوگے۔"

4۔ "لیکن اللہ کا عذاب اتنا دلدوز ہوگا کہ ڈر کے مارے لوگوں کو اپنا ہوش نہیں رہے گا۔"

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيۡطٰنٍ مَّرِيۡدٍ ۙ	کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو بغیر کسی علم و دانش کے خدا کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔
(۴) كُتِبَ عَلَيۡهِ اَنَّهٗ مَنۡ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهۡدِيۡهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ	اس کے لئے لکھا جا چکا ہے کہ جو شخص بھی اس (شیطان) کی ولایت و سرپرستی میں جاتا ہے وہ اسے یقیناً گمراہ کر دیتا ہے اور جلا ڈالنے والی آگ کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

تفسیر

شیطان کے پیروکار

گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ جس وقت قیامت کا زلزلہ آئے گا وحشت و اضطراب کے مارے لوگوں کی عمومی حالت کیا ہوگی۔ زیر بحث آیت میں جاہل لوگوں کے ایک گروہ کی حالت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح وہ آنے والے ایسے عظیم حادثے سے غافل ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے، کچھ ایسے ہیں کہ جو کسی علم و دانش کے بغیر خدا کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں۔

یہ لوگ کبھی توحید، حق تعالیٰ کی یکتائی اور ہر قسم کے شرک کی نفی کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں۔ اور کبھی یہ لوگ مردوں کی حیات نو اور حشر و نشر کے لئے قدرت خدا کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں، جبکہ ان کے پاس اپنی باتوں کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: ایسے لوگ کہ جو کسی منطق و دانش کے تابع نہیں وہ سرکش و مردود شیطان کی پیروی کرتے

ہیں۔

صرف ایک شیطان کی پیروی نہیں کرتے، بلکہ ہر شیطان کے پیچھے چلنے لگتے ہیں، چاہے وہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے، کیونکہ ان میں سے ہر شیطان کا اپنا منصوبہ اپنا جال اور مکروفریب کے لئے اپنا حیلہ ہوتا ہے۔

(۴)اس کے لئے یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو شخص بھی اس کی اطاعت اختیار کرے گا اور اس کی سر پرستی کا طوق اپنی گردن میں ڈالے گا۔

اسے یقیناً گمراہ کردے گا اور جلا ڈالنے والی آگ کی طرف اس کی راہنمائی کرے گا۔

(۵)یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْؕ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـٴًـاؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ	اے لوگو! تمہیں قیامت کے آنے میں کوئی شک ہے؟ (تو اس نکتے پر ذرا غور کرلو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر مضغہ (گوشت کے لوتھڑے) سے جو کبھی تو کسی شکل وصورت کا حامل ہوتا ہے اور کبھی نہیں، پیدا کیا ہے تاکہ تم جان لو، (کہ ہم ہر چیز پر قادر ہیں) پھر ان جنین میں سے جن کو ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنی خلقت کی مدت مکمل کرلیں، ان کو ماوں کے رحم میں خاص مدت تک رکھتے ہیں۔ پھر ہم تم کو بچے کی صورت میں پیدا کردیتے ہیں تاکہ تم جسمانی اور عقلی اعتبار سے کمال تک جا پہنچو۔ البتہ اس دوران میں تم میں سے بعض مرجاتے ہیں اور انتہائی بڑھاپے کو پہنچ جاتے ہیں اور (اس مرحلہ میں) اپنی تمام تر معلومات کھو بیٹھتے ہیں اور (دوسری طرف) تو دیکھے گا کہ زمین خشک اور مردہ ہوتی ہے، مگر جونہی ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو اس میں سے زندگی پیدا ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی ہری بھری لہلہاتی کھیتیاں اُگاتی ہے۔
(٦)ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌۙ	یہ اس لئے کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ اللہ برحق ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(۷)وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّارَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ	اور یہ کہ قیامت بہرحال آئے گی جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اور قبروں میں جتنے لوگ ہوں گے اللہ ان کو زندہ فرمائے گا۔

تفسیر

نباتات اور انسان کی پیدائش میں قیامت کے دلائل

گزشتہ آیات میں مبداء و معاد کے بارے میں مخالفین کے شکوک وشبہات سے متعلق گفتگو کی جارہی تھی، زیر بحث آیتوں میں جسمانی معاد کو ثابت کرنے کے لئے دو بڑی مضبوط عقلی دلیلیں دی گئی ہیں۔ایک دلیل جنین (اور شکم مادر کے دور) سے متعلق ہے۔دوسری زمین کی حالت میں تبدیل یعنی مٹی سے ہریالی اور پھر نباتات میں نمود و بالیدگی سے متعلق ہے۔

سب سے پہلے تمام انسانوں سے یوں خطاب کیا گیا ہے: اے لوگو! اگر تمہیں روز قیامت زندہ ہونے کے بارے میں شکوک وشبہات ہیں تو اس دینوی زندگی پر ہی نظر ڈال لو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے نطفہ بنایا۔ نطفے سے جمے ہوئے خون میں بدلا۔ جمے ہوئے خون سے چبائے ہوئے گوشت میں ڈھالا جن میں سے بعض کسی شکل وصورت کے حامل ہوتے ہیں اور بعض نہیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ تم پر کھل کر واضح ہو جائے کہ ہم ہر کام کرنے کی طاقت میں ایک خاص مدت تک رکھتے ہیں۔ جب کہ دوسروں کو درمیانی مدت ہی میں ساقط کر دیتے ہیں۔ پھر ایک انقلابی دور کا آغاز ہوتا ہے اور ہم تمہیں بچے کی صورت میں پیدا کر دیتے ہیں۔اس طرح تمہاری زندگی کا محدود اور انحصاری دور شکم مادر میں پورا ہوتا ہے۔اس کے بعد تم ایک ایسے ماحول میں قدم رکھتے ہو، جو پہلے کی نسبت کہیں زیادہ وسائل، مواقع اور روشنی رکھتا ہے۔ یہاں تمہاری ترقی و تکامل تک و دو ختم نہیں ہو جاتی بلکہ سرعت کے ساتھ اس کو جاری رکھتے ہو۔"مقصد یہ ہے کہ تم جسمانی اور عقلی اعتبار سے کمال تک جا پہنچو"۔اس منزل پر تمہاری نادانی، دانائی، کمزوری طاقت اور محتاجی خود اختیاری میں بدل جاتی ہے۔لیکن یہ کمال منزل آخر نہیں۔ بلکہ مزید مراحل بھی ہوتے ہیں۔البتہ بعض افراد انتقال کر جاتے ہیں اور بعض مذکورہ کمال کے بعد تنزل کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔حتیٰ کہ دینوی زندگی کے بدترین دور یعنی انتہائی بڑھاپے میں پہنچ جاتے ہیں۔اس مرحلے میں آدمی کی معلومات اور تجربات میں سے کچھ بھی اس کے دماغ میں نہیں رہتا، نسیان اور بھول چوک کے پردے اس کی عقل پر پڑ جاتے ہیں اور واقعی اس کی ایک بچے کی سی کیفیت ہو جاتی ہے۔

یہ کمزوری، ضعف اور پژمردگی اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی ایک نئے انتقالی مرحلے کے نزدیک پہنچ چکا ہے، بالکل اسی طرح جیسے پھل بالکل پک جاتا ہے تو درخت سے اس کا رشتہ ٹوٹنے کا وقت یقینی ہوتا ہے۔

یہ عجیب وغریب تغیر و تبدل پروردگار عالمین کے بے پناہ اختیارات کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس حقیقت کو اُجاگر کرتا ہے۔کہ مردوں کو زندہ کرنے کے سمیت اللہ تعالیٰ کے لئے ہر کام آسان کام ہے۔

دوسری دلیل روئیدگی اور نباتات کی پیداوار سے متعلق بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ انسان سے یوں مخاطب ہے۔تم موسم

خزاں میں زمین کو بنجر اور چٹیل دیکھتے ہو۔ مگر جونہی ہم اس پر حیات بخش بارش برساتے ہیں، بہار آجاتی ہے، زمین میں حرکت، نمو اور بالیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر طرف طرح طرح کے پودے اور گھاس لہلہانے لگتے ہیں۔

(٦) اس آیت میں پروردگار عالم مذکورہ بالا دلیلوں سے مجموعی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے، پانچ نکات میں ان کا مقصد بیان کرتا ہے۔

1۔ انسان اور نباتات کی زندگی کے مختلف مراحل کو اس لئے بیان کیا گیا تا کہ تم سمجھ لو کہ اللہ حق ہے۔

''چونکہ وہ خود حق ہے۔ لہٰذا اس کا پیدا کردہ نظام بھی برحق ہے۔ اور قطعاً بے مقصد نہیں ہو سکتا۔

چونکہ یہ کائنات بے مقصد نہیں، دوسری طرف زندگی کا اصلی مقصد اس کائنات تک محدود نہیں۔ لہٰذا لازمی طور پر معاد اور قیامت کا وجود ہے۔

2۔ اس عالم حیات و ممات پر حکمران نظام ہم پر یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ: وہی ہے جو مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ وہی ہے جو مٹی کے بدن کو زندگی کے لباس سے آراستہ کرتا ہے اور حقیر نطفے کو انسان کامل کا شرف بخشتا ہے۔ مردہ زمینوں میں جان ڈالتا ہے۔

3۔ پروردگار عالمین ہر چیز پر قادر ہے، کوئی کام بھی اس کے لئے ناممکن نہیں ہے۔ کیا وہ ذات جو بے جان مٹی کو نطفے میں تبدیل کرتی ہے۔ پھر اس حقیر نطفے کو مرحلہ وار نمود دیتے ہوئے ہر روز ایک نئی زندگی دیتی ہے۔

اس بات پر قادر نہیں ہو سکتی کہ موت کے بعد انسان کو پھر سے زندہ کرے؟

(٧) یہ بھی سمجھ لو کہ اس جہان کے خاتمے اور دوسرے جہاں کی ابتداء کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ زندگی دنیا کا تمام کاروبار اصل کسی نتیجے اور انجام کا مقدمہ ہے اور اس نتیجے کے دن اللہ سبحانہ ان سب کو جو قبروں میں پڑے ہوں گے زندہ کرے گا۔

نتیجہ یہ کہ قیامت یعنی مردوں کا حشر نشر نہ صرف یہ کہ امکان پذیر ہے بلکہ واقعی ہوگا۔

(٨) وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ لَا ہُدًی وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ۙ	اور کچھ لوگ بغیر کسی علم و دانش کے اور بغیر کسی ہدایت اور واضح کتاب کے خدا کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں۔
(٩) ثَانِیَ عِطۡفِہٖ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ لَہٗ فِی الدُّنۡیَا خِزۡیٌ وَّ نُذِیۡقُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ	وہ تکبّر اور (احکاماتِ خدا سے) بے اعتنائی کر کے چاہتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کے راستے سے گمراہ کر دیں۔ دنیا میں ان کے لئے ذلّت و رسوائی ہے اور قیامت میں ہم انہیں جلا دینے والے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

(۱۰)ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰکَ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ۧ	(اوران میں سے ہرکسی سے کہیں گے) یہ سب کچھ خود تیرا ہی کیا دھرا ہے اور اللہ تعالٰی تو اپنے بندوں پر کبھی زیادتی نہیں فرماتا۔

تفسیر

کج بحثی کرنے والوں کے بارے میں

یہاں میں بھی ان لوگوں کی کج بحثی کا تذکرہ ہے جو مبداء معاد سے متعلق بے سروپا باتیں کرتے ہیں۔

پہلے بیان کیا جارہا ہے، کہ لوگوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو کسی قسم کے علم، ہدایت اور کتاب کے بغیر ہی خدا کے بارے میں کج بحثی کرنے لگتا ہے۔

''دراصل علمی بحث وتمحیص اس صورت میں مفید ونتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہے جب یہ کتاب، سنت اور دلائل عقلی پر مبنی ہو۔

(۹)اس کے بعدان گمراہی کے رہبروں کی روگردانی کی ایک وجہ ایک مختصر مگر معنی خیز جملے میں بیان کی جارہی ہے۔وہ تکبر اور خدا کی باتوں اور واضح عقلی دلائل سے بے اعتنائی کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ لوگوں کو راہ خدا سے ہٹالیں۔

اس کے بعد دنیا وآخرت میں ان کا انجام بیان کیا گیا ہے، کہ اس دنیا میں ذلت، رسوائی اور بدنصیبی ان کا مقدر ہے اور آخرت میں ہم انہیں جلادینے والے عذاب کا مزاہ چکھائیں گے۔

(۱۰)اوران میں سے ہرایک سے کہا جائے گا: ''یہ تیرا ہی کیا دھرا ہے یہ وہ ہے جو تونے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا ہے۔اور اللہ ہرگز اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔نہ کسی کو بلاوجہ سزادیتا ہے اور نہ ہی سزا میں بلاوجہ اضافہ کرتا ہے۔اس کا کام تو صرف عدل و انصاف کرنا ہے۔

(۱۱)وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرۡفٍ ۚ فَاِنۡ اَصَابَہٗ خَیۡرُ اِۨطۡمَاَنَّ بِہٖ ۚ وَ اِنۡ اَصَابَتۡہُ فِتۡنَۃُ اِۨنۡقَلَبَ عَلٰی وَجۡہِہٖ ۚ۟ خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃَ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ	بعض لوگ صرف زبان سے ہی اللہ کی پرستش کرتے ہیں، (یہی وجہ ہے) کہ جب دنیوی منفعت حاصل کرتے ہیں تو مطمئن ہو جاتے ہیں، مگر جونہی آزمائشی مصیبت آتی ہے۔تو روگردانی کرتے ہوئے کفر کا رخ کرتے ہیں۔اس طرح دنیا وآخرت کھو بیٹھے ہیں اور یہی کھلا ہوا گھاٹا ہے۔

(۱۲)يَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَ مَا لَا يَنۡفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ ۚ	وہ خدا کو چھوڑ کر اس کو پکارتے ہیں جو کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچانے کی اہلیت نہیں رکھتا اور یہی گہری گمراہی ہے۔
(۱۳)يَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗۤ اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِهٖ ؕ لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰى وَ لَبِئۡسَ الۡعَشِيۡرُ	وہ اس کو پکارتے ہیں جس کی طرف سے نفع کی نسبت نقصان کا کہیں زیادہ اندیشہ ہے، وہ کیا ہی برا سرپرست اور کیسا برا ساتھی ہے۔
(۱۴)اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ	جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح کئے اللہ ان کو ایسے باغات میں لے جائے گا، جن (کے درختوں) کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور (بے شک) اللہ جس کام کا ارادہ فرماتا ہے اسے انجام دیتا ہے۔

تفسیر

کفر کے گڑھے کے کنارے کھڑے لوگ

گزشتہ آیتوں میں دو گرہوں کا تذکرہ ہو رہا تھا ایک گمراہ کرنے والے لیڈروں کا، دوسرا گمراہ ہونے والے پیروکاروں کا لیکن زیر بحث آیتوں میں ایک تیسرے گروہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔ یہ لوگ کمزور ایمان والے ہیں۔

قرآن مجید اس گروہ کی تعریف یوں کر رہا ہے۔ بعض لوگ صرف زبان سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ جب کہ ان کا دلی ایمان بالکل سطحی اور کمزور درجے کا ہے۔ کیسی معمولی سی چیز کے لئے ایمان برباد کردیتے ہیں۔ ان کے ایمانی تزلزل کی تشریح قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے کہ ''اگر دنیاوی منفعت میسر آجائے تو مطمئن او پرسکون ہوجاتے ہیں اور اسے اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کسی نقصان، کسی نعمت کے چھن جانے یا پریشانی کے ذریعے آزمائش اور امتحان میں مبتلاء ہو جائیں تو شدید بے قراری اور اضطراب میں کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ گویا انہوں نے دین ایمان کو مادی مفادات کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر قبول کیا تھا اگر ان کا مقصد پورا ہوا تو دین برحق ورنہ باطل و بے بنیاد۔

آیت مجیدہ کے آخر میں یہ فرمایا جارہا ہے ''اس طرح سے وہ دنیا و آخرت دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ یہی تو واضح گھاٹا اور نقصان ہے کہ دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو جائیں۔

(۱۲) ایمان خصوصاً توحید و ایمان باللہ سے روگردانی کے بعد کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہہ رہی ہے۔ ''وہ خدا کو چھوڑ کر اس کو پکارتے ہیں۔ جو انہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔

(۱۳) اس کے بعد اس کی بدتر کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ''وہ اس کو پکارتے ہیں جس سے فائدے کی نسبت نقصان کی امید زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ مصنوعی معبود دنیا میں ان لوگوں کی فکری نہج کو بہت پست کر کے خرافات کی طرف لے جاتے ہیں اور اخرت میں جلانے والی آگ کا تحفہ دیتے ہیں۔

آیت مجیدہ کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''وہ کیا ہی برے سرپرست اور مونس ہیں''۔

(۱۴) قرآن مجید کا اسلوب بیان یہ ہے کہ اچھے اور برے کا موازنہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ نتیجہ نکالنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ لہٰذا زیر بحث آخری آیت میں ارشاد ہو رہا ہے۔ ''وہ لوگ جو ایمان لائے جنہوں نے نیک کام کئے۔ اللہ ان کو ایسے باغات سے نوازتا ہے، جن کے تلے نہریں بہتی ہیں۔ ان کا طرز عمل نہایت واضح، ان کے نظری افکار اور عملی خطوط متعین ہیں۔ ان کا سرپرست خود اللہ ہے اور ان کے ہمدم و مونس، انبیاء، شہداء، صالحین اور فرشتے ہیں۔ ''بے شک اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے انجام دیتا ہے۔'' اتنی اعلیٰ بڑھیا جزاء اور بدلہ دینا اس کے لئے اتنا ہی آسان ہے۔ جتنا ضدی اور ہٹ دھرم مشرکین اور ان کے گمراہ سربراہوں کو عبرتناک سزائیں دینا۔

(۱۵) مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ	جس شخص کو یہ گمان ہے کہ اللہ دنیا و آخرت میں اپنے پیغمبر کی مدد نہیں کریگا، وہ اپنے گھر کی چھت سے رسی باندھ کر اس سے لٹک جائے اور خودکشی کر لے، (اور موت کے گڑھے تک جا پہنچے) اور دیکھ لے کہ آیا یہ کام اس کے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کر سکتا ہے؟
(۱۶) وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ	اسی طرح ہم نے قرآن کو واضح آیتوں کی صورت میں اُتارا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔
(۱۷) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ	صاحبانِ ایمان اور یہودیوں، صائبین، عیسائیوں، مجوسیوں اور مشرکوں کے درمیان اللہ روزِ قیامت فیصلہ فرما دے گا، (حق کو باطل سے جُدا کر کے دکھائے گا)۔ اللہ ہر چیز پر گواہ ہے (اور ہر چیز سے آگاہ ہے)۔

شان نزول

''بنی اسد'' اور بنی غطفان کہ جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ایک معاہدہ تھا۔ ان کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے

اور کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں خدا، محمد کی مدد بند نہ کردے۔اس صورت میں ہم اپنے حلیف یہودیوں سے کٹ جائیں گے۔اوران سے کھانے پینے کی اشیاء نہیں لے سکیں گے۔چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اوران کو تنبیہ کی گئی اوران کی شدید مذمت کی گئی۔

تفسیر

قیامت..........تمام اختلافات کے خاتمے کا دن

گزشتہ آیتوں میں کمزور ایمان والے لوگوں کے بارے میں بات ہورہی تھی۔زیر بحث آیت میں بھی ایک اوررخ سے انہی کے بارے میں فرمایا جارہا ہے۔جوشخص اس وہم میں مبتلا ہے کہ اللہ دنیا وآخرت میں اپنے پیغمبرﷺ کی مدد نہیں کرے گا اورغیظ و غضب میں پیچ وتاب کھا رہا ہے۔اس سے جو بن پڑے کرگزرے چاہے اپنے گھر کی چھت سے رسہ باندھ کراس سے لٹک جائے۔اپنی زندگی کا خاتمہ کرلے اورموت کی وادی میں جا پہنچے اوردیکھ لے، کیا اس طرح اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔

اس آیت میں بےحوصلہ، زودرنج اورکمزورایمان والے اشخاص کے بارے میں نفسیاتی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ جس وقت ان کی حالت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ان کو آگے راہ نہ ملے تو وہ گھبرا کر جنونی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔

(۱۶) یہ آیت گزشتہ تمام آیتوں کا مفہوم سمیٹتے ہوئے بیان کرتی ہے: اس طرح ہم نے قرآن کو کھلی نشانیوں کی صورت میں نازل کیا ہے۔معاد اور قیامت کے وجود کے ضمن میں دلائل دیتے ہوئے۔انسان کا جنتی دور نباتات کو نمود بالیدگی اورمردہ زمینوں کی سرسبزی وشادابی کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد آیت آخر میں بیان کرتی ہے کہ اس سب کچھ کے باوجود صرف واضح اور کھلی نشانیاں ہی کافی نہیں ہیں۔ بلکہ قبول حق کے لئے ذہنی آمادگی کی بھی ضرورت ہے۔''اوراللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

(۱۷) زیر بحث آیت چھ مختلف مذاہب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جن میں ایک مسلمان اورمومن ہیں: صاحبان ایمان اور یہودیوں، صائبیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اورمشرکوں کے درمیان، قیامت کے دن، اللہ فیصلہ فرمائے گا اورحق کو باطل سے الگ کرکے دکھائے گا۔

قیامت کے جتنے نام آئے ہیں ان میں ''یوم الفصل'' یعنی حق کو باطل سے الگ کرنے کا دن'' یوم البروز'' چھپے ہوئے حقائق سے آشکار ہوجانے کا دن اوراختلافات مکمل طور پر ختم ہوجانے کا دن بھی ہیں۔ضرور بالضرور اس دن اللہ تمام اختلافات کو مٹا دے گا۔ کیونکہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

(۱۸) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ السجدة	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین میں رہنے والے سب ہی اللہ کیلئے سجدہ کرتے ہیں، اسی طرح سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چلنے والے جاندار اور بہت سے انسان اسی کے لئے سربسجود ہیں، جب کہ بہت سے لوگ انکار کرتے ہیں اور ان کیلئے عذاب کا فرمان حتمی ہے اور جس کو اللہ رسوا کرے اسے کون باعزت بنا سکتا ہے۔ بے شک اللہ جس کام کو چاہتا ہے اور (صحیح سمجھتا ہے) انجام دیتا ہے۔

تفسیر

عالم کی تمام موجودات اس کی بارگاہ میں سربسجود ہیں

گزشتہ آیتیں مبدا و معاد کے بارے میں تھیں۔ زیر بحث آیت اسی مضمون کی تکمیل کرتے ہوئے مسئلہ توحید اور خدا شناسی کو پیش کر دیتی ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا جارہا ہے:۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمانوں پر رہنے والے اور وہ جو روئے زمین پر ہیں۔ سب کے سب اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہیں۔ اور سورج چاند ستارے پہاڑ، درخت، اور چلنے پھرنے والے جانور بھی۔

اور بہت سے لوگ بھی سجدہ کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرے بہت سے انکار کرتے ہیں اور مستوجب عذاب ٹھہرتے ہیں۔'' اس کے بعد کہا جارہا ہے۔

''یہ لوگ خدا کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور جو خدا کے حضور بے وقعت ہو، اس کی کوئی توقیر نہیں کرتا اور وہ سعادت و ثواب سے بہرور نہیں ہوتا۔'' ''بے شک خدا جس کام کو قرین مصلحت سمجھتا ہے انجام دیتا ہے'' صاحبان ایمان کو عزت و احترام اور منکرین کو ذلیل وخوار کرتا ہے۔

زیر بحث آیت میں جس سجدے کا ذکر ہے اس کی دو قسمیں ہیں یعنی عالم موجودات کی تمام چیزیں یا سجدہ تکوینی کرتی ہیں یا سجدۂ تشریعی فطرت اور عالم اسباب کے قوانین کے تحت ہر ایک شے کا بغیر کسی شرط کے کمال خضوع وخشوع کے ساتھ تسلیم حق رہتے ہوئے اپنے کام میں سجدۂ تکوینی ہے کائنات کا ایک ذرہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، حتیٰ کہ بڑے بڑے نافرمانوں نمرود اور فرعون کے

دماغوں کے خلئے اوران کے جسموں کے تمام ذرات بھی یہ سجدہ کرتے رہے ہیں۔

محققین کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ کائنات کے تمام ذرات ایک قسم کا ادراک وشعور رکھتے ہیں اوراسی وجہ سے زبان حال سے اللہ کی حمد وتسبیح بجالاتے ہیں۔اوریہی ان کا سجدہ اورنماز ہے۔اوراگر ذرات کا شعورتسلیم نہ کیا جائے توذرات کا عالم ہستی کے خاص نظام کے تحت محور کا رہنا کسی طورقابل انکارنہیں ہے۔البتہ سجدہ تشریعی ذوالعقول کی طرف سے معرفت وشعور کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہونے کو کہتے ہیں۔

(۱۹)هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ ۫ فَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِیَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ ۚ	یہ دومخالف گروہ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں آپس میں جھگڑا کیا۔پس جومنکر رہے۔ان کے لئے آگ کے کپڑے تیار کئے جائیں گےاوران کے سروں پر کھولتا ہوامائع (پانی) انڈیلا جائے گا۔
(۲۰)یُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَ الۡجُلُوۡدُ ؕ	جوان کے جسموں کے اندراورباہر کے حصّوں کو پگھلا کے رکھ دے گا۔
(۲۱)وَ لَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِیۡدٍ	ان کے لئے آہنی گرز ہیں۔
(۲۲)کُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا ٭ وَ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ۚ	جب وہ دوزخ کی عقوبتوں سے نکلنا چاہیں گے۔انہیں اس میں پھرلوٹا دیا جائے گا کہ جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔
(۲۳)اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ	ایمان لانے اوراعمال صالح کرنے والوں کواللہ فردوسِ بریں کے باغات میں بھیج دے گا، جہاں (درختوں) کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا اور ہاں انہیں ریشمی پوشاک عطا کی جائے گی۔

(۲۴)وَ هُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖۚ وَ هُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ	اور انہیں پاکیزہ باتوں کی ہدایت دی جائے گی، اور ان کی راہنمائی اللہ کے اس راستے کی طرف کی جائے گی جو قابل ستائش ہے۔

شان نزول

جنگ بدر میں مسلمانوں کی طرف سے جناب، امیر، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب میدان کارزار میں نکلے اور ولید بن عتبہ، عتبہ بن ربیعہ کو قتل کیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی اور مجاہدین کا یہ واقعہ بیان کیا۔

کسی آیت کا کسی ذات کے ساتھ مخصوص ہونا اس کے عمومی مفہوم پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

تفسیر

دو مد مقابل گروہ

گزشتہ آیتوں میں مومنین سے ایک گروہ اور کفار کے مختلف گروہوں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ مومنین اور غیر مومنین اپنے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہیں۔

اس کے بعد کی آیت میں کفار کے لئے چھ قسم کی سزاؤں کا ذکر ہے۔ وہ کفار جو جان کر دیدۂ دانستہ حق کا انکار کرتے ہیں سب سے پہلے ان کے کپڑوں اور لباس کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے کپڑے آگ سے تیار کئے جائیں گے۔ ہوسکتا ہے اس سے مراد یہ ہو کہ واقعی آگ کے ٹکڑے الگ کر کے لباس کی طرح سیئے جائیں گے یا اس سے یہ مراد ہو کہ آگ ان کو چاروں طرف سے لباس کی طرح گھیر لے گی۔

اس کے بعد ''حمیم'' کا ذکر ہے۔ یعنی دوزخ کا کھولتا ہوا مائع ان کے سروں پر انڈیلا جائے گا۔

(۲۰) یہ ''حمیم'' ان کے بدن کے ظاہر و باطن کو اس طرح متاثر کرے گا کہ یہ ان کے اندر کو بھی پگھلا دے گا اور باہر کو بھی۔

(۲۱) تیسرا یہ کہ جلانے والے آہنی تازیانے یا گرز ان کے لئے تیار ہیں۔

(۲۲) چوتھی سزا ان کی یہ ہوگی، کہ جب کبھی وتکالیف سے تنگ آ کر دوزخ سے نکلنے کی کوشش کریں گے، فوراً ان کو وہیں لوٹا دیا جائے گا اور یوں مخاطب کیا جائے گا کہ جلا دینے والا عذاب چکھو۔

(۲۳) اس آیت میں اور اسکے بعد والی آیت میں موازنہ کرتے ہوئے صالحین اور مومنین کی خوشحالی کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ دونوں گروہوں کی کیفیت کی تشخیص میں آسانی ہو سکے، مومنین کی جزا کے بھی پانچ درجات بیان کئے گئے ہیں۔

1۔ پہلے ارشاد ہوا ہے''اللہ صاحبان ایمان اور اعمال صالح کرنے والوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ گویا کفار کو آگ میں جلائے جانے کے مقابلے میں مومنین نہروں والے باغوں میں آرام وسکون میں ہوں گے۔

2۔ مومنین کے لباس اور زیب وزینت کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ سونے کے کنگنوں اور اور موتیوں سے جڑے ہوں گے۔ اور ریشمی پوشاکیں زیب تن کئے ہوں گے۔

3۔ اس طرح مومنین جنت میں بہترین لباس زیب تن کئے ہوئے ہوں گے اور ان کے ہاتھوں میں جڑاؤ کنگن ہوں گے جس سے اس دنیا میں ممانعت تھی، کیونکہ دنیا میں ایسے لباس اور آرائشی غرور غفلت کا باعث بنتے ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر عوام کی محرومیت کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن جنت میں تو یہ مسائل ہی نہیں۔ لہٰذا پابندیاں اٹھادی جائیں گی اور دنیا میں ممانعت کی تلافی کردی جائے گی۔

(۲۴) 4،5۔ مومن کی چوتھی اور پانچویں جزا اور نعمتیں خالصتاً معنوی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے، انہیں پاکیزہ باتوں کی طرف رہنمائی کی جائے گی۔ یہ ایسی روح پرور اور نشاط آفرین جو صاف ستھرے الفاظ اور پر مغز معنی پر مشتمل ہو اور روح کو مدارج کمال کی طرف بڑھائے اور انسان کو فرحت بخشے اور اس کی روحانی نشوونما کا باعث ہو۔

اور لائق حمد وثنا اللہ کی راہ طرف ان کی ہدایت کی جائے گی۔ یعنی خدا شناسی کی راہ، قرب پروردگار عالم راہ اور عشق وعرفان کی راہ بے شک اللہ مومنین کو ان مفاہیم کی طرف ہدایت کرکے روحانی لذت کے آخری درجہ تک لے جاتا ہے۔

(۲۵)اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ الَّذِىۡ جَعَلۡنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالۡعَاكِفُ فِيۡهِ وَ الۡبَادِ‌ؕ وَ مَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۢ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۴	وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مومنین کو اللہ کی راہ اور اس مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے مقامی لوگوں اور دوسروں کے لئے یکساں قرار دیا ہے (دردناک عذاب کے مستحق ہیں) اور وہ جو اس سرزمین پر حق سے روگرداں ہو جائے اور ظلم کرے، اسے ہم اذیت ناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

تفسیر

خدا کے گھر سے روکنے والے

گذشتہ آیتوں میں مطلق طور پر کفار کے بارے میں بات ہو رہی تھی............

جبکہ اس آیت میں ان میں سے ایک خاص گروہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جو نافرمانیوں اور سنگین گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے علی الخصوص مسجد حرام اور حج کے عظیم الشان اجتماع کے سلسلے میں رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے، جو لوگ کافر ہو گئے اور وہ راہ

حق سے دوسروں کو روکتے ہیں۔اس طرح وہ مومنین کو توحید کے مرکز مسجد حرام سے روکتے ہیں۔

وہ مرکز جسے ہم نے ہر ایک کے لئے یکساں قرار دیا ہے، چاہے وہیں کا باسی ہو یا کسی اور جگہ سے آیا ہو۔ چنانچہ جو بھی اس جگہ حق سے روگرداں ہوگا اور ظلم وستم سے اپنے ہاتھ آلودہ کرے گا، ہم اسے اذیت ناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ کفار کا یہ گروہ انکار حق کے علاوہ تین بڑے گناہوں کا مرتکب ہوا ہے۔

1۔راہ خدا، ایمان اور اللہ کی اطاعت میں رکاوٹ ڈالنا۔

2۔زائرین کو اور عبادت کرنے والوں کو حرم خدا تک نہ پہنچنے دینا اور حرم خدا پر اپنا حق فائق قرار دینا۔

3۔اس مقدس سرزمین پر ظلم والحاد اور گناہ کا بازار گرم کرنا۔ چنانچہ دردناک عذاب کے مستحق اس گروہ کو اللہ سزا دے گا۔

(۲۶)وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰہِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡئًا وَّ طَہِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡقَآئِمِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ	اور یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ تجویز کی (تاکہ وہ اس پر عمارت بنائیں ہم نے اس سے کہا) کسی کو بھی میرا شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے، قیام، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے (بتوں اور دوسری آلودگیوں سے) پاک کرو۔
(۲۷)وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ۙ	لوگوں کو حج کی دعوت عام دو کہ دور دراز سے پیدل اور کمزور سواریوں پر سوار ہوکر (خانہ خدا کی طرف) چلے آئیں۔
(۲۸)لِّیَشۡہَدُوۡا مَنَافِعَ لَہُمۡ وَ یَذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰہِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَہُمۡ مِّنۡۢ بَہِیۡمَۃِ الۡاَنۡعَامِ ۚ فَکُلُوۡا مِنۡہَا وَ اَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ۫	تاکہ (اس حیات بخش لائحہ عمل) میں اپنے مفادات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان مخصوص ایّام میں، چوپایوں کی صورت میں انہیں جو روزی دی ہے (قربانی کرتے ہوئے) اس پر اللہ کا نام لیں۔ پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور تنگدست محتاج کو بھی کھلاؤ۔

تفسیر

حج کے لئے دعوت عام

گزشتہ آیت جس میں مسجد الحرام اور خانہ خدا کے زائرین کے بارے میں بحث کی گئی ہے کی نسبت سے زیر بحث آیت میں

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر کی مختصر تاریخ بیان کی جارہی ہے، پھر حج کے وجوب اس کے فلسفے اوراس عظیم عبادت کے بعض احکام کا بیان ہے، دوسرے لفظوں میں اس آیت کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کے لئے گزشتہ آیت مقدمے کی حیثیت رکھتی ہے۔آیت کے شروع میں، خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے: اس لمحے کو یاد کیجئے، جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ کو نمایاں کیا۔تاکہ وہ اسی جگہ پر نئے سرے سے عمارت کھڑی کریں۔

"بوأ" سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی وہ بنیادیں یا دیواریں دکھلا دیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کی تھیں اور طوفان حضرت نوح علیہ السلام کے سبب گر گئی تھیں ان بوسیدہ دیواروں کو کیسے دکھایا؟ اس کے جواب میں بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ تیز آندھی چلی، جس سے مٹی ایک طرف کو ہٹ گئی اور بنیادیں ظاہر ہوگئیں یا یہ کہ بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا اس نے عین اسی جگہ سایہ کیا جہاں دیواریں تھیں۔یا کسی اور طریقے سے وہ جگہ معین کی تو انہوں نے اپنے نور نظر اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر نئی عمارت کھڑی کردی۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ جب عمارت بن گئی تو ہم ابراہیم علیہ السلام سے یوں گویا ہوئے کہ اس گھر کو توحید کا مضبوط مرکز بناؤ کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہراؤ اور میرا طواف کرنے والوں، قیام و رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو'

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مامور تھے کہ خانہ کعبہ اور اس کے گردونواح کو ظاہری و باطنی گندگی اور آلودگی سے محفوظ رکھیں بتوں اور شرک کے دوسرے مظاہر سے اس کو خالی رکھیں تاکہ اللہ کے بندے اس پاک مکان میں اللہ کے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہ کرسکیں۔اور ایسے منزہ ماحول میں طواف، نماز جو اس سرزمین کی اہم ترین عبادت ہے بجالایا کریں۔

(۲۷)۔خانہ کعبہ کے عبادت گزاروں کی عبادت کے لئے تیار ہوجانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا جاتا ہے کہ "لوگوں کو حج کی دعوت عام دیجئے تاکہ لوگ پیدل اور کمزور سواریوں پر دور دراز سے بیت اللہ کی طرف عازم حج ہوں"۔اذان کے مادہ یعنی اعلان اور بلاوے کے معنی میں ہے۔"رجال"، جمع "راجل"، یعنی پیدل چلنے والا کے معنی میں ہے، "ضامر" یعنی لاغر اور کمزور جانور "فج" پہاڑی درے کو کہتے ہیں۔اور کھلی سڑک کے لئے استعمال ہوتا ہے اور "عمیق" کا یہاں مفہوم ہے "دور" علی بن ابراہیم والی روایت میں ہے کہ اس حکم کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ تعالیٰ میں عرض کیا کہ بارالہا میری آواز تمام لوگوں تک نہیں پہنچتی تو فوراً ارشاد ہوا۔

"تم اعلان کرو لوگوں تک پہنچا میں دوں گا"

(۲۸) اس آیت میں ایک مختصر مگر معنی خیز جملے میں حج کے فلسفے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے، لوگ اس سرزمین مقدس پر آئیں "تاکہ اپنے مفاد کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں"۔

البتہ بالکل واضح ہے۔کہ اس لفظ کو غیر مشروط دلا محدود طور پر استعمال کیا گیا ہے، یعنی مادی، معنوی، انفرادی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، اخلاقی اور تعلیمی مفاد سب ہی اس میں شامل ہیں۔

بے شک مسلمانوں کو دنیا کے ہر ایک علاقے سے اور ہر قسم کے لوگوں کو یہاں آنا چاہئے اور اپنے مفاد کا ناظر اور شاہد بننا

چاہیئے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: حجاج آئیں اور قربانی کریں، روزی کے سلسلے میں دیئے جانے والے جانوروں کو مخصوص ایام میں اللہ کا نام لے کر ذبح کریں۔

چنانچہ اس آیت میں قربانی کرتے ہوئے صرف اللہ کا نام لینے کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو شرائط ذبح میں سے ہے یہ اس لئے ہے، تاکہ قربانی کرنے والے کی پوری توجہ اللہ اور اس کے قبول کرنے پر رہے اور قربانی کے گوشت کا دیگر دینوی مفاد اس کے ذیل میں رہیں۔ دراصل جانوروں کی قربانی، انسانوں کے ذہن میں راہ خدا میں قربان ہونے کے لئے آمادگی کا ایک ذریعے ہے، جس طرح واقعات حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ میں آیا ہے کہ انہوں نے یہ عمل بجالا کر گویا یہ اعلان فرمایا کہ ہم اللہ کی راہ میں ہر قربانی دے سکتے ہیں، حتیٰ کہ جان تک بھی قربان کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے بت پرستوں کے مشرکانہ طریقہ کار کی نفی بھی کر دی جو قربانی کرتے وقت بتوں کے نام پکارتے تھے اور اس طرح توحیدی مناسک کو شرک سے آلودہ کر لیتے تھے، چنانچہ آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے: قربانی کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور غریبوں کو بھی کھلاؤ۔

(۲۹) ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْيُوفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ	اس کے بعد اپنی میل کچیل کو دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور قابل احترام خانہ کعبہ کا طواف کریں۔
(۳۰) ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ	حج کے مناسک یہی ہیں اور جو اللہ کے قوانین کا احترام کرے اللہ کے ہاں اس کی بہتر جزا ہے۔ اور تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے ہیں۔ سوائے ان کے جو تمہیں بتا دئے گئے ہیں۔ پس گندگی (یعنی بتوں) سے اجتناب کرو اور باطل و بے ہودہ باتوں سے بچو۔

تفسیر

مناسک حج کا ایک اور اہم حصہ

مناسک حج کے متعلق گذشتہ بالا بحث کے بعد زیرنظر آیت میں انہی کے ایک اور حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے۔ اس کے بعد اپنی گندگی اور فالتو اجزا کو اپنے آپ سے دور کرلیں۔ اور اپنی نذریں پوری کریں۔ اور مرور زمانہ کی دست برد سے محفوظ گھر کا طواف کریں۔ طواف سے مراد طواف نساء ہے۔

(۳۰) گذشتہ آیتوں کی بحثوں کو سمیٹتے ہوئے اس آیت میں کہا جارہا ہے۔ کہ مناسک حج کی تفصیلات یہی ہیں۔

اس کے بعد مذکورہ فرائض اور ذمہ داریوں کی تاکید مزید کے طور پر بیان کیا جارہا ہے۔ ''جو شخص اللہ کے لائحہ عمل کا احترام کرے اور اس کو اہم جانے۔ اس کے لئے اللہ کے ہاں بہتر جزا موجود ہے۔

واضح سی بات ہے کہ ''حرمات'' سے مراد مناسک حج ہیں۔ ہوسکتا ہے، خصوصی طور پر خانہ کعبہ اور عمومی طور پر حرم مکہ کا احترام وتکریم بھی اس میں شامل ہو۔

اس کے بعد احکام احرام کی مناسبت سے چوپاؤں کے حلال ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، چوپائے (بھیڑ بکری، گائے، بھینس اور اونٹ وغیرہ) تمہارے لئے حلال ہیں۔ سوائے ان کے جو بعد ازاں بتائے جائیں گے۔ اور ان کی ممانعت کا حکم دیا جائے۔

آیت کے اخر میں، مناسک حج کے ذیل میں اور جاہلیت کے طور طریقوں کے خلاف دو مزید حکم دئے جارہے ہیں بتوں کی غلاظت وگندگی سے اجتناب کرو۔

''اور بے ہودہ گفتگو سے اجتناب کرو''۔ ''قول الزور'' سے مراد قبل از اسلام حج کے دوران مشرکین کا ''تلبیہ'' ہے انہوں نے توحید کے آئینہ دار ''تلبیہ'' کو مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ چنانچہ تلبیہ مشرکانہ روشوں میں سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

اس صورت میں اگر کہا جائے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے حج کے طور طریقے سے متعلق ہے تو یہ آیت کے کلی مفہوم سے مانع نہیں ہے اور ہر قسم اور ہر طرح کے بت سے پرہیز اور ہر لغو اور بے ہودہ بات سے اجتناب کا حکم اس میں شامل رہتا ہے۔

(۳۱) حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ ؕ وَ مَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ	(مناسکِ حج بجالاؤ) اس طرح کہ صرف اللہ ہی کے لئے خالص رہو، کسی کو اس کا شریک قرار نہ دو اور جو اس سے شرک کرے گا، گویا کہ آسمان سے گرتے ہوئے اسے پرندے (فضا میں) اُچک لیتے ہیں یا آندھی کے جھکڑ اسے دور دراز اڑا لے جاتے ہیں۔
(۳۲) ذٰلِكَ ۚ وَ مَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ	(مناسکِ حج اسی طرح ہیں) اور جو شعائر اللہ کا احترام کرے تو یہ عمل تقوائے دل کی علامت ہے۔

(۳۳) لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ اِلَى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۚ	ایک خاص وقت (ان کے ذبح ہونے کے دن) تک قربانی کے جانوروں میں تمہارے لئے فائدے ہیں۔ پھر محترم اور قدیم خانہ کعبہ ان کی جگہ ہے۔

تفسیر

شعائر اللہ کی تعظیم علامت تقویٰ ہے

گذشتہ آیت کے آخر میں توحید اور جملہ بتوں اور ہر قسم کی بت پرستی سے اجتناب کی تاکید پر بحث ہو رہی تھی، یہ آیت بھی اسی نکتے کے ذیل میں بیان میں کر رہی ہے۔ مناسک حج اور تلبیہ خالصتاً اللہ ادا کرو اور کسی طرح بھی اس میں شرک کا گزر نہ ہو۔

اس طرح سے یہ آیت اخلاص اور ارادۂ قربت خدا کو حج اور دیگر عبادات میں اصل محرک کے طور پر پیش کر رہی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ عبادت کی روح اخلاص ہے اور اخلاص یہ ہے کہ کسی قسم کا شرک اور غیر قدرتی عنصر اس میں کارفرما نہ ہو۔

اس کے بعد مشرکین، ان کے زوال، بدبختی، اور تباہی کی حقیقت کی تصویر کشی کی گئی ہے:

جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دے، اس کی مثال آسمان سے اس گرنے والے کی سی ہے جس پر مردار خوار پرندے جھپٹے ہیں (اس کے جسم کا ایک ایک جز و کسی نہ کسی مردار خوار پرندے کی چونچ میں ہوتا ہے) اور یا (اگر ان کی گرفت سے بچ نکلے تو) آندھیاں اس کے جسم کے اعضاء چاروں طرف بکھیر دیتی ہیں۔

دراصل اس آیت میں آسمان کو توحید کے لئے کنائے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور شرک کو آسمان سے گرنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

یہ بات مسلم ہے کہ جو شخص بلندی سے پستی کی طرف جاتا ہے، وہ قوت فیصلہ اور قوت ارادی سے محروم ہو جاتا ہے اور لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہوئی تیزی کی وجہ سے وہ نیستی و عدم کی طرف بڑھتا جاتا ہے، حتیٰ کہ بالکل معدوم محو ہو جاتا ہے۔

(۳۲) اس آیت میں مناسک حج اور شعائر اللہ کی تعظیم کی بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا جا رہا ہے: یونہی ہے، جیسے بیان کر دیا گیا ہے۔

جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے، انہیں برتر جانے اور دین مقدس اسلام کی نشانیوں اور اس کی اطاعت کی علامتوں کا احترام کرے، خود اس کے متقی ہونے کا ثبوت ہے۔

''شعائر اللہ'' کا مطلب اللہ کی نشانیاں ہوا جس میں مبین کا مجموعی پروگرام اس کے چیدہ چیدہ مبانی و اصول و ارکان ہیں کہ جو پہلی ہی نظر میں نمایاں نظر آنے لگتے ہیں اسی میں سے ''مناسک حج'' بھی ہیں، جو انسان کو خدائے تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ تمام ارکان مقامات اور اشیاء جن کا تعلق دین کے کسی نہ کسی پروگرام سے ہے اور انسان کو اللہ کی یاد دلاتی ہیں اور دین کی عظمت و حشمت کا مظہر ہیں وہ سب کی سب شعائر اللہ ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم بذات خود تقویٰ و پرہیزگاری کی علامت ہے۔

(۳۳) بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس طرح کے عقیدے کا حامل ہے کہ قربانی کے ارادے سے لے جائے جانے والے اونٹ یا دوسرے جانورکو اپنے وطن سے میقات اور وہاں سے مکہ لائے تو اثنائے سفر میں ذاتی استعمال میں نہیں لانا چاہیئے ۔یعنی نہ اس پر سواری کرنی چاہیئے ۔ نہ اس کا دودھ ذاتی طور پر استعمال کرنا چاہیئے ۔وہ مجموعی طور پر اپنے لئے اس کا استعمال ممنوع سمجھتے ہیں ۔قرآن مجید اس فضول اور لایعنی ذہنیت کی نفی کرتا ہے اور یوں کہتا ہے ایک مقررہ وقت تک (یعنی ان کے ذبح ہونے تک) قربانی کے جانوروں سے تم فائدے حاصل کر سکتے ہو۔

آیت کے آخری حصے میں قربانی کے آخری مقام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے۔

اس کا مقام وہ قدیم اور محترم گھر خانہ کعبہ ہے ۔اس طرح جب تک قربانی کا جانور قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے ۔اس سے ذاتی کام لیا جا سکتا ہے اور قربان گاہ تک پہنچنے کے بعد اس کی قربانی کے فرض کو ادا کرنا چاہیئے ۔

(۳۴)وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ	ہر ایک اُمت کیلئے ہم نے ایک قربان گاہ مقرر کی ہے تا کہ وہ روزی کے طور پر دیئے جانے والے چوپایوں پر (ان کی قربانی کرتے ہوئے) خدا کا نام لیں اور تمہارا خدا معبودِ یکتا ہے، اس کے حضور سرِ تسلیم خم کرو اور منکسر و بردبار لوگوں کو خوشخبری سنادو۔
(۳۵)الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ	اور انہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں ان پر صابر اور مضبوط رہتے ہیں اور یہ لوگ نماز قائم کرنے والے ہیں اور انہیں جو روزی دی گئی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر

بردبار لوگوں کے لئے بشارت

گذشتہ آیتوں کے حوالے سے منجلہ قربانی کے مضمون سے شاید یہ سوال پیدا کہ اسلامی شریعت میں یہ کیسی عبادت ہے کہ خداوندقدوس کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لئے جانوروں کی قربانی دی جائے ۔آیا خدا کو قربانی کی ضرورت ہے؟ آیا یہ حکم دوسرے ادیان میں رہا ہے؟ قربانی اور خدا کے لئے جانور ذبح کرنے کا حکم صرف مسلمانوں ہی نہیں دیا گیا۔ بلکہ ارشاد ہوتا ہے: ’’ہم نے ہر امت کے لئے ایک قربان گاہ قرار دی ہے تا کہ وہ روزی کے طور پر دئے جانے والے جانوروں کو قربان کرتے ہوئے ان پر اللہ کا نام لیں‘‘ ۔لہٰذا آیت کے آخر میں مذکورہ ہے ۔تمہارا خدا معبود یکتا و یگانہ ہے (اور اس کا پروگرام بھی ایک ہی ہے)۔

''جب حقیقت یہی ہے تو اسکے حضور سر تسلیم خم کر دو''۔اور احکامات خدا کے سامنے جھک جانے والوں کو خوشخبری سنا دو''۔

(۳۵)اس آیت میں ''مخبتین'' (انکساری کرنے والوں اور بردبار لوگوں) کی صفات کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سے دو حصے روحانی ہیں اور دو مادی۔

1۔ پہلے فرمایا جارہا ہے' وہ لوگ ایسے ہیں کہ جونہی اللہ کا نام ان کے سامنے لیا جائے۔تو ان کے دل خوف الٰہی سے معمور ہو جاتے ہیں۔ہ خوف صرف اللہ کے غیظ و غضب کی وجہ ہی سے نہیں اور نہ ہی اس کی رحمت بے پایاں میں کسی قسم کے شک وشبہ کی وجہ سے ہے۔بلکہ یہ خوف ان ذمہ داریوں اور فرائض کی وجہ سے ہے جو ان کے کندھوں پر ہیں اور انہیں یہ ڈر ہے کہ کہیں ان ذمہ داریوں کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے مزید برآں یہ خوف اللہ کی بے انتہا عظمت وجلالت کی وجہ سے ہے جس کا ان کو ادراک ہے۔کیونکہ انسان ہیبت وجلالت سے خائف ہوتا ہے۔

2۔زندگی میں پیش آنے والے مصائب وآلام پر نہایت صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حالات کیسے ہی سنگین کیوں نہ ہوں اور ان مشکل حالات کی وجہ سے ان کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے یہ لوگ گھبرا کر گھٹنے نہیں ٹیک دیتے اور نہ ہی ان کے اطمینان اور سکون میں فرق پڑتا ہے اور نہ وہ اپنے موقف سے دست بردار ہوتے ہیں اور نہ رحمت خدا سے مایوس ہوتے ہیں اور نہ ہی کبھی کسی لفظ ذریعے کے کفران نعمت کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔غرضیکہ ہر حال میں یہ استقامت وپامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوئے منزل رواں دواں رہتے ہیں اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

3 اور 4۔نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

یعنی ایک طرف اللہ کے ساتھ ان کا گہرا ربط ہے اور دوسری طرف ان کی جڑیں خلق خدا میں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔

(٣٦)وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	اور موٹے تازے اونٹوں کو ہم نے تمہارے شعائر اللہ میں قرار دیا ہے۔اس (قسم کے جانوروں) میں تمہارے لئے خیر وبرکت ہے۔پس جب تم قطار میں کھڑے جانوروں کی قربانی کرنے لگو وہ قربانی کے لئے قطار میں کھڑے کئے جائیں،اوران کی صف بندی کر کے (قربانی کرتے وقت) اللہ کا نام لو اور جب ان کے دست و بازو (کٹ کر) گر پڑیں تو خود بھی ان کا گوشت کھاؤ اور قناعت پسند غریبوں اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔اس طرح ہم نے انہیں تمہارے تابع کر دیا ہے تا کہ تم شکر بجالاؤ۔

(۳۷)لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُھَا وَ لَا دِمَآؤُھَا وَ لٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمۡ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمۡ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُحۡسِنِیۡنَ	اللہ کے پاس ہرگز ان (قربانیوں) کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ اس کے پاس تو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس طرح اللہ نے انہیں تمہارے تابع کردیا ہے تاکہ جیسے اس نے تمہاری ہدایت کی ہے اس طرح اس کی کبریائی بیان کرو اور نیکوکاروں کو بشارت دیدو۔
(۳۸)اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ ۠	یقیناً اللہ اہلِ ایمان کا دفاع کرتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے اور بددیانت کو پسند نہیں فرماتا۔

تفسیر

قربانی کیوں کی جاتی ہے؟

زیر بحث آیتوں میں ایک دفعہ پھر مناسک حج شعائر اللہ اور قربانی کے مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے۔ موٹے تازے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے۔

ایک طرف اونٹ تم سے متعلق ہیں۔ اور دوسری طرف وہ اللہ کی نشانیوں میں سے قرار دئے گئے ہیں۔ کیونکہ حج کی قربانی۔ اس باشکوہ عبادت کا ایک نمایاں حصہ ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ اس قسم کے جانوروں میں تمہارے لئے خیر و برکت ہے۔

یعنی ایک طرف تم ان کے گوشت سے بھی خود استفادہ کرتے ہو اوروں کو بھی دیتے ہو اور دوسری طرف ایثار،

اس کے بعد قربانی کرنے کی کیفیت کے بارے میں ایک مختصر سا جملہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جب تم قطار میں کھڑے جانوروں کی قربانی کرنے لگو تو اللہ کا نام لو۔

بے شک اونٹ کو نحر کرتے وقت یا دوسرے چوپایوں کو ذبح کرتے وقت جس طرح سے بھی اللہ کا نام لے لیا جائے صحیح ہے۔

لفظ ''صواف'' سے مراد یہ ہے کہ قربانی کرتے وقت اونٹ کے اگلے دونوں پاؤں ٹخنے سے لے کر گھٹنے تک باندھ دئے جائیں۔ مگر وہ کھڑا رہے۔ تاکہ نحر کرتے ہوئے وہ نہ ہلے اور نہ بھاگے۔ طبعی طور پر جب خون کی کافی مقدار خارج ہو جاتی ہے تو اگلے پاؤں ضعف کی وجہ سے کمزور پڑ جاتے ہیں اور اونٹ زمین پر لیٹ جاتا ہے۔

''کلوا منھا'' اس میں سے کھاؤ کہہ کر آیت نے ظاہراً ہر حاجی پر واجب کر دیا ہے کہ اپنی قربانی کا گوشت خود بھی ضرور کھائے۔ شاید یہ حکم ان کے اور غریبوں اور محتاجوں میں مساوات کے لئے ہے۔

آیت کا اختتام ان الفاظ پر کیا جارہا ہے۔اس طرح سے ہم نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا ہے۔

تا کہ تم شکر گذار بندے بن جاؤ۔ سچ مچ یہ عجیب ہی تو ہے کہ عظیم الجثہ اور قوی ہیکل جانور اپنی تمام تر قوت جسمانی کے باوجود ایک کمزور جسم والے انسان کے آگے گویا بے بس کھڑا ہو جاتا ہے۔تا کہ وہ اس کے پاؤں جکڑے اور نحر کرے۔

(۳۷) یہ آیت دراصل ان سوالات کا واضح جواب ہے کہ آخر اللہ کو قربانی کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ قربانی کا فلسفہ کیا ہے، کیا قربانی اس کے لئے کسی طرح سے فائدہ رساں ہے؟ جواباً فرمایا جارہا ہے۔قربان شدہ جانوروں گوشت اور خون ہرگز خدا تک نہیں پہنچتا۔اصولی طور پر خدا کو گوشت کی ضرورت نہیں ہے۔وہ تو جسم نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت مند ہے وہ اکمل اور لامتناہی ذات ہے۔بلکہ وہ چیز جو اللہ تک پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال نیک اور تمہارا تقویٰ ہے۔

بالفاظ دیگر قربانی کا مقصد یہ ہے کہ تم مدارج تقویٰ طے کر کے ایک انسان کامل بن جاؤ اور دن بدن اللہ کے قریب ہوتے جاؤ، کیونکہ عبادات انسان کے لئے تربیتی کلاسیں ہیں۔قربانی انسان کو جانثاری، خود گذشت اور راہ خدا میں شہادت کا درس دیتی ہے۔ مزید برآں محتاجوں اور ضرورت مندوں کی مدد کا سلیقہ سکھاتی ہے۔

یہ جملہ کہ قربان شدہ جانوروں کا خون تک نہیں پہنچتا، کس مفہوم میں ہے، حالانکہ خون سے ظاہراً کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس جملے سے زمانہ جاہلیت کی بے ہودہ اور فرسودہ رسموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اس وقت ایک رسم یہ تھی کہ قربانی کا خون بتوں کے سروں پر ملتے تھے۔اور کبھی تو کعبہ کے درودیوار پر بھی چھڑک دیتے تھے۔بعض بے خبر مسلمان بھی چاہتے تھے۔کہ ان رسومات پر عمل کیا جائے۔لہٰذا اس آیت سے ان کو منع کر دیا گیا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر جانوروں کے مطیع کئے جانے کی نعمت کا ذکر کیا جارہا ہے۔''اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چوپایوں کو مطیع بنادیا ہے تا کہ تم اپنی ہدایت کئے جانے پر اللہ کی بڑائی بیان کرو''۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت سے شناسائی پیدا کرو،

لہٰذا آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔''نیکوکاروں کو خوشخبری سنادو''۔

وہ لوگ جو ان نعمتوں کو اللہ کی اطاعت میں صرف کرتے ہیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو بطریق احسن انجام دیتے ہیں اور علی الخصوص اپنا مال و متاع راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔یہ نیک لوگ نہ صرف دوسروں سے نیکی کرتے ہیں۔

(۳۸) مشرکین کی بعض بیہودہ حرکات کہ جن کا اس سے پہلی آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے کے متعلق یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ مشرکین ہٹ دھرمی اور تعصب کی وجہ سے انتقامی کاروائی کرتے ہوئے مسلمانوں سے بھر جائیں۔چنانچہ پروردگار عالمین مومنین کو دلاسا دیتا ہے اور اپنی مدد کے وعدے سے ان کو حوصلہ بندھاتے ہوئے فرماتا ہے''اللہ صاحبان ایمان کا دفاع کرتا ہے''۔

اگر چہ جزیرہ نمائے عرب کے مشرکین یہودی، نصاریٰ اور سینکڑوں چھوٹے چھوٹے قبیلے اور خاندان باہم متحد ہو کر اپنے زعم باطل میں مومنین کو دبا کر نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے۔ مگر اللہ نے قیامت تک کے لئے بقائے اسلام اور سلامتی مومنین کا وعدہ فرمایا۔ مشرکین کے خلاف مومنین کے دفاع کا وعدہ دور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ یہ تمام ادوار و اعصار پر یکساں جاری و ساری ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ ہم ''الذین آمنوا'' کا مصداق بنیں، پھر خدائی دفاع لازمی امر ہے اور کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی۔ بے شک اللہ مومنین کی حمایت اور دفاع کرتا ہے۔

آیت کے آخری حصے میں مشرکین اور اس کے ہم ذہنیت لوگوں کا اللہ کے ہاں مقام اس طرح بتایا گیا ہے: اللہ کسی بد دیانت ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

وہی کہ جو اللہ کا شریک بناتے ہیں یہاں تک کہ ''لبیک'' کہتے ہوئے واضح طور پر بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور اپنی بد دیانتی پر مہر تصدیق ثبت کر لیتے ہیں۔

(۳۹) اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ	ان لوگوں کو جہاد کی اجازت دے دی گئی ہے جن پر جنگ ٹھونسی گئی ہے کیونکہ وہ ظلم کا نشانہ بنے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی مدد و نصرت پر قادر ہے۔
(۴۰) الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ	وہ لوگ ناحق اپنے گھروں سے نکال باہر کئے گئے ہیں، ان کا قصور سوائے اس کے اور کیا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ ہے؟ اور اگر اللہ بعض کے ذریعے بعض کو مغلوب نہ کرے تو دیر، گرجے، عبادت خانے اور مساجد کہ جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، ویران کر دیئے جاتے اور اللہ ان لوگوں کی جو اس کی مدد کرتے ہیں، (اور اس کے دین کی حمایت کرتے ہیں) مدد کرتا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ قوی اور ناقابل شکست ہے۔

(۴۱)اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ	وہ لوگ (خدا کے یار و مددگار) ایسے ہیں کہ جنہیں جب زمین پر صاحبِ اقتدار بنایا گیا تو انہوں نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، نیکی کا حکم دیا اور بدی سے روکا، اور ہر چیز کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

تفسیر

جہاد کا پہلا حکم

جب مسلمان مکہ میں تھے تو اکثر مشرکین مکہ کے ظلم وستم کا نشانہ بنتے تھے۔ بڑی تکالیف اور اذیتیں اٹھاتے تھے اور جب کبھی مار پیٹ کے بعد رنجیدہ خاطر ہو کر بارگاہ۔ رسول میں آتے اور مظالم کے خلاف شکایت کرتے (اور جہاد کی اجازت مانگتے)۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: صبر کرو۔ ابھی مجھے جہاد کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت کی تو مذکورہ بالا آیت زیرنظر پہلی آیت جو جہاد کی اجازت لئے ہوئے ہے نازل ہوئی۔

چنانچہ جہاد کے بارے میں نازل ہونے والی پہلی آیت ہے۔

گذشتہ آیت جس میں مومن کے دفاع اور حمایت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ زیرنظر آیت میں فرمایا جارہا ہے: اللہ نے ان لوگوں کو جن پر جنگ ٹھونسی گئی۔ جہاد کی اجازت دی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

اس کے بعد قادر و طاقتور خدا کی طرف سے کامیابی کے وعدے کے ساتھ اذن جہاد کی تکمیل کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے: اللہ ان کی مدد و نصرت پر قادر ہے۔

عالم اسباب میں سے جو بھی میسر ہے اسے کام میں لایا جائے اور تمہاری قوت ختم ہو جائے تو مایوس ہونے کی بجائے اللہ قادر کی نصرت کے منتظر رہو۔ یہی وہ کلیہ تھا جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام غزوات و سریا میں عملی طور پر اپنایا اور کامیاب رہے۔

(۴۰) تشریح جہاد کا فلسفہ

اس کے بعد ان مظلوموں کی حالت زار کی مزید وضاحت کی گئی ہے، جن کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے اور جہاد سے متعلق اسلامی نکتۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے: وہی لوگ جو ناحق اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور کر دئے گئے ہیں۔

ان کا قصور سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ ہے۔

اس کے بعد حکم جہاد کے فلسفے اور مصلحت کی وضاحت کرتے ہوئے اس طرح ارشاد ہوتا ہے: اگر اللہ مومنین کا دفاع نہ

کرے اور جہاد کی اجازت دے کر بعض کو بعض کے ذریعے مغلوب نہ کرے تو دیر، گرجے یہود و نصاریٰ کے عبادت خانہ اور مساجد کہ جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر ہوتا ہے، ویران ہو جائیں۔

دراصل ہر قسم کی خدا پرستی کی دعوت ان کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف ہے، کیونکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ خدا کی طرح خود ان کی پرستش کی جائے، چنانچہ اگر انہیں موقع ملے تو خدا پرستی کے تمام مراکز کو مسمار کر دیں۔

جہاد کا حکم دینے اور جنگ جہاد کی اجازت دینے کا یہ ایک مقصد بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں ایک بار پھر خدائی مدد کے وعدے کا اعادہ کیا جا رہا ہے، یقیناً اللہ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتے ہیں اس کے دین اور عبادت گاہوں کا دفاع کرتے ہیں۔

اس میں شک وشبہ نہیں کہ خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ کیونکہ وہ قادر اور ناقابل شکست ہے۔

یہ اس لئے فرمایا کہ توحید کے متوالے اور پاسدار کہیں یہ تصور نہ کر بیٹھیں کہ وہ رزم حق باطل اور طاقتور دشمنوں کے نرغے میں اکیلے اور بے سہارا ہیں۔

(۴۱) زیر بحث آیت اللہ کے یاوران وناصرین کی تفصیل بیان کر رہی ہے، جن سے گذشتہ آیت میں مدد کا وعدہ کیا گیا تھا۔

ان کی یوں تعریف کی گئی ہے: وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب زمین پر ہم ان کو صاحب اقتدار بناتے ہیں، وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

وہ کامیابی کے بعد سرکشوں، متکبروں اور ظالموں کی طرح کبھی داد عیش نہیں دیتے، نہ لہو ولعب میں زندگی ضائع کرتے ہیں اور نہ نشہ اقتدار سے بدمست ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ کامیابیوں، کامرانیوں اور اس توفیق خاص کو اپنی اور معاشرے کی اصلاح و تعمیر و ترقی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں وہ حکومت حاصل ہونے کے بعد خدا کے خلاف ایک اور طاغوتی طاقت بن کر نہیں ابھرتے بلکہ خداوند عزوجل اور اس کی مخلوق کے ساتھ ان کے روابط اور گہرے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ جو اللہ سے گہرے روابط کی علامت ہے، زکوٰۃ دیتے ہیں جو حقوق بشر و خدمت خلق کی نشانی ہے، بھلائی کی ترغیب دے کر اور برائی کی حوصلہ شکنی کر کے صاف ستھرا معاشرہ تشکیل دیتے ہیں، یہی چار صفات ان کے تعارف کے لئے کافی ہیں۔ انہی کے زیر سایہ باقی عبادات اعمال صالح اور اچھے معاشرے کی خصوصیات پیدا ہوتی ہیں اور فلاحی کام پروان چڑھتے ہیں۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہو رہا ہے: تمام کاموں کا انجام واختتام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

جس طرح ہر کام، ہر کامیابی اور تسلط کی ابتداء وانتہا اللہ کی طرف سے ہے۔ اسی طرح اسکے اختتام وانجام ونتیجہ کی بازگشت بھی اس کی طرف ہے کیونکہ۔

ان آیات میں جہاد کے فلسفے کے دو اہم اجزا ٔ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

1۔ظالم اور جابر کے خلاف مظلوم کا جہاد

بلا شک وشبہ یہ مظلوم کا پیدائشی فطری اور عقلی حق ہے کہ ظلم کے سنگ گراں کے نیچے پسنے کے بجائے ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، چیخ وپکار کرے، ہتھیار اٹھائے

2۔طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد

طاغوتی طاقتیں دلوں سے نام خدا کو نکالنے اور خدا کے ذکر وعبادت کے مراکز کو ویران وبرباد کردینا چاہتی ہیں۔کیونکہ یہی عبادت گاہیں شعور بیداری کے مراکز ہیں۔لازم ہے کہ ان طاقتوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوجائے تاکہ وہ نام خدا کو محو نہ کرسکیں اور لوگوں کی سوچ پر پہرے بٹھا کر ان کو اپنا زرخرید غلام نہ بنالیں۔

(۴۲)وَ اِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوۡدُ ۙ	اور اگر وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) ان سے پہلے نوح کی قوم، عاد اور ثمود نے بھی (اپنے نبیوں کو) جھٹلایا ہے۔
(۴۳)وَ قَوۡمُ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍ ۙ	اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم نے بھی۔
(۴۴)وَّ اَصۡحٰبُ مَدۡیَنَ ۚ وَ کُذِّبَ مُوۡسٰی فَاَمۡلَیۡتُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ ۚ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ	اور مدین کے عوام (شعیب کی قوم) نے اور (فرعون کے پیروں نے) موسیٰ کو جھٹلایا۔میں نے انہیں مہلت دی، مگر پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔تونے دیکھا کس طرح میں نے ان کا عمل مسترد کردیا۔
(۴۵)فَکَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اَهۡلَکۡنٰهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوۡشِهَا وَ بِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ	پس کتنے ہی شہر اور بستیاں ان کے (رہنے والوں کے) ظلم وستم کی وجہ سے ہم نے تباہ وبرباد کردیں۔اس طرح کہ ان کی چھتیں ان پر گرادیں اور کتنے ہی کنوئیں لاوارث ہوگئے اور کتنے پختہ فلک بوس محل بھی۔

تفسیر

لاوارث کنویں اور فلک بوس محل

گزشتہ آیتوں میں مومنین کے لئے اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے پیدا کردہ، پیچیدہ گھمبیر اور طاقت فرما مسائل کا ذکر تھا۔زیر بحث آیت ایک طرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی دل جوئی کرتی ہے اور دوسری طرف کفار کے منحوس اور برے انجام کی

وضاحت کرتی ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا جا رہا ہے: اگر تمہیں جھٹلایا گیا ہے تو پریشان نہ ہو۔ کیونکہ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم، عاد اور ثمود بھی اپنے نبیوں کو جھٹلا چکی ہیں۔ اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام ولوط علیہ السلام کی قوموں نے بھی ان عظیم پیغمبروں کو جھٹلایا۔

(۴۴) لوط علیہ السلام اور مدین کے باسی بھی شعیب علیہ السلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور فرعون اور اس کے پیروکاروں نے موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔ یعنی جس طرح ماضی میں شدید مخالفین کی رکاوٹیں اور تکذیبیں ان عظیم پیغمبروں کی دعوت حق وعدالت کی راہ میں کمزوری کا باعث نہ بن سکیں۔ اسی طرح بلاشک وشبہ تیری پاک اور باستقامت روح پر بھی اثر نہ کرسکیں گی۔ لیکن اندھے دلوں والے یہ کفار کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ اپنی پاک اور باستقامت روح، پر بھی اثر نہ کرسکیں گے" لیکن اندھے دلوں والے کفار کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ اپنی ناپاک تخریب کاری اور سیاہ کاریاں ہمیشہ جاری رکھ سکیں گے۔" ماضی میں پہلے تو ان کو مہلت دی جائے تاکہ ان کی آزمائش مکمل ہوجائے ان پر حجت تمام ہوجائے اور وہ تعیش زندگی میں مگن رہیں۔ پھر قانون مکافات کے تحت ان کو دھرلیا۔ دیکھا! کتنی حقارت سے میں نے ان کی بداعمالیوں کو یکسر مسترد کیا اور کتنی وضاحت سے ان کے بداعمالیوں کی قباحت وشناعت کو طشت از بام کیا۔

زیر بحث آیت کے پچھلے جملے میں اللہ کی سزا سے اجمال کی تفصیل بیان کردی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ہے: کتنی ہی بستیاں اور آبادیاں ایسی ہیں جن (کے باسیوں) کو ہم نے ہلاک کرڈالا۔ کیونکہ وہ ظالم اور ستم گر تھے۔ ان کی چھتیں نیچے آگریں۔ یعنی شدید عذاب اس قدر سخت تھا کہ صحیح وسالم مکانات کی یک دم چھتیں بیٹھ گئیں اور ان پر دیواریں آرہیں۔ اور کتنے پرازآب کنویں لاوارث ہو گئے۔ پانی زمین میں جذب ہوگیا اور وہ بے کار ہوگئے۔ نہ کوئی ان سے پانی نکالنے والا رہا اور نہ کوئی پیاس بجھانے والا بچا۔

کتنی پختہ سربفلک پرشکوہ عمارتیں زمین بوس ہوگئیں اور ان میں رہنے والے ملک عدم کے راہی ہوگئے۔

اس طرح سے ان کے پرتعیش محلات ومساکن لاوارث ہوگئے۔ اور ان کی زمین کی سرسبزی وشادابی کے ضامن ذرائع آبپاشی بھی ختم ہوکر رہ گئے۔

(۴۶) اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ	کیا وہ زمین پر چلتے پھرتے نہیں (اور سیر و سیاحت نہیں کرتے) کہ ان کے دل ادراکِ حقیقت کر سکتے اور کان صدائے حق سننے والے ہوتے، کیونکہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینے کے اندر دل اندھے ہوجاتے ہیں۔
(۴۷) وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ وَ لَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ ؕ وَ اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ	اور وہ تجھ سے عذاب میں تعجیل کا تقاضا کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا اور تیرے رب کے ہاں ایک دن تمہارے حساب کے ہزار سال کے برابر ہے۔

کتنی ہی آبادیاں اور بستیاں ایسی ہیں، جن کو میں نے مہلت دی جبکہ وہ ظالم تھے (لیکن انہوں نے اپنی اصلاح کے لئے اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا) پس میں نے ان کو دھر لیا اور سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے۔	(۴۸) وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۠

تفسیر

سیر وسیاحت اور دلوں کی بیداری

گذشتہ آیتوں میں ان بداعمال اور روسیاہ ظالموں کے بارے میں گفتگو کی جارہی تھی، جن کو اللہ نے کیفر کردار تک پہنچایا اور ان کے شہروں کو برباد کردیا۔ زیر بحث پہلی آیت میں اس مضمون کی تاکید مزید کے طور پر ارشاد ہوتا ہے۔ آیا وہ زمین میں سیر وسیاحت نہیں کرتے ان کے دل حقیقت شناس ہوجائیں یا ان کے کان صدائے حق سن لیں۔

بے شک ظالموں کے محلات اور دنیا پرستوں کے ٹھکانے اور مساکن جن کا اقتدار کبھی بہت بلند تھا۔

اس خاموشی کے باوجود ہزار ہزار باتیں کہہ رہے ہیں اور ہر بات میں ہزار ہزار نکتے پوشیدہ ہیں۔

اس کے بعد قرآن مجید اس حقیقت کو کہ اکثر لوگ ظاہراً وسالم آنکھیں اور کان رکھتے ہیں۔ مگر دل کے اندھے اور بہرے ہوتے ہیں۔ زیادہ واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔ کیونکہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ظاہری آنکھوں سے محروم جو عرف عام میں اندھے کہلاتے ہیں۔ بعض اوقات بہت روشن دل اور باخبر ہوتے ہیں۔ حقیقی اندھے تو وہ لوگ ہیں جن کے دل کی آنکھ اندھی ہوگئی ہو اور وہ صحیح ادراک نہ کرسکتے ہوں۔ اسی لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بدترین اندھاپن دل کا اندھاپن ہے''۔

(۴۷) زیر نظر آیت میں بے ایمان، جاہل، بے خبر اور دل کے اندھوں کا ایک اور چہرہ دکھایا گیا ہے کہ وہ جلد عذاب کا مطالبہ کررہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ''اگر تم سچے ہو تو پھر خدا کا عذاب کیوں ہمیں آنہیں لیتا''

ان سے کہہ دیجئے کہ جلدی نہ کریں اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ایک لمحہ، دن یا ایک سال سب برابر ہیں'' کیونکہ تیرے پروردگار کے ہاں ایک دن تمہارے حساب سے ہزار سال کے برابر ہے۔''

(۴۸) اس آیت میں گذشتہ آیتوں میں بیان شدہ بنیادی نقطہ اعادۃً بیان کیا جارہا ہے اور اسی ہٹ دھرم کفار کو تنبیہ کی جارہی ہے۔

''ایسی کتنی بستیاں اور آبادیاں ہیں جنہیں ہم نے مہلت دی، حالانکہ وہ ظالم تھے (مہلت اس لئے دی گئی تاکہ وہ خواب غفلت سے جاگ اٹھیں۔ مگر جب ایسا نہ ہوا تو پھر ہم نے انہیں ڈھیل دی تاکہ پرتعیش زندگی میں مگن ہو جائیں، پھر اچانک ان کی سزا یعنی شدید عذاب نے انہیں آلیا جو بھی تمہاری طرح عذاب میں تاخیر کی شکایت کرتے تھے اور مذاق اڑایا کرتے تھے اور اس تاخیر عذاب کو پیغمبروں کے جھوٹا ہونے کی دلیل بنالیا کرتے تھے۔ لیکن آخر کار عذاب میں مبتلا ہوئے اور آہ وبکا کرنے لگے مگر اس آہ وبکا کی شنوائی نہ ہوسکی۔ بے شک یہ سب میری طرف لوٹیں گے۔ تمام راہیں اللہ ہی پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ اور تمام ذخائر و وسائل اور یہ تمام دولت و ثروت یہاں باقی رہ جائے گی اور وہی ان سب کا مالک ہے۔

(۴۹) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ	(اے رسول) کہہ دیجئے: اے لوگو! میں تمہارے لئے ایک واضح ڈرانے والا ہوں۔
(۵۰) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ	وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے بھلائی کے کام کئے ان کے لئے معافی اور بہترین رزق ہے۔
(۵۱) وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ	اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو مٹانے کی کوشش کی، اور یہ سمجھے کہ وہ ہم پر غلبہ حاصل کرلیں گے وہ اہل جہنم ہیں۔

تفسیر

رزق کریم

گذشتہ آیتوں میں کفار کی طرف سے عذاب میں تعجیل کے مطالبے کا ذکر تھا اور یہ مسئلہ صرف ذات پروردگار عالم اور اس کی حکمت آفریں مشیت سے متعلق ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء کو بھی اس میں کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

چنانچہ زیر بحث آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! میں تمہارے لئے صرف ایک کھلم کھلا ڈرانیوالا ہوں''۔

(۵۰) زیر نظر دوسری دو آیتوں میں بشارت اور ڈراوا، دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ اللہ کی رحمت واسعہ اس کے عذاب پر سبقت رکھتی ہے۔ لہٰذا پہلے بشارت کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور انہوں نے بھلے کام کیئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اور اعلیٰ رزق وروزی ان کے لئے مخصوص ہے۔

''رزق کریم'' ایک وسیع مفہوم پر دلالت کرتا ہے، جو تمام مادی اور معنوی گرانقدر نعمتوں پر محیط ہے۔

(۵۱) اس کے بعد دوبارہ فرمایا گیا ہے: لیکن وہ لوگ جو اللہ کی نشانیوں کو مٹانے اور تخریبی کاروائیوں میں سرگرم ہیں اور اپنے زعم باطل میں اللہ کے ارادوں پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ دوزخی ہیں۔

(۵۲)وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ ۚ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۙ	اور ہم نے تجھ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا، جب بھی وہ کوئی آرزو کرتا (اور اپنے الٰہی اہداف کی تکمیل کے لئے کوئی منصوبہ بناتا) تو شیطان ضرور اس میں وسوسے پیدا کر دیتا۔ پھر خدا انہیں مٹا دیتا اور اپنی نشانیوں کو استحکام بخشتا اور اللہ علیم (جاننے والا) وحکیم (حکمت والا) ہے۔
(۵۳)لِّیَجۡعَلَ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡقَاسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ۙ	اس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ شیطانی وسوسوں کو ان لوگوں کے لئے آزمائش قرار دے جن کے دلوں میں بیماری ہے، اور جو سنگ دل ہیں اور ظالم، حق سے دور شدید بغض وعناد میں بھرے ہوئے ہیں۔
(۵۴)وَّ لِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَیُؤۡمِنُوۡا بِہٖ فَتُخۡبِتَ لَہٗ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَہَادِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ	علاوہ ازیں مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ جنہیں اللہ نے علم دیا ہے جان لیں کہ تیرے پروردگار کی طرف سے یہ حق ہے۔ چنانچہ ایمان لے آئیں، دل سے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں اور اللہ صاحبانِ ایمان کو راہِ راست کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

تفسیر

انبیاء علیہم السلام کے خلاف شیطانی وسوسے

گذشتہ آیتوں میں کفار اور مشرکین کی طرف سے دین خدا کی تضحیک واستہزاء اور اسے مٹانے کی سرگرمیوں کا ذکر تھا زیر بحث آیتوں میں لوگوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ دین کے دشمن کی سیہ کاریاں کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ہمیشہ سے طاغوتی اور شیطانی شکوک وشبہات انبیاء کے مقابلے میں پھیلائے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''تجھ سے پہلے ہم شکوک وشبہات انبیاء کے مقابلے میں پھیلائے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''تجھ سے پہلے ہم نے جب کبھی کوئی رسول اور نبی بھیجا اور اس نے خدائی مقاصد کی توسیع وترقی کا جو منصوبہ بھی بنایا۔ ضرور شیطان نے اس میں شکوک وشبہات پیدا کئے''۔

لیکن اللہ شیطان کے ان وسوسوں کے ہجوم میں اپنے پیغمبر کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ بلکہ ''اللہ شیطان کے شکوک وشبہات کو زائل کر دیتا اور اپنی نشانیوں کو استحکام بخشتا ہے۔ اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے، کیونکہ وہ ''علیم وحکیم ہے'' تمام منفی ریشہ دوانیوں سے پوری

طرح باخبر ہے۔اوران کونا کام بنانے کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہے۔

(۵۳)البتہ دین دشمن طاقتوں کی سیاہ کاریاں اور طاغوتی کارستانیاں ہمیشہ مومنین، باخبر افراداورکفارسب کے لئے امتحان کا سبب بنتی ہیں، چنانچہ اس آیت میں ارشادہوتا ہے،، یہ تمام امور بیمار دل اورسنگ دل افراد کی آزمائش کا ذریعہ ہیں۔

اورظالم ونا انصاف لوگ حق سے بہت دور ہیں اوران کے دل بغض وعداوت سے بھرے پڑے ہیں۔

(۵۴)علاوہ برایں ان کا ایک مقصد یہ تھا کہ آگاہ اور باخبر لوگ حق و باطل میں تمیز کریں، خدائی ضابطوں اور شیطانی شکوک میں امتیاز کریں اور دونوں کا موازنہ کر کے سمجھ جائیں کہ خدائی قانون ہی دین حق ہے اور تیرے رب کی طرف سے ہے، چنانچہ اس پر ایمان لے آئیں اوران کے دل پوری طرح اللہ کی بارگاہ میں جھک جائیں۔

بے شک اللہ ان آگاہ اورحق طلب مومنین کوان خطرناک راہوں میں اکیلا نہیں چھوڑتا، بلکہ اللہ صاحبان ایمان کوراہ راست کی ہدایت کرتا ہے۔

(۵۵)وَ لَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡہُ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ السَّاعَۃُ بَغۡتَۃً اَوۡ یَاۡتِیَہُمۡ عَذَابُ یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ	اورکفار ہمیشہ قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا رہیں گے، یہاں تک کہ اچانک قیامت آجائے، یا یوم عقیم (وہ دن جب وہ کسی تلافی کے قابل نہ ہوں گے) کا عذاب ان کو آلے۔
(۵۶)اَلۡمُلۡکُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ ؕ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ	اس دن صرف اللہ کی حکمرانی ہوگی۔وہ ان کا فیصلہ فرمائے گا،اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اچھے اعمال کئے ہیں۔ وہ بہشت کے (نعمتوں سے معمور) باغوں میں ہوں گے۔
(۵۷)وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ؑ	اور جو لوگ کافر ہوگئے ہیں اورانہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے،ان کے لئے ذلّت آمیز عذاب ہے۔
(۵۸)وَ الَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا لَیَرۡزُقَنَّہُمُ اللّٰہُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَہُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ	اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ہجرت کی، پھر قتل ہوئے یا فوت ہوگئے، اللہ انہیں بڑا عمدہ رزق عطا فرمائے گا، اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔

(۵۹)لَيُدۡخِلَنَّهُمۡ مُّدۡخَلًا يَّرۡضَوۡنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ	اللہ انہیں ایسے مقام پر لے جائے گا وہ خوش ہو جائیں گے اور اللہ صاحبان علم وحلم (بردباری) ہے۔

تفسیر

رزق حسن

گذشتہ آیتیں، اللہ کی نشانیوں کومحو کرنے کے لئے مخالفین کی سرگرمیوں کے بارے میں تھیں۔ یہاں ان آیات میں انہی متعصب اور ضدی لوگوں کی ان مذموم کوششوں کے جاری رہنے کا ذکر ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے "کفار ہمیشہ قرآن مجید اور تیرے توحیدی دین کے بارے میں (روز قیامت تک) شکوک میں مبتلا رہیں گے۔حتیٰ کہ قیامت اچانک آجائے گی۔ یا "یوم عقیم" کہ جس دن وہ کسی قسم کی تلافی کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں گے کا عذاب ان کو آلے گا۔

واضح ہے کہ کافرین سے مراد تمام کفار نہیں ہیں۔کیونکہ ان میں بہت سے تبلیغ کے دوران پیغمبر اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے تھے اور مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہوگئے تھے۔ یہاں کافرین سے مراد ان کے ضدی اور متعصب سردار اور ہٹ دھرم، کینہ پرور لوگ جو آخر تک ایمان نہ لائے اور تخریبی کاروائیوں میں مصروف رہے۔

(۵۶) اس کے بعد قیامت کے دن اللہ کی ہمہ جہت حاکمیت اعلیٰ کا ذکر کیا گیا ہے، اس دن صرف اور صرف اللہ ہی کی حکمرانی ہوگی۔ یہ بات صرف قیامت کے دن سے ہی مخصوص نہیں ہے، کیونکہ اللہ تو ہمیشہ ہمہ جہت اور مطلق حاکم ہے۔آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔

لیکن روز قیامت جبکہ دنیاوی تمام حاکموں اور بادشاہوں کی بساط لپیٹ دی جائے گی، تب یہ حقیقت ہر زمانے سے زیادہ واضح ہوگی کہ حاکم و مالک صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔

حقیقی مالک وہی ہے، چنانچہ حقیقی حاکم وفرمانروا بھی وہی ہوگا، لہٰذا وہ کافر و مومن تمام انسانوں کا فیصلہ کرے گا اس کا نتیجہ وہی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں اس کے بعد کیا گیا ہے، یعنی: جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے۔ بہشت میں طرح طرح کی نعمتوں والے باغوں میں رہیں گے۔ ایسے باغات جہاں ہر وہ نعمت اور ہر خیر و برکت موجود ہوگی۔ جس کا وہ تصور کریں گے۔

(۵۷) البتہ جو منکر بنے اور جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا وہ ذلت آمیز عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ واقعی کیا منہ بولتی اور زندہ تصویر پیش کی گئی ہے یہ عذاب ان لوگوں کو رسوا اور پست کرے گا جو مغرور اور متکبر تھے۔ جو اپنے آپ کو باقی مخلوق خدا سے برتر سمجھتے تھے۔ خود کو بڑے اور دوسروں کو پست اور چھوٹا سمجھتے تھے۔

(۵۸) گذشتہ چند آیتوں میں اللہ اور اس کے دین کے لئے اپنے گھر بار چھوڑنے والے مہاجرین کا ذکر تھا۔ زیر بحث آیت

میں ان کو ایک ممتاز طبقے کے طور پر پیش کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور اس کے بعد جام شہادت نوش کیا یا ویسے ہی چل بسے۔ اللہ ان کو عمدہ روزی اور مخصوص نعمتوں سے نوازے گا۔ کیونکہ وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔

بعض علماء نے اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی ہے۔

جب مسلمانوں نے مدینے کی طرف ہجرت کی، وہاں کچھ مسلمان تو طبعی موت سے دنیا سے اٹھ گئے اور بعض نے جام شہادت نوش کیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کا ایک گروپ یہ تاثر دینے لگا کہ تمام درجات اور فضیلتیں صرف ان ہی سے مخصوص ہیں جو شہید ہوئے ہیں اور ویسے فوت ہونے والوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور دونوں کو نعمتوں کا مستحق بتایا۔

یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اصل اہمیت راہ خدا میں جان دینا ہے۔ چاہے میدان کارزار میں جام شہادت نوش کرتے ہوئے دے یا اطاعت خدا میں فوت ہو جائے۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مرنے والا بھی شہداء کے ثواب کا حامل ہوتا ہے۔

(۵۹) اس آیت میں عمدہ روزی کا ایک نمونہ پیش کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: اللہ انہیں ایسے مقام پر لے جائے گا۔ کہ وہ خوش ہو جائیں گے۔

یعنی اگر اس دنیا میں وہ اپنے گھر بار سے بڑی پریشانی اور دکھ کے عالم میں نکلنے پر مجبور کر دیئے گئے، تو اللہ ان کو دوسرے جہاں میں ایسی رہائش گاہ اور مسکن دے گا۔ جو ہر لحاظ سے ان کے لئے لذت انگیز اور نشاط وانبساط بخش ہوگا۔ اور یوں ان کی جاں نثاری اور قربانی کی تلافی بہ طریق احسن کرے گا۔ آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ان کے اعمال و کردار سے پوری طرح باخبر ہے۔ نیز حلیم و بردبار رہے اور سزاؤں میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا۔ تا کہ اس امتحان گاہ میں مومنین کی تربیت بھی ہو۔ اور مکمل امتحان بھی۔

(۶۰) ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ	بات یہی ہے اور جو شخص اپنے اوپر کی گئی زیادتی کے برابر سزا دے اور پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔ اور اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔
(۶۱) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ	یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتا، اور اللہ سننے، دیکھنے والا ہے۔

(۶۲)ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ھُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ	یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی برحق ہے، اور اس کے علاوہ وہ جسے بھی پکارتے ہیں باطل ہے اور اللہ بلند مقام اور بڑا ہے۔

شان نزول

بعض روایات کے مطابق محرم کا مہینہ ہورہا تھا اور صرف ایک دو راتیں باقی تھی کہ مشرکین نے باہم اصلاح مشورہ کیا۔ کہ محمد ﷺ کے اصحاب اور ساتھی اس مہینے میں جنگ نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ اسے حرام سمجھتے ہیں۔ لہٰذا آؤ ان پر حملہ کر کے انہیں ختم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے پہلے اپیل کی کہ اس مقدس مہینے میں جنگ نہ کی جائے۔ مگر جب کفار کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی تو مسلمانوں نے ڈٹ کر دفاع کیا اور اللہ نے ان کو فتح دی۔

تفسیر

کامیاب و کامران کون ہے؟

گذشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں اور اللہ کی طرف سے قیامت میں انہیں عظیم جزا کا ذکر تھا۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے لطف و کرم اور کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ ''بات یہی ہے اور جو شخص اپنے اوپر کی ہوئی زیادتی کے برابر بدلہ لے اور پھر اس پر مزید زیادتی کی جائے تو اللہ اس کی مدد کرے گا۔ یہ اس حق کی طرف اشارہ ہے کہ ظلم و ستم کے مقابلے میں ہر ایک شخص دفاع کا فطری حق رکھتا ہے۔

چونکہ ضروری ہے کہ قصاص، سزا اور عفو و درگزر ساتھ ساتھ ہوں تا کہ اپنے جرم پر نادم ہونے والے اور سر تسلیم خم کرنے والے سائے تلے برسوں بیٹھ سکیں۔ آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

یہ آیت قصاص کی دوسری آیتوں کے مشابہ ہے جو ایک مقتول کے وارث کو بدلہ لینے کی اجازت دیتی ہے تو دوسری طرف معاف کر دینے کو بہتر شمار کرتی ہے (البتہ انہیں جو معافی کے لائق ہوں)۔

(۶۱) چونکہ نصرت و مدد کا وعدہ صرف اس صورت میں موثر اور حوصلہ افزاء ہوگا جب مدد کرنے والا کوئی قادر توانا ہو۔ چنانچہ اس آیت میں وسیع عالم ہستی میں پروردگار عالم کی طاقت و اپنار کا ایک رخ پیش کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ ''یہ اس لئے ہے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتا ہے (ہمیشہ ان میں کمی بیشی کرتا رہتا ہے۔) اسی طرح لاکھوں سالوں سے یہ باقاعدہ نظام چل رہا ہے)۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے ''اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

مومنین کی امداد کے تقاضے سنتا ہے۔ ان کی کیفیت اور کارکردگی سے باخبر ہے اور ضرورت پڑنے پر اس کا فضل و کرم ان کے

شامل حال ہو جاتا ہے۔

(۶۲) زیر بحث آیت دراصل پہلی آیت کے دعوے کی دلیل ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ حق ہے اور اس کو چھوڑ کر وہ جسے بھی پکارتے ہیں باطل ہے اور اللہ بلند مقام اور بڑا ہے۔ اور اس کو چھوڑ کر وہ جسے بھی پکارتے ہیں باطل ہے اور اللہ بلند مقام اور بڑا ہے۔ اگر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ حق کی افواج کامران ہوتی ہیں۔ باطل قوتیں پیچھے ہٹتی ہیں اور منہ کی کھاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم کفار کا ساتھ نہیں دیتا، بلکہ مومنین کی مدد کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار باطل ہیں اور مومنین برحق۔ وہ نظام عالم ہستی کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ ان کا انجام فنا اور بربادی ہے مومنین کائنات کے قوانین سے ہم آہنگ ہیں۔

(۶۳) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۚ	کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے بارش برسائی، اور زمین (اس سے) سرسبز وشاداب ہوگئی۔ اور بیشک اللہ لطیف وخبیر ہے۔
(۶۴) لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۠	آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اُسی کا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور ہر ستائش کے لائق ہے۔
(۶۵) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَ الْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ؕ وَ یُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ زمین میں جو کچھ ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے مسخر کیا ہے اور اسی کے حکم سے سمندروں میں کشتیاں اور بحری جہاز چلتے ہیں۔ وہ آسمان (اجرامِ فلکی اور آسمانی پتھروں) کو روکے ہوئے ہے تاکہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہ گر پڑیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ورحیم ہے۔
(۶۶) وَ ھُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاکُمْ ۫ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ	اور وہ وہی ہے، جس نے تمہیں زندگی عطا فرمائی، پھر موت دیگا۔ پھر زندہ فرمائے گا۔ مگر یہ انسان کفرانِ نعمت کرنے والا اور ناشکرا ہے۔

تفسیر

کائنات میں اللہ کی نشانیاں

گذشتہ آیتوں میں اللہ کی لامتناہی طاقت اور اس کی حقانیت مطلقہ کا ذکر تھا۔ یہاں ان آیات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس کی طاقت اور اختیار کی مختلف علامتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے، کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی

برسایا۔اوراس سے خشک اور مردہ زمین کوسرسبز شاداب کیا۔یعنی وہ زمین جس سے زندگی کے آثار معدوم ہوگئے تھے، چٹیل، سیاہ اور کریہہ المنظر ہوگئی تھی۔وہ بارش کے حیات بخش قطروں سے زرخیز ہوگئی۔اس میں زندگی عود کر آئی اور لہلہانے لگی۔بے شک اتنی آسانی سے زندگی کو وجود میں لانے والا اللہ لطیف وخبیر ہے۔

(۶۴) اپنی بے پایاں طاقت اوراختیار کی دوسری علامت بیان کرتے ہوئے اللہ ارشادفرماتا ہے۔:

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا تو ہے۔یہ سب کا خالق و مالک ہی ہے۔اس وجہ سے سب پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔اس کائنات میں وہی اکیلا، بے نیاز تونگر ہے۔اور ہر طرح کی تعریف وستائش کا مستحق بھی ٹھہرتا ہے۔

''غنی'' اور ''حمید'' کی دوصفات بہت مربوط طریقے سے استعمال کی گئی ہیں۔کیونکہ۔

بہت سے لوگ متمول اور مالدار ہیں، مگر کنجوس، استحصالی ذہن کے مالک، دولت کو اپنے تک محدود رکھنے والے اور متکبر اور اپنی عیش وعشرت میں مگن رہنے والے ہیں چنانچہ کسی کا غنی ہونا گویا مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہونا بھی ہے مگر اللہ غنی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کے لئے صاحب لطف وعنایت، فیاض، فیض رساں اور سخی و جواد بھی ہے، جو اسے حمد وستائش کا مستحق ٹھہراتا ہے۔

(۶۵) اس کے بعد اپنی لامتناہی طاقت سے کائنات کو انسان کے لئے مسخر کرنے کے بارے میں ایک نمونہ پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے۔کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا اللہ نے زمین کی ہر ایک چیز تمہارے زیر تسلط قرار دی ہے اور تمام قدرتی وسائل طرح طرح کی نعمتیں اور چیزیں، سب کی سب تمہارے اختیار میں دے دی گئی ہیں۔تاکہ جس طرح چاہو ان سے فائدہ اٹھاؤ۔اس طرح اللہ کے حکم سے سمندروں میں چلنے والے اور پانی کا سینہ چیر کر سوئے منزل بڑھنے والے جہاز بھی زیر تسلط قرار دیئے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں ''اللہ آسمان کو اس کی جگہ پر روکے ہوئے ہے اور اس کی بلا اجازت زمین پر نہیں گرسکتا۔

بے شک اپنے بندوں پر یہ اس کی رحمت، لطف اور کرم ہے کہ یوں زمین کو ہر قسم کے خطرات سے خالی امن کا گہوارہ بنا دیا تاکہ وہ انسان کے لئے پرسکون اور آسائشوں کا مرکز بنی رہے۔نہ پتھر اس سے ٹکرائیں اور نہ کوئی آسمانی کرہ۔چنانچہ آیت کے آخر میں ارشادفرمایا گیا ہے۔بے شک اللہ بندوں پر بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

(۶۶) زیر بحث آخری آیت میں اللہ کے بے پایاں اختیار کے حوالے سے زمین پر اہم ترین مسئلے یعنی ''موت وحیات'' کے بارے میں مزید فرمایا گیا ہے: وہ وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی (تم بے جان مٹی تھے، تم میں حیات کی روح پھونکی)۔پھر زمانہ حیات کے بعد تمہیں موت دیتا ہے۔(اور جس مٹی سے تم اٹھے تھے واپس اسی میں چلے جاؤ گے)۔پھر روز قیامت ایک نئی زندگی ملے گی (مردہ مٹی سے نکلو گے اور حساب اور جزا وسزا کیلئے آؤ گے)۔زمین وآسمان میں اللہ نے یہ تمام نعمتیں انسان کے لیئے مخصوص کی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انسان بہت ناشکرا ہے۔واضح اور کھلی نشانیوں کے باوجود اللہ کے وجود کا انکاری ہے۔

(۶۷)لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ	ہرامت کے لئے ہم نے ایک عبادت مقرر کی ہے تا کہ وہ (اللہ کے حضور) عبادت کریں۔پس انہیں تیرے ساتھ اس سلسلہ میں ہرگز جھگڑنا نہیں چاہئے۔تو اپنے پالنے کی طرف دعوت دے۔کیونکہ تو یقیناً ہدایتِ مستقیم (سیدھے اور صحیح راستہ) پر ہے۔
(۶۸)وَ اِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	پھر بھی وہ تیرے ساتھ جھگڑنے لگیں تو کہہ دے کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے خوب واقف ہے۔
(۶۹)اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ	روزِ قیامت اللہ تمہارے اختلافات کا فیصلہ کردے گا اور تم سب پر حقائق واضح ہو جائیں گے۔
(۷۰)اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِىْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ	کیا تجھے معلوم نہیں کہ زمین وآسمان کا سب کچھ اللہ کے علم میں ہے؟ یہ سب کچھ اللہ کے لامتناہی علم کی کتاب میں لکھا ہوا ہے، اور خدا کے لئے یہ آسان سی بات ہے۔

تفسیر

ہرامت کے لئے ایک عبادت مقرر ہے

ہماری گذشتہ بحثیں مشرکین کے بارے میں تھیں۔مشرکین مکہ علی الخصوص اور دوسرے اسلام مخالف عناصر بالعموم پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ جھگڑتے رہتے تھے اور پرانے احکامات کی تنسیخ اور نئی شریعت کے نفاذ کو اسلام کی کمزوری خیال کرتے تھے۔حالانکہ یہ تبدیلیاں کسی کمزوری کی دلیل نہ تھیں، بلکہ ارتقاء وتکامل ادیان کے پروگرام کا ایک حصہ تھیں، چنانچہ زیر بحث آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ہم نے ہر ایک امت کیلئے ایک عبادت مخصوص کردی ہے۔تا کہ وہ اسی طرح اپنے رب کی عبادت کرے۔

سابقہ امتیں اپنے لئے ایک مخصوص شریعت رکھتی تھیں، جو مخصوص حالات مختلف زمان ومکان اور دیگر جہات کے لحاظ سے ان کے لئے مکمل ''ضابطۂ حیات'' تھیں۔مگر ان مخصوص حالات کے بدل جانے کی صورت میں زمان مکان اور دیگر جہات کے لحاظ سے ضروری تھا کہ وہ ضابطہ بھی بدلا جائے اور نئے لوگ اس کی جگہ لیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اس وجہ سے ان کو آپ کے خلاف نہیں اٹھ کھڑ ہو نا چاہئے۔آپ اپنے پالنے والے کی طرف دعوت دیجئے، کیونکہ سیدھا راستہ یہی ہے، جس پر آپ گامزن ہیں۔

ان کے بے سروپا اعتراضات اور لغو باتیں آپ کو ذرہ بھر بھی متاثر نہ کر پائیں، کیونکہ آپ تو اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور

آپ راہ راست پر ہیں۔

(۶۸) لیکن اس کے باوجود مخالفت جاری رکھیں اور آپ کی ہدایت سے اثر قبول نہ کریں تو ان سے کہہ دیں کہ اللہ ان کی حرکات سے زیادہ مطلع ہے۔

(۶۹) اللہ تمہارے اختلاف کا فیصلہ فرمائے گا۔ (فروائے قیامت، جو اللہ کی طرف بازگشت کا دن ہے اور اتحاد یکانگت کا دن ہے اور تمام اختلافات مٹ جانے کا دن ہے۔ تم سب پر حقائق واضح کردے گا۔

(۷۰) چونکہ قیامت کے دن بندوں کے جملہ اختلافات کو ختم کرنا اور ان کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جو ذات یہ مرحلہ طے کرے۔ وہ لازمی طور پر بے پناہ علم کی حامل ہو۔ لہٰذا ارشاد ہوتا ہے۔ کیا آپ کو علم نہیں، کہ زمین، و آسمان میں ہر چیز سے اللہ واقف ہے۔ بے شک علیم وحکیم کے لامتناہی علم کی ڈائری اور کتاب عالم ہست و بود اور کائنات اثر مؤثر کی کتاب ہے، جس میں سے کچھ ناپید نہیں ہوتا۔

تمام موجودات اپنی تمام تر تفاصیل کے ساتھ اس کے نزدیک حاضر ہیں اس لئے آیت کے آخری جملے میں ارشاد ہوتا ہے: اللہ کے لئے سب کچھ بہت آسان ہے، کیونکہ تمام موجودات اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ اس کے سامنے ہیں۔

(۷۱) وَ يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّ مَا لَيۡسَ لَهُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ	اور اللہ کو چھوڑ کر وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کے لئے اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور نہ ہی ان کو اپنے خود ساختہ معبودوں کے بارے میں کوئی معلومات ہیں، اور گنہگاروں کے لئے کوئی مددگار اور رہبر نہیں ہے۔
(۷۲) وَ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعۡرِفُ فِىۡ وُجُوۡهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡمُنۡكَرَ ؕ يَكَادُوۡنَ يَسۡطُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا ؕ قُلۡ اَفَاُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰلِكُمُ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۚ	اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو تو کفّار کے چہروں پر انکار کے تیور ملاحظہ کرتا ہے (ایسا معلوم ہوتا ہے) کہ وہ جلد ہی ان پر مکوں اور گھونسوں سے حملہ شروع کردیں جو ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے ہیں۔ ان سے کہدے کہ کیا تمہیں اس سے بھی بدتر چیز کی خبر دوں، یعنی بھسم کردینے والی (جہنم کی) آگ جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے؟

(۷۳)یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ	اے لوگو! بیان کی جانے والی ایک مثال غور سے سنو! اللہ کو چھوڑ کر تم جنہیں پکارتے ہو وہ سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ مکھی اگر کچھ لے لے تو اس سے واپس نہیں لے سکتے۔اور طالب ومطلوب (عابد ومعبود) دونوں ہی بڑے کمزور ہیں)۔
(۷۴)مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ	جس طرح پہنچانے کا حق تھا انہوں نے اللہ کو ہرگز نہیں پہچانا، بیشک اللہ قوی وناقابلِ شکست ہے۔

تفسیر

مکھی سے بھی کمزور معبود

گذشتہ آیتوں میں شرک اور توحید سے متعلق گفتگو کے لحاظ سے زیر بحث آیت میں دوبارہ مشرکین اوران کی غلط کاریوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ چونکہ شرک اور بت پرستی کے بطلان کا واضح ثبوت یہ ہے کہ عقلی اورنقلی کوئی دلیل اس قبیح عمل کا جواز مہیا نہیں کرتی۔ لہٰذا پہلی آیت میں فرمایا جارہا ہے: اللہ کو چھوڑ کر جن کی وہ پرستش کرتے ہیں۔اس کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

دراصل یہ آیت بت پرستوں کے اس عقیدے کو باطل کررہی ہے۔جس کے تحت وہ کہا کرتے تھے کہ بت اللہ کی بارگاہ میں ہمارے شفیع ہیں اور ہم اس کی اجازت سے ہی ان کی عبادت کرتے ہیں۔اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے وہ ایسوں کی عبادت کرتے ہیں۔جن کے بارے میں انہیں کچھ معلومات نہیں ہیں۔

یعنی اپنے اس فعل سے متعلق وہ نہ ''تنزل من اللّٰہ'' کوئی دلیل رکھتے ہیں اور نہ ہی فہم عامہ سے کوئی جواز پیش کرسکتے ہیں۔

واضح سی بات ہے کہ جس شخص کے پاس اپنے عقیدے اور اعمال کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہو۔وہ بڑی حماقت کا مرتکب ہوا ہے۔اس نے اپنے آپ پر بھی زیادتی کی اور دوسروں پر بھی اور جب وہ گرفتار عذاب وعقاب الٰہی ہوگا تو کوئی بھی اس کی حمایت ودفاع کی جرأت نہیں کرسکے گا۔اس حقیقت کو آیت کا آخری حصہ واضح کررہا ہے: ستمگروں کا کوئی یارومددگار نہیں۔

(۷۲)اس کے بعد اللہ کے احکامات سننے کے بعد بت پرستوں کے شدید منفی ردعمل،ضد،تعصب اور ہٹ دھرمی کی طرف مختصر اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

''جب ہمارے واضح احکامات (جن کی عقلی و منطقی صحت بڑی واضح ہے) جن سے فائدہ اٹھانا عقل سلیم رکھنے والے ہر فرد کے لئے آسان ہے،ان کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں۔تو تو کفار کے چہروں پر انکار و تنفر کے آثار ملاحظہ کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب صاف ستھرے اور منطقی احکامات بیان کئے جاتے ہیں۔تو انہیں اپنے جاہلانہ اور باطل عقائد متضاد نظر آتے ہیں،چونکہ وہ سچائی اور صداقت کو قبول نہیں کرتے،اس لئے غیر اختیاری طور پر نفرت و ناپسندیدگی کے آثار ان کے چہروں سے عیاں ہو جاتے ہیں۔یہاں تک ہی بس نہیں بلکہ تعصب،ہٹ دھرمی اور ضد کی شدت کی وجہ سے ہوسکتا ہے وہ جلدی احکامات کو غور سے سننے والوں سے ہاتھا پائی اور دھینگا مشتی پر اتر آئیں۔

ایسے احمقوں کے مقابلے میں رسول اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ان سے کہہ دے کہ اس سے بھی بدتر چیز کی تم کو خبر دوں ! جہنم کی بھسم کر دینے والی آگ اس سے کہیں تکلیف دہ ہے۔یعنی اگر اللہ کی واضح اور کھلی ہوئی آیتیں تمہیں بری معلوم ہوتی ہیں۔شاید اس لئے کہ تمہارے منفی اور اٹکل پچو نظریات کے برعکس ہیں تو کہیں زیادہ بری چیز کی تم کو خبر دے دوں اور وہ یہ کہ اللہ کی طرف سے تیار کیا ہوا اذیت ناک عذاب اور سزا ہے۔جو ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کا آخری ٹھکانا ہے۔''بھسم کر دینے والی وہی آگ،جس کا اللہ نے کفار سے وعدہ کر رکھا ہے''۔اور یہ آگ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان بدخواہ اور تندمزاج مخالفین کہ جن کے دلوں میں ہمیشہ تعصب اور ہٹ دھرمی کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں، کا بدلہ جہنم کی آگ کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔کیونکہ ہمیشہ اللہ کی طرف سے دی جانے والی سزا گناہ کے تناسب سے ہوا کرتی ہے۔

(۷۳)مکھی سے بھی کمزور معبود اس کے بعد بتوں اور خود ساختہ معبودوں کی کیفیت،کمزوری اور ناتوانی کا دلچسپ اور حسب حال خاکہ بیان کیا گیا ہے،اور مشرکین کے نظریات کو بڑے واضح انداز میں باطل ثابت کیا گیا ہے۔

عوام الناس سے خطاب کیا جا رہا ہے۔اے لوگو! بیان کی جانے والی ایک مثال توجہ سے سنو۔(اس پر غور و خوض کرو)۔

اللہ کو چھوڑ کر جن کو بطور خدا پکارتے ہو۔وہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔چاہے وہ سب کے سب مل کر اس کے لئے اجتماعی کوششیں کریں۔تمام بت اور دیگر معبود،سب دانشور صاحبان فکر و نظر اور بنی نوع انسان کے تمام کے تمام صنعت کار اور موجد اگر مل کر بھی کوشش کریں تو ایک مکھی تک پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ایسے میں وہ کس بنا پر ان نااہل چیزوں کو اس پروردگار عالم کا ہم پلہ قرار دے سکتے ہیں۔جو زمین و آسمان پر ہزار ہا ذی روح موجودات،دریاؤں،ریگستانوں،جنگلوں،زیر زمین،اور زیر آب خزانوں کا بنانے

والا اور پیدا کرنے والا ہے

تاکید مزید کے طور پر اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ بناوٹی خدا مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ خالق و معبود حقیقی کی پیدا کی ہوئی ایک مکھی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ ایک مکھی ان سے کچھ چھین لے تو یہ واپس تک لینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ایسا کمزور اور بے بس موجود جو ایک مکھی کے مقابلے میں شکست کھا جائے، کیا یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ہم اسے اپنی تقدیر کا مالک اور حلال مشکلات سمجھ سکیں؟ بلا شک وشبہ ایسے معبودوں کی عبادت کرنے والے اور خود یہ معبود دونوں ہی ضعیف و بے بس ہیں۔

مذکورہ بالا مثال دینے کے بعد قرآن مجید نتیجتاً یہ کہہ رہا ہے: جس طرح اللہ کو پہچاننے کا حق تھا انہوں نے نہیں پہچانا۔ اللہ کی معرفت کے بارے میں وہ اس قدر پیچھے ہیں کہ اس بار عظمت وجلالت خدا کو اتنا پست کر دیا کہ اتنی بے وقعت چیزوں کو اس کا شریک گر دانا۔ اللہ کی اگر تھوڑی سی بھی معرفت رکھتے تو اس بے حیثیت جوڑ پر شرمندہ ہوتے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنی طاقت وسطوت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: اور اللہ طاقت ور اور صاحب سطوت ہے۔

بلکہ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور اس پورے عالم میں کوئی وجود بھی ایسا نہیں جو اس کے سامنے ٹھہر سکے۔

(۷۵) اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ‌ ۚ	اللہ فرشتوں میں سے پیغمبر منتخب فرماتا ہے اور اسی طرح انسانوں میں سے بھی بیشک اللہ سننے والا، اور دیکھنے والا ہے۔
(۷۶) يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ‌ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ	جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، وہ (سب کو) جانتا ہے اور تمام امور کی بازگشت اللہ کی طرف ہے۔
(۷۷) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ارۡكَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا رَبَّكُمۡ وَافۡعَلُوا الۡخَيۡرَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ السّجدة عندالشافعی	اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ بجالاؤ اور اپنے پالنے والے کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تاکہ نجات پاجاؤ۔

(۷۸)وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۧ	اور راہِ خدا میں ایسا جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہارا انتخاب کیا ہے اور وہ دین میں تم پر مشقت طلب بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ وہی تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اس نے پہلی کتب اور اس کتاب میں تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر، لہٰذا نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کے ساتھ وابستہ رہو کیونکہ وہی تمہارا مولا ہے پس وہ کیسا اچھا مولا اور کتنا عمدہ مددگار ہے۔

شان نزول

ولید بن مغیرہ، جو مشرکین کا دماغ سمجھا جاتا تھا۔ وہ اور اس جیسے بعض دیگر مشرکین، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے مبعوث بر سالت ہونے کے بعد حیرت سے کہا کرتے تھے۔

''کیا ہم سب کو چھوڑ کر (ہم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے یتیم ومفلوک الحال) پر وحی نازل ہوئی ہے''۔

اس تعجب کا جواب بن کر زیر بحث آیت نازل ہوئی (اور انہیں بتایا گیا کہ انبیاء اور فرشتوں کا رسالت کے لئے انتخاب لیاقت وقابلیت اور معنوی معیار کی بنا پر ہوا کرتا ہے۔

تفسیر

پانچ اہم اور تعمیری احکام

گذشتہ آیات توحید، شرک، اور مشرکین کے خیالی اور خودساختہ معبودوں کے بارے میں تھیں اور اس لحاظ سے کہ بعض لوگوں نے فرشتوں اور بعض انبیاء کو بھی معبود بنا لیا تھا۔ زیر بحث آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے آنے والے تمام پیغمبر اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے تھے۔ ''اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول انتخاب کرتا ہے''۔

فرشتوں میں سے رسولوں کی مثال جبرائیل امین کی ہے اور انسانوں میں سے تمام رسول اس کی مثال ہیں۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

یعنی اللہ اپنے رسولوں کی کارکردگی سے بے خبر نہیں بلکہ لحہ لحہ سے مطلع ہے۔

(۷۶) اس کے بعد تبلیغ وترویج رسالت کے سلسلے میں رسول کی ذمہ داریوں اور اللہ کی طرف سے ان کی نگرانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: اللہ اسے بھی جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور اسے بھی جو ان کے پیچھے ہے۔ یعنی اللہ ان کے ماضی اور مستقبل اور ان کے آثار سے پوری طرح آگاہ ہے۔ ''اور تمام کاموں کی انتہا اور بازگشت اللہ کی طرف ہے'' اور سب اس کے سامنے ہی جواب دہ ہیں۔ تاکہ وہ لوگ اچھی طرح جان لیں کہ فرشتے اور پیغمبر بھی بندے ہیں۔ اللہ کے مطیع، فرمانبردار اور اس کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں، ان کے پاس جو کچھ ہے، ان کا اپنا نہیں، بلکہ سب کچھ خدا کا دیا ہوا ہے، اور وہ ہرگز اللہ کے مقابلے میں معبود یا لائق پرستش نہیں ہیں۔

(۷۷) پانچ اہم اور تعمیری احکام اس کے بعد سورۂ حج کی آخری دو آیات میں مومنین کے دینوی واخروی، ہمہ جہتی مفاد کے ضامن بنیادی اور مجموعی احکامات بیان کرتے ہوئے ان سے خطاب کیا جا رہا ہے اور یوں سورہ حج کا ''حسن اختتام'' ہوتا ہے۔ سب سے پہلے چار اہم احکامات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔: اے ایمان والو! رکوع کرو۔ سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اچھے کام کرو تاکہ کامیاب رہو۔

(۷۸) اس کے بعد لفظ ''جہاد'' وسیع معانی میں استعمال کرتے ہوئے پانچواں حکم دیا جاتا ہے۔ ''راہ خدا میں اس قدر جہاد کرو کہ جہاد کا حق ادا ہو جائے۔

راہ خدا میں مجموعی جدوجہد، کوشش اور نیک کام نیز سرکش اور احکام الٰہی کی باغی ہوا و ہوس کو قابو میں رکھنا، یعنی جہاد اکبر اور ظالم و جارح دشمن کا میدان کارزار میں مقابلہ کرنا یعنی ''جہاد اصغر مراد ہے۔

''حق جہاد'' بھی عمومی اور وسیع معنی رکھتا ہے، جس میں، مقدار، تعداد کیفیت، حیثیت اور زمان و مکان اور باقی جہات اور خصوصاً خلوص نیت سب شامل ہے۔

ممکن ہے اس مقام پر یہ خیال پیدا ہو کہ کمزور بندوں کو کس طرح ان بھاری اور سنگین ذمہ داریوں اور احکامات کا حامل قرار دیا گیا ہے، جبکہ ان میں سے ہر ایک ذمہ داری دوسری سے زیادہ وسیع اور جامع ہے، اس کے بعد میں آنے والے جملوں میں مختلف پیرائے میں بتایا گیا ہے۔ کہ مذکورہ بالا ذمہ داریاں بارگاہ احدیت میں مومنین کے مقام ومنزلت اور عظمت وشخصیت کی علامت ہیں اور

اللہ کی طرف سے مومن پر خاص لطف وکرم کا مظہر ہیں۔اس سلسلے میں سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے۔اس نے تمہارا انتخاب کرلیا ہے یعنی اگر تم اللہ کے منتخب کئے ہوئے نہ ہوتے تو یہ سنگین ذمہ داریاں تمہارے کندھوں پر نہ ڈالی جاتیں پھر ارشاد ہوتا ہے اس نے ان کڑی ذمہ داریوں کی انجام دہی کو تمہارے لئے باعث زحمت ومشقت قرار نہیں دیا۔یعنی اگر عقل سلیم سے سوچو تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ذمہ داریاں کڑی اور سخت نہیں ہیں بلکہ تمہاری فطرت سے ہم آہنگ اور تمہارے مزاج اور طبیعت سے مطابقت رکھتی ہیں اصولی طور پر تمہارے ارتقاء وتکامل کا ذریعہ ہیں۔

تیسری بات یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ پروگرام تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اس کے بعد اسی سلسلے میں ایک اور ارشاد ہوتا ہے سابقہ کتب آسمانی اور اس وقت کی آسمانی کتاب (قرآن حکیم) میں اس نے تمہارا نام "مسلمان" رکھا ہے۔اور مسلمان وہ ہے جو تمام احکامات خداوند قدوس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو اپنے لئے ایک بڑا اعزاز تصور کرے۔

پانچواں اور آخری شوق آفریں نکتہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا تعارف تمام امتوں کے لئے ایک نمونہ اور علامت کے طور پر کرایا جا رہا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: مقصد یہ تھا کہ پیغمبر تمہارے گواہ ہیں۔اور تم تمام لوگوں کے گواہ ہو۔

آیت کے آخر میں مذکورہ پانچ ذمے داریوں کو تاکیداً تین جملوں میں مختصر پیرائے میں فرمایا جارہا ہے: اب اگر یوں ہے اور تم اعزازات اور امتیازات کے حامل ہو تو نماز ادا کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور پروردگار عالم کی بے پایاں عنایات کے پرتو میں آئین اسلام سے متمسک رہو۔کیونکہ تمہارا سرپرست اور مددگار وہی ہے۔اور وہ کتنا اچھا سرپرست اور کیسا عمدہ اور باصلاحیت مددگار ہے۔

یعنی اگر تمہیں کہا گیا ہے کہ صرف الطاف وعنایات پروردگار سے وابستہ رہنا بلاوجہ نہیں۔کیونکہ وہ سب سے اعلیٰ، اچھا اور مناسب یاور وناصر ہے۔

سورہ مؤمنون

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی
اس کی ۱۱۸ آیتیں ہیں

سورہ مؤمنون کے مندرجات

اس سورہ کے جملہ مطالب کو چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصہ: پہلی آیت ''قد افلح المؤمنون............'' سے شروع ہو کر بعد کی چند آیتوں تک مومنین کی فلاح و کامیابی کے اسباب چند صفات پر مشتمل ہیں

دوسرا حصہ: اس حصے میں معرفت ذات باری کی مختلف علامتوں اور عالم کائنات میں اللہ کی بہت سی آفاقی اور ذاتی نشانیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

تیسرا حصہ: اس حصے میں عملی جہت کی تکمیل کیلئے چند عظیم پیغمبروں کے کچھ سبق آموز سوانح بیان کیے گئے ہیں۔

چوتھا حصہ: اس حصے میں متکبر اور مغرور طاقتوں سے خطاب کیا گیا ہے منطقی دلائل بلکہ تند و تیز تنبیہوں کے ذریعے انہیں اللہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے تا کہ ''رجوع الی اللہ'' پیدا ہو سکے۔

پانچواں حصہ: اس حصے میں اختصار کے ساتھ معاد اور قیامت کا ذکر ہے

چھٹا حصہ: اس حصے میں کائنات پر اللہ کی حاکمیت اعلی اور ہر جگہ پر اس کے حکم کے اثر و نفوذ کا ذکر کیا گیا ہے۔

ساتواں حصہ: اس حصے میں قیامت حساب کتاب نیک لوگوں کی جزاء اور بداعمالیوں کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے انسان کی غرض خلقت کے بیان کے ساتھ سورہ کا اختتام ہوتا ہے۔

سورہ مؤمنون کی فضیلت

ایک روایت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

''جو شخص سورہ مؤمنون کو پڑھے اور ہر جمعہ برابر پڑھتا رہے اس کا خاتمہ سعادت پر ہوگا اور انبیا و مرسلین کے ساتھ فردوس بریں میں رہے گا''۔

البتہ یہ فضیلت اس تلاوت آیت کے لئے ہے کہ جو تلاوت غور و فکر اور ان پر عمل کرنے کے ساتھ ہوں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔
(۱) قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ	تحقیق مومنین کامیاب ہوئے۔
(۲) الَّذِیۡنَ هُمۡ فِیۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ	وہ جو نماز میں عجز و انکساری کرتے ہیں۔

(۳) وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ	اوروہ جولغویات اور بے ہودگی سے بچتے ہیں۔
(۴)وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ	اور جوزکوۃ دیتے ہیں
(۵) وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ	اوروہ جواپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں،
(۶) اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ	سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے (کیونکہ ان کے سلسلے میں)وہ لائق ملامت نہیں ہیں۔
(۷)فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ	اوراس راستے سے انحراف کرنے والا ہی تجاوز کرنے والا ہے۔
(۸) وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ	اوروہ جوامانتوں اوروعدوں پر پورے اترتے ہیں،
(۹) وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۘ	وہ لوگ جواپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔
(۱۰) اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۙ	(بیشک)وہی وارث ہیں،
(۱۱) الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ۙ	وہ فردوس بریں کے وارث (بھی) ہوں گے اور مدام اسی میں رہیں گے۔

تفسیر

مومنین کے نمایاں اوصاف

مومنین کے اوصاف کے بیان سے ان کی پرکیف اور مایہ ناز زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ دلوں میں اس بلند و بالا مرتبے کو حاصل کرنے کا ذوق وشوق پیدا ہو۔سب سے پہلے فرمایا گیا ہے مومنین کامیاب ہوگئے اور ہر لحاظ سے اپنے مقصد کو پا گئے۔

البتہ فلاح اور کامیابی مادی اور معنوی دونوں پہلوؤں پر محیط ہے اور مومنین کیلئے دونوں جہات مراد ہیں دنیاوی کامرانی و کامیابی یہ ہے کہ انسان آزاد،سربلند،مستحکم اور بے نیاز رہے اور ایمان کے بغیر یہ مقام حاصل نہیں ہوا کرتا۔اخروی کامیابی یہ ہے کہ اللہ کے جوار رحمت میں اچھے ساتھیوں اور ابدی نعمتوں میں باوقار اور سربلند رہے۔

(۲)اس کے بعد مومنین کے اوصاف میں سب سے پہلے نماز کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔وہ ایسے لوگ ہیں جوحالت نماز میں سراپا عجز وانکساری بنے ہوئے ہوتے ہیں۔

مومنین کی نماز بے معنی اور بے روح حرکات وسکنات نہیں۔ بلکہ حالت نماز میں وہ پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ غیر اللہ سے مکمل طور پر منقطع ہوتے ہیں۔اور صرف ذات پروردگار عالم سے رشتہ جوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو حالت نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا: اگر اس کا دل حالت عجز میں ہوتا تو اس کے اعضاء بھی عجز میں ہوتے۔

یہ روایت اس حقیقت پر روشنی ڈال رہی ہے کہ نماز میں خشوع' ایک باطنی کیفیت ہے جو ظاہر پر اثر انداز ہوتی ہے۔

(۳) حالت نماز میں عجز وانکساری کے ذکر کے بعد مومنین کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ نیز وہ ہر قسم کی بے ہودگی سے منہ موڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

دراصل مومنین کی زندگی کی تمام حرکات وجہات' مقصد اور نصب العین کے حصول کیلئے ہیں۔اور مقصد بھی تعمیری اور مفید' کیونکہ لغو کا مطلب بے مقصد یا وہ مقصد جس کا مفید نتیجہ برآمد نہ ہو۔

(۴)۔اس کے بعد مومنین کی تیسری صفت بیان کی گئی ہے جو معاشرتی اور مالی پہلو رکھتی ہے ارشاد ہوتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو زکوۃ دیتے ہیں۔

(۵) مومنین کی چوتھی صفت پاکدامنی عفت اور ہر قسم کے غیر قانونی جنسی اختلاط سے پرہیز ہے ارشاد ہو رہا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہ کو بے حیائی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

(٦) البتہ اپنی بیویوں اور کنیزوں سے جنسی تلذذ حاصل کرتے ہیں اور ایسا کرنے میں وہ کسی طرح بھی قابل ملامت نہیں ہیں۔

(۷) نفسانی خواہشات میں جنسی خواہش' بڑی طاقت ور اور سرکش ہے لہٰذا اس پر قابو پانے کیلئے قوی ایمان اور بلند درجے کے تقوی کی ضرورت ہے اس نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے بعد کی آیت میں ارشاد ہو رہا ہے (جو شخص قانونی تلذذ جنسی) کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرے وہی حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔

''شرمگاہ کی حفاظت'' کی اصطلاح اس حقیقت کو آشکار کر رہی ہے کہ اگر جنسی خواہش کو دبانے کیلئے نفس کی مسلسل اور برابر نگرانی نہ کی جائے تو جنسی بے راہ روی کا زبردست اندیشہ ہے۔

(۸) زیر بحث آٹھویں آیت میں مومنین کی پانچویں اور چھٹی نمایاں صفات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو امانتیں لوٹاتے ہیں۔اور وعدہ وفا کرتے ہیں۔

امانتوں کی حفاظت اور ان کا صحیح وسالم مالک کو لوٹانا اپنے وسیع تر مفہوم میں مومنین کی نمایاں صفت ہے اور اس طرح خالق ومخلوق سے کیے گئے وعدوں کو نبھانا بھی امانت کے وسیع تر مفہوم میں اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی امانتوں میں شامل ہے اسی طرح لوگوں کی امانتیں بھی اس میں آتی ہیں۔ اللہ کی ان گنت نعمتوں میں سے ہر ایک اس کی امانت ہے۔ دین' قانون الٰہی' آسمانی کتابیں دینی راہنماؤں کی ہدایات سب کی سب امانتیں ہیں۔اور اس طرح اولاد' مال ومنصب اور مقام بھی مومنین ساری زندگی ان امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی ادائیگی کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔اور دنیا سے جاتے ہوئے اپنی شریف النفس نسل کے

سپرد کرتے ہیں جسے انہوں نے ان کی حفاظت کیلئے تربیت کیا ہوتا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت و ولایت اہم ترین امانت ہے جسے اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہئے۔ نا اہل افراد تک پہنچنے سے روکنا چاہئے۔

(۹) نویں آیت میں مومنین کی آخری نمایاں صفت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔

توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ مومنین کی پہلی بیان شدہ خصوصیت وصفت نماز میں خضوع وخشوع ہے اور آخری نماز کی حفاظت مختصر یہ کہ مومنین کے اوصاف کی ابتداء بھی نماز ہے اور انتہا بھی نماز کیونکہ نماز خالق ومخلوق کے درمیان بہترین رابطہ ہے کہ اگر نماز تمام آداب وشرائط کے ساتھ ادا کی جائے تو تمام ترنیکیوں اور خوبیوں کیلئے قابل اطمینان وسیلہ بن جاتی ہے۔

(۱۰) مومنین کے نمایاں اوصاف کے بیان کے بعد نتیجتاً بیان کیا جاتا ہے کہ یہی لوگ حقیقی وارث ہیں۔

(۱۱) فردوس لغوی طور پر اس لفظ پر کافی اختلاف پایا جاتا ہے کہ دراصل یہ کس زبان کا لفظ ہے بعض اسے رومی زبان کا لفظ سمجھتے ہیں بعض کے نزدیک یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور بعض کے خیال میں فارسی زبان سے آیا ہے بہر حال اس کا معنی باغ یا ایسا باغ ہے جس میں زندگی کی تمام نعمات خداوندی موجود ہوں۔ یہ ایسی بہشت بریں ہے جو جنت کے بہترین باغوں میں سے ہے۔

بہر حال مندرجہ بالا آیتوں کے مطابق جنت کا یہ عالی شان درجہ ان مومنین کیلئے مخصوص ہے جو مذکورہ اوصاف کے حامل ہوں رہ گئے دوسرے جنتی لوگ تو وہ نچلے درجے میں ہوں گے۔

(۱۲) وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ	ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔
(۱۳) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۖ	پھر ہم نے اسے نطفہ کی صورت میں ایک اطمینان بخش جگہ (رحم) میں رکھا۔
(۱۴) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ	پھر نطفے کو علقہ (جمے ہوئے خون) کی صورت دی اور علقہ کو مضغہ (گوشت کے لوتھڑے جیسی چیز) کی شکل بخشی اور پھر ہم نے اس لوتھڑے کو ہڈیوں کی شکل دی، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ اس کے بعد ہم نے اس کو ایک نئی صورت میں پیدا کیا۔ وہ خدائے عظیم ہے جو خلق کرنیوالوں میں سب سے بہتر ہے۔

(۱۵) ثُمَّ اِنَّکُمۡ بَعۡدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوۡنَ ؕ	پھراس کے بعد تمہیں مرنا ہے۔
(۱۶) ثُمَّ اِنَّکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تُبۡعَثُوۡنَ	پھرروزِ قیامت دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر

رحم مادر میں جنین کے ارتقائی مراحل

زیر بحث اوراس کے بعد آنے والی آیتوں کا ایک حصہ ایمان اور معرفت کے حصول کے بنیادی طریقوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے پہلے انسان کے باطنی اوراندرونی اسرارورموز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اس مقام پرقرآن درحقیقت انسان کوعالم انفس کی سیر کرواتا ہےاوراس کے بعد میں آنے والی آیتوں میں انسان کی توجہ خارجی کائنات کے حیرت انگیز وجودکی طرف دلائی گئی ہے یہ دراصل سیرآفاق ہے سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہےہم نے انسان کومٹی کے جوہرسے پیدا کیا۔

(۱۳)اس کے بعدارشاد ہوتا ہے پھرہم نے اسے پرامن جگہ پربطورنطفہ ٹھہرایا۔

دراصل پہلی آیت عمومی طور پرتمام انسانوں کی خلقت کی ابتداء کی طرف اشارہ کررہی ہےان میں آدم بھی شامل ہیں اوراس کی اولاد بھی اور یہ بتارہی ہے کہ سب مٹی اورگارے سے پیدا کیے گئے ہیں۔ دوسری آیت میں دوام اورافزائش نسل آدم کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ رحم مادر میں نرومادہ کانطفہ کس طرح ترکیب پاتا ہے

رحم مادرکوقرارمکین پرامن قیام گاہ کہہ کرانسانی جسم میں اس کی خاص حیثیت اورمقام کی طرف توجہ دلائی گئی ہےاس میں کوئی شک نہیں کہ رحم انسانی جسم میں ایک محفوظ ترین مقام پر واقع ہےایک طرف سے ریڑھ کی ہڈی کا مضبوط ستون ہے دوسری طرف پینڈے کی مانندکمر کی مضبوط ہڈیاں تیسری طرف سے پیٹ کے تہہ بہ تہہ پردے اور چوتھی طرف بازوؤں کی حفاظت یہ سب اس پرامن قیام گاہ کے واضح مظاہر ہیں

(۱۴)اس کے بعدرحم مادر میں نطفے کے تعجب انگیز اورہوش ربامختلف مراحل اورخلقت کی مختلف صورتیں جوانسان کی دسترس سے باہر یکے بعددیگرے اس پرامن قیام گاہ میں وقوع پذیرہوتی ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے پھرہم نطفے کو جمے ہوئے خون کی شکل میں لے آئے پھرجمے ہوئے خون کو چبائے ہوئے گوشت کی صورت میں تبدیل کردیا گیا پھراس کوہڈی کی شکل دی اورپھرہڈیوں پرگوشت کی تہہ چڑھادی۔

نطفے کے مرحلے سمیت مذکورہ بالا پانچ مراحل تشکیل پاتے ہیں جن میں ہرایک بجائے خودایک حیرت انگیز عالم ہے جو عجائبات کا مجموعہ ہےاورآج کے ترقی یافتہ دورمیں جنین شناس جس پرگہری تحقیق کررہے ہیں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن جس زمانے میں قرآن مجید نے انسانی جنین کی خلقت کے عجوبے کاانکشاف کیا تھااس وقت اس سائنسی ترقی کانام ونشان تک نہ تھا۔

آیت کے آخری حصے میں واقعی اہم ترین مرحلے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے یہ مرحلہ بلاشبہ سربستہ اور معنی خیز ہے پھر ہم نے اس میں ایک نئی خلقت پیدا کر دی۔

وہ خدا جو خلق کرنے والوں میں سے بہترین ہے وہ بہت عظیم ہے۔

بے شک رحم مادر میں تاریکی کے پردوں کے اندر حقیر پانی کے قطرے سے اتنی عمدہ خوبصورت اور عجیب وغریب کمالات کی حامل تصویر بنانے کا بے مثال کمال لائق تحسین وآفرین ہے اس حقیر سے موجود میں اتنی قابلیتیں اور صلاحیتیں بھر دینے والا علم وحکمت کا حامل لائق ستائش وتحسین ہے۔ آفرین اس پر اس کی اس بے نظر خلقت پر

(۱۵) یہ آیت توحید اور مبداء کے بارے میں بات کرتے ہوئے بڑی خوبصورتی لطافت اور سلیقے سے مسئلے کا رخ معاد اور قیامت کی طرف موڑ دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ان تمام عجیب وغریب خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوصف انسان ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا بلکہ ایک وقت آئے گا کہ یہ عجیب عمارت زمین بوس ہو جائے گی اور پھر تم اس زندگی کے بعد سب کے سب مر جاؤ گے۔

(۱۶) لیکن اس تصور کی نفی کیلئے کہ انسان کے مرنے سے تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ چند روزہ عظمت وشوکت کس کام کی بس یہ ایک فضول کھیل ہے فوراً یہ کہا جاتا ہے پھر تم روز قیامت اٹھائے جاؤ گے دوبارہ تمہیں زندگی دی جائے گی البتہ وہ زندگی اعلے درجے کی وسیع تر جہان میں ہوگی۔

(۱۷) وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ٭ۖ وَ مَا کُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِیۡنَ	اور یقیناً ہم نے تمہارے اوپر سات راستے (منزلیں) بنائے ہیں اور ہم (اپنی) مخلوق سے نہ کبھی غافل تھے اور نہ ہیں۔
(۱۸) وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡکَنّٰہُ فِی الۡاَرۡضِ ٭ۖ وَ اِنَّا عَلٰی ذَہَابٍۭ بِہٖ لَقٰدِرُوۡنَ ۚ	اور ہم نے آسمان سے ایک معین مقدار میں پانی اتارا اور اسے زمین میں (مخصوص جگہوں پر) ٹھہرا دیا، اور ہم اسے لے جانے پر مکمل طور پر قادر ہیں۔
(۱۹) فَاَنۡشَاۡنَا لَکُمۡ بِہٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ ۘ لَکُمۡ فِیۡہَا فَوَاکِہُ کَثِیۡرَۃٌ وَّ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ۙ	پھر اسی کے ذریعے ہم نے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ اگائے اور ان باغوں میں تمہارے لئے بہت زیادہ پھل ہیں کہ جن میں سے تم کھاتے ہو۔
(۲۰) وَ شَجَرَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَیۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّہۡنِ وَ صِبۡغٍ لِّلۡاٰکِلِیۡنَ	اور (زیتون کا) وہ درخت جو طور سینا سے اُگتا ہے، اس میں روغنیات بھی ہیں اور کھانے والوں کیلئے سالن بھی فراہم ہوتا ہے۔

(۲۱) وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ	اور تمہارے لئے چوپایوں میں ایک سبق ہے۔ان کے پیٹ میں (دودھ کی صورت میں) جو کچھ ہے اس سے ہم تمہیں سیراب کرتے ہیں۔ان میں تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں اور ان کا گوشت بھی تم کھاتے ہو۔
(۲۲)وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۠	نیز تم ان پر اور کشتیوں پر سواری کرتے ہو۔

تفسیر

توحید کی نشانیوں کا ایک بار پھر تذکرہ

گذشتہ آیتوں میں اللہ کی قدرت وعظمت کی وہ نشانیاں جو خود ہمارے جسموں میں موجود ہیں کا تذکرہ کیا گیا زیر بحث آیتوں میں انسان سے باہر کی کائنات میں اللہ کی نشانیوں میں سے زمین وآسمان میں اس کی عظمت قدرت کے مظاہر کا تذکرہ ہے۔

سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے ہیں۔

شاید یہ فرشتوں کی آمدورفت کے راستوں کا ذکر ہو یا ستاروں اور سیاروں کے مداروں کا ذکر ہو۔سات آسمان کے بارے میں ہم بہت کچھ بیان کر چکے ہیں یہاں صرف اشارہ عرض ہے کہ اگر سات کے عدد کو تکثیر کے معنی میں لیں تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تمہارے اوپر بہت سے کرات سماوی اجرام فلکی، عوالم، ستارے اور سیارے ہیں۔

مختلف کہکشاؤں اور عوالم کی کثرت وسعت سے شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ ان کا پیدا کرنے والا کہیں ان سے غافل نہ ہو جائے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے آیت کے آخری حصے میں ارشاد ہوتا ہے ہم اپنی پیدا کردہ خلقت سے غافل نہ تھے اور نہ ہیں۔

(۱۸) یہ آیت زمین وآسمان کی ان گنت برکتوں اور نعمتوں اور اللہ کی قدرت کاملہ کے لاتعداد مظاہر میں سے ایک مظہر بارش کے بارے میں کہہ رہی ہے ہم نے آسمان سے ایک معین مقدار میں پانی اتارا۔

نہ اتنی زیادہ بارش کہ بہالے جانے والا سیلاب بن جائے اور نہ اتنی کم کہ نباتات وحیوانات کی پیاس بھی نہ بجھے اس میں شک نہیں کہ

ہم جانتے ہیں کہ زمین نے دو بالکل مختلف طبقوں سے تشکیل پائی ہے ایک پانی کو اپنے اندر جذب کرنے والا اور دوسرا جذب نہ کرنے والا لیکن احسان کرنے والا عظیم اللہ جس نے زمین کی سطح کے اوپر کے حصے کو جاذب آب اور نچلے حصے کو غیر جاذب بنایا تاکہ سطح زمین سے پانی تو نیچے چلا جائے مگر اتھاہ گہرائیوں میں گم ہونے کی بجائے ایک خاص گہرائی تک جا کر غیر جاذب سطح پر رک کر

اکٹھا ہو جائے تا کہ بعد میں کنوؤں اور چشموں اور ٹیوب ویلوں کی صورت میں فضا کو مکدر کیے بغیر انسان کیلئے قابل استفادہ بن سکے۔

(۱۹) اسکے بعد بارش کے بابرکت اثرات اور اس سے ہونے والی پیداوار کی طرف اشارہ ہورہا ہے اور اس کے ذریعے ہم نے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ اگا دیئے جن میں تمہارے کھانے کیلئے ڈھیر سارے پھل موجود ہیں۔

بارش سے پیدا ہونیوالے پھل صرف کھجور اور انگور ہی تو نہیں ہیں بلکہ طرح طرح کے ان گنت پھل ہیں اور دیگر پیداوار بھی ہے آیت میں صرف ان دو کا ذکر مجموعی پیداوار میں سے عمدہ اور اعلی ہونے کی بناء پر کیا گیا ہے

(۲۰) اس کے بعد بارش کے پانی سے نمو پانے والے ایک اور بابرکت درخت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ کھجور انگور اور دیگر پھلوں کے درختوں کے علاوہ طور سینا سے اگنے والا ایک اور درخت بھی ہے جس سے تیل اور سالن کھانے والوں کو حاصل ہوتا ہے۔

(۲۱) نباتاتی نعمتوں کے بعد بارش کے پانی سے پلنے والی حیواناتی نعمتوں کے ایک اہم حصے کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

چوپایوں میں تمہارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے اس سے ہم تمہیں سیراب کرتے ہیں۔

بے شک خون اور اسی طرح کی کئی ایک غلاظتوں میں سے دودھ جیسی مزیدار، مقوی اور مکمل غذا نکالی جاتی ہے تا کہ انسان سمجھ سکے کہ اللہ آلودہ چیزوں میں سے پاک اور مزیدار چیز نکالنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہا جارہا ہے کہ جانوروں سے متعلق سبق آموز امور کی برکتیں اور نعمتیں صرف دودھ تک ہی محدود نہیں بلکہ ان میں تمہارے لئے اور بھی فائدے ہیں اور تم ان کا گوشت کھاتے ہو۔

(۲۲) ان سب سے قطع نظر سواری کیلئے خشکی میں چوپایوں کو اور دریاؤں میں کشتی کو استعمال کرتے ہو اور اپنی منزلوں تک پہنچتے ہو۔

جانوروں کی انواع، خواص اور فوائد واقعی سرمایہ غور وفکر ہیں ایک طرف یہ انسان کو ان نعمتوں کے پیدا کرنے والے کی معرفت دلاتے ہیں اور دوسری طرف اس کو شکر گزاری کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں۔

(۲۳) وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی اور معبود نہیں۔ کیا تم (پھر بھی بتوں کی پرستش سے) پرہیز نہیں کرتے؟

(۲۴) فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ	ان کی قوم کے سردار (اور مغرور لوگ) کہ جو کافر تھے، کہنے لگے: کہ یہ شخص تمہاری ہی طرح کا بشر ہے اور یہ تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ نبی بھیجنا چاہتا تو فرشتے نازل کرتا۔ہم نے اپنے آباء واجداد سے اس قسم کی کوئی بات کبھی نہیں سنی
(۲۵) اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ	یہ آدمی تو بس ایک طرح کے جنون میں مبتلا ہے۔پس کچھ عرصہ اس کے بارے میں صبر کرو۔

تفسیر

کوردل مغروروں کی منطق

گذشتہ آیتوں میں توحید معرفت پروردگار اور عالم خلقت میں اس کی عظمت کے دلائل کے بارے میں گفتگو تھی اسی مطلب کو عظیم انبیاءؑ کی زبانی اور ان کی تاریخ کے حوالے زیر بحث لایا گیا ہے آئیندہ کی آیات میں بھی یہی سلسلہ کلام جاری ہے۔

سب سے پہلے اولوالعزم پیغمبر حضرت نوحؑ جو توحید کے داعی اور اس کی تبلیغ وترویج کرنے والے ہیں سے ابتداء کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا میری قوم! خدائے واحد کی عبادت کرو کہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔

کیا اس واضح بیان کے باوجود تم بتوں کی پرستش سے پرہیز نہیں کرتے۔

(۲۴) اس پر ان کی قوم کے دولت مند مالدار اور مغرور افراد جو صرف ظاہر بین اور کور باطن تھے کہنے لگے یہ تمہاری طرح کا ایک عام آدمی ہے جو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسی جذبے کے تحت یہ تم پر مسلط ہونا چاہتا ہے۔

اور یوں ان کا انسان ہونا انہیں حضرت نوحؑ کا پہلا عیب نظر آیا اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے ان پر الزام لگایا کہ یہ ہوس اقتدار میں مبتلا ہے اور اس مقصد کو پانے کیلئے اس نے توحید دین اور تبلیغ کرنے کا ڈھونگ رچایا ہے انہوں نے یہ کہا اگر اللہ کوئی رسول بھیجتا بھی یقیناً اس مقصد کیلئے فرشتے بھیجتا۔

اس مہمل اور فضول منطق کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی کہ ہم نے اپنے آباء واجداد سے کبھی یہ نہیں سنا کہ ایک انسان نبوت کا دعوے کرے یا اپنے آپ کو اللہ کا نمائندہ سمجھے۔

(۲۵) لیکن ان بے بنیاد باتوں نے عظیم پیغمبرﷺ کے پائے استقلال میں کوئی تزلزل پیدا نہ کیا اورانہوں نے پورے زور وشور سے اپنی دعوت جاری رکھی اوران کے کسی کام میں بڑا بننے اور خواہش اقتدار کی کوئی علامت نہ تھی۔

چنانچہ انہوں نے ان پر پاگل پن اور دیوانگی کا ایک اورالزام لگایا یہ وہ الزام ہے جو تاریخ انبیاء میں اکثر پیغمبروں پر لگایا جاتا رہا ہے وہ کہنے لگے وہ تو ایک پاگل اور دیوانہ آدمی ہے لہٰذا اس وقت تک تمہیں صبر کرنا چاہیئے کہ اسے موت آجائے یا اس مرض سے شفا پالے۔

(۲۶) قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ	(نوح نے کہا) پالنے والے! مجھے جھٹلانیوالوں کے خلاف میری مدد فرما۔
(۲۷) فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ	پس ہم نے (نوح کو) وحی کی کہ ہماری نگرانی میں اور ہمارے فرمان کے مطابق کشتی بنا۔ پس جب (انکو غرق کرنے کیلئے) ہمارا حکم آئے اور تنور سے پانی اُبلنے لگے (جو طوفان آپہنچنے کی نشانی ہوگی) تو تمام جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں بٹھالے اوراپنے گھر والوں کو بھی بٹھالے، سوائے ان کے جن کی ہلاکت کا پہلے ہی سے حکم جاری کردیا گیا ہے (یعنی بیوی ناخلف بیٹا) اوران ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا کیونکہ انہیں ہلاک ہی ہونا ہے۔
(۲۸) فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ	اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں ٹھیک سے بیٹھ جائیں تو کہنا: تعریف کے لائق وہی ذات ہے جس نے ہمیں ظالموں سے نجات بخشی۔
(۲۹) وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ	اور کہنا: پالنے والے! ہمیں بابرکت جگہ پر پار لگا کہ تو بہترین پار لگانے والا ہے۔

(بیشک) اس (واقعہ) میں عقل و فکر رکھنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں اور ہم یقیناً سب کی آزمائش کرینگے۔	(۳۰)اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنۡ کُنَّا لَمُبۡتَلِیۡنَ

تفسیر

ایک باغی قوم کا انجام

گذشتہ آیتوں میں دشمنوں کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام پر لگائے جانے والے چند بے بنیاد الزامات کا تذکرہ کیا گیا۔ قرآن مجید کی دیگر آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سرکش قوم کی طرف سے دی جانے والی اذیتیں یہی نہیں تھیں بلکہ وہ جس طرح سے بھی آپ علیہ السلام کو تنگ کر سکتے تھے انہوں نے کیا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی تمام تر ممکنہ کوششوں کے ساتھ انہیں شرک کفر اور گمراہی سے نکالنا چاہا لیکن جب سوائے معدودے چند افراد کے ان پر کوئی ایمان نہ لایا تو آپ علیہ السلام مایوس ہو گئے اور اللہ سے مدد چاہی اس مرحلے کا ذکر زیر بحث پہلی آیت میں کیا جا رہا ہے۔

اس نے عرض کیا پالنے والے! مجھے جھٹلانے والوں کے خلاف میری مدد فرما۔

(۲۷) اللہ کا حکم آ پہنچا حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے چند ساتھیوں کو نجات ملی اور ہٹ دھرم کافروں اور مشرکوں کی سزا کیلئے حالات پیدا ہو گئے ہم نے نوح علیہ السلام کو وحی کی کہ ہماری ہدایات کے مطابق اور ہماری نگرانی میں کشتی بنا۔

باعیننا یعنی ہماری نظروں کے سامنے اس کا یہ مفہوم ہے کہ تمہاری تمام تر کارکردگی ہمارے سامنے ہے اور تمہیں ہماری پوری تائید حاصل ہے اس کے بعد ارشاد ہوا: اور جب ہمارا فرمان پہنچے اور اس کی نشانی یہ ہے کہ تنور سے پانی ابلنے لگے گا سمجھ لینا کہ طوفان کا وقت آ گیا ہے تو فوراً ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں بٹھا لینا۔

اپنے اہل خانہ اور دوستوں میں سے صاحبان ایمان کو بھی بٹھا لینا مگر ان کو نہ بٹھانا جن کی ہلاکت کا پہلے سے فیصلہ کر لیا گیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹے کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد یہ کہا جا رہا ہے اور ان ظالموں کہ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور دوسروں پر بھی ظلم کیا کے بارے میں کوئی سفارش نہ کرنا کیونکہ وہ سب کے سب غرق ہو کے رہیں گے اور اس میں کہنے سننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۲۸) اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے جس وقت تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں ٹھیک سے بیٹھ جاؤ تو اس نعمت عظمیٰ پر اللہ کی حمد و ثناء کرو اور کہو کہ تعریف ہے اس خدا کی جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی۔

(۲۹) ظالموں سے نجات جیسی عظیم نعمت پانے پر اللہ کی حمد بجا لانے کے بعد یوں دعا کرو اور کہو! پالنے والے مجھے بابرکت جگہ پر پار لگانا کہ تو بہترین پار لگانے والا ہے۔

(۳۰) زیر نظر آخری آیت میں مجموعی طور پر پورے واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے نوح علیہ السلام اور ان کی

کامیابی اور ظالم اور باغی قوم کو ان کی بداعمالیوں کی سخت سزاء کے اس سارے واقعے میں صاحبان عقل وفکر کیلئے عبرت وسبق کی نشانیاں موجود ہیں۔اور یقیناً ہم سب کی آزمائش کریں گے۔

(۳۱) ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۚ	پھران کے بعد ہم نے ایک اور قوم کو پیدا کر دیا۔
(۳۲) فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۧ	اور ہم نے انہی میں سے ایک رسول ان کی طرف بھیجا کہ خدائے یکتا کی عبادت کرو، اسکے علاوہ کوئی اور تمہارا معبود نہیں۔کیا (اسکے باوجود شرک وبت پرستی سے) تم پرہیز نہیں کرتے؟
(۳۳) وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۖ	اس کی قوم کے وہ بڑے لوگ جو کافر ہو گئے اور جنہوں نے لقائے آخرت کو جھٹلایا تھا اور جنہیں ہم نے دنیا میں نعمتوں سے نوازا تھا، بولے: یہ تو تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہے جو تمہاری ہی طرح کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے۔
(۳۴) وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ	اور اگر اپنی ہی طرح کے ایک بشر کی اطاعت کرو گے تو گھاٹے میں رہو گے۔
(۳۵) اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۖ	کیا تم سے وہ یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جاؤ گے تو دوبارہ قبروں سے نکلو گے؟
(۳۶) هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۖ	بہت بعید اور بہت بعید ہیں وہ وعدے کہ جو تم سے کیے جا رہے ہیں۔
(۳۷) اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۖ	زندگی بس اسی دنیا ہی کی ہے۔ہمیشہ یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ کچھ لوگ مر جاتے ہیں اور دوسرے ان کی جگہ لے لیتے ہیں ہم ہرگز دوبارہ اٹھائے نہیں جائینگے۔

(۳۸) اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِيۡنَ	یہ محض ایک جھوٹا شخص ہے جس نے اللہ پر بہتان باندھا ہے ہم اس پر کبھی ایمان نہ لائیں گے۔
(۳۹) قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ	اس نے (رسول) نے عرض کیا: پالنے والے! ان کی طرف سے جھٹلانے کے خلاف میری مدد فرما۔
(۴۰) قَالَ عَمَّا قَلِيۡلٍ لَّيُصۡبِحُنَّ نٰدِمِيۡنَ‌ۚ	اللہ نے فرمایا: بہت جلد وہ اپنے کیے پر پچھتائیں گے۔
(۴۱) فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَـقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً‌ ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ	پس بجا طور پر آسمانی بجلی نے انہیں آ لیا۔ اور ہم نے انہیں سیلاب کے سامنے خاشاک کی مانند کر دیا۔ دور ہوائے ظالم قوم! رحمتِ خدا سے۔

تفسیر

قوم ثمود کا عبرت ناک انجام

یہاں یہ آیات حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والی دیگر اقوام اور ان کے نظریات جو سابق کفار سے ہم آہنگ تھے ان کا تذکرہ کر رہی ہیں اس طرح ان کے دردناک انجام کا ذکر کرتی ہیں۔

گذشتہ آیتوں میں کی گئی بحث کی تکمیل کر رہی ہیں سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے ان کے بعد ہم نے ایک اور گروہ کو پیدا کیا اور ایک دوسری قوم معرض وجود میں آ گئی۔

(۳۲) چونکہ انسان کسی منصوص من اللہ رہبر و قائد کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اللہ نے توحید کی دعوت دینے اور آئین حق کی تبلیغ کے لئے ایک پیغمبر کو ان کی طرف بھیجا تا کہ ان کو کہے کہ اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں۔

یہ وہی دعوت ہے جو انبیاء کے مشن کا سنگ بنیاد ہے یہ توحید کی آواز تھی جو انفرادی اور اجتماعی تمام بھلائیوں کی اساس ہے اس کے بعد اللہ کا نمائندہ تاکید مزید کے طور پر کہتا ہے کیا اس واضح دعوت توحید کے بعد بھی تم شرک و بت پرستی سے پرہیز نہیں کرو گے۔

یہ قوم ثمود ہے جو حجاز کے شمال میں آباد تھی۔ اللہ کے عظیم نبی حضرت صالح ان کی طرف مبعوث برسالت ہوئے مگر قوم نے انکار کیا نافرمانی اور سرکشی کی آخر کار دل دہلا دینے والی ایک صیحہ آسمانی ہولناک بجلی گری اور وہ سب نیست و نابود ہو گئے

(۳۳) بہر حال ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ اس عظیم پیغمبر کی دعوت توحید کے جواب میں سرکش قوم کا ردعمل کیا تھا قرآن مجید کے بقول وڈیروں کے اس خود پسند طبقے نے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا کہ آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا۔ حالانکہ ہم نے انہیں دنیا کی

بہت سی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا تھا وہ کہنے لگے:

''یہ تمہاری ہی طرح کا انسان ہے جو تم کھاتے ہو، یہ بھی کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے''۔

بے شک وہ اشراف کا خوشحال طبقہ جو قرآن مجید کی اصطلاح میں ملا ہے یہ طبقہ صرف ظاہر بین تھا اور کور باطن تھا وہ اس عظیم پیغمبر کے مشن کو اپنے مفاد کا مخالف ناجائز منافع خوری استحصال اور بے جا بالا دستی سے متصادم دیکھ رہا تھا۔ یہ طبقہ اپنی پر تعیش زندگی کی وجہ سے اللہ سے کوسوں دور چلا گیا تھا اور آخرت کا منکر تھا۔

(۳۴) مزید برآں وہ ایک دوسرے سے کہتے اگر تم اپنے ہی جیسے آدمی کے مطیع بنو گے تو یہ بڑی نقصان دہ بات ہوگی۔

(۳۵) اس کے بعد انہوں نے معاد اور قیامت کا انکار کیا جس کو ماننا ہمیشہ سے خودسر اور ہوا و ہوس کے رہبر لوگوں کے لیے مشکل رہا ہے اور کہا کیا یہ شخص تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ مرنے کے بعد مٹی اور بوسیدہ ہڈی ہو جانے کے بعد تم ایک بار پھر قبروں سے نکلو گے اور ایک نئی زندگی پاؤ گے۔

(۳۶) بہت دور اور بہت دور کی بات ہے وہ وعدے جو تم سے کئے گئے بالکل بے بنیاد اور کھوکھلے ہیں۔ مجموعی طور پر کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی جو مر گیا ہو۔ مٹی کے ساتھ مٹی ہو گیا ہو اس کے اجزا بالکل بکھر گئے ہو وہ دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے؟ نہیں یہ محال ہے یہ محال بات ہے

(۳۷) مزید برآں معاد کے انکار پر تاکید مزید کے طور پر انہوں نے یہ بھی کہا: زندگی صرف یہی دنیاوی زندگی ہی تو ہے ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ ایک گروہ مر جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے لہٰذا موت کے بعد کچھ بھی نہیں ہے اور ہم ہرگز قبروں سے نہیں اٹھیں گے۔

(۳۸) آخر میں اپنے نبی پر ایک مجموعی الزام لگاتے ہوئے انہوں نے کہا یہ ایک جھوٹا شخص ہے جس نے اللہ پر بہتان باندھا ہے اور ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

(۳۹) یوں ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی حد سے بڑھ گئی شرم و حیاء کی تمام حدود پھلانگ گئے اور اپنے نبی کے معجزات پیغام اور انسان ساز دعوت کے انکار میں آخری حد تک چلے گئے بالفاظ دیگر ان سب پر جب حجت تمام ہو گئی تو اس عظیم پیغمبر نے اللہ سے فریاد کی پالنے والے ان کی طرف سے جھٹلائے جانے کے خلاف میری مدد فرما۔

انہوں نے مجھ پر ہر الزام لگایا اور میرے خلاف جو بھی کر سکتے تھے کر گزرے۔ تو ہی میری مدد کر سکتا ہے اور میں تجھ سے ہی خواستگار ہوں کہ میری مدد فرما۔

(۴۰) اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا بہت جلد یہ اپنے کئے پر پچھتائیں گے اور جو انہوں نے بویا ہے ضرور کاٹیں گے۔

مگر وہ اس وقت پشیمان ہونگے جب وقت گذر چکا ہوگا اور وہ ایسی جگہ پہنچ چکے ہوں گے جہاں سے واپسی ممکن ہی نہیں اور نہ ہی ان کا پچھتاوا ان کو کوئی فائدہ دے گا

(۴۱) چنانچہ ایسا ہی ہوا اچانک بجا طور پر ایک اندوہناک صیحہ آسمانی نے انہیں آلیا۔

دل دھلا دینے والی مہیب آواز کے ساتھ دہشت ناک بجلی کوندی اور زبردست دھما کہ ہوا ہر جگہ تہ و بالا ہوگئی سب کچھ درہم برہم ہوگیا اور ان کے مردہ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے ان کی بربادی کچھ ایسی صورت کے ساتھ ہوئی کہ ان کو اپنے گھروں سے بھاگ نکلنے کا موقع بھی نہ ملا اور وہ گھروں میں ہی دب کے رہ گئے اور آیت کے آخری حصے میں اس کا خوب نقشہ کھینچا گیا ہے ہم نے ان کو اس طرح کچل کے رکھ دیا جس طرح سیل وتندرو کے سامنے بھوسے کے ایک تنکے کی حالت ہوتی ہے۔ اور اے ظالم قوم رحمت خدا سے دور ہو۔

دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ آیت کے آخری حصے میں مسئلے کو خصوصی کیفیت سے نکل کر ایک عمومی شکل دی گئی ہے۔ یعنی ایک قاعدہ کلیہ بتایا گیا ہے کہ ظالم لوگ رحمتِ پروردگار سے دور ہیں دراصل یہ ان آیات میں بیان شدہ کفر تکذیب اور معیار و قیامت سے انکار اور نافرمان قوم کے عبرتناک انجام سارے واقعے کا آخری اور حتمی نتیجہ ہے۔ جو کسی خاص امت اور گروہ سے خصوصیت نہیں رکھتا۔ بلکہ تمام نافرمان لوگ اس میں شامل ہیں۔

(۴۲) ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِيۡنَ ؕ	پھر ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں۔
(۴۳) مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ؕ	کوئی قوم وقت سے پہلے اپنے انجام کو نہیں پہنچتی اور نہ ہی وقت آنے پر اس میں تاخیر ہوسکتی ہے۔
(۴۴) ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا وَّ جَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ	پھر ہم نے یکے بعد دیگرے بہت سے پیغمبر بھیجے۔ جب کسی امت (کی ہدایت کیلئے) اسکے پاس نبی بھیجا گیا تو اس کو جھٹلایا گیا۔ پس ہم نے بھی ایک ایک کر کے سب کو ہلاک کر دیا اور ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور وہ (امتیں اس طرح مٹ گئیں کہ صرف نام باقی رہ) گیا پس دور ہو رحمت خدا، سے اے بے ایمان قوم!

تفسیر

سرکش اقوام کی یکے بعد دیگرے ہلاکت

زیر بحث آیت میں قرآن مجید قوم ثمود کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے آنے والی اقوام کا ذکر رہا ہے ارشاد ہوتا ہے ان کے بعد پھر ہم نے دوسری قومیں پیدا کر دیں۔

کیونکہ اللہ کا طریقہ کار یہ ہے کہ اپنے فیوض و برکات منقطع نہیں کرتا بلکہ اگر ایک قوم انسان کے ارتقاء وتکامل کی راہ میں حائل ہوتو اسے ہٹا کر اس کی جگہ دوسری قوم کو لے آتا ہے اور یونہی انسانیت کا قافلہ سوئے منزل بڑھتا رہتا ہے۔

(۴۳) البتہ یہ مختلف قومیں اپنے دور اور معین مدت کیلئے برسر عمل رہیں اور کسی قوم کا اختتام اپنے معینہ وقت سے نہ پہلے ہوتا ہے اور نہ اس میں تاخیر کی جاتی ہے۔

جب کسی قوم کے اختتام کا پروانہ صادر کر دیا جاتا ہے تو اس خاص معینہ وقت پر وہ قوم ہلاک ہو جاتی نہ ایک لمحہ پہلے نہ بعد۔

(۴۴) یہ آیت اس حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ انسانی تاریخ میں انبیاء کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا ارشاد ہوتا ہے ہم نے یکے بعد دیگرے لگاتار انبیاء بھیجے۔

بہر حال آسمانی راہبر ہدایت کیلئے آتے تھے مگر نافرمان اور خودسر اقوام جوں کی توں کفر اور الحاد پر ڈٹی رہتی تھیں اس طرح سے کہ جب کوئی رسول کسی امت کے پاس آتا تو امت اسے جھٹلاتی۔

اور جب ان کی سرکشی اور جھٹلانا حد سے بڑھ جاتا اور ہمارے رسول کی طرف سے ہر طرح سے اتمام حجت ہو جاتی۔ تو ہم اس امت کو نابود کر دیتے اس طرح ہم نے کئی قومیں یکے بعد دیگرے صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ یہ سب اس لئے کیا گیا تاکہ بعد والے لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور عبرت بن جائیں۔ اور لوگ اس قسم کے اعمال انجام دینے سے پہلے ایک نظر نابود ہو جانے والی قوموں کی سرگزشت پر ڈالیں۔

قومیں تو مٹ گئیں البتہ قصے اور کہانیاں باقی رہ گئیں بے شک ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا۔

آیت کے آخر حصے میں گذشتہ آیت کی طرف ارشاد ہوتا ہے دور ہو بے ایمان قوم! رحمت خدا سے۔

یہی نہیں کہ اس قسم کے لوگ صرف دنیا ہی میں رحمت پروردگار سے محروم ہیں بلکہ آخرت میں بھی اللہ کے لطف وکرم اور مہربانیوں سے محروم رہیں گے۔

(۴۵) ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ ۙ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۙ	پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور روشن دلائل دیکر۔
(۴۶) اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَ کَانُوۡا قَوۡمًا عَالِیۡنَ ۚ	فرعون اور اس کے حامی اشراف کی طرف (بھیجا) مگر انہوں نے تکبر کیا اور وہ بڑائی کے خواہاں تھے۔
(۴۷) فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا وَ قَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ۚ	پس انہوں نے کہا: کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان کی قوم (بنی اسرائیل) ہماری عبادت کرتی ہے (اور ہماری غلام ہے)۔

(۴۸) فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ	(بیشک) انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا اور آخر کار وہ سب ہلاک کر دیئے گئے۔
(۴۹) وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ	ہم نے موسیٰ کو کتاب دی کہ شاید وہ (بنی اسرائیل) ہدایت پا لیں۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام اور فرعونیوں کی تباہی

اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر سے پہلے کی امتوں کے بارے میں بیان کیا جا رہا تھا زیر بحث آیتوں میں نہایت اختصار کے ساتھ فرعونیوں کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے قیام اور مغرور قوم کے انجام کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی واضح نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا۔

آیات سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام بن عمران کو دیئے جبکہ سلطان مبین سے سے مراد فرعونیوں کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دندان شکن منطقی دلائل ہیں۔

(۴۶) بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون کو فرعون اور اس کے مغرور وڈیرے حامیوں کی طرف اپنی نشانیوں اور سلطان مبین کے ساتھ بھیجا۔

توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے مصاحب سرداروں کی طرف بھیجا یعنی خوشحال اور مراعات یافتہ طبقے کا ذکر ہے دراصل آیت یہ بتانا چاہتی ہے کہ جب تک کسی ملک کے سرمایہ دار اور جاگیردار طبقہ کی اصلاح نہ ہو کچھ نہیں ہوسکتا لیکن فرعون اور اس کے مصاحبوں نے تکبر و غرور کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ کی قوت کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا۔

اور بنیادی طور پر وہ بڑائی کے خواہاں تھے۔

(۴۷) ان کے تکبر اور غرور کی روشن نشانی ان کا کہا ہوا اگلا جملہ ہے وہ بولے کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔

(۴۸) بہر حال ان مہمل اور بے ہودہ دلائل کا سہارا لے کر انہوں نے حق کی مخالفت کی اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو جھٹلایا اور ہلاک ہونے والوں میں سے قرار پائے۔

(۴۹) اور یوں آخر کار بنی اسرائیل کے اصلی دشمن جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون کی دعوت میں سد راہ تھے، تباہ ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل کی ہدایات اور تعلیم و تربیت کا زمانہ آ گیا۔

اس موقع پر اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی اور بنی اسرائیل کو خدائی لائحہ عمل پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی چنانچہ آخری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آسمانی کتاب دی تاکہ اس کے ذریعے بنی اسرائیل ہدایت پائیں۔

(۵۰)وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ	ہم نے عیسی ابن مریم اور ان کی والدہ مریم کو اپنی نشانی قرار دیا اور ہم نے انہیں ایک بلند و بالا، پرسکون اور چشموں والے علاقے میں جگہ عنایت فرمائی۔

تفسیر

اللہ کی ایک اور نشانی

انبیاء کے حالات کی تفصیل کے آخری حصے میں مختصر سا اشارہ حضرت عیسی اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

ہم نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کو اپنی عظمت وقدرت کی نشانی قرار دیا۔

اس کے بعد ان کو عطاء کی گئی چند عظیم نعمتوں اور آسائشوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ہم نے ان دونوں کو ایک بلند پرسکون اور جاری پانی والی جگہ دی۔

مذکورہ بالا جملے سے مراد بیت المقدس کے گردونواح میں وہ جنگل ہو جہاں آپ علیہ السلام کی ولادت ہوئی جہاں ماں بیٹے کیلئے خوشگوار پانی جاری کیا گیا اور تازہ کھجوروں سے ان کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا اور اس جگہ کو ان کیلئے ہر طرح سے محفوظ بھی بنایا گیا۔

بہرحال یہ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ اپنے پیغمبروں اور ان کے اصحاب وانصار کا ہمیشہ حامی وناصر رہا ہے۔

(۵۱) يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ	اے رسولو! پاک و پاکیزہ غذا کھاؤ، اچھے کام کرو کیونکہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو میں اس سے پوری طرح واقف ہوں۔
(۵۲)وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ	تم سب ایک ہی امت ہو اور میں تمہارا پالنے والا ہوں۔ پس میری نافرمانی سے بچو۔

(۵۳) فَتَقَطَّعُوٓا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ	پھرلوگوں نے اپنے کام میں اختلاف کرکے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہرکوئی الگ ڈگر پر چل نکلا (تعجب کی بات ہے) ہرکوئی اپنی روش پر خوش ہے۔
(۵۴) فَذَرۡهُمۡ فِىۡ غَمۡرَتِهِمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ	انکوان کی غفلت اور جہالت میں رہنے دے یہاں تک کہ انہیں موت آجائے (یا وہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوجائیں)۔

تفسیر

سب ایک امت ہیں

گذشتہ آیتوں میں انبیاءاوران کی امتوں کی بات چل رہی تھی زیر بحث پہلی آیت میں ان سب سے اس طرح خطاب ہوتا ہےاے پیغمبرو! پاک وپاکیزہ غذا کھاؤاوراچھےاچھے کام کرو کیونکہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو میں پوری طرح سے باخبر ہوں۔

اس طرح اس آیہ مجیدہ میں اعمال صالح کے لئے تین موثر عوامل کا ذکر کیا گیا ہے۔

1۔ پاکیزہ غذا کا دل کےصدق وصفا پراثر کےلحاظ سے۔

2۔اس نعمت کے ذریعے انسان میں احساس شکرگزاری کی بیداری کےلحاظ سے۔

3۔اللہ کے ہمارے اعمال وکردار پرشاہدوناظر ہونے کےلحاظ سے۔

(۵۲)اس آیت انبیاءاوران کے پیروکاروں کوتوحیدوتقوی کی دعوت دیتے ہوئے کہتی ہےتم سب ایک ہی امت ہواور تمہارے درمیان اورتمہارےانبیاء کے درمیان موجودفرق ہرگزعلیحدگی اورعدم یگانگی کی دلیل نہیں۔

اور میں تمہارارب ہوں پس میری مخالفت سے پرہیز کرو۔

اس طرح گویا یہ آیت انسانی معاشرےکووحدت کی اور ہرقسم کے انتشارو پراگندگی کے خاتمے کی دعوت دیتی ہے جیسے وہ ایک اکیلا پروردگار ہےانسان بھی ایک ہی امت ہیں لہٰذا انہیں ایک پروگرام اور نظام کے تحت یکجا ہوجانا چاہئے۔اسی طرح جیسے ان کےانبیاءایک ہی دین وآئین کی طرف دعوت دیتے ہیں

(۵۳)یہ آیت انسانوں کوانتشار و پراگندگی سے ان الفاظ میں ڈراتی ہےلیکن لوگوں نے اپنے کاموں میں انتشار و اختلاف پیدا کر دیا اور ہرگروہ اپنی الگ ڈگر پر چل نکلا۔

اورتعجب کی بات یہ ہے کہ ان میں سے ہرگروہ اپنی اپنی حالت پرخوش ہےاوردوسروں سے بیزار ہے۔

یہ آیت ایک اہم نفسیاتی اوراجتماعی حقیقت کوبیان کرتی ہےاوروہ ہےمختلف گروہوں اور جماعتوں کا جاہلانہ تعصب ہرگروہ

نے اپنی ہی ایک ڈگر اپنا رکھی ہے اور اپنا ہی ایک دین بنا رکھا ہے اور ہر دوسری بات کیلئے اپنی فکر کے دریچے بند کر لئے ہیں وہ تیار نہیں کہ کوئی تازہ روشنی ان کی فکر کو روشن کرے اور تازہ ہوا ان کے سامنے کسی حقیقت کا دروازہ کھولے یہ حالت کہ جس کا سرچشمہ بہت زیادہ خود خواہی خود پرستی اور خود پسندی ہے حقائق کے واضح ہونے اور امتوں کے درمیان وحدت قائم ہونے کی سب سے بڑی دشمن ہے۔

(۵۴) اسی لئے تو زیر بحث آخری آیت میں فرمایا گیا ہے جب یہ صورت حال ہے تو انہیں ان کی جہالت و گمراہی میں ڈوبا رہنے دو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا پھر وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائیں۔

(۵۵) اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّ بَنِيۡنَ ۙ	کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں جو مال و اولاد میں ترقی دے رہے ہیں۔
(۵۶) نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ‌ؕ بَل لَّا يَشۡعُرُوۡنَ	تو یہ گویا انہیں ہم بھلائیاں عطا کرنے میں سرگرم ہیں حالانکہ اس معاملہ کا انہیں شعور ہی نہیں ہے؟
(۵۷) اِنَّ الَّذِيۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡيَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ۙ	وہ لوگ کہ جو خوفِ پروردگار سے لرزتے ہیں
(۵۸) وَ الَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ۙ	اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں
(۵۹) وَ الَّذِيۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ ۙ	اور وہ جو اپنے رب سے شرک نہیں کرتے۔
(۶۰) وَ الَّذِيۡنَ يُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ اَنَّهُمۡ اِلٰى رَبِّهِمۡ رٰجِعُوۡنَ ۙ	اور وہ لوگ کہ جن سے جس قدر بن پڑتا ہے راہ خدا میں صرف کرتے ہیں اور اس کے باوجود ان کے دل لرزاں ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے۔
(۶۱) اُولٰٓـئِكَ يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا سٰبِقُوۡنَ	جی ہاں! یہی لوگ ہیں کہ جو بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور دوسروں پر سبقت لیجاتے ہیں۔

تفسیر

بھلائیوں میں سبقت کرنے والے

گذشتہ آیات میں ان مختلف ہٹ دھرم متعصب اور خود پسند گروہوں کے بارے میں گفتگو کی گئی تھی کہ جو صرف اپنے عقائد سے چمٹے رہتے ہیں زیر نظر آیات میں ان کے بعض منکرانہ خیالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کیا ان کا گمان ہے کہ ہم

نے جو انہیں مال واولاد دی ہے۔

(۶۲) (یہ اس لئے ہے کہ ہم نے بڑی تیزی کے ساتھ ان کیلئے بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

کیا وہ زیادہ مال واولاد کو اپنی حقانیت کی دلیل خیال کرتے ہیں اور اسے بارگاہ الٰہی میں قرب وعظمت کی برہان سمجھتے ہیں؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ نہیں سمجھتے۔

وہ نہیں سمجھتے کہ یہ مال واولاد کی فراوانی درحقیقت ان کیلئے ایک طرح سے عذاب وسزا کی تمہید ہے وہ نہیں جانتے کہ خدا چاہتا ہے کہ انہیں ناز ونعمت میں غرق کردے تاکہ جب عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں تو یہ عذاب برداشت کرنا ان کیلئے اور بھی سخت ہو جائے

(۵۷) غفلت میں پڑے ہوئے ان خود پسند لوگوں کے خیالات کی نفی کے بعد مومنین اور اچھائیوں میں تیزی کرنے والوں کے بارے میں چند آیات میں ان کے بنیادی اوصاف بیان کیے گئے ہیں ارشاد ہوتا ہے وہ لوگ کہ جو اپنے پروردگار کے خوف سے لرزاں ہیں۔

(۵۸) اس کے بعد مزید فرمایا گیا وہ لوگ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(۵۹) آیات پروردگار پر ایمان کے بعد اسے ہر قسم کی شبیہ وشریک سے پاک سمجھنے کا مرحلہ آتا ہے ارشاد ہوتا ہے وہ لوگ کہ جو اپنے رب کے بارے میں شرک نہیں کرتے۔

(۶۰) اس کے بعد قیامت پر ایمان کا ذکر ہے قیامت کے بارے میں سچے مومنین خاص توجہ رکھتے ہیں ایسی توجہ کہ جو عمل میں انہیں پوری طرح کنٹرول کرتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وہ لوگ کہ جو لوگوں کے اور اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں اطاعت بجالانے میں اپنی پوری کوشش کرتے ہیں اور ان کے دل اس خیال سے ڈرتے رہتے ہیں کہ آخرکار انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے۔

(۶۱) یہ چار صفات بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور دوسروں پر سبقت حاصل کرتے ہیں۔

زیر بحث آیات میں ان پیش قدم مومنین کی بہت عمدہ جاذب نظر، منطقی، مکمل اور منظم تصویر پیش کی گئی ہے۔

یہ مومنین خدا سے ایسا خوف رکھتے ہیں کہ جس میں احترام وتعظیم کی آمیزش ہے یہ خوف آیات الٰہی پر ایمان لانے کا سبب بنتا ہے اور ہر قسم کے شرک کی نفی کا ذریعہ قرار پاتا ہے یہ مومنین قیامت وعدالت الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو احساس ذمہ داری اور نیک کام کی بنیاد بن جاتا ہے اس لحاظ سے اہل ایمان کی مجموعی طور پر چار صفات بیان کی گئی ہیں اور ایک نتیجہ پیش کیا گیا ہے (غور کیجئے گا)

(۶۲) وَ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ لَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ	اور ہم کسی شخص کو اس کی قوت سے زیادہ ذمہ داری نہیں دیتے اور ہمارے پاس کتاب ہے (جس میں تمام بندوں کے اعمال درج ہیں) اور جو حق بات کہتی ہے۔ لہٰذا ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔
(۶۳) بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ	بلکہ ان کے دل اس نامۂ اعمال سے غفلت میں ہیں اور اسکے علاوہ وہ ایسے (برے) اعمال میں مبتلا ہیں جنہیں وہ ہمیشہ انجام دیتے رہتے ہیں۔
(۶۴) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ؕ	یہاں تک کہ جب ہم ان کے عیاشوں کو گرفتار عذاب کریں گے تو اس وقت وہ بڑی دردناک فریاد کریں گے۔
(۶۵) لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ ۟ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ	(لیکن ان سے کہا جائیگا) بند کرو یہ آہ وفغاں! آج ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔
(۶۶) قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۙ	(کیا تمہیں یاد نہیں کہ) میری آیات تمہیں سنائی جاتی تھیں تو تم منہ پھیر لیتے تھے اور الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے۔
(۶۷) مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ	جبکہ ان آیت کے مقابلے میں تم غرور کرتے تھے اور راتوں کو اپنی نشستوں میں تم بدگوئی کیا کرتے تھے؟

تفسیر

جہالت میں ڈوبے ہوئے دل

گزشتہ آیات میں مؤمنین کی نمایاں صفات بیان کی گئی ہیں یہی وہ صفات ہیں جو ہر نیکی کا سرچشمہ ہیں لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر شخص کیلئے ممکن ہے کہ وہ ایسی صفات کا حامل ہو اور ایسے اعمال انجام دے سکے۔

اس سلسلے میں زیر نظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے ہم کسی شخص کو اس کی توانائی سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتے اور ہر شخص سے اس کی طاقت اور عقل کے مطابق تقاضا کرتے ہیں۔

یہ تعبیر نشاندہی کرتی ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں پر جو فرائض عائد کیے ہیں اور جو احکام دیئے ہیں وہ ان کی توانائی کی حدود میں ہیں اور جن مواقع پر کسی حکم پر عمل کرنا انسان کے بس میں نہ ہو۔ وہاں وہ حکم ساقط ہو جاتا ہے علماء اصول کے مطابق یہ کلیہ تمام احکام اسلام پر لاگو ہوتا ہے اور ان پر مقدم ہے۔

ممکن ہے پھر یہ سوال پیدا ہو کہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال کا حساب اور جانچ پڑتال ہو سکے اس ضمن میں مزید فرمایا گیا ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے کہ حق بات کہتی ہے اور تمام بندوں کے اعمال اس میں ثبت ہیں۔ لہٰذا کسی پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

یہ ان اعمال ناموں کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں انسانوں کے تمام اعمال ریکارڈ کیے گئے ہیں اور وہ خدا کے پاس محفوظ ہیں

(۶۳) لیکن یہ حقائق بیان کرنے کا اثر صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو کچھ بیداری و آگاہی رکھتے ہوں لہٰذا ساتھ ہی مزید فرمایا گیا لیکن یہ ہٹ دھرم کافر لوگ یوں جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ روز حساب پیش ہونے والے اپنے نامہ اعمال سے اور قرآن کے وعدہ و وعید سے بالکل غافل ہیں۔

جہالت کا یہ عالم انہیں اجازت نہیں دیتا کہ وہ ان واضح حقائق کا مشاہدہ کریں اپنے اندر جھانکیں اور اللہ کی جانب پلٹ آئیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اس کے علاوہ بھی وہ ایسے اعمال انجام دیتے رہتے ہیں۔

(۶۴) لیکن وہ اسی طرح عالم غفلت میں رہیں گے یہاں تک کہ وہ دن آ پہنچے گا جب ہم مالدار عیش پرستوں کو گرفتار عذاب کریں گے اس وقت وہ تلملائیں گے اور بلبلائیں گے اور اللہ کے شدید عذاب اور دردناک سزا پر فریاد کریں گے۔

(۶۵) لیکن ان سے کہا جائے گا بند کرو یہ آہ و زاریاں۔ کیونکہ آج کے دن ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے۔

(۶۶) یہ آیت درحقیقت اس منحوس انجام کی علت بیان کر رہی ہے ارشاد ہوتا ہے میری آیات مسلسل تمہارے سامنے پڑھی جایا کرتی تھیں لیکن بجائے اس کے کہ تم ان سے سبق لیتے اور بیدار ہوتے تم منہ موڑ لیتے تھے اور الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے۔

(۶۷) آیات الٰہی سن کر وہ نہ صرف الٹے پاؤں پیچھے ہٹ جاتے ہیں بلکہ غرور کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ تم رات کو بیٹھکیں جماتے تھے اور رسول، قرآن اور مومنین کی بدگوئی کرتے تھے۔

یعنی راتوں کو دیر تک جاگتے رہتے ہو اور بیماروں کی طرح ہذیاں بکتے ہو اور گالیاں دیتے رہتے ہو۔

(۵۸) اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ یَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۫	کیا ان لوگوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا یا ان کے لئے ایسی بات آئی ہے کہ جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی۔

(۶۹) اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَہُمۡ فَہُمۡ لَہٗ مُنۡکِرُوۡنَ ۫	یا پھر کیا اپنے رسول کو پہچانتے نہیں (اور اس کے ماضی کو نہیں جانتے) اس لیے اس کا انکار کرتے ہیں۔
(۷۰) اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ بِہٖ جِنَّۃٌ ؕ بَلۡ جَآءَہُمۡ بِالۡحَقِّ وَ اَکۡثَرُہُمۡ لِلۡحَقِّ کٰرِہُوۡنَ	یا پھر کیا یہ اسے دیوانہ سمجھتے ہیں؟ نہیں! بلکہ وہ تو ان کیلئے حق لایا ہے، لیکن ان میں سے اکثر کو حق ناگوار ہے۔
(۷۱) وَ لَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَہۡوَآءَہُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِیۡہِنَّ ؕ بَلۡ اَتَیۡنٰہُمۡ بِذِکۡرِہِمۡ فَہُمۡ عَنۡ ذِکۡرِہِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ	اور اگر حق ان کی پیروی کرنے لگے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ ہو جائے۔ لیکن ہم نے انہیں قرآن دیا ہے کہ جو یاددھانی ہے (اور ان کیلئے باعثِ شرف ہے)۔ لیکن وہ ایسی چیز سے رُوگردان ہیں۔
(۷۲) اَمۡ تَسۡـَٔلُہُمۡ خَرۡجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ خَیۡرٌ ٭ۖ وَّ ہُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ	یا پھر کیا تو ان سے (اپنی اس دعوت کے بدلہ) کوئی مزدوری چاہتا ہے جبکہ تیرے لئے تو تیرے رب کا دیا ہی بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے؟
(۷۳) وَ اِنَّکَ لَتَدۡعُوۡہُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ	تو تو یقیناً انہیں صراطِ مستقیم کی دعوت دیتا ہے۔
(۷۴) وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوۡنَ	اور لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اس راہ سے منحرف ہیں۔

تفسیر

منکرین کی بہانہ سازیاں

گذشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ کافر لوگ پیغمبر اسلام ﷺ سے منہ موڑ لیتے تھے اور تکبر کا مظاہرہ کرتے تھے زیرِ نظر آیات میں اس سلسلے میں ان کے حیلے بہانوں کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے ضمناً ان کی اس روگردانی کے حقیقی اسباب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے کیا انہوں نے اس کلام آیات الٰہی پر غور وفکر نہیں کیا۔

جی ہاں! ان کی بدبختی کا پہلا سبب یہ ہے کہ وہ تیری دعوت پر غور وفکر نہیں کرتے کیونکہ اگر وہ غور وفکر کرتے تو ان کی مشکلات

حل ہو جاتیں۔

مزید فرمایا گیا ہے یا کیا ان کی طرف ایسی بات آئی ہے جو ان کے آباؤ اجداد کی طرف نہ آئی تھی۔

یعنی اگر توحید و قیامت پر ایمان کی دعوت اور نیکی و پاکیزگی اپنانے کی دعوت صرف تیری طرف سے ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ بہانہ کرتے کہ یہ تو نئی باتیں ہیں۔

(۶۹) مزید فرمایا گیا ہے یا کیا انہوں نے رسول کو پہچانا نہیں اس لئے انکار کرتے ہیں۔

(۷۰) اس کے بعد فرمایا گیا ہے یا کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔

یعنی کیا ان کا کہنا ہے کہ اس کی ذات و شخصیت کو ہم اچھی طرح پہچانتے ہیں وہ مشکوک شخصیت نہیں ہے کیونکہ اس کے افکار ماحول سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور خلاف معمول ہیں اور یہ اس کی دیوانگی کی دلیل ہے۔

قرآن فوراً اس بہانہ سازی کی نفی کیلئے کہتا ہے رسول ان کیلئے حق لے کر آیا ہے اور اس کی باتیں اس حقیقت پر شاہد ہیں (بل جآئھم بالحق) خرابی یہ ہے کہ حق انہیں ناگوار ہے۔

(۷۱) حالانکہ حق لوگوں کے میلانات کے تابع نہیں ہوا کرتا کیونکہ اگر حق ان کی ہوا و ہوس کی پیروی کرتا اور عالم ہستی ان کی خواہش کے مطابق گردش کرتا تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب درہم برہم ہو جاتا۔

کیونکہ لوگوں کی خواہشات معیار نہیں ہیں بلکہ اس سے قطع نظر بہت سے مواقع پر وہ پستیوں اور برائیوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اگر عالم ہستی کے قوانین ان کی خواہشات کے تابع ہو جائیں تو نظام عالم تباہی و بربادی کا شکار ہو جاتا۔

اس کے بعد مزید تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے بلکہ ہم نے انہیں قرآن دیا ہے کہ جو تذکر اور یاد دھانی ہے اللہ کی طرف توجہ کا ذریعہ ہے اور ان کیلئے شرف و آبرو کا باعث ہے لیکن انہوں نے اس سے روگردانی کر لی ہے۔

اس سلسلہ کلام کے آخری مرحلے میں فرمایا گیا ہے کیا حق سے فرار وہ اس بہانے سے کرتے ہیں کہ تو ان سے کسی اجرت کا تقاضا کرتا ہے جبکہ تیرے رب کا دیا تیرے لئے بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

قرآن مجید ایک منہ بولتے بیان کے ذریعے واضح کرتا ہے کہ یہ دل کے اندھے حق کو قبول نہیں کرتے اور مخالفت کیلئے جو عذر بہانے تراشتے ہیں سب بے بنیاد ہیں۔

(۷۳) مذکورہ بیان سے ایک مجموعی نتیجہ نکالتے ہوئے اس آیت میں فرمایا گیا ہے یقیناً تو انہیں صراط مستقیم کی دعوت دیتا ہے۔

بعض روایات کے مطابق صراط مستقیم سے مراد ولایت علی علیہ السلام ہے البتہ ہم کہہ چکے ہیں کہ ایسی روایات میں آیات کے بعض واضح مصادیق کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے اس کے دیگر مصادیق و مفاہیم کی نفی ہو جاتی ہے مثلاً قرآن، مبداء، معاد، ایمان، تقوےٰ، جہاد اور عدل وغیرہ بھی صراط مستقیم کا مصداق ہیں۔

اس آیت میں اس کا فطری نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً وہ اس راستے سے منحرف ہیں۔

واضح ہے کہ اس آیت میں صراط سے وہی مراد ہے کہ جو گذشتہ آیت میں صراط مستقیم سے ہے

رہبر کی صفات

زیرنظر آیات سے ہادیان حق کی کچھ صفات واضح ہوتی ہیں مثلاً

وہ ایسے افراد ہیں کہ جو ہمیشہ نیکیوں کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔

ہادیان برحق ہمیشہ مکتب حق کی ترویج کیلئے کوشش کرتے ہیں اگرچہ بہت سے لوگوں کو یہ ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔

وہ اپنی دعوت کیلئے کوئی مادی اجرت طلب نہیں کرتے

(۷۵) وَ لَوۡ رَحِمۡنٰهُمۡ وَ كَشَفۡنَا مَا بِهِمۡ مِّنۡ ضُرٍّ لَّلَجُّوۡا فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ	اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی مشکلات برطرف کردیں تو (نہ صرف وہ بیدار نہیں ہونگے بلکہ) اپنی سرکشی پر اڑ جائیں گے اور (اسی وادی میں) بھٹکتے پھریں گے۔
(۷۶) وَ لَقَدۡ اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ فَمَا اسۡتَكَانُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَ مَا يَتَضَرَّعُوۡنَ	ہم نے انہیں عذاب و ابتلا میں گرفتار کیا (تا کہ وہ بیدار ہوں) لیکن وہ اپنے رب کے حضور نہ جھکے اور نہ اس کی بارگاہ میں انکساری کی۔
(۷۷) حَتّٰٓى اِذَا فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيۡدٍ اِذَا هُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ؑ	(یہ کیفیت یونہی رہے گی) یہاں تک کہ ہم عذابِ شدید کے دروازے ان پر کھولدیں اور وہ یوں گرفتار بلا ہوں کہ بالکل مایوس ہوجائیں۔
(۷۸) وَ هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَةَ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ	وہ ایسی ذات ہے جس نے تمہیں کان، آنکھ اور دل (عقل) سے نوازا لیکن تم اس کا بہت کم شکرادا کرتے ہو۔
(۷۹) وَ هُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ	وہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور پھر تم اس کی جانب لوٹائے جاؤ گے۔

(۸۰) وَ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	وہ وہی ذات ہے کہ جو زندگی عطا فرماتا ہے اور موت دیتا ہے، گردشِ لیل ونہار اس کے ہاتھ میں ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

تفسیر

خدا مختلف طریقوں سے بیدار کرتا ہے

گذشتہ آیات میں ان حیلے بہانوں کا ذکر تھا کہ جو منکرین حق دعوت انبیاء کی مخالفت کرتے ہوئے پیش کرتے تھے زیر نظر آیات میں اتمام حجت کیلئے اوران کی بیداری کیلئے مختلف حوالوں سے گفتگو کی گئی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے کبھی ہم ان پر اپنی رحمت نازل کرتے ہیں تاکہ وہ بیدار ہو جائیں لیکن اگر ان کی مشکلات کو دور کر کے ہم ان پر اپنا لطف کریں اور نعمتوں سے نوازیں تو ان کی خرابی اس حد تک جا پہنچی ہے کہ وہ پھر بھی سرکشی پر اڑے رہتے ہیں اور اسی وادی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

(۷۶) اور کبھی سخت حوادث کے ذریعے انہیں بلایا جاتا ہے تاکہ اگر وہ رحمت ونعمت کے ذریعے بیدار نہیں ہوئے تو اس راستے سے بیدار ہو جائیں لیکن اس کا بھی ان پر اثر نہیں ہوتا کیونکہ ہم نے انہیں گرفتار عذاب کیا ہے لیکن وہ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے ہیں اور نہ انہوں نے کسی انکساری کا اظہار کیا ہے۔

(۷۷) بہرحال ہم ان بیدار کن رحمتوں، نعمتوں اور سزاؤں کو جاری رکھیں گے اور وہ بھی اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کو جاری رکھیں گے یہاں تک کہ ہم اپنے شدید عذاب کا دروازہ کھول دیں گے اور اس میں ایسے گرفتار ہوں گے کہ آخر کار بالکل مایوس ہو جائیں گے۔

اللہ تعالی دراصل دو طرح کی سزا دیتا ہے تربیتی سزا معاشرے کو پاک کردینے والی سزا پہلی قسم کی سزا کا مقصد یہ ہے کہ گناہگاروں پر کچھ سختی کی جائے تاکہ انہیں اپنی ناتوانی کا احساس ہو جائے اور وہ غرور وتکبر کا راستہ ترک کردیں۔

دوسری قسم کی سزا ناقابل اصلاح افراد کے لئے ہے یہ سزا ایسے افراد کیلئے ہے جو اپنے طرز عمل سے ثابت کر چکتے ہیں کہ انہیں اب اس نظام خلقت میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں اور وہ انسانوں کے ارتقاء وکمال کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اس سزا کے ذریعے معاشرے کو ان کے وجود سے پاک کردیا جاتا ہے۔

(۷۸) اس بیان کے بعد قرآن ایک اور پہلو سے بات کرتا ہے اب ان کے احساس تشکر کو ابھارنے کیلئے نعمات الٰہی کا ذکر کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے وہ خدا وہ ہے کہ جس نے تمہیں کان، آنکھ اور دل عقل سے نوازا ہے لیکن تم بہت کم ہی اس کا شکر بجالاتے ہو۔

کان، آنکھ اور عقل کا ذکر اس بناء پر ہے کہ پہچان اور معرفت کیلئے انسان کے پاس یہی تین ذرائع ہیں حسی امور

انسان عام طور پر آنکھ اور کان کے ذریعے معلوم کرتا ہے جبکہ غیر حسی امور قوت عقل کے ذریعے معلوم کرتا ہے۔

(۷۹) اس آیت میں اللہ کی نہایت اہم نشانی۔یعنی اس خاکی زمین سے انسان کی خلقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا۔

اگر تم سوچتے کہ بے وقعت مٹی سے تمہاری خلقت ہوئی ہے تو یہ اس امر کیلئے کافی تھا کہ تم حیات عطا کرنے والے کو پہچان لیتے اور پھر تمہیں معاد بھی ممکن دکھائی دیتا۔

(۸۰) خلقت انسان کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد قرآن موت وحیات اور روز وشب کی آمد وشد کا ذکر کرتا ہے کہ جو عظیم آیات الٰہی میں سے ہے ارشاد ہوتا ہے وہ وہی ہے کہ جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور لیل ونہار کا آنا جانا اسی کے ہاتھ میں ہے کیا تم عقل وفکر سے کام نہیں لیتے ہو۔

ان تین گزشتہ آیات میں معرفت پروردگار کے محرک سے بات شروع کی گئی ہے اور انفس وآفاق کی اہم ترین آیات کے ذکر پر بات ختم کی گئی ہے

(۸۱) بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ	انہوں نے وہی کچھ کیا جو ان کے پیش رو کیا کرتے تھے۔
(۸۲) قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ	انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر کر مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں ہو جائیں گے۔ پھر دوبارہ اٹھیں گے۔
(۸۳) لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ	یہی وعدہ ہم سے اور پہلے ہمارے آباؤ اجداد سے کیا جاتا رہا ہے، یہ تو سابقہ لوگوں کے قصے ہیں۔
(۸۴) قُلۡ لِّمَنِ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِيۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ	کہو: بھلا یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کے ہاتھ میں ہے، بولو اگر جانتے ہو تو؟
(۸۵) سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ	(تمہارے جواب میں) کہتے ہیں سب کچھ اللہ کے ہاتھ ہے۔ تو پھر کہو! کیا تم متوجہ نہیں ہوتے ہو؟
(۸۶) قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ	کہو! کون ہے سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا پروردگار؟

(۸۷) سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ	وہ کہتے ہیں یہ سب کچھ اللہ کیلئے ہیں۔تو کہو کیا پھر تم تقوی اختیار نہیں کرتے ہو؟
(۸۸) قُلۡ مَنۡۢ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ یُجِیۡرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیۡہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ	پھران سے پوچھو کہ تمام موجودات کی حکومت کس کے قبضہ قدرت میں ہے اورکون ہے کہ جو بے پناہوں کو پناہ دیتا ہے اور پناہ دینے کا وہ محتاج بھی نہیں،اگر تم واقعاً ان حقائق سے آ گاہ ہو؟
(۸۹) سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ ؕ قُلۡ فَاَنّٰی تُسۡحَرُوۡنَ	وہ کہتے ہیں (یہ سب کچھ) اللہ کے ہاتھ میں ہے۔تو کہو:اس کے باوجود (پھر) تم کس طرح کہتے ہو کہ تم پر جادو کیا گیا ہے؟
(۹۰) بَلۡ اَتَیۡنٰہُمۡ بِالۡحَقِّ وَ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ	حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ان کے سامنےحق پیش کر دیا ہےاور وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

تفسیر

فیصلہ تمہارا ضمیر کرے

اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے کہ وہ عقل وفکر کو چھوڑ کر اپنے بڑے بوڑھوں کی اندھی تقلید کرتے ہیں وہ بس وہی کہتے ہیں جوان کے پیش رو کہتے تھے۔

(۸۲) وہ حیرت سے کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرکر مٹی اور بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہوجائیں گے پھر دوبارہ اٹھیں گے۔

(۸۳) ہمیں تو اس بات پر یقین نہیں آتا یہ تو جھوٹے وعدے ہیں ایسے وعدے ہم سے بھی ہوتے آئے ہیں اور ہمارے آباؤاجدا سے بھی کئے جاتے رہے۔اور یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

(۸۴) کفارومشرکین سب سے زیادہ قیامت کے خیال سے خوف کھاتے تھے۔اس لئے طرح طرح کے بہانوں اورطعن و طنز سے اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بھی معاد وقیامت کے بارے میں تاکیداًاور تفصیلاً گفتگو کی ہے یہ بات لائق توجہ ہے کہ ہر موقع پر خود مشرکین سے اعتراف کر دیا گیا ہے اورانہی کی بات ان کی طرف لوٹائی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے کہو زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ بتاؤ! اگر تم جانتے ہو۔

(۸۵) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے فطرت کی پکار اور عالم ہستی کے خالق پر اپنے اعتماد کی بناء پر وہ کہتے ہیں زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کی ملکیت اللہ کے ہاتھ ہے۔

اب تم ان سے کہو جب ایسا ہے اور تم خود بھی اعتراف کرتے ہو تو پھر کیوں متوجہ نہیں ہوتے ہو۔

اس واضح اعتراف کے باوجود موت کے بعد انسان کی زندگی کو کیوں بعید سمجھتے ہو اور اسے خدائے عظیم کی وسیع قدرت سے کیوں دور جانتے ہیں۔

(۸۶) خدا پھر حکم دیتا ہے: ان سے پوچھو: سات آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے۔

(۸۷) اس سوال پر بھی وہ فطری پکار اور عالم ہستی کے خالق کے حوالے سے خدا پر اپنے اعتقاد کے باعث کہتے ہیں یہ سب کچھ اللہ کے لئے ہے۔

جب وہ یہ صریح اقرار کرتے ہیں تو کہو: تم خود اس حقیقت کے معترف ہو تو پھر اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو اور حیاتِ نو کی طرف انسانی بازگشت کا انکار کیوں کرتے ہو۔ (۸۸) پھر ان سے آسمانوں اور زمین کی حاکمیت کے بارے میں سوال کرو کہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام موجودات کی حکومت ہے۔ کون ہے جو بے سہاروں کو پناہ دیتا ہے اور جو کسی کو پناہ دینے کا محتاج بھی نہیں ہے۔ اگر تم واقع ان حقائق سے آگاہ ہو۔

(۸۹) وہ پھر اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملکیت، حاکمیت اور پناہ دینا اللہ میں منحصر ہے۔ کہو: پھر تم کیوں کر کہتے ہو کہ رسول نے تم پر جادو کر دیا ہے اور تم مسحور ہو گئے ہو۔

(۹۰) آخر میں ایک مجموعی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جادو ہے نہ دیوانگی بلکہ ہم ان کیلئے حق لے کر آئے ہیں اور اسے واضح کیا ہے جبکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

(۹۱) مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۙ	اللہ نے ہرگز کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور کوئی دوسرا اس کے ساتھ معبود نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان میں سے ہر خدا اپنی مخلوق کا خود نظام چلاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کے درپے ہوتے (اور نظامِ کائنات تباہ ہو جاتا) پاک ہے اللہ اس صفت سے کہ جو یہ کرتے ہیں۔

(۹۲) عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؑ	وہ ہر پنہاں و آشکار سے آگاہ ہے۔ وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کے لئے شریک قرار دیں۔

تفسیر

شرک دنیا کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے

گزشتہ آیات میں معاد اور اللہ کی مالکیت' حاکمیت اور ربوبیت کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے زیر نظر آیات میں نفی شرک کے مسئلے پر بات ہوئی ہے ان میں مشرکین کے کچھ انحرافات کا جواب دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ نے ہرگز کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا حقیقی بیٹا کہتے ہیں جبکہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہہ کر پکارتے تھے۔

اس کے بعد نفی شرک کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اگر اللہ کا کوئی شریک ہوتا اور متعدد خدا عالم ہستی پر حکمران ہوتے تو ہر ایک اپنی خاص مخلوق کا نظام خود چلانے کے درپے ہوتا اور یہ فطری بات ہے کہ پھر کائنات کے مختلف حصوں کا نظام مختلف ہاتھوں میں ہوتا اور یہ بات موجودہ نظام وحدت سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ان خداؤں میں سے ہر ایک اپنی حکومت کو توسیع دینے کی کوشش کرتا اور دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کے درپے ہوتا اور یہ بات بھی نظام عالم کے درہم برہم ہو جانے کا باعث ہوتی۔

اور آیت کے آخر میں ایک مجموعی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے پاک ہے اللہ اس سے کہ جو وہ اس کی توصیف کرتے ہیں۔

(۹۲) اس آیت میں ان بے ہودہ گو مشرکین کو ایک اور جواب دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے اللہ ہر پنہاں و آشکار سے آگاہ ہے تمہیں جن کے خدا ہونے کا دعویٰ ہے اگر کوئی خدا ہوتا تو اللہ ضرور ان سے آگاہ ہوتا جبکہ ایسا نہیں ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ عالم میں کوئی اور خدا ہوتا کہ جس سے تم آگاہ ہو۔ لیکن وہ اللہ کہ جو تمہارا خالق ہے اور غیب و شہود کو جانتا ہے اس سے بے خبر ہو؟

آخری جملے میں یہ کہہ کر ان خرافاتی خیالات پر خط بطلان کھینچا گیا ہے اللہ اس سے بالاتر ہے کہ اس کیلئے شریک قرار دیں۔

یہ نشاندہی کرتا ہے کہ دونوں آیات ایک ہی مطلب ہی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

ضمنی طور پر یہ جملہ مشرکین کیلئے ایک تنبیہ بھی ہے کہ اللہ ان کے ظاہر و پنہاں سے آگاہ ہے اور وہ ان تمام باتوں کو جانتا ہے اور موقع آنے پر وہ اپنی عدالت میں ان کا فیصلہ کرے گا۔

(۹۳) قُلۡ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیۡ مَا یُوۡعَدُوۡنَ ۙ	کہہ دو! پروردگار جس عذاب کی انہیں دھمکی دی گئی ہے اگر مجھے تو وہ دکھائے۔
(۹۴) رَبِّ فَلَا تَجۡعَلۡنِیۡ فِی الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ	تو اے میرے رب (یہ عذاب نازل کرتے ہوئے) مجھے اس ظالم قوم میں سے قرار نہ دینا۔
(۹۵) وَ اِنَّا عَلٰۤی اَنۡ نُّرِیَکَ مَا نَعِدُہُمۡ لَقٰدِرُوۡنَ	اور ہم قادر ہیں کہ تجھے وہ کچھ دکھائیں کہ جس کا ہم نے ان کیلئے وعدہ کیا ہے۔
(۹۶) اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ ؕ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَصِفُوۡنَ	برائی کو بہتر طریقہ سے دفع کرو (اور برائی کا جواب اچھائی سے دو)۔ جو باتیں وہ کرتے ہیں ہم ان سے زیادہ آگاہ ہیں۔
(۹۷) وَ قُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ ہَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ ۙ	اور کہدو: پروردگارا! شیطانوں کے وسوسوں سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔
(۹۸) وَ اَعُوۡذُ بِکَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ	اور اے میرے رب! میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہے ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

تفسیر

شیطانی وسوسوں سے پناہ بخدا

گذشتہ آیات میں ہٹ دھرم کافروں اور مشرکوں کو سرزنش کی گئی ہے جبکہ زیرنظر آیات میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے لیکن سلسلہ کلام وہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اے رسول کہہ دو پروردگارا! وہ عذاب کہ جس کا تو نے ان سرکش لوگوں کے بارے میں وعدہ کیا ہے اگر تو مجھے دکھائے۔

(۹۴) تو اے میرے رب! یہ عذاب نازل کرتے ہوئے مجھے اس ظالم قوم میں سے قرار نہ دینا۔

مشرکین پر آنے والا دنیاوی عذاب مراد ہے جو کہ ان کی رسوا کن شکست کی صورت میں سامنے آیا۔

(۹۵) اس سلسلے میں مزید تاکید کیلئے دشمنوں کے ہر قسم کے شک کو دور کرنے کیلئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی دل جوئی کیلئے اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے ہم یقیناً قادر ہیں کہ جس عذاب کا ان کیلئے ہم نے وعدہ کیا ہے وہ تجھے دکھائیں۔

چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ اس تاریخ کے بعد جنگ بدر میں اور دیگر مواقع پر اللہ کی اس قدرت کے مظاہر دیکھنے میں آئے اور ظاہراً چھوٹا سا کمزور لشکر اللہ کے حکم اور قوت ایمان سے دشمنوں کی بڑی تعداد پر کامیاب وکامران ہوا۔

(۹۶) اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کے ساتھ حسن کریمی سے پیش آنے کیلئے کہا گیا ہے اور ان کی برائیوں کو عفو ودرگزر اور اچھائی کے ساتھ دور کرو اور ان کی غیر پسندیدہ باتوں کا بہترین منطق کے ساتھ جواب دو۔ اس سلسلے میں جلدی نہ کرو اور جان لو کہ جو کچھ باتیں وہ کرتے ہیں ہم اس سے زیادہ آگاہ ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ان کی ناشائستہ حرکات اور اذیت ناک باتیں تمہارے لئے پریشان کن اور تکلیف دہ ہیں لیکن تمہیں نہیں چاہئے کہ ان سختیوں اور بدگوئیوں کا ویسا ہی جواب دو تم ان کی برائی کا جواب اچھائی سے دو کیونکہ یہ روش بذات خود غافل اور فریب خوردہ افراد کی بیداری کیلئے نہایت موثر ہے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ یہ فرمان ان خاص مواقع کیلئے ہے کہ دشمن سوئے استفادہ کرے۔

(۹۷) مگر اس کے باوجود اپنے تئیں اللہ کے سپرد کر دو اور کہو اے میرے رب! میں شیطانی وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(۹۸) نہ صرف ان کے غافل کردینے والے وسوسوں سے تیری پناہ کا طالب ہوں بلکہ اس سے بھی کہ وہ میرے پاس آئیں۔

وہ میری محفل میں بھی نہ آئیں کیونکہ ان کی موجودگی گمراہ کن اور نقصان دہ ہے۔ راہ حق کے تمام راہیوں کو چاہئے کہ شیطانی وسوسوں سے ڈرتے رہیں اور ہمیشہ اپنے تئیں پناہ خدا میں دیئے رکھیں۔

(۹۹) حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ	(وہ اسی طرح اپنی غلط روش پر گامزن رہتے ہیں) یہاں تک کہ موت ان میں سے کسی کو آ گھیرتی ہے تو وہ کہتا ہے: میرے پروردگار مجھے واپس لوٹا دے
(۱۰۰) لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ	شاید جو کچھ میں (نے کوتاہی کی ہے) اس کیلئے عملِ صالح انجام دوں۔ (تو اسے کہا جائیگا) ایسا نہیں ہے یہ تو وہ بات ہے جو یہ (صرف) زبان سے کہتا ہے اور ان کے پیچھے اس دن تک کیلئے برزخ حائل ہے جس دن وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

تفسیر

ناممکن تقاضا

گذشتہ آیات میں مشرکین کی اپنے راستے پر ہٹ دھرمی کا ذکر تھا۔ زیر بحث آیات میں آستانہ موت پر ان کی دردناک

کیفیت کا تذکرہ ہے۔

وہ اپنی غلط روش پر یونہی گامزن رہیں گے یہاں تک کہ موت ان میں سے کسی کو آ لے۔

اس وقت کہ جب وہ دیکھے گا کہ اس جہاں سے اس کا رابطہ کٹ گیا ہے اور اب وہ دوسرے جہاں میں ہے تو غرور و غفلت کے پردے اس کی آنکھوں پر سے اٹھ جائیں گے گویا اپنا دردناک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اسے یاد آئے گا کہ اس نے عمر گنوادی اور اتنا سرمایہ ضائع کر دیا اسے اپنی عمر رفتہ کی کوتاہیاں یاد آئیں گی وہ گناہ جو اس نے انجام دیئے تھے ان کا خیال آئے گا اور اب ان سب کا منحوس انجام وہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوگا اس وقت وہ فریاد کرے گا اور پکارے گا اے میرے رب مجھے واپس بھیج دے۔

(۱۰۰) مجھے پھر دنیا میں لوٹا دے کہ میں اپنے کیے کی تلافی کرسکوں اور اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کیلئے عمل صالح بجالاؤں۔

لیکن قانون آفرینش کسی نیک یا بد کو واپس آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا اسے جواب دیا جائے گا کیا؟ واپسی؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو ایسی بات ہے جو وہ صرف زبان سے کہتا ہے۔

یہ بات اس کے دل کی گہرائیوں سے ارادے اور آزادی کے ساتھ نہیں نکلی یہ تو وہی بات ہے جو ہر گناہگار اس وقت کہتا ہے جب وہ سزا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اور جب طوفان بلاتھم جاتا ہے تو پھر وہ اپنے طرز عمل کو جاری رکھتا ہے۔

آیت کے آخر میں برزخ کی اسرار آمیز زندگی کی طرف نہایت معنی خیز اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جس روز وہ اٹھائے جائیں گے اس دن تک ان کے پیچھے برزخ حائل ہے۔

برزخ کا بنیادی معنی ہے کہ ایسی چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ بعدازاں ہر چیز کو برزخ کہا جانے لگا کہ جو دو چیزوں کے درمیان ہو۔ اسی لئے دنیا وآخرت کے درمیانی عالم کو برزخ کہا جاتا ہے۔

(۱۰۱) فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ	جس وقت صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان کسی قسم کا نسب نہیں ہوگا اور وہ ایک دوسرے سے مدد نہیں مانگیں گے۔
(۱۰۲) فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	جن لوگوں کے (اعمال کے) ترازو وزنی ہیں وہی کامیاب ہیں۔

(۱۰۳) وَ مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فِیۡ جَہَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ	اورجن کے(اعمال کے)ترازو ہلکے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے وجود کو خسارے میں ڈال دیا ہے۔وہ جہنم میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔
(۱۰۴) تَلۡفَحُ وُجُوۡہَہُمُ النَّارُ وَ ہُمۡ فِیۡہَا کٰلِحُوۡنَ	آگ کے جلا ڈالنے والے شعلے تلوار کی طرح ان کے چہروں پر پڑیں گے اور جہنم میں ان کے چہرے سکڑے ہوئے ہوں گے۔

تفسیر

بدکرداروں کی سزا کا ایک گوشہ

گذشتہ آیات میں عالم برزخ کے بارے میں گفتگو تھی اب اس آیت میں قیامت اور اس جہان میں مجرموں کی حالت کے بارے میں بات کی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی نسب باقی نہیں رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

ہم جانتے ہیں کہ آیات قرآنی کے مطابق دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا ایک مرتبہ اس عالم کے ختم ہونے کے وقت اس وقت آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے مرجائیں گے اور موت پورے عالم پر چھا جائے گی جب دوسری مرتبہ صورت پھونکا جائے گا تو مردے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور انسان نئی زندگی پائیں گے پھر ان کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا دور شروع ہوگا۔

بہرحال زیر بحث آیت قیامت کی دو چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے پہلی یہ ہے کہ اس دن تمام نسب بے کار ہو جائیں گے کیونکہ اس جہان میں موجود رشتہ داری کے نظام کے باعث بہت سے مجرم سزاؤں سے بچ جاتے ہیں اسی طرف لوگ اپنے مشکلات کے حل کیلئے رشتہ داروں سے مدد لیتے ہیں لیکن روز قیامت انسان ہوگا اور اس کے اعمال یہاں تک کہ سگا بھائی بیٹا اور باپ بھی اس کے کام نہ آسکے گا اور اس کی سزا کوئی اپنے ذمہ نہ لے سکے گا۔

دوسرے یہ کہ وحشت کا یہ عالم ہوگا کہ حساب اور عذاب الٰہی کے خوف کی شدت سے لوگ ایک دوسرے سے کسی قسم کا کوئی سوال نہیں کریں گے۔

اس روز ماں اپنے شیر خوار بچے کو بھول جائے گی بھائی بھائی کو فراموش کردے گا سب مست دکھائی دیں گے لیکن مست نہیں ہوں گے عذاب خدا بہت شدید ہے۔

(۱۰۲) قیام قیامت کے بعد پہلا مرحلہ اعمال کے وزن کا ہے اس روز کیلئے معین ایک خاص میزان کے ذریعے انسان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا کچھ لوگوں کے اعمال بہت وزنی ہوں گے کہ جو ترازو کا پلڑا جھکا دیں گے انہی لوگوں کی بارے میں فرمایا گیا ہے وہ لوگ کہ میزان میں جن کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا وہ فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

جیسا کہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روز انسانوں کے اعمال کے ناپ تول کی میزان بلکہ خود انسانوں کی میزان عظیم پیشوا اور وہ انسان ہوں گے کہ جو ماڈل اور نمونہ ہیں

لہٰذا انسانوں اور ان کے اعمال کا موازنہ اس روز عظیم انبیاءؑ اور ان کے اوصیاء کے ساتھ کیا جائے گا اور اس موازنے سے واضح ہوجائے گا کہ لوگوں کے اعمال ان سے کس قدر مشابہت رکھتے ہیں۔

(۱۰۳) رہے وہ افراد کہ جن کا پلڑا ایمان اور عمل صالح سے خالی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنا سرمایہ وجود گنوا بیٹھے ہیں اور جنہوں نے نقصان اٹھایا ہے وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہیں گے۔

”خسروا انفسھم“ (انہوں نے خود اپنے وجود کا نقصان کیا ہے) یہ تعبیر اس حقیقت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ وہ دنیا کے اس بازار تجارت میں اپنی ہستی اور وجود کا عظیم سرمایہ گنوا بیٹھے ہیں اور اس کے بدلے وہ کوئی قیمتی چیز بھی حاصل نہیں کر پائے

(۱۰۴) انہیں جو دردناک عذاب ہوگا اس آیت میں اس کے ایک حصے کی تفصیل بیان کی گئی ہے آگ جلا ڈالنے والے شعلے کی تلوار کی مانند ان کے چہروں پر لگیں گے تلفح وجوھھم النار) اور جہنم میں ان کی پریشان اور عذاب کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ ان کے چہرے سکڑے ہوئے ہوں گے۔

ان کے منہ سکڑ جائیں گے اور منہ کھلے کے کھلے رہ جائیں گے۔

(۱۰۵) اَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ	کیا میری آیات تمہارے سامنے نہ پڑھی جاتی تھیں جبکہ تم ان کی تکذیب کرتے تھے؟
(۱۰۶) قَالُوۡا رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَيۡنَا شِقۡوَتُنَا وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّيۡنَ	وہ کہیں گے: پروردگارا! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

(۱۰۷) رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ	پروردگار! ہمیں اس سے باہر لے جا اگر پھر ہم نے ایسا کیا تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے (اور عذاب کے مستحق ہوں گے)۔
(۱۰۸) قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَ لَا تُكَلِّمُوۡنِ	اللہ فرمائیگا: دور ہو جاؤ جہنم میں اور مجھ سے بات نہ کرو!
(۱۰۹) اِنَّهٗ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡ عِبَادِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا وَ اَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ۚۖ	(تم بھول گئے ہو) میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا کہ جو کہا کرتا تھا: اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہیں ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔
(۱۱۰) فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِيًّا حَتّٰۤى اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِىۡ وَكُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ	لیکن تم نے ان کا مذاق اُڑایا یہاں تک کہ تم میری یاد سے غافل ہوگئے اور تم ان پر ہنستے تھے۔
(۱۱۱) اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ	مگر آج میں نے انہیں ان کے صبر و استقامت کی بناء پر جزا دی ہے اور وہ کامیاب ہیں۔

تفسیر

خدا سے غفلت کا نتیجہ

گذشتہ آیات میں اہل جہنم کی سخت سزا کے بارے میں بات کی گئی تھی زیر بحث آیات میں ان سے پروردگار کی کچھ گفتگو بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ عتاب آمیز لہجے میں ان سے کہتا ہے کیا میری آیات تمہارے سامنے پڑھی نہ جاتی تھیں جبکہ تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔

(۱۰۶) اس سوال کے جواب میں وہ اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں جی ہاں ایسا ہی ہے اے ہمارے پروردگار! لیکن

ہماری بدبختی ہم پر غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

(۱۰۷) شاید یہ اعتراف کر کے وہ اللہ کی رحمت حاصل کرنا چاہتے ہیں لہٰذا ساتھ ہی کہتے میں پروردگارا! ہمیں اس آگ سے باہر نکال اور پھر دنیا کی طرف بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل انجام دے سکیں۔

اگر ہم وہی پہلے سے طرز عمل کا مظاہرہ کریں تو پھر ہم یقیناً ظالم ہوں گے اور تیری بخشش کے لائق نہیں ہوں گے۔

وہ یہ گفتگو ایسے کریں گے کہ گویا وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ دار آخرت، دار جزاء ہے نہ کہ دار عمل اور دنیا کی طرف لوٹ کر جانا ممکن نہیں۔

(۱۰۸) یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی انہیں پوری قاطعیت سے جواب دیتا ہے ادور ہو جاؤ یونہی جہنم میں رہو چپ رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

(۱۰۹) اس کے بعد اس دھتکارنے کی دلیل بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے کیا تم بھول گئے ہو کہ میرے کچھ خاص بندے کہتے تھے پروردگارا! ہم ایمان لائے ہیں ہمیں بخش دے ہم پر رحم کر اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔

(۱۱۰) لیکن تم نے ان کا مذاق اڑایا اور اس معاملے میں اتنی ہٹ دھرمی کی کہ اس تمسخر بازی نے تمہیں یاد خدا سے بالکل غافل کر دیا۔ تم مسلسل ان پر ہنستے رہے اور ان کی باتوں ان کے عقائد اور ان کے طرز عمل پر مسکراتے رہے۔

(۱۱۱) لیکن آج ان کے صبر واستقامت کے باعث تمہارے تمسخر کے مقابلے میں پامردی کی وجہ سے اور الٰہی پروگراموں پر بغیر ڈگمگائے قائم رہنے کے سبب ہم نے انہیں جزا دی ہے اور وہ کامیاب وکامران ہیں۔

لیکن تم تو آج بدترین انجام اور دردناک ترین عذاب میں گرفتار ہو اور کوئی تمہاری فریاد کو نہیں پہنچتا اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ تم اسی سزا کے مستحق ہو۔

(۱۱۲) قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ	خدا فرمائیگا: تم زمین میں کتنے برس رہے ہو؟
(۱۱۳) قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ	وہ جواب میں کہیں گے: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہم ٹھہرے ہیں، شمار کرنے والوں سے پوچھ لے۔
(۱۱۴) قَالَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ	وہ کہے گا: (ہاں) تم تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہو۔ کاش تم یہ جان لیتے!

(۱۱۵) اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ	لیکن کیا تم نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف پلٹ کر نہیں آ ؤ گے؟
(۱۱۶) فَتَعٰلَی اللّٰہُ الۡمَلِکُ الۡحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡکَرِیۡمِ	خدا اس سے بالاتر ہے کہ اس عالم ہستی کو بےکار پیدا کرتا (وہ خدا) جو فرماں روائے حق ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور وہ عرشِ کریم کا پروردگار ہے۔

تفسیر

اس دنیا کی عمر تھوڑی ہے

گذشتہ آیات میں اہل جہنم کی سزا کا کچھ ذکر تھا زیر نظر آیات میں ایک اور قسم کی سزا کا ذکر ہے یہ نفسیاتی سزا خدا کی طرف سے سرزنش کی صورت میں ہے فرمایا گیا ہے اس روز اللہ انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہے گا کہ تم زمین پر کتنے سال رہے ہو۔

(۱۱۳) لیکن اس موازنے میں انہیں دنیاوی زندگی اس قدر کم دکھائی دے گی کہ وہ جواب میں کہیں گے ہم تو صرف ایک دن یا دن کا ایک حصہ ہی دنیا میں ٹھہرے ہیں۔

درحقیقت دنیا کی لمبی عمریں بھی حیات اخروی کے مقابلے میں ایک زود گزر لحظے کی مانند ہیں کیونکہ وہاں کی نعمتیں بھی جاودانی ہیں اور سزائیں بھی لامحدود۔

اپنی بات پر زور دینے کے لئے یا زیادہ دقیق جواب کے طور پر وہ مزید کہیں گے خداوندا! ان سے پوچھ لے کہ جو اچھی طرح حساب و کتاب کر سکتے ہیں اور اعداد و شمار کا ایک دوسرے سے موازنہ کر سکتے ہیں۔

(۱۱۴) اس مقام پر اللہ تعالی سرزنش کے طور پر فرمائے گا: جی ہاں! دنیا میں بہت کم مدت ہی ٹھہرے ہو۔ اگر تم جان لیتے۔

(۱۱۵) اس آیت میں ان لوگوں سے ایک اور بہت موثر سبق آموز اور بیدار کن حوالے سے بات کی گئی ہے فرمایا گیا ہے کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آ ؤ گے۔

اس موثر اور پر معنی جملے میں قیامت حساب و کتاب اور جزائے اعمال کیلئے ایک مضبوط دلیل پیش کی گئی ہے اور وہ یہ کہ اگر سچ مچ قیامت نہیں ہے تو دنیاوی زندگی عبث اور فضول ہے کیونکہ اس جہان کی زندگی اپنی تمام تر مشکلات کے ساتھ اور اس کیلئے خدا کی طرف سے بنائے گئے تمام پروگراموں اور پورے نظام کے ساتھ۔

اگر صرف انہی چند دنوں کیلئے ہوتو بہت ہی فضول اور بے معنی ہے

(۱۱۶) نیز خلقت کا عبث نہ ہونا چونکہ اہم بات ہے اور اس کیلئے محکم دلیل کی ضرورت ہے لہٰذا اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے وہ اللہ کہ جو فرمان روائے حق ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور وہ عرش کریم کا پروردگار ہے اور وہ اس سے بالاتر ہے کہ اس عالم ہستی کو بے کار پیدا کرتا۔

(۱۱۷) وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ	اور جو شخص خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے گا تو یقیناً اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اس کا حساب تمہارے رب کے پاس ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ کافر کامیاب نہ ہوں گے۔
(۱۱۸) وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۧ	اور کہہ دے: پروردگارا! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر

کامیاب اور ناکام

گذشتہ آیتوں میں معاد اور صفات الٰہی کے بارے میں گفتگو تھی۔

اب زیر بحث پہلی آیت میں توحید اور ہر قسم کے شرک کی نفی کی گئی ہے اور مبداء و معاد کا ذکر کر کے جاری بحث کو مکمل کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جو شخص خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود کے طور پر پکارتا ہے یقیناً اس کے پاس اپنے اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں ہے اس کا حساب اس کے پروردگار کے پاس ہے۔

جی ہاں! مشرکین کا گذارا صرف دعوے پر ہے بڑوں کی اندھی تقلید یا ایسی ہی فضول و بے بنیاد باتیں ان کا سہارا ہیں ان واضح دلائل کے باوجود وہ معاد کا انکار کرتے ہیں لیکن شرک کو باوجود کوئی دلیل نہ ہونے کے قبول کیے ہوئے ہیں

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کا فر لوگ کامیاب نہیں ہوں گے اور ان کا انجام اس خدائی حساب پر ہی واضح ہو جائے گا۔

کیا عمدہ ہے کہ اس سورہ کا آغاز "قد افلح المومنون" سے ہوا ہے اور اس کی بحث "لا یفلح الکفارون" پر ختم ہو

رہی ہے اور یہ ہے مومنین اور کافرین کی زندگی کی اول تا آخر منظر کشی۔

(۱۱۸) اس سورہ شریفہ کی آخری آیت میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے ایک عمومی نتیجہ کے طور پر ارشاد ہوتا ہے کہہ دے پروردگارا! مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔

اب جب کہ ایک گروہ شرک کی بے راہ روی میں سرگرداں ہے اور ایک جماعت ظلم وستم میں گرفتار ہے تو اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے اپنے تئیں اس کے لطف وکرم کی پناہ میں دے دے اور اس سے بخشش طلب کر۔

سورہ نور

مدینہ میں نازل ہوئی

اس میں ۶۴ آیتیں ہیں

سورہ نور کے مضامین

اس سورت کو درحقیقت پاکدامنی وعفت کی اور جنسی بے راہ رویوں کے خلاف جہاد کی سورت قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں معاشرے کو جنسی انحرافات سے پاک رکھنے کے مختلف طریقوں کے بارے میں مختلف حوالوں سے گفتگو کی گئی ہے اس سلسلے میں اس کے مضامین کو مندرجہ ذیل مختلف مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا مرحلہ: یہ مرحلہ زانی عورت اور زانی مرد کی سزا کے بارے میں ہے یہ سزا اس سورت کی دوسری آیت میں بڑی قطعی اور حتمی صورت میں ذکر کی گئی ہے

دوسرا مرحلہ: اس مرحلے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس شدید حد کو جاری کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اسلام کے قضائی قوانین اور اصولوں کے لحاظ سے اس سزا کے اجراء کیلئے سخت شرائط معین کی گئی ہیں۔

تیسرا مرحلہ: اس مرحلے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام صرف گناہ گار کو سزا دے دینے پر قناعت نہیں کر لیتا بلکہ جنسی بے راہ روی کو روکنے کیلئے کئی طرح کے اقدامات کرتا ہے مردوں اور عورتوں کو دونوں سے کہا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے آنکھیں نہ لڑائیں اسی سلسلے میں عورتوں کیلئے پردے کا تفصیلی حکم بیان کیا گیا ہے کیونکہ باہم آنکھیں لڑانا اور بے پردگی جنسی انحرافات کے اہم عامل ہیں اور جب تک ان دونوں کا خاتمہ نہ ہو جائے بے حیائی اور بے عفتی معاشرے سے ختم نہیں ہو سکتی۔

چوتھا مرحلہ: اس مرحلے میں عفت کے منافی اعمال سے بچنے کیلئے شادی بیاہ کا آسان حکم صادر کیا گیا ہے تاکہ شرعی طریقے سے انسان کی جنسی ضروریات پوری کر کے اسے غیر شرعی طریقوں سے بچایا جائے۔

پانچواں مرحلہ: اس مرحلے میں اسی حوالے سے کچھ آداب معاشرت بیان کیے گئے ہیں اور ماں باپ کے حوالے سے اولاد کیلئے کچھ تربیتی اصول بیان کیے گئے ہیں۔

چھٹا مرحلہ: اس مرحلے میں توحید اور مبداء و معاد سے متعلق کچھ مسائل کا ذکر ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا ذکر ہے۔

ضمنی طور پر ایمان و عمل صالح سے مربوط گفتگو کی مناسبت سے نیک کردار مومنین کی عالمی حکومت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے اور اسلام کے کچھ دیگر احکام کی طرف بھی اشارہ ہوا ہے اس طرح سے یہ سورت مجموعی طور پر ایک جامع اور کامل پروگرام پر مشتمل ہے۔

سورہ نور کی فضیلت

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا

''سورہ نور کی تلاوت کے ذریعے اپنا مال تلف ہونے سے بچاؤ اپنا دامن بے عفتی سے آلودہ ہونے سے محفوظ رکھو اور اپنی خواتین کو اس کے احکام کے زیر سایہ انحرافات سے بچاؤ کیونکہ جو شخص ہر روز یا ہر شب ہمیشہ اس کی تلاوت کرے گا اس کے خاندان میں سے کوئی شخص آخر عمر تک خلاف عفت کام میں مبتلا نہیں ہوگا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَ فَرَضۡنٰهَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ	یہ وہ سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور واجب کیا ہے اور اس میں ہم نے آیاتِ بیّنات نازل کی ہیں کہ شاید تم سبق لو۔
(۲) اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِهِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَ لۡیَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	زانی عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تم خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو دینِ خدا کے معاملے میں ہرگز ترس (اور جھوٹی محبت) تمہیں دامن گیر نہ ہو، اور ان دونوں کی سزا کے وقت کچھ مومنین کو مشاہدے کیلئے ہونا چاہیے۔
(۳) اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	زانی مرد صرف زانی یا مشرک عورت سے نکاح کرتا ہے اور زانی عورت صرف زانی یا مشرک مرد سے نکاح کرتی ہے اور یہ کام مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔

تفسیر

زانی مرد اور زانی عورت کی سزا

ہم جانتے ہیں کہ آیت نور کی وجہ سے اس سورت کا نام سورہ نور ہے اور یہ آیت نہایت جاذب نظر ہے لیکن اس سے قطع نظر اس سورہ کے مضامین ومطالب ایک خاص نورانیت کے حامل ہیں۔

اس سورہ کی پہلی آیت درحقیقت اس کے تمام مطالب کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے یہ وہ سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور واجب کیا اور اسمیں ہم نے آیات بینات نازل کیں کہ شاید تم نصیحت حاصل کرو۔

یہ تعبیر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس سورت کے تمام مطالب بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں چاہے وہ عقائد ہوں آداب معاشرت ہوں یا احکام ہوں۔

اس عمومی اور کلی بیان کے بعد زانی عورت اور زانی مرد کے بارے میں پہلا قطعی اور حتمی قانون بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے زانی عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے اس خدائی حد کا اجراء کرتے ہوئے تمہیں ہرگز ترس نہیں آنا چاہئے اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

اس خدائی سزا سے مکمل نتیجہ حاصل کرنے کیلئے آیت کے اختتام پر ایک اور نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے مومنین کا ایک گروہ حد جاری ہوتے وقت مشاہدہ کیلئے موجود ہونا چاہیے۔

یہ آیت دراصل ان تین احکام پر مشتمل ہے۔

1۔ زانی عورتوں اور زانی مردوں کی سزا زنا سے مراد اس مرد اور عورت کا آپس میں جنسی ملاپ ہے کہ جو آپس میں شادی شدہ نہیں کہ جس کیلئے کوئی شرعی جواز موجود نہیں۔

2۔ اس امر کی تاکید کو اس سزا کے اجراء کیلئے ہرگز ترس اور بے محل نرمی کے احساسات نہیں ہونے چاہئیں۔

3۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ حد جاری کرتے ہوئے کچھ مومنین موجود ہوں کیونکہ اس سزا کا صرف یہ مقصد نہیں کہ گنہگار کو عبرت حاصل ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی سزا دوسروں کیلئے بھی درس عبرت ہو۔

زیر بحث آیت میں چونکہ زانی عورت اور زانی مرد کے بارے میں گفتگو کی جارہی ہے اس لئے اسی مناسبت سے ایک سوال سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی عورتوں سے شادی کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے۔

تیسری آیت میں اس سوال کا جواب دیا جارہا ہے ارشاد ہوتا ہے زانی مرد سوائے زانیہ یا مشرک عورت کے شادی نہیں کرتا جیسا کہ زانی عورت سوائے زانی یا مشرک مرد کے کسی سے بیاہ نہیں کرتی۔ اور یہ کام مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔

یہ آیت صرف ایک عینی حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ آلودہ دامن افراد ہمیشہ ناپاک افراد کے پیچھے ہی جاتے ہیں۔

لیکن باایمان افراد ہرگز آلودہ دامن اور ناپاک افراد کو جیون ساتھی بنانے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور انہیں اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے ہیں۔

یہ آیت ایک خدائی اور شرعی حکم بیان کررہی ہے اور خصوصیت سے اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان زانی عورتوں اور مردوں سے شادی بیاہ سے اجتناب کریں کیونکہ جسمانی بیماریوں کی طرح عموماً اخلاقی بیماریاں بھی متعدی ہوتی ہیں اور ایک سے دوسرے میں سرایت کرجاتی ہیں

(۴) وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ	اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر الزام لگاتے ہیں، اور پھر (اپنے دعوے کے ثبوت کیلئے) چارہ گواہ پیش نہیں کرسکتے، انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو کہ وہ لوگ فاسق ہیں
(۵) اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.	مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کریں اور اصلاح وتلافی کریں تو خدا غفور ورحیم ہے۔

تفسیر

تہمت کی سزا

گزشتہ آیات میں زانی مرد اور زانی عورت کیلئے سخت سزا بیان کی گئی ہے ہوسکتا ہے خود غرض اور بے تقویٰ افراد اس سے غلط فائدہ اٹھائیں اور پاکدامن افراد پر تہمت لگانا شروع کردیں اس لئے زانیوں کیلئے شدید سزا بیان کرنے کے ساتھ ہی سوئے استفادہ کرنے والوں اور تہمت لگانے والوں کے لئے سخت سزا بیان کی گئی ہے تاکہ ایسے افراد کے ہاتھوں پاکدامن گھرانوں کی حیثیت اور احترام محفوظ رہے اور کوئی شخص کسی کی عزت وآبرو کو زائل کرنے کی جرات نہ کرسکے۔ ارشاد ہوتا ہے جو افراد پاک دامن عورتوں پر منافی عفت عمل کا الزام لگاتے ہیں انہیں چاہئے کہ اس دعوے کے ثبوت کیلئے چار عادل گواہ پیش کریں اور اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو ان میں سے ہر ایک کو اسی کوڑے لگاؤ۔

یہ سخت سزا بیان کرنے کے بعد قرآن دو احکام کا اضافہ کرتا ہے

کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ وہ فاسق ہیں۔

پاک دامن افراد کی عزت ووقار کے تحفظ کیلئے ایسا سخت اقدام صرف یہیں پر نہیں ہے بلکہ بہت سی دیگر اسلامی تعلیمات میں بھی موجود ہے ان تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں باایمان اور پاک دامن عورت اور مرد کا عزت ووقار کس قدر اہم ہے۔

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں

''اگر کوئی مومن اپنے مومن بھائی پر کسی ایسی چیز کا الزام لگائے کہ جو اس میں نہیں ہے تو ایمان اس کے دل میں اس طرح سے گھل جاتا ہے جیسے نمک پانی میں''۔

(۵) لیکن اسلام کسی پر واپسی کی راہ بند نہیں کرتا بلکہ ہر موقع پر گناہگاروں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنا آلودہ دامن پاک رکھیں اور گزشتہ خطاؤں کی تلافی کریں لہٰذا اس آیت میں فرمایا گیا مگر وہ لوگ جو بعد ازاں توبہ کرلیں اور اصلاح وتلافی کرلیں تو خدا

انہیں معاف کر دیتا ہے کیونکہ اللہ غفور ورحیم ہے۔

کیا یہ استثناء صرف "اولئک هم الفاسقون" کیلئے ہے یا "ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا" کیلئے بھی ہے اس سلسلے میں میں مفسرین اور علماء کی آرا مختلف ہیں یہ استثناء اگر دونوں جملوں کی طرف لوٹے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی توبہ بھی مقبول ہے اور ہر لحاظ سے فسق کا حکم بھی ان سے اٹھالیا جاتا ہے۔

(٦)وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ	جو لوگ اپنی بیویوں پر (منافی عفت عمل کا) الزام لگاتے ہیں اور اپنے علاوہ ان کے پاس کوئی گواہ نہیں، تو ان میں سے ہر ایک اللہ کے نام کی چار شہادتیں دے کہ وہ سچوں میں سے ہے۔
(٧) وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ	اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر خدا کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔
وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ	وہ عورت بھی اپنے تئیں (زنا کی) سزا سے بچا سکتی ہے، اگر چار مرتبہ اللہ کو شاہد قرار دے کہ (عورت پر اس الزام میں) وہ مرد جھوٹا ہے۔
(٩) وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر خدا کا غضب ہو اگر وہ مرد سچوں میں سے ہے۔
(١٠) وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۧ	اور اگر خدا کا فضل اور رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی اور یہ کہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور حکیم ہے (تو تم میں سے بہت سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاتے)۔

شان نزول

ان آیات کی شان نزول کے بارے میں ابن عباس سے منقول ہے کہ

انصار کے سردار سعد بن عبادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کچھ اور اصحاب بھی بیٹھے تھے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! اس منافی عفت عمل کی نسبت کسی کی طرف دینے کی سزا عدم ثبوت پر اسی کوڑے ہے تو اگر

میں اپنے گھر میں داخل ہوں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ ایک فاسق شخص میری بیوی کے ساتھ مشغول بدکاری ہے تو اگر میں اسے اسی عالم میں چھوڑ کر چار گواہ ڈھونڈنے چلا جاؤں تو واپسی تک وہ اپنا کام کر چکا ہوگا اور اگر قتل کر دوں تو گواہ کے بغیر کوئی میری بات قبول نہیں کرے گا اور مجھ سے قاتل کے طور پر قصاص لیا جائے گا جبکہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ بیان کروں تو میری پشت پر اسی کوڑے لگیں گے۔

اس وقت مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کے حل کیلئے مسلمانوں کو ایک دقیق راہ بتائی۔

تفسیر

بیوی پر تہمت لگانے کی سزا

جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہے زیر نظر آیات حد قذف پر تبصرے کے طور پر ایک استثنائی حکم بیان کر رہی ہیں کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر منافی عفت عمل کا الزام عائد کرے اور کہے کہ میں نے اسے غیر مرد کے ساتھ بدکاری کی حالت میں دیکھا ہے تو اس پر اسی کوڑے کی حد قذف جاری نہیں ہوگی لیکن اس کا دعوی بغیر دلیل وشاہد کے قبول بھی نہیں کیا جائے گا کیوں اس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے۔

یہاں قرآن نے اس مسئلے کا ایسا حل پیش کیا ہے کہ جو بہترین بھی ہے اور عادلانہ بھی اور وہ یہ کہ شوہر اپنے دعوے میں سچا ہونے کے لئے چار مرتبہ گواہی دے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور اپنے علاوہ ان کے پاس کوئی گواہ نہیں تو دعوی کرنے والوں میں سے ہر شخص چار مرتبہ اللہ کے نام کی شہادت دے کہ وہ سچوں میں سے ہے۔

(۷) اور پانچویں دفعہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

یعنی شوہر اپنے دعوے کے اثبات کیلئے اور حد قذف سے بچنے کیلئے چار مرتبہ یہ جملہ کہے

''میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس عورت پر جو الزام لگایا ہے اس میں سچا ہوں''

''اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت''

(۸) یہاں عورت کیلئے دو راستے ہیں ایک یہ کہ وہ مرد کے الزام کی نفی نہ کرے اور اس کی بات کی تصدیق کر دے تو جیسا کہ بعد کی آیات میں آئے گا اس کے لئے حد زنا ثابت ہو جائے گی۔

دوسرا راستہ زنا کی سزا سے بچنے کا ہے اور وہ یہ کہ وہ چار مرتبہ اللہ کو گواہ قرار دے کر کہے کہ اس مرد نے غلط الزام لگایا ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔

(۹) اور پانچویں مرتبہ کہے ''اس پر خدا کا غضب ہو اگر مرد اس الزام میں سچا ہے''

یعنی مرد نے جو پانچ مرتبہ اس عورت کے خلاف گواہی دی ہے وہ عورت بھی پانچ مرتبہ اس کی نفی کرے پہلے چار مرتبہ یوں

کہے

''میں خدا کو گواہ بناتی ہوں کہ اس نے میری طرف جونسبت دی ہے اس میں وہ جھوٹا ہے''

اور پانچویں دفعہ یہ کہے

''اگر وہ سچ کہتا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ہو''

مندرجہ بالا آیت میں جولفظ ''لعن'' آیا ہے اس کی مناسبت سے اس سارے عمل کو لعان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس عمل سے چار نتیجے مرتبہ ہوں گے

1۔ صیغہ طلاق کی ضرورت کے بغیر ہی فوراً میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔

2۔ یہ عورت اور مرد ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے یعنی نئے سرے سے ان کی شادی کا امکان ختم ہو جائے گا۔

3۔ ''قذف'' کی حد مرد سے اور زنا کی حد عورت سے اٹھ جائے گی لیکن اگر ان میں سے مرد یہ کام نہ کرے تو اس پر قذف کی حد جاری ہوگی اور عورت یہ کلمات نہ کہے تو اس پر زنا کی حد جاری ہوگی۔

4۔ اس واقع کے نتیجے میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس مرد کا نہیں سمجھا جائے گا یعنی اس سے منسوب نہیں ہوگا البتہ عورت سے منسوب رہے گا۔

(۱۰) آیت کے آخر میں قرآن کہتا ہے اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی اور وہ توبہ قبول کرنے والا اور حکیم نہ ہوتا تو بہت سے لوگ تباہ ہو جاتے یا سخت سزاؤں میں مبتلا ہو جاتے۔

یہ آیت درحقیقت مندرجہ احکام پر تاکید کے طور پر ایک اجمالی اشارہ ہے کیونکہ یہ آیت نشاندہی کرتی ہے کہ لعان کا عمل اللہ کا ایک فضل وکرم ہے اور وہ اس سلسلے میں میاں بیوی کے ایک مشکل معاملے کو صحیح طریقے سے حل کر دیتا ہے۔

(۱۱) اِنَّ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ‌ؕ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّـكُمۡ‌ؕ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ؕ لِكُلِّ امۡرِیءٍ مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ‌ۚ وَالَّذِىۡ تَوَلّٰى كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ	اتنی بڑی تہمت لگانے والا تمہارے ہی اندر کا ایک گروہ تھا لیکن یہ خیال نہ کرو کہ یہ ماجرا تمہارے لئے برُا تھا بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے۔ جس کسی نے اس میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ اس کے ذمے ہے۔ اور جس نے اس کا بڑا حصہ اپنے ذمے لیا اس کیلئے عذابِ عظیم ہے۔

(۱۲) لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ	جس وقت تم نے یہ (تہمت والی) بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ نیک گمان کیوں نہیں کیا؟ تم نے کیوں نہیں کہا کہ یہ بہت بڑا اور واضح جھوٹ ہے۔
(۱۳) لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ	ان لوگوں نے چار گواہ کیوں پیش نہیں کیے؟ اب جب کہ وہ گواہ پیش نہیں کر سکے تو اللہ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔
(۱۴) وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۚ ۖ	اور اگر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تمہارے اس خود کردہ گناہ پر تمہیں سخت عذاب پہنچتا۔
(۱۵) اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ ۚ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ	وہ وقت یاد کرو جب تم اتنے بڑے جھوٹ کے پیچھے چل پڑے اور تمہاری ایک زبان سے یہ جھوٹ دوسری زبان تک پہنچتا چلا گیا اور تم اپنے منہ سے ایسی بات کہتے رہے جس کا تمہیں یقین نہ تھا اور تم اسے ایک معمولی سا مسئلہ سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی۔
(۱۶) وَ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ	تم نے اسے سن کر یہ کیوں نہ کہا کہ ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم یہ بات کریں خداوندا! تو منزہ ہے۔ یہ تو بڑا بہتان ہے۔

تفسیر

ایک بہت بڑی تہمت

مجموعی طور پر ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت ایک بے گناہ شخص پر کچھ لوگوں نے بدکاری کا الزام لگایا تھا اور یہ پراپیگنڈا معاشرے میں پھیل چکا تھا۔ اور منافقین کے ایک گروہ جو ظاہراً مسلمانوں میں شامل تھے اس سے غلط مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے اور اسلامی معاشرے کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے لہذا یہ آیات نازل ہوئیں اور قاطعیت کے ساتھ اس حادثے کا مقابلہ کیا ان آیات نے بدزبان منحرفین اور سیاہ دل منافقین کی سازشوں کو ناکام بنا دیا واضح ہے کہ ان آیات کے مفہوم کو

زمان ومکان میں منحصر نہیں کیا جاسکتا اوران کاحکم ہر معاشرے اور ہر زمانے کیلئے ہے۔زیرنظر پہلی آیت واقعہ بیان کیے بغیر کہتی ہے جن لوگوں نے یہ بہتان باندھا وہ تمہی میں سے تھے۔

بہرحال اس جملے کے بعد قرآن ان مومنین کی دلجوئی کرتا ہے کہ جو ایک پاکدامن شخص پر یہ تہمت لگنے کی وجہ سے شدید ناراحت تھے ارشاد ہوتا ہے یہ گمان نہ کرو کہ یہ واقعہ تمہارے لئے برا ہے بلکہ یہ تمہارے لئے باعث خیر ہے۔کیونکہ اس واقعہ نے شکست خوردہ دشمنوں اور کوردل منافقوں کے ارادوں سے پردہ اٹھا دیا ہے اور اس نے ان بدسیرت خوش نما افراد کو رسوا کر دیا ہے ہوسکتا ہے اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو یہ لوگ پہچانے ہی نہ جاتے اور آئندہ کبھی زیادہ خطرناک ضرب لگاتے۔

اس آیت کے بعد دونکتوں کی طرف مزید اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جن لوگوں نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے ان میں سے ہر ایک کیلئے جوابدہی اور سزا کا ایک حصہ ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس گناہ کی ایک بھاری ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے جو اس کے بانی اور منصوبہ ساز ہیں اور ان کی اس ذمہ داری کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے کے سر کوئی ذمہ داری نہیں آتی بلکہ جو کوئی بھی جس قدر اس کام میں شریک ہے اتنی ذمہ داری اس پر بھی عائد ہوتی ہے۔

مزید فرمایا گیا ہے جس کا اس گناہ میں بڑا حصہ ہے اس پر عذاب بھی بڑا ہوگا۔

(۱۲) اس کے بعد روئے سخن ان مسلمانوں کی طرف ہے کہ جو اس واقعے میں دھوکے میں آ گئے چند ایک آیات میں ان کی شدید مذمت کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے جس وقت تم نے یہ تہمت سنی تو مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا۔یعنی جب تم نے مومن افراد کے بارے میں منافقین کی باتیں سنیں تو دوسرے مومنین کے بارے میں حسن ظن سے کام کیوں نہ لیا کہ جو تمہارے لئے خود تمہی جیسے ہیں۔

اور کیوں نہیں کہا کہ یہ ایک بڑا اور سفید جھوٹ ہے۔جبکہ تم تو ان منافقین کا برا اور رسوا کن ماضی جانتے تھے اس کے باوجود اس قسم کا جھوٹا پروپیگنڈا سن کر تمہارا خاموش رہنا لائق ملامت ہے

(۱۳) یہاں تک تو اخلاقی اور روحانی پہلو سے سرزنش کی گئی تھی اور متوجہ کیا گیا تھا کہ کسی لحاظ سے بھی مناسب نہ تھا کہ ایسی بری تہمت پر مومنین خاموش رہتے یا کوردل سازشیوں کے آلہ کار بنتے اس کے بعد فیصلے اور حکم کا مرحلہ آتا ہے ارشاد ہوتا ہے انہیں چار گواہ پیش کرنے کیلئے کیوں نہ کہا گیا۔

اب جبکہ وہ گواہ پیش نہیں کرسکتے تو اللہ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔

اس مواخذہ اور سرزنش سے ظاہر ہوتا ہے کہ چار گواہوں کی شہادت اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں حد قذف کا حکم آیات ''افک'' سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔

(۱۴) آخر میں مجموعی طور پر فرمایا گیا ہے اگر اللہ کا فضل اور رحمت دنیا و آخرت میں تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تمہیں اس

کام کے باعث کہ جس میں تم داخل ہو گئے تھے عذاب عظیم دامن گیر ہوتا۔

"افضتم افاضة" کے مادہ سے زیادہ پانی نکلنے کے معنی میں ہے نیز کبھی یہ لفظ پانی میں داخل ہونے کے معنی میں آتا ہے اس تعبیر سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مذکورہ تہمت کی شہرت اس قدر ہوگئی تھی کہ گویا مومنین اس کے اندر داخل ہو گئے تھے۔

یہ آیت درحقیقت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ وہ اتنے بڑے گناہ میں کیسے سادگی کے ساتھ اور آرام سے جا پڑے تھے ارشاد ہوتا ہے اس وقت کا سوچو کہ جب تم اس بڑے جھوٹ کے استقبال کیلئے جا رہے تھے اور ایک دوسرے کی زبان سے یہ پراپیگنڈا اڑائے لئے جاتے تھے۔ اور اپنے منہ سے تم ایسی باتیں کرتے تھے کہ جن کے بارے میں تمہیں علم ویقین نہ تھا۔ اور تمہیں یہ گمان تھا کہ یہ معمولی سا معاملہ ہے حالانکہ خدا کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔

(۱۵) آیت دراصل ان کے تین عظیم گناہوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

پہلا اس پراپیگنڈا کا استقبال کرنا اور اسے ایکدوسرے کی زبان سے لینا (پراپیگنڈا کو قبول کرنا)

دوسرا اس پراپیگنڈا کو ہوا دنیا جبکہ وہ اس کے بارے میں علم ویقین نہ رکھتے تھے اور اسے دوسروں تک پہنچانا پراپیگنڈا کی کسی تحقیق کے بغیر تشہیر کرنا

تیسرا اس عمل کو معمولی سمجھنا حالانکہ اس کا تعلق نہ فقط دو مسلمانوں کی عزت وآبرو اور مقام ومنزلت سے تھا بلکہ اس کی زد اسلام معاشرے کی حیثیت وآبرو پر بھی پڑتی تھی پراپیگنڈا کو معمولی سمجھنا اور اسے شغل کے طور پر لینا۔

(۱۶) یہ واقعہ بہت اہم تھا مگر بعض مسلمانوں نے اسے معمولی سمجھ لیا تھا اس لئے ایک مرتبہ پھر انہیں سرزنش کا زوردار تازیانہ لگایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جب تم نے اتنا بڑا جھوٹ سنا تو یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں اجازت نہیں ہے کہ ہم اس کے بارے میں گفتگو کریں کیونکہ یہ ایک بے دلیل تہمت ہے اے پروردگار! تو پاک ہے یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے۔

درحقیقت پہلے تو انہیں اس لئے ملامت کی گئی تھی کہ جن پر تہمت لگائی تھی انہیں حسن ظن کی نگاہ سے کیوں نہں دیکھا لیکن اب فرمایا گیا ہے حسن ظن کے علاوہ تمہیں نہیں چاہئے تھا کہ اس تہمت کے بارے میں لب کشائی کرتے چہ جائے کہ تم اس کی تشہیر کرنے لگ جاؤ۔

(۱۷) يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ	اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو ہرگز ایسے کام کا تکرار نہ کرنا۔
(۱۸) وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	اور اللہ اپنی آیت تمہارے لئے واضح کرتا ہے، اور خدا علیم و حکیم ہے۔

(۱۹) اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ	جولوگ اہل ایمان میں برائیوں کی اشاعت چاہتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں۔اور اللہ جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔
(۲۰) وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ وَ اَنَّ اللّٰہَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ؑ	اور اگر اللہ کا فضل ورحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتے اور خدا تم پر رحیم اور مہربان نہ ہوتا (تو تمہیں سخت سزا دیتا)۔

تفسیر

برائیوں کی اشاعت ممنوع ہے

یہاں بھی پھر واقعہ افک کے حوالے سے بات کی گئی ہے ان میں غلط پراپیگنڈا کرنے اور نیک افراد پر خلاف ناموس تہمت لگانے کے برے اور سنگین انجام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے

ارشاد ہوتا ہے اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہو تو ایسے کام کا ہرگز تکرار نہ کرنا۔

یعنی ایمان کی نشانی یہ ہے کہ انسان بڑے گناہوں کا ارتکاب نہ کرے اور اگر کوئی بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ جملہ درحقیقت توبہ کے ایک پہلے اور حصے کی نشاندہی کر رہا ہے کیونکہ گزشتہ گناہ پر پشیمانی ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ آئندہ گناہ کا تکرار نہ کرنے کا پختہ عزم کیا جائے تا کہ توبہ ہمہ گیر ہو جائے۔

(۱۸) اس کے بعد مزید تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے یہ باتیں معمولی نہیں ہیں بلکہ تمہاری سرنوشت کیلئے حقائق ہیں کہ جو بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ تم سے بیان کیے گئے ہیں اور یہ خدائے علیم وحکیم کی طرف سے ہیں۔ وہ اپنے علم وآگاہی کی بناء پر تمہارے اعمال کی تمام تفصیلات سے باخبر ہے یا دوسرے لفظوں میں اپنے علم کے مطابق وہ تمہاری احتیاجات اور تمہارے خیر وشر کے عوامل سے آگاہ ہے اور اپنی حکمت کے مطابق اپنے احکام کو ان سے ہم آہنگ کرتا ہے۔

(۱۹) اس کے بعد بات کا رخ کچھ تبدیل کیا گیا ہے اب ایک شخصی واقعے سے آگے بڑھ کر ایک عمومی اور جامع قانون کی صورت میں بات کی گئی ہے تا کہ مسئلے پر کچھ اور زور دیا جائے ارشاد ہوتا ہے جو لوگ اہل ایمان میں برائیاں شائع کرنا پسند کرتے ہیں ان کیلئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔

بلکہ یہ تعبیر تو بہت وسیع مفہوم رکھتی ہے اور اس میں ہر قسم کی برائیوں اور گناہوں کی ترویج واشاعت اور اس میں مدد دینا شامل ہے

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اور خدا جانتا ہے جبکہ تم نہیں جانتے۔

وہ جانتا ہے کہ اس گناہ کی چاہت کن لوگوں کے دل میں ہے جو لوگ پرفریب ناموں کے پس پردہ یہ برے عمل انجام دیتے ہیں وہ انہیں پہچانتا ہے لیکن تم نہ جانتے ہو اور نہ پہچانتے ہو

(۲۰) واقعہ افک اشاعت فحشاء سے ممانعت اور پاکدامن اہل ایمان پر تہمت بازی سے روکنے کے سلسلے کی آخری آیت میں ایک بار پھر تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے اگر فضل و رحمت الٰہی تمہارے شامل حال نہ ہوتی اور اللہ تم پر رحیم و مہربان نہ ہوتا تو تمہیں اسی دنیا میں ایسی دردناک سزا دیتا کہ جس سے تمہاری زندگی تاریک اور برباد ہو کر رہ جاتی۔

(۲۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ	اے ایمان والو! شیطان کی پیروی نہ کرو۔ جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے (وہ اسے گمراہ کر دیتا ہے کیونکہ) وہ اسے بدکاری اور برائی کا حکم دیتا ہے اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو تم میں کوئی بھی ہرگز پاک نہ ہوتا۔ لیکن اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے، اور اللہ سننے والا، اور جاننے والا ہے۔
(۲۲) وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَ لْیَعْفُوْا وَ لْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	جو لوگ (مالی) برتری اور وسعت رکھتے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھالیں کہ اپنے رشتہ داروں، محتاجوں اور راہ خدا کے مہاجروں کی مدد نہ کریں گے۔ ان سے درگزر اور صرف نظر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم سے درگزر کرے؟ اور اللہ تو غفور و رحیم ہے۔
(۲۳) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۙ	جو لوگ پاکدامن اور (ہر قسم کے گناہ سے) بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں رحمت الٰہی سے دور ہیں اور عذاب عظیم ان کے انتظار میں ہے،

(۲۴) يَّوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ وَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ	اس روز کہ جب ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے ان اعمال کے باعث ان کے خلاف گواہی دیں گے۔
(۲۵) يَوۡمَئِذٍ يُّوَفِّيۡهِمُ اللّٰهُ دِيۡنَهُمُ الۡحَقَّ وَ يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ الۡمُبِيۡنُ	اس روز اللہ ان کی وہ سزا انہیں بے کم و کاست دیگا کہ جس کے وہ مستحق ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ حق مبین ہے۔

شانِ نزول

زیر نظر دوسری آیت چند صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے واقعہ افک کے بعد قسم کھالی تھی کہ جو لوگ اس واقع میں ملوث تھے اور اس عظیم تہمت کو پھیلانے میں سرگرم تھے ان میں سے کسی کی مالی امداد نہیں کریں گے اور ان میں سے کسی سے ہمدردی نہ کریں گے۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں اس شدت عمل سے سختی سے روک دیا گیا اور عفوودرگزر کا حکم دیا گیا۔

تفسیر

جزا وسزا حساب واستحقاق کے مطابق ہوگی

صراحتاً تو یہ آیات واقعہ افک کے بارے میں نہیں ہیں تاہم انہیں اسی بحث کا تتمہ قرار دیا جا سکتا ہے یہاں تمام مومنین کو تنبیہ کی جارہی ہے بعض اوقات شیطانی افکار و اعمال تدریجی طور پر غیر محسوس طریقے سے اثر انداز ہوجاتے ہیں اگر شروع ہی میں ان پر کنٹرول نہ کیا جائے تو پھر انسان اس وقت متوجہ ہوتا ہے۔ جب معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے لہٰذا جب گناہوں اور بدکاریوں کے وسوسوں کی ابتداء ہی ہو تو ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے تا کہ وہ وسعت اختیار نہ کر جائیں۔

زیر نظر پہلی آیت میں روئے سخن مومنین کی طرف ہے ارشاد ہوتا ہے اے ایمان لانے والو! شیطان کے نقش قدم پر مت چلو کہ جو کوئی بھی اس کی پیروی کرے گا وہ گمراہی بدکاری اور نافرمانی کی طرف کھنچتا چلا جائے گا کیونکہ شیطان بدکاری و برائی کی دعوت دیتا ہے۔

ایک پاکباز مومن کبھی بھی یک دم برائی کی آغوش میں نہیں جاپڑتا بلکہ قدم بقدم جاتا ہے
اور آخرکار بدترین گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

بالکل ایسے جیسے انسان اپنی باگ ڈور کسی گناہ گار مجرم کے حوالے کردے جو قدم بقدم اسے ہلاکت کے گڑھے کی طرف لے جائے تاکہ انسان اس میں گر کر فنا ہوجائے جی ہاں! یہ ہیں خطوت الشیطان۔

اس کے بعد راہ ہدایت کی طرف انسانوں کی رہبری کی عظیم نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے اگر فضل ورحمت الٰہی تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہوتا مگر اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور خدا تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ایک تو اس نے انسان کو نعمت عقل سے نوازا ہے اور پھر رسول بھیجے ہیں اور ان کے ساتھ یہ احکام بھی بطریق وحی نازل فرمائے ہیں علاوہ ازیں اس کی خاص توفیقات اور غیبی امداد بھی ہے کہ جو اہل اور مستحق انسانوں کے شامل حال ہوتی ہے یہ سب پاکیزگی اور تزکیہ کے نہایت اہم عامل ہیں۔

(۲۲) مجازات کا بھی ایک درمعین ہے:

قرآن کہتا ہے جو لوگ مالی لحاظ سے خوشحال ہیں وہ یہ قسم نہ کھالیں اور یہ فیصلہ نہ کرلیں کہ اپنے رشتہ داروں محتاجوں اور راہ خدا کے مہاجروں کی امداد نہیں کریں گے۔

اس آیت کے الفاظ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس واقعے میں ملوث بعض افراد راہ خدا میں ہجرت کرنے والے بھی تھے کہ جو منافقین کے دھوکے میں آ گئے اور ان کے سابقہ کارنامے کی وجہ سے اللہ نے اجازت نہ دی کہ انہیں اسلامی معاشرے سے دھتکار دیا جائے اور ان کے استحقاق سے بڑھ کر ان کے خلاف فیصلہ کیا جائے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو ایسے نیک کام جاری رکھنے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا گیا ہے انہیں معاف کر دینا چاہئے اور چشم پوشی کرنا چاہیے۔

کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تم سے درگزر رے۔

تو جیسے تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہاری لغزشیں معاف کردے ایسے ہی دوسروں کی کوتاہیوں سے بھی صرف نظر کرلیا کرو اور اللہ تو غفور ورحیم ہے۔

یہ آیات درحقیقت اسلام کی قوت جاذبہ اور قوت دافعہ کے اعتدال کی عکاسی کرتی ہیں آیات افک پہلے مرحلے میں تو لوگوں کی ناموس پر تہمت لگانے والوں کیلئے سخت سزا کو بیان کرتی ہیں اور اس طرح دافعہ کی عظیم قوت کا مظہر ہیں اور دوسرے مرحلے میں عفو و درگزر اور اللہ کے غفور ورحیم ہونے کا تذکرہ ہے اس مقام پر قوت جاذبہ کا مظہر ہیں۔

(۲۳) اس کے بعد پھر قذف کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور موضوع پھر پاکدامن عورتوں کی ناموس پر تہمت لگانے کی طرف لوٹتا ہے قطعی اور اٹل فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جو لوگ پاکدامن اور ہر گناہ سے بے خبر مومن عورتوں پر ناروا تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں رحمت الٰہی سے دور ہیں اور عذاب عظیم ان کے انتظار میں ہے۔

اس آیت میں دراصل عورتوں کی تین صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ہر صفت اس ظلم کی اہمیت پر ایک دلیل ہے کہ جو ان پر تہمت لگا کر کیا گیا ہے

(۲۴) اس آیت میں تہمت لگانے والوں کی بارگاہ الٰہی میں کیفیت بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے اس روز ان پر عذاب عظیم

ہوگا کہ جس دن ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اوران کے پاؤں ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

وہ نہیں چاہیں گے مگران کی زبان حرکت میں آ جائے گی اور حقائق بیان کرے گی۔

ان کے ہاتھ پاؤں بھی بولیں گے یہاں تک کہ قرآنی آیات کے مطابق ان کے بدن کا چمڑا بھی کلام کرے گا جی ہاں وہ دن کہ جسے ''یوم البروز'' کہتے ہیں جو تمام بھیدوں کے آشکار ہوجانے کا دن ہے اس روز یہ سب کچھ آشکار ہوجائے گا۔

(۲۵) س کے بعد فرمایا گیا ہے اس دن خدا انہیں بے کم وکاست ان کی حقیقی جزا انہیں دے گا۔

اوراس دن وہ جان لیں گے کہ اللہ حق مبین ہے۔

اگر آج اس دنیا میں انہیں پروردگار کی حقانیت کے بارے میں کوئی شک ہے یا آج لوگوں کو گمراہی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں تو اس دن اس کی عظمت قدرت اور حقانیت کی نشانیاں اتنی واضح ہوں گی کہ سخت ترین ہٹ دھرم افراد بھی اعتراف پر مجبور ہو جائیں گے۔

(۲٦) اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ وَ الۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ وَ الطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا یَقُوۡلُوۡنَ ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۬	خبیث وناپاک عورتین خبیث وناپاک مردوں کیلئے ہیں اور خبیث و ناپاک مرد بھی خبیث و ناپاک عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کیلئے ہیں اور پاکیز ہ مرد بھی پاکیزہ عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ان ناروا تہمتوں سے منزّہ ومبّرا ہیں جوان پر لگائی جاتی ہیں اوران کیلئے (اللہ کی) مغفرت وبخشش اوررزقِ کریم ہے۔

تفسیر

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

یہ آیت بھی درحقیقت آیات افک اوراس سے پہلے کی آیات کا تسلسل ہے اورانہی کے مفاہیم پر ایک اورتاکید ہے اس میں جہان خلقت میں رائج ایک فطری نظام کا بیان ہے کہ شریعت بھی جس سے ہم آہنگ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے خبیث وناپاک عورتیں خبیث وناپاک مردوں کیلئے ہیں جیسا کہ خبیث وناپاک مردوں کا تعلق خبیث وناپاک عورتوں سے ہے۔

اوراس کے مدمقابل بھی طیب وپاک عورتیں طیب وپاک مردوں کیلئے ہیں جیسا کہ طیب وپاک مردوں کا تعلق طیب وپاک عورتوں سے ہے۔

اور آیت کے آخر میں دوسرے گروہ کے بارے میں مزید فرمایا گیا ہے وہ ان ناروا تہمتوں سے مبرا ہیں کہ جو ان پر لگائی جاتی ہیں۔
اور اسی بناء پر اللہ کی مغفرت اور اسی طرح پُر ارزش رزق ان کے انتظار میں ہے۔

(۲۷) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ	اے ایمان والو! اپنے گھر کے سوا دوسرے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہو اور اس گھر والوں کو سلام بھی کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ شاید کہ تم توجہ کرو۔
(۲۸) فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ	اور اگر اس گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہونا جب تک کہ تمہیں اجازت نہ ملے اور اگر کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس آ جاؤ کہ یہ (بات) تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔
(۲۹) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ	جن گھروں میں کسی کی رہائش نہ ہو اور وہاں تمہارا مال و اسباب پڑا ہو وہاں تمہارے داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے یا چھپاتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔

تفسیر

بغیر اجازت لوگوں کے گھروں میں نہ جاؤ

اسلام کے چند ایک معاشرتی آداب و احکام بیان ہوئے ہیں ان کا عفت و پاکدامنی کی حفاظت سے بھی قریبی تعلق ہے۔

ان آیات میں دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے اور داخل ہونے کی اجازت لینے کے آداب بیان ہوئے ہیں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا اور اس گھر والوں کو سلام بھی کرنا اور قبل ازیں اپنی آمد کی انہیں اطلاع دینا اور داخل ہونے کیلئے اجازت حاصل کرنا۔

یہ تمہارے لئے بہتر ہے شاید تم توجہ دو۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کے درمیان اس سلسلے میں ہمیشہ کچھ خاص قوانین و آداب موجود رہے ہیں اور دنیا کے تمام قوانین میں لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہونا ممنوع ہے اور اس کیلئے سزا تک مقرر ہے یہاں تک کہ جہاں تحفظ امن اور دوسرے حوالوں سے ضروری ہو کہ بلا اجازت داخل ہوا جائے وہاں بھی محدود معین طریقے ہیں اور ادارے ہیں کہ جو یہ اجازت دینے کا

حق رکھتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی ابوسعید نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی اور دروازے کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اجازت لیتے وقت دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوا کرو''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی کسی کے گھر کے دروازے پر آتے تو سامنے کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں طرف ہو کر کھڑے ہوتے تھے اور السلام علیکم کہہ کر اجازت چاہتے تھے۔

(۲۸) اس آیت میں ایک اور جملے کے اضافے سے اس حکم کی تکمیل کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے اگر دیکھو کہ اس گھر میں کوئی نہیں ہے تو پھر اس میں مت جاؤ جب تک کہ تمہیں اجازت نہ مل جائے۔

ہوسکتا ہے اس سے یہ مراد ہو کہ بعض اوقات گھر میں کچھ افراد تو رہتے ہیں لیکن کوئی ایسا شخص نہیں ہوتا کہ جو صاحب اختیار اور گھر کا مالک ہو اور اجازت دے سکے تو ایسی صورت میں تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ اس گھر میں داخل ہو یا ہوسکتا ہے کہ جو صاحب اختیار اور گھر کا مالک ہو اور اجازت دے سکے تو ایسی صورت میں تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ اس گھر میں داخل ہو۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو اس بات کو قبول کرتے ہوئے واپس چلے جاؤ کہ یہ تمہارے لئے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تمہیں واپس چلے جانے کیلئے کہا جائے تو تمہیں اس جواب پر ہرگز پریشان اور ناراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بعض اوقات صاحب خانہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کیلئے تم سے ملنا پریشانی اور زحمت کا باعث ہوتا ہے یا اس کی اور اس کے گھر کی ایسی حالت نہیں ہوتی کہ وہ مہمان کو گھر بلا سکے۔

بعض لوگوں کو نفی میں جواب ملے تو وہ اس کی وجہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں دروازے کے سوارخوں سے دیکھتے ہیں کان لگا کر اندر کی آوازیں سنتے ہیں یا کسی ذریعے سے اس گھر کے راز جاننے کی کوشش کرتے ہیں اسی بات کے پیش نظر قرآن مزید کہتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

(۲۹) مسائل کے حل کی معقول صورت پیدا کرنے کیلئے ہر حکم میں کوئی نہ کوئی استثنائی پہلو ہوتا ہے اس لئے مزید فرمایا گیا ہے جن گھروں میں کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمہارا مال واسباب پڑا ہو تو پھر ان میں داخل ہونے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی اضافہ فرمایا گیا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے یا چھپاتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔

شاید یہ اس طرف اشارہ ہو کہ بعض افراد ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ جو اس رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں اور غیر رہائشی گھروں میں داخل ہو کر چیزوں کی ٹوہ لگاتے پھریں یا رہائشی گھروں میں اس بہانے سے چلے جائیں کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہاں کوئی رہتا ہے لیکن اللہ ان تمام امور سے آگاہ ہے اور غلط فائدہ اٹھانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

لازمی ہے کہ لوگوں کے گھروں میں خصوصی زندگی میں امنیت اور تحفظ ہو۔

(۳۰) قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ	مومنین سے کہہ دو اپنی آنکھوں کو (نامحرموں کو دیکھنے سے) بند رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کیلئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے (یقیناً) آگاہ ہے۔
(۳۱) وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوٰنِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	اور باایمان عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو (نگاہِ ہوس آلود سے) بند رکھیں، اپنا دامن محفوظ رکھیں اور سوائے اس حصے کے کہ جو ظاہر ہے اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کریں اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے سینے پر ڈالیں (تاکہ اسسے گردن اور سینہ چھپ جائے) نیز کسی کے سامنے اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہر اپنے آباؤ اجداد اپنے شوہروں کے آباؤ اجداد، اپنے بیٹوں، اپنے شوہروں کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھائیوں کے بیٹوں، اپنی بہنوں کے بیٹوں، اپنی ہم مذہب عورتوں اپنی عورتوں اور کنیزوں یا کسی عورت کی طرف میلان نہ رکھنے والے زیر دست مردوں یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ نہ ہوں۔ اور اس طرح زمین پر پاؤں مار کر (بھی) نہ چلیں کہ ان کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جائے (اور پازیبوں کی جھنکار لوگوں کو سنائی دے) اور سب اللہ کی طرف لوٹ آؤ، اے ایمان والو! تاکہ فلاح پا جاؤ۔

شان نزول

امام باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے

انصاری میں سے ایک نوجوان کا راہ چلتے ہوئے ایک عورت سے سامنا ہوا اس زمانے میں عورتیں اپنی چادر کانوں کے پیچھے رکھتی تھیں ظاہر سی بات ہے کہ اس طرح گردن اور سینے کی کچھ مقدار نمایاں ہو جاتی تھی اس نوجوان کی نظر اس

عورت کے چہرے پر پڑی تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا وہ عورت پاس سے گزر گئی مگر یہ جوان ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا، قدم بھی اٹھاتا رہا اور اسکی طرف دیکھے بھی جارہا تھا یہاں تک کہ ایک تنگ گلی میں داخل ہو گیا مڑ مڑ کر عورت کی طرف بھی دیکھے جاتا تھا اچانک اس کا چہرہ ایک دیوار پر لگا کہ جس میں ہڈی کی نوک یا شیشے کا ٹکڑا باہر نکلا ہوا تھا چہرہ اس پر جا لگا عورت دور چلی گئی تو نوجوان کو ہوش آیا اس نے دیکھا کہ خون اس کے چہرے سے جاری ہے اور اس کے لباس اور سینے پر گر رہا ہے اسے بہت افسوس ہوا وہ اپنے آپ سے کہنے لگا بخدا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتا ہوں اور یہ ماجرا ان سے کہتا ہوں جس وقت رسول خدا ﷺ کی نگاہ اس پر پڑی تو فرمایا تجھے کیا ہوا؟

اس جوان نے آپ ﷺ سے وہ تمام واقعہ بیان کیا اس وقت وحی خدا کا قاصد جبریل نازل ہوا اور یہ آیت پہنچائی

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم............

تفسیر

بے پردگی اور بے حیائی کے خلاف اقدام

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ یہ سورت عفت و پاکدامنی کا درس لئے ہوئے ہے اس میں جنسی بے راہ روی کے خلاف اقدامات کیے گئے ہیں اس لحاظ سے اس کے مباحث واضح طور پر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

زیر بحث آیت میں غیر محرم کی طرف نگاہ کرنے ہوسناک نگاہوں سے دیکھنے اور پردے کے بارے میں احکام بیان کیے گئے پہلے ارشاد ہوتا ہے مومنین سے کہہ دو کہ نامحرموں کی طرف سے اور ہر اس چیز سے کہ جن پر نظر ڈالنا حرام ہے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنے دامن کی حفاظت کریں۔

بعض اوقات یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے اس کام سے کیوں منع کیا ہے کہ جو خواہشات دل کا تقاضا ہے اس سلسلے میں آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: یہ ان کیلئے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کو خطرے سے آگاہ کیا گیا ہے کہ جو جان بوجھ کر نامحرم عورتوں پر ہوس آلود نگاہیں ڈالتے ہیں اور پھر اسے غیر اختیار قرار دے دیتے ہیں ارشاد ہوتا ہے جو کچھ تم انجام دیتے ہو اللہ اس سے یقینی طور پر آگاہ ہے۔

(۳۱) اس آیت میں اس سلسلے میں عورتوں کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے پہلے تو وہ ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں جو مردوں کی ذمہ داریوں جیسی ہیں ارشاد ہوتا ہے باایمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی آنکھیں بند رکھیں اور نامحرم مردوں کی طرف دیکھنے سے بچیں اور اپنے دامن کی حفاظت کریں۔

گویا جیسے مردوں پر ہوس آلود نگاہوں سے عورتوں کی طرف دیکھنا حرام ہے اسی طرح عورتوں پر بھی حرام ہے اسی طرح دوسروں سے اپنی شرمگاہ کو چھپانا جیسے مردوں کیلئے ضروری ہے اسی طرح عورتوں پر بھی واجب ہے۔

اس کے بعد تین جملوں میں مسئلہ حجاب کا ذکر ہے اور حجاب کا مسئلہ خصوصیت سے عورتوں سے متعلق ہے ان تین جملوں کو ہم ذیل میں دیکھتے ہیں۔

1......انہیں نہیں چاہیے کہ اپنا بناؤ سنگھار دکھاتی پھریں سوائے اتنی مقدار کے کہ جتنی فطری طور پر ظاہر ہو جاتی ہے۔

لہٰذا عورتوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ زینتیں اور بناؤ سنگھار کہ جو عموماً چھپا ہوتا ہے اسے ظاہر کریں اگرچہ بدن نہ بھی ظاہر ہو اس لحاظ سے عام چادر یا برقعے کے نیچے جو زینت آمیز لباس ہوتا ہے اسے ظاہر کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ قرآن نے ایسی زینتوں کے اظہار سے منع کیا ہے۔

2......اس آیت میں عورتوں کو دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے سینوں پر ڈال لیں۔

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے عورتیں اپنے دوپٹوں اور چادروں کے آنچل شانوں پر یا سر کے پچھلی طرف ڈالتی تھیں اس طرح سے ان کی گردن اور سینے کا کچھ حصہ دکھائی دیتا تھا قرآن حکم دیتا ہے کہ عورتیں اپنی چادر اپنے گریبان کے اوپر ڈال لیں تاکہ گردن اور سینے کا دکھائی دینے والا حصہ چھپ جائے۔

3......تیسرے حکم میں ان افراد کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جن کے سامنے عورتیں پردہ ہٹا سکتی ہیں اور چھپی ہوئی زینت کو ظاہر کر سکتی ہیں۔

بات یوں شروع ہوتی ہے عورتیں اپنی زینت اور سنگھار ظاہر نہ کریں۔ سوائے ان بارہ مواقع پر

۱............اپنے شوہروں کیلئے۔

۲............اپنے آباؤ اجداد کے سامنے۔

۳............اپنے شوہروں کے آباؤ اجداد کے سامنے۔

۴............اپنے بیٹوں کے سامنے۔

۵............اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے۔

۶............اپنے بھائیوں کے سامنے۔

۷............اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے۔

۸............اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے۔

۹............اپنی ہم مذہب عورتوں کے سامنے۔

۱۰............اپنی مملوک کنیزوں کے سامنے۔

۱۱............ان زیردست مردوں کے سامنے کہ جو کوئی رغبت نہ رکھتے ہوں۔

۱۲............یا ان چھوٹے بچوں کے سامنے کہ جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ امور کی تمیز نہیں رکھتے۔

4......آخر میں چوتھا حکم اس طرح بیان کیا گیا ہے راہ چلتے اپنے پاؤں زمین پر یوں مار کر نہ چلیں کہ ان کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو جائے۔

وہ اپنی عفت و پاک دامنی کا پاس کریں اور ایسے کام نہ کریں کہ جن سے مردوں کے جذبات کو انگیخت ملتی ہو۔اس سلسلے میں اتنی احتیاط سے کام لیں کہ پازیب کی آواز بھی غیر مردوں کو سنائی نہ دے

آخر میں تمام مومنین کو چاہے وہ مرد ہوں یا عورت خدا کی طرف لوٹ آنے کی اور توبہ کی دعوت دی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

اے ایمان والو! سب خدا کی طرف لوٹ آؤ تا کہ فلاح پا جاؤ۔

اگر اس سلسلے میں گزشتہ زندگی میں تم نے کوئی غلط کام کیا ہے تو اس وقت جبکہ تمہارے سامنے اسلام کے احکام واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں اپنی خطاؤں سے توبہ کرو اور نجات وفلاح کیلئے بارگاہ الٰہی کا رخ کرو کیونکہ نجات وفلاح صرف اس کے دروازے سے ملتی ہے اور تمہارے رستے میں لغزش کے بہت خطرناک مقامات ہیں کہ جن سے نجات اس کے لطف کے بغیر ممکن نہیں اپنے آپ کو اسی کے سپرد کر دو

ا۔ پردے کا فلسفہ۔اس میں شک نہیں کہ ہمارے زمانے میں کہ جسے عریانی اور جنسی آزادی کا زمانہ کہتے ہیں بعض لوگوں کو ہمارا پردے کی بات کرنا سخت ناگوار گزرتا ہے یہ وہی مغرب زدہ بے لگام افراد ہیں کہ جو عورتوں کو زمانے کی آزادی کا حصہ سمجھتے ہیں کبھی یہ لوگ پردے کو گزشتہ زمانے کی کہانی قرار دیتے ہیں لیکن ان بے لگام آزادیوں نے بے حساب مشکلات اور قباحتوں کو جنم دیا ہے اور روز افزوں مصائب پیدا کیے ہیں یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ پردے کی بات سننے والے کان بھی پیدا ہو گئے ہیں۔

انتہائی معذرت کے ساتھ............سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کے بارے میں آزادی ہونی چاہیں کہ سمع بصر اور لمس کے حوالے سے سوائے اختلاط جنسی کے سب مردان سے فائدہ اٹھائیں اور وہ تمام مردوں کے اختیار میں ہوں یا یہ امور ان کے شوہروں کے ساتھ مخصوص ہوں۔

اسلام کہتا ہے کہ جنسی لذت سمعی حوالے سے ہو یا بصری حوالے سے یا پھر لمس کے ذریعے سب بیوی شوہر کے ساتھ مخصوص ہیں اور اگر کچھ اس کے علاوہ ہو تو گناہ اور معاشرے کی ناپاکی کا سبب ہے جیسا کہ زیر بحث آیات میں ہے کہ

یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہے

پردے کا فلسفہ کوئی راز کی بات نہیں............کیونکہ

1۔عورتوں کی بے پردگی عریانی اور آرائش مردوں کیلئے بالخصوص جوانوں کیلئے جنسی تحریک کا باعث ہے اور اگر یہ بے حیائی جاری ہے تو یہ تحریک بھی دائمی ہوگی............ایسی تحریک کہ جو مردوں کے اعصاب کو شکستہ کر کے رکھ دے گی اس سے اعصابی بیماریاں پیدا ہوگی یہ کیفیت طبیعت میں ہیجان اور نفسیاتی امراض کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔

خاص طور پر اس مسئلے کی طرف توجہ رہے کہ انسانی جبلت میں جنسی قوت بہت قوی پہلو دار اور گہری ہے انسانی تاریخ میں اس

نے ہولناک حوادث جرائم اور مظالم کوجنم دیا ہے یہاں تک کہ بعض نے کہا ہے کہ کوئی اہم حادثہ تاریخ بشر میں ایسا نہیں ملے گا کہ جس میں عورت کا دخل نہ ہو کیا ایسی قوت و جبلت کو عریانی وفحاشی کے ذریعے ابھارنا اور ہوا دینا آگ سے کھیلنے کے مترادف نہیں ہے؟ کیا یہ عاقلانہ کام ہے؟

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی روحیں پرسکون ہوں اعصاب صحیح وسالم ہوں آنکھ اور کان پاکیزہ ہوں اور اس کیلئے پردہ ناگزیر ہے

2۔ قطعی اور مستند اعداد وشمار سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ عریانی میں اضافے کی وجہ سے دنیا میں طلاق اور ازدواجی زندگی میں علیحدگی کا تناسب بڑھتا چلا جارہا ہے جبکہ عریانی کے آزاد بازار میں کہ جہاں عورت مشترکہ سامان کی حیثیت رکھتی ہے وہاں ازدواجی عہد و پیمان کا تقدس کوئی مفہوم نہیں رکھتا وہاں گھرانے تار عنکبوت کی طرح تیزی سے ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں اور بچے بے سہارا ہو کر سرگرداں ہو جاتے ہیں۔

3۔ فحاشی کا پھیلاؤ اور ناجائز اولاد کی کثرت بے پردگی کے دردناک ترین نتائج میں سے ہیں اور یہ بات اس قدر آشکار ہے کہ ہمارے خیال میں اعداد وشمار کی محتاج نہیں ہے اور اس کی وجوہ خصوصا مغربی معاشروں میں پورے طور پر نمایاں ہیں بلکہ اس قدر عیاں ہیں کہ بیان کی ضرورت نہیں۔

4۔ بے پردگی اور عریانی عورت کے مقام کے زوال کا بھی باعث ہے اگر معاشرہ عورت کو عریاں بدن دیکھنا چاہے گا تو فطری بات ہے کہ ہر روز اس سے آرائش کا تقاضا بڑھتا جائے گا اور اس کی نمائش میں اضافہ ہوتا جائے گا جب عورت جنسی کشش کی بناء پر ساز وسامان کی تشہیر کا ذریعہ بن جائے گی انتظار گاہوں میں دل بہلاوا ہو جائے گی اور سیاحوں کو متوجہ کرنے کا ذریعہ بن جائے گی تو معاشرے میں اس کی حیثیت ایک کھلونے یا بے قیمت مال واسباب تک گر جائے گی اور اس کے شایان شان انسانی اقدار فراموش ہو جائیں گی اور اس کا اعزاز وافتخار صرف اس کی جوانی' زیبائش اور نمائش تک محدود ہو کر رہ جائے گا اس طرح سے وہ چند ناپاک فریب کار انسان نما درندوں کی سرکش ہوا و ہوس پوری کرنے کے ذریعے میں بدل جائے گی۔

ایسے معاشرے میں ایک عورت اپنی اخلاقی خصوصیات علم و آگہی اور بصیرت کے مظاہرے کیسے کر سکتی ہے اور کوئی بلند مقام کیسے حاصل کر سکتی ہے؟

(۳۲) وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ	اور غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادی کر دو اور اسی طرح اپنے نیک غلاموں اور کنیزوں کو بھی بیاہ دو۔ اگر وہ تنگدست ہوئے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ اللہ بہت صاحب وسعت اور علیم ہے۔

(۳۳) وَ لۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّ اٰتُوۡہُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ لَا تُکۡرِہُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ عَلَی الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ مَنۡ یُّکۡرِہۡہُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاہِہِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ	اپنے فضل سے انہیں بھی غنی کر دے۔ اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت (آزادی کیلئے ایک خاص قرار داد) کی درخواست کریں تو ان سے مکاتبت کرلو، اگر تم ان میں رشد اور بھلائی محسوس کرو۔ اور اللہ نے تمہیں جو مال دیا ہے اس میں سے کچھ انہیں دیدو۔ اور متاعِ دنیا کے حصول کے لئے اپنی کنیزوں کو عصمت فروشی پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں۔ اور جو کوئی انہیں اس کام پر مجبور کرے (پھر اس پر پشیمان ہو) تو اس جبر کے بعد اللہ غفور و رحیم ہے۔ (لہٰذا توبہ کرو اور اس شرمناک عمل کو ہمیشہ کیلئے ترک کر دو)۔
(۳۴) وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۠	ہم نے تمہاری طرف کچھ آیات بھیجی ہیں کہ جو بہت سے حقائق واضح کرتی ہیں اور وہ ان لوگوں کی خبریں ہیں کہ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت ہیں۔

تفسیر

آسان شادی بیاہ کی ترغیب

اس سورہ کے آغاز سے لے کر یہاں تک جنسی آلودگیوں سے بچنے کیلئے مختلف طریقوں سے نہایت جچے تلے انداز میں گفتگو کی گئی ہے یہاں میں ایک اور اہم حوالے سے فحاشی اور برائی کا قلع قمع کرنے کیلئے اقدام کیا گیا اور وہ شادی بیاہ کا سادہ، آسان اور بے ریا طریقہ یہ بات مسلم ہے کہ بدکاری اور فحاشی کے خاتمہ کیلئے ضروری ہے کہ صحیح اور جائز طریقے سے انسان کی فطری ضرورت کو پورا کیا جائے۔

لہٰذا زیر نظر آیت میں فرمایا گیا ہے غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادی کر دو اور اسی طرح نیک غلاموں اور کنیزوں کی بھی۔

بلاشبہ تعاون کے بارے میں اسلام کا بنیادی اصول تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان تمام امور میں ایک دوسرے کی مدد کریں لیکن شادی بیاہ کے بارے میں تعاون کی خاص اہمیت حاصل ہے۔

اس مسئلے کی اس قدر اہمیت ہے کہ ایک حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں

بہترین تعاون یہ ہے کہ تو دو افراد کے درمیان شادی کیلئے ملاپ کر دے یہاں تک کہ معاملہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان خود بھی پوری کوشش کرتا ہے اور دوسرے بھی پوری سعی کرتے ہیں لیکن پھر بھی شادی نہیں ہو پاتی اور انسان مجبور ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ محروم رہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مرحلے پر کچھ لوگ یہ گمان کرنے لگیں کہ اب ان کیلئے جنسی آلودگی جائز ہے اور ضرورت اس کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا ساتھ ہی اس آیت میں پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے اور وہ کہ جو شادی نہیں کر پاتے اور ان کیلئے وسیلہ نہیں بن جاتا انہیں عفت و پاکدامنی اختیار کرنا چاہئے یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل کے ذریعے انہیں بے نیاز کر دے۔

جہاں بھی غلاموں اور کنیزوں کے بارے میں گفتگو ہو موقع کی مناسبت سے اسلام ان کی آزادی کی طرف خاص توجہ دلاتا ہے لہٰذا یہاں بھی ان کی شادی کی بات آئی تو ساتھ ہی مکاتبت کے طریقے سے ان کی آزادی کا ذکر بھی آ گیا ہے مکاتبت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک قرارداد کے ذریعے غلام کام کرتے ہیں اور قسط وار اپنے مالک کو رقم فراہم کرتے ہیں اور اس طرح آزاد ہو جاتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے جو غلام آزادی کیلئے تم سے مکاتبت کا تقاضا کرتے ہیں ان کے ساتھ معاہدہ طے کر لو اگر ان میں تم رشد اور بھلائی محسوس کرو۔

اس کے بعد اس بناء پر کہ یہ اقساط ادا کرتے ہوئے غلاموں کو زیادہ زحمت و مشقت نہ ہو قرآن حکیم حکم دیتا ہے جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ انہیں دو۔

بعض لوگ اپنے مملوکوں سے ایک نہایت ہی قبیح کام لیتے تھے زیر بحث آیت کے آخر میں اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے دنیا کے زودگزر مال کی خاطر اپنی کنیزوں کو عصمت فروشی پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاک و پاکیزہ رہنا چاہتی ہیں۔

یہ آیت نشاندہی کرتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کس قدر اخلاقی پستی میں مبتلا تھے حتی کہ ظہور اسلام کے بعد بھی بعض لوگ ایسے کام جاری رکھے ہوئے تھے یہاں تک کہ اس آیت نے نازل ہو کر اس شرمناک کیفیت کو ختم کیا۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہمارے زمانے میں کہ جسے بعض بیسویں صدی کا زمانہ جاہلیت قرار دیتے ہیں بعض ممالک میں یہ کام بڑے شدومد سے جاری ہے ان میں نام نہاد متمدن اور ترقی یافتہ ملک بھی ہیں اور وہ حقیقی انسانیت کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہیں

قرآن کا اسلوب ہے کہ وہ گناہگاروں کیلئے لوٹ آنے کے دروازے کھلے رکھتا ہے اور توبہ و اصلاح کی ترغیب دیتا ہے اس سلسلے میں آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے اور جس کسی نے انہیں اس کام پر مجبور کیا اور پھر وہ اس پر پشیمان ہوا تو ان کے جبر کے بعد اللہ غفور و رحیم ہے۔

شادی کے بعد انسان کی شخصیت ایک اجتماعی شخصیت میں بدل جاتی ہے شادی کے بعد مرد شدت سے محسوس کرتا ہے کہ اس کی ذمہ داری ہے کہ بیوی کی حفاظت کرے اور اس کا نان نفقہ پورا کرے اس میں پھر خاندان کی آبرو کا احساس ہوتا ہے اور وہ ہونے

والی اولاد کیلئے وسائل زندگی مہیا کرنے کی تگ ودو کرتا ہے اس لئے وہ پورے شعور سے اپنی صلاحیت اور استعداد بروئے کار لاتا ہے اور اپنی آمدنی کی حفاظت اور اس میں قناعت کی کوشش کرتا ہے اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ افلاس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تائید ایزدی اور مخفی روحانی قوتیں بھی ایسے افراد کی مدد کرتی ہیں کہ جو انسانی ذمہ داری پوری کرنے اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کیلئے شادی کرتے ہیں۔ عموماً شادی نہ کرنے اور اس سے بھاگنے کیلئے تنگ دستی اور غربت کا عذر پیش کیا جاتا ہے اس لئے قرآن اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے غربت کی وجہ سے پریشان نہ ہونا اور ان کی شادی کی کوشش کرنا کیونکہ اگر وہ تنگدست ہوئے تو اللہ اپنے فضل کے ذریعے انہیں بے نیاز کر دے گا۔

اور اللہ ایسے کام پر قادر ہے کیونکہ وہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور علیم ہے۔ اس کی قدرت اتنی وسیع ہے کہ عالم ہستی پر محیط ہے اور اس کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ تمام نیتوں سے آگاہ ہے جو پاکدامنی کی حفاظت کیلئے شادی کرتے ہیں ان کی نیتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ ان سب پر اپنا فضل و کرم کرے گا۔

(۳۴) قرآن اپنی روش کے مطابق زیر بحث آخری آیت میں گزشتہ مباحث کی طرف مجموعی طور پر اشارہ کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے ہم نے تم پر آیات نازل کیں کہ جو بہت سے حقائق واضح کرتی ہیں۔

نیز ہم نے تم سے گزشتہ لوگوں کی مثالیں اور خبریں بیان کی ہیں۔ اور یہ سب پرہیزگاروں کیلئے نصیحت ہیں۔

(۳۵) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ	اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ نورِ خدا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی (روشن) چراغ کسی طاق میں رکھا ہو اور وہ چراغ ایک فانوس میں ہو اور وہ فانوس فروزاں ستارے کی مانند شفاف و درخشاں ہو اور اس چراغ کو روشن کرنے کیلئے تیل زیتون کے ایسے درخت سے لیا گیا ہو جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے، (اس کا روغن ایسا صاف اور خالص ہو کہ) اگرچہ آگ اسے چھوئے بھی نہیں لیکن وہ روشن ہو جاتا ہو۔ نور کے اُوپر نور ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت فرماتا ہے اور وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے اور وہ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔

(۳۶) فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ۙ	(یہ روشن چراغ) ایسے گھروں میں ہے کہ جن کے متعلق اللہ تعالٰی نے حکم دیا ہے کہ انکی دیواریں بلند کی جائیں (تا کہ وہ شیطانوں اور ہوس پرستوں سے امان میں ہوں) ایسے گھر کہ جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہو اور جن میں صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان ہوتی ہو۔
(۳۷) رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ٭ۙ	ایسے جوانمرد کہ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت یادِ خدا، قیامِ نماز اور ادائے زکوۃ سے غافل نہیں کرسکتی۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب دل اور آنکھیں زیروزبر ہو جائیں گی۔
(۳۸) لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ	مقصد یہ ہے کہ اللہ انہیں ان کے بہترین اعمال کی جزا دے اور اپنے فضل سے اس پر اضافہ بھی کر دے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے رزقِ بے حساب عطا فرماتا ہے۔

تفسیر

آیت نور

گزشتہ آیات سے ان کا تعلق یہ ہے کہ قبل ازیں عفت و پاکدامنی کے بارے میں مختلف انداز سے مختلف حوالوں سے بات ہوئی ہے فحاشی اور بدکاری کی روک تھام کیلئے احکام دیئے گئے ہیں اور تمام احکام الٰہی کے اجراء کا ضامن ایمان ہے ایمان ہی سرکش خواہشات پر کنٹرول کرسکتا ہے انسانی جذبات میں سے قوی ترین جذبات، جنسی جذبات ہیں اور ان پر کنٹرول ایمان کے بغیر ممکن ہی نہیں لہٰذا آخرکار زیرِ نظر آیات میں بحث کا رخ ایمان اور اس کے قوی اثرات کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

اس عالم کے حسی موجودات میں سے اگر کوئی چیز تشبیہ و تمثیل کیلئے انتخاب کریں اگرچہ اس کا مقام باعظمت ہر شبیہ و نظیر سے برتر ہے تو کیا لفظ "نور" کے علاوہ کسی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے وہ خدا کہ جو تمام عالم ہستی کو عالم ظہور میں لانے والا ہے۔

وہ خدا جو عالم آفرینش کو روشنی عطا کرتا ہے۔

تمام موجودات جس کے فرمان کی برکت سے زندہ ہیں

اور تمام مخلوقات جس کے خوان نعمت پر پلتی ہیں۔

وہی خدا کہ اگر لحمہ بھر کیلئے ان موجودات سے اپنی چشم الطاف پھیر لے تو سب فنا کی تاریکی میں ڈوب جائیں اور یہ بات جاذب نظر ہے کہ موجود اس سے جس قدر ربط رکھتا ہے اسی قدر اس سے نورانیت اور روشنی حاصل کرتا ہے اسی لئے

قرآن نور ہے چونکہ اس کا کلام ہے۔

دین اسلام نور ہے چونکہ اس کا آئین ہے

انبیاء ورسل علیہم السلام نور ہیں چونکہ اس کے بھیجے ہوئے ہیں

آئمہ معصومین علیہم السلام نور ہیں چونکہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس کے دین کے نگہبان ہیں۔

ایمان نور ہے چونکہ اس سے رشتہ جوڑ دیتا ہے

علم نور ہے چونکہ اس کی معرفت کا باعث ہے

لہٰذا "**اللّٰہ نور السمٰوات والارض**"................. ہے

اور اگر لفظ نور کو اس کے وسیع معنی میں لیں تو پھر اللہ کے لئے اس کا استعمال تشبیہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ نور کا معنی ہے۔

ایسا وجود جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو اس لئے کہ عالم خلقت میں کوئی چیز اس سے زیادہ آشکار نہیں اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس کے وجود کی برکت سے ظاہر ہے۔

اس طرح سے تمام عالم ہستی کا مرکز وہی ہے اور سب نور اس کی ذات پاک کے نور تک جا پہنچتے ہیں۔

اس بات کے بعد قرآن نور الٰہی کی کیفیت بیان کرنے کیلئے ایک عمدہ اور دقیق مثال پیش کرتا ہے فرماتا ہے نور خدا کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی چراغ طاق میں رکھا ہو اور وہ چراغ ایک فانوس میں ہو اور وہ فانوس فروزاں ستارے کی مانند شفاف و درخشاں ہوں۔

اور یہ چراغ زیتون کے اس مبارک اور بابرکت درخت کے تیل سے جلایا جاتا ہو کہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔

اس کا تیل ایسا صاف اور خالص ہو کہ گویا آگ کے چھوئے بغیر شعلہ زن ہو جاتا ہو۔

ایک نور ہے کہ جو نور کے اوپر ہے۔

اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے۔

اور اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

مثال کی وضاحت

نور ایمان جو مومنین کے دل میں ہے انہی چار عوامل کا حامل ہے کہ جو ایک روشن چراغ میں موجود ہیں۔

مصباح............ایمان کا وہ شعلہ ہے کہ جو مومن کے دل میں بھڑکتا ہے اور نور ہدایت اس سے ضوفشان ہوتا ہے

زجاجۃ فانوس مومن کا دل ہے کہ جو ایمان کو اپنے وجود میں منظّم کرتا ہے
مشکوۃ طاق مومن کا سینہ ہے یا دوسرے لفظوں میں اس کا علم فکر اور آ گہی ہے کہ جو اس کے ایمان کو طوفان اور ہوائے تند سے بچاتی ہے۔

شجرۃ مبارکۃ زیتونہ وحی الٰہی ہے کہ جس کا نچوڑ اور روشن انتہائی صاف و پاک ہے اور اس کے ذریعے مومنین کا ایمان شعلہ ور اور بابرکت ہوتا ہے۔

درحقیقت یہ نور خدا وہی نور ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کو منور کرتا ہے یہ نور قلب مومنین سے ضوفشاں ہوتا ہے اوران کے سارے وجود کو روشن کر دیتا ہے اور جو دلائل انہوں نے عقل وبصیرت سے حاصل کیے ہیں وہ نور الٰہی کی آمیزش سے **نور علی نور** کا مصداق بن جاتے ہیں اور یہی وہ منزل ہے کہ جہاں اہل اور تیار دل نور الٰہی سے ہدایت پاتے ہیں اور "**یھدی اللہ لنور ہ من یشاء**" اپنی عملی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اور یہ نور روحی شرقی وغربی مادی انحراف اور آلودگی سے دور رہے ورنہ یہ روشنی گہنا جائے گی یہ روغن ایسا صاف اور ہر ملاوٹ اور خرابی سے پاک ہو کہ کسی دوسری چیز کی احتیاج کے بغیر تمام انسانی صلاحیتوں کو جمع کر لے اور "**یکاد زیتھا یضی ولو لم تمسہ نار**" کا مصداق بنے۔

(۳۶) یہاں تک تو اس نور الٰہی اور نور ہدایت وایمان کی خوبیاں اور امتیازات بیان ہو رہے تھے اسے ایک روشن چراغ کی تشبیہ سے واضح کیا گیا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ روشن چراغ کہاں ہے اور اس کا مقام کون سا ہے۔

اس کے لئے اس آیت میں فرمایا گیا ہے یہ مشکوۃ ایسے گھروں میں ہے کہ جن کی دیواریں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے تاکہ دشمنوں شیطانوں اور ہوس باز نگاہوں سے امان میں ہوں۔

وہ گھر کہ جن میں نام خدا کا تذکرہ ہوتا ہے (جن گھروں میں آیات قرآنی تلاوت ہوتی ہے اور حقائق وحی بیان ہوتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ ان گھروں سے کون سے گھر مراد ہیں تو اس کا جواب آیت میں موجود ہے ارشاد ہوتا ہے (صبح وشام ان گھروں میں تسبیح الٰہی ہوتی ہے۔

(۳۷) ایسے جوانمرد کہ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت یاد خدا قیام نماز اور ادائے زکوۃ سے غافل نہیں رکھ سکتی۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جب دل اور آنکھیں زیروزبر ہو جائیں گی۔

یہ خصوصیات نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ بیوت وہی مراکز ہیں کہ جنہوں نے حکم خدا سے استحکام پایا ہے اور یاد الٰہی کا مرکز بنے ہیں اور وہاں سے حقائق اسلام اور احکام الٰہی کی نشر واشاعت ہوتی ہے اس وسیع معنی کا مصداق مساجد اور انبیاء واولیاء کے گھر ہیں۔
بالخصوص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا گھر ان گھروں میں شامل ہیں۔

(۳۸) زیر بحث آیت میں نور ہدایت کے ان پاسداروں اور عاشقان حق کا اجر بیان کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے یہ اس بناء پر ہے کہ اللہ انہیں ان کے بہترین اعمال کی جزا دے اور اپنے فضل سے ان کے اجر میں اضافہ بھی کر دے۔

اور یہ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ جو لوگ فیضان الٰہی کے لائق ہیں ان کیلئے اللہ کا فیضان محدود نہیں ہے اور خدا جسے چاہتا ہے رزق بے حساب دیتا ہے اور اسے اپنی لامتناہی نعمات سے بہرہ مند کرتا ہے۔

مراد یہ ہو کہ اللہ ان کے تمام اعمال کی جزاء ان کے بہترین اعمال کے معیار کے مطابق دے گا یہاں تک کہ ان کے کم اہم اور درمیانے درجے کے اعمال بھی اجر کے حساب سے ان کے بہترین اعمال کے ہم پلہ ہوں گیا

(۳۹) وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۗ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ	اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں سراب جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو اسے کچھ نہیں ملتا اور وہ اللہ کو وہاں موجود پاتا ہے، اور اللہ اس کا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ کو حساب چکاتے دیر نہیں لگتی۔
(۴۰) اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۗ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۗ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۗ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۧ	یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے کسی گہرے سمندر میں تاریکی ہو، اسے ایک موج نے چھپا رکھا ہو اور اس کے اوپر ایک اور موج ہو اور اس کے اوپر تاریک بادل، تاریکیوں کے اوپر تاریکیاں ہیں، ایسی تاریکیاں کہ اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اسے دیکھ نہ سکے اور اللہ جس کے لئے نور عطا نہ کرے اس کیلئے کوئی نور نہیں۔

تفسیر

سراب کی طرح کے اعمال

گزشتہ آیات میں نور الٰہی اور نور ایمان و ہدایت کے بارے میں گفتگو تھی اب ان آیات میں کفر جہالت' بے ایمانی گمراہی اور منافقت کی تاریکی کے بارے میں بات کی گئی ہے مومنین کی زندگی اور ان کے افکار تو "نور علی نور" تھے جبکہ منافقوں اور کافروں کا وجود "ظلمات بعضها فوق بعض" ہے اب ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

کہ جو زندگی کے خشک، بے آب اور آگ برساتے صحراء میں پانی کی بجائے سراب کے پیچھے دوڑتے ہیں اور شدت پیاس سے جان دے دیتے ہیں جبکہ مومنین کے سر پر ایمان کا سایہ ہے اور وہ ہدایت کے میٹھے اور شفاف چشمے کے کنارے راحت و آرام سے بیٹھے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ان کے اعمال بے آب صحرا میں سراب کی طرح ہیں پیاسا آدمی اسے دور سے پانی سمجھتا ہے۔لیکن جب اس کے قریب جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔البتہ اللہ کو اا پنے اعمال کے پاس پاتا ہے اور اللہ اس کا حساب چکا دیتا ہے۔اور اللہ کو حساب چکاتے دیر نہیں لگتی۔

(۴۰) اس کے بعد دوسری مثال بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے یا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک وسیع سمندر پر چھائے ہوئے اندھیرے جیسے سمندر ہے اس پر ایک موج چھائی ہوئی ہے اور اس موج کے اوپر ایک اور موج ہے اور اس کے اوپر ایک تاریک بادل ہے۔اور اندھیرے ایک دوسرے کے اوپر چھائے ہوئے ہیں۔حالت یہ ہے کہ اگر ایسے میں کوئی شخص ہو اور وہ اپنا ہاتھ باہر نکالے تو تاریکی کا یہ عالم ہے کہ اسے ہاتھ سجھائی نہ دے گا۔

نور ایمان صرف اللہ کی طرف سے ہے اور جسے اللہ نور نہ بخشے اس کیلئے کوئی نور نہیں ہے۔

(۴۱) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پرندے بھی، جب آسمانوں پر اپنے پر پھیلائے ہوتے ہیں ان میں سے ہر کوئی اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتا ہے۔اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔
(۴۲) وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ	آسمانوں اور زمین کی حکومت اور مالکیت اللہ ہی کیلئے ہے اور تمام موجودات کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

تفسیر

سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں

گزشتہ آیات میں نور خدا یعنی نور ہدایت و ایمان اور کفر و ضلالت کی تہ در تہ تاریکیوں کے بارے میں گفتگو تھی زیر بحث آیات میں توحید کے دلائل پیش کیے گئے ہیں یہ دلائل نور الٰہی کی نشانیاں اور ہدایت کے اسباب ہیں۔

پہلے روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف ہے ارشاد ہوتا ہے کیا تو نے دیکھا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے

اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ اور پرندے بھی کہ جب آسمان پر اپنے پر پھیلائے ہوتے ہیں اس کی تسبیح میں مشغول ہوتے ہیں۔

وہ سب کے سب اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتے ہیں۔

اور وہ جو کام بھی کرتے ہیں اللہ ان سے آگاہ ہے۔

(۴۲) موجودات کی یہ عمومی تسبیح الٰہی اس کی خالقیت کی دلیل ہے اور اس کی خالقیت تمام عالم ہستی پر اس کی مالکیت کی دلیل ہے نیز اس بات کی بھی دلیل ہے کہ تمام موجودات لوٹ کر اسی کی طرف جائیں گے اس لئے مزید فرمایا گیا ہے اور آسمانوں اور زمین کی مالکیت خدا کیلئے ہے اور تمام موجودات کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

تسبیح وحمد سے مراد وہی ہے جسے ہم زبان حال کہتے ہیں جہان ہستی کا نظام اور تمام موجودات میں پنہاں کائنات کے حیرت انگیز اسرار زبان بے زبانی سے صراحت کے ساتھ اپنے خالق کی قدرت وعظمت اور لامتناہی علم وحکمت بیان کرتے ہیں کیونکہ کائنات کا ہر موجود بدیع عمدہ اور تعجب خیز ہے۔

مصوری کا نفیس مرقع اور ایک عمدہ خوبصورت شعر بھی اپنے بنانے والے کی حمد وتسبیح کرتا ہے یعنی ایک طرف تو اس کی عمدہ صفات بیان کرتا ہے حمد اور دوسری طرف اس سے عیب ونقص کی نفی کرتا ہے۔

تو پھر یہ باعظمت جہان اس کے یہ سب عجائبات اور اس کی بے پایاں تعجب خیز چیزیں.................کیا اپنے مصور وخالق کی حمد وتسبیح نہیں کریتیں۔

(۴۳) اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزۡجِىۡ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيۡنَهٗ ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ‌ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِيۡهَا مِنۡۢ بَرَدٍ فَيُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَ يَصۡرِفُهٗ عَنۡ مَّنۡ يَّشَآءُ‌ؕ يَكَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِؕ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر انہیں باہم جوڑ دیتا ہے، پھر انہیں تہہ دار بنا دیتا ہے؟ پھر تو دیکھتا ہے کہ ان سے بارش کے قطرے ٹپکنے لگتے ہیں اور آسمان میں جو پہاڑ ہیں خدا ان سے اولے نازل کرتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ان کے ذریعہ نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کے نقصان سے بچالیتا ہے۔ قریب ہے کہ (ان بادلوں کی) بجلی کی چمک ان کی آنکھوں (کی بینائی ہی) کو لیجائے۔
(۴۴) يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَ النَّهَارَ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ	اللہ رات اور دن کو الٹ پھیر کر لاتا ہے اور اس میں صاحبانِ بصیرت کیلئے عبرت ہے۔

(۴۵) وَ اللّٰہُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى بَطۡنِهٖ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰى رِجۡلَيۡنِ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّمۡشِىۡ عَلٰۤى اَرۡبَعٍ ؕ يَخۡلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ	اور اللہ نے ہر حرکت کرنے والے کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ان جانداروں میں سے بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں بعض دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعض چار پیروں پر چلتے ہیں۔ خدا جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے پیدا کرتا ہے کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر

کچھ عجائبات خلقت

ان آیات میں بھی عجائبات خلقت اور ان میں پوشیدہ علم وحکمت وعظمت کا ایک گوشہ بیان کیا گیا ہے اور ان میں بھی سب اس کی ذات پاک کی توحید کے دلائل ہیں۔

ایک دفعہ پھر روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف ہے ارشاد ہوتا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر انہیں ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے اور انہیں تہ در تہ کر دیتا ہے۔

پھر تو دیکھتا ہے کہ ان بادلوں میں سے بارش کے قطرے ٹپکنے لگتے ہیں اور کوہ ودشت اور باغ وصحرا پر برستے ہیں۔

جی ہاں! بارش ہی ہے جو مردہ زمینوں کو زندہ کرتی ہے نباتات کو لباس حیات پہناتی ہے اور انسانوں اور حیوانوں کو سیراب کرتی ہے۔

اس کے بعد آسمان اور بادلوں سے پیدا ہونے والی ایک اور عجیب وغریب چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

اور آسمانوں سے موجود پہاڑوں سے اولے برساتا ہے۔

اور جسے چاہے ان کے ذریعے نقصان پہنچاتا ہے درخت' پھل کھیت اور بعض اوقات انسان حیوان بھی ان سے تباہ ہو جاتے ہیں۔اور جسے چاہتا ہے اس کے نقصان سے بچا لیتا ہے۔

جی ہاں! وہی تو ہے جو کبھی بادل سے حیات بخش بارش برساتا ہے اور کبھی اسے نقصان رساں ژالہ باری میں بدل دیتا ہے اور ژالہ باری جو کبھی ہلاکت آمیز بھی ہوتی ہے اور یہ امر اللہ کی انتہائی قدرت وعظمت کا غماز ہے اس نے انسان کا سود وزیاں اور موت وحیات ایک ہی مقام پر جمع کر دی ہے بلکہ ان چیزوں کو گویا ایک دوسرے کے دل میں رکھ دیا ہے۔

آیت کے آخر میں آسمان پر ابھرنے والی توحید کی ایک اور نشانی کا ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے قریب ہے کہ بادلوں سے کوندنے والی بجلی انسان کی آنکھیں اچک لے۔

وہ بادل کو جو درحقیقت پانی کے ذرات سے پیدا ہوتے ہیں جب وہ برقی توانائی کے حامل ہو جاتے ہیں تو اس کے اندر سے

آگ اس طرح لپکتی ہے کہ آنکھیں خیرہ کر دیتی ہے اور اس کی گرج کانوں کو گویا پھاڑے دیتی ہے اور کبھی زمین بھی ہل کر رہ جاتی ہے پانی کے لطیف بخارات کے اجتماع میں ایسی چیز کا پیدا ہونا سچ مچ تعجب انگیز ہے۔

(۴۴) اس آیت میں رات اور دن کی خلقت اور ان کی خصوصیات کے حوالے سے عظمت الٰہی کی ایک اور نشانی بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے اللہ رات اور دن کو الٹ پھیر کرلاتا ہے اور اس میں اہل بصیرت کیلئے عبرت ہے۔

رات اور دن کا آنا جانا اور ان کے تدریجی تغیرات انسانی زندگی سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور "اولی الابصار" اور اہل نظر کیلئے درس عبرت ہیں

(۴۵) زیر نظر آیت چہرہ آفرینش کے ایک اور رخ کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ بھی توحید الٰہی کیلئے ایک واضح دلیل ہے اور یہ ہے مختلف صورتوں میں زندگی کا وجود ارشاد ہوتا ہے اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے کو پانی سے پیدا کیا ہے۔

اگرچہ ان سب کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے لیکن پھر بھی عجیب مختلف قسم کے جاندار پیدا ہوتے ہیں کچھ ان میں سے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔

اور کچھ ہیں کہ جو دو پاؤں پر چلتے ہیں انسان اور پرندے اور کچھ ہیں کہ جو چار پاؤں پر چلتے ہیں چوپائے۔

اور پھر یہی نہیں زندگی کے اور بھی مظاہر ہیں ان میں سے یہ بھی جاندار ہیں کہ جو پانی میں رہتے ہیں۔ اسی طرح حشرات الارض بھی ہزاروں قسم کے ہیں اسی لئے آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس پانی سے مراد پہلے موجود کی پیدائش ہے کیونکہ بعض روایات کے مطابق سب سے پہلے اللہ نے پانی پیدا کیا اور اس کے بعد انسانوں کو پانی سے پیدا کیا جدید سائنسی مفروضے کی بناء پر بھی زندگی کی پہلی کونپل دریاؤں میں ظاہر اور پانیوں میں پیدا ہونے والا یہ پہلا موجود سب سے پہلے انہی پانیوں کی گہرائیوں پر یا ان کے کناروں پر حکمران ہوا۔

(۴۶) لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ	ہم نے حقیقت واضح کرنے والی آیات نازل کیں اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔
(۴۷) وَ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ ؕ وَ مَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ	وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہیں اور اطاعت گزار ہیں۔ لیکن اس دعوے کے باوجود ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے (درحقیقت) وہ مومن نہیں ہیں۔

(۴۸) وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ	اور جب انہیں پکارا جاتا ہے کہ اللہ اوراس کے رسول کی طرف آئیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے۔
(۴۹) وَ اِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ	لیکن اگر (فیصلہ ان کے فائدے میں ہواور) حق انہیں مل جائے تو بڑی عاجزی سے رسول کے پاس آجاتے ہیں۔
(۵۰) اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ رَسُوْلُہٗ ط بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ؑ	کیاان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں مبتلا ہیں یا انہیں خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا؟ بات در اصل یہ ہے کہ وہ خود ظالم ہیں۔

شان نزول

ان پانچ آیات کیلئے یہ شان نزول منقول ہے:

ا۔کسی منافق کا ایک یہودی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا یہودی نے مسلمان نما منافق سے کہا چلو پیغمبر اسلام کے پاس چلتے ہیں اوران سے فیصلہ کروا لیتے ہیں لیکن منافق نے یہ بات نہ مانی اس نے کہا کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں کعب یہودی تھا بعض روایات میں تو یہاں تک ہے کہ اس نے کہا ہو سکتا ہے محمد ہمارے ساتھ انصاف نہ کرے۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ایسے شخص کی سخت مذمت کی گئی۔

تفسیر

ایمان اور خدا کے فیصلے پر سر تسلیم خم

گذشتہ آیات میں اللہ پر ایمان لانے کے بارے میں گفتگو تھی توحید الٰہی پر دلائل پیش کیے گئے تھے اور اللہ کی نشانیوں کا ذکر تھا اب زیر نظر آیات میں ایمان کے آثار کے بارے میں بات کی گئی ہے توحید پر ایمان کے تقاضوں کا بیان ہے اور حق وحقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی دعوت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے ہم نے واضح کرنے والی آیات نازل کیں۔

ایسی آیات کہ جو دلوں کو نور ایمان وتوحید سے منور کرتی ہیں افکار انسانی کو جلا بخشتی ہیں اور زندگی کے تاریک ماحول کو بدل دیتی ہیں یہ آیات بینات ایمان کیلئے راہ ہموار کرتی ہیں لیکن حقیقی تاثیر تو ہدایت الٰہی سے ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم

کی ہدایت کرتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت بے بنیاد نہیں ہے نور ایمان سے وہ ایسے دلوں کو روشن کرتا ہے جو اسے قبول کرنے کیلئے تیار ہوں اور اس کے اہل ہوں

(۴۷) س کے بعد منافقین کی مذمت کی گئی ہے کہ جو ایمان کا دم تو بھرتے ہیں لیکن ایمان ان کے دلوں میں نہیں اترا۔ ارشاد ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت قبول کرتے ہیں لیکن اس دعوے کے باوجود ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے درحقیقت وہ مومنین ہی نہیں ہیں۔

یہ کیسا ایمان ہے کہ جو فقط ان کی زبانوں تک محدود ہے اور ان کے اعمال میں ظاہر نہیں ہوتا ہے؟

(۴۸) اس کے بعد ان کی بے ایمانی کی دلیل کے طور پر فرمایا گیا ہے جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف آئیں تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے ایک گروہ رخ موڑ لیتا ہے۔

(۴۹) مزید تاکید کیلئے اور ان کے شرک اور دنیا پرستی کو مزید واضح کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے لیکن اگر یہ فیصلہ ان کے فائدے میں جاتا ہو تو بڑی عاجزی کے ساتھ رسول کی طرف آ جاتے ہیں۔

(۵۰) زیر بحث آیت میں رسول اللہ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے کے اصل اسباب بیان کیے گئے ہیں فرمایا گیا ہے کیا ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے۔

منافقین کی ایک صفت اور ہے کہ وہ اظہار ایمان تو کرتے ہیں لیکن اللہ اور رسول ﷺ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے کیونکہ ان کے دل توحید سے منحرف ہیں۔

اور اگر ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری نہیں ہے تو پھر سچ مچ وہ شک میں مبتلا ہیں۔

اور فطری بات ہے کہ جو شخص کسی دین کو قبول کرنے میں متردد ہو وہ اس کے لوازم کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرے گا۔

اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں اور وہ مومن ہیں تو کیا وہ واقعاً ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا۔

حالانکہ یہ واضح تضاد ہے جو شخص رسول اسلام ﷺ کو اللہ کا بھیجا ہوا رسول اور اس کا پیغام برسمجھتا ہے اور اس کے حکم کو خدا کا حکم سمجھتا ہے ممکن نہیں ہے کہ اسے احتمال ہو کہ وہ ظلم کریں گے کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ کسی پر ظلم کرے؟ کیا ظلم' جہالت' احتیاج یا خودغرضی کی پیداوار نہیں؟ جب کہ ذات مقدس پروردگار ان سب چیزوں سے پاک ہے بات دراصل یہ ہے کہ وہ خود ظالم ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اپنے حق پر قناعت کریں اور چونکہ وہ جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ ایسی کوئی چیز انہیں نہیں دیں گے کہ جس پر کسی دوسرے کا حق ہو۔ لہٰذا وہ آپ کا فیصلہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

(۵۱) اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْآ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	جب مومنین کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔
(۵۲) وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَخْشَ اللّٰہَ وَ یَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ	اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اللہ سے ڈریں اور اس کے حکم کی مخالفت سے پرہیز کریں ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔
(۵۳) وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ اَمَرْتَھُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَۃٌ مَّعْرُوْفَۃٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	انہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہا کہ اگر تو انہیں حکم دے تو وہ (اپنے گھر اور مال کو) چھوڑ دیں گے (اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ ہونگے) ان سے کہدو کہ قسمیں نہ کھاؤ، صدق وخلوص سے اطاعت کرو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔
(۵۴) قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ	کہہ دو: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم نے نافرمانی کی تو رسول اپنے اعمال کا مسئول ہے اور تم اپنے اعمال کے جواب دہ ہو۔ لیکن اگر تم نے اطاعت کی تو ہدایت پاؤ گے اور پیغمبر کے ذمہ تو صرف کھلی تبلیغ کرنا ہے۔

تفسیر

حق پر ایمان اور تسلیم کامل

گذشتہ آیات میں سیاہ دل منافقین کا حال بتایا گیا تھا کہ جو تہ در تہ اندھیروں میں ہیں اور بعضھا فوق بعض کا مصداق ہیں اور ہم نے دیکھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے منصفانہ فیصلے سے کیسے روگردانی کرتے ہیں۔

یہاں منافقین کے مقابلے میں مومنین کی کیفیت بیان کر رہی ہیں کہ خدائی فیصلے پر ان کا ردعمل کیا ہوتا ہے ارشاد فرمایا گیا ہے

جب مومنین کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو وہ صرف ایک ہی بات کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

جو شخص یہ ایمان رکھتا ہے کہ اللہ ہر چیز کا عالم ہے وہ ہر شخص سے بے نیاز ہے اور تمام بندوں کیلئے رحیم اور مہربان ہے تو وہ اللہ کے فیصلے پر کسی اور کے فیصلے کو کیسے ترجیح دے سکتا ہے اور کیونکر ممکن ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے پر اس کے سوا کچھ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

لہٰذا آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے حقیقتاً فلاح یافتہ اور کامیاب یہی لوگ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنی باگ ڈور اللہ کے حوالے کر دے اسے حاکم اور جج مان لے وہ ہر چیز میں کامیاب ہے مادی زندگی میں بھی اور روحانی زندگی میں۔

(۵۲) اسی آیت کو عمومی شکل دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اللہ سے ڈریں اور تقوی کو اپنا کر اپنا شعار بنائیں وہی نجات پانے والے اور کامیاب ہیں۔

(۵۳) اس آیت کا لب ولہجہ ظاہر کرتا ہے اور بعض تفاسیر میں مذکور اس کی شان نزول بھی نشاندہی کرتی ہے کہ گزشتہ آیات کہ جن میں منافقین کی شدید مذمت کی گئی ہے کے نزول کے بعد نشاندہی کرتی ہے ان کے نزول کے بعد کچھ منافقین اپنی حالت پر سخت پریشان تھے وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔ قرآن نے اس کا نوٹس لیا اور بڑے فیصلہ کن انداز میں فرمایا انہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہا اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ اپنا گھر بار سب کچھ چھوڑ دیں گے اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد کیلئے نکل کھڑے ہوں گے ان سے کہیے قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں اطاعت اختیار کر کے عملی طور پر اپنے صدق وخلوص کا ثبوت دو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

خروج گھر بار سے نکلنے یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہر جگہ جانے اور ان کی خدمت میں رہنا مراد ہے

(۵۴) اس لئے زیر بحث آخری آیت میں تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے ان سے کہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ اس فرمان پر دو ہی صورتیں ممکن ہیں اگر تم منہ موڑ لو اور منحرف ہو جاؤ تو رسول اپنے اعمال کا جواب دہ ہے اور اس نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے اور تم بھی اپنے اعمال کے جواب دہ ہو۔ لیکن اگر تم اس کی فرمان برداری کرو تو ہدایت پاؤ گے۔ کیونکہ وہ ایسا رہبر ہے کہ جو اللہ اور حق کے راستے کے علاوہ کسی چیز کی دعوت نہیں دیتا۔ بہر حال رسول پر کھلی تبلیغ کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ سب تک واضح طور پر حکم خدا پہنچا دے چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے اور اس دعوت کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا فائدہ یا نقصان بھی انہی کو ہو گا جو قبول کریں یا نہ کریں۔ رسول کی یہ ہرگز ذمہ داری نہیں کہ وہ لوگوں کو ہدایت اور دعوت قبول کرنے پر مجبور کرے۔

(۵۵) وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ	جولوگ ایمان لائے ہیں اور اعمالِ صالح انجام دیتے ہیں ان سے اللہ کا ایک وعدہ ہے کہ یقیناً انہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت بخشی تھی اور اس نے جو دین ان کے لئے پسند کیا ہے اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کرے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا، اس طرح سے کہ وہ صرف میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک قرار نہیں دیں گے اور اس کے بعد جو لوگ کافر ہو جائیں تو وہ فاسق ہیں۔

شان نزول

جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے مدینے کی طرف ہجرت کی اور انصار نے خندہ پیشانی سے انہیں خوش آمدید کہا تو تمام عرب ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ مسلمان مجبور ہو گئے کہ ہر وقت اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں رات کو اسلحہ پاس رکھ کر سوئیں صبح اٹھیں تو اسلحہ ساتھ لے کر اٹھیں اور ہر وقت مستعد رہیں اس حالت کو جاری رکھنا مسلمانوں کیلئے بہت مشکل تھا بعض نے تو کھلے بندوں اس بات کا اظہار کیا کہ آخر یہ کیفیت کب تک باقی رہے گی کیا ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم رات ہی کو چین کا سانس لے سکیں اور اللہ کے علاوہ ہم کسی سے نہ ڈریں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں بشارت دی گئی کہ ہاں ایسا زمانہ آئے گا۔

تفسیر

مستضعفین کی عالمی حکومت

گزشتہ آیات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر سر تسلیم خم کرنے کے بارے میں گفتگو تھی۔اب زیر بحث آیت میں

بھی وہی موضوع سخن جاری رکھتے ہوئے اس اطاعت کا نتیجہ عالمی حکومت کا قیام بیان کیا گیا ہے آیت زور دیتے ہوئے کہتی ہے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اعمال صالح انجام دیتے ہیں اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ یقیناً انہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت بخشی ہے۔ اور جو دین ان کیلئے پسند کیا ہے اسے مضبوط بنیاد زمین پر قیام کرے گا۔ اور ان کے خوف کو امن وسکون میں بدل دے گا۔ اور یہ عالم ہو جائے گا کہ وہ صرف میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک قرار نہیں دیں گے۔

مسلم ہے کہ حکومت توحید کے قیام دین الہٰی کے استحکام اور ہر قسم کے اضطراب بدامنی اور شرک کے خاتمے کے بعد بھی جو لوگ پھر کافر ہو جائیں گے وہ فاسق ہیں۔

بہر حال اس آیت سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا ان مسلمانوں کو تین خوشخبریاں دیتا ہے کہ جو صاحب ایمان ہیں اور اعمال صالح بجالاتے ہیں خوشخبریاں یہ ہیں

۱۔ روئے زمین پر حکمرانی۔

۲۔ ہر جگہ مستحکم بنیادوں پر دین حق کی اشاعت (یہ بات لفظ "تمکین" سے ظاہر ہوتی ہے)۔

۳۔ تمام اسباب خوف وبدامنی کا خاتمہ۔

ان امور کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بڑی آزادی سے اللہ کی پرستش کر سکیں اس کے احکام بجالائیں گے اور اس کیلئے کسی شریک کے قائل نہ ہوں اور توحید خالص کو ہر جگہ پھیلا دیں۔

یہ آیت بنی اسرائیل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فرعون اس کے ساتھیوں کے اقتدار کی تباہی کے بعد وہ حکمران ہوئے

اللہ کا یہ وعدہ کن سے ہے؟

آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حکمرانی دینی اقتدار اور مکمل امن وسکون کا وعدہ ان سے کیا ہے جو ایمان اور عمل صالح کے حامل ہیں اس کے مصداق کون لوگ ہیں

اس میں شک نہیں کہ یہ آیت ابتدائی مسلمانوں کے بارے میں ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی حکومت جب دنیا ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی اسے عدل وانصاف سے معمور کر دے گی۔ تاہم اس کے باوجود اس میں کوئی مانع نہیں کہ آیت عمومیت کی حامل ہو۔

مختصر یہ کہ جس زمانے میں بھی مسلمانوں کے درمیان ایمان اور عمل صالح کی بنیادیں مستحکم ہوں گی وہ ایک موثر حکومت کے مالک بن جائیں گے۔

یہاں سے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کی حکومت صلح کرے یا جنگ نیز تعلیم ' ثقافت ' اقتصاد اور فوج غرض اس کے تمام شعبوں کے پروگرام اور سرگرمیاں اللہ کی عبادت کے راستے میں ہوتی ہیں ایسی عبادت کہ جو ہر قسم کے شرک سے خالی ہو۔

(۵٦) وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ	اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور (اللہ کے) رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر (اس کی) رحمت ہو۔
(۵۷) لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ۠	یہ گمان نہ کرو کہ کافر عذاب الٰہی سے (بچ کر) زمین میں کہیں بھاگ سکتے ہیں، ان کا ٹھکانا آگ ہے، اور وہ کیسی بری جگہ ہے۔

تفسیر

عذاب الٰہی سے فرار ممکن نہیں

گزشتہ آیت میں صالح مومنین سے زمین پر حکمرانی کا وعدہ کیا گیا ہے زیر نظر اس آیت میں اس حکومت کی بنیادیں رکھنے کے لئے لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے نماز قائم کرو۔

وہی نماز جو مخلوق کا خالق سے رشتہ قائم کر دیتی ہے اللہ سے بندوں کے مسلسل ارتباط کی ضامن ہے اور انسانوں کو برائیوں اور نافرمانیوں سے بچا لیتی ہے۔

اور زکوٰۃ ادا کرو۔

وہی زکوٰۃ کہ جو انسانوں کو مخلوق خدا سے مربوط کر دیتی ہے ان کے باہمی فاصلوں کو کم کرنے کے لئے نہایت موثر ہے اور جذبات واحساسات کے رشتوں کو مستحکم کرتی ہے۔

اور مجموعی طور پر ہر چیز میں حکم رسول کے فرماں بردار ہو۔

وہ اطاعت کہ جو تمہیں صالح مومنین کے راستے پر لے جائے گی اور زمین پر حکمرانی کے اہل افراد میں شامل کر دے گی۔

تا کہ تم ان احکام پر عمل پیرا ہو کر رحمت خدا کے زیر سایہ آ جاؤ۔ اور حق وعدالت کی حکومت کے علمبرداری کے لائق ہو جاؤ۔

(۵۷) اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ طاقتور ہٹ دھرم دشمن اس راستے میں روڑے اٹکائیں گے اور وعدہ

الٰہی کی تکمیل میں رکاوٹ بنیں گے تو ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ کی قدرت کے سامنے ان کی طاقت کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا یہ گمان نہ کرو کہ کافر لوگ اللہ کی سزا سے بھاگ کر اس وسیع زمین میں کہیں فرار کر جائیں گے۔ یہ لوگ نہ صرف اس دنیا میں خدائی سزا سے محفوظ نہیں ہیں بلکہ آخرت میں ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ کیسی بری جگہ ہے۔

(۵۸) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ	اے ایمان والو! جو تمہارے مملوک ہیں اور تمہارے وہ بچے جو ابھی سنِ بلوغت تک نہیں پہنچے، انہیں تین وقت تمہارے پاس اجازت لے کر آنا چاہئے، نماز فجر سے پہلے دوپہر کے وقت جب تم اپنا (معمول کا) لباس اتار دیتے ہو اور نمازِ عشا کے بعد۔ یہ تین تمہارے خصوصی اوقات ہیں۔ ان تین اوقات کے علاوہ تمہارے لئے اور ان کیلئے کوئی حرج نہیں کہ (بلا اجازت آ جائیں اور) ایک دوسرے کے گرد جمع ہوں (اور خلوص و محبت سے ایک دوسرے کی خدمت کریں)۔ اللہ اپنی آیات اسی طرح تمہارے لئے بیان کرتا ہے اور خدا علیم و حکیم ہے۔
(۵۹) وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ	اور جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو انہیں اجازت لینا چاہئے جیسے ان سے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اور اللہ اپنی آیات اسی طرح تمہارے لئے بیان کرتا ہے اور خدا علیم و حکیم ہے۔

(۶۰) وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ	اور جو عورتیں جوانی گزار بیٹھی ہوں اور اب نکاح کی امیدوار نہ ہوں، اگر وہ اپنی چادریں اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ لوگوں کے سامنے خود آرائی نہ کریں۔ لیکن اگر وہ پردہ ہی کریں تو ان کیلئے بہتر ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تفسیر

والدین کے کمرے میں آنے کے آداب

ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اس سورہ میں سب سے زیادہ زور عفت و پاکدامنی پر دیا گیا ہے اور ہر قسم کی بدکاری اور بے حیائی سے روکا گیا ہے اس موضوع پر مختلف حوالوں اور پہلوؤں سے بات کی گئی ہے زیر بحث آیات کا بھی عنوان گفتگو یہی ہے ان آیات میں میاں بیوی کے خصوصی کمرے یا خلوت گاہ میں بالغ اور نابالغ بچوں کے داخلے کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے اے ایمان لانے والو! جو تمہارے مملوک اور غلام ہیں اور اسی طرح تمہارے وہ بچے جو ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچے انہیں چاہئے کہ تین اوقات میں تم سے اجازت لیا کریں۔

نماز فجر سے پہلے دوپہر کے وقت جبکہ تم اپنا معمول کا لباس اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد

یہ تین اوقات تمہارے لئے پردے کے اور خصوصیت کے اوقات ہیں۔

واضح ہے کہ یہ حکم بچوں کے سرپرستوں کیلئے ہے کہ وہ انہیں ایسا کرنے کیلئے کہیں کیونکہ وہ ابھی بالغ ہی نہیں ہوئے لہٰذا ان پر شرعی اور الٰہی ذمہ داریاں ابھی عائد نہیں ہوتیں لہٰذا یہاں ان کے والدین اور سرپرستوں سے خطاب ہے۔

ضمناً واضح رہے کہ آیت کا اطلاق لڑکوں اور لڑکیوں دونوں پر ہوتا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے تم پر اور ان پر کوئی گناہ نہیں کہ ان اوقات کے بعد اجازت لئے بغیر آئیں ایک دوسرے کی خدمت کریں اور خلوص و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے پاس جمع ہوں۔

(۵۹) اس آیت میں بالغوں کے بارے میں حکم دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو ہر وقت اجازت لیا کریں جیسے کہ ان سے بڑے لوگ اجازت لیا کرتے تھے۔

بہرحال اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغوں کا حکم نابالغوں سے مختلف ہے کیونکہ گزشتہ آیت کے مطابق نابالغ بچوں کے ذمہ صرف تین اوقات میں اجازت لینا ہے کیونکہ ان کی زندگی اور بودو باش ہی ایسی ہوتی ہے کہ ان کا ماں باپ کے پاس بہت آنا جانا ہوتا ہے اگر ہر وقت وہ اجازت لیں تو مشکل ہو جائے علاوہ ازیں ان کے جنسی احساسات ابھی پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوئے ہوتے لیکن اس سے آیت میں بالغ بچوں کے لیے مطلق طور پر اجازت لینا واجب قرار دیا گیا ہے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر حالت میں ماں باپ کے پاس آتے وقت اجازت لیں۔

یہ حکم اس جگہ اور کمرے کے لیے مخصوص ہے کہ جس میں ماں باپ آرام کر رہے ہوں ورنہ عمومی کمرے میں جہاں دوسرے لوگ بھی ہوں اور کوئی رکاوٹ یا ممانعت بھی نہ ہو اجازت لینا ضروری نہیں۔

آیت کے آخر میں بطور تاکید اور مزید توجہ دلانے کے لیے فرمایا گیا ہے اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں واضح کرتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے۔

(۶۰) زیر بحث آیت میں عورتوں کے لیے پردے کے حکم میں ایک استثناء بیان کیا گیا ہے عمر رسیدہ بوڑھی عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے جو عورتیں جوانی گزار بیٹھی ہیں اور شادی کی امیدوار نہیں ہیں ان کے لیے کوئی گناہ نہیں اگر چادر اتار رکھیں جبکہ لوگوں کے سامنے خودآرائی نہ کریں۔

اس استثناء کے لیے درحقیقت دو شرطیں ہیں

پہلی یہ کہ وہ اس عمر میں پہنچ جائیں گے اب شادی بیاہ کی امید اور آرزو نہ رکھتی ہوں در سرے لفظوں میں ان کے جنسی جذبات بالکل ختم ہو چکے ہوں

دوسرا یہ کہ پردہ اُتار رکھنے کے بعد بناؤ سنگھار نہ کریں۔

واضح ہے کہ ان دو شرطوں کی موجودگی میں اگر یہ نہ ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں اس لیے اسلام نے ایسی خواتین کے لیے یہ گنجائش رکھی ہے۔

یہ نکتہ بھی واضح ہے کہ یہاں مراد یہ نہیں کہ انہیں عریاں ہونے کی اجازت مل گئی ہے اور وہ سارا لباس اتار سکتی ہیں بلکہ صرف اوپر کا لباس مراد ہے جسے بعض روایات میں برقعے چادر اور دوپٹے سے تعبیر کیا گیا ہے

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے اس سب کے باوجود اگر پاکدامنی اختیار کریں اور پردہ کیے رہیں تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ عورت جس قدر بھی عفت وحجاب کو ملحوظ رکھے اسلام کی نظر میں اسی قدر پسندیدہ ہے اور تقوی سے اسی قدر قریب ہے۔

ممکن ہے بعض سن رسیدہ عورتیں اس سوچی سمجھی اور جائز آزادی سے غلط فائدہ اٹھائیں اور بعض اوقات مردوں سے غیر

مناسب باتوں میں مشغول ہو جائیں یا طرفین کے دل میں گندے خیالات پیدا ہوں لہٰذا آیت کے آخر میں خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سنتا ہے اور جو کچھ تمہارے دل میں یا دماغ میں ہے اسے جانتا ہے۔

(٦١) لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۧ	اندھے، لنگڑے اور بیمار شخص کیلئے کوئی حرج نہیں ہے (کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر کھانا کھالے) اور تمہارے لئے بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کہ (جن میں تمہاری اولاد یا بیویاں رہتی ہیں اور جو تمہارے گھر شمار ہوتے ہیں بغیر خصوصی اجازت کے) کھانا کھالو۔ اسی طرح تم اپنے باپ دادا یا اپنی ماؤں یا اپنے بھائیوں یا اپنی بہنوں یا اپنے چچاؤں یا اپنی پھوپھیوں یا اپنے ماموؤں یا اپنی خالاؤں کے گھر سے یا ان گھروں سے کہ جن کی چابی تمہارے پاس ہے یا اپنے دوستوں کے گھر سے کھا سکتے ہو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ تم مل جل کر کھاؤ یا علیحدہ علیحدہ۔ اور جب کسی کے گھر میں جاؤ تو اپنے اوپر سلام کرو۔ اللہ کی طرف سے سلام وتحیت سلام وتحیت کہ جو مبارک پاک و پاکیزہ ہے۔ اللہ تم سے اپنی آیات اس طرح سے بیان فرماتا ہے کہ شاید تم سمجھو اور غور وفکر کرو۔

تفسیر

جن گھروں میں جا کر کھانا کھانا جائز ہے

گزشتہ آیات میں معین اوقات میں یا مطلق طور پر ماں باپ کے خصوصی کمرے میں داخل ہوتے وقت اجازت لینے کے

بارے میں بات کی گئی تھی زیر بحث آیات میں درحقیقت ایک استثنائی پہلو پر بات کی گئی ہے اس میں ان رشتے داروں اور دیگر لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جن کے ہاں خاص حالات میں جایا جاسکتا ہے اور اجازت لئے بغیر کھانا کھایا جاسکتا ہے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے اندھے لنگڑے اور بیمار اشخاص کیلئے کوئی حرج نہیں کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر کھا پی لیں۔

بعض رویات میں ہے کہ اسلام سے پہلے اہل مدینہ اندھے لنگڑے اور بیمار افراد کو اپنے دستر خوان پر بیٹھنے سے منع کرتے تھے اور ان کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے تھے

اس کے بعد معاشرتی اخلاق کے بارے میں ایک اور حکم ہے ارشاد ہوتا ہے جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اپنے اوپر سلام کرو اللہ کی طرف سے مبارک پاک و پاکیزہ سلام وتحیت۔

آیت اس جملے پر ختم ہوتی ہے تمہارے لئے اللہ اس طرح سے اپنی آیات واضح کرتا ہے شاید تم عقل وفکر سے کام لو(کذلک یبین اللہ لکم الایات لعلکم تعقلون)

اپنے آپ کو ان الفاظ میں سلام کرے۔

''ہم پر ہمارے پروردگار کی طرف سے سلام ہو''۔

یا ان الفاظ میں سلام کرے

''ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو''۔

ہر گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہئے اہل خانہ ایکدوسرے کو سلام کریں مومنین ایکدوسرے کو سلام کریں اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو پھر اپنے اوپر سلام کریں کیونکہ ہر سلام کا نتیجہ درحقیقت اپنے اوپر ہی سلام ہے۔

اس اجازت کی بھی ایک معین حد ہے یعنی ضرورت کے مطابق کھانا کھانا اور اسے ضائع نہ کرنا اور اسراف سے پرہیز کرنا۔

یہاں صدیق سے مراد خاص اور قریبی دوست ہیں جن کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا ہے جن کے درمیان قریبی تعلقات اور روابط کا تقاضا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ہاں آئیں جائیں اور ایک دوسرے کے ہاں کھانا کھائیں یہاں تک کہ اس میں اجازت شرط نہیں ہے صرف اتنا کافی ہے کہ یقین ہو کہ اس پر ان کی عدم رضامندی نہیں ہے۔

اس کے بعد قرآن مجید مزید کہتا ہے تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اپنے گھروں سے جہاں تمہاری اولاد یا بیویاں رہتی ہیں کہ جو تمہارے اپنے گھر شمار ہوتے ہیں کھا پی لو۔

یا اپنے باپ دادا کے گھر سے۔

یا اپنی ماؤں کے گھر سے۔

یا اپنے بھائیوں کے گھر سے۔

یا اپنی بہنوں کے گھر سے۔

یا اپنے چچوں کے گھر سے۔

یا اپنی پھوپھیوں کے گھر سے۔

یا اپنے ماموؤں کے گھر سے۔

یا اپنی خالاؤں کے گھر سے۔

یا ان گھروں سے جن کی چابی تمہارے پاس ہے۔

یا اپنے دوستوں کے گھر سے۔

البتہ اس حکم کی کچھ شرائط اور توضیحات ہیں۔

اس کے بعد سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا گیا ہے تمہارے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ سے۔

گویا بعض مسلمان ابتدائے اسلام میں علیحدہ کھانا کھانے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اگر انہیں کوئی ساتھ مل کر کھانا کھانے والا نہ ملتا تو بعض اوقات عرصے تک بھوکے رہتے قرآن انہیں تعلیم دیتا ہے کہ اجتماعی صورت میں بھی اور الگ سے بھی ہر دو طرح سے کھانا کھانا جائز ہے۔

(۶۲) اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اِذَا کَانُوۡا مَعَہٗ عَلٰۤی اَمۡرٍ جَامِعٍ لَّمۡ یَذۡہَبُوۡا حَتّٰی یَسۡتَاۡذِنُوۡہُ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَاۡذِنُوۡنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ۚ فَاِذَا اسۡتَاۡذَنُوۡکَ لِبَعۡضِ شَاۡنِہِمۡ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ مِنۡہُمۡ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُمُ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ	حقیقی مومن وہ ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہوں اور جس وقت کسی اہم کام میں اس کے ساتھ ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر کہیں نہ جائیں (اے رسول) جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہ سچ مچ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں جب وہ تجھ سے اپنے بعض کاموں کیلئے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے تو چاہے (اور مصلحت دیکھے) اجازت دے دے اور ان کے لئے استغفار کر کہ اللہ غفور و رحیم ہے۔

(۶۳) لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ	اپنے درمیان رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ سمجھو۔ اللہ تم میں سے ان افراد کو جانتا ہے کہ جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر یکے بعد دیگرے بھاگ جاتے ہیں، جو لوگ اس کے فرمان کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں انہیں کوئی فتنہ نہ آ لے یا انہیں دردناک عذاب نہ آ پہنچے۔
(۶۴) اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡہِ ؕ وَ یَوۡمَ یُرۡجَعُوۡنَ اِلَیۡہِ فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ؑ	آ گاہ رہو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کیلئے ہے۔ وہ تمہاری ہر روش کو جانتا ہے جس روز وہ اللہ کی طرف لوٹ کر جائیں گے وہ انہیں ان کے انجام کردہ افعال بتائے گا اور اللہ ہر چیز سے آ گاہ ہے۔

شان نزول

بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت حنظلہ بن ابی عیاش کے بارے میں نازل ہوئی ہے مسئلہ یہ تھا کہ وہ جس رات شادی کرنا چاہتے تھے اس سے اگلے دن جنگ احد برپا ہوئی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے جنگ کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے کہ وہ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کی کہ اگر رسول اللہ اجازت دیں تو یہ رات میں اپنی بیوی کے ساتھ گزار لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔

صبح کے وقت انہیں جہاد میں شرکت کرنے کی اتنی جلدی تھی کہ وہ غسل بھی نہ کر سکے۔ اسی حالت میں معرکہ کارزار میں شریک ہو گئے اور بالآخر جام شہادت نوش کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

''میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں اسی لئے انہیں ''حنظلہ'' کو ''غسیل الملائکۃ'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

تفسیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا نہ چھوڑو

چند پہلی آیتوں میں اللہ اور رسول کی اطاعت کے لازمی ہونے کے بارے میں گفتگو تھی اور اطاعت کے تقاضوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی اجازت اور حکم کے بغیر کوئی کام نہ کیا جائے لہٰذا زیر بحث آیات میں اس کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

بہر حال زیر نظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے حقیقی مومن تو وہ ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب کسی اہم کام میں ان کے ساتھ ہوں تو اجازت لئے بغیر کہیں نہیں جاتے۔

امر جامع سے مراد ایسا اہم کام ہے کہ جس میں لوگوں کا جمع ہونا ضروری ہو اور اس میں تعاون اور ایک دوسرے سے مل کر کام کرنے کی اجازت ہو۔ چاہے کسی اہم مسئلے پر غور خوض اور مشاورت کا مسئلہ ہو چاہے جہاد اور دشمنوں سے جنگ کا مسئلہ ہو یا اہم حالات میں نماز جمعہ کا اجتماع ہو یا ایسا ہی کوئی اور اہم کام در حقیقت یہ نظم وضبط اور ڈسپلن کے بارے میں ایک حکم ہے اس سے کوئی منظّم جماعت بے اعتنائی نہیں کر سکتی کیونکہ ایسے مواقع پر بعض اوقات ایک فرد کا بھی غائب ہو جانا بہت گراں اور نقصان دہ ہوتا ہے اور اصلی مقصد کو نقصان پہنچتا ہے اگر رہبر اس کی عدم موجودگی کو نقصان دہ نہ سمجھے اور اسے اجازت دے تو وہ جائے ورنہ وہیں رہے اپنے ذاتی کام کو بڑے مقصد پر قربان کر دے۔

لہٰذا اس جملے کے بعد فوراً فرمایا گیا ہے جو لوگ تجھ سے اجازت چاہتے ہیں اور سچ مچ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا ایمان صرف زبانی نہیں ہے بلکہ دل و جان سے تیرے فرمان بردار ہیں۔ تو اس صورت میں ان میں سے تو جس شخص کو چاہے اور مصلحت دیکھے اجازت دے دے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے جب تو انہیں اجازت دیتا ہے تو ان کیلئے استغفار کر کہ اللہ غفور ورحیم ہے۔

ضمناً یہ تعبیر نشان دہی کرتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اجازت طلب کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے اور ایثار وقربانی سے کام لینا چاہئے اور انہیں ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اجازت لینے کے بعد بھی ان کا عمل ترک اولی ہے اریہ امر اس لئے بھی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جزوی اور ذاتی امور میں لوگ اہم کاموں کو ترک کرنے کے لئے اجازت کو بہانہ ہی بنالیں۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ نظم وضبط کے بارے میں یہ اہم حکم صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام ہادیان الٰہی کے بارے میں یہی حکم ہے چاہے وہ نبی ہوں امام ہوں یا ایسے علماء کہ جو ان کے جانشین ہیں کیونکہ اس حکم میں اسلامی معاشرے کے نظام کا تحفظ مضمر ہے یہاں تک کہ قرآن مجید کے حکم کے علاوہ عقل ومنطق کا بھی یہی تقاضا ہے۔

اس کے بعد اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط ایک اور حکم دیا جا رہا ہے ارشاد ہوتا ہے پیغمبر کی پکار اور بلانے کو تم ایسا نہ سمجھو جیسے

آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ وہ کسی مسئلے میں جب تمہیں پکاریں تو یقیناً یہ ایک اہم الٰہی اور دینی مسئلہ ہے لہٰذا اسے اہمیت دو اور سنجیدگی سے ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ڈٹ جاؤ ان کی پکار کو معمولی نہ سمجھو کیونکہ ان کا فرمان اللہ کا فرمان ہے اور ان کی دعوت پروردگار کی دعوت ہے۔

پھر مزید فرمایا گیا ہے جو لوگ رسول کے اہم کاموں سے الگ ہو کر ایک دوسرے کی اوٹ لے کر یکے بعد دیگرے بھاگ جاتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے اور انہیں دیکھتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں فتنے میں گرفتار ہو جائیں یا دردناک عذاب آلے۔

زیر بحث آیت سورہ نور کی بھی آخری آیت ہے یہ آیت مبداء اور معاد کی طرف ایک لطیف اور معنی خیز اشارہ ہے کہ جو تمام الٰہی احکام کی بنیاد ہیں یہی عقائد درحقیقت تمام اوامر ونواہی کے اجراء کے ضامن ہیں اور ان میں وہ اوامر ونواہی بھی شامل ہیں کہ جو اس سورہ میں اول تا آخر آئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے آگاہ رہو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ اللہ کیلئے ہے۔ وہ خدا کہ جس کا علم پورے عالم پر محیط ہے اور جس میں تم ہو وہ اسے جانتا ہے تمہاری روش تمہارے اعمال تمہارے عقیدے اور تمہاری نیتیں سب اس پر آشکار ہیں۔

اور جو کام بھی تم انجام دیتے ہو اس کے صفحۂ علم پر ثبت ہیں اور جس روز سب انسان اس کی طرف لوٹ جائیں گے اس روز وہ انہیں ان کے انجام دیئے ہوئے اعمال سے آگاہ کرے گا اور ان کا نتیجہ جو کچھ ہو گا وہ انہیں دے گا۔ اور اللہ ہر چیز کا عالم اور ہر امر سے آگاہ ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان آیات میں تین مرتبہ یہ بات آئی ہے کہ انسانوں کے اعمال خدا کے علم میں ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ جب انسان کو احساس ہو کہ ہر وقت کوئی اس کی نگرانی کر رہا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کا کوئی گوشہ اس سے مخفی نہیں ہے تو یہ اعتقاد اس کی تربیت کیلئے بہت پر تاثیر ہو گا اور اسے گناہوں سے بچائے رکھے گا۔

سورہ فرقان

مکہ میں نازل ہوئی

اس میں ۷۷ آیتیں ہیں

سورہ فرقان کے مضامین

یہ سورہ درحقیقت تین حصوں پر مشتمل ہے

پہلا حصہ: جو اس کے آغاز پر مشتمل ہے مشرکین کے دلائل کی سختی کے ساتھ سرکوبی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی حیلہ سازیوں کو بیان کرتا اور پھر ان کا جواب بھی دیتا ہے اور انہیں خدا کے عذاب قیامت کے حساب و کتاب اور جہنم کی دردناک سزا سے ڈراتا ہے اور اس کے بعد گزشتہ اقوام کی سرگزشت کو بیان کرتا ہے۔

دوسرا حصہ: اس میں مندرجہ بالا مباحث کی تکمیل کی صورت میں توحید کے کچھ دلائل اور عالم آفرینش میں عظمت خداوندی کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں

تیسرا حصہ: اس میں عباد الرحمٰن خدا کے خاص بندوں اور سچے مومنین کے اوصاف حمیدہ کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے اور پہلے حصے میں ذکر شدہ متعصب بہانہ جو اور گناہوں سے آلودہ کفار کے ساتھ ان کا موازنہ کیا گیا اور دونوں گروہوں کے مقام اور انجام کو ایک دوسرے سے جدا کر کے نمایاں کیا گیا ہے

اس سورہ کا نام ''فرقان'' اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ نام اسی سورت کی پہلی آیت میں ذکر ہوا ہے جس کا معنی ہے حق کو باطل سے جدا کرنے والا۔

سوررہ فرقان کی فضیلت

پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے

''جو شخص سورہ فرقان کی تلاوت کرے اس کے مضامین میں غور و فکر کرے اور اعتقاد و عمل میں اس سے ہدایت لے تو وہ قیامت کے دن قیامت پر ایمان رکھنے والوں کی صف میں ہوں گے اور اس کا حشر و نشر ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جنہیں یقین ہے کہ قیامت آ کر رہے گی اور خدا مردوں کو نئی زندگی کے ساتھ مبعوث کرے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱) تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ	لازوال اور بابرکت ہے وہ ذات جس نے قرآن اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ وہ عالمین کو ڈرائے اور انہیں (عذاب الٰہی سے) ڈرائے۔

(۲) اِلَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْکِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا	وہ خدا ہے کہ آسمان اور زمین کی حکومت اور مالکیت اسی کی ہے اور اس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور حکومت و مالکیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔اس نے سب چیزوں کو پیدا کیا ہے اور ہر ایک کا صحیح صحیح اندازہ لگایا ہے۔

تفسیر

معرفت کا بہترین معیار

یہ سورت تبارک کے مبارک کلمہ سے شروع ہوئی ہے جس کا مادہ برکت ہے اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ کسی چیز کے بابرکت ہونے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس میں دوام و پائیدار خیر اور ہر طرح سے نفع پایا جاتا ہے۔

فرمایا گیا ہے بابرکت اور لازوال ہے وہ خدا جس نے فرقان کو اپنے بندے پر نازل کیا ہے تاکہ وہ تمام جہان والوں کو ڈرائے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ پروردگار عالم کے مبارک ہونے کی تعریف فرقان کے ذریعہ بیان کی گئی ہے یعنی وہ قرآن جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے والا ہے اور یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ سب سے برتر خیر و برکت یہ ہے کہ انسان کے پاس حق و باطل میں امتیاز کا وسیلہ ہو۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ فرمایا گیا ہے اس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا۔جی ہاں! مقام عبودیت اور خالص بندگی ہی وہ چیزیں ہیں جو فرقان کے نزول کی لیاقت اور حق و باطل کی پہچان کے معیار کو وجود بخشتی ہیں۔

اس آیت میں فرقان کے نازل کرنے والے خدا کی چار صفات بیان کی گئی ہیں ان میں درحقیقت ایک تو اصل اور جڑ ہے۔اور باقی تین اس کی شاخیں ہیں۔

پہلے تو کہتا ہے وہ خدا ایسا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی مالکیت اور حکومت صرف اسی کیلئے ہے۔

یقیناً وہی تو تمام عالم ہستی اور زمین و آسمان کا حاکم ہے اس کی قلمرو حکومت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

پھر یکے بعد دیگرے مشرکین کے عقائد کی نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ خدا جس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا۔

اس طرح سے نصاریٰ کے عقیدے کی نفی ہوتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا جانتے ہیں اور یہود کے عقیدے کی بھی نفی ہوتی ہے کیونکہ وہ جناب عزیر علیہ السلام کو خدا کا فرزند جانتے ہیں اسی طرح مشرکین عرب کے عقیدے کی بھی نفی ہوجاتی ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے عالم ہستی پر مالکیت اور حاکمیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

مشرکین عرب خدا کیلئے ایک یا کئی شریکوں کا عقیدہ رکھتے تھے انہیں عبادت میں بھی خدا کا شریک گردانتے تھے شفاعت میں ان سے متوسل ہوتے تھے اور اپنی حاجات میں ان سے مدد طلب کرتے تھے۔

قرآن مجید ان تمام موہوم چیزوں کی نفی اور مذمت کرتا ہے۔

اور اس آیت کے آخری جملے میں کہتا ہے اس نے تمام موجودات کو پیدا کیا ہے نہ صرف پیدا کیا ہے بلکہ ان کا صحیح صحیح اندازہ بھی مقرر کر دیا ہے۔

ثنویہ کے عقیدے کی مانند نہیں جو موجودات عالم کی کچھ چیزوں کا خالق یزدان کو اور کچھ کا خالق اہریمن کو سمجھتے ہیں جبکہ ایک سچے موحد کے نزدیک عالم ہستی میں خیر کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں اور اگر کہیں ہمیں برائی نظر بھی آتی ہے تو اس کی نسبی حیثیت ہے۔

(۳) وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ لَايَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَيٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا	ان لوگوں نے خدا کے علاوہ دوسروں کو اپنا معبود بنا لیا، ایسے معبود جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، نہ تو وہ اپنے نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ ہی موت و حیات اور قیامت کے دن جی اٹھنے کے (مالک ہیں)۔
(۴) وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۛ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۛ	اور کافروں نے کہا یہ تو اس نے جھوٹ گھڑا ہے اور کچھ لوگوں نے اس کام پر اس کی مدد کی ہے (یہ کہہ کر) وہ ظالم اور بہت بڑے جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں۔
(۵) وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا	اور انہوں نے کہا یہ تو وہی گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں اس نے قلمبند کیا ہے اور کلمات صبح و شام اسے لکھوائے جاتے ہیں۔
(۶) قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا	کہہ دو اسے تو اس نے نازل کیا ہے جس کے پاس آسمان اور زمین کے اسرار ہیں اور خدا غفور و رحیم تھا اور ہے بھی۔

تفسیر

طرح طرح کی تہمتیں

یہ آیات درحقیقت گزشتہ آیات میں ہونے والی گفتگو کا تتمہ ہیں جس میں شرک اور بت پرستی کے خلاف دلائل پیش کیے گئے

ہیں اسی طرح بتوں کے بارے میں بت پرستوں کے بے بنیاد دعوؤں اور قرآن مجید اور رسول پاکؐ کی ذات پر جو تہمتیں لگائی ہیں ان سب کی قلعی کھولی گئی ہے۔

پہلی آیت درحقیقت مشرکین پر فرد جرم عائد کر رہی ہے اور ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کیلئے واضح آسان اور قاطع دلائل کے ساتھ ان سے مخاطب ہے ان لوگوں نے اس خدا کے علاوہ جس کے اوصاف ابھی بیان ہو چکے ہیں دوسروں کو خدا بنا لیا ہے وہ تو قطعاً کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔

معبود حقیقی عالم ہستی کا خالق ہے جبکہ بت پرستوں کا اپنے خداؤں کے بارے میں اعتراف ہے کہ وہ کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ انہیں خدا کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ جب صورت حال ایسی ہو تو پھر کس بناء پر وہ بت پرستی کرتے ہیں وہ بت جو اپنے نفع و نقصان موت و حیات اور قیامت کے دن جی اٹھنے تک کے مالک نہیں وہ دوسروں کو کیا دیں گے۔

جو اصول کسی انسان کیلئے زبردست اہمیت کے حامل ہیں یہی پانچ امور تو ہیں نفع نقصان موت زندگی اور دوبارہ جی اٹھنا۔

سچی بات یہ ہے کہ جو ہماری ان پانچ چیزوں کا اصل مالک ہے وہی ہماری عبادت کے لائق ہے یہ بت تو دنیا میں اپنے پوجنے والوں کی کسی مشکل کو حل نہیں کر سکتے قیامت کے دن کسی کی مشکل کیا حل کریں گے؟

(۴) اس آیت میں کفار کے تجزیہ و تحلیل یا بہتر الفاظ میں پیغمبر اسلامؐ کی دعوت اسلام کے جواب میں ان کے حیلے بہانوں کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کافروں نے کہا یہ تو صرف اس کا خود ساختہ جھوٹ ہے اور کچھ لوگوں نے اس بارے میں اس کی مدد کی ہے۔

لیکن قرآن مجید نے ان اتہامات کا جواب صرف ایک ہی جملے میں دے دیا ہے اور وہ یہ ہے یہ کہہ کر وہ کافر ظلم اور بہت بڑے جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں۔

ظلم اس لحاظ سے کہ انہوں نے ایک امین پاکیزہ مقدس اور حق و صداقت کے پتلے پر تہمت لگائی ہے پیغمبر اسلامؐ پر کہ وہ (نعوذ باللہ) اہل کتاب کے ایک ٹولے کی مدد سے خدا پر افترا پردازی اور جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں اس طرح کا الزام لگا کر انہوں نے لوگوں پر بھی ظلم کیا اور اپنے اوپر بھی زور یعنی جھوٹ اور باطل اس بناء پر کہ ان کی باتیں بالکل بے بنیاد تھیں کیونکہ پیغمبر اسلامؐ نے انہیں ایک نہیں کئی بار چیلنج کیا تھا کہا اگر وہ اپنے دعوؤں میں سچے ہیں تو اس قرآن جیسی کوئی کتاب یا اس کی سورتوں اور آیات جیسی کچھ سورتیں یا آیتیں لے آئیں لیکن وہ ایسا کرنے سے عاجز آ گئے تھے اور کچھ بھی پیش نہ کر سکے تھے۔

(۵) اس آیت میں قرآن کے بارے میں کفار و مشرکین کی ایک اور رائے اور بے ہودہ بہانے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

انہوں نے کہا یہ تو وہی گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں جسے اس نے قلمبند کیا ہے۔

وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ہر روز دوسرے لوگوں سے مدد حاصل کرتا ہے اور یہ کلمات صبح و شام اسے لکھوائے جاتے

ہیں۔

اس آیت میں ان بے بنیاد الزامات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہہ دیجئے اسے تو اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کے اسرار ورموز سے اچھی طرح واقف ہے۔

آیت کا یہ حصہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کتاب الٰہی کے مضامین اور مختلف اسرار ورموز جن میں علم ودانش بھی ہے اور گزشتہ قوموں کی تاریخ بھی انسانی ضروریات کی راہنمائی اور قوانین حتیٰ کہ عالم فطرت کے اسرار ورموز اور آئندہ کی خبریں بھی یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ نہ تو یہ انسانی ذہن کی اختراع ہے اور نہ ہی کسی ایرے غیرے کے تعاون سے اسے مرتب کیا گیا ہے بلکہ یہ تو اس ذات کے علم کا نتیجہ ہے جس کے پاس آسمان وزمین کے اسرار موجود ہیں اور جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

ان کج اندیش مطلب کے بندوں اور جھوٹے دغا بازوں کی تمام خیانتوں اور الزامات تراشیوں کے باوجود اللہ نے ان کیلئے توبہ کی راہ کھلی رکھی ہے چنانچہ اسی آیت کے آخر میں فرماتا ہے کہ توبہ اور بازگشت کی راہیں ان سب پر کھلی ہوئی ہیں کیونکہ خدا ہر دور میں غفور ورحیم ہے۔

اس نے اپنی رحمت کی وجہ سے انبیاء عظام علیہم السلام کو مبعوث کیا اور آسمانی کتابوں کو نازل فرمایا ہے اور اپنے غفور ہونے کی بناء پر انسان کے ایمان اور توبہ کے پرتو میں اس کے بے شمار گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

(۷) وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ	اور انہوں نے کہا: یہ رسول کھانا کیوں کھاتا ہے اور بازاروں میں کیوں چلتا پھرتا ہے۔ (یہ نہ تو فرشتوں کا طریقہ کار ہے اور نہ ہی بادشاہوں کا انداز) کیوں اس پر کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوا کہ اس کے ساتھ مل کر وہ لوگوں کو ڈرائے (اور اسکی دعوت کی صداقت پر گواہی دے)
(۸) اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا	یا آسمان سے اسکی طرف کوئی خزانہ بھیجا جائے یا اس کا کوئی باغ ہو (جس کے پھلوں) کو کھائے اور (زندگی گزارے) اور ظالموں نے کہا: تم تو ایک دیوانے شخص کی پیروی کرتے ہو۔

(۹) اُنۡظُرۡ كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا	ذرا دیکھ! انہوں نے تیرے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کی ہیں اور اس قدر گمراہ ہو چکے ہیں کہ اب وہ راستہ تلاش کرنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے۔
(۱۰) تَبٰرَكَ الَّذِىۡۤ اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيۡرًا مِّنۡ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ وَيَجۡعَلۡ لَّكَ قُصُوۡرًا	بابرکت اور باعظمت ہے وہ ذات کہ اگر وہ چاہے تو اس سے بھی بہتر عطا کر سکتا ہے ایسے ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور اگر وہ چاہے تو تیرے لئے عظیم الشان محلّات بنا دے (یہ تو سب بہانے ہیں)۔

شان نزول

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ خدا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ عبداللہ بن ابی مخزومی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تم نے بہت بڑا دعوی کیا ہے اور بہت خطرناک باتیں کرتے ہو اس طرح سے تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم پروردگار عالم کے رسول ہو۔ لیکن مناسب نہیں کہ مخلوقات کا خالق اور عالمین کا پروردگار تم جیسے ایک عام آدمی کو رسول بنا کر بھیجے تم بھی ہماری طرح کھانا کھاتے اور ہماری مانند بازار میں چلتے پھرتے ہو۔

یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی۔

بارالہا! تو سب باتوں کو سنتا ہے اور ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے اور تیرے بندے جو کچھ کہتے ہیں تو انہیں بھی جانتا ہے تو خود ہی ان کے اعتراضات کا جواب عنایت فرما

تو اس موقع مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں

تفسیر

خزانے اور باغات کیوں نہیں؟

گزشتہ آیات میں قرآن مجید کے بارے میں کافروں کے کچھ اعتراضات کا تذکرہ ہے اور ان کا جواب بھی دے دیا گیا ہے رہی زیر بحث آیات کی بات تو ان میں خود پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر اعتراضات کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ان اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

خدا فرماتا ہے انہوں نے کہا کیوں یہ رسول کھانا کھاتا ہے اور کیوں بازار میں چلتا ہے۔

یہ کیسا پیغمبر ہے جسے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور لین دین یا اشیائے ضرورت کی خریداری کیلئے بازار میں آتا جاتا ہے؟ یہ نہ تو انبیاء کا طریقہ کار ہے اور نہ ہی بادشاہوں کا شیوہ! اس کے باوجود وہ خدائی احکام کی تبلیغ اور سب پر حکومت بھی کرنا چاہتا ہے۔

اصولی طور پر ان کا نظریہ یہ تھا کہ باحیثیت اور معزز افراد اپنی ضروریات پورا کرنے کیلئے خود بازار نہ جایا کریں بلکہ ایسے کاموں کیلئے اپنے نوکروں چاکروں کو بھیج دیا کریں۔

وہ یہ بھی کہتے اس پر فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا تاکہ وہ اس کی دعوت کی صداقت پر گواہ ہوتا اور اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا۔

(۸) چلو مان لیا کہ خدا کا رسول انسان بھی ہوسکتا ہے لیکن تہی دست اور نادار انسان ہی رسول کیوں ہو؟ آخر اللہ نے اس کے لئے آسمان سے کوئی خزانہ کیوں نہیں بھیجا یا کم از کم اس کا کوئی باغ کیوں نہیں ہے کہ جس سے وہ پھل کھاتا۔

پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک غلط نتیجہ نکالتے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنوں کی تہمت دی جیسا کہ آیت کے آخر میں ہے اور ظالموں نے کہا اے اس پر ایمان لانے والو! تم ایک دیوانے اور سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

کیونکہ ان کا نظریہ تھا کہ جادوگر لوگ انسان کے ہوش وحواس اور عقل کو اپنے قابو میں لے سکتے ہیں اور اس کی عقل سلب کر سکتے ہیں۔

(۹) یہ آیت ان سب کا جواب ان الفاظ میں دیتی ہے دیکھ تو سہی کہ انہوں نے تیرے لئے کس طرح کی مثالیں بیاں کی ہیں اب وہ اس حد تک گمراہ ہو چکے ہیں کہ انہیں تو راستہ بھی سجھائی نہیں دیتا۔

یہ جملہ اس حقیقت کی واضح تعبیر ہے کہ انہوں نے دعوت حق اور اس قرآن کے مقابلے میں چند بے بنیاد اور فضول باتیں گھڑ لی ہیں جبکہ قرآن کے مضامین خدا کے ساتھ تعلق اور ارتباط کے ناطق گواہ ہیں اس طرح سے وہ حقیقت کے چہرے پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں

(۱۰) سابقہ آیت کی طرح اس آیت میں بھی خداوند عالم روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فرماتے ہوئے اور کفار و مشرکین کی باتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے اور انہیں ناقابل اعتناء سمجھتے ہوئے کہتا ہے بزرگ اور بابرکت ہے وہ خدا کہ جو چاہے تو تجھے اس سے بھی بہتر چیزیں عطا فرمادے جو یہ لوگ کہتے ہیں ایسے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور ایسے محلات جو عظیم ہوں۔

تو کیا دوسرے لوگوں کو خدا کے علاوہ کسی اور نے باغات اور محلات عطا فرمائے ہیں۔

اور کیا اس کائنات اور اس کی نعمتوں اور زیبائش کو سوائے پروردگار کے کسی اور نے تخلیق کیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو پھر کیا ان صفات کے مالک خدا کے لئے کوئی مشکل بات ہے کہ تجھے ان سے بہتر چیزیں عطا فرمائے؟ یقیناً وہ ایسا کرسکتا ہے لیکن اس لئے ایسا نہیں کرتا کہ لوگ تیری شخصیت کو مال و دولت اور محلات و باغات کا مرہون منت سمجھ کر تیری حقیقی شخصیت سے غافل نہ ہو جائیں

(۱۱) بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۚ	بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا ہے اور ہم نے قیامت کو جھٹلانے والے لوگوں کے لئے جلانے والی آگ مہیا کر رکھی ہے۔
(۱۲) اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا	جب یہ آگ انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی وحشت ناک آواز کو سنیں گے جس میں جوش وخروش شامل ہوگا۔
(۱۳) وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ؕ	جب وہ طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے جہنم کی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے تو واویلا کریں گے۔
(۱۴) لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا	آج ایک مرتبہ واویلا نہ کرو بلکہ کئی مرتبہ واویلا کرو۔
(۱۵) قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا	(اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ آیا یہ بہتر ہے یا بہشتِ جاودانی جس کا پرہیز گاروں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے؟ ایسی بہشت جو ان کے اعمال کی جزا اور ان کی رہائش گاہ ہے۔
(۱۶) لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا	وہ جو کچھ بھی چاہیں گے ان کیلئے وہاں موجود ہے اور اس میں وہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے یہ ایک مسلّم اور حتمی وعدہ ہے جو تمہارے پروردگار نے اپنے ذمّہ لے رکھا ہے۔

تفسیر

بہشت اور دوزخ کا موازنہ

گزشتہ آیات میں توحید اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی نبوت سے کفار کے انحراف کے بارے میں گفتگو تھی ان آیات میں ان کے انحرافات اور انکار کے ایک اور حصے کو بیان کیا گیا ہے جو قیامت اور معاد کے بارے میں ہے دراصل اس حصے کو بیان کرنے کے ساتھ یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ تمام اصول دین میں تزلزل اور انحراف کا شکار تھے خواہ وہ توحید ہو یا نبوت یا معاد اور قیامت ہو گزشتہ آیات میں تو توحید اور نبوت کے بارے میں تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے اب تیسرے حصے کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے: بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا ہے۔

کیونکہ جو شخص خدا کی اس قدر عظیم عدالت ثواب و جزا پر ایمان رکھتا ہے وہ اس طرح بے پرواہ ہو کر حقائق کا منہ نہیں چڑاتا اور جس پیغمبر کی نبوت کے دلائل روز روشن کی طرح آشکار ہیں محض چند فضول اور بے بنیاد حیلے بہانوں کی وجہ سے اس کی دعوت کا انکار نہیں کرتا اور جن بتوں کو اپنے ہاتھوں سے بنایا سنوارا ہے ان کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔

البتہ اس مقام پر قرآن مجید نے استدلالی جواب پیش نہیں کیا کیونکہ یہ لوگ نہ تو اہل منطق تھے اور نہ قابل استدلال بلکہ انہیں دل ہلا دینے والی تنبیہ کے ساتھ ان کے نحس اور دردناک مستقبل کو ان کی آنکھوں کے سامنے مجسم کرتا ہے کیونکہ اس طرح کے لوگوں کیلئے ایسی ہی منطق کارگر ہوتی ہے لہٰذا فرمایا گیا ہے جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ہم نے ان کیلئے جلا دینے والی آگ مہیا کر رکھی ہے۔

(۱۲) پھر اس آتش سوزاں کی عجیب وغریب صفات بیان کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے جب یہ آتش انہیں دور سے دیکھے گی تو اس طرح طیش میں آجائے گی کہ وہ اس کی وحشت ناک اور خشم آلود آواز کو سنیں گے جس میں جوش وخروش شامل ہوگا۔

اس آیت میں کچھ ایسی منہ بولتی تعبیریں ہیں جو خدا کے اس عذاب کی شدت کی خبر دیتی ہیں۔

مجموعی طور پر یہ حالات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جہنم کی آتش سوزاں اس بھوکے درندے کی مانند ہے جو اپنے شکار کے انتظار میں ہوتا ہے جہنم بھی ایسے کافروں کے انتظار میں منہ کھولے ہوئے ہے (خدا کی پناہ)

(۱۳) یہ تو تھی دوزخ کی وہ کیفیت جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی لیکن خود جہنمیوں کی کیا کیفیت ہوگی جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے؟ تو فرماتا ہے جب وہ طوق اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے آتش جہنم کی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے تو ان کے واویلا کی چیخیں بلند ہوں گی۔

بنا بریں جہنم تو وسیع ہوگی لیکن انہیں اس وسیع وعریض جگہ میں اس قدر تنگ کر دیا جائے گا کہ بعض روایات کی تصریح کے مطابق جیسے دیوار میں میخ گاڑی جاتی ہے۔

(۱۴) لیکن فوراً انہیں کہا جائے گا آج صرف ایک مرتبہ ''ثُبُوْرًا'' نہ کہو بلکہ کئی مرتبہ ''ثُبُوْرًا'' کی آوازیں بلند کرو۔

بہرحال تمہاری یہ چیخ وپکار قطعاً کارگر ثابت نہیں ہوگی اور تمہیں ہرگز موت نہیں آئے گی بلکہ تمہیں وہاں پر زندہ رہ کر ہی عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔

(۱۵) پھر روئے سخن رسول اللہ ﷺ کی طرف کر کے آنحضرت کے ذریعے کفار کو ایک بات کے فیصلے کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ یہ دردناک انجام بہتر ہے یا وہ بہشت بریں جس کا پرہیزگار لوگوں سے وعدہ کیا جا چکا ہے جو ان کے اعمال کی جزا بھی ہے اور رہائش گاہ بھی۔

(۱۶) وہی بہشت کہ جس میں ہر وہ چیز مہیا ہے جس کی وہ خواہش کریں گے۔ وہی بہشت کہ جس میں وہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔

تمہارے پروردگار کا یہ حتمی اور مسلم وعدہ ہے جسے اس نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔

اس طرح کے سوالات اور فیصلہ جات کی دعوت صرف ان کے سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کرنے کیلئے ہوتی ہے تا کہ اس

طرح سے وہ بیدار ہو کر کسی واضح امر اور ایک دوراہے پر آ کھڑے ہوں۔

اگر تو وہ کہتے ہیں کہ وہی نعمتیں بہتر اور برتر ہیں (اور یقیناً کہنا بھی چاہئے تو خود اپنے خلاف فیصلہ دیں گے کیونکہ ان کے عمل اس کے برعکس ہیں اور اگر کہتے ہیں کہ نعمتوں سے عذاب بہتر ہے تو اپنی حماقت اور بے عقلی پر مہر تصدیق ثبت کر دیں گے یہ ٹھیک اسی طرح ہوگا کہ جیسے ہم کسی سکول یا کالج سے بھاگنے والے طالب علم کو خبردار کرتے ہوئے کہیں کہ دیکھو! جو لوگ علم کے حصول سے فرار کرتے ہیں یقیناً وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا زندان ہوتا ہے آیا جیل بہتر ہے یا اعلیٰ منصب؟

(۱۷) وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ	اس دن کا سوچو جب اللہ ان سب کو اور ان معبودوں کو، جن کی یہ خدا کے علاوہ پرستش کرتے ہیں، اکٹھا کرے گا اور ان سے کہے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا ہے یا وہ خود گمراہ ہوئے ہیں؟
(۱۸) قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا	تو وہ (جواب میں) کہیں گے: تو پاک و منزہ ہے ہمارے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ ہم تیرے علاوہ اور لوگوں کو اپنا ولی بناتے، لیکن تو نے انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو نعمتوں سے نوازا، یہاں تک کہ انہوں نے (شکر نعمت کی بجائے) تیرے ذکر کو فراموش کر دیا اور اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔
(۱۹) فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا	(خداوند عالم ان سے فرمائیگا دیکھو) جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ تمہاری تکذیب کر چکے ہیں۔ اب نہ تو تم عذاب خدا کو برطرف کر سکتے ہو اور نہ ہی کسی سے مدد طلب کر سکتے ہو اور تم میں سے جو شخص بھی ظلم کرے گا ہم اسے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

تفسیر

معبودوں اور گمراہ پجاریوں کا مقدمہ

ا۔ معبود سے کیا مراد ہے؟ ان سے مراد انسانی معبود جیسے حضرت عیسی علیہ السلام یا شیطانی معبود جیسے جنات یا فرشتے ہیں ان میں سے ہر ایک کو مشرکین کے مختلف گروہوں نے انتخاب کیا ہوا تھا۔

گزشتہ آیات میں قیامت کے دن مومنین اور مشرکین کے انجام کی بابت بات ہو رہی تھی یہاں اس آیت میں اسی موضوع

کو ایک اور صورت میں پیش کر رہی ہیں خداوند عالم بروز قیامت مشرکین کے معبودوں سے جو سوال کرے گا اسے اور وہ جو جواب دیں گے اسے بھی ایک تنبیہ کی صورت میں بیان فرما رہا ہے۔

پہلے تو فرماتا ہے اس دن کا سوچو جب خدا ان سب کو اور ان کے معبودوں کو کہ جن کی اللہ کے علاوہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں جمع اور محشور کرے گا۔

اور ان سے سوال کرے گا آیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا ہے یا یہ خود گمراہ ہو گئے ہیں۔

(۱۸) لیکن وہ جواب دیں گے پروردگارا! تو پاک و منزہ ہے ہمارے لئے یہ مناسبت نہیں تھا کہ تجھے چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بناتے۔

نہ صرف یہ کہ ہم نے انہیں اپنی طرف دعوت نہیں دی بلکہ ہم تو تیری ولایت اور عبودیت کے معترف بھی تھے اور تیرے علاوہ کسی اور کو نہ تو اپنا معبود سمجھا اور نہ ہی دوسروں کا۔

ان کی گمراہی کا سبب یہ تھا کہ تو نے انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو دنیاوی نعمتوں سے نوازا (اور وہ تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے عیش و عشرت اور دنیاوی لذات میں کھو گئے اور تجھے بھلا دیا۔ اسی وجہ سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

(۱۹) اب خدا کا روئے سخن مشرکین کی طرف ہے اور فرماتا ہے تمہارے یہ معبود تو تمہاری تکذیب کر رہے ہیں اور یہ جو تم کہتے تھے کہ انہوں نے تمہیں گمراہ کیا ہے اور اپنی عبادت کی طرف دعوت دی ہے اب صورت حال یہ ہے کہ وہ تمہیں جھٹلا رہے ہیں۔

جب صورت حال یہ ہے اور تم خود ہی گمراہ ہوئے ہو تو اب تم عذاب الٰہی کو اپنے سے برطرف نہیں کر سکتے اور نہ تم اپنی مدد آپ کر سکتے ہو اور نہ ہی کسی دوسرے سے مدد طلب کر سکتے ہو۔

اور جو شخص بھی تم میں سے ظلم کا ارتکاب کرے گا ہم اسے بڑے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

(۲۰) وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا ۧ	ہم نے تجھ سے پہلے رسولوں کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ بھی کھانا کھاتے اور بازار میں چلتے پھرتے تھے۔ اور تم میں سے بعض کو دوسرے بعض لوگوں کیلئے آزمائش کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ آیا صبر کرتے ہو؟ اور امتحان سے عہدہ برآ ہوتے ہو؟ اور تیرا پروردگار بصیر اور دیکھنے والا ہے۔

شان نزول

بعض مفسرین نے مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت کی شان نزول کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ مشرکین کے کچھ سرغنے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے اے محمد ﷺ! تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ اگر

حکومت کی ضرورت ہے تو ہم تجھے اپنا حاکم اور سرپرست بناتے ہیں اگر مال چاہتے ہو تو ہم تجھے مال دیئے دیتے ہیں لیکن جب آپ ﷺ نے ان کی کسی پیش کش کو بھی قبول نہ کیا اور نہ ہی ان کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم کیا تو لگے وہ مختلف قسم کی الزام تراشی کرنے اور کہنے لگے کہ تو خدا کا رسول کیسے ہوسکتا ہے جبکہ تو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازار میں بھی آتا جاتا ہے؟

چنانچہ مکار لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کردیا کہ وہ ہم پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا ہے جبکہ اس کی روش اور طریقہ کار بادشاہوں کے برعکس ہے تو ایسے موقع پر اوپر والی آیت نازل ہوئی اور اس حقیقت کو واضح کردیا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت سابقہ انبیاء جیسی ہے۔

تفسیر

تمام پیغمبر نوع انسانی سے تھے

گذشتہ چند آیات میں مشرکین کی مکاری اور اعتراضات کا ذکر ہے کہ پیغمبر کیوں کھانا کھاتا ہے اور کیوں بازاروں میں آتا جاتا ہے؟ پھر ان اعتراضات کا مجمل اور مختصر سا جواب بھی دیا گیا ہے لیکن اس آیت میں مندرجہ بالا اعتراضات کا واضح اور صریح تر جواب دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے تجھ سے پہلے ہم نے کسی بھی رسول کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ ان سب کا تعلق نوع انسانی سے تھا وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی آیا جایا کرتے تھے اور لوگوں سے بھی ان کا میل ملاپ تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم نے تم میں سے بعض کو دوسرے بعض لوگوں کیلئے آزمائش وامتحان کا ذریعہ قرار دیا۔

یہ آزمائش ممکن ہے کہ اس وجہ سے ہو کہ انبیاء کا انتخاب نوع انسانی سے کیا گیا ہے اور وہ بھی ان انسانوں سے جن کا تعلق معاشرے کے غریب اور محروم طبقے سے ہے اور یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہے کیونکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ہم نوع افراد کا کہنا ماننے سے گھبراتے ہیں خاص کر ان لوگوں کا جو مالی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں اور ان کا اپنا تعلق معاشرتی لحاظ سے اونچے گھرانوں سے ہوتا ہے یا ان کی عمر زیادہ ہوتی ہے یا معاشرے میں خوب جانے پہچانے ہوتے ہیں۔اسی کے ساتھ ساتھ قرآن سب کو خطاب کرتے ہوئے سوال فرماتا ہے آیا صبر کروگے۔

کیونکہ ایسی تمام آزمائشوں میں کامیابی کا اہم ترین عنصر صبر وشکیبائی ہے

آخر میں تنبیہ کی صورت میں ارشاد فرمایا گیا ہے تمہارا پروردگار ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے بصیر اور دیکھنے والا ہے۔

مبادا وہ یہ تصور کرلیں کہ خدائی آزمائش کے سلسلے میں کوئی چیز اس کی دیدہ بینا اور علم مطلق سے پوشیدہ رہ گئی ہے انہیں نہیں وہ ہر ایک چیز کو اچھے طریقے سے جانتا اور دیکھتا ہے۔

(۲۱) وَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَوۡ نَرٰی رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ وَ عَتَوۡ عُتُوًّا کَبِیۡرًا	اور وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے یا ہم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھتے؟ انہوں نے اپنے بارے میں تکبّر کیا اور بہت بڑی سرکشی کے مرتکب ہوئے۔
(۲۲) یَوۡمَ یَرَوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشۡرٰی یَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا	جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے وہ دن مجرمین کے لیے خوشخبری کا نہیں ہوگا (بلکہ ان کی سزا کا دن ہوگا) اور وہ کہیں گے ہمیں امان دو، ہمیں معاف کردو۔
(۲۳) وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا	اور ہم ان کے ان اعمال کی طرف آگے بڑھیں گے جو وہ انجام دے چکے ہیں اور ان اعمال کو غبار کے ذروں کی مانند بکھیر دیں گے۔
(۲۴) اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یَوۡمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّ اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا	اس دن بہشتیوں کا ٹھکانا سب سے بہتر اور ان کی رہائش گاہ سب سے عمدہ ہوگی۔

تفسیر

بہت بڑے دعوے

جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ پیغمبر ہماری طرح کھاتا پیتا کیوں ہے اور کیوں ہماری طرح بازار میں آتا جاتا ہے؟ اس کا جواب ہم ابھی ابھی پڑھ چکے ہیں۔

یہاں میں ان مشرکین کے دو اور اعتراضات کا تذکرہ ہے اور ساتھ ہی ان کا جواب بھی پیش کیا گیا ہے۔

پہلے تو فرمایا گیا ہے جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور قیامت کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے نازل کیوں نہیں ہوتے یا اپنے پروردگار کو ہم اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھ پاتے۔

بالفرض مان لیا کہ پیغمبر بھی ہماری طرح عمومی زندگی گزار سکتے ہیں لیکن یہ بات تو ماننے کے قابل نہیں ہے کہ وحی کا فرشتہ ان کے پاس آئے اور ہم نہ دیکھ پائیں

پھر یہ کہ وہ لوگ نبوت کی تحقیق اور ثبوت کے بارے میں آپ سے ایسی باتیں نہیں کرتے تھے اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ انہوں نے خدا کو دیکھنے کا مطالبہ کر کے اسے ایک قابل رویت جسم کی حد تک گرا دیا۔ وہی بے بنیاد مطالبہ جو بنی اسرائیل کے مجرم لوگوں نے کیا تھا اور اس کا شافی جواب بھی سن لیا تھا اس کی تفصیل سورہ اعراف کی آیت ۱۴۲ میں گزر چکی ہے۔

لہٰذا قرآن مجید ایسے مطالبات کا جواب زیر بحث آیت میں دے رہا ہے انہوں نے اپنے بارے میں تکبر سے کام لیا ہے اور غرور تکبر اور خود پسندی کا شکار ہو گئے ہیں۔

انہوں نے طغیان اور سرکشی کی بہت بڑی سرکشی۔

(۲۲) اس کے بعد قرآن دھمکی کی صورت میں فرماتا ہے کہ یہ جو فرشتوں کے دیکھنے کا مطالبہ کر رہے ہیں آخر کار انہیں دیکھ ہی لیں گے لیکن اس دن دیکھیں گے کہ جس دن مجرمین کیلئے خوشخبری نہیں ہوگی (کیونکہ وہ دن ان کے اعمال کی سخت سزا کا دن ہوگا)۔

یقیناً اس دن فرشتوں کو دیکھ کر وہ خوش تو نہیں ہوں گے بلکہ جونہی وہ ان فرشتوں کے ہمراہ عذاب کی علامات دیکھیں گے تو اس قدر وحشت زدہ ہو جائیں گے کہ ایسے جملے زبان پر لائیں گے جو خطرناک مواقع پر لوگوں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے چنانچہ وہ کہیں گے ہمیں امان دو، ہمیں معاف کر دو۔

لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ انہیں اپنے حتمی برے انجام سے نہ تو یہ جملہ بچا سکے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا جملہ۔

(۲۳) اس آیت آخرت میں مجرمین کے اعمال کی کیفیت کو مجسم کر کے کہتی ہے ہم ان کے ان اعمال کی طرف آگے بڑھیں گے جو وہ انجام دے چکے ہوں گے اور ان اعمال کو غبار کے ذروں کی مانند ہوا میں بکھیر دیں گے۔

اس تعبیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کفار و مشرکین کے اعمال اس قدر بے قیمت اور بے اثر ہوں گے کہ گویا ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہوگا

کیونکہ جو چیز انسان کے اعمال کو شکل و صورت حیثیت اور قدر و منزلت عطا کرتی ہے وہ ہے انسان کی نیت اور اس کا قصد و ارادہ کیونکہ مومنین کے اعمال میں رضائے خدا توحید پاکیزہ مقصد اور صحیح و سالم منصوبہ پیش نظر ہوتا ہے جبکہ بے ایمان افراد کے پیش نظر ظاہر داری ریا کاری، جھوٹ، فریب اور ذاتی مفادات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کے اعمال صالح بھی اپنی قدر و منزلت کھو دیتے ہیں۔

(۲۴) جہاں تک قرآن مجید کا طریقہ کار ہے تو وہ نیک اور بد کو ایک ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ دونوں کا آپس میں موازنہ کر کے ہر ایک کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھا جا سکے چنانچہ یہ آیت دوزخیوں کے بارے میں گفتگو کرتی ہے خدا فرماتا ہے اس دن بہشتیوں کا ٹھکانا سب سے بہتر اور ان کی رہائش گاہ سب سے عمدہ ہوگی۔

(۲۵) وَ یَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَ نُزِّلَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ تَنۡزِیۡلًا	اس دن کے متعلق سوچو جب آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتے پے درپے نازل ہوں گے۔
(۲۶) اَلۡمُلۡکُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ وَ کَانَ یَوۡمًا عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ عَسِیۡرًا	اس دن حکومت صرف خداوند رحمان کی ہوگی اور وہ دن کافروں کے لئے بہت سخت ہوگا۔

تفسیر

جب آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا

یہاں پر قیامت اور روز قیامت گناہ گاروں کے انجام کے بارے میں گفتگو کو آگے بڑھایا گیا ہے پہلے فرمایا گیا ہے گناہ گاروں کے مصائب اور رنج وغم کا دن وہ ہوگا کہ جب آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتے پے درپے اترنا شروع ہوں گے۔

یہ آیت درحقیقت مشرکین کے ایک مطالبے اور ایک اور بہانے کا جواب ہے وہ اپنے افسانوں کے مطابق اس بات کے منتظر تھے کہ خدا اور اس کے فرشتے بادلوں میں بیٹھ کر آئیں اور انہیں حق کی دعوت دیں اسی طرح یہودیوں کے قصے کہانیوں میں بھی ہے کہ کبھی کبھی خدا بادلوں کے درمیان سے ظاہر ہوجاتا ہے۔

بادلوں سمیت آسمان کے پھٹ جانے سے کیا مراد ہے؟

ممکن ہے کہ اس مادی کائنات کے پردے انسان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جائیں اور وہ عالم طبعیت کا مشاہدہ کرے دوسری طرف آسمانی کرے دھماکوں کیساتھ تباہ وبرباد ہوجائیں اور ان دھماکوں سے دھوئیں کے بادل اٹھیں گے ان بادلوں کے درمیان کہیں کہیں شگاف پڑ جائیں گے یہی دن اس جہان کا آخری اور اس دوسرے جہان کا پہلا دن ہوگا جو بے ایمان گناہ گار مجرمین اور ہٹ دھرم ظالموں کیلئے نہایت ہی دردناک ہوگا۔

اس کے بعد اس دن کی اور نمایاں خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس دن حکومت خداوند رحمٰن ہی کی ہوگی۔

حتیٰ کہ اس دنیا کی مجازی، فانی، محدود اور جلد ختم ہوجانے والی حکومتوں کے تختے الٹ دیئے جائیں گے اور ہر لحاظ سے اور تمام جہات سے حاکمیت صرف اور صرف خداوند متعال ہی کی ہوگی۔ اسی بناء پر وہ دن کافروں کیلئے بہت ہی سخت ہوگا۔

جبکہ مومنین کے لئے بہت سہل اور نہایت آسان ہوگا۔

(۲۷) وَ یَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡہِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا	اس دن کو یاد کیجئے جب سخت حسرت کے باعث ظالم اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا: اے کاش! میں نے رسول کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا۔
(۲۸) یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا	افسوس کہ میں نے فلاں (گمراہ شخص) کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔
(۲۹) لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ ؕ وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا	اس نے مجھے یادِ حق سے بھٹکا دیا جبکہ میرے پاس آ گاہی پہنچ چکی تھی، اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو چھوڑ دینے والا ہے۔

شان نزول

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مشرکین میں عقبہ اور ابی نامی دو شخص رہتے تھے جو ایک دوسرے کے دوست تھے جب بھی عقبہ کسی سفر سے گھر واپس لوٹتا تو اپنی قوم کے سرداروں کو کھانے کی دعوت دیتا اگرچہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن اس کا جی چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بھی حاضر ہو۔

حسب معمول ایک دن جب سفر سے واپس آیا تو کھانے کا انتظام کیا اور دوستوں کو دعوت دی اور ساتھ ہی حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کھانے پر بلا لیا۔ جب دسترخوان بچھا دیا گیا اور کھانا لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم کلمہ شہادتیں (اقرار توحید و رسالت) زبان پر جاری نہیں کرو گے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

یہ خبر جب اس کے دوست ابی تک پہنچی تو اس نے کہا عقبہ! کیا تم اپنے دین سے پھر گئے ہو؟ عقبہ نے جواب دیا بخدا میں دین سے تو منحرف نہیں ہوا لیکن چونکہ ایک ایسا شخص میرا مہمان تھا جو میرے شہادتیں کے اقرار کیے بغیر کھانا کھانے کیلئے تیار نہیں تھا اور چونکہ مجھے اس بات سے شرم آتی تھی کہ وہ کھانا کھائے بغیر میرے دسترخوان سے اٹھ کر چلا جائے لہٰذا مجھے یہ کہنا پڑا۔

ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ اس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی زبردست توہین نہ کرو چنانچہ عقبہ نے ایسا ہی کیا اور مرتد ہو گیا اور انجام کار جنگ بدر میں کفار کی صف میں مارا گیا اسی طرح اس کا دوست ابی بھی جنگ احد میں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اوران میں ایسے شخص کا انجام بیان کیا گیا جواس دنیا میں اپنے گمراہ دوست کی دوستی کی وجہ سے گمراہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر

برے دوست نے گمراہ کیا

قیامت کے مناظر بھی عجیب وغریب ہوں گے جن کا کچھ حصہ ابھی گزشتہ آیات کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے اور یہاں میں ان مناظر کا ایک اور پہلو اجاگر کیا جارہا ہے اور وہ یہ ہے کہ ظالم لوگ بروز قیامت اپنے گزشتہ کردار پر حد سے زیادہ حسرت اور افسوس کریں گے چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

اس دن کو یاد کیجئے جب ظالم حسرت کی وجہ سے اپنے ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا۔

اے کاش! میں نے رسول اللہ کا راستہ اپنایا ہوتا۔

یہ عمل شاید اس لئے کہ اس قماش کے لوگ جب اپنے ماضی پر نظر ڈالتے ہیں تو خود کو قصوروار ٹھہراتے ہیں اور اس قصور کا انتقام بھی خود سے لینے کی ٹھان لیتے ہیں تا کہ وہ اس طرح سے قدرے اطمینان حاصل کر سکیں۔

(۲۸) قرآن آگے فرماتا ہے کہ یہ ظالم بڑے افسوس کے ساتھ کہے گا پھٹکار ہو مجھ پر کاش کہ میں نے فلاں گمراہ شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔

ظاہر ہے کہ فلاں سے مراد وہ شخص ہے جو اسے گمراہی کی طرف کھینچ لایا تھا خواہ وہ شیطان تھا یا برا دوست اور گمراہ رشتہ دار یا عقبہ جیسے لوگوں کیلئے ابی جیسے دوست احباب۔

(۲۹) سلسلہ کلام جاری ہے آگے فرماتا ہے کہ وہ کہے گا بیداری اور علم وآگہی میرے پاس آچکی تھی (سعادت اور خوش بختی نے میرا دروازہ بھی کھٹکھٹایا تھا) لیکن اس بے ایمان دوست نے مجھے گمراہ کیا۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو چھوڑتا آرہا ہے۔

کیونکہ وہ انسان کو کھینچ تان کر غلط راستے پر ڈال دیتا ہے اور خطرناک مقام پر پہنچ کر اسے حیران وسرگردان چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے۔

توجہ رہے کہ خذول مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بار بار چھوڑنے والا خذلان کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی امداد کیلئے عہد کرے لیکن نہایت ہی حساس لحات میں اس کی امداد سے ہاتھ اٹھا لے۔

اسلام کے نویں عظیم الشان پیشوا حضرت امام محمد تقی جواد علیہ السلام فرماتے ہیں۔

برے شخص کی ہم نشینی سے بچو کیونکہ وہ شمشیر برہنہ کی مانند ہوتا ہے جس کا ظاہر خوبصورت اور اثر بہت خطرناک ہوتا ہے

(۳۰)وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَہۡجُوۡرًا	اور رسول نے عرض کیا: خداوندا! میری اس قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اس سے دوری اختیار کرلی ہے۔
(۳۱) وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ ہَادِیًا وَّ نَصِیۡرًا	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے مجرم لوگوں میں سے دشمن بنا دیئے۔لیکن اسی قدر کافی ہے کہ خدا تیرا ہادی اور مددگار ہے۔
(۳۲)وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚۛ کَذٰلِکَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا	اور کافروں نے کہا کہ آخر قرآن اس پر ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں ہوتا؟ اور یہ صرف اس بناء پر ہے کہ ہم تمہارا دل محکم اور استوار رکھیں اور ہم نے اسے تم پر تدریجاً پڑھا ہے۔
(۳۳) وَ لَا یَاۡتُوۡنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئۡنٰکَ بِالۡحَقِّ وَ اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا ؕ	وہ تیرے لئے کوئی مثل نہیں لاتے مگر یہ کہ ہم تیرے لئے حق اور بہتر تفسیر لے آتے ہیں۔
(۳۴)اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ اِلٰی جَہَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ٪	جو لوگ منہ کے بل جہنم کی طرف محشور کیے جائیں گے ان کا بدترین ٹھکانا اور وہ خود گمراہ ترین لوگ، ہوں گے۔

تفسیر

خداوندا! لوگوں نے قران کو چھوڑ دیا

چونکہ گزشتہ آیات میں ہٹ دھرم مشرکین اور بے ایمان لوگوں کے مختلف الزامات اور اعتراضات بیان ہوئے ہیں لہٰذا اس آیت میں پیغمبر اسلامﷺ کی اس پریشانی اور شکایت کا تذکرہ ہے جو لوگوں نے قرآن کے ساتھ رویہ اختیار کیا ہوا تھا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا خداوندا! میری اس قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور اس سے دوری اختیار کرلی ہے۔

رسول اللہﷺ کی یہ گفتگو اور شکایت آج بھی اسی طرح فضا میں گونج رہی ہے گویا آپﷺ مسلمانوں کیلئے ایک بہت بڑے گروہ کے خلاف بارگاہ ایزدی میں استغاثہ کررہے ہیں خدایا! ان لوگوں نے قرآن کو بالکل بھلا دیا ہے جو قرآن زندگی کی علامت اور نجات کا ذریعہ ہے جو قرآن فتح و کامرانی' تحرک اور ترقی کا عامل ہے جو قرآن ہر شعبہ زندگی کیلئے راہنما اصول رکھتا ہے اسی قرآن کو ان لوگوں نے چھوڑ دیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے دیوانی اور فوجداری قوانین تک کیلئے دوسروں کی طرف گدائی کا ہاتھ پھیلایا ہوا ہے۔

اب بھی اگر ہم اکثر و بیشتر اسلامی ملکوں خاص کر ان ممالک کی طرف نظر کریں جو مشرقی یا مغربی کلچر اور ثقافت کے زیر تسلط ہیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں پر قرآن مجید کو تکلفاً ایک مقدس کتاب کا درجہ دیا گیا ہے اس کے صرف الفاظ کو خوبصورت آواز میں ریڈیو اور

ٹیلی ویژن جیسے نشریاتی اداروں سے نشر کر دیا جاتا ہے یا آیات قرآنی کو فن تعمیر کے عنوان سے مسجدوں کی کاشی کاری میں جگہ دی جاتی ہے نئے مکان کے افتتاح کے موقع پر یا مسافر کی جان کی حفاظت کیلئے یا بیماروں کی صحت یابی کیلئے یا زیادہ سے زیادہ حصول ثواب کی غرض سے اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔

قرآن کی روح اور مطالب کو اس کے طرز تفکر کو اور اس کے تعمیری منصوبوں پر عمل درآمد چھوڑ دیا ہے۔

(۳۱) چونکہ حضرت رسول گرامی ﷺ کو دشمنوں کے اس قسم کے معاندانہ سلوک کا سامنا تھا لہٰذا خداوند عالم ان کی دلجوئی کیلئے اس آیت میں فرماتا ہے اسی طرح کے گناہ گار اور مجرم دشمن ہم نے ہر پیغمبر کیلئے قرار دیئے ہیں۔

تو ہی نہیں کہ جسے اس قسم کے سخت دشمنوں کا سامنا ہے بلکہ سب انبیاء کا یہی حال تھا مجرمین کا کوئی نہ کوئی ٹولہ ان کی مخالفت کرتا رہتا ہے اور ان کے ساتھ دشمنی پر ہمیشہ کمر باندھے رہتا ہے۔

لیکن تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تو بے یار و مددگار نہیں یہی بات کافی ہے کہ خداوند عالم تیرا ہادی راہنما اور یار و یاور ہے۔

چونکہ تیرا ہادی خداوند عالم ذوالجلال ہے لہٰذا ان کے وسوسے تجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور چونکہ تیرا ناصر و مددگار خدا ہے لہٰذا ان کی ہر طرح کی سازشیں تیرا بال تک بیکار نہیں کر سکتیں کیونکہ اس کا علم تمام علوم سے برتر اور اس کی قدرت تمام قدرتوں اور طاقتوں سے بالاتر ہے مختصر یہ کہ بلا جھجک کہہ دے

هزار دشمنم از می کنند قصد هلاك تو ام چو دوستی از دشمنان ندارم باك

اگر میرے ہزاروں دشمن مجھے ہلاک کرنا چاہیں تو وہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ جب تک تو میرا دوست ہے مجھے دشمن کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں۔

(۳۲) اس آیت میں ان مجرموں کی ایک اور بہانہ جوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں ہوتا۔

بہتر یہی ہے کہ خود آنحضرت ﷺ بھی اس سے مجموعی طور پر باخبر ہوتے تاکہ جب بھی آپ ﷺ سے لوگ کوئی سوال کرتے تو اس کا فوری طور پر جواب دے دیتے۔

لیکن اسی آیت میں انہیں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے

ہم نے قرآن کو تدریجی طور پر نازل کیا ہے تاکہ تیرے دل کو محکم و استوار رکھیں اور اسے جدگانہ آیات کی صورت میں آہستہ آہستہ لیکن بطور مسلسل تجھ پر وحی کیا ہے۔

(۳۳) پھر مندرجہ بالا جواب کو مزید پختہ کرنے کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے وہ تیرے لئے کوئی مثل نہیں لاتے اور تیری دعوت کو کمزور کرنے کیلئے کوئی بھی بات نہیں کرتے مگر یہ کہ ہم ایسی حق بات تجھے عطا کر دیتے ہیں جو دوٹوک انداز میں ان کے بودے دلائل کو ناکام کر کے رکھ دیتی ہے اور بہتر تفسیر اور دلچسپ بیان تجھے عطا کرتے ہیں۔

(۳۴) ان کینہ پرور دشمنوں اور متعصب اور ہٹ دھرم مشرکوں نے اپنے چند اعتراضات کے ذریعے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ ان اوصافِ کتاب اور ان پروگراموں کی وجہ سے (نعوذ باللہ) محمد ﷺ اور اس کے ساتھی غلط لوگ ہیں اور کیونکہ ایسی بے ہودہ سوچ اور گفتگو کا اسی انداز میں ذکر کرنا قرآن جیسی فصیح و بلیغ کتاب کے شایان شان نہیں تھا لہٰذا اس آخری آیت میں ان کی گفتگو کو ذکر کیے بغیر خداوند عالم اس کا جواب یوں دیتا ہے۔

جو لوگ منہ کے بل محشور کیے جائیں گے اور اسی حالت میں انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا وہی ان کا بدترین ٹھکانا ہوگا اور وہ خود گمراہ ترین افراد ہوں گے۔

سچ بات تو یہ ہے کہ انسان کے منصوبوں کا نتیجہ تو وہاں جا کر واضح ہوگا کچھ لوگ وہ ہوں گے جو سرو قامت اور چاند ایسے نورانی چہرے کے مالک ہوں گے اور تیز تیز قدموں کے ساتھ بہشت میں داخل ہوں گے ان کے مقابلے میں وہ لوگ ہوں گے جن کے منہ پر خاک پڑی ہوگی اور عذاب کے فرشتے انہیں کشاں کشاں جہنم میں لے جائیں گے یہ دو متضاد اور مختلف انجام ہی بتائیں گے کہ کون لوگ گمراہ اور شریر تھے اور کون نیک بخت اور ہدایت یافتہ۔

(۳۵) وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ۚۖ	ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب عطا فرمائی اور ان کے بھائی ہارون کو مدد کیلئے ان کے ہمراہ کر دیا۔
(۳۶) فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ؕ	اور ہم نے کہا کہ اس قوم کی طرف جایئے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے، ہم نے اس کی ایسی سرکوبی کی کہ وہ نیست و نابود ہوگئی۔
(۳۷) وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۚۖ	اور (اسی طرح جب) قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے اُسے (بھی) غرق کر دیا اور اسے دوسرے لوگوں کیلئے درسِ عبرت بنا دیا۔ اور ہم نے ظالموں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
(۳۸) وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا	(اسی طرح) قوم عاد و ثمود اصحاب الرس (جو درخت صنوبر کی پرستش کیا کرتے تھے) اور بہت سی دوسری قوموں کو جو ان میں موجود تھیں، ہم نے ہلاک کر دیا۔

(۳۹) وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا	اوران میں سے ہرایک کیلئے ہم نے مثالیں بیان کیں۔ان میں سے ہرایک کوہم نے تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔
(۴۰) وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْیَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا	وہ(قوم لوط کے) اس شہر کے پاس سے گزرے جس پر بہت بُری بارش ہوئی (آسمان سے پتھر برسے) کیا انہوں نے اسے دیکھا نہیں؟ (ضروری دیکھا) لیکن وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

تفسیر

درس عبرت سے لاپروائی

یہاں پر خداوند عالم ایک تو اپنے پیغمبرﷺ اور مومنین کی تسلی اور دلجوئی کیلئے دوسرے ان حیلہ ساز مشرکین کی تنبیہ کے لئے جن کی باتیں ابھی بیان ہوچکی ہے گزشتہ اقوام کی تاریخ اوران کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ کررہا ہے اورگزشتہ اقوام میں سے چھ قوموں کا خاص طور پر تذکرہ فرمارہا ہے یعنی قوم فرعون' قوم نوح' قوم عاد' ثمود' اصحاب الرس اور قوم لوط اوران اقوام کے انجام کو بطور درس عبرت پیش فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،ہم نے موسیٰؑ کو آسمانی کتاب دی اوران کے بھائی ہارون کو مدد کیلئے ان کے ہمراہ کر دیا۔

(۳۶) ہم نے ان دونوں بھائیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا اس قوم کی طرف جایئے جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہے۔

انہوں نے ایک تو آفاق وانفس اور کائنات میں موجود آیات خداوندی کی عملا تکذیب کی اور شرک وبت پرستی کی راہ اپنائی اور دوسرے انبیائے ماسبق کی تعلیمات کو نظرانداز ہی نہیں کردیا بلکہ ان کی تکذیب بھی کی۔

لیکن جناب موسیٰؑ اوران کے بھائیوں حضرت ہارونؑ کی تمام کوششوں کے باوجود اور عظیم اور روشن معجزات کے بعد بھی انہوں نے کفر اور انکار کا راستہ اپنایا لہٰذا ہم نے انہیں ایسے سرکوب کیا کہ وہ نیست ونابود ہوگئے۔

(۳۷) اسی طرح جب قوم نوح نے پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہم نے اسے بھی غرق کردیا اوراس کے انجام کو عام لوگوں کیلئے ایک واضح اور روشن نشانی قراردی اور تمام ظالموں کیلئے ہم نے دردناک عذاب مہیا کررکھا ہے۔

(۳۸) اسی طرح ہم نے قوم عاد وثمود' اصحاب رس اور دوسری بہت سی قومیں جوان میں موجود تھیں کو ہلاک کردیا۔

قوم عاد وہی حضرت ہودؑ کی قوم ہے حضرت ہودؑ کو اللہ نے احقاف (یا یمن) میں مبعوث فرمایا اور قوم ثمود اللہ کے

پیارے نبی جناب صالح علیہ السلام کی قوم ہے حضرت صالح علیہ السلام کو خدا نے وادی القری (مدینہ اور شام کے علاقے) میں مبعوث فرمایا

البتہ ہم نے انہیں غافل کر کے سزا نہیں دی بلکہ ہم نے ان میں سے ہر ایک کیلئے مثالیں بیان کیں۔

جس قسم کے اعتراضات یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کرتے ہیں اور ہم ان کا جواب دیتے ہیں اسی طرح کے اعتراض لوگوں نے ان پر بھی کیے تھے اور ہم نے ان کا جواب بھی دیا ان کیلئے احکام الٰہی کو واضح طور پر پیش کیا اور دینی حقائق کو ان کے سامنے کھول کر بیان کیا۔ انہیں خبردار کیا' ڈرایا اور سابق لوگوں کی داستانیں بیان کیں۔

اصحاب الرس

وہ ایسے لوگ تھے جو صنوبر کے درخت کی پوجا کرتے تھے اور اسے درختوں کا بادشاہ کہتے تھے یہ وہ درخت تھا جسے جناب نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث نے طوفان نوح کے بعد روشن آب کے کنارے کاشت کیا تھا رس نامی نہر کے کنارے انہوں نے بارہ شہر آباد کر رکھے تھے

جب وہ کفر اور بت پرستی کی انتہا کو پہنچ گئے تو خداوند عالم نے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی ان کی طرف بھیجا تا کہ وہ انہیں شرک سے روکے اور خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دے لیکن وہ اس نبی پر ایمان نہ لائے اب اس نبی نے فساد اور بت پرستی کی اصل جڑ یعنی اس درخت کے قلع قمع کرنے کی خدا سے دعا کی اور بڑا درخت خشک ہو گیا جب ان لوگوں نے یہ صورت حال دیکھی تو سخت پریشان ہو گئے سب لوگوں نے اللہ کے اس نبی کو قتل کرنے کی ٹھان لی اور گہرا کنواں کھودا جس میں اسے ڈال دیا اور کنوئیں کا منہ بند کر کے اس کے اوپر بیٹھ گئے اور اس کے نالہ وفریاد کی آواز سنتے رہے یہاں تک کہ اس نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی خداوند عالم نے انہیں ان برائیوں اور ظلم وستم کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا کر کے نیست ونابود کر دیا۔

لیکن جب کوئی چیز بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو ہم نے ان میں سے ہر ایک کی شدت کے ساتھ سرکوبی کی اور انہیں تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔

(۴۰) انجام کار اس سلسلے کی آخری آیت میں قوم لوط کے شہروں کے کھنڈرات اور ویرانوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو حجاز سے شام جانے والے لوگوں کی راہ میں پائے جاتے ہیں اور شرک وگناہ سے آلودہ لوگوں کی دردناک تباہی وبربادی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں خدا فرماتا ہے وہ لوگ اس شہر کے پاس سے گزرے جس پر برائی اور بدبختی (ہلاک کر دینے والے پتھروں) کی بارش ہوئی تو کیا انہوں نے (اپنے سفر شام کے دوران میں) ایسی صورت حال کو نہیں دیکھا اور ان کے انجام سے درس حاصل نہیں کیا۔

انہوں نے اس کیفیت کو دیکھا تو ضرور ہے لیکن اس سے درس عبرت حاصل نہیں کیا کیونکہ وہ روز قیامت پر نہ تو ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کی امید۔

وہ لوگ موت کو زندگی کا خاتمہ سمجھتے ہیں اور اگر دوسرے جہان کی زندگی کے بارے میں ان کا کچھ عقیدہ ہے بھی تو نہایت ہی کمزور اور بے بنیاد۔

(۴۱) وَ اِذَا رَاَوْکَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا	جب بھی وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟
(۴۲) اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا	اگر ہم اپنے خداؤں کی پرستش پر قائم نہ رہیں تو اس بات کا خدشہ ہے کہ وہ ہمیں گمراہ کر ڈالے۔ لیکن جب وہ عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ کون گمراہ تھا۔
(۴۳) اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْهِ وَکِیْلًا ۙ	کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ تو کیا تو اس کو ہدایت کر سکتا ہے یا اس کا دفاع کر سکتا ہے؟
(۴۴) اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۧ	کیا تو سمجھتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ وہ تو صرف چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں۔

تفسیر

جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ

(۴۱) یہاں مشرکین کی منطق اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کے سلوک اور دعوت اسلام کے مقابلے میں ان کا ردعمل بیان کیا گیا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے جب بھی وہ تجھے دیکھتے ہیں تو سب سے پہلا کام یہ انجام دیتے ہیں کہ آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ وہی شخص ہے جسے خدا نے پیغمبر کے طور پر مبعوث کیا ہے۔

(۴۲) قرآن مجید مشرکین کی بات کو ان کی اپنی زبانی آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے اگر ہم اپنے خداؤں کی پرستش پر ڈٹے نہ رہیں تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ ہمیں گمراہ کر ڈالے اور ہمارا رابطہ ان سے منقطع کر دے۔

لیکن قرآن اس بات کا کئی طریقوں سے جواب دیتا ہے پہلے تو اس غیر منطقی ٹولے کو یوں سر توڑ جواب دیتا ہے۔

جب وہ عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو انہیں فوراً پتہ چل جائے گا کہ کون گمراہ تھا۔

(۴۳) ان کی گفتگو کا دوسرا جواب آیت میں پیش کیا گیا ہے جس میں پیغمبر اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے ایک تو ان کی دلجوئی

کی گئی ہے اور دوسرے مشرکین کی دعوت حق کو قبول نہ کرنے کی اصل وجہ بیان کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

تو آیا تو نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

تو کیا ایسی حالت میں تو اسے ہدایات کرسکتا ہے یا اس کا دفاع کرسکتا ہے۔

یعنی اگر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اسلامی کے مقابلے میں استہزا، انکار اور ہنسی مذاق کی پالیسی اپنا رکھی ہے تو اس لئے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منطق کمزور اور دلائل قانع کنندہ نہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین وآئین میں کسی قسم کا شک وشبہ ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ عقلی اور منطقی بات کی پیروی نہیں کرتے ان کا معبود ان کی نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔

(۴۴) آخر میں قرآن مجید اس گمراہ گروہ کے اعتراض کا تیسرا جواب یوں دے رہا ہے

آیا تو سمجھتا ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں۔

وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ٹھٹھا، غیر منطقی اور ناگوار باتوں سے ہرگز پریشان نہ ہوں کیونکہ یا تو انسان کے پاس اپنی عقل ہونی چاہئے جس سے وہ سوچ سکے اور یعقلون کا مصداق بنے اگر اس کے پاس اپنی عقل نہیں تو دانشوروں اور صاحبان عقل کی باتوں کو سنے اور یسمعون کا مصداق قرار پائے لیکن یہ لوگ نہ تو پہلے زمرے میں آتے ہیں اور نہ ہی دوسرے میں اسی لئے ان میں اور چوپایوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور چوپایوں سے سوائے چیخنے چلانے، لاتیں مارنے اور غیر معقول کام کے اور توقع ہی کیا کی جا سکتی ہے؟

بلکہ یہ ان جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ جانوروں سے عقل واندیشہ کی تو توقع نہیں رکھی جا سکتی جبکہ ان میں عقل بھی ہے اور شعور بھی لیکن وہ اس سے کام نہیں لیتے لہٰذا انہیں یہ دن دیکھنا پڑے۔

(۴۵) اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ۙ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے کس طرح سائے کو پھیلایا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے روکے رکھتا (ہمیشہ سایہ ہی سایہ ہوتا)۔ پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا۔
(۴۶) ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا	پھر ہم اسے آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں۔
(۴۷) وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا	اور خدا تو وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا ہے اور نیند کو آرام کا ذریعہ اور دن کو تمہاری حرکت اور زندگی کا سبب قرار دیا ہے۔

(۴۸) وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ	اور وہ وہی ہے جس نے ہواؤں کو رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا۔اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل فرمایا
(۴۹) لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا	تا کہ ہم اس کے ذریعہ سے مردہ زمینوں کو زندہ کریں اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو اس سے سیراب کریں۔
(۵۰) وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا	اور ہم نے ان آیات کو طرح طرح سے ان کے درمیان بیان کیا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن اکثر لوگوں نے انکار اور کفر کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں کیا۔

تفسیر

سائے کی حرکت

یہاں نعمت الٰہی کے بہت سے اہم حصوں کو توحید اور خدا شناسی کے اسرار کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے

سائے کی نعمت پھر رات کے اثرات اور برکات نیند اور آرام، دن کی روشنی، ہواؤں کے چلنے بارش کے نازل ہونے، مردہ زمینوں کے زندہ ہونے اور جانوروں اور انسانوں کے سیراب ہونے کی سی نعمتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے آیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے سائے کو کیونکر پھیلایا ہے۔

اگر چاہتا تو اسے روکے رکھتا (ہمیشہ سایہ ہی سایہ ہوتا)۔

پھیلنے والے اس سائے سے مراد وہ سایہ ہے جو صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیانے وقت میں ہوتا ہے کیونکہ سب سے زیادہ سرور اس سایئے میں ہوتا ہے اور سب سے زیادہ کیف کی وہی گھڑی ہوتی ہے پھیکے رنگ کا سایہ ڈالنے والا یہ نور صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب تک چلا جاتا ہے پھر اس کے بعد دن کی روشنی اس کی جگہ لے لیتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

''پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا ہے''۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر سورج نہ ہوتا سائے کا مفہوم کبھی سمجھ میں نہیں آتا اصولی طور پر سایہ آفتاب کی

پر چھائیوں کا نام ہے

(۴۶) آگے فرمایا گیا ہے پھر ہم اسے آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں۔

ہر ایک کو معلوم ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سایہ بھی آہستہ آہستہ سمٹنا شروع ہو جاتا ہے حتی کہ دو پہر کے وقت بعض مقامات پر بالکل معدوم ہی ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت سورج ٹھیک ہر چیز کے سر پر ہوتا ہے اور دوسرے مقامات پر اپنی کم سے کم مقدار کو جا پہنچتا ہے اس طرح سے سایہ نہ تو ایک ہی مرتبہ ظاہر ہوتا ہے اور نہ ایک ہی دفعہ سمیٹ لیا جاتا ہے یہ کام بجائے خود پروردگار عالم کی ایک حکمت ہے کیونکہ اگر یکدم سائے سے روشنی پیدا ہوتی یا روشنی سے سایہ پیدا ہوتا تو موجودات عالم کیلئے نقصان دہ ہوتا

(۴۷) سائے جیسی نعمت کا ذکر کرنے کے بعد قرآن دو اور نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتا ہے جو اس کے ساتھ مکمل طور پر مناسبت رکھتی ہیں ان دونوں نعمتوں کے ذکر کے ساتھ نظام ہستی کے کچھ اور اسرار سے پردہ اٹھاتا ہے جو وجود خدا پر دلالت کر رہی ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اور خدا تو وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا ہے۔رات کو لباس بنایا ہے۔کیسی دلچسپ تعبیر ہے یہ تاریک پردہ صرف انسانوں ہی کو نہیں بلکہ روئے زمین پر موجود تمام چیزوں کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے اور انہیں لباس کی مانند محفوظ کر لیتا ہے جیسا کہ انسان سوتے وقت تاریکی اور آرام و استراحت کیلئے پردے سے کام لیتا ہے اسی طرح یہ تمام چیزوں کیلئے تاریکی اور پردے کا کام دیتی ہے۔

پھر نیند جیسی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے اس نے نیند کو تمہارے لئے آرام کا ذریعہ بنایا ہے۔

بروقت اور مناسب مقدار کی نیند سے بدن کی طاقتیں بحال ہو جاتی ہیں جسم کو تازگی مل جاتی ہے صرف شدہ قوت لوٹ آتی ہے نیند اعصاب کے سکون کا بہترین ذریعہ ہے

آیت کے آخر میں دن جیسی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور خداوند عالم نے دن کو تحرک اور زندگی کا سبب بنایا ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ انسانی جسم اور روح کیلئے دن کی روشنی تحریک بخش ہے جبکہ تاریکی نیند لاتی ہے اور سکون عطا کرتی ہے۔

عظیم نعمتوں کے ذکر کے بعد جو تمام انسانوں کی سب سے بنیادی اور اہم ضرورت ہیں ایک اور اہم نعمت کو بیان فرماتے ہوئے قرآن کہتا ہے خدا تو وہ ہے جس نے ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی نازل کیا۔

(۴۸) رحمت الٰہی کے نزول سے پہلے ہواؤں کے مقدمۃ الجیش کی حیثیت سے ہر شخص آگاہ ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوں تو کسی خشک سرزمین پر بارش کا ایک بھی قطرہ نہ برسے یہ ٹھیک ہے کہ سورج کی گرمی سمندروں کے پانی کو بخارات میں تبدیل کر کے اوپر کو بھیجتی ہے اور یہی بخارات سرد فضا میں جا کر اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور بارش برسانے والے بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں

لیکن اگر یہ ہوائیں ان بھرے ہوئے بادلوں کو سمندروں سے خشک زمینوں کی طرف ہانک کر نہ لے جائیں تو وہی بادل سمندروں پر ہی برسنا شروع کر دیں۔

ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ان ہواؤں کا ایک حصہ بادلوں کے آگے آگے چلتا رہتا ہے جن میں ملائم سی نمی کی آمیزش ہوتی ہے اسی حصے سے نسیم روح افزاء وجود میں آتی ہے جس کے اندر سے بارش کی سوندھی سوندھی خوشبو مشام تک پہنچتی ہے اس کی حیثیت اس شخص کی سی ہوتی ہے جو کسی محبوب مسافر کے آنے کی خوشخبری لاتا ہے۔

بہرصورت پانی میں زندہ رکھنے کے علاوہ ایک اور اہم خاصیت پائی جاتی ہے اور وہ ہے پاک کرنے کی خاصیت گویا پانی نہ ہوتا تو ہمارا جسم اور جان بلکہ تمام زندگی ایک ہی دن میں غلیظ اور متعفن ہو کر رہ جاتی

اس کے علاوہ روحانی اور باطنی طہارت جیسے غسل اور وضو وغیرہ میں بھی پانی ہی کام آتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ پانی صرف ظاہری نجاستوں کو دور نہیں کرتا بلکہ باطنی نجاستوں کو بھی دور کرتا ہے۔

(۴۹) اگر چہ پاک کرنے کی یہ خاصیت زبردست اہمیت کی حامل ہے لیکن اسے دوسرا درجہ حاصل ہے لہٰذا اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے ہمارے بارش برسانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے مردہ زمینوں کو زندہ کریں۔

(۵۰) زیر بحث آیت میں قرآن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے ان آیات کو گونا گوں صورتوں میں ان سے بیان کیا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں لیکن اکثر لوگوں نے انکار اور کفر کے سوا کچھ نہیں کیا۔

(۵۱) وَ لَوۡ شِئۡنَا لَبَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ قَرۡیَۃٍ نَّذِیۡرًا ۫ۖ	اگر ہم چاہتے تو ہر شہر اور بستی میں ایک پیغمبر بھیج دیتے۔
(۵۲) فَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ جَاهِدۡهُمۡ بِهٖ جِهَادًا کَبِیۡرًا	بنا بریں تو کافروں کی اطاعت نہ کر اور قرآن کے ذریعے ان کے ساتھ بڑا جہاد کر۔
(۵۳) وَ هُوَ الَّذِیۡ مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیۡنَهُمَا بَرۡزَخًا وَّ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا	وہ (اللہ تعالیٰ) تو وہ ہے جس نے دو سمندروں کو ایک دوسرے کیساتھ ملا دیا ہے۔ ان میں سے ایک خوشگوار اور میٹھا ہے اور دوسرا شور اور کڑوا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ بنائی ہے تا کہ وہ آپس میں مل نہ جائیں۔ (گویا وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں) دور رہو اور نزدیک نہ آؤ
(۵۴) وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهۡرًا ؕ وَ کَانَ رَبُّکَ قَدِیۡرًا	وہ تو وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو خلق فرمایا اور اس کو نسبت اور سبب قرار دیا۔ اور تیرا پروردگار تو ہمیشہ قادر ہے۔

(۵۵) وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا	وہ لوگ خدا کے بجائے ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ہی نقصان۔ اور کافر لوگ خدا کے مقابلے میں (کفر کی راہ میں) ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

تفسیر

دو مختلف سمندر ساتھ ساتھ

یہ آیت پیغمبر اسلام ﷺ کے مقام کی عظمت کے بارے میں ہے ارشاد ہوتا ہے اگر ہم چاہتے تو ہر شہر اور گاؤں میں پیغمبر بھیج دیتے لیکن ایسا نہیں کیا اور تمام جہان والوں کی ہدایت کی ذمہ داری تیرے شانوں پر ڈال دی۔

کیونکہ ایک شخص کے اندر نبوت کا تمرکز دنیا کے لوگوں کی وحدت اور اتحاد کا سبب بنتا ہے اور اس سے ہر قسم کے اختلاف و انتشار کا سدباب ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہ آیت بھی پیغمبر ﷺ کے مقام معظم پر ایک واضح دلیل ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رہبر ایک ہی ہونا چاہئے اور اس کی ذمہ داری بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔

(۵۲) اسی بناء پر اس آیت میں انبیاء کے دو اساسی فرائض کے پیش نظر خداوند عالم دو اہم احکام جاری فرماتا ہے اور سب سے پہلے روئے سخن پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف کر کے کہتا ہے پس تو کافروں کی اطاعت نہ کر۔

کسی بھی صورت میں ان کی بے راہروی کے سلسلے میں ان سے سودے بازی نہ کر کیونکہ گمراہ لوگوں کے ساتھ سودے بازی تبلیغ راہ خدا اور دعوت حق کیلئے بہت بڑی آفت ہے

دوسرا حکم تو وہ یہ ہے کہ قرآن کے ذریعے ان کے ساتھ عظیم جہاد کر۔

جس قدر تیری رسالت اور منصب عظیم ہے جہاد بھی اتنا عظیم ہونا چاہئے جیسے انبیاء ماسبق کا عظیم جہاد رہا ہے یعنی ایسا عظیم جہاد جو لوگوں کے تمام روحانی وفکری اور مادی ومعنوی پہلوؤں پر محیط ہو۔

یہ تعبیر قرآن کے مقام عظمت کو بھی بیان کر رہی ہے کیونکہ وہ اسی جہاد کبیر کا ایک ذریعہ اور نہایت ہی موثر ہتھیار ہے کہ جس کے بیان کی قدرت اور استدلال کی تاثیر اور جاذبیت انسانی قدرت اور تصور سے ماوراء ہے۔

ایک مختصر سے فاصلے کے بعد قرآن مجید نے کائنات کے تخلیقی نظام میں خداوند عالم کی نعمتوں کا ایک بار پھر تذکرہ شروع کیا ہے اور گزشتہ آیات میں بارش کے حیات بخش قطرات کی مناسبت سے ان آیات میں پہلے دو مختلف سمندروں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے وہ خدا ایسا ہے جس نے دو مختلف سمندروں کو ایک دوسرے کیساتھ ملا دیا ہے ایک خوش گوار اور شیریں ہے جبکہ دوسرا شور اور

کڑوا ہے اوران کے درمیان ایک آڑ مقرر کردی ہے (تا کہ وہ آپس میں مل نہ جائیں گویا وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں) دور رہو اور نزدیک نہ آؤ۔

یہ آیت کائنات میں قدرت خداوندی کے ایک عجیب وغریب شاہکار کی نقشہ کشی کررہی ہے کہ کس طرح ایک ان دیکھا اور غیر مرئی حجاب دو میٹھے اورکڑوے سمندروں کے درمیان موجود ہے جو دونوں کو آپس میں مخلوط ہوجانے سے روک رہا ہوتا ہے۔

البتہ آج ہمیں یہی سمجھ آرہا ہے کہ یہ دکھائی نہ دینے والی آڑ درحقیقت میٹھے اورکڑوے پانی کا ہلکے اور بھاری پن کا تفاوت ہے۔

اصطلاح میں جسے وزن مخصوص کا فرق کہتے ہیں جس کیوجہ سے دو مختلف نوعیّتوں کے پانی ایک لمبے عرصے تک ایک دوسرے میں مخلوط نہیں ہوسکتے۔

ضمنی طور پر یہ بات بھی بیان کرتے جائیں کہ اس آیت کا ایمان اور کفر سے متعلق آیات کے درمیان واقع ہونا ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ یہ ایک قسم کی تشبیہ ہے کفر اور ایمان کیلئے کہ بعض اوقات ایک معاشرے ایک شہر حتی کہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد میں صاحبان ایمان لوگ عذب وفرات کی مانند ملح واجاج جیسے بے ایمان اور کافر لوگوں کے ساتھ ساتھ رہ رہے ہوتے ہیں جن کی طرز فکر الگ عقیدہ الگ پاک اور ناپاک عمل کی نوعیت الگ ہوتی ہے اس کے باوجود وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ نہیں ہوجاتے۔

(۵۴) اس آیت میں بارش کے نزول اور اسی طرح میٹھے اورکڑوے پانی کی بحث کے پیش نظر انسان کی پانی سے تخلیق کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے خدا تو وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا۔

یہ احتمال ہے کہ یہ تمام معانی آیت کے مفہوم میں جمع ہوں یعنی سب سے پہلا انسان بھی پانی سے پیدا کیا گیا ہے تمام انسان بھی پانی کے نطفہ سے خلق کیے گئے ہیں اور پانی ہی سے انسانی وجود کا بیشتر حصہ بھی تشکیل پاتا ہے۔

جو پانی کائنات کی سادہ ترین چیز شمار ہوتا ہے وہ اس قدر حیرت انگیز مخلوق کا مبداء کیونکر بن گیا؟ یہ خدا کی قدرت کی ایک نہایت روشن دلیل ہے۔

انسان کی تخلیق کے فورا بعد نسل انسانی کے بڑھنے پھلنے اور پھولنے کا تذکرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خداوند عالم نے اسی انسان کی دو طریقوں سے افزائش کی ایک نسب اور دوسرے صہر سے (فجعلہ نسبا وصھرا) نسب سے مراد وہ پیوند ہے جو اولاد کے ذریعہ لگتا ہے جیسے باپ اور اولاد کا یا بھائیوں کا باہمی رشتہ اور صہر جو دراصل سسرال والوں سے رشتہ ہے۔

(۵۵) آیت کے آخر میں تاکید کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے تمہارا پروردگار تو ہمیشہ قادر ہی ہے۔

آخرکار زیر بحث آیت میں مشرکین کے اصل توحید سے انکار اور انحراف کو بیان فرمایا گیا ہے اور بتوں کی قدرت کا خدا کی قدرت وطاقت سے موازنہ کیا گیا ہے جس کے کچھ نمونے گزشتہ آیات میں بیان ہوچکے ہیں فرماتا ہے وہ لوگ خدا کے علاوہ دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو نفع پہنچاسکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔

یہ بات بھی مسلم ہے کہ صرف نفع اور نقصان ہی عبادت کا معیار نہیں لیکن یہ کہہ کر قرآن مجید نے اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے پاس بتوں کی عبادت کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ بتوں میں قطعاً کسی کام کی کوئی خاصیت نہیں پائی جاتی اور ہر طرح کی مثبت یا منفی تاثیر سے خالی ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اور کافر لوگ اپنے کفر کی راہ میں خدا سے مقابلے کیلئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

وہ اپنی گمراہی میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ بڑے دھڑلے کے ساتھ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں جن طاقتوں کو راہ خدا میں خرچ کرنا چاہئے تھا انہیں وہ خدا، پیغمبر اور سچے مومنین کے خلاف خرچ کرتے ہیں۔

(۵۶) وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا	ہم نے تو تجھے صرف خوشخبری دینے اور ڈرانیوالا بنا کر بھیجا ہے۔
(۵۷) قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا	(ان سے) کہدے میں اس (دین کی تبلیغ) کے عوض تم سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ میری اجرت تو صرف یہی ہے کہ جو لوگ چاہیں اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کر لیں۔
(۵۸) وَ تَوَکَّلۡ عَلَی الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِہٖ ؕ وَ کَفٰی بِہٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِہٖ خَبِیۡرَا ۚۛ	اس خدا پر بھروسہ رکھ کہ جو کبھی نہیں مریگا اور اس کی تسبیح اور حمد بجا لا اور یہ کافی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے آگاہ ہے۔
(۵۹) الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۚۛ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا	وہ خدا تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (چھ مرحلوں) میں پیدا کیا اور پھر عرشِ قدرت پر جلوہ فرما ہوا (اور کائنات کا نظام چلانے لگا)۔ وہ خدائے رحمان ہے۔ اسی سے طلب کرو کیونکہ وہی ہر چیز سے آگاہ ہے۔

تفسیر

میری اجرت تمہاری ہدایت ہے

جیسا کہ سابقہ آیات کے مطالعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ بت پرستوں کا ان بتوں کی پرستش پر اصرار رہا ہے جو نہ تو کسی قسم کا نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان لہٰذا یہاں پر خداوند عالم ان ہٹ دھرم اور متعصب لوگوں کے مقابلے میں پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کے خدائی

فریضے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ہم نے تو تجھے صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اگر ان لوگوں نے تیری دعوت اسلام کو قبول نہ کیا تو تیرا کوئی قصور نہیں کیونکہ تو نے اپنا بشارت اور نذارت کا فریضہ انجام دے دیا ہے اور آمادہ دلوں کو خدا کی طرف دعوت دے دی ہے۔

یہ فرمان ایک تو رسالتمابؐ کے خدائی فریضے کو نمایاں کر رہا ہے اور دوسرے آنحضرتؐ کے دل کو تسلی دے رہا ہے اور ساتھ ہی گمراہ لوگوں کو ایک طرح کی تنبیہ بھی کی جا رہی ہے۔

(۵۷) اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ان سے کہہ دے کہ میں اس قرآن اور تبلیغ دین کے بدلے میں کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا۔

قرآن مزید فرماتا ہے جو اجرت میں ان سے چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ لوگ خدا کا راستہ اختیار کریں۔

یعنی اگر تم ہدایت پا جاؤ تو بس میری یہی اجرت ہے اور یہ ہدایت بھی اپنے ارادے اور مرضی کے ساتھ نہ کہ کسی کے مجبور کرنے سے یہ ایک دلچسپ تعبیر ہے جو آنحضرتؐ کی اپنے پیروکاروں کے ساتھ دوستی اور محبت کی انتہا کو واضح کر رہی ہے کہ وہ اپنی اجرت اور مزدوری امت کی سعادت اور خوش بختی میں سمجھتے ہیں۔

(۵۸) یہ آیت آنحضرتؐ کی حقیقی پناہ گاہ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتی ہے تو اس خدا پر توکل کیے رکھ جو زندہ ہے اور جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

گویا جب آپ کی پناہ گاہ اور والی و سرپرست ایسی ذات ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور زندہ رہے گی تو پھر نہ تو آپ کو کسی قسم کی اجرت کی ضرورت ہے اور نہ ہی دشمن کے نقصان پہنچانے اور ان کی چالوں سے خوف کھانے کی۔

اور جب صورت حال یہ ہے تو اس کی تسبیح اور حمد بجا لا اور اسے ہر قسم کے عیب و نقص سے مبرا اور منزہ سمجھ اور تمام کمالات پر اس کی حمد و ستائش کر۔

پھر فرمایا گیا ہے دشمنوں کی تخریب کاری اور سازشوں سے گھبرا نہیں کیونکہ یہ بات کوئی کم نہیں کہ خداوند عالم اپنے بندوں کے گناہوں سے آگاہ ہے اور جب بھی چاہے گا ان کی پکڑ کرے گا۔

(۵۹) اس آیت کائنات میں پروردگار عالم کی قدرت اور اس قابلِ اعتماد پناہ گاہ کی ایک اور صفت بیان کر رہی وہ خدا وہ ہے جس نے آسمانوں زمین اور جو کچھ ان کے درمیان موجود ہے ان سب کو چھ دنوں (مرحلوں) میں پیدا کیا ہے۔

پھر وہ عرش قدرت پر متمکن ہوا اور کائنات کا نظام چلانے لگا۔

جو ذات اس وسیع قدرت کی مالک ہے وہ اپنے اوپر توکل کرنے والوں کو ہر خطرے اور ہر حادثے میں ہر طرح کی گزند سے محفوظ رکھ سکتی ہے

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے وہ خدا رحمان ہے۔

وہ وہ خدا ہے جس کی رحمت عامہ تمام کائنات پر محیط ہے فرماں بردار اور نافرمان' مومن اور کافر سب اس کے خوان نعمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

اب جبکہ تیرا خدا وہ ہے جو بخشنے والا' قدرت مند اور توانا ہے اگر مانگنا چاہتا ہے تو اسی سے مانگ کیونکہ وہ اپنے بندوں کی ضروریات کو جانتا ہے۔

(۶۰) وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ السجدة	اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خداوند رحمٰن کیلئے سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمان کیا چیز ہے؟ کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ اور پھر ان کی نفرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
(۶۱) تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا	بابرکت ہے وہ زات جس نے آسمانوں میں بُرج بنائے ہیں اوران کے درمیان روشن چراغ اور ضیاء پاش چاند بنایا ہے۔
(۶۲) وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا	اور وہ وہی ذات ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین قرار دیا ہے۔(یہ عجائباتِ قدرت) ان لوگوں کیلئے ہیں جو خدا کو یاد کرنا چاہتے ہیں یا اس کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں۔

تفسیر

چونکہ گزشتہ آیات میں خداوند عالم کی عظمت' قدرت اور وسعت رحمت کے بارے میں گفتگو تھی لہٰذا زیرِ نظر آیت میں فرمایا گیا ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس رحمٰن خدا کو سجدہ کرو جس کی رحمت نے تمہارے سارے وجود کو ڈھانپا ہوا ہے تو وہ تکبر اور غرور یا ٹھٹھا مذاق سے کہتے ہیں رحمٰن کیا چیز ہے؟

رحمان کو قطعاً نہیں پہچانتے

کیا ہم ایسی چیز کو سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دیتا ہے۔

ہم کسی کا حکم نہیں مانیں گے اور کسی ایسے ویسے کی اطاعت نہیں کریں گے۔

وہ یہ بات کرتے ہیں اور خداوند عالم سے ان کی نفرت اور دوری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۶۱) یہ آیت درحقیقت ان کے اس سوال کا جواب ہے جو وہ کہتے تھے رحمان کیا چیز ہے؟ اگرچہ انہوں نے یہ بات تمسخر

کے طور پر کہی تھی لیکن قرآن اس کا سنجیدگی سے جواب دیتے ہو کہتا ہے بابرکت اور صاحب عظمت ہے وہ خدا جس نے آسمانوں میں برج بنائے ہیں۔

آسمانی بروج فلک کی مخصوص صورتوں کی طرف اشارہ ہے کہ سال کے ہر موسم اور ہر موقع پر چاند اور سورج ان میں سے کسی نہ کسی کے مقابل ہوتے ہیں مثلا جب کہا جاتا ہے کہ سورج برج حمل میں ہوتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ مذکورہ برج کی صورت فلکی کے برابر میں واقع ہے یا جب کہتے ہیں کہ قمر در عقرب ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کرہ ماہ عقرب کی صورت فلکی کے سامنے ہے

اس طرح سے یہ آیت چاند اور سورج کی آسمانی منزلوں کی طرف اشارہ کررہی اور اس کے بعد کہتی ہے اور ان برجوں میں روشن چراغ اور ضیاپاش چاند بنایا ہے۔

آیا ان واضح نشانیوں اور چاند اور سورج کی حیرت انگیز منازل کے باوجود بھی اسے نہیں پہچانتے اور کہتے ہو۔

(۶۲) زیرنظر آخری آیت میں ایک بار پھر خداوند عالم کی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے اور نظام کائنات کے ایک اور حصے کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

خدا تو وہ ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین مقرر فرمایا ہے یہ ان لوگوں کیلئے جو اللہ کو یاد کرنا چاہتے ہیں یا شکر بجالانا چاہتے ہیں۔

شب و روز پر حاکم یہ عجیب اور حیرت انگیز نظام کو ہمیشہ رات اور دن ایک دوسرے کے قائم مقام ہوتے رہتے ہیں لاکھوں کروڑوں سال سے چلا آرہا ہے اگر یہ نظم و نسق نہ ہوتا تو نور اور حرارت یا تاریکی اور ظلمت کی وجہ سے انسانی زندگی تباہ اور برباد ہوکر رہ جاتی جو لوگ خدا کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کیلئے یہ ایک اچھی اور عمدہ دلیل ہے۔

(۶۳) وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا	خداوند رحمان کے خاص بندے وہ ہیں جو آرام سے اور بغیر تکبر کے زمین پر چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ انہیں مخاطب کرتے ہیں تو وہ انہیں سلام کہتے ہیں۔
(۶۴) وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا	وہ وہ لوگ ہیں جو رات کے وقت اپنے پروردگار کے حضور سجدہ اور قیام کرتے ہیں۔
(۶۵) وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ	وہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہم سے عذاب جہنم کو دور فرما، کیونکہ اس کا عذاب سخت اور دائمی ہے،

(٦٦) اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا	وہ برا ٹھکانا اور بری قیام گاہ ہے۔
(٦٧) وَ الَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا	(خدا کے خاص بندے) وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی تنگدلی بلکہ ان دونوں کے درمیان حدِ اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

تفسیر

خدا کے خاص بندوں کی صفات

ان آیات کے بعد عبادالرحمٰن کے عنوان کے تحت خداوند عالم کے خاص بندوں کی خاص خاص صفات کے بارے میں دلچسپ اور جامع گفتگو کی جارہی ہے جو درحقیقت گزشتہ آیات کی تکمیل کر رہی ہے کہ جب ہٹ دھرم مشرکین کے سامنے خداوندرحمان کا نام لیا جاتا تو وہ تمسخر اور استہزاء کے طور پر کہتے کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟

اس مقام پر خداوندرحمٰن کے خاص بندوں کا ذکر ہے اور رحمٰن کے ان خاص بندوں کا تعارف کروایا جا رہا ہے اور جب اس کے بندے اس قدر عالی اور باعظمت مقام کے مالک ہیں تو خدائے رحمان کس قدر عظمت کا مالک ہوگا؟ اس طرح سے اس کی عظمت کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ آیات ان کی بارہ صفات بیان کر رہی ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق تو عقائد سے ہے اور کچھ کا اخلاق سے بعض کا تعلق معاشرتی صفات سے ہے اور بعض کا انفرادی سے غرضیکہ مجموعی طور پر وہ اعلیٰ انسانی خصوصیات کا پیکر ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے خدا کے خاص بندے وہ ہیں جو آرام سے اور تکبر کے بغیر زمین پر چلتے ہیں۔

عبادالرحمٰن کی یہ جو سب سے پہلی صفت بیان کی گئی ہے درحقیقت وہ انسان کے تمام اعمال و کردار میں تکبر، غرور اور خودخواہی کی نفی ہے حتیٰ کہ زمین پر چلنے میں بھی یہ ناپسندیدہ صفات ان سے ظاہر نہیں ہوتیں کیونکہ اخلاقی صفات خود بخود انسان کے اعمال، گفتار اور حرکات سے ظاہر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کسی شخص کی چال ڈھال سے اس کی بہت سی اخلاقی صفات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جی ہاں! وہ متواضع ہیں اور تواضع وانکساری ایمان کی چابی ہے جبکہ غرور اور تکبر کفر کی چابی ہوتی ہے۔

عبادالرحمٰن کی دوسری صفت حلیم اور بردبار ہے جیسا کہ قرآن مجید اسی آیت میں آگے چل کر کہتا ہے جب جاہل لوگ انہیں مخاطب کرتے ہیں اور اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے ناشائستہ باتیں کرتے ہیں تو وہ جواب میں انہیں سلام کہتے ہیں۔

ایسا سلام جو بے پروائی اور بزرگواری پر مشتمل ہوتا ہے نہ کہ کمزوری پر۔

ایسا سلام جو جاہلوں اور نادانوں کے ساتھ عدم مقابلہ کی دلیل ہوتا ہے۔

ایسا سلام جو ان کی بے مقصد باتوں کے جواب میں خاموشی پر مبنی ہوتا ہے۔

ایسا سلام نہیں جو محبت اور دوستی کی علامت ہوتا ہے۔

المختصر! ایسا سلام جو حلم و بردباری اور عظمت و بزرگواری کی علامت ہوتا ہے۔

(۶۴) اس آیت میں ان عباد الرحمٰن کی تیسری صفت بیان کی گئی ہے اور وہ ہے خداوند عالم کی خالص عبادت ارشاد ہوتا ہے۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو رات کے وقت اپنے پروردگار کے حضور سجدہ اور قیام کرتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں جبکہ غافلوں کی آنکھیں سوئی ہوتی ہیں ظاہرداری اور ریاکاری کا کوئی موقع نہیں ہوتا میٹھی نیند کو اپنے اوپر حرام کر کے اس سے بھی شیریں چیز یعنی ذکر خدا قیام اور اس کی باعظمت بارگاہ میں سجدہ کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں رات کا کچھ حصہ اپنے محبوب کے ساتھ راز و نیاز اور مناجات میں گزا دیتے ہیں اور اپنے قلب و روح کو اس کی یاد اور نام سے منور کرتے ہیں۔

(۶۵) ان بندگان خدا کی چوتھی صفت عذاب الٰہی سے خوف ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ کہتے رہتے ہیں پرودگارا! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھ کیونکہ اس کا عذاب سخت اور دائمی ہے۔

(۶۶) کیونکہ جہنم برا ٹھکانا اور بدترین اقامت گاہ ہے۔

باوجودیکہ وہ لوگ رات کو عبادت خدا میں مشغول ہوتے ہیں اور دن کیوقت اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں پھر بھی ان کے دل احساس ذمہ داری کی بناء پر خوف خدا سے معمور رہتے ہیں اور یہ خوف ایسا ہوتا ہے جس سے فریضے کی ادائیگی بہتر اور موثر انداز میں ہوتی ہے۔

اس آیت میں عباد الرحمٰن کی پانچویں صفت بتائی جارہی ہے جو اعتدال پر مبنی اور ہر کام میں ہر قسم کے افراط و تفریط سے دوری ہے خاص کر خرچ کرنے کے معاملے میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی سختی سے کام لیتے ہیں بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان حد اعتدال قائم کرتے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن بذاتہ خرچ کرنے کو تسلیم کرتا ہے اور تسلیم بھی اس حد تک کہ اس کے ذکر کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا کیونکہ انفاق ہر انسان کا حتمی فریضہ ہے لہٰذا گفتگو میں خدا کے بندوں کے انفاق کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان کا انفاق بھی اعتدال کی حد تک ہوتا ہے جس میں نہ تو فضول خرچی ہوتی ہے اور نہ سخت گیری، نہ تو اس قدر خرچ کر ڈالتے ہیں کہ خود ان کے بیوی بچے بھوکے رہ جاتے ہوں اور نہ ہی اس قدر سختی سے کام لیتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کی بخشش سے محروم رہ جاتے ہوں۔

(۶۸) وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ	وہ ایسے لوگ ہیں جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور جس کا خون اللہ نے حرام کر دیا ہے اس انسان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ اس کی سزا بھی دیکھ لے گا۔

(۶۹) يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ق‍صلے	ایسے شخص کا عذاب قیامت میں دگنا ہوگا اور اس میں ذلّت وخواری کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔
(۷۰) اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا	لیکن جوشخص توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور عملِ صالح انجام دے تو خداوندِ عالم ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا اور خداوندِ عالم تو بخشنے والا،اورمہربان ہے۔
(۷۱)وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا	اور جوشخص توبہ کرے اور نیک عمل بجالائے تو اس کی بازگشت خدا کی طرف ہوگی (اور وہ اپنی جزا اسی سے پائے گا)۔

تفسیر

عبادالرحمٰن کی چھٹی خصوصی صفت توحید پران کا خالص ایمان ہے جوانہیں دو یا کئی چیزوں کی پرستش پرمبنی شرک سے دور رکھتا ہے چنانچہ قرآن فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کونہیں پکارتے۔

توحید نے ان کے قلب اور ان کی انفرادی واجتماعی زندگی کوروشن کررکھا ہے جس کی وجہ سے ان کے روح وفکر کے آسمان عظمت سے شرک کی ہرقسم کی تاریکی کافور ہوچکی ہے۔

ساتویں صفت یہ ہے کہ عبادالرحمٰن بے گناہوں کے خون میں اپنے ہاتھ نہیں رنگتے اور کسی ایسے انسان کوناحق قتل نہیں کرتے جس کاخون اللہ تعالٰی نے حرام کردیا ہے۔

اس آیت سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ بنیادی طور پرتمام انسانی نفوس قابل احترم ہیں اوران کاخون بہانا ممنوع ہے مگر یہ کہ کچھ ایسے عوامل پیدا ہوجائیں جن سے یہ احترام ثانوی حیثیت اختیار کرجائے اورخون بہانا جائز ہوجائے۔

ان کی آٹھویں صفت یہ ہے کہ ان کا دامان عفت گناہ سے آلودہ نہیں ہوتا اور وہ زنا نہیں کرتے۔

اگروہ کفروایمان کے دوراہے پرکھڑے ہوتے ہیں تو ایمان کا انتخاب کرتے ہیں اور اگر جانوں کیلئے امن اور بدامنی کا سوال درپیش ہوتوامن کا انتخاب کرتے ہیں اگر پاکیزگی اور آلودگی کی بات ہوتو پاکیزگی اختیار کرتے ہیں وہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتے ہیں جو ہرقسم کے شرک، بدامنی بےعفتی اور آلودگی سے صاف اور پاک ہوتا ہے۔

اسی آیت کے ذیل میں اس بات پرزوردے کرفرمایا گیا ہے جوشخص ان امور میں سے کسی ایک کوانجام دے تووہ اپنی سزا اور انجام دیکھ لے گا۔

(۶۹) چونکہ یہ تینوں گناہ زبردست اہمیت کے حامل ہیں لہٰذا اس آیت میں بھی انہیں کے بارے میں زور دیا گیا ہے کہ جو

لوگ ان گناہوں کا ارتکاب کریں گے قیامت کے دن انکا عذاب دگنا ہوگا اور بڑی ذلت اور خواری کی ساتھ عذاب میں ہمیشہ کیلئے گرفتار رہیں۔

عذاب کے دگنا ہونے سے مراد یہ ہے کہ آیت میں مذکوران تینوں گناہوں کا سرچشمہ بن جاتا ہے مثلا کفر ہی کو لے لیجئے کہ ایک گناہ ہے لیکن یہی گناہ واجبات کے ترک اور محرمات کے انجام نہ دینے کا سبب بن جاتا ہے اور یہی چیز خداوند عالم کی سزا کے دوگنا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

(۷۰) چونکہ قرآن مجید نے مجرمین کیلئے واپس آجانے کا راستہ بند نہیں کیا اور گناہگاروں کو توبہ کی تشویق کرتا ہے اور دعوت دیتا ہے لہٰذا اس آیت میں فرمایا گیا ہے مگر جو شخص توبہ کرے، ایمان لے آئے اور اعمال صالح بجالائے تو خداوند عالم اس کے گناہوں کو بخش دیگا اور ان کے برے اعمال کو نیک اعمال میں تبدیل کردے گا اور خداوند عالم بخشنے والا اور مہربان ہے۔

سیئات کی حسنات میں تبدیلی

اس کے بارے میں چند ایک تفسیریں ہیں جو سب ماننے کے قابل ہیں۔

ا۔ جب انسان توبہ کرتا ہے اور خدا پر ایمان لے آتا ہے تو اس کے پورے وجود میں ایک گہری تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے اور اس اندرونی انقلاب اور تبدیلی کی وجہ سے اس کے برے اعمال مستقبل میں نیک اعمال میں تبدیل ہوجاتے ہیں اگر اس نے ماضی میں کسی کو قتل کیا تھا تو اب حقیقی توبہ کی وجہ سے مظلوم کا دفاع اور ظالم سے جنگ اس کی جگہ لے لیتی ہے اگر سابق میں وہ زانی اور بدکار تھا تو اب وہ پاکدامن بن جائے گا اور یہ خدائی توفیق اسے ایمان اور توبہ کی بدولت حاصل ہوگی۔

۲۔ دوسری یہ کہ خداوند عالم اپنی مہربانی فضل اور احسان کی وجہ سے توبہ کے بعد اس کے تمام برے اعمال کو مٹا کر نیک اعمال کو ان کی جگہ دے دے گا۔

۳۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ سیئات سے مراد انسان کے خود اعمال نہیں ہیں جنہیں وہ انجام دیتا ہے بلکہ اس سے مراد ان اعمال کے برے اثرات ہیں جو انسان کے جسم اور روح پر چھا جاتے ہیں اور جب وہ توبہ کرتا ہے تو وہ برے اثرات دور ہوجاتے ہیں اور ان کی جگہ اچھے اثرات لے لیتے ہیں۔

(۷۱) یہ آیت صحیح توبہ کی حقیقت کو وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے جو شخص توبہ کرکے اعمال صالح بجالاتا ہے وہ اپنے رب کی طرف لوٹ جائے گا اور اسی سے اپنی جزا پائے گا۔

یعنی توبہ اور گناہوں کا ترک کرنا صرف اس وجہ سے نہ ہو کہ گناہ بری چیز ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی نیت خلوص اور خوف خدا پر مبنی ہو۔

(۷۲) وَ الَّذِیۡنَ لَا یَشۡہَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا	وہ ایسے لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغو اور بے ہودہ باتوں (والی محفل) سے ان کا گزر ہوتا ہے تو وہ بڑے وقار سے وہاں سے گزر جاتے ہیں۔
(۷۳) وَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّ عُمۡیَانًا	وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب پروردگار کی آیات سنتے ہیں تو بہرے اور اندھے بن کر ان پر گرنہیں پڑتے۔
(۷۴)وَ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا	وہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں پروردگارا! ہماری بیویوں اور اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں متقی اور پرہیزگار لوگوں کا پیشوا بنا۔
(۷۵)اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا وَ یُلَقَّوۡنَ فِیۡہَا تَحِیَّۃً وَّ سَلٰمًا ۙ	یہی وہ لوگ ہیں جنہیں صبر و شکیبائی کے بدلے بہشت بریں کے بلند درجات عطا ہوں گے اور انہیں وہاں پر تحیہّ وسلام پیش کیا جائے گا۔
(۷۶) خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّ مُقَامًا	وہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا خوب ٹھکانا اور کیسی عالی شان اقامت گاہ ہے۔

تفسیر

ان (عباد الرحمٰن) کی نویں اہم صفت دوسروں کے حقوق کا احترام اور ان حقوق کی حفاظت ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو کبھی بھی جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

باطل اور بے ہودہ محفلوں میں حاضر اور موجود نہیں ہوتے۔

خدا کے خاص بندے نہ تو جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی لہو ولعب باطل اور گناہ کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں کیونکہ ایسی محافل میں شرکت گناہ کی تائید کرنے کے علاوہ قلب اور روح کی آلودگی کے اسباب بھی فراہم کرتی ہے۔

پھر اسی آیت کے ذیل میں خدا کے خاص بندوں کی دسویں اہم صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جب وہ لغو اور بے ہودہ کاموں کو دیکھتے ہیں تو وقار کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔

درحقیقت نہ تو وہ کسی باطل اور لغو محفل میں شرکت کرتے ہیں اور نہ ہی لغو اور بے ہودہ چیزوں میں خود کو ملوث کرتے ہیں۔

(۷۳) خدا کے خاص بندوں کی ایک اور صفت یہ ہے کہ آیات الٰہی کی تلاوت اور یاد کے موقع پر چشم بینا اور گوش شنوا کے مالک ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے پروردگار کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ بہرے اور اندھے بن کر ان پر گر نہیں پڑتے۔

مسلم بات یہ ہے کہ اس سے کفار کے عمل کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ وہ تو آیات الٰہی کی قطعاً پرواہ ہی نہیں کرتے بلکہ یا تو منافق ٹولے کی طرف اشارہ مقصود ہے یا پھر سطحی مسلمانوں کی طرف جو کانوں اور آنکھوں کو بند کر کے آیات الٰہی پر گر پڑتے ہیں یعنی ان کی حقیقت کو سمجھتے نہیں اور نہ ہی ان کی تہ تک پہنچتے ہیں اور خدا کے مقصود اور مطلوب کو جانے بغیر ان آیات میں غور وفکر کیے بغیر اور اپنے اعمال میں ان آیات سے درس لئے بغیر ان پر گر پڑتے ہیں۔

اصولی طور پر بات یہ ہے کہ مذہب سے سچی آشنائی کی وجہ سے ہی پائیداری، مستقل مزاجی کے ساتھ حوادثات کے مقابلے اور مذہب کیلئے ڈٹ جانے کا درس ملتا ہے کیونکہ جو لوگ آنکھ اور کان بند کیے دین یا مذہب کی باتوں کو قبول کر لیتے ہیں انہیں جلد ہی دھوکا دے کر ورغلایا جا سکتا ہے اور مذہب کی تحریف کر کے انہیں مذہب کے صحیح راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے اور آسانی سے کفر بے ایمانی اور گمراہی کی طرف دھکیلا جا سکتا ہے۔

(۷۴) ان سچے مومنین کی بارہویں خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال اور افراد خاندان کی تربیت پر خاص توجہ رکھتے ہیں اور اس امر کے بارے میں اپنے آپ کو جوابدہ سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ خدا سے یہی دعا کرتے ہیں کہ پروردگارا! ہماری بیویوں اور اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ایک کونے میں بیٹھ کر دعا کرتے ہیں بلکہ یہ دعا تو ان کے اندرونی جذبوں کی دلیل اور سعی وکوشش کی علامت ہے۔

آخر میں خدا کے ان خالص بندوں کی تیرہویں نمایاں صفت کو بیان فرمایا گیا ہے جو درحقیقت ایک لحاظ سے مذکورہ تمام اوصاف میں سے اہم تر ہے اور وہ یہ کہ وہ صرف اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ خود ہی حق کی راہ پر گامزن رہیں بلکہ ان کی ہمت اس قدر والا اور بالا ہے کہ وہ خدا سے خود کو مومنین کی جماعت کا امام اور پیشوا بنانے کی درخواست کر رہے ہیں تاکہ اس طرح سے وہ دوسرے لوگوں کو بھی راہ حق وحقیقت کی طرف بلا سکیں۔

وہ ایک گوشہ نشین عابد اور زاہد کی مانند نہیں ہیں جو صرف اپنی پاکئ داماں کیلئے کوشاں رہتا ہے بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی راہ نجات پر لے آئیں۔

لہٰذا اسی آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خداوندا! تو ہمیں پرہیزگار لوگوں کا امام اور پیشوا بنا۔

یقیناً وہ خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں جس طرح خدا کی عمومی رحمت تمام بندگان خدا کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہوتی ہے خدا کے ان خاص بندوں کی مہربانی اور رحمدلی ایک لحاظ سے عمومی ہوتی ہے ان کا علم وفکر بیان وقلم مال وقدرت ہمیشہ خلق خدا کی

ہدایت کے کام آتی ہے۔

وہ انسانی معاشرے کیلئے اسوہ اور نمونہ عمل ہوتے ہیں۔

وہ پرہیزگاروں کے سرخیل شمار ہوتے ہیں۔

(۷۵)ان تیرہ صفات کو مکمل کرنے کے بعد اللہ کے ان خاص بندوں کی مجموعی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مختصر لفظوں میں ان کا اجر بیان فرمایا گیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہیں صبر و استقامت کے بدلے میں بہشت کے بلند درجات جزا کے طور پر دیئے جائیں گے۔

لیکن حقیقت میں یہ کوئی نئی صفت نہیں بلکہ مذکورہ صفات کے نفاذ اور اجراء کی محافظ ہے آیا خدا کی بندگی، خواہشات نفس سے نبرد آزمائی، جھوٹی شہادت کے نزدیک نہ جانا تواضع اور فروتنی کو اپنانا اور اس قسم کی دیگر صفات، صبر اور استقامت کے بغیر امکان پذیر ہیں؟

پھر اضافہ فرمایا گیا ہے بہشت کے ان بلند مقامات پر انہیں تحیہ اور سلام پیش کیا جائیگا۔

اہل بہشت وہاں پر ایکدوسرے کو سلام اور تحیہ پیش کریں گے اور فرشتے بھی ان کا سلام و تحیہ سے استقبال کریں گے اور ان سب سے بڑھ کر خود خدا انہیں سلام اور تحیہ کہے گا۔

(۷۶) پھر اس بات کی مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے وہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ کیا ہی خوب ٹھکانا اور کیسی ہی بہترین اقامت گاہ ہے۔

(۷۷)قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّىْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۧ	کہہ دو اگر تمہاری دُعا نہ ہوتی تو میرا پروردگار تمہیں کوئی اہمیت نہ دیتا تم نے (خدا اور انبیاء کی) تکذیب کی اور یہ (تکذیب) تمہارا دامن پکڑے گی اور تمہیں ہرگز نہ چھوڑے گی۔

تفسیر

دعا کی اہمیت

یہ آیت سورہ فرقان کی آخری آیت ہے جو درحقیقت تمام سورت کا خلاصہ اور نتیجہ ہے ساتھ ہی عباد رحمٰن کی صفات کا خلاصہ بھی ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان سے کہہ دے کہ میرا پروردگار تمہیں کوئی وزن اور اہمیت نہ دیتا اگر تم دعا

نہیں کرتے۔

بنابریں آیت کا مفہوم کچھ یوں ہوگا کہ جو چیز تمہیں وزن دے رہی ہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تمہاری قدر و قیمت بنارہی ہے وہ خدا پر ایمان' اس کی ذات کی طرف توجہ اور اس کی بندگی ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے تم نے خدا کی آیات اور اس کے پیغمبروں کی تکذیب کی یہی تکذیب تمہارا دامن پکڑے گی اور تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گی۔

تم گزشتہ زمانے میں آیات الٰہی کی تکذیب کر چکے ہو اور انبیاء کو جھٹلا چکے ہو۔ اگر اب تم خدا کی طرف لوٹ کے نہیں آ ؤ گے اور ایمان اور بندگی کا راستہ اختیار نہیں کرو گے تو خدا کے نزدیک تمہاری کوئی وقعت اور حیثیت نہیں ہوگی اور تمہارے جھٹلانے کی سزا تمہیں دامن گیر ہوگی۔

سورہ شعراء

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۲۲۷ آیتیں ہیں۔

(نوٹ: آخری چار آیتوں کے سوا سب کی سب مکی ہیں)

سورہ شعراء کے مندرجات

اورہم جانتے ہیں کہ مکی سورتیں آغاز اسلام میں نازل ہوئی ہیں لہٰذا ان کے مندرجات میں بیشتر اصول عقائد،توحید،معاد اور انبیاء خدا کی دعوت اور قرآن کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے سورہ شعراء کی تمام گفتگو بھی انہی مسائل پر مشتمل ہے۔

درحقیقت اس سورہ کی تمام مباحث کو چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصہ: سورت کا مطلع ہے جس کا حروف مقطعات سے آغاز ہوتا ہے اس میں قرآن کی عظمت کا بیان ہوتا ہے اور پھر مشرکین کے سامنے آنحضرت ﷺ کی استقامت کی بناء پر آپ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے اس کے بعد توحید کی کچھ نشانیوں اور خدا کی کچھ صفات کے بارے میں گفتگو ہے۔

دوسرا حصہ: میں سات عظیم انبیاء کی زندگی کے چیدہ چیدہ حالات، اپنی قوم کے ساتھ ان کی نبرد آزمائی، مشرک لوگوں کی کج بحثی اور انبیاءؑ کے مقابلے میں ان کی بے تکی باتوں کا تذکرہ شامل ہے

اس حصے میں خاص طور پر ان مشرکین کی کمزوری اور تعصب آمیز منطق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا سلسلہ ہر نبی کے دور میں چلتا رہا ہے جس کا زیادہ تر حصہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے دور کے مشرکین کی منطق سے ملتا جلتا ہے جو درحقیقت ابتدائی دور کے تھوڑے سے مسلمانوں کیلئے باعث تسلی ہے کہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تاریخ اس قسم کے افراد اور اس طرح کی بودی منطق سے بھری پڑی ہے لہٰذا وہ اپنے عزائم میں کمزوری کو ہرگز پیدا نہ ہونے دیں۔

مذکورہ اقوام پر نازل ہونے والے عذاب کو زور دے کر بیان کیا گیا ہے اور ان پر جو وحشت ناک بلائیں نازل ہوئی ہیں ان کو بھی خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے جو اس دور کے دشمنان رسول کیلئے ایک مؤثر تنبیہ ہے۔

تیسرا حصہ: اس میں درحقیقت گزشتہ دونوں حصوں میں بیان شدہ مطالب کو نتیجہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی دعوت اسلامی کیسی ہے؟ قرآن کس قدر عظیم ہے؟ مشرکین نے آپ ﷺ کی کیونکر تکذیب کی؟ دعوت اسلامی کے سلسلے میں رسول اسلام ﷺ کو کیسے احکام ملے اور مومنین سے کس طرح ملا جاتا ہے اور آخر میں صالح مومنین کو خوشخبری اور ظالم اور ستمگر لوگوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے اور اسی پر سورہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس سورت کا نام اسی کی آخری چند آیات سے لیا گیا جن میں بے مقصد شعراء کے بارے میں گفتگو کی گئی۔

سورہ شعراء کی فضیلت

اس سورت کی اہمیت کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

''جو شخص سورہ شعراء کو پڑھے اسے نوح علیہ السلام کی تصدیق اور تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں ملیں گی۔ اسی طرح ہود علیہ السلام شعیب علیہ السلام صالح علیہ السلام اور ابرہیم علیہ السلام کی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں ملیں گی اور جتنی تعداد نے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی کے برابر نیکیاں ملیں گی''۔

یہ تو صاف سی بات ہے کہ اتنا بڑا اجر اور ثواب فکر وعمل سے خالی تلاوت کا نہیں ہوگا بلکہ سورتوں کے فضائل پر مشتمل روایات کے قرآئن بتاتے ہیں کہ اس سے ایسی تلاوت مراد ہے جو ایسے غور وفکر کا مقدمہ بنے جو ارادے اور عمل تک لے جائے سابقہ سورتوں کے فضائل کے سلسلے میں اس بات کو کئی مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) طٰسٓمّٓ	طسم
(۲) تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ	یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں
(۳) لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ	شاید اس غم میں تو اپنے آپ کو مار ڈالے گا کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔
(۴) اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ	اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے آیت نازل کردیں جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں۔
(۵) وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ	جو بھی نیا ذکر ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے آتا ہے وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔
(۶) فَقَدۡ کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ	انہوں نے جھٹلایا لیکن بہت جلد اس چیز کی خبر بھی انہیں مل جائے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے رہے ہیں۔

تفسیر

وہ ہر نئی چیز سے خوف کھاتے ہیں

ہم ایک دفعہ پھر قرآن کے ایک اور قسم کے حروف مقطعات کو ملاحظہ کر رہے ہیں وہ ہیں۔

''طسم'' کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں جو سب کی سب

یہ بتا رہی ہیں کہ یہ خداوند تبارک وتعالیٰ یا قرآن مجید کے اسماء یا مقدس مقامات یا بہشت کے درخت وغیرہ کے ناموں کی علامتیں ہیں۔

یہ روایات اس تفسیر کی تائید کرتی ہیں جو ہم نے تفسیر نمونہ کی چھٹی جلد میں سورہ اعراف کے آغاز میں درج کی ہے اور اس تفسیر کے منافی بھی نہیں ہیں جو سورہ بقرہ کے آغاز میں ذکر کی گئی ہے کہ ان حروف سے مراد قرآن کی عظمت اور اس کا اعجاز ہے کہ اس قدر عظیم کلام اس قدر سادہ اور چھوٹے سے حروف سے مرکب ہے۔

(۲) یہ آیت قرآن پاک کی عظمت کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہے یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں۔

قرآن کی توصیف مبین کے ساتھ کی گئی ہے مبین بیان کے امدہ سے ہے، جس کا معنی ہے روشن اور یہ قرآن مجید کی عظمت اور اعجاز کے واضح اور آشکار ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جتنا اس کے مطالب میں غور وفکر کرے گا اتنا ہی قرآن کے معجزہ ہونے سے آشنا ہوتا جائے گا۔

اس کے علاوہ قرآن مجید حق اور باطل میں تمیز کرنے والا اور سعادت کامیابی اور نجات کے رستے کو گمراہی کے رستے سے جدا کرنے والا بھی ہے۔

(۳) اس کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی اور تسلی کیلئے قرآن فرماتا ہے گویا تو شدت غم کیوجہ سے جان دے دے گا کہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ویسے تو تمام انبیاء الٰہی اسی طرح غم خوار، ہمدرد اور دلسوز تھے لیکن اسلام کے عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے واقعات پر بہت ہی غمگین تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کئی مقامات پر قرآن میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیت کے نزول کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار اہل مکہ کو دعوت اسلام دی لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نہ سنی اور ایمان نہیں لائے تو ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر غمگین اور پریشان ہو گئے کہ اس کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ظاہر ہو گئے چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی کی۔

(۴) یہ آیت اس حقیقت کے ثابت کرنے کیلئے کہ خداوند عالم ہر چیز پر قادر ہے حتی کہ وہ مجبور کر کے بھی لوگوں کو ایمان لانے پر آمادہ کر سکتا ہے فرمایا ہے اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی آیت نازل کر دیں جس کی وجہ سے ان کی گردنیں جھک جائیں۔

یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ ہم اس قدر قدرت رکھتے ہیں کہ ان پر ایسا خیرہ کر دینے والا معجزہ یا زبردست اور وحشت ناک عذاب نازل کر دیں کہ سب کے سب بے ساختہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور ایمان لے آئیں لیکن اس طرح کے ایمان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ اس بات کو اہمیت حاصل ہے کہ وہ شعوری طور پر سوچ سمجھ کر اپنے ارادے اور اختیار سے ایمان لے آئیں اور حق کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

(۵) آگے چل کر قرآن مجید کے مقابلے میں کفار اور مشرکین کے ردعمل کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جو بھی نیا ذکر خداوند

رحمٰن کی طرف سے ان کے پاس آتا ہے وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔
رحمان کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آیات اس خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں جس کی رحمت عام ہے اور کسی استثناء کے بغیر وہ تمام بنی نوع انسان کو سعادت اور کمال کی طرف دعوت دیتا ہے۔
محدث (نیا تازہ) کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آیات ایک دوسرے کے بعد نازل ہوتی رہتی ہیں اور ہر ایک کا کوئی نہ کوئی نیا مضمون ہی ہوتا (٦) قرآن آگے چل کر فرماتا ہے کہ وہ فقط روگردانی پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ تکذیب اور اس سے بڑھ کر استہزاء کی حد تک جا پہنچتے ہیں ارشاد ہوتا ہے انہوں نے تکذیب کی ہے لیکن جو وہ استہزاء کرتے ہیں بہت جلد اس کی خبریں ان کے پاس آجائیں گی اور وہ اپنے کاموں کی دردناک جزا سے باخبر ہو جائیں گے۔
''انباء'' سے یہاں پر ایسی سخت سزا مراد ہے جو انہیں اس دنیا میں اور آئندہ جہان میں ملے گی۔
اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان انحراف اور گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو دن بدن اس کا فاصلہ بڑھتا جاتا ہے اور وہ روز بروز حق و حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے۔
پہلے تو حق سے بے پروائی اور روگردانی کا مرحلہ آتا ہے پھر تکذیب اور انکار کی نوبت آتی ہے آخر میں حق کے مذاق اڑانے کا مرحلہ آجاتا ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان کو عذاب الٰہی گھیر لیتا ہے اس طرح سے وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جاتا ہے

(٧) اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ	کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے کتنی کثیر مقدار میں اس میں مختلف قسم کی نباتات پیدا کی ہیں۔
(٨) اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ	اس بات میں (خدا کے وجود پر) روشن نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ہرگز مومن نہیں۔
(٩) وَ اِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۠	بیشک تمہارا پروردگار عزیز و رحیم ہے۔

تفسیر

نباتات میں زوجیت

گزشتہ آیات میں تشریعی آیات یعنی قرآن مجید سے کفار کی روگردانی کا تذکرہ تھا میں ان کے تکوینی آیات (کائنات میں موجود خدا کی نشانیوں) سے اعراض کا ذکر ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سننے سے صرف کانوں ہی کو بند نہیں کر رکھا تھا بلکہ اپنے اطراف میں موجود حق کی نشانیوں کو دیکھنے سے بھی آنکھوں کو محروم رکھا ہوا تھا۔
فرمایا گیا ہے کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے کتنی کثیر مقدار میں اس میں مختلف قسم کی نباتات پیدا کی ہیں

کہ جن میں نر بھی ہیں اور مادہ بھی' خوبصورت وزیبا بھی ہیں اور فائدہ مند بھی۔

(۸) اس آیت میں مزید تاکید اور بیشتر وضاحت کے طور پر قرآن فرماتا ہے ان قیمتی نباتات کی تخلیق میں خدا کے وجود پر واضح نشانی موجود ہے۔

لیکن یہ دل کے اندھے اس قدر غافل اور بے خبر ہیں کہ اس قدر عظیم آیات کو دیکھنے کے باوجود غفلت کا شکار ہیں کیونکہ کفر اور ہٹ دھرمیاں ان کے دل میں راسخ ہو چکی ہیں بنابریں آیت کے اختتام پر فرمایا گیا ہے ان میں سے اکثر لوگ تو کبھی بھی مومن نہیں تھے۔

زیر بحث آیات کے سلسلے میں آخری کڑی میں تنبیہ اور تشویق کے ساتھ امید اور خوف کا منظر پایا جاتا ہے ارشاد ہوتا ہے تیرا پروردگار عزیز اور رحیم ہے۔

عزیز اس طاقت ور کو کہتے ہیں جو ناقابل شکست ہوتا ہے خدا اس لئے عزیز ہے کہ وہ اپنی عظیم نشانیاں دکھانے پر بھی قادر ہے اور جھٹلانے والوں کی سرکوبی بھی بڑی آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ رحیم ہے اور اس کی وسیع رحمت ہر جگہ کو گھیرے ہوئے ہے کہ اگر ایک مختصر سے لحمہ میں بھی تہ دل کے ساتھ اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کیا جائے تو یہی کافی ہے کہ انسان پر اس کی نظر کریم ہو جائے اور وہ اس کے تمام گزشتہ گناہوں پر بخشش کا قلم پھیر دے۔

(۱۰) وَ اِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰٓی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۙ	اس وقت کو یاد کر جب تیرے پروردگار نے موسیٰ کو ندا دی کہ اس ظالم قوم کے پاس جا،
(۱۱) قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ	قومِ فرعون (کے پاس). کیا وہ (خدا کے فرمان کی مخالفت سے) پرہیز نہیں کرتے؟
(۱۲) قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ؕ	(موسیٰ نے) عرض کی پروردگارا! مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔
(۱۳) وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ	اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان کافی حد تک گویا بھی نہیں۔ پس (میرے بھائی) ہارون کو بھی رسالت عطا فرما۔

(۱۴)وَ لَهُمۡ عَلَیَّ ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ۚ	اور ان لوگوں کی طرف سے مجھ پر جرم کا الزام ہے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔
(۱۵) قَالَ کَلَّا ۚ فَاذۡهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ	(خدا نے) فرمایا کہ ایسا نہیں ہے تم دونوں (ان کی ہدایت کیلئے) ہماری آیات لے کر جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (تمہاری باتوں کو) سن رہے ہیں۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا آغاز

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس سورت میں خدا کے سات عظیم انبیاء کا تذکرہ ہے جو تمام مسلمانوں خصوصاً اوائل اسلام کے مسلمانوں کیلئے ایک درس ہے۔

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان شروع ہوتی ہے اس داستان میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں فرعون اور فرعونیوں کے ساتھ ان کی لڑائی اور فرعون کی غرقابی تک کے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اگر چہ یہ مباحث مکرر ہیں اور انہیں بار بار دہرایا گیا ہے لیکن اگر ان میں ذرا سا غور وفکر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر بحث میں اس داستان کے کسی خاص حصے پر زور دیا گیا ہے اور کسی مخصوص مقصد کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

مثال کے طور پر مندرجہ بالا آیات اس وقت نازل ہوئیں جب مسلمان بہت اقلیت میں تھے اور ان کے مخالف اور دشمن نہایت طاقتور اور زور آور تھے اور کسی صورت میں بھی ان کی طاقت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا تو یہاں پر لازم تھا کہ خداوند عالم گزشتہ اقوام کے ایسے واقعات پیش کرے جن سے ان کی ڈھارس بندھ جائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ دشمن کی عظیم طاقت اور ان کی ظاہری کمزوری کسی بھی صورت میں ان کی شکست کا سبب نہیں بن سکتی۔ اس طرح سے ان کے حوصلے بلند اور قوت مدافعت اور استقامت میں اضافہ ہو جاتا اور پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ ساتوں انبیاء میں سے ہر ایک کی سرگزشت کے بعد "و ما کان اکثر هم مومنین و ان ربک لهو العزیز الرحیم" (ان میں سے اکثر مومن نہیں تھے اور تمہارا پروردگار عزیز اور رحیم ہے) کو دہرایا گیا ہے۔ یہ بعینہ وہی عبارت ہے جو ہم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اس سورۃ کے آغاز میں پڑھی ہے اس طرح کی ہم آہنگی اس حقیقت پر زندہ گواہ ہے کہ انبیاء کی داستانوں کا یہ حصہ اس خاص زمانے میں مسلمانوں کی اجتماعی اور نفسیاتی کیفیات کے پیش نظر تھا اور ان کا یہ دوران انبیاء کے مذکورہ ادوار سے ملتا جلتا تھا۔

پہلے فرمایا گیا ہے اس وقت کو یاد کر جب تیرے پروردگار نے موسیٰ کو ندا دی کہ اس ظالم قوم کے پاس جاؤ۔

(۱۱)اسی قوم فرعون کے پاس آ یا وہ ظلم وستم اور پروردگار عالم کے حکم کی نافرمانی سے پرہیز نہیں کرتے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ قوم فرعون کی جس بری خصلت کو زور دے کر بیان کیا گیا ہے وہ ظلم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ظلم کا ایک وسیع مفہوم ہے اور شرک اس کے ظاہری مصداقوں میں سے ایک ہے۔

"ان الشرک لظلم عظیم" (لقمان۱۳)

اسی طرح بنی اسرائیل کا لوٹ کھسوٹ کا شکار ہونا' انہیں غلام بنانا' انہیں انواع واقسام کے شکنجوں میں جکڑنا اور تشدد کا نشانہ بنانا بھی ایک اور مصداق ہے اس کے علاوہ وہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر کے دوسرے لوگوں سے پہلے خود اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔

اس لحاظ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کے مقصد کو ظلم کے خلاف نبرد آزمائی میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱۲) اس دوران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عظیم مشکلات خدا کی بارگاہ میں پیش کر کے اس سے قوت اور طاقت کی درخواست کی تا کہ اس طرح سے وہ رسالت کے عظیم بوجھ کو اٹھانے کے قابل ہو جائیں عرض کیا خداوندا! مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

قبل اس کے کہ میں تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دوں' شور وغوغا برپا کر کے اور مجھے جھٹلا کر میری راہ کو مسدود کر دینگے اور یہ مقصد حاصل نہ ہو سکے گا۔

یہ بات کرنے میں موسیٰ علیہ السلام یقیناً حق بجانب تھے کیونکہ فرعون اور ان کے چیلے چانٹے سرزمین مصر پر اس قدر مسلط تھے کہ کوئی بھی ان کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور جہاں کہیں سے بھی کوئی مخالفت کی آواز بلند ہوتی اسے سختی کے ساتھ دبا دیا جاتا اور افراد کو بے رحمی سے کچل دیا جاتا۔

(۱۳) اس کے علاوہ میرا سینہ کار رسالت کی ادائیگی کیلئے اس قدر وسعت بھی نہیں رکھتا۔ اور پھر یہ کہ میری زبان بھی کوئی ایسی گویا نہیں ہے۔

اس لئے میری درخواست یہ ہے کہ میرے بھائی ہارون کو بھی منصب رسالت عطا کر دے تا کہ وہ میرے ساتھ مل کر اس فریضے کو ادا کرے۔

تا کہ ہم ایک دوسرے کی معاونت سے ان خودسر ظالموں تک تیرے اس عظیم فرمان کو پہنچا سکیں۔

(۱۴) ان سب باتوں کے علاوہ ان کے اپنے نظریئے کے مطابق ان لوگوں کا مجھ پر ایک جرم کا الزام ہے۔

میں نے ایک ظالم فرعونی کو اس وقت مکا مار کر ہلاک کر دیا تھا جب وہ ایک مظلوم بنی اسرائیلی سے لڑ رہا تھا۔

لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ قصاص کے طور پر وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے اور پھر یہ عظیم فریضہ ادا نہ ہو سکے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ذات کا خوف نہیں تھا بلکہ انہیں یہ خوف درپیش تھا کہ منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی یہ مقصد فوت نہ ہو

جائے لہٰذا انہوں نے اس معرکے کیلئے خدا سے زیادہ سے زیادہ طاقت اور قوت کی درخواست کی۔

(۱۵) خداوند عالم نے موسیٰ علیہ السلام کی صدق دل پر مبنی اس درخواست کو منظور فرما لیا اور فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ تمہیں قتل کردیں یا تیرا سینہ تنگ ہو یا تیری زبان میں کوئی گرہ ہو اور تو بول نہ سکے۔

تمہارے بھائی کے بارے میں تمہاری دعا کو مستجاب کیا اور اسے بھی حکم دیا ہے تم دونوں ہماری آیات لے کر جاؤ (اور اس کی گمراہ قوم کو میری طرف دعوت دو)۔

اور یہ نہ سمجھنا کہ میں تم سے دور ہوں اور تمہارا ماجرا مجھے معلوم نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری باتوں کو اچھی طرح سن رہے ہیں۔

ہم کبھی بھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے اور سخت حوادث میں بھی تمہاری مدد کریں گے تم بالکل مطمئن ہو کر آگے بڑھو اور بڑھتے چلے جاؤ۔

(۱۶) فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ	پس تم فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم ربّ العالمین کے رسول ہیں،
(۱۷) اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ	بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔
(۱۸) قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۙ	(فرعون نے) کہا: کیا ہم نے تجھے بچپن میں اپنے درمیان نہیں پالا اور کیا تو اپنی عمر کے کئی سال ہم میں نہیں رہا؟
(۱۹) وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ	اور تو نے (آخر کار جو کام تجھے انجام نہیں دینا چاہئے تھا اسے) انجام دیا ہے اور تو کافروں میں سے تھا۔
(۲۰) قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ؕ	(موسیٰ نے) کہا: میں نے وہ کام انجام دیا جب کہ میں بے خبر لوگوں میں سے تھا۔
(۲۱) فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	پھر جب مجھے تم لوگوں سے خوف ہوا تو تم سے بھاگ نکلا اور میرے پروردگار نے مجھے علم و دانش عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا۔

(۲۲)وَ تِلۡکَ نِعۡمَۃٌ تَمُنُّہَا عَلَیَّ اَنۡ عَبَّدۡتَّ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ؕ	کیا یہ احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو نے اپنا غلام بنا رکھا ہے؟

تفسیر

فرعون سے معرکۃ الآرا مقابلہ

گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰؑ کی ماموریت کا پہلا مرحلہ ختم ہوا جس میں بتایا گیا ہے کہ انہیں وحی و رسالت ملی اور انہوں نے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کیلئے وسائل کے حصول کی درخواست کی۔

اس کے ساتھ ہی زیر نظر آیات میں دوسرے مرحلے کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے یعنی فرعون کے پاس جانا اور اس کے ساتھ گفتگو کرنا چنانچہ ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسے یہاں پر بیان کیا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے مقدمے کے طور پر فرمایا گیا ہے اب جبکہ تمام حالات سازگار ہیں تو تم فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم عالمین کے پروردگار کے رسول ہیں۔

(۱۷) اور اپنی رسالت کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیجئے اور کہیے کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ تجھ سے مطالبہ کریں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

ظاہر ہے کہ اس مطالبے کا مقصد ان کو غلامی سے آزاد کروانا تھا تا کہ وہ فرعون کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ چلے جائیں۔

(۱۸) اس مقام پر فرعون نے زبان کھولی اور شیطنت پر مبنی چند ایک جچے تلے جملے کہے جس سے ان کی رسالت کی تکذیب کرنا مقصود تھا۔ وہ حضرت موسیٰؑ کی طرف منہ کر کے کہنے لگا آیا بچپن میں ہم نے تجھے اپنے دامن محبت میں پروان نہیں چڑھایا۔

ہم نے تجھے دریائے نیل کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی خشمگیں موجوں سے نجات دلائی وگرنہ تیری زندگی خطرے میں تھی تیرے لئے آیاؤں کو بلایا اور ہم نے اولاد بنی اسرائیل کے قتل کر دینے کا جو قانون مقرر کر رکھا تھا اس سے تجھے معاف کر دیا اور امن و سکون اور ناز و نعمت میں تجھے پروان چڑھایا۔

اور اس کے بعد بھی تو نے اپنی زندگی کے کئی سال ہم میں گزارے۔

(۱۹) پھر وہ موسیٰؑ پر ایک اور اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے تو نے وہ اہم کام کیا ہے فرعون کے حامی ایک قبطی کو قتل کیا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسا کام کرنے کے بعد تم کیونکر رسول بن سکتے ہو؟

ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے تو ہماری نعمتوں کا انکار کر رہا ہے۔

تو کئی سالوں تک ہمارے دسترخوان پر پلتا رہا ہے ہمارا نمک کھانے کے بعد نمک حلالی کا حق اس طرح ادا کر رہا ہے؟ اس

قدر کفران نعمت کے بعد تو کس منہ سے نبوت کا دعوی کر رہا ہے؟

درحقیقت وہ بزعم خود اس طرح کی منطق سے ان کی کردار کشی کر کے موسیٰ علیہ السلام کو خاموش کرنا چاہتا تھا۔

(۲۰) جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی شیطنت آمیز باتیں سن کر اس کے تینوں اعتراضات کے جواب دینا شروع کیے لیکن اہمیت کے لحاظ سے فرعون کے دوسرے اعتراض کا سب سے پہلے جواب دیا (یا پہلے اعتراض کو بالکل جواب کے لائق ہی نہیں سمجھا کیونکہ کسی کا کسی کی پرورش کرنا اس بات کی دلیل نہیں بن جاتا کہ اگر وہ گمراہ ہو تو اسے راہ راست کی بھی ہدایت نہ کی جائے۔

بہر حال جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے یہ کام اس وقت انجام دیا جبکہ میں بے خبر لوگوں میں سے تھا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے یہاں پر ''توریہ'' سے کام لیا ہے انہوں نے ایسی بات کہی ہے جس کا ظاہری معنی تو یہ بنتا ہے کہ میں اس وقت راہ حق سے نا آشنا تھا پھر خداوند عالم نے مجھے حق کا راستہ دکھایا اور رسالت کا عہد تفویض کیا لیکن اس کا باطن میں کچھ اور معنی بنتا ہے۔

وہ یہ کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ چیز اس قدر دردسر بن جائے گی۔ وگرنہ اصل کام تو بالکل ٹھیک ہی تھا اور قانون عدالت کے بھی عین مطابق تھا

(۲۱) پھر موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں اس حادثے کی وجہ سے جب میں نے تم سے خوف کیا تو تم سے بھاگ گیا اور میرے پروردگار نے مجھے دانش عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا۔

(۲۲) پھر موسیٰ علیہ السلام اس احسان کا جواب دیتے ہیں جو فرعون نے بچپن اور لڑکپن میں پرورش کی صورت میں ان پر کیا تھا دو ٹوک انداز میں اعتراض کی صورت میں فرماتے ہیں تو کیا جو احسان تو نے مجھ پر کیا ہے یہی ہے کہ تو بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالے۔

کیا تو نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں نہیں جکڑ رکھا؟ یہاں تک کہ تو نے اپنے خودساختہ قوانین کے تحت ان کے لڑکوں کو غلام اور ان کی لڑکیوں کو کنیز بنایا۔

تیرے بے حد وحساب مظالم اس بات کا سبب بن گئے کہ میری ماں اپنے نومولود بچے کی جان بچانے کی غرض سے مجھے ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دے اور پھر منشائے ایزدی یہ ہے کہ میری چھوٹی سی کشتی تمہارے محل کے نزدیک لنگر ڈال دے ہاں تو یہ تمہارے بے انداز مظالم ہی تھے جن کی وجہ سے مجھے تمہارے مرہون منت ہونا پڑا اور جنہوں نے مجھے اپنے باپ کی مقدس اور پاکیزہ گھر سے محروم کر کے تمہارے آلودہ محل تک پہنچا دیا۔

(۲۳) قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ	فرعون نے کہا: یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟
(۲۴) قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ	(موسیٰ نے) کہا: وہ آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم صاحبان یقین ہو۔

(۲۵)قَالَ لِمَنۡ حَوۡلَهٗۤ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ	(فرعون نے) اپنے اطراف والوں سے کہا: کیا سن نہیں رہے ہو(کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے)؟
(۲۶)قَالَ رَبُّكُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ	(موسیٰ نے) کہا: وہ تمہارا اور تمہارے آباؤاجداد کا رب ہے۔
(۲۷) قَالَ اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ الَّذِىۡۤ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ	(فرعون)بولا: تمہاری طرف بھیجا جانے والا یہ رسول تو پاگل ہے۔
(۲۸) قَالَ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ مَا بَيۡنَهُمَا ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ	(موسیٰ نے) کہا: وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب رب کا ہے اگر تم عقل وخرد سے کام لو۔
(۲۹) قَالَ لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰهًا غَيۡرِىۡ لَاَجۡعَلَنَّكَ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِيۡنَ	(فرعون نے غصے میں آ کر) کہا: اگر تو نے میرے علاوہ کسی کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

تفسیر

دیوانگی کی تہمت اور قید کی دھمکی

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دوٹوک اور قاطع جواب دے دیا جس سے وہ لا جواب اور عاجز ہو گیا تو اس نے کلام کا رخ بدلا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں تو اس نے اسی بات کو اپنے سوال کا محور بنایا اور کہا یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟

فرعون نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا تھا اور تحقیر کے طور پر یہ بات کہی تھی۔

(۲۴) لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیدار اور سمجھ دار افراد کی طرح کی اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ دیکھا کہ گفتگو کو سنجیدگی پر محمول کریں اور سنجیدہ ہو کر اس کا جواب دیں اور چونکہ ذات پروردگار عالم انسانی افکار کی دسترس سے باہر ہے لہٰذا انہوں نے مناسب سمجھا کہ اس کے آثار کے ذریعے استدلال قائم کریں لہٰذا انہوں نے آیات آفاقی کا سہارا لیتے ہوئے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم یقین کا راستہ اختیار کرو۔

(۲۵) لیکن عظیم آسمانی معلم کے اس قدر محکم بیان اور پختہ گفتگو کے بعد بھی فرعون خواب غفلت سے بیدار نہ ہوا اس نے اپنے ٹھٹھے مذاق اور استہزاء کو جاری رکھا اور مغرور مستکبرین کے پرانے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے اپنے اطراف میں بیٹھنے والوں کی طرف منہ کر کے کہا کیا سن نہیں رہے ہو کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔

معلوم ہے کہ فرعون کے گرد کون لوگ بیٹھے ہیں اسی قماش کے لوگ تو ہیں۔ صاحبان زور اور زر ہیں یا پھر ظالم اور جابر کے معاون۔

اس طرح کی گفتگو سے فرعون یہ چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی منطقی اور دلنشیں گفتگو اس گروہ کے تاریک دلوں میں ذرہ بھر بھی اثر نہ کرے اور لوگوں کو یہ باور کروائے کہ ان کی باتیں بے ڈھنگی اور نا قابل فہم ہیں۔

(۲۶) مگر جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی منطقی اور جچی تلی گفتگو کو بغیر کسی خوف وخطر کے جاری رکھتے ہوئے فرمایا وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی رب ہے۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو آفاقی آیات کے حوالے سے استدلال کیا اب یہاں پر آیات انفس کی طرف اشارہ کررہے ہیں

(۲۷) لیکن فرعون اپنی ہٹ دھرمی سے پھر بھی باز نہ آیا اب استہزاء اور مسخرہ پن سے چند قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو جنون اور دیوانگی کا الزام دیتا ہے چنانچہ اس نے کہا جو پیغمبر تمہاری طرف آیا ہے بالکل دیوانہ ہے۔

وہی تہمت جو تاریخ کے ظالم اور جابر لوگ خدا کے بھیجے ہوئے مصلحین پر لگاتے رہتے تھے۔ ان طاقتور دلائل نے فرعون کو سخت بوکھلا دیا اب اس نے اسی حربے کا سہارا لیا جس کا سہارا ہر بے منطق اور طاقتور لیتا ہے اور جب وہ دلائل سے عاجز آجاتا ہے تو اسے آزمانے کی کوشش کرتا ہے فرعون نے کہا اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو تمہیں قیدیوں میں شامل کردوں گا۔

میں تمہاری اور کوئی بات نہیں سننا چاہتا میں تو صرف ایک ہی عظیم الہ اور معبود کو جانتا ہوں اور وہ میں خود ہوں اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کہتا ہے تو بس سمجھ لے کہ اس کی سزا یا تو موت ہے یا عمر قید جس میں زندگی ہی ختم ہوجائے۔

(۲۸) لیکن یہ ناروا تہمت موسیٰ علیہ السلام کے بلند حوصلوں کو پست نہیں کرسکتی اور انہوں نے تخلیقات عالم میں آثار الٰہی اور آفاق و انفس کے حوالے سے اپنے دلائل کو برابر جاری رکھا اور کہا وہ مشرق ومغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم عقل وشعور سے کام لو۔

اگر تمہارے پاس مصر نامی محدود سے علاقے میں چھوٹی سی ظاہری حکومت ہے تو کیا ہوا؟ میرے پروردگار کی حقیقی حکومت تو مشرق ومغرب اور اس کے تمام درمیانی علاقے پر محیط ہے اور اس کے آثار ہر جگہ موجودات عالم کی پیشانی پر چمک رہے ہیں

(۳۰) قَالَ اَوَ لَوۡ جِئۡتُکَ بِشَیۡءٍ مُّبِیۡنٍ ۚ	(موسیٰ نے) کہا: اگر میں تمہارے پاس اپنی رسالت کی واضح نشانی لے آؤں تو کیا پھر بھی؟
(۳۱) قَالَ فَاۡتِ بِہٖۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ	(فرعون نے) کہا: اگر سچ کہتے ہو تو (وہ نشانی) لے آؤ۔

(۳۲) فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ	اسی اثنا میں موسیٰ نے اپنا عصا پھینک دیا تو وہ بہت بڑا اور واضح سانپ بن گیا۔
(۳۳) وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ	پھر اپنے ہاتھ کو آستین میں لے گئے اور باہر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کیلئے سفید اور چمکدار تھا۔
(۳۴) قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ	(فرعون نے) اپنے اطرافیوں سے کہا: یہ تو ماہر اور سمجھ دار جادوگر ہے۔
(۳۵) يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ	یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے۔ (اس بارے میں) تمہارا کیا حکم ہے؟
(۳۶) قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ	انہوں نے کہا کہ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور تمام شہروں کی طرف ہرکارے بھیج دے۔
(۳۷) يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ	کہ وہ ہر ماہر جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔

تفسیر

فرعونیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فسادی کا الزام لگانا

گزشتہ آیات میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ فرعون نے آخرکار طاقت کے نشے میں آکر قید و بند اور موت کی دھمکی دے دی۔ اس موقع پر گفتگو کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے اب جناب موسیٰ علیہ السلام کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا جس سے فرعون کا عجز ظاہر ہو جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کو بھی کسی طاقت کے سہارے کی ضرورت تھی ایسی خدائی طاقت جس کے معجزانہ انداز ہوں چنانچہ آپ علیہ السلام فرعون کی طرف منہ کر کے فرماتے ہیں آیا اگر میں اپنی رسالت کیلئے واضح نشانی لے آؤ پھر بھی تو مجھے زندان میں ڈالے گا۔

(۳۱) اس موقع پر فرعون سخت مخمصے میں پڑ گیا کیونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ایک نہایت ہی اہم اور عجیب وغریب منصوبے کی طرف اشارہ کر کے حاضرین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی۔ اگر فرعون ان کی باتوں کو ان سنا کر کے ٹال دیتا تو سب حاضرین اسپر اعتراض کرتے اور کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ کام کرنے کی اجازت دی جائے اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو معلوم ہو جائے گا اور اس سے مقابلہ نہیں کیا جا سکے گا اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو بھی اس کی شیخی آشکارا ہو جائے گی بہرحال موسیٰ علیہ السلام کے اس دعوے کو آسانی سے مسترد نہیں

کیا جا سکتا تھا آخر کار فرعون نے مجبور ہو کر کہا اگر سچ کہتے ہو تو اسے لے آؤ۔

(۳۲) اسی دوران میں موسیٰ نے جو عصا ہاتھ میں لیا ہوا تھا زمین پر پھینک دیا اور وہ خدا کے حکم سے بہت بڑا اور واضح سانپ بن گیا۔

(۳۳) پھر اپنا ہاتھ آستین میں لے گئے اور باہر نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کیلئے سفید اور چمک دار بن چکا تھا۔

درحقیقت یہ دو عظیم معجزے تھے ایک خوف کا مظہر تھا تو دوسرا امید کا مظہر پہلے میں انذار کا پہلو تھا تو دوسرے میں بشارت کا۔

(۳۴) فرعون نے جب یہ صورت حال دیکھی تو سخت بوکھلا گیا اور وحشت کی گہری کھائی میں جا گرا لیکن اپنے شیطانی اقتدار کو بچانے کیلئے جو موسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ متزلزل ہو چکا تھا اس نے ان معجزات کی توجیہ کرنا شروع کر دی تا کہ اس طرح سے اطراف میں بیٹھنے والوں کے عقائد محفوظ اور ان کے حوصلے بلند کر سکے اس نے پہلے تو اپنے حواری سرداروں سے کہا یہ شخص ماہر اور سمجھ دار جادوگر ہے۔

جس شخص کو تھوڑی دیر پہلے تک دیوانہ کہہ رہا تھا اب اسے علیم کے نام سے یاد کر رہا ہے۔

(۳۵) پھر اس نے لوگوں کے جذبات بھڑکانے اور موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کیلئے کہا وہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔

تم لوگ اس بارے میں کیا سوچ رہے ہو اور کیا حکم دیتے ہو۔

یہ وہی فرعون ہے جو کچھ دیر پہلے تک تمہارے سرزمین مصر کو اپنی ملکیت سمجھ رہا تھا وہی فرعون جو ایک لحظہ قبل کسی کی بات سننے پر تیار نہیں تھا بلکہ ایک مطلق العنان آمر کی حیثیت سے تخت حکومت پر براجمان تھا اب اس حد تک عاجز اور درماندہ ہو چکا ہے کہ اپنے اطرافیوں سے درخواست کر رہا ہے کہ تمہارا کیا حکم ہے نہایت ہی عاجز اور کمزور ہو کر التجا کر رہا ہے۔

(۳۶) بہرحال کافی صلاح مشورے کے بعد درباریوں نے فرعون سے کہا موسیٰ اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور اس بارے میں جلدی نہ کرو اور تمام شہروں میں ہرکارے روانہ کردو۔

(۳۷) تا کہ ہر ماہر اور منجھے ہوئے جادوگر کو تمہارے پاس لے آئیں۔

چنانچہ انہوں نے کہا خوش قسمتی سے ہمارے وسیع و عریض ملک مصر میں فن جادو کے بہت سے ماہر استاد موجود ہیں اگر موسیٰ ساحر ہے تو ہم اس کے مقابلے میں ساحر لا کھڑا کریں گے اور فن سحر کے ایسے ایسے ماہرین کو لے آئیں گی جو ایک لمحہ میں موسیٰ کا بھرم کھول کر رکھ دیں گے۔

(۳۸) فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ	آخر کار ایک دن مقررہ وقت پر جادوگر اکٹھے ہو گئے۔
(۳۹) وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۙ	اور لوگوں سے کہا گیا، کیا تم بھی (اس میدان میں) جمع ہو گے۔

(۴۰) لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنۡ كَانُوۡا هُمُ الۡغٰلِبِيۡنَ	کہ اگر جادوگر کامیاب ہوجائیں تو ہم ان کی پیروی کریں؟
(۴۱) فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوۡا لِفِرۡعَوۡنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ	جب تمام جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا: اگر ہم کامیاب ہوگئے تو کیا ہمارے لئے کوئی خاص اجر (وانعام) بھی ہوگا؟۔
(۴۲) قَالَ نَعَمۡ وَ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ	اس نے کہا: ہاں! اورتم اس صورت میں ہمارے مقربین میں سے قرار پاؤ گے۔

تفسیر

ہرطرف سے جادوگر پہنچ گئے

فرعون کے درباریوں کی تجویز کے بعد مصر کے مختلف شہروں کی طرف ملازمین روانہ کردیئے گئے اورانہوں نے ہرجگہ پر ماہر جادوگروں کی تلاش شروع کردی آخرکار ایک مقررہ دن کی معیاد کے مطابق جادوگروں کی ایک جماعت اکٹھا کرلی گئی۔

(۳۹) اس میدان مقابلہ میں عوام الناس کوبھی دعوت دی گی اورلوگوں سے کہا گیا کہ آیا تم بھی اس میدان میں اکٹھے ہوگے؟

(۴۰) لوگوں کو بتایا گیا مقصد یہ ہے کہ اگر جادوگر کامیاب ہوگئے کہ جن کی کامیابی ہمارے خداؤں کی کامیابی ہے تو ہم ان کی پیروی کریں اورمیدان کواس قدر گرم کردیں گے کہ ہمارے خداؤں کا دشمن ہمیشہ ہمیشہ کیلئے میدان چھوڑ جائے گا۔

(۴۱) یہ سب کچھ ایک طرف ادھر جب جادوگر فرعون کے پاس پہنچے اوراسے مشکل میں پھنسا ہوا دیکھا تو موقع مناب سمجھتے ہوئے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور بھاری انعام وصول کرنے کی غرض سے اسے کہا اگرہم کامیاب ہوگئے تو کیا ہمارے لئے کوئی اہم صلہ بھی ہوگا؟

(۴۲) فرعون جو بری طرح پھنس چکا تھا اوراپنے لئے کوئی راہ نہیں پاتا تھا انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات اوراعزاز دینے پر تیار ہوگیا اس نے فوراً کہا ہاں ہاں جو کچھ تم چاہتے ہو میں دوں گا اس کے علاوہ اس صورت میں تم میرے مقربین بھی بن جاؤ گے۔

(۴۳) قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰٓى اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ	موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا: تم جو کچھ پھینکنا چاہتے ہو پھینکو۔
(۴۴) فَاَلۡقَوۡا حِبَالَهُمۡ وَعِصِيَّهُمۡ وَ قَالُوۡا بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡغٰلِبُوۡنَ	انہوں (جادوگروں) نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں اورکہا: فرعون کی عزت کی قسم! ہم کامیاب ہیں۔

(۴۵) فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚصلے	پھر موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو اس نے اچانک ان کے جھوٹے کرشموں کو نگلنا شروع کر دیا۔
(۴۶) فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۙ	پس سب کے سب جادوگر فوراً سجدے میں گر پڑے،
(۴۷) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ	اور کہنے لگے ہم عالمین کے رب پر ایمان لے آئے،
(۴۸) رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ	جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے۔
(۴۹) قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۚ	(فرعون نے) کہا: میری اجازت کے بغیر ہی تم اس پر ایمان لے آئے ہو؟ یقیناً وہ تمہارا بڑا اور استاد ہے جس نے تمہیں جادو کی تعلیم دی ہے۔ لیکن بہت جلد جان لو گے کہ میں تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مختلف سمت میں کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا۔
(۵۰) قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ	سب نے کہا: کوئی بڑی بات نہیں (تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو) ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں گے۔
(۵۱) اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ۠	ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دیگا کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

تفسیر

جادوگروں کے دل میں نور ایمان چمک اٹھا

جب جادوگروں نے فرعون کے ساتھ اپنی بات پکی کر لی اور اس نے بھی انعام، اجرت اور اپنی بارگاہ کے مقرب ہونے کا وعدہ کر کے انہیں خوش کر دیا اور وہ بھی مطمئن ہو گئے تو اپنے فن کے مظاہرے اور اس کے اسباب کی فراہمی کیلئے تگ و دو کرنی شروع کر دی، فرصت کے ان لمحات میں انہوں نے بہت سی رسیاں اور لاٹھیاں اکٹھی کر لیں اور بظاہر ان کے اندر کو کھوکھلا کر کے ان میں ایسا کوئی کیمیکل مواد (پارہ وغیرہ کی مانند) بھر دیا جس سے وہ سورج کی تپش میں ہلکی ہو کر بھاگنے لگ جاتی ہیں۔

آخر کار وعدے کا دن پہنچ گیا اور لوگوں کا انبوہ کثیر میدان میں جمع ہو گیا

یہاں پر بھی اس تاریخ ساز منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کی طرف منہ کر کے کہا جو کچھ پھینکنا چاہتے ہو پھینکو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے میدان میں لے آؤ۔

(۴۴) جادوگر تو غرور و نخوت کے سمندر میں غرق تھے انہوں نے اپنی انتہائی کوششیں اس کام کیلئے صرف کر دی تھیں اور انہیں اپنی کامیابی کا بھی یقین تھا لہٰذا انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور کہا فرعون کی عزت کی قسم ہم یقیناً کامیاب ہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید ایک اور مقام پر کہتا ہے اس موقع پر انہوں نے جب رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو وہ چھوٹے بڑے سانپوں کی طرح زمین پر حرکت کرنے لگیں (طہٰ ۶۶) انہوں نے اپنے جادو کے ذرائع میں سے لاٹھیوں کا انتخاب کیا ہوا تھا تا کہ وہ بزعمِ خود موسیٰ علیہ السلام کی عصا کی برابری کر سکیں اور مزید برتری کیلئے رسیوں کو بھی ساتھ شامل کر لیا تھا۔

اسی دوران میں حاضرین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور فرعون اور اس کے درباریوں کی آنکھیں خوشی کے مارے چمک اٹھیں

(۴۵) لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اس کیفیت کو زیادہ دیر نہیں پنپنے دیا وہ آگے بڑھے اور اپنے عصا کو زمین پر دے مارا تو وہ اچانک اژدہے کی شکل میں تبدیل ہو کر جادوگروں کے ان کرشموں کو جلدی جلدی نگلنے لگا اور انہیں ایک ایک کر کے کھا گیا۔

اس موقع پر لوگوں پر یکدم سکوت طاری ہو گیا حاضرین پر سناٹا چھا گیا تعجب کی وجہ سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے

(۴۶) اس مرحلے پر سب کچھ تبدیل ہو گیا جو جادوگر اس وقت تک شیطانی رستے پر گامزن' فرعون کے ہم رکاب اور موسیٰ علیہ السلام کے مخالف تھے یک دم اپنے آپے میں آ گئے اور کیونکہ جادو کے ہر قسم کے ٹونے ٹوٹکے اور مہارت اور فن سے واقف تھے اس لئے انہیں یقین آ گیا کہ ایسا کام ہرگز جادو نہیں ہو سکتا بلکہ یہ خدا کا ایک عظیم معجزہ ہے لہٰذا اچانک وہ سارے کے سارے سجدے میں گر پڑے۔

(۴۷) اس عمل کے ساتھ ساتھ جو ان کے ایمان کی روشن دلیل تھا انہوں نے زبان سے بھی کہا ہم عالمین کے پروردگار پر ایمان لے آئے۔

(۴۸) اور ہر قسم کا ابہام و شک دور کرنے کیلئے انہوں نے ایک اور جملے کا بھی اضافہ کیا تا کہ فرعون کیلئے کسی قسم کی تاویل باقی نہ رہے انہوں نے کہا موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔

اور انہوں نے ایک مختصر سے عرصے میں مطلق تاریکی سے نکل کر روشنی اور نور میں قدم رکھ دیا اور جن جن مفادات کا فرعون نے ان سے وعدہ کیا تھا ان سب کو ٹھکرا دیا۔

(۴۹) اس موقع پر ایک طرف تو فرعون کے اوسان خطا ہو چکے تھے اور دوسرے اسے اپنا اقتدار بلکہ اپنا وجود خطرے میں دکھائی دے رہا تھا خاص طور پر وہ جانتا تھا کہ جادوگروں کا ایمان لانا حاضرین کے دلوں پر کس قدر موثر ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کافی سارے لوگ جادوگروں کی دیکھا دیکھی سجدے میں گر جائیں لہٰذا اس نے بزعم خود ایک نئی اپچ نکالی اور جادوگروں کی طرف منہ

کر کے کہا تم میری اجازت کے بغیر ہی اس پر ایمان لے آ ؤ۔

اسے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ لوگ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام دیں گے بلکہ اسے تو یہ توقع تھی کہ لوگوں کے قلب و عقل اور فکر و اختیار اس کے قبضہ قدرت میں ہیں، جب تک وہ اجازت نہ دے وہ نہ تو کچھ سوچ سکتے ہیں اور نہ فیصلہ کر سکتے ہیں۔

لیکن اس نے اسی بات کو کافی نہیں سمجھا بلکہ دو جملے اور بھی کہے تا کہ اپنے زعم باطل میں اپنی حیثیت اور شخصیت کو برقرار رکھ سکے اور ساتھ ہی عوام کے بیدار شدہ افکار کے آگے بند باندھ سکے اور انہیں دوبارہ خواب غفلت میں سلا دے۔

اس نے پہلے جادوگروں سے کہا تمہاری موسیٰ سے یہ پہلے سے لگی بندھی سازش ہے بلکہ مصری عوام کے خلاف ایک خطرناک منصوبہ ہے اس نے کہا وہ تمہارا بزرگ اور استاد ہے جس نے تمہیں جادو کی تعلیم دی ہے اور تم سب نے جادوگری کی تعلیم اسی سے حاصل کی ہے۔

لیکن میں تمہیں کبھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم اپنی سازش میں کامیاب ہو جاؤ میں اس سازش کو پنپنے سے پہلے ہی ناکام کر دوں گا تم بہت جلد جان لو گے کہ تمہیں ایسی سزا دوں گا جس سے دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں گے تمہارے ہاتھ اور پاؤں کو ایک دوسرے کی مخالف سمت میں کاٹ ڈالوں گا (دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں) اور تم سب کو (کسی استثناء کے بغیر) سولی پر لٹکا دوں گا۔

(۵۰) لیکن فرعون یہاں پر سخت غلط فہمی میں مبتلا تھا کیونکہ کچھ دیر قبل کے جادوگر اور اس وقت کے مومن افراد کے دل نور ایمان سے اس قدر منور ہو چکے تھے اور خدائی عشق کی آگ ان کے دل میں اس قدر بھڑک چکی تھی کہ انہوں نے فرعون کی دھمکیوں کو ہرگز ہرگز کوئی وقعت نہ دی بلکہ بھرے مجمع میں اسے دوٹوک جواب دے کر اس کے تمام شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

انہوں نے کہا کوئی بڑی بات نہیں اس سے ہمیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جائیں گے۔

(۵۱) انہوں نے سلسلہ کلام آگے بڑھاتے ہوئے کہا ہم ماضی میں گناہوں کا ارتکاب کر چکے ہیں اور اس میدان میں بھی اللہ کے سچے رسول جناب موسیٰؑ کے ساتھ مقابلے میں پیش پیش تھے اور حق کے ساتھ لڑنے میں ہم پیش قدم تھے لیکن ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

ہم آج کسی چیز سے نہیں گھبراتے نہ تو تمہاری دھمکیوں سے اور نہ ہی بلند و بالا کھجور کے درختوں کے تنوں پر سولی پر لٹک جانے کے بعد ہاتھ پاؤں مارنے سے۔

(۵۲) وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ	ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات مصر سے لیجاؤ کیونکہ وہ (فرعونی) تمہارا پیچھا کرنے والے ہیں۔

(۵۳) فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ۚ	فرعون نے شہروں میں کارندے بھیج دیئے کہ فوج جمع کریں۔
(۵۴) اِنَّ ھٰۤؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَۃٌ قَلِیۡلُوۡنَ ۙ	(اوراس نے) کہا: یہ تھوڑے سے لوگ ہیں۔
(۵۵) وَ اِنَّھُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ ۙ	اورانہوں نے ہمیں غصّہ دلایا ہے۔
(۵۶) وَ اِنَّا لَجَمِیۡعٌ حٰذِرُوۡنَ ؕ	اورہم سب آمادہ پیکار ہیں۔
(۵۷) فَاَخۡرَجۡنٰھُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ۙ	لیکن ہم نے (فرعون اور فرعون والوں، غرض) ان سب کو باغوں اورچشموں سے باہر نکالدیا۔
(۵۸) وَّ کُنُوۡزٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ۙ	اورخزانوں اورعالیشان محلوں سے (بھی)۔
(۵۹) کَذٰلِکَ ؕ وَ اَوۡرَثۡنٰھَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ؕ	جی ہاں! ہم نے ایسا ہی کیا اور بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان مقابلہ میں فرعون پر غالب آ گئے اور سرخرو اور سرفراز ہوکر میدان سے باہر آئے۔

مجموعی طور موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس حد تک زمین ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوئے کہ مصریوں کے اندران کے پاؤں جم گئے اورانہوں نے کھل کر اپنا تبلیغی فریضہ انجام دیا اوراتمام حجت کی۔

اس روش کو کوئی سال گزر گئے اوراس دوران میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے منطقی دلائل کے ساتھ ساتھ انہیں کئی معجزے بھی دکھائے

جب موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں پر اتمام حجت کر چکے اور مومنین ومنکرین کی صفیں ایک دوسرے سے جدا ہوگئیں تو موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے کوچ کرنے کا حکم دے دیا گیا چنانچہ یہی آیات اس منظر کی تصویر کشی کررہی ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے ہم نے موسیٰ پر وحی کہ کہ راتوں رات میرے بندوں کو مصر سے باہر نکال کر لے جاؤ کیونکہ وہ تمہارا پیچھا کرنے والے ہیں۔

(۵۳) موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی اور دشمن کی نگاہوں سے بچ کر بنی اسرائیل کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے بعد کوچ کا حکم دیا اور حکم خدا کے مطابق رات کو خصوصی طور پر منتخب کیا تاکہ یہ منصوبہ صحیح صورت میں تکمیل کو پہنچے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اتنی بڑی تعداد کی روانگی ایسی چیز نہیں تھی جو زیادہ دیر تک چھپی رہ جاتی۔ جاسوسوں نے جلد ہی اس کی رپورٹ فرعون کو دے دی اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے فرعون نے اپنے کارندے مختلف شہروں میں روانہ کردیئے تاکہ فوج جمع کریں۔

(۵۴) ساتھ ہی لوگوں کے حوصلے بلند رکھنے اور نفسیاتی اثر قائم رکھنے کیلئے اس نے حکم دیا کہ اس بات کا اعلان کردیا جائے کہ وہ تو ایک چھوٹا سا گروہ ہے (تعداد کے لحاظ سے بھی کم اور طاقت کے لحاظ سے بھی کم)۔

لہٰذا اس چھوٹے سے کمزور گروہ کے مقابلے میں ہم کامیاب ہوجائیں گے گھبرانے کی کوئی بات نہیں کیونکہ طاقت اور قوت ہمارے پاس زیادہ ہے لہٰذا فتح بھی ہماری ہی ہوگی۔

(۵۵) فرعون نے یہ بھی کہا آخر ہم کس حد تک برداشت کریں اور کب تک ان سرکش غلاموں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے رہیں؟

انہوں نے تو ہمیں غصہ دلایا ہے۔

آخر کل مصر کے کھیتوں کی کون آبپاشی کرے گا؟ ہمارے گھر کون بنائے گا؟ اس وسیع و عریض مملکت کا کون لوگ بوجھ اٹھائیں گے؟ اور ہماری نوکری کون کرے گا؟

(۵۶) اس کے علاوہ ہمیں ان لوگوں کی سازشوں سے خطرہ ہے خواہ وہ یہاں رہیں یا کہیں اور چلے جائیں اور ہم ان سے مقابلہ کیلئے مکمل طور پر آمادہ اور اچھی طرح ہوشیار ہیں۔

(۵۷) پھر قرآن پاک فرعونیوں کے انجام کا ذکر کرتا ہے اور اجمالی طور پر ان کی حکومت کے زوال اور بنی اسرائیل کے اقتدار کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ہم نے انہیں سرسبز باغات اور پانی سے لبریز چشموں سے باہر نکال دیا۔

(۵۸) اور خزانوں خوبصورت محلات اور آرام و آسائش کے مقامات سے بھی نکال دیا۔

(۵۹) ہاں ہاں!! ہم نے ایسا ہی کیا اور بنی اسرائیل کو بغیر کسی مشقت کے یہ سب کچھ دے دیا اور انہیں فرعون والوں کا وارث بنادیا۔

(۶۰) فَاَتۡبَعُوۡهُمۡ مُّشۡرِقِيۡنَ	وہ (فرعون والے) ان کے تعاقب میں چل پڑے اور طلوع آفتاب کے وقت انہیں جالیا۔
(۶۱) فَلَمَّا تَرَآءَ الۡجَمۡعٰنِ قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰٓى اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ ۚ	جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو فرعونیوں کے چنگل میں پھنس گئے۔
(۶۲) قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ	(موسیٰ نے) کہا: ایسی کوئی بات نہیں بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے جو جلد ہی میری راہنمائی کرے گا۔

(۶۳) فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡبَحۡرَ ؕ فَانۡفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرۡقٍ کَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ ۚ	اس کے بعد ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تم اپنی عصا دریا پر مارو، دریا پھٹ گیا اور اس کا ہر ایک حصہ ایک عظیم پہاڑ کی مانند تھا۔
(۶۴) وَ اَزۡلَفۡنَا ثَمَّ الۡاٰخَرِیۡنَ ۚ	اور وہاں ہم نے دوسرے لوگوں کو بھی دریا کے نزدیک کر دیا۔
(۶۵) وَ اَنۡجَیۡنَا مُوۡسٰی وَ مَنۡ مَّعَہٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ۚ	ہم نے موسیٰ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے (سب کو) نجات بخشی۔
(۶۶) ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ؕ	پھر دوسروں کو ہم نے غرق کر دیا۔
(۶۷) اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ	اس واقعہ میں (حق طلب افراد کیلئے) واضح نشانی ہے، لیکن ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔
(۶۸) وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۠	اور تیرا پروردگار عزیز اور رحیم ہے۔

تفسیر

فرعون والوں کا دردناک انجام

ان آخری آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی داستان کا آخری حصہ پیش کیا گیا ہے کہ فرعون اور فرعون والے کیونکر غرق ہوئے اور بنی اسرائیل نے کس طرح نجات پائی؟

جیسا کہ ہم گزشتہ آیات میں پڑھ چکے ہیں کہ فرعون نے اپنے کارندوں کو مصر کے مختلف شہروں میں بھیج دیا تاکہ وہ بڑی تعداد میں لشکر اور افرادی قوت جمع کر سکیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

ساری رات بڑی تیزی کے ساتھ چلتے رہے اور طلوع آفتاب کے ساتھ ہی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کو جا لیا چنانچہ اس سلسلے کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے فرعون والوں نے ان کا تعاقب کیا اور طلوع آفتاب کے وقت انہیں جا لیا۔

(۶۱) جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے اب تو ہم فرعون والوں کے نرغے میں آ گئے ہیں اور بچ نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

ہمارے سامنے دریا اور اس کی ٹھاٹھیں مارتی موجیں ہیں ہمارے پیچھے خونخوار مسلح لشکر کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے لشکر بھی ایسے لوگوں کا ہے جو ہم سے سخت ناراض اور غصے سے بھرے ہوئے ہیں۔

اس مقام پر بنی اسرائیل پر کرب کی حالت طاری ہو گئی اور ان کا ایک ایک لمحہ کرب و اضطراب میں گزرنے لگا یہ لمحات ان کے لئے زبردست تلخ تھے شاید بہت سے لوگوں کا ایمان بھی متزلزل ہو چکا تھا اور بڑی حد تک ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔

(۶۲) لیکن جناب موسیٰ علیہ السلام حسب سابق نہایت ہی مطمئن اور پرسکون تھے انہیں یقین تھا کہ نبی اسرائیل کی نجات اور سرکش فرعونیوں کی تباہی کے بارے میں خدا کا فیصلہ اٹل ہے اور وعدہ یقینی ہے۔

لہٰذا انہوں نے مکمل اطمینان اور بھرپور اعتماد کے ساتھ بنی اسرائیل کی وحشت زدہ قوم کی طرف منہ کر کے کہا ایسی کوئی بات نہیں وہ ہم پر کبھی غالب نہیں آسکیں گے کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے اور وہ بہت جلد ہی مجھے ہدایت کرے گا۔

(۶۳) اسی موقع پر شاید بعض لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو سن تو لیا لیکن انہیں پھر بھی یقین نہیں آرہا تھا اور وہ اسی طرح زندگی کے آخری لمحات کے انتظار میں تھے کہ خدا کا آخری حکم صادر ہوا قرآن کہتا ہے ہم نے فوراً موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو۔

موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل حکم کی اور عصا فوراً دریا پر دے مارا تو اچانک ایک عجیب وغریب منظر دیکھنے میں آیا جس سے بنی اسرائیل کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ان کے دلوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی ناگہانی طور پر دریا پھٹ گیا پانی کے کئی ٹکڑے بن گئے اور ہر ٹکڑا ایک عظیم پہاڑ کی مانند بن گیا اور ان کے درمیان میں راستے بن گئے۔

(۶۴) فرعون اور اس کے ساتھی یہ منظر دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے اس قدر واضح اور آشکار معجزہ دیکھنے کے باوجود تکبر اور غرور کی سواری سے نہیں اترے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تعاقب جاری رکھا اور اپنے آخری انجام کی طرف آگے بڑھتے رہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے اور وہاں پر دوسرے لوگوں کو بھی ہم نے دریا کے نزدیک کر دیا۔

اس طرح سے فرعونی لشکر بھی دریائی راستوں پر چل پڑے۔

(۶۵) یہ آیت کہتی ہے ہم نے موسیٰ اور ان تمام لوگوں کو نجات دی جو ان کے ساتھ تھے۔

(۶۶) ٹھیک اس وقت جبکہ بنی اسرائیل کا آخری فرد دریا سے نکل رہا تھا اور فرعونی لشکر کا آخری فرد اس میں داخل ہو رہا تھا ہم نے پانی کو حکم دیا کہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آ۔ اچانک موجیں ٹھاٹھیں مارنے لگیں اور فرعون اور اس کے لشکر کو گھاس پھونس اور تنکوں کی طرح بہا کر لے گئیں اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

قرآن نے ایک مختصر سی عبارت کے ساتھ یہ ماجرا یوں بیان کیا ہے پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

تو اس طرح سے سب کچھ ایک لمحے میں ختم ہو گیا قیدی غلام آزاد ہو گئے مغرور ظالم لوگ پھنس کر تباہ وبرباد ہو گئے تاریخ کا ورق الٹ گیا چکا چوند کرنے والا تمدن صفحۂ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا وہی تمدن جس کی بنیاد مستضعف لوگوں کے گھروں کو اجاڑ کر رکھی گئی تھی، مستکبرین کا دور ختم ہو گیا اور مستضعفین عالم ان کی املاک اور حکومت کے وارث بن گئے۔

(۶۷) تو جناب اس واقعے میں روشن نشانی اور عبرت کا درس عظیم ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے گویا ان کی آنکھیں بند، کان بہرے اور دل خواب غفلت میں سوئے ہوئے ہیں۔

جہاں فرعون اور فرعون کے ساتھی یہ عجیب وغریب منظر دیکھ کر ایمان نہیں لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی (اے پیغمبر!) اس مشرک

قوم پر تعجب نہ کریں اور ان کے ایمان نہ لانے پر پریشان نہ ہوں۔ اکثر کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فرعون کی قوم سے کچھ لوگوں نے حضرت موسیٰؑ کا دین قبول کرلیا تھا اور ان کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے تھے

یہ آیت ایک مختصر لیکن معنی سے بھرپور جملے میں خدا کی بے پناہ قدرت اور رحمت کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے۔

تمہارا پروردگار عزیز بھی ہے اور رحیم بھی۔

یہ اس کی عزت (غلبے کا کرشمہ ہی تو ہے کہ جب چاہے باغی اور مغرور قوموں کی نابودی کا حکم صادر کر دیتا ہے اور کسی ظالم و جابر قوم کی تباہی کیلئے اسے اس بات کی ضرورت نہیں کہ آسمان سے فرشتوں کے لشکر نازل کرے بلکہ جو پانی اس قوم کی زندگی کا سرمایہ ہوتا ہے اسے انہی لوگوں کی موت کا حکم دیتا ہے اور جو دریائے نیل فرعون اور اس کی قوم کا سرمایہ قدرت اور سبب ثروت ہو وہی ان کا قبرستان بن جاتا ہے۔

اس کی رحمت یہ ہے کہ وہ ایسے کام میں ہرگز جلدی نہیں کرتا بلکہ کئی کئی سال تک ڈھیل دیتا ہے معجزے دکھاتا اور اتمام حجت کرتا ہے اور یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ اس قسم کی ستم رسیدہ قوم کو اس طرح کے خودسر اور سرکش حکمرانوں کی غلامی سے نجات بخشتا ہے۔

(۶۹) وَ اتۡلُ عَلَیۡھِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰھِیۡمَ ۘ	اور ان کے سامنے ابراہیم کی خبر پڑھو۔
(۷۰) اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡهِ وَ قَوۡمِهٖ مَا تَعۡبُدُوۡنَ	جبکہ انہوں نے اپنے (منہ بولے) باپ اور اپنی قوم سے کہا: تم کس چیز کی پرستش کرتے ہو؟
(۷۱) قَالُوۡا نَعۡبُدُ اَصۡنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیۡنَ	انہوں نے کہا کہ ہم: بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور سارا سارا دن انہی کی پوجا میں لگے رہتے ہیں۔
(۷۲) قَالَ هَلۡ یَسۡمَعُوۡنَكُمۡ اِذۡ تَدۡعُوۡنَ ۙ	ابراہیم نے کہا: جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز بھی سنتے ہیں؟
(۷۳) اَوۡ یَنۡفَعُوۡنَكُمۡ اَوۡ یَضُرُّوۡنَ	یا تمہیں کوئی نفع یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں؟
(۷۴) قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفۡعَلُوۡنَ	انہوں نے کہا: ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو ایسے ہی کرتا ہوا پایا ہے۔
(۷۵) قَالَ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ۙ	ابراہیم بولے: کیا تم نے ان (چیزوں) کا مشاہدہ (بھی) کیا ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

(۷۶) اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ۫ۙ	تم اور تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد؟
(۷۷) فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ	وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے عالمین کے پروردگار کے۔
(۷۸) الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَهُوَ یَهۡدِیۡنِ ۙ	جس (خدا) نے مجھے پیدا کیا ہے وہی میری ہدایت فرماتا ہے۔
(۷۹) وَ الَّذِیۡ هُوَ یُطۡعِمُنِیۡ وَ یَسۡقِیۡنِ ۙ	وہی تو ہے جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔
(۸۰) وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ یَشۡفِیۡنِ ۪ۙ	اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفاء بھی دیتا ہے،
(۸۱) وَ الَّذِیۡ یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ ۙ	جو مجھے مارے گا بھی اور پھر زندہ بھی کرے گا۔
(۸۲) وَ الَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓـَٔتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ	اسی کے بارے میں مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن میرے گناہ بھی معاف کردے گا۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی عبرت آموز داستان کے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت بخش سرگزشت اور مشرکین سے ان کی محاذ آرائی کے واقعات کو بیان کرتا ہے اور داستان کا آغاز ابراہیم علیہ السلام کی اپنے چچا اور گمراہ قوم سے گفتگو کے ساتھ کرتا ہے۔

(۶۹) سب سے پہلے فرمایا گیا ہے ان کے سامنے ابراہیم کی خبر پڑھو۔

(۷۰) اس عظیم الشان پیغمبر سے متعلق تمام واقعات میں سے اس حصے کو زور دے کر بیان کیا گیا ہے جبکہ انہوں نے اپنے باپ (جیسے چچا) اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی پرستش کرتے ہو۔

(۷۱) چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں وہ فوراً بولے ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور سارا دن ان پر توجہ رکھتے ہیں اور نہایت ہی ادب اور احترام کے ساتھ ان کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

اس تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ فقط اپنے اس عمل پر شرمند نہیں تھے بلکہ اس پر فخر بھی کیا کرتے تھے

(۷۲) بہرحال ابراہیم علیہ السلام نے ان کی یہ باتیں سن کر ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کردی اور دوز بردست منطقی اور معتدل جملوں کے ذریعہ انہیں ایسی جگہ لا کھڑا کیا جہاں نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کے مصداق ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا تھا۔

آپ علیہ السلام نے ان سے فرمایا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری فریاد سنتے بھی ہیں؟

(۷۳) یا کیا وہ تمہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

کم ازکم جو چیز کسی معبود کیلئے ضروری ہے وہ یہی کہ اپنے عابد کی آواز سنے اور مصیبت میں اس کی مدد کو پہنچے یا کم ازکم اس کے فرمان کی مخالفت کا خطرہ ہو لیکن ان بتوں میں ذرہ بھر بھی درک وشعور نہیں پایا جاتا اور نہ ہی انسان کی زندگی کے بارے میں وہ کچھ بھی مؤثر ذرائع ہو سکتے ہیں۔

(۷۴) لیکن متعصب لوگ بجائے اس کے کہ اس منطقی سوال کا کوئی ٹھوس جواب دیتے وہی پرانا اور بار بار کا دہرایا ہوا جواب پیش کرتے ہیں انہوں نے کہا ایسی کوئی بات نہیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

ان کا یہ جواب اپنے جاہل اور نادان بزرگوں کی اندھی تقلید کو بیان کررہا ہے وہ جو جواب ابراہیم کو دے سکتے تھے یہی تھا اور بس۔ یہ ایسا جواب ہے جس کے بطلان کی دلیل خود اسی میں موجود ہے

(۷۵) اب جناب ابراہیمؑ اپنے تیز حملوں کا رخ بتوں کی طرف موڑ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں آیا تم نے ان چیزوں کا مشاہدہ بھی کیا ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

(۷۶) تم بھی اور تمہارے گزشتہ آباؤاجداد بھی۔

(۷۷) وہ سب کے سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔

جی ہاں! وہ سب میرے دشمن ہیں اور میں بھی ان سے صلح نہ کرنے والا ان کا دشمن ہوں۔

(۷۸) پھر ابراہیمؑ پروردگار عالم کی صفات اور اس کی مادی اور روحانی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ ان بتوں سے موازنہ کیا جا سکے جو نہ تو اپنے عبادت کرنے والوں کی آواز سنتے ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

سب سے پہلے وہ آفرینش اور ہدایت جیسی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں وہ خدا تو وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرتا ہے۔

(۷۹) ربوبیت کے پہلے مرحلے یعنی تخلیق وہدایت کے بیان کے بعد مادی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں وہ وہی تو ہے جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔

جی ہاں! میں اپنی ساری نعمتیں اسی کی طرف سے سمجھتا ہوں میرا گوشت پوست اور میرا دانہ پانی سب اسی کی طرف سے ہے۔

(۸۰) نہ صرف صحت اور تندرستی کی حالت میں اس کی نعمتیں میرے شامل حال ہیں بلکہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء عنایت فرماتا ہے۔

باوجود یہ کہ کبھی کبھی بیماری بھی خدا کی طرف سے ہوتی ہے لیکن گفتگو میں آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے بھی اپنی طرف نسبت دی ہے۔

(۸۱) دنیاوی زندگی کے مراحل کے بعد قدم کو اور آگے بڑھاتے ہوئے جہان آخرت کی حیات جاوید کا تذکرہ فرماتے ہیں

تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہر جگہ پر میں اس کے خوان نعمت سے پرورش پا رہا ہوں نہ صرف دنیاوی زندگی میں بلکہ آخرت کے عالم میں بھی چنانچہ فرماتے ہیں وہ خدا ایسا ہے جو مجھے مارے گا بھی اور پھر دوبارہ زندہ بھی کرے گا۔

جی ہاں! میری موت بھی اسی کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد پھر نئی زندگی بھی اسی کی جانب سے ہے۔

(۸۲) اور جب میں عرصہ محشر میں قدم رکھوں گا تو میری چشم امید پھر بھی اسی پر ہو گی کیونکہ وہ وہی تو ہے جس کے بارے میں مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے گناہ معاف کر دے گا۔

اس میں شک نہیں کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور ان کا کوئی گناہ ہی نہیں ہوتا کہ جس کے بخشے جانے کی ضرورت ہو لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ بعض اوقات "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے مصداق نیک لوگوں کی کئی اچھائیاں، مقربین بارگاہ کیلئے گناہ شمار کی جاتی ہیں اور ان کے مقام عظمت کے پیش نظر ان کا ایک اچھا کام بھی قابل مواخذہ ہوتا ہے کیونکہ اس اچھے کام نے اس سے بہتر کے انجام دینے سے روک دیا ہے اسی لئے اسے ترک اولی کا نام دیا جاتا ہے۔

(۸۳) رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۙ	پروردگارا! مجھے علم و دانش عطا فرما اور مجھے صالحین سے ملحق کر دے۔
(۸۴) وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۙ	اور میرے لئے آنے والی اُمتوں میں سچی زبان (اور ذکر خیر) قرار دے۔
(۸۵) وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۙ	اور مجھے نعمتوں سے بھرپور بہشت کے وارثوں سے بنا دے۔
(۸۶) وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۙ	اور میرے باپ (کی مانند چچا) کو بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔
(۸۷) وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۙ	اور جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے (اس دن) مجھے شرمندہ اور رسوا نہ کر۔

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہم دعائیں

اس مقام پر جناب ابراہیم علیہ السلام کی اپنے اللہ سے دعاؤں اور اس کی بارگاہ میں درخواستوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے گویا اس گمراہ قوم کو خدا کی طرف دعوت دینے اور کائنات میں اس کی ربوبیت مطلقہ پر ایک اور تاکید بھی ہے۔

بارگاہ رب العزت میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی سب سے پہلی درخواست یہ ہے پروردگارا! مجھے علم و دانش (اور حق بینی کی

نعمت) عطا فرما اور صالح افراد کے ساتھ ملحق فرمادے۔

اس درخواست کے بعد خدا سے صالحین کے ساتھ ملحق ہونے کی درخواست کرتے ہیں جو عملی پہلو کی جانب اشارہ ہے جسے اصطلاح میں حکمت عملی کہتے ہیں اور یہ سابقہ درخواست کا نقطہ مقابل ہے جسے اصطلاح میں حکمت نظری کہتے ہیں۔

نہ تو حکمت کی کوئی حد مقرر ہے اور نہ ہی صالح ہونے کی حد معین ہے ان کی درخواست کا مقصد یہ ہے کہ روز بروز علم و عمل کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند مرتبے تک پہنچتے رہیں

(۸۴) ان دو درخواستوں کے بعد ایک اور اہم درخواست ان لفظوں میں کرتے ہیں خداوندا! آنیوالی امتوں میں میرے لئے لسانی صدق اور ذکر خیر مقرر فرما۔

اس طرح کر دے کہ میری یاد دلوں میں باقی رہ جائے اور میرا مقرر کردہ طریقہ کار آنے والی نسلوں میں دائم و برقرار رہے۔ میں ایک اسوہ اور نمونہ عمل قرار پاؤں کہ لوگ میری اقتداء کریں میرے ہاتھوں ایسے مکتب کی بنیاد رکھ جس سے لوگ تیرے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں۔

(۸۵) اس کے بعد آپ علیہ السلام اپنی نگاہوں کے افق کو تبدیل کر کے آخرت کی جاودانی زندگی کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں اور چوتھی دعا کیلئے عرض کرتے ہیں۔

خداوندا! مجھے بہشت بریں کے وارثوں میں سے قرار دے۔

ایسی بہشت جس میں روحانی اور مادی نعمتیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں جن کو نہ تو کسی قسم کا زوال ہے اور نہ ہی وہاں پر کسی طرح کا رنج و ملال ہے ایسی نعمتیں جو ہم جیسے اس پست جہان کے قیدیوں کیلئے ذرہ برابر بھی قابل ادارک نہیں نہ تو انہیں عقل سوچ سکتی ہے نہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا ہے اور نہ ہی کسی کان نے سنا ہے۔

(۸۶) پانچویں دعا میں ان کی نظر اپنے گمراہ چچا (آزر) کی طرف اٹھتی ہے چنانچہ اس وعدے کی بناء پر جو آپ علیہ السلام نے ان سے دعائے مغفرت کیلئے پہلے سے کیا ہوا تھا بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں خداوندا! میرے باپ کی مانند چچا کو بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔

(۸۷) آخر کار روز محشر کے بارے میں اپنے رب سے ان الفاظ میں چھٹی اور آخری دعا مانگتے ہیں خداوندا! مجھے اس دن شرمسار اور رسوا نہ کرنا جس دن سب لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ تعبیر ایک طرف تو دوسروں کیلئے درس عمل اور اسوہ حسنہ ہے اور دوسری طرف اپنی ذمہ داری اک زبردست احساس اور خداوند عالم کے لطف و کرم پر حد درجہ بھروسے کی دلیل ہے۔

(۸۸) یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوۡنَ ۙ	جس دن مال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

(۸۹) اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ؕ	مگر جو شخص قلبِ سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو۔
(۹۰) وَ اُزۡلِفَتِ الۡجَنَّۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ	(اس دن) بہشت پرہیزگاروں کے نزدیک کردیجائے گی
(۹۱) وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ ۙ	اور جہنم گمراہ لوگوں کیلئے ظاہر ہوجائے گی
(۹۲) وَ قِیۡلَ لَہُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ۙ	اوران سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ معبود جن کی پرستش کیا کرتے تھے۔
(۹۳) مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ ہَلۡ یَنۡصُرُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ؕ	خدا کے علاوہ (دوسرے) معبود؟ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا کوئی ان کی مدد کو آئے گا؟
(۹۴)فَکُبۡکِبُوۡا فِیۡہَا ہُمۡ وَ الۡغَاوٗنَ ۙ	پس اس وقت تمام معبود (گمراہ) عابدوں کے ساتھ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔
(۹۵) وَ جُنُوۡدُ اِبۡلِیۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ؕ	اوراسی طرح ابلیس کے سارے کے سارے لشکر بھی۔
(۹۶) قَالُوۡا وَ ہُمۡ فِیۡہَا یَخۡتَصِمُوۡنَ ۙ	وہ وہاں پر جھگڑے پر کمربستہ ہوکر کہیں گے:
(۹۷) تَاللّٰہِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ	خدا کی! قسم ہم تو واضح گمراہی میں تھے۔
(۹۸) اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ	کیونکہ تمہیں عالمین کے رب کے برابر سمجھتے تھے۔
(۹۹) وَ مَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ	لیکن ہمیں تو سوائے مجرمین کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا۔
(۱۰۰) فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ ۙ	(افسوس کہ آج) ہماری شفاعت کرنے والے موجود نہیں۔
(۱۰۱)وَ لَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ	اور نہ ہی کوئی گرمجوش اور محبت بھرا دوست ہے۔
(۱۰۲) فَلَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	اگر ہم دوبارہ دنیا کی طرف پلٹ جائیں تو مومنین میں سے ہوجائیں گے۔

(۱۰۳) اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ	اس ماجرے میں (عبرت اور) نشانی ہے، لیکن ان میں سے اکثر مومن نہیں تھے۔
(۱۰۴) وَ اِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۠	اور تمہارا پروردگار عزیز اور رحیم ہے۔

تفسیر

معبودوں اور گمراہ عابدوں کا جھگڑا

گزشتہ گفتگو کی آیت میں روز قیامت اور معاد کے مسئلے کی طرف ایک مختصر سا اشارہ تھا لیکن یہاں چند ایک آیات میں قیامت کے منظر کی جامع تصویر کشی کی گئی ہے اور اس بازار میں جس اہم ترین سودے کے خریدار پائے جاتے ہیں اس کا بھی ذکر موجود ہے اور مومن کافر، گمراہ اور شیطانی ٹولے کے افراد کا بھی ذکر ہے

صورت حال خواہ کچھ ہو قرآن سب سے پہلے کہتا ہے قیامت کا دن وہ دن ہے جس میں کوئی بھی مال اور اولاد کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

درحقیقت جب دنیاوی زندگی کے دو اہم سرمائے یعنی مال اور افرادی قوت اپنے صاحب کیلئے ذرہ بھر بھی مفید ثابت نہیں ہوں گے تو صاف ظاہر ہے کہ باقی دنیاوی سرمایہ جس کا شمار ان کے بعد ہوتا ہے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

ظاہر ہے کہ یہاں پر مال اور اولاد سے مراد ایسا مال اور اولاد نہیں ہے جس سے رضائے الٰہی کے حصول کا کام لیا جائے۔

(۸۹) پھر استثناء کے عنوان سے بات کو آگے بڑھاتا ہے مگر جو شخص قلب سلیم لے کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو (اس کا دل ہر قسم کے شرک و کفر اور گناہوں کی آلائش سے پاک صاف اور صحیح وسالم ہو۔

تو معلوم ہوا کہ قیامت کے دن جو سرمایہ نجات دے گا وہ قلب سلیم ہے اور بس۔ کیا ہی جامع اور عمدہ تعبیر ہے یہ ایک ایسی تعبیر ہے جس میں خالص ایمان بھی پایا جاتا ہے اور پاک نیت اور ہر قسم کا نیک عمل بھی۔ کیونکہ اس طرح کے پاک و پاکیزہ دل کا ثمرہ بھی پاک اور پاکیزہ ہوگا۔

(۹۰) پھر جنت اور جہنم کی تشریح کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے اس وقت بہشت پرہیزگاروں کے نزدیک کردی جائے گی۔

(۹۱) اور جہنم گمراہ لوگوں کیلئے ظاہر ہوگی۔

درحقیقت یہ سب کچھ ان لوگوں کے جنت یا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا اور ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانے کا منظر نزدیک سے دیکھ لے گا۔ مومن مسرور وشادمان اور گمراہ مبہوت ووحشت زدہ ہوجائیں گے اور یہ ان کی پاداش اور جزا وسزا کا پہلا مرحلہ ہوگا۔

(۹۲) پھر اس گفتگو کا تذکرہ کرتا ہے جس کے ذریعے اس گمراہ گروہ کو سرزنش اور عتاب کیا جائے گا فرماتا ہے انہیں کہا جائے گا کہاں ہیں تمہارے وہ معبود کہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔

(۹۳) وہی معبود جو خدا کے علاوہ تھے۔

اب جبکہ ان شدید مصائب اور سختیوں میں تم گھرے ہوئے ہو تو کیا وہ تمہاری مدد کر رہے ہیں۔

کسی کو تمہاری امداد کیلئے بلا رہے ہیں یا کوئی ان کی امداد کو آ رہا ہے۔

لیکن وہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور نہ ہی کسی کو ان سے اس قسم کی توقع ہے۔

(۹۴) اس موقع پر تمام معبودوں کو اکٹھا کر کے ان کے گمراہ عابدوں کے ساتھ انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(۹۵) اور اسی طرح ابلیس کے لشکری تمام کے تمام۔

درحقیقت یہ تینوں گروہ یعنی بت بتوں کے پجاری اور شیطان کے لشکری جو کہ ان گناہوں کے دلال ہیں سب کے سب دوزخ میں جمع کیے جائیں گے لیکن اس طرح کہ انہیں یکے بعد دیگرے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

(۹۶) لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے بعد ان جہنمیوں کی باہمی تلخ کلامی اور جھگڑے فساد کی منظر کشی کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے وہ جہنم میں آپس میں لڑائی جھگڑا کریں گے اور کہیں گے۔

(۹۷) جی ہاں! وہ گمراہ عابد کہیں گے خدا کی قسم ہم تو کھلم کھلا گمراہی میں تھے۔

(۹۸) کیونکہ ہم جھوٹے معبودوں کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے۔

(۹۹) لیکن سوائے مجرمین کے ہمیں کسی نے بھی گمراہ نہیں کیا۔

وہی مجرمین جو ہمارے معاشرے کے سرغنے تھے اور جنہوں نے اپنے مفادات کی خاطر ہمیں قربانی کا بکرا بنایا اور بدبختی کے اس مقام پر لے آئے۔

(۱۰۰) لیکن افسوس کہ ہماری شفاعت کرنے والا موجود نہیں۔

(۱۰۱) اور نہ ہی کوئی گرم جوش اور محبت کرنے والا دوست ہے جو ہماری مدد کر سکے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح ہم دنیا میں سمجھتے تھے کہ ہمارے معبود ہماری مدد کریں گے لیکن ایسا نہیں ہے اور وہ ہماری مدد نہیں کر رہے اور نہ ہی ہمارے دوستوں میں مدد کا یارا ہے۔

(۱۰۲) لیکن بہت جلد ان کو اس حقیقت کا پتہ چل جائے گا کہ اب افسوس کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی وہاں پر کوئی نیک عمل کر کے اپنی کوتاہیوں کی تلافی کی جا سکتی ہے لہٰذا وہ دنیا میں واپس آنے کی آرزو کریں گے اور کہیں گے اگر ہم دوبارہ دنیا میں پلٹ جائیں تو مومنوں میں سے ہوں گے۔

(۱۰۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گمراہ قوم کے ساتھ گفتگو بارگاہ رب العزت میں ان کی دعا اور روز قیامت کی کیفیت بیان

کرنے کے بعد خداوند عالم نے تمام لوگوں کیلئے نتیجہ کے طور پر آخر میں وہی دو آیات ذکر کی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی داستان کے آخر میں ذکر کی ہیں اور اسی سورہ میں دوسرے انبیاء کی داستانوں میں بھی آئی ہیں چنانچہ فرمایا گیا ہے اس ماجرے میں خدا کی عظمت و قدرت اور گمراہ لوگوں کے دردناک انجام اور مومنین کی کامیابی میں بہت بڑی نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر مومن نہیں تھے۔

(۱۰۴) اور تمہارا پروردگار نا قابل تسخیر اور بے حد مہربان ہے۔

اس قسم کے جملوں کو بار بار اس لئے دہرایا جاتا ہے تا کہ اس طرح سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس زمانے کے تھوڑے سے مسلمانوں کی تسلی خاطر کے اسباب فراہم کیے جاسکیں نیز اس لئے بھی کہ کسی دور میں بھی مومن اقلیت گمراہ اکثریت سے وحشت نہ کرے اور خدا کی عزت و رحمت کے ذریعے اپنے آپ کو مشغول اور سرگرم رکھے نیز یہ گمراہ لوگوں کیلئے ایک قسم کی تنبیہ اور اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اگر انہیں کچھ ڈھیل دی جارہی ہے تو اس لئے نہیں کہ خداوند عالم کمزور ہے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ رحیم ہے۔

(۱۰۵) كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ﹰالْمُرْسَلِينَ ج صلے	نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔
(۱۰۶) اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ نُوحٌ اَلَا تَتَّقُونَ ج	جب ان کے بھائی نوح نے انہیں کہا: کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟
(۱۰۷) اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ لا	میں تمہارے لئے رسول امین ہوں
(۱۰۸) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُونِ ج	تو خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔
(۱۰۹) وَ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ج اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ج	اس تبلیغ رسالت کے بدلہ میں، میں تم سے کسی قسم کا اجر (اور معاوضہ) نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو میرے پروردگار ہی کے پاس ہے۔
(۱۱۰) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُونِ ط	پس خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔
(۱۱۱) قَالُوٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُونَ ط	انہوں نے کہا: کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں جبکہ پست لوگ تیری پیروی کر چکے ہیں؟
(۱۱۲) قَالَ وَ مَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ج	(نوح نے) کہا: مجھے کیا معلوم ان کے عمل کیسے ہیں؟

(۱۱۳) اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۚ	ان کا حساب وکتاب تو میرے پروردگار کے ذمّہ ہے، اگر تم سمجھ دار ہو۔
(۱۱۴) وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	میں کبھی بھی مومنین کو نہیں دھتکاروں گا۔
(۱۱۵) اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ؕ	میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

تفسیر

نوح علیہ السلام کے گرد افراد

قرآن مجید جناب ابراہیم علیہ السلام کی داستان اوران کی اپنی گمراہ قوم کے ساتھ گفتگو کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ کرتا ہےاوراسے ایک اور سبق آموز داستان کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

سب سے پہلے کہتا ہےقوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔

معلوم ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف نوح علیہ السلام کی ہی تکذیب کی تھی لیکن چونکہ اصولی طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک ہوتی ہے

(۱۰۶) پھرابراہیم علیہ السلام اورموسیٰ علیہ السلام کی طرح ان کی زندگی کا بلند نصب العین بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہےاس وقت کو یاد کروجب ان کے بھائی نوح نے انہیں کہا کیاتم پرہیز گاری اختیارنہیں کرتے ہو۔

بھائی کی تعبیرایسی ہے جومساوات اور برابری کی بنیاد پرایک نہایت ہی محبت آمیز تعلق کوظاہر کرتی ہے

اخوت کی تعبیرصرف حضرت نوح علیہ السلام ہی کیلئے نہیں آئی بلکہ ہود علیہ السلام صالح علیہ السلام اورلوط علیہ السلام جیسے دوسرے انبیاء کیلئے بھی آئی ہے جوراہ حق کے تمام راہنماؤں کی راہنمائی کررہی ہے کہ ان کی دعوت نہایت ہی پیار محبت اور عزم وخلوص پرمبنی ہونی چاہئے اور ہرقسم کی فوقیت طلبی سے دوری اختیار کرنی چاہئے تا کہ دین حق سے دور بھاگے ہوئے دل زیادہ سے زیادہ نزدیک آ جائیں اور کسی قسم کا بوجھ بھی اپنے لئے محسوس نہ کریں۔

(۱۰۷) چونکہ ہرقسم کی ہدایت اورمکمل نجات کا دارومدارتقویٰ پر ہے لہٰذا اسے پہلے بیان کرنے کے بعدفرمایا گیا ہے میں تمہارے لئے اللہ کاامین رسول ہوں۔

(۱۰۸) خدا سے ڈروتقویٰ اپناؤاورمیری اطاعت کرو۔

(۱۰۹)ایک بارپھرحضرت نوح علیہ السلام اپنی نبوت کی حقانیت پرایک اوردلیل پیش کرتے ہیں۔یہ ایسی دلیل ہےجس سے بہانہ بنانے والےلوگ جن کی زبان بندکردیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں میں تم سےاس دعوت کےعوض میں کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔

میرا اجر تو پروردگار عالم کے ذمے ہے۔

(۱۱۰) اس جملے کے بعد پھر وہی جملہ کہتے ہیں جو انہوں نے اپنی رسالت اور امانت کو بیدار کرنے کے بعد کہا تھا فرماتے ہیں خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۱۱۱) لیکن ہٹ دھرم مشرکین اور خودسر مستکبرین نے جب بہانہ تراشیوں کی تمام راہیں اپنے اوپر بند دیکھیں تو یہ بہانا بنانا شروع کر دیا اور کہا آیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں جب کہ پست اور ذلیل لوگ تیری پیروی کر چکے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہ اپنی اس بات میں سچے تھے کہ کسی پیشوا کو اس کے پیروکاروں سے پہچانا جاتا ہے لیکن ان کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے شخصیت کے مفہوم اور معیار کو اچھی طرح نہیں پہچانا تھا۔ ان کے نزدیک شخصیت کا معیار مال، دولت لباس اور گھر اور خوبصورت اور قیمتی سواری تھا لیکن طہارت، تقویٰ، حق جوئی جیسی اعلیٰ انسانی صفات سے غافل تھے جو غریبوں میں زیادہ اور امیر میں کم پائی جاتی ہیں۔

(۱۱۲) لیکن نوح علیہ السلام انہیں یہ کہہ کر فوراً لا جواب کر دیتے ہیں کہ میرا کام تو حق کی طرف دعوت دینا اور معاشرے کی اصلاح کرنا ہے میں کیا جانوں کہ وہ کیا کرتے تھے۔

ان کا ماضی جو کچھ تھا وہ گزر چکا معیار موجودہ حالت ہے اور آج انہوں نے خدائی راہبر کی دعوت کو لبیک کہا ہے۔

اپنی اصلاح کے لئے تیار ہو گئے ہیں اور اپنے دل کو حق کے قبضہ قدرت میں دے دیا ہے۔

(۱۱۳) انہوں نے گزشتہ زمانے میں اچھا یا برا کام کیا ہے تو ان کا حساب و کتاب میرے پروردگار کے پاس ہے اگر تم کچھ سمجھدار ہو اور تمہارے اندر قوت تمیز موجود ہے۔

(۱۱۴) جو میرا فریضہ بنتا ہے وہ یہی ہے کہ میری دعوت سب حق طلب انسانوں کیلئے ہے میں کبھی ایمان لانے والوں کو دھتکاروں گا نہیں۔

(۱۱۵) میرا فریضہ صرف یہی ہے کہ لوگوں کو ڈراؤں میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

جو شخص میری اس تنبیہ کو سنے اور کجروی سے صراط مستقیم پر آ جائے تو وہ میرا پیروکار ہے۔ خواہ کوئی ہو اور اس کی مادی اور اجتماعی کیفیت خواہ کیسی ہی ہو۔

(۱۱۶) قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ؕ	انہوں نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو سنگسار کیے جاؤ گے۔
(۱۱۷) قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ۚۖ	(نوح نے) کہا: پروردگارا! میری قوم نے میری تکذیب کی ہے۔

(۱۱۸) فَافۡتَحۡ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّ نَجِّنِیۡ وَ مَنۡ مَّعِیَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	اب میرے اوران کے درمیان جدائی ڈال دے (اور فیصلہ فرما دے) اور مجھے اور جو مومنین میرے ساتھ ہیں ان کو نجات عطا فرما۔
(۱۱۹) فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَ مَنۡ مَّعَهٗ فِی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۚ	ہم نے نوح اور جو (لوگ اور جانور کشتی میں) ان کے ساتھ تھے، سب کو نجات دی۔
(۱۲۰) ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبَاقِیۡنَ ؕ	پھر باقی سب کو غرق کر دیا۔
(۱۲۱) اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ	اس واقعے میں (سب کیلئے) واضح نشانی ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے۔
(۱۲۲) وَ اِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۠	اور تمہارا پروردگار عزیز و رحیم ہے۔

تفسیر

نوح علیہ السلام نجات پا گئے اور مشرک غرق ہو گئے

حضرت نوح علیہ السلام کے سامنے اس گمراہ اور ہٹ دھرم قوم کا ردعمل بھی وہی ہے جو تاریخ میں دوسرے مستکبرین کا رہا ہے یعنی وہی طاقت، اکڑ اور جان سے مار دینے کی دھمکی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم والے بولے اے نوح! اب تک جو کچھ ہوا ہے کافی ہے اگر تم اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے اور ہمارے ماحول کو اپنی گفتگو سے پھر تلخ اور تاریک بنایا تو یقیناً تمہیں سنگسار کیا جائے گا۔

(۱۱۷) جب نوح علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ اس قدر مدت تک میں انہیں دعوت دیتا رہا ہوں اس واضح منطق کے ساتھ ان سے گفتگو کرتا رہا ہوں اور صبر و شکیبائی کی بھی حد کر دی، اس کے باوجود اس کا اثر صرف محدود سے چند لوگوں پر ہی ہوا ہے لہٰذا انہوں نے اپنی شکایت اللہ کی بارگاہ میں پیش کر دی جس میں اپنا مفصل حال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان بے منطق ظالم لوگوں کے چنگل سے نجات اور ان سے جدائی کی درخواست بھی کی۔

انہوں نے عرض کیا پروردگارا! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔

(۱۱۸) پھر عرض کرتے ہیں اب جبکہ اس گمراہ ٹولی کیلئے ہدایات کا کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا تو میرے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے اور ہمارے درمیان تو خود ہی فیصلہ فرما دے۔

(۱۱۹) پھر وہ بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں مجھے اور جو مومنین میرے ساتھ ہیں انہیں نجات دے۔

اب یہاں پر رحمت الٰہی جناب نوح علیہ السلام کی مدد کو پہنچتی ہے اور دردناک سزا کی وعید جھٹلانے والوں کو تلاش کرتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ہم نے انہیں بھی اور جو لوگ ان کے ہمراہ کشتی میں تھے اور وہ انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی تھی سب کو نجات عطا کی۔

(۱۲۰) پھر دوسرے سب لوگوں کو غرق اور فنا کر دیا۔

(۱۲۱) اس تمام واقعے کے آخر میں قرآن وہی کہتا ہے جو جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب ابراہیم علیہ السلام کے ماجرے کے آخر میں کہا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

نوح کی داستان، ان کی متواتر دعوت حق، ان کا صبر و شکیبائی اور آخر کار ان کی مخالفین کی غرقابی اور تباہی و بربادی میں سب لوگوں کے لئے آیت اور نشانی ہے۔

ہر چند کہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔

بنابریں آپ بھی اے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی قوم کے مشرکین کی سخت مزاجی، ترشروئی اور روگردانی سے پریشان نہ ہوں صبر کا مظاہرہ کریں کیونکہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کا انجام بھی وہی ہوگا جو نوح اور ان کے ساتھیوں کا ہوا اور گمراہوں کا انجام وہی ہوگا جو غرق ہونے والوں کا ہوا۔

(۱۲۲) اور جان لو تمہارا پروردگار ناقابل شکست اور رحیم ہے۔

اس کی رحمت اس بات کی متقاضی ہے کہ انہیں بڑی حد تک مہلت عطا فرمائے اور اتمام حجت کرے اور ان کی عزت اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ انجام کار آپ کو کامیاب اور آپ کے دشمنوں کو شکست سے دوچار کر دے۔

(۱۲۳) كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ	قوم عاد نے (خدا کے) رسولوں کو جھٹلایا۔
(۱۲۴) اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ	جبکہ ان کے بھائی ہود نے کہا: کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟
(۱۲۵) اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ	میں تمہارے لئے امین رسول ہوں۔
(۱۲۶) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ	خدائی تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔
(۱۲۷) وَمَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ	میں اس دعوت کے بدلے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف عالمین کے رب کے ذمّے ہے۔

(۱۲۸) اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ۙ	کیاتم ہر بلند مقام پر اپنی خواہش کی ایک ایک نشانی بناتے ہو۔
(۱۲۹) وَ تَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ۚ	خوبصورت اور مضبوط قلعے اور محلّات تعمیر کرتے ہو گویا تم نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے؟
(۱۳۰) وَ اِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ ۚ	جب تم کسی کو سزا دیتے ہو تو جابر لوگوں کی طرح سزا دیتے ہو۔
(۱۳۱) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوۡنِ ۚ	خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
(۱۳۲) وَ اتَّقُوا الَّذِىۡۤ اَمَدَّكُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ۚ	تم اس خدا سے ڈرو جس نے تمہاری ان نعمتوں سے امداد کی جنہیں تم جانتے ہو۔
(۱۳۳) اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّ بَنِيۡنَ ۚۙ	تمہاری چوپایوں اور (لائق وار جمند) اولاد کے ذریعہ امداد فرمائی۔
(۱۳۴) وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوۡنٍ ۚ	اس طرح باغوں اور چشموں کے ذریعے۔
(۱۳۵) اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ؕ	(اگر تم کفران کرو تو) میں تم پر عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

تفسیر

قوم عاد کے جرائم اور بے راہروی

اب قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی باری آتی ہے اور اٹھارہ آیتوں میں ان کی مختصر سی سوانخ، انجام اور اس سے حاصل ہونے والے عبرت آموز سبق بیان فرمائے جاتے ہیں۔

سرکش قوم نے ....جیسا کہ قرآن کہتا ہے..........خدا کے رسولوں کو جھٹلایا۔

اگرچہ انہوں نے صرف حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تھی لیکن چونکہ ہود کی دعوت تمام انبیاء الٰہی کی دعوت تھی لہٰذا انہوں نے گویا تمام انبیاء کی تکذیب کی۔

(۱۲۴) اس اجمالی ذکر کے بعد اب اس کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا گیا ہے جبکہ ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے کہا آیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔

چونکہ حضرت ہود علیہ السلام انہیں ایک بھائی کی مانند نہایت ہمدردی اور مہربانی کی صورت میں توحید و تقویٰ اور حق کی جانب دعوت

دیتے رہے لہٰذا یہاں پر ''اخ'' (بھائی) کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔

(۱۲۵) پھرانہوں نے فرمایا میں تمہارے لئے امین رسول ہوں۔

تمہارے درمیان میری زندگی کا سابقہ ریکارڈ اس حقیقت کا گواہ ہے کہ میں نے کبھی بھی خیانت کا راستہ نہیں اپنایا اور حق و صداقت کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں تھا۔

(۱۲۶) اسی بات پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں جب صورت حال یہ ہے اور تم بھی اس سے بخوبی آگاہ ہو تو خدا سے ڈرو اور پرہیزگاری اختیار کرو اور میری اطاعت کرو کیونکہ میری اطاعت درحقیقت خدا کی اطاعت ہے۔

(۱۲۷) اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں حصول زر کیلئے ایسا کر رہا ہوں اور یہ سب کچھ مال و دولت اور مقام و منصب تک پہنچنے کا ایک مقدمہ ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس دعوت کے بدلے تم سے ذرہ برابر بھی اجر نہیں مانگتا۔

میرا اجر تو بس پروردگار عالم کے پاس ہی ہے۔

تمام برکتیں اور نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو صرف اسی سے مانگتا ہوں کیونکہ ہم سب کا پروردگار وہی ہے۔

(۱۲۸) قرآن مجید نے حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کی اس داستان کو بالترتیب چار حصوں میں تقسیم کیا ہے سب سے پہلے تو حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کے مندرجات کو بیان کیا ہے جو توحید اور تقویٰ پر مشتمل ہے اس کو ہم ابھی پڑھ چکے ہیں۔

پھر ان کے ناشائستہ افعال اور ٹیڑھے پن کو بیان کرتے ہوئے انہیں تین موضوعات کی یاد دہانی کراتا ہے استفہام انکار کی صورت میں انہیں جناب ہود علیہ السلام مخاطب کر کے فرماتے ہیں کیا تم ہر بلند مقام پر اپنی خواہشات کی ایک نشانی بناتے ہو۔

اس مالدار اور ثروت مند قوم نے دوسروں پر اپنی خودنمائی، فخر اور بڑائی جتانے کیلئے پہاڑ کی بلندیوں اور اونچے اونچے ٹیلوں پر (برجوں وغیرہ کی مانند) عمارتیں بنا رکھی تھیں جن سے وہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

(۱۲۹) ایک بار پھر ان پر تنقید کا سلسلہ شروع ہوتا ہے فرماتے ہیں تم خوبصورت اور پختہ محلات اور قلعے تعمیر کرتے ہو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم لوگ اس دنیا میں ہمیشہ رہو گے۔

جب صورت حال یوں ہو تو اس قسم کی غافل کر دینے اور غرور پیدا کرنے والی عمارتیں یقیناً قابل مذمت ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ:

''قیامت کے روز ہر عمارت اپنے مالک کیلئے وبال جان بن جائے گی سوائے اس مقدار کے جو انسان کیلئے بہت ضروری ہوتی ہے''۔

(۱۳۰) اس کے بعد قوم عاد پر ایک اور تنقید کا ذکر ہوتا ہے کہ وہ لڑائی جھگڑے کے وقت بے رحمی کا مظاہرہ کرتی تھی ارشاد ہوتا ہے۔

جب تم کسی کو سزا دیتے ہو تو حد سے تجاوز کر جاتے ہو۔ اور ظالم و جابر لوگوں کی طرح سزا دیتے ہو۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ایسا کام کرے جس سے وہ سزا کا مستحق ہو لیکن اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تم حق اور عدالت سے تجاوز کر جاؤ

(۱۳۱) ان تینوں تنقیدات کے بعد انہیں ایک بار پھر تقویٰ کی دعوت دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو تم تقویٰ اختیار کرو اور خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۱۳۲) اب ہم حضرت ہود علیہ السلام کے بیان کے تیسرے حصے تک پہنچتے ہیں جس میں بندگان خدا پر نعمتوں کا ذکر ہے تاکہ اس طرح سے ان کی حس شکر گزاری کو متحرک کیا جاسکے اور وہ خدا کی طرف لوٹ آئیں۔

اس سلسلے میں اجمال اور تفصّل کی روش سے استفادہ کیا گیا ہے جو بحث کو دل نشین کرنے کیلئے بے حد مفید ہوتی ہے سب سے پہلے ان کی طرف روئے سخن کر کے فرماتے ہیں اس خدا سے ڈرو جس نے ایسی نعمتوں کے ساتھ تمہاری امداد کی ہے جو تم جانتے ہو اور اس نے وہ نعمتیں ہمیشہ سے تمہیں دے رکھی ہیں۔

(۱۳۳) پھر اس مختصر بیان کے بعد اس کی تشریح اور تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اس نے تمہیں چوپائے اور (لائق اور با آبرو) اولاد دے کر تمہاری امداد کی ہے۔

(۱۳۴) پھر فرماتے ہیں اور سرسبز اور تر و تازہ باغات اور جاری پانی کے چشمے تمہیں بخشے ہیں۔

بنابریں ہم نے افرادی قوت، زراعت، باغبانی، پرورش حیوانات اور ذرائع نقل و حمل کے لحاظ سے تمہیں خود کفیل اور بے نیاز کر دیا ہے تاکہ تم اپنی زندگی میں کسی بھی چیز کی کمی اور پریشانی کا احساس نہ کرو۔

لیکن کیا وجہ ہے کہ تم نے اس قدر نعمتیں عطا کرنے والے مالک کو فراموش کر دیا ہے اور رات دن جس کے خوان نعمت سے بہرہ ور ہو رہے ہو اسے نہیں پہچانا۔

(۱۳۵) پھر اپنی گفتگو کے آخری مرحلے پر پہنچ کر انہیں متنبہ کرتے اور عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم نعمت کا انکار کرو گے تو مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا خطرہ نظر آتا ہے۔

جس دن تم سب ظلم و ستم، غرور و تکبر ہوا و ہوس اور پروردگار سے دوری اور بیگانگی کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔

(۱۳۶) قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَ عَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۙ	(قوم عاد کے) ان افراد نے کہا: ہمارے لئے یکساں ہے کہ تم ہمیں نصیحت کرو یا نہ کرو۔
(۱۳۷) اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۙ	یہ وہی پہلے والے لوگوں کا طریقہ کار ہے۔
(۱۳۸) وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۚ	ہمیں ہرگز عذاب نہیں ہوگا۔

(۱۳۹) فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ	انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے بھی انہیں ہلاک کر دیا، اور اس میں (صاحبانِ علم کیلئے) آیت اور نشانی ہے لیکن ان میں سے اکثر مومن نہیں تھے۔
(۱۴۰) وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۠	اور تمہارا پروردگار عزیز اور رحیم ہے۔

تفسیر

نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی

گزشتہ آیات میں ہم نے خدا کے مہربان نبی کی اپنی سرکش قوم کے ساتھ مدلل گفتگو کا تذکرہ پڑھا۔ اب ہم اس قوم کے نامعقول اور اذیت ناک جوابات کا مطالعہ کریں گے قرآن کہتا ہے انہوں نے جواب میں کہا تم خود کو مزید نہ تھکاؤ ہمارے لئے یکساں ہے کہ خواہ ہمیں نصیحت کریں یا نہ کریں ہمارے دل میں ذرہ بھر اس کا اثر نہیں ہوگا۔

(۱۳۷) لیکن یہ اعتراض جو تم ہم پر کرتے ہو تو یہ تمہارا بے جا اعتراض ہے کیونکہ یہ تو گزشتہ لوگوں کا طریقہ کار ہے۔

(۱۳۸) اور تمہارے قول کے برعکس ہمیں کبھی بھی عذاب نہیں ہوگا، نہ اس دنیا میں اور نہ ہی کسی اور جہان میں۔

(۱۳۹) اس کے بعد قرآن مجید اس قوم کا دردناک انجام ان لفظوں میں بیان کرتا ہے ان لوگوں نے ہود کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

اس داستان کے اختتام پر پھر وہی دو عبرت انگیز جملے کہے جاتے ہیں جو جناب نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی داستانوں کے آخر میں کہے گئے ہیں فرمایا گیا ہے اس سرگزشت میں قدرت خدا، انبیاء کی استقامت اور سرکش اور جابر لوگوں کے انجام کی واضح اور روشن نشانی ہے لیکن پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔

(۱۴۰) اور تمہارا پروردگار طاقتور اور ناقابل تسخیر اور رحیم و مہربان ہے۔

کافی حد تک ڈھیل دیتا ہے مہلت عطا کرتا ہے گمراہ لوگوں کیلئے روشن دلائل پیش کرتا ہے لیکن جب سزا دینے پر اترتا ہے تو یوں سخت گرفتار کرتا ہے کہ کسی کے لئے مجال فرار باقی نہیں رہ جاتی۔

(۱۴۱) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ۚۖ	قومِ ثمود نے (خدا کے) رسولوں کو جھٹلایا
(۱۴۲) اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ	جبکہ ان کے بھائی (اور ہمدرد) صالح نے انہیں کہا: کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو؟

(۱۴۳) اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ	میں تمہارے لئے اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔
(۱۴۴) فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۚ	خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
(۱۴۵) وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ	میں اس دعوت کے بدلے تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میری اُجرت تو صرف عالمین کے رب کے پاس ہے۔
(۱۴۶) اَتُتۡرَکُوۡنَ فِیۡ مَا ہٰہُنَاۤ اٰمِنِیۡنَ ۙ	کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمیشہ نہایت ہی امن وسکون اور نعمتوں میں یہاں رہو گے۔
(۱۴۷) فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ۙ	ان باغات اور چشموں میں۔
(۱۴۸) وَّ زُرُوۡعٍ وَّ نَخۡلٍ طَلۡعُہَا ہَضِیۡمٌ ۚ	اِن زراعتوں اور کھجور کے درختوں میں کہ جن کے پھل میٹھے اور پکے ہوئے ہیں؟
(۱۴۹) وَ تَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا فٰرِہِیۡنَ ۚ	تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو اور ان میں عیاشی کرتے ہو۔
(۱۵۰) فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۚ	خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
(۱۵۱) وَ لَا تُطِیۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۙ	اور مُسرف لوگوں کا کہنا نہ مانو۔
(۱۵۲) الَّذِیۡنَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا یُصۡلِحُوۡنَ	وہی جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

تفسیر

مسرفین کی اطاعت نہ کرو

اس سورت میں بیان ہونے والی انبیاء کی داستان کا یہ پانچواں حصہ ہے جس میں قوم ثمود اور اس کے پیغمبر جناب صالح علیہ السلام کی مختصر سرگزشت بیان کی گئی ہے وہ وادی القریٰ میں رہتے تھے جو مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے یہ قوم اس سرزمین میں خوشحال زندگی بسر کر رہی تھی لیکن اپنی سرکشی کی بناء پر صفحۂ ہستی سے یوں مٹ گئی کہ آج اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔

اس داستان کا آغاز مکمل طور پر قوم عاد اور قوم نوح کی داستانوں سے ملتا جلتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے فرمایا گیا ہے قوم ثمود نے خدا کے رسولوں کو جھٹلایا۔

(۱۴۲) اس اجمال کے بعد اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جبکہ ان کے ہمدرد پیغمبر صالح نے ان لوگوں سے کہا آیا تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو؟

(۱۴۳) پھر اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں میں تمہارے لئے امین پیغمبر ہوں میرا ماضی میرے اس دعوی کی بین دلیل ہے۔

(۱۴۴) اسی لئے تم تقویٰ اختیار کرو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو کیونکہ میرے مدنظر رضائے الٰہی تمہاری خیر و خوبی اور سعادت کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۱۴۵) بنا بریں اس دعوت کے بدلے میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا اور نہ ہی مجھے تمہاری کسی چیز کی طمع ہے۔

میں تو کسی اور کیلئے کام کرتا ہوں اور میرا اجر بھی اسی کے پاس ہے ہاں تو میرا اجر صرف عالمین کے پروردگار کے پاس ہے۔

(۱۴۶) پھر دوسرے حصے میں افراد قوم کی زندگی کے قابل تنقید اور حساس پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے انہیں ضمیر کی عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتے ہیں فرماتے ہیں آیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمیشہ امن وسکون اور ناز و نعمت کی زندگی بسر کرتے رہو گے۔

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ مادی اور غفلت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے اور موت' انتقام اور سزا کا ہاتھ تمہارے گریبانوں تک نہیں پہنچے گا؟

(۱۴۷) پھر اجمال سے تفصیل کے طریقہ کار کو کام میں لاتے ہوئے اپنی گزشتہ سربستہ جملے کی یوں تشریح کرتے ہیں تم گمان کرتے ہو کہ ان باغات اور چشموں میں۔

(۱۴۸) اور ان کھیتوں اور کھجور کے درختوں میں کہ جن کے پھل شیریں شاداب اور پکے ہوئے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہو گے۔

(۱۴۹) پھر ان کے پختہ اور خوشحال گھروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو اور اس میں عیاشی کرتے ہو۔

(۱۵۰) حضرت صالح علیہ السلام اس تنقید کے بعد انہیں متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں حکم خدا کی مخالفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۱۵۱) اور مسرفین کا حکم نہ مانو۔

(۱۵۲) وہی جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

اسراف اور فساد فی الارض کا باہمی رابطہ۔ ہم جانتے ہیں کہ اسراف قانون آفرینش اور قانون تشریع کی حدود سے تجاوز کا نام

ہے اور یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی صحیح نظام میں حد سے کسی قوم کا تجاوز فساد اور انتشار کا موجب بن جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اسراف فساد کا سر چشمہ ہے اور اسراف کا نتیجہ فساد ہوتا ہے

(۱۵۳) قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ۚ	انہوں نے کہا (اے صالح!) تم (سحر زدہ ہو کر) اپنی عقل کھو چکے ہو۔
(۱۵۴) مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ	تم ہم جیسے ایک بشر ہی تو ہو۔ اگر سچ کہتے ہو تو کوئی نشانی لاؤ۔
(۱۵۵) قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۚ	(صالح نے) کہا: یہ ناقہ ہے جس کا (بستی کے) پانی میں حصّہ ہے اور تمہارے لئے مقررہ دن کا حصّہ۔
(۱۵۶) وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ	اسے ذرا سی بھی تکلیف نہ پہچانا ورنہ تمہیں عظیم دن کا عذاب آ لے گا۔
(۱۵۷) فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ۙ	آخر کار انہوں نے اس (ناقہ) پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا، پھر اپنے کیے ہُوئے پر نادم ہوئے۔
(۱۵۸) فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ	پس عذاب الٰہی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس (داستان) میں ایک نشانی (اور درسِ عبرت) ہے، لیکن انمیں سے اکثر مومن نہیں تھے۔
(۱۵۹) وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۠	اور تمہارا پروردگار عزیز بھی ہے اور رحیم بھی۔

تفسیر

قوم صالح کی ہٹ دھرمی

آپ گزشتہ آیات میں گمراہ قوم کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام کی منطقی اور خیر خواہی پر مبنی گفتگو ملاحظہ فرما چکے ہیں اب صالح کے جواب میں اس قوم کی گفتگو سنئے۔

انہوں نے کہا اے صالح! تم سحر زدہ ہو کر اپنی عقل کھو چکے ہو لہٰذا غیر معقول باتیں کرتے ہو۔

(۱۵۴)اور پھر یہی نہیں بلکہ تم تو ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو اور کوئی بھی عقل اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اپنے جیسے شخص کی اطاعت کریں۔

اگر سچ کہتے ہو تو کوئی نشانی لاؤ تا کہ ہم تم پر ایمان لے آئیں۔

(۱۵۵) بہر حال یہ سرکش لوگ حق طلبی کی خاطر نہیں بلکہ حیلے بہانوں کی بنا پر معجزے کے طلبگار ہوئے جس سے ان پر اتمام حجت ہو جائے لہٰذا خداوند متعال کے حکم کے مطابق جناب صالح علیہ السلام نے کہا یہ ناقہ ہے جس کیلئے بستی کے پانی میں حصہ ہے اور تمہارے لئے مقررہ دن کا حصہ ہے۔

وہ ایک عام اور عمولی اونٹنی نہیں تھی یہ اونٹنی معجزانہ صورت میں پہاڑ کے اندر سے برآمد ہوئی اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ بستی کا ایک دن کا پانی پی جاتی تھی۔

(۱۵۶) بہر صورت جناب صالح علیہ السلام کو حکم خداوندی تھا کہ ان لوگوں کو بتا دیں کہ یہ عجیب وغریب اور غیر معمولی اونٹنی ہے جو خداوند متعال کی بے انتہا قدرت کی ایک نشانی ہے لہٰذا اسے اپنے حال پر ہی رہنے دیں اور فرمایا کہ اسے ذرہ بھر بھی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ عظیم دن کا عذاب تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

(۱۵۷) البتہ وہ سرکش قوم یہ نہیں چاہتی تھی کہ فریب خوردہ لوگ بیدار ہو جائیں کیونکہ لوگوں کی آگاہی کی وجہ سے اس کے مفادات کو خطرہ لاحق تھا لہٰذا ان سرکش اور مجرم لوگوں نے منصوبہ یہ بنایا کہ اس ناقہ کا ہی خاتمہ کر دیا جائے آخر کار اس پر حملہ کر ہی دیا اور ایک یا چند ضربات سے اس کا خاتمہ کر دیا اور پھر اپنے کیے پر نادم ہو گئے کیونکہ عذاب الٰہی کو چند قدم کے فاصلے پر دیکھ رہے تھے۔

(۱۵۸) چونکہ اس قوم کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور عملی طور پر اس نے ثابت کر دیا کہ وہ حق قبول کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہے لہٰذا ارادہ الٰہی اس بات کا متقاضی ہوا کہ زمین کو اس قوم کے وجود سے پاک کر دے ایسی حالت میں عذاب الٰہی نے انہیں آ لیا۔

اس داستان کے آخر میں قرآن وہی کچھ کہتا ہے جو قوم ہود' قوم نوح اور قوم ابراہیم کی سرگزشت کے آخر میں کہتا ہے۔

قوم صالح کی اس داستان میں آیت اور درس عبرت ہے کہ اس عظیم پیغمبر نے کس قدر پامردی' صبر اور عمدہ منطق کا مظاہرہ کیا اور ان روسیاہ لوگوں نے کس حد تک سرکشی' ہٹ دھرمی اور مخالفت کا اظہار کیا کہ بالآخر وہ اپنے منحوس انجام کو جا پہنچے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔

یقیناً کوئی بھی شخص قدرت خدا پر غالب نہیں آ سکتا! جیسا کہ اس کی یہ قدرت کاملہ دوستوں بلکہ دشمنوں تک پہنچنے کیلئے اس کی رحمت میں مانع نہیں ہو سکتی لہٰذا تمہارا پروردگار عزیز اور رحیم ہے۔

(۱۶۰) كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ ج صلے	قوم لوط نے (خدا کے) رسولوں کی تکذیب کی۔
(۱۶۱) اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ج	جبکہ ان کے بھائی لوط نے انہیں کہا: کیا تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو؟

(۱۶۲) اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ	میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔
(۱۶۳) فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۚ	پس خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔
(۱۶۴) وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ	میں تم سے اس کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف پروردگارِ عالمین کے ذمّہ ہے۔
(۱۶۵) اَتَاۡتُوۡنَ الذُّکۡرَانَ مِنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ	کیا تم جہان (والوں) میں سے صرف مذکر جنس کے پیچھے ہی جاتے ہو
(۱۶۶) وَ تَذَرُوۡنَ مَا خَلَقَ لَکُمۡ رَبُّکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ عٰدُوۡنَ	اور اپنی ازدواج کو چھوڑ دیتے ہو جنہیں خدا نے تمہارے ہی لئے خلق فرمایا ہے؟ اور تم تو تجاوز کرنے والی قوم ہو۔

تفسیر

بے حیا قوم

چھٹے پیغمبر کہ جن کی اپنی اور گمراہ قوم کی زندگی کا ایک گوشہ اس سورت میں بیان ہوا ہے حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے لوط کی قوم نے خدا کے بھیجے ہوئے افراد کی تکذیب کی۔

(۱۶۱) پھر جناب لوط علیہ السلام کی دعوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کی دعوت بھی گزشتہ انبیاء جیسی تھی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے جبکہ ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے انہیں کہا کہ آیا تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو۔

ان کی گفتگو کا انداز اور حد سے زیادہ اور گہری محبت و ہمدردی بتا رہی ہے کہ وہ ایک بھائی کی مانندان سے باتیں کرتے تھے۔

(۱۶۲) پھر فرمایا گیا ہے میں تمہارے لئے امین رسول ہوں۔

کیا اب تک تم نے مجھ سے کوئی خیانت دیکھی ہے؟ اس کے بعد وحی الٰہی اور تمہارے رب کا پیغام پہنچانے میں بھی یقیناً امانت کو مدنظر رکھوں گا۔

(۱۶۳) اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو پرہیزگاری اختیار کرو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو کیونکہ میں راہ سعادت کا رہبر ہوں۔

(۱۶۴) یہ نہ سمجھو کہ یہ دعوت الٰہی میرے گزر اوقات کا ایک ذریعہ ہے یا کسی مادی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ایسا کام کر رہا ہوں۔ نہ نہ میں تو ذرہ بھر بھی تم سے اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف عالمین کے رب کے پاس ہے۔ خداوند قدوس سے بہتر اجر کون

دے سکتا ہے؟

(۱۶۵) پھر وہاں کے ناشائستہ اعمال اوران کی کچھ اخلاقی بے راہروی کی باتوں کو بیان کرتے ہیں اور چونکہ ان کا بڑا انحراف جنسی انحراف اور ہم جنس بازی تھا لہٰذا اسی بات پر زیادہ زور دے کر کہتے ہیں آیا تم ساری دنیا میں صرف مردوں کے پاس ہی جاتے ہو۔

یعنی باوجودیکہ خداوند عالم نے اس قدر جنس مخالف تمہارے لئے خلق فرمائی ہے جن سے صحیح طریقے سے شادی کرکے پاک و پاکیزہ اور اطمینان بخش زندگی بسر کر سکتے ہو۔ خدا کی اس پاک اور فطری نعمت کو چھوڑ کر تم نے خود کو اس طرح کے پست اور حیا سوز کام سے آلودہ کر دیا ہے۔

(۱۶۶) پھر فرمایا اپنی ازدواج کو ترک کر دیتے ہو جنہیں خدا نے تمہارے لئے خلق فرمایا ہے۔

(۱۶۷) تم تو تجاوز کرنے والی قوم ہو۔

یقیناً کسی روحانی یا جسمانی فطری ضرورت نے تمہیں اس بے راہروی پر آمادہ نہیں کیا بلکہ یہ تمہاری سرکشی ہے جس نے تمہارے دامن کو اس شرمناک فعل کی گندگی سے آلودہ کر دیا ہے۔

(۱۶۷) قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰلُوۡطُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُخۡرَجِيۡنَ	ان لوگوں نے کہا: اے لوط! اگر تم ایسی باتوں سے باز نہ آئے تو تم نکال دیئے جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔
(۱۶۸) قَالَ اِنِّىۡ لِعَمَلِكُمۡ مِّنَ الۡقَالِيۡنَ ؕ	(لوط نے) کہا: میں تو (بہر حال) تمہارے اعمال کا دشمن ہوں۔
(۱۶۹) رَبِّ نَجِّنِىۡ وَ اَهۡلِىۡ مِمَّا يَعۡمَلُوۡنَ	پروردگارا! مجھے اور میرے خاندان کو ان کے کرتوتوں سے نجات عطا فرما۔
(۱۷۰) فَنَجَّيۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ	پس ہم نے اسے اور اسکے خاندان سب کو نجات دی،
(۱۷۱) اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ ۚ	سوائے ایک بڑھیا کے جو اس گروہ میں باقی رہ گئی۔
(۱۷۲) ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ۚ	پھر باقی ماندہ لوگوں کو ہم نے ہلاک کر ڈالا۔
(۱۷۳) وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ	اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی کس قدر بری بارش تھی ڈرائے جانے والوں پر۔

(۱۷۴) اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ	(قوم لوط کی) اس داستان (اور ان کے منحوس انجام) میں نشانی ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔
(۱۷۵) وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۠	اور تیرا پروردگار عزیز ورحیم ہے۔

تفسیر

قوم لوط کا انجام

قوم لوط کے افراد جو بادہ شہوت وغرور سے مست ہو چکے تھے اس رہبر الٰہی کی نصیحتوں کو جان ودل سے قبول کرنے اور خود کو اس دلدل سے باہر نکالنے کی بجائے اس کے مقابلے پر تل گئے اور انہیں کہا اے لوط! کافی ہو چکا ہے اب خاموش رہو اگر ان باتوں سے باز نہ آئے تو تمہارا شمار بھی اس شہر سے نکال دیئے جانے والوں میں سے ہوگا۔

ان گمراہ اور گناہ آلود لوگوں کی جسارت اس حد تک جا پہنچی کہ تقویٰ اور طہارت ان کے درمیان بہت بڑا عیب سمجھا جانے لگا اور ناپاکی اور گناہ سے آلودگی سرمایہ افتخار! اور یہ کسی معاشرے کی تباہی کی علامت ہوتی ہے جو تیزی کے ساتھ برائیوں کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔

"لتکونن من المخرجین" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فاسق وفاجر گروہ نے ایسے پاک وپاکیزہ لوگوں کو پہلے باہر نکال دیا جوان کوان کے بیہودہ اعمال سے روکا کرتے تھے۔

(۱۶۸) لیکن حضرت لوط علیہ السلام نے ان دھمکیوں کی کوئی پروانہ کی اور اپنا کام جاری رکھا اور کہا میں تمہارے ان کاموں کا دشمن ہوں۔

یعنی میں اپنا احتجاج برابر جاری رکھوں گا تم جو کچھ میرا بگاڑنا چاہتے ہو بگاڑ لو مجھے راہ خدا اور برائیوں کے خلاف جہاد کے سلسلے میں ان دھمکیوں کی قطعا کوئی پرواہ نہیں ہے۔

(۱۶۹) بہر حال جناب لوط علیہ السلام کی کسی بھی نصیحت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا ان کا تمام معاشرہ اس متعفن دلدل میں پھنس کر رہ گیا بڑی حد تک اتمام حجت بھی کی گئی مگر بے فائدہ۔ اب لوط علیہ السلام کی ذمہ داری کا آخری مرحلہ آن پہنچا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں دست دعا بلند کر کے کہا

پروردگارا! جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں مجھے اور میرے خاندان کو اس سے نجات دے۔

(۱۷۰) خداوند عالم نے ان کی دعا قبول فرمائی جیسا کہ قرآن کہتا ہے ہم نے لوط اور ان کے سب خاندان والوں کو نجات دی۔

(۱۷۱) سوائے اس بڑھیا کے جو گمراہ لوگوں کے درمیان باقی رہ گئی تھی۔

بچ رہنے والی یہ بڑھیا جناب لوط علیہ السلام کی بیوی ہی تھی جو عقیدے اور مذہب کے لحاظ سے اس گمراہ قوم سے ہم آہنگ و ہم خیال تھی وہ آخردم تک جناب لوط علیہ السلام پر ایمان نہیں لائی اور اسی گمراہ قوم کے انجام سے دوچار ہوئی

(۱۷۲) ہاں تو خداوند عالم نے جناب لوط علیہ السلام اور جو تھوڑے سے لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے ان سب کو نجات بخشی چنانچہ انہوں نے حکم الٰہی کے تحت گناہ آلودہ لوگوں کے علاقہ سے رخت سفر باندھا اور راتوں رات چل پڑے اور گناہ و بے شرمی میں غرق لوگوں کو اپنے حال پر باقی چھوڑ دیا علی الصباح عذاب کا حکم صادر ہوا۔ اور ایک وحشت ناک چیخ نے ان کے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جس سے ان کے آباد و شاد شہر خوبصورت محلات' عیش و عشرت اور بے شرمی و بے حیائی پر مبنی ان کی زندگی غرض سب کچھ مکمل طور پر تہہ و بالا ہو گیا جیسا کہ خداوند عالم نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے پھر ہم نے ان تمام لوگوں کو نیست و نابود کر دیا۔

(۱۷۳) اور ان پر بارش برسائی لیکن کیسی بارش؟ پتھروں کی بارش اور وہ بھی اس حد تک کہ ان کے کھنڈرات تک دکھائی نہ دیتے تھے۔

کس قدر بری بارش نے اس ڈرائے جانے والے گروہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

معمول کے مطابق برسنے والی بارشیں مردہ زمینوں کو زندہ کر دیتی ہے اور ان میں تازہ روح پھونک دیتی ہیں لیکن یہ وحشت ناک بارش تباہ و برباد اور نیست و نابود کرنے والی تھی۔

سورہ ہود کی آیت ۸۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے قوم لوط کے شہر تہ و بالا ہوئے پھر ان پر پتھروں کی مسلسل بارش برسی اور جیسا کہ

(۱۷۴) اس واقعے کے اختتام پر ایک بار پھر ان دو جملوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو اس طرح کے دوسرے پانچ انبیاء کے واقعات کے آخر میں پڑھ چکے ہیں ارشاد ہوتا ہے اس ظالم اور بے حیا قوم کی داستان اور ان کے منحوس انجام میں آیت و نشانی اور درس عبرت ہے۔

لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔

(۱۷۵) اور تیرا پروردگار عزیز و رحیم ہے۔

اس سے بڑھ کر اور رحمت کیا ہو سکتی ہے کہ اس قسم کے گناہوں سے آلودہ قوموں کو سزا نہیں دیتا بلکہ انہیں ہدایت اور نظر ثانی کیلئے کافی ڈھیل اور لمبی مہلت دیتا ہے۔

اور پھر یہ کہ اس سے بڑھ کر اور کیا رحمت ہو کہ اس کی سزا میں سب خشک و تر نہیں جلتے حتیٰ کہ اگر ہزاروں لاکھوں گناہگار خاندانوں میں صرف ایک ہی مومن خاندان ہے تو وہ انہیں نجات عطا فرماتا ہے۔

اور غلبہ و قدرت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس قسم کے گناہ آلودہ شہروں کو چشم زدن میں یوں تہہ و بالا کر دیتا ہے کہ صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے جو زمین گناہگاروں کی آسائش و آرام کا گہوارہ ہوتی ہے اسے پل بھر میں ان کی موت پر مامور کر دیتا ہے اور حیات بخش بارش کو موت کی بارش میں تبدیل کر دیتا ہے۔

(۱۷۶) كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡـَٔیۡكَةِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۚۖ	''ایکہ'' والوں نے (خدا کے) رسولوں کو جھٹلایا۔
(۱۷۷) اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَیۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۚ	جبکہ شعیب نے انہیں کہا: کیا تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو؟
(۱۷۸) اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۙ	میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔
(۱۷۹) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۚ	پس خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
(۱۸۰) وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ	میں اس دعوت کے بدلے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو صرف عالمین کے پروردگار کے پاس ہے۔
(۱۸۱) اَوۡفُوا الۡكَیۡلَ وَ لَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ ۚ	پیمانے کا حق ادا کرو (اور کم مت بیچو) اور لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔
(۱۸۲) وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ۚ	اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔
(۱۸۳) وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ۚ	لوگوں کا حق کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی نہ پھیلاتے پھرو۔
(۱۸۴) وَ اتَّقُوا الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ وَ الۡجِبِلَّةَ الۡاَوَّلِیۡنَ ؕ	جس نے تمہیں اور تم سے پہلے والی قوموں کو خلق کیا ہے اس سے ڈرو۔

تفسیر

شعیب علیہ السلام اور اہل ایکہ

اس سورت میں انبیاء کے واقعات کا یہ ساتواں اور آخری حصہ ہی یہ اللہ کے عظیم نبی شعیب علیہ السلام اور ان کی سرکش قوم کی داستان ہے۔

اللہ کے یہ نبی مدین (شامات کے جنوب میں ایک شہر کا نام) اور "ایکہ" (بروزن "لیلہ") مدین کے نزدیک ایک آبادی کا نام) میں رہتے تھے۔

پہلے فرمایا گیا ہے ایکہ والوں نے خدا کے رسولوں کی تکذیب کی۔

(۱۷۷) پھر اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جب شعیب نے انہیں کہا کہ آیا تقویٰ اختیار نہیں کرتے

ہو۔

درحقیقت جناب شعیب علیہ السلام کی دعوت کا آغاز بھی دوسرے انبیاء کی مانند تقویٰ اور پرہیزگاری سے ہوتا ہے کہ جو تمام اصلاحی کاموں کی بنیاد اور اخلاقی وسماجی برائیوں سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے۔

(۱۷۸) پھر فرمایا گیا ہے کہ شعیب نے کہا: میں تمہارے لئے امین رسول ہوں۔

(۱۷۹) تقویٰ اختیار کرو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (کیونکہ میری اطاعت اسی کی ہی اطاعت ہے۔

(۱۸۰) یہ بھی اچھی طرح جان لو کہ میں اس دعوت کا اجر تم سے نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اور صرف عالمین کے رب کے پاس ہے۔

(۱۸۱) حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی دوسرے انبیاء کا سا طریقہ اختیار کیا پہلے انہوں نے تقویٰ اور اطاعت پروردگار پر مبنی عمومی دعوت دی۔ اپنی تعلیمات کے دوسرے حصے میں اس ماحول کی خرابیوں' اخلاقی اور اجتماعی برائیوں کی نشاندہی کی اور انہیں اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس خوشحال قوم کی اہم ترین خرابیاں اقتصادی ناہمواری' کھلم کھلا ظلم' حق کشی اور لوٹ کھسوٹ تھیں لہٰذا انہوں نے بھی انہی مسائل پر خاص زور دیا۔

پہلے فرماتے ہیں پیمانے کا حق ادا کرو (ناپ تول میں کمی نہ کرو)۔

اور لوگوں کو نقصان اور گھاٹا نہ پہنچاؤ۔

(۱۸۲) سیدھے اور صحیح ترازو سے تولو۔

(۱۸۳) لوگوں کا حق کم نہ کرو اور نہ ہی لوگوں کی اشیاء اور جنس میں عیب نکالو۔

زمین پر خرابی نہ پھیلاتے پھرو۔

(۱۸۴) جناب شعیب علیہ السلام اپنے آخری فرمان میں ایک بار پھر انہیں تقویٰ اور پرہیزگاری کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں اس خدا سے ڈرو جس نے تمہیں بھی اور گزشتہ اقوام کو بھی پیدا کیا ہے۔

صرف تم ہی ایسی قوم نہیں ہو جس نے روئے زمین پر قدم رکھا ہے تم سے پہلے تمہارے آباؤ اجداد اور دوسری قومیں آئیں اور چلی گئیں ان کے ماضی کو اور اپنے مستقبل کو فراموش مت کرو۔

(۱۸۵) قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ۙ	انہوں نے کہا: تجھ پر تو جادو کر دیا گیا ہے اور تو پاگل ہے۔
(۱۸۶) وَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْکٰذِبِیْنَ ۚ	(اس کے علاوہ) تو فقط ہم جیسا انسان ہے۔ تیرے بارے میں ہمارا گمان صرف یہی ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

(۱۸۷) فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ؕ	اگر تو سچا ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا دے۔
(۱۸۸) قَالَ رَبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ	شعیب نے کہا: میرا پروردگار ان اعمال سے زیادہ آگاہ ہے جو تم انجام دیتے ہو۔
(۱۸۹) فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ	آخرکار انہوں نے اسے جھٹلایا اور سایہ دار بادل کے دن عذاب نے انہیں آلیا اور وہ عظیم دن کا عذاب تھا۔
(۱۹۰) اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ	اس واقعہ میں نشانی (اور درس وعبرت) ہے، لیکن ان میں سے اکثر ایمان نہ لائے۔
(۱۹۱) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۠	اور تیرا پروردگار عزیز ورحیم ہے۔

تفسیر

سرکش قوم کا انجام

اس ظالم اور ستم گر قوم نے جب خود کو شعیب علیہ السلام کی منطقی باتوں کے مقابلے میں بے دلیل دیکھا تو اپنی برائیوں کو جاری وساری رکھنے کیلئے ان پر تہمتوں کی بوچھاڑ کردی۔

سب سے پہلے وہی پرانا لیبل جو مجرم اور ظالم لوگ ہمیشہ سے خدا کے انبیاء پر لگاتے رہے ہیں اپ پر بھی لگایا اور کہا تو تو بس پاگل ہے۔

(۱۸۶) اس کے علاوہ تو بھی تو صرف ہماری طرح کا ایک انسان ہے کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم تیری اطاعت کریں گے آخر تجھے ہم پر کون سی فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

تیرے بارے میں ہمارا یہی خیال ہے کہ تو ایک جھوٹا شخص ہے۔

(۱۸۷) ان کی یہ گفتگو کیسی تضادات پر مبنی ہے کبھی تو انہیں ایسا جھوٹا اور مفاد پرست انسان کہتے تھے جو دعوائے نبوت کی وجہ سے ان پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے اور کبھی انہیں مجنون کہتے تھے ان کی آخری بات یہ تھی کہ بہت اچھا اگر تو سچا ہے تو ہمارے سر پر آسمان سے پتھر برسا اور ہمیں اسی مصیبت میں مبتلا کردے جس کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے تاکہ تجھے معلوم ہوجائے کہ ہم ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے۔

(۱۸۸) حضرت شعیبؑ نے ان ناموزوں الفاظ قبیح اور نازیبا کلمات اور عذاب الٰہی کے تقاضے کے جواب میں صرف ایک ہی جملہ کہا اور یہ کہا کہ میرا پروردگار ان اعمال سے زیادہ آگاہ ہے جو تم انجام دیتے ہو۔

خداوندتعالیٰ ہی تمہارے اعمال کو جانتا اور تمہاری استحقاق کے معیار سے باخبر ہے جب اس نے تمہیں سزا کا مستحق دیکھا اور وعظ ونصیحت نے بھی تم پر کوئی اثر نہ کیا اور کافی حد تک اتمام حجت بھی ہوگئی تو تم پر عذاب نازل کر کے تمہارا ستیاناس کر دے گا۔

(۱۸۹) لیکن جوں توں کر کے آخر وہ وقت بھی آ پہنچا کہ روئے زمین کو ایسے مجرمین کے وجود سے پاک کیا جائے چنانچہ قرآن مجید بعد والی آیت میں کہتا ہے انہوں نے شعیب کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سایہ ڈالنے والے بادل کے دن عذاب نے ان کو آ لیا۔

اور یہ عذاب بڑے دن کا عذاب تھا۔

مسلسل سات دن تک ان پر گرم ہوا چلتی رہی اس دوران میں بادنسیم کا ایک بھی جھونکا نہیں آیا اسی اثنا میں آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نمایاں ہوا اور بادنسیم بھی چلنے لگی وہ لوگ فوراً اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور سخت تکلیف کی وجہ سے جب بادل کے سایے تلے آ گئے تو سکھ کا سانس لیا۔

لیکن اچانک بادلوں سے بجلی کی ایک ایسی کڑک سنائی دی جس سے ان کے کان پھٹ گئے اس کے فوراً بعد ان پر آگ برسنے لگی اور زمین میں بھونچال آ گیا جس سے وہ سب ہلاک اور برباد ہو گئے۔

(۱۹۰) اس داستان کے آخر میں بھی انہیں الفاظ کو دہرایا گیا ہے جو چھ بزرگ انبیاء کی گزشتہ داستانوں میں آئے ہیں۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے سرزمین ایکہ کے لوگوں کی داستان ان کے مہربان نبی شعیب کی محبت بھری تبلیغ ان لوگوں کی طرف سے ڈھٹائی، سرکشی اور تکذیب اور انجام کار اس ظالم قوم کی گرجدار بجلی سے تباہی اور بربادی میں عبرت کی نشانی اور درس موجود ہے۔

لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔

اس کے باوجود خداوند رحیم ومہربان نے انہیں کافی مہلت دی تاکہ وہ سمجھ جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں لیکن جب وہ عذاب کے مستحق ہو گئے تو اس نے بھی اپنی قہاری قدرت کی شان دکھائی اور ان پر اپنی گرفت مضبوط کر لی یقیناً تیرا پروردگار ناقابل تسخیر اور رحیم ہے۔

ان سات عظیم انبیاء کے واقعات کہ جو درحقیقت تربیتی دروس کے سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں کے آخر میں اس نکتے کی طرف توجہ ضروری ہے کہ انہی انبیاء کی داستانیں قرآن مجید کی اور سورتوں میں بھی بیان ہوئی ہیں لیکن اس انداز سے بیان نہیں ہوئیں جیسا کہ اس سورت میں کہ جن کا آغاز بھی ایک جیسا اور انجام بھی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو۔

یہ ہم آہنگی سب سے پہلے اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ انبیاءؑ کی دعوت میں توحید کی جھلک پائی جاتی ہے کہ ان سب کا واحد پروگرام تھا اور جس کا آغاز اور انجام ہم آہنگ ہے۔

(۱۹۲)وَ اِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ	اور یہ (قرآن) عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔
(۱۹۳) نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۙ	روح الامین اسے لے کر نازل ہوا ہے،
(۱۹۴)عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ۙ	تیرے (پاک) دل پر تا کہ تو (لوگوں کو) ڈرائے۔
(۱۹۵)بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ؕ	اسے واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔
(۱۹۶)وَ اِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ	اور اس (قرآن) کی تعریف تو گزشتہ لوگوں کی کتابوں میں بھی آ چکی ہے۔
(۱۹۷)اَوَ لَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ اٰيَةً اَنۡ يَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ	کیا یہی نشانی ان کیلئے کافی نہیں ہے کہ نبی اسرائیل کے علماء اس سے اچھی طرح واقف ہیں؟

تفسیر

گزشتہ کتابوں میں قرآن کی عظمت

گزشتہ انبیاء کی سات داستانوں کے بیان کرنے اور ان کی تاریخ میں پوشیدہ درس ہائے عبرت کا ذکر کرنے کے بعد قرآن مجید ایک بار پھر اسی گفتگو کی طرف لوٹ جاتا ہے جس سے اس سورت کا آغاز ہوا تھا یعنی قرآن مجید کی عظمت اور خدا کے کلام مبین کی حقانیت کی طرف چنانچہ فرماتا ہے۔ یہ عالمین کے پروردگار کی جانب سے نازل ہوا ہے۔

(۱۹۳) اسی وجہ سے آگے چل کر ارشاد فرمایا گیا ہے اسے روح الامین خدا کی طرف سے لایا ہے۔

(۱۹۴) جی ہاں اسی روح الامین نے قرآن مجید خداوند عالم کی طرف سے تیرے دل پر اتارا ہے تا کہ تو لوگوں کو ڈرائے۔

مقصد یہ ہے کہ تو لوگوں کو ڈرائے اور انہیں اس خطرناک انجام سے مطلع کرے جو توحید سے منحرف ہو جانے کی وجہ سے ان کے دامن گیر ہوگا گزشتہ لوگوں کی تاریخ بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ موجودہ لوگوں کا دل بہلایا جائے اور انہیں قصے کہانیوں میں ہی مشغول رکھا جائے بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ ان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کیا جائے اور انہیں انسان بنایا جائے۔

(۱۹۵) تا کہ کسی شخص کیلئے کسی قسم کے عذر کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسے واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے (بلسان عربی مبین) البتہ یہاں مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے بلکہ یہاں قرآن کریم کی صراحت اور فصاحت پر تاکید ہوا ہے۔

(۱۹۶)اس کے بعد قرآں مجید کی حقانیت کے دلائل میں سے ایک اور دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس کتاب کی توصیف گزشتہ لوگوں کی کتابوں میں بھی بیان کی جا چکی ہے اور انہوں نے آئندہ زمانے میں اس کے ظہور کی خوشخبری دی ہے۔

(۱۹۷)اس لئے قرآن مجید فرماتا ہے آیا یہی نشانی ان کیلئے کافی نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔

ظاہری بات ہے کہ جس ماحول میں بنی اسرائیل کے اس قدر علماء موجود تھے اور مشرکین کے ساتھ مکمل طور پر ان کی نشست و برخاست تھی، یہ بات قطعاً ناممکن تھی کہ قرآں مجید اپنے بارے میں بغیر کسی ثبوت کے اتنی بڑی بات کہہ دے کیونکہ اس کی تردید میں ہر طرف سے شور و غوغا بلند ہو جاتا للہذا معلوم ہوتا ہے کہ نزول آیات کے موقع پر یہ مسئلہ اس قدر واضح اور اظہر من الشمس تھا کہ کوئی بھی اس کا انکار نہ کر سکا۔

(۱۹۸)وَ لَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰى بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِيۡنَ ۙ	اگر ہم اسے کسی عجمی (غیر عربی) پر نازل فرماتے۔
(۱۹۹) فَقَرَاَهٗ عَلَيۡهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَ ؕ	اور وہ اس کو ان کے سامنے پڑھتا تو وہ اس پر ایمان نہ لاتے۔
(۲۰۰)كَذٰلِكَ سَلَكۡنٰهُ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ؕ	(جی ہاں!) ہم قرآن کو اسی طرح مجرموں کے دلوں میں سے گزارتے ہیں۔
(۲۰۱) لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ۙ	وہ لوگ اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔
(۲۰۲) فَيَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّ هُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۙ	(عذابِ الٰہی) اچانک ان کو آلے گا کہ انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا۔
(۲۰۳) فَيَقُوۡلُوۡا هَلۡ نَحۡنُ مُنۡظَرُوۡنَ ؕ	پس وہ اس وقت کہیں گے: کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟

تفسیر

اگر قران کسی عجمی پر نازل ہوتا تو......؟

ان آیات میں سب سے پہلے کفار کے ایک اور احتمال بہانے کی پیش بندی کی گئی ہے اور گزشتہ آیات میں قران مجید کے واضح عربی زبان میں ہونے کے بارے میں جو گفتگو تھی اس کی تکمیل کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی غیر عرب

اور غیر فصیح پر نازل کرتے............

(۱۹۹) اور وہ ان آیات کو ان لوگوں کے سامنے پڑھتا تو وہ ہرگز ایمان نہ لاتے۔

یعنی عربوں کی نسل پرستی اور قومی تعصب اس قدر شدید ہے کہ اگر قرآن مجید کسی غیر عرب شخص پر نازل ہوتا تو ان کے تعصب کی موجیں انہیں اس کے قبول کرنے سے مانع ہوتیں حالانکہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ایک حقیقی عرب خاندان کے شریف انسان پر فصیح و بلیغ بیان کے ساتھ نازل ہوا ہے اور کتب آسمانی میں بھی اس کے بارے میں بشارت آچکی ہے اور بنی اسرائیل کے علماء بھی اس کی گواہی دے چکے ہیں پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے اگر رسول میں یہ اوصاف بالکل نہ ہوتے تو وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟

(۲۰۰) پھر مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے ہم قرآن مجید کو اسی طرح مجرموں کے دلوں میں سے گزارتے ہیں۔

واضح بیان اور ایسے شخص کی زبان کے ذریعے جو انہی میں سے ہے اور وہ لوگ اس کے اخلاق اور طرز کلام سے بھی آشنا ہیں اور وہ ایسے مطالب پیش کرتا ہے کہ جن کی تائید سابقہ کتابوں میں بھی آچکی ہے المختصر اس قرآں کو ان تمام اوصاف کے ساتھ جس کی قبولیت ہر ایک کیلئے آسان ہو اس گناہ گار قوم کی طرف بھیجا ہے لیکن یہ بیمار دل اسے قبول نہیں کرتے جس طرح صحیح و سالم اور مقوی غذا کو غیر سالم اور بیمار معدہ قبول نہیں کرتا اور اسے واپس پلٹا دیتا ہے۔

(۲۰۱) اسی لئے فرمایا گیا ہے ایسی صورت میں یہ ہٹ دھرم لوگ اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں۔

(۲۰۲) ہاں ہاں! وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک عذاب الٰہی ناگہانی طور پر ان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے اور انہیں اس کا خیال بھی نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اس عذاب الٰہی سے مراد جو انہیں اچانک اپنی لپیٹ میں لے لے گا یہی دنیاوی عذاب نیست و نابود کر دینے والی بلائیں ہیں جسے استیصالی عذاب کہتے ہیں۔

(۲۰۳) اسی لئے اس آیت کے بعد فرمایا گیا ہے ایسی صورت میں وہ اپنی صحیح حالت کی طرف لوٹ آئیں گے اپنے شرمناک ماضی پر پچھتائیں گے اپنے خطرناک مستقبل سے سخت خوف کھائیں گے اور کہیں گے کیا ہمیں کچھ مہلت مل جائے گی تاکہ ہم ایمان لے آئیں اور اپنے برباد ماضی کو آباد کریں۔

(۲۰۴) اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ	کیا وہ ہمارے عذاب کیلئے جلدی کرتے ہیں؟
(۲۰۵) اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۙ	کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم انہیں سالہا سال بھی اس زندگی سے بہرہ مند کردیں،

(۲۰۶)ثُمَّ جَآءَهُمۡ مَّا كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ ۙ	پھر وہ عذاب ان کے پاس آ پہنچے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔
(۲۰۷) مَآ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يُمَتَّعُوۡنَ ؕ	تو دنیا سے اس قدر فائدہ اٹھانا ان کیلئے سودمند نہیں ہوگا۔
(۲۰۸) وَ مَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ ۖ ۛ	ہم نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ وعظ ونصیحت کرنیوالے (انبیا) وہاں موجود تھے۔
(۲۰۹) ذِكۡرٰى ۛ وَ مَا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ	تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور ہم ہرگز ظالم نہیں ہیں۔
(۲۱۰)وَ مَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّيٰطِيۡنُ ؕ	یہ آیات شیطانوں (اور جنون) نے نازل نہیں کیں۔
(۲۱۱) وَ مَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَ مَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ؕ	یہ چیز ان کے لائق بھی نہیں اور نہ یہ کام ان کے بس میں ہے۔
(۲۱۲) اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ؕ	وہ تو (ان آسمانی خبروں کے) سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔

تفسیر

قرآن پاک پر ایک تہمت

چونکہ گزشتہ آیات اس جملے پر ختم ہوگئی تھیں کہ جب مجرم اور گناہ گار لوگ عذاب الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور موت کی وادی میں اتر چکے ہوں گی تو دوبارہ پلٹ جانے کی درخواست کریں گے تاکہ اپنے گناہوں کی تلافی کرسکیں تو موجودہ آیات انہیں دوطرح سے جواب دے رہی ہیں۔

پہلا یہ کہ آیا وہ ہمارے عذاب کیلئے جلدی کرتے ہیں۔

(۲۰۵) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم انہیں اور بھی کئی سال اس دنیاوی زندگی سے بہرہ مند کردیں.....................۔

(۲۰۶) پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا ان کے دامن گیر ہوگا......................۔

(۲۰۷) یہ سامان حیات انہیں کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

بالفرض اگر انہیں مہلت دے بھی دی جائے جبکہ اتمام حجت کے بعد کوئی مہلت نہیں دی جائے گی۔اور بالفرض کئی اور سال بھی وہ یہیں پر رہ جائیں اور غرور وغفلت میں مگن رہیں تو کیا اس دنیاوی زندگی میں بیشتر مادی مفادات کے علاوہ اور کوئی کام کریں گے؟ کیا وہ اپنے گزشتہ دور کی تلافی کریں گے؟ یقیناً نہیں اور بالکل نہیں

(۲۰۸) یہاں پر ایک یا کئی سوال پیدا ہوتے ہیں بعد والی آیات جن کا جواب دیتی ہیں اور وہ یہ کہ اصولی طور پر جب خداوند

عالم کو ہر قوم کے مستقبل کا علم ہے تو پھر مہلت دینے کی کیا ضرورت ہے؟

اور یہ بھی کہ جب گزشتہ امتوں نے پے در پے اپنے انبیاء کو جھٹلایا اور جیسا کہ ان میں سے بہت سے انبیاء کی داستان کے آخر میں وما کان اکثرھم مومنین آیا ہے یعنی ان میں سے اکثریت ایمان نہیں لاتی رہی تو پھر انبیاء کے پے در پے بھیجنے کا کیا یہی مقصد تھا کہ وہ آئیں اور لوگوں کو ڈرائیں اور تبلیغ کریں؟

انہی سوالات کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ یہ خدائی طریقہ کار ہے کہ ہم کسی بستی کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتے جب تک ان کی طرف خبردار کرنے والے نہ بھیجیں اور انبیاء وعظ ونصیحت کیلئے اور اتمام حجت کیلئے بھیجے جاتے ہیں۔

(۲۰۹) تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور بیدار ہو جائیں اور ان کیلئے حق کی طرف پلٹ آنے کا موقع موجود ہو۔

اور اگر ہم اپنے رسولوں کے ذریعے لوگوں کو نہ ڈراتے اور اتمام حجت کیے بغیر انہیں عذاب میں مبتلا کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا حالانکہ ہم ہرگز ظالم وستم گار نہیں ہیں بلکہ اصولی طور پر ظلم وستم ہمارے شایان شان ہی نہیں ہے۔

یہ ظلم ہوگا کہ ہم غیر ظالم لوگوں کو ہلاک کر ڈالیں یا ظالموں کو کافی حد تک اتمام حجت کیے بغیر نیست ونابود کر دیں۔

(۲۱۰) پھر ایک اور بہانے یا دشمنان قرآن کی ایک اور ناجائز تہمت کا جواب دیا گیا ہے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کا رابطہ کسی جن کے ساتھ ہے وہ انہیں یہ آیات تعلیم دیتا ہے جبکہ قرآن بار بار کہتا ہے کہ یہ تنزیل من رب العالمین ہے۔

یہاں پر ارشاد فرمایا گیا ہے شیاطین اور جنات نے ان آیات کو نازل نہیں کیا ہے۔

(۲۱۱) پھر دشمنون کے اس بے بنیاد الزام کے جواب میں فرمایا گیا ہے جنوں اور شیطانوں کے ہرگز لائق نہیں ہے کہ وہ اس جیسی کتاب نازل کریں۔

یعنی اس عظیم کتاب کے مضامین ایسے ہیں جن میں حق کا راستہ پاکی عدالت تقویٰ اور ہر قسم کے شرک کی نفی موجود ہے ان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیطانی افکار اور الہامات سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں رکھتی بنابریں صرف اس کے مضامین پر ہی اگر غور کیا جائے تو اس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے پھر یہ کہ وہ ایسا کام کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔

اگر ایسا کام کرنا ان کے بس میں ہوتا تو کاہنوں جیسے افراد جو نزول قرآن کے زمانے میں شیاطین سے قریبی رابطہ رکھتے تھے وہ اس جیسی کتاب تیار کر لیتے (یا کم از کم وہ مشرکین جن کا شیاطین کے ساتھ رابطہ مسلم تھا) لیکن وہ سب کے سب عاجز آ گئے اور اپنے عجز سے ثابت کر دیا کہ یہ آیات ان کی طاقت سے باہر ہیں۔

(۲۱۱) اس کے علاوہ خود کاہنوں کو بھی اس بات کا اعتراف تھا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد ان شیاطین کا رابطہ آسمانی خبروں سے منقطع ہو گیا ہے جن کے ساتھ ان کا تعلق تھا اور وہ آسمانی خبریں سننے سے معزول اور برطرف کر دیئے گئے ہیں۔

(۲۱۳)فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِیۡنَ ۚ	خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود مت پکارو ورنہ عذاب پانے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔
(۲۱۴) وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۙ	اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔
(۲۱۵)وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ	اپنے بازوان مومنین کیلئے جھکا دو جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔
(۲۱۶) فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۙ	اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں اس کام سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو۔
(۲۱۷) وَ تَوَكَّلۡ عَلَى الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ۙ	اور خداوندِ عزیز و رحیم پر توکّل کرو،
(۲۱۸) الَّذِیۡ یَرٰىكَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ۙ	وہی جو تمہیں اس وقت دیکھتا ہے جب (عبادت کیلئے) کھڑے ہوتے ہو
(۲۱۹) وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیۡنَ	اور سجدہ گزاروں میں تمہاری نقل و حرکت کو دیکھتا ہے۔
(۲۲۰) اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ	وہی (خدا) سننے اور جاننے والا ہے۔

تفسیر

قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دو

خداوند عالم نے گزشتہ آیات میں اسلام اور قران کے بارے میں مشرکین کے موقف کو بیان کرنے کے بعد زیرِ نظر آیات میں اپنے پیغمبر کو ان مشرکین کے سامنے اپنی پالیسی واضح کر دینے کا حکم صادر فرمایا ہے اس ضمن میں پانچ امور کی نشاندہی کی گئی ہے۔

خداوند عالم سب سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توحید پر عقیدہ راسخ کرنے کی دعوت دیتا ہے کیونکہ توحید ہی تمام انبیاء کی دعوت کا بنیادی عنصر ہے ارشاد ہوتا ہے خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارو۔ ورنہ سزا پاؤ گے۔

(۲۱۴) پھر اس سے بھی بڑھ کر ایک اور مرحلے کا حکم دیا گیا ہے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ اور شرک اور حکم الٰہی کی نافرمانی سے خوف دلاؤ۔

اس میں شک نہیں کہ کسی وسیع انقلابی پروگرام کو سب سے پہلے ایک محدود اور مختصر گروہوں سے شروع کیا جاتا ہے۔

(۲۱۵) تیسرے مرحلے میں دائرہ تبلیغ اور وسیع ہوتا ہے حکم ہوتا ہے جو مومنین تمہاری اتباع کرتے ہیں ان کا محبت اور تواضع کے ساتھ استقبال کرواور اپنے بال و پر ان کے لئے جھکا دو۔

(۲۱۶) پھر چوتھا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں اور مخالفت پر کمر بستہ ہو جائیں تو تم گھبراؤ نہیں بلکہ ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے طرز عمل سے بیزار ہوں اس طرح سے اپنا لائحہ عمل ان پر واضح کر دو۔

آخر کار مذکورہ منصوبوں کی تکمیل کیلئے اپنے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ پانچواں حکم دیتا ہے۔

(۲۱۷) اور خداوند عزیز و رحیم پر توکل کرو۔

اس طرح کی مخالفتوں سے قطعاً نہ گھبراؤ دوستوں اور پیروکاروں کی قلت کی بناء پر۔ اپنے آہنی عزائم پر کاربند رہو تم اکیلے نہیں ہو تمہاری پناہ گاہ ذات خداوند عالم ہے جسے کوئی شکست نہیں دے سکتا اور وہ بے حد رحیم و مہربان ہے۔ جو خدا کو اپنی پناہ گاہ بنا لے خدا اسے اکیلا کبھی نہیں چھوڑتا۔

(۲۱۸) وہی خدا جو تجھے حالت قیام میں بھی دیکھتا ہے۔

(۲۱۹) اور سجدہ گزاروں میں بھی تمہاری نقل و حرکت کو ملاحظہ کرتا ہے۔

(۲۱۰) جی ہاں وہی تو ہے سننے اور دیکھنے والا۔

اس طرح سے خداوند عالم کی عزیز اور رحیم کی صفات کے علاوہ تین اور صفات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن سے دلوں کو مزید تقویت ملتی ہے اور پہلے سے زیادہ ڈھارس بندھ جاتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ اپنے رسول کی تکالیف کو دیکھ رہا ہے اور ان کے قیام سجدے اور حرکت اور سکون سے پوری طرح باخبر ہے۔

آپ کی ضروریات سے آگاہ ہے۔

اسی لئے ایسے خدا پر بھروسہ کرنا چاہئے اور اپنے تمام کام اس کے سپرد کر دینا چاہیں۔

دعوت ذوالعشیرہ

تاریخ اسلام کی رو سے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے تیسرے سال اس دعوت کا حکم ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جناب ابو طالب علیہ السلام کے گھر میں دعوت دی اس میں تقریباً چالیس افراد شریک ہوئے۔

کھانا کھا لینے کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس دین کی دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے تا کہ وہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا جانشین ہو؟''

سب لوگ خاموش رہے سوائے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے جو سب سے کمسن تھے علی اٹھے اور عرض کی۔

''اے اللہ کے رسول! اس راہ میں میں آپ کا یار و مددگار رہوں گا''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ علی علیہ السلام کی گردن پر رکھا اور فرمایا:

''یہ (علی) تمہارے درمیان میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین ہے اس کی باتوں کو سنو اور اس کے فرمان کی اطاعت کرو''۔

(۲۲۱) هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ ؕ	کیا تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں؟
(۲۲۲) تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ۙ	وہ ہر جھوٹے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں۔
(۲۲۳) يُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَ اَكۡثَرُهُمۡ كٰذِبُوۡنَ ؕ	وہ جو کچھ بھی سنتے ہیں (دوسروں کو) بتا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔
(۲۲۴) وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ ؕ	(پیغمبر شاعر نہیں ہیں) شاعر تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔
(۲۲۵) اَلَمۡ تَرَ اَنَّهُمۡ فِىۡ كُلِّ وَادٍ يَّهِيۡمُوۡنَ ۙ	کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔
(۲۲۶) وَ اَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا يَفۡعَلُوۡنَ ۙ	اور وہ ایسی باتیں کرتے ہیں، جن پر خود عمل نہیں کرتے۔
(۲۲۷) اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّ انۡتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا ؕ وَ سَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ۚ	مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، نیک اعمال انجام دیتے ہیں، اور خدا کو زیادہ یاد کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ اپنے (اور دوسرے مومنین کے) دفاع کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جنہوں نے ظلم کیا ہے انہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ انہیں کہاں لوٹ کر جانا ہے۔

تفسیر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر نہیں ہیں

یہاں ایک بار پھر اس گفتگو کی طرف لوٹ رہی ہیں جن میں دشمنان رسول کی اس تہمت کا ذکر ہے کہ قرآن شیطانی القاء کا

مجموعہ ہے چنانچہ یہ آیات دوٹوک اور دلچسپ انداز میں اس تہمت کا جواب دے رہی ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں۔

(۲۲۲) وہ ہر جھوٹے گناہ گار پر نازل ہوتے ہیں۔

(۲۲۳) شیطان جو کچھ سنتے ہیں اس میں بہت سے جھوٹ ملا کر اپنے دوستوں تک پہنچاتے ہیں اور ان میں سے اکثر دروغ گو ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ شیطانی القاء کی نشانیاں بالکل واضح ہوتی ہیں جن کے ذریعے انہیں پہچاننا بالکل آسان ہوتا ہے۔

شیطان ایک خطرناک ایذا رساں' تخریب کار وجود کا نام ہے جس کی بتائی ہوئی باتیں فساد اور تخریب کاری پر مبنی ہوتی ہیں اور اس کے خریدار بھی جھوٹ اور گناہ گار لوگ ہوا کرتے ہیں اور ان امور میں سے کوئی ایک بھی قرآن اور اس کے لانے والے سے مطابقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس سے ذرہ بھر مشابہت رکھتا ہے۔

(۲۲۴) زیر نظر چوتھی آیت میں پیغمبر اسلام ﷺ کو کفار کی طرف سے لگائے جانے والے ایک اور الزام کا جواب دیا گیا ہے کفار آنحضرت ﷺ کو شاعر کہتے تھے۔

قرآن مجید موجودہ آیت میں نہایت ہی منطقی بیان کے ساتھ فرماتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا طریقہ کار شعراء کے طریقہ کار سے بالکل جدا ہے شعراء تخیلات اور تصورات کی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ ایک حقیقی اور واقعی دنیا میں رہ رہے ہیں اور عالم انسانیت کو ایک نظام عطا فرما رہے ہیں۔

شعراء عموماً عیش و نوش کے طالب ہوتے ہیں اور یار کے خیال و زلف دراز کے اسیر ہوتے ہیں (خصوصاً وہ شعراء جو اس دور میں اور حجاز کے ماحول میں رہے تھے جیسا کہ ان کے اشعار سے ظاہر ہے۔

(۲۲۵) پھر اس کے فوراً بعد اس جملے کا اضافہ فرمایا گیا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

وہ اپنی شعرانہ سوچوں اور تشبیہوں میں غرق رہتے ہیں حتی کہ جدھر قافیہ انہیں لے جاتا ہے ادھر ہی چل نکلتے ہیں۔

یہ لوگ عموماً منطق اور استدلال کے پابند نہیں ہوتے۔ ان کے ہیجانات کی پیداوار ہوتے ہیں اور یہی ہیجانات اور خیالی دوڑ ہر زمانے میں انہیں ایک نئی وادی میں لے جاتے ہیں۔

جب کسی سے خوش ہو جاتے ہیں تو زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اور اسے اوج ثریا تک پہنچا دیتے ہیں خواہ وہ تحت الثریٰ کا مستحق ہی کیوں نہ ہو اور اسے ایک خوبصورت فرشتہ بنا دیتے ہیں خواہ وہ شیطان لعین ہی کیوں نہ ہو۔

اور جب کسی سے ناراض ہو جاتے ہیں تو اپنی ہجویات کے ذریعے گویا اسے اسفل السافلین تک پہنچاتے دیتے ہیں خواہ وہ

مقدس آسمانی فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۲۶) پھر یہ کہ شعراء عموماً بزم کے شیر ہوتے ہیں مرد میدان نہیں ہوتے اہل سخن ہوتے ہیں صاحبان عمل نہیں لہٰذا بعد والی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کیا دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔

لیکن پیغمبر اسلام تو سرتا پا عمل ہیں حتی کہ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کے عزم راسخ، زبردست استقامت اور عمل کے پلوؤں کو اہمیت دینے کی تعریف کرتے ہیں کجا شاعر اور کجا اسلام کے عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟

(۲۲۷) لیکن چونکہ شعراء میں نیک اور با مقصد شاعر بھی ہوتے ہیں جو صاحبان عمل اور اہل حقائق ہوتے ہیں حقانیت اور پاکیزگی کی طرف دعوت دیتے ہیں ہر چند کہ اس قماش کے شاعر اس دور میں بہت کم ملتے تھے قرآن مجید نے ایسے با ایمان ہنرمندوں اور حق اور صداقت کے متلاشیوں کا حق ضائع ہونے سے بچانے کیلئے ایک استثناء کے ذریعے ان کی صف کو دوسرے سے جدا کر دیا چنانچہ فرماتا ہے لیکن جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے عمل صالح انجام دیئے ہیں۔

جن شعراء کا ہدف صرف شعر گوئی نہیں ہوتا بلکہ وہاں شعار کے پردے میں خدائی اور انسانی ہداف کے متلاشی ہوتے ہیں ایسے شعراء جو صرف اشعار میں غرق ہو کر خدا کو بھول نہیں جاتے بلکہ جو خدا کو بہت یاد کرتے ہیں اور ان کے اشعار لوگوں کو خدا کی یاد دلاتے ہیں۔

جب ان پر ظلم وستم کیا جاتا ہے تو وہ اپنے ذوق کی بناء پر اپنے اور دوسرے مومنین کے دفاع کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تو اس طرح سے قرآن پاک نے ان با مقصد شعراء کی چار صفات بیان کی ہیں ایمان، عمل صالح خدا کا ذکر کثیر اور دوسرے مومنین پر ہونے والے ظلم کا شعری طاقت کے ذریعے دفاع۔

اور چونکہ اس سورت کی بیشتر آیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اوائل اسلام کے معدودے چند مومنین کی دلجوئی کیلئے نازل ہوئی ہیں کیونکہ انہیں اس وقت کثیر تعداد میں دشمنوں کا سامنا تھا اور چونکہ اس سورہ کی بہت سی آیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگائی جانے والے ناروا تہمتوں کے جواب اور آپ کے دفاع کے طور پر نازل ہوئی ہیں لہٰذا ان ہٹ دھرم اور ضدی دشمنوں کو سورہ کے آخر میں ایک بار پھر متنبہ کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ بہت جلد جان لیں گے کہ ان کی بازگشت کدھر کو ہے اور ان کا کیا انجام ہوگا۔

سورہ نمل

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۹۳ آیات ہیں

سورہ نمل کے مضامین

مجموعی طور پر اس سورہ کے مضامیں بھی وہی ہیں جو دوسری مکی سورتوں کے ہوتے ہیں یعنی اعتقادی لحاظ سے زیادہ تر مبداء اور معاد پر زور دیا گیا ہے۔

عملی اور اخلاقی مسائل کی رو سے اللہ تعالیٰ کے پانچ عظیم نبیوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں منحرف اور گمراہ اقوام کے ساتھ ان کے مقابلے کا ذکر ہے تا کہ اس طرح سے ایک تو ان مومنین کی تسلی کا سامان فراہم کیا جا سکے جو خاص طور پر ان دنوں مکہ میں نہایت اقلیت میں تھے اور دوسرے ہٹ دھرم اور ظالم مشرکین کیلئے تنبیہ ہوتا کہ وہ صفحہ تاریخ میں گزشتہ سرکشوں کا انجام دیکھ کر کچھ عبرت حاصل کریں بیدار ہوں اور ہوش میں آ جائیں!

اس سورہ کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ اس کا بیشتر حصہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سباء کی داستان ملکہ کی توحید پر ایمان لانے کی کیفیت جناب سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہدہد جیسے پرندوں اور چیونٹی جیسے حشرات کی گفتگو پر مشتمل ہے۔

اسی وجہ سے اس سورت کا نام بھی نمل چیونٹی ہے عجیب بات یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں اسے سورہ سلیمان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ساتھ ہی اس سورت میں پروردگار عالم کے بے انتہا علم کائنات میں اس کی ہر چیز پر نگرانی اور بندوں پر اس کی حاکمیت کہ جس کی طرف توجہ انسان کی تربیت کیلئے نہایت ہی موثر ہے کا ذکر بھی ہے۔

یہ سورت بشارت کے ساتھ شروع ہوتی ہے اور تنبیہ پر ختم ہو جاتی ہے بشارت وہ جو قران مجید مومنین کیلئے لایا ہے اور تنبیہ اس بات کی کہ خداوند عالم تم لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

سورہ نمل کی فضیلت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے۔

''جو شخص سورہ طس سلیمان (سورہ نمل) کی تلاوت کرے گا خداوند عالم اسے ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا اجر دے گا جنہوں نے سلیمان کی تصدیق یا تکذیب کی اسی طرح ان لوگوں کی تعداد سے بھی جنہوں نے ہود، شعیب، صالح اور ابراہیم علیہم السلام کی تصدیق یا تکذیب کی۔ اور بروز قیامت جب وہ اپنی قبر سے باہر نکلے گا تو اس کے منہ پر لا الہ الا اللہ کا ورد ہوگا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے
(۱) طٰسٓ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ	طس ۔ یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں ۔
(۲) ھُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ	مومنین کیلئے ہدایات اور بشارت ہیں۔
(۳) الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ	وہی جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔
(۴) اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَھُمۡ اَعۡمَالَھُمۡ فَھُمۡ یَعۡمَھُوۡنَ ؕ	جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم ان کے (برے) اعمال کو یوں خوشنما بنائیں گے کہ وہ بھٹکتے ہی پھریں گے۔
(۵) اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَھُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَ ھُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ھُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ	وہ ایسے لوگ ہیں جن کیلئے برا (اور دردناک) عذاب ہے اور وہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔
(۶) وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ عَلِیۡمٍ	اور یقیناً یہ قرآن خداوند حکیم و دانا کی طرف سے تجھ پر بھیجا جاتا ہے۔

تفسیر

قرآن ایک حکیم دانا کی طرف سے ہے

اس سورت کے آغاز میں ہم ایک بار پھر حروف مقطعات کا سامنا کر رہے ہیں اور پھر یہ کہ ان حروف کے فوراً ہی بعد قرآن مجید کی عظمت کی بات ہوتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کا ایک اور راز یہ ہو کہ یہ عظیم کتاب اور اس کی آیات مبین تو الف با جیسے سادہ اور معمولی حروف سے بنی ہیں لیکن تعریف کے لائق تو وہ آفریدگار ہے جس نے ایسا محیر العقول کارنامہ معمولی اور سادہ سے مواد کے ذریعے ظاہر کیا۔

پھر فرمایا گیا ہے یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں۔

(۲) اسی سلسلے کی دوسری آیت میں قرآن مجید کی ایک اور صفت بیان ہوئی ہے اور وہ یہ کہ یہ ایسا قران ہے جو مومنین کیلئے ہدایات کا ذریعہ اور بشارت کا وسیلہ ہے۔

(۳) وہ وہی لوگ ہیں جونماز قائم کرتے ہیں زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس لحاظ سے ایک تو ان کا مبداء اور معاد پر پختہ عقیدہ ہے دوسرے ان کا خدا اور خلق خدا کے ساتھ محکم تعلق ہے اسی لئے مندرجہ بالا اوصاف ان کے مکمل عقیدے اور طرز عمل کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) پھر قرآن ان لوگوں کے حالات بیان فرماتا ہے جو مومنین کے برعکس ہیں اور ان کے نہایت الم ناک حالات کا ایک رخ یوں بیان فرماتا ہے جو لوگ آخرت پر یمان نہیں رکھتے ہم ان کے برے اعمال کو بنا سنوار کر پیش کریں گے وہ زندگی کی راہوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

ان کی نگاہوں میں نجاست، طہارت ہوتی ہے برائی بھلائی ہوتی ہے پستی بلندی ہوتی ہے اور بدبختی سعادت وکامیابی ہوتی ہے۔

جب انسان غلط کام کرتا ہے تو آہستہ آہستہ برائی اس کی نظروں میں کم ہوجاتی ہے اور وہ اس کا عادی ہوجاتا ہے جب ایک عرصے تک اس سے مانوس ہوجاتا ہے تو پھر اس کیلئے مختلف توجیہات گھڑنا شروع کردیتا ہے اور پھر ایک مدت کے بعد وہ برائی اس کی نگاہوں میں خوبصورت چیز بلکہ ایک فریضہ بن جاتی ہے اور دنیا میں کتنے مجرم لوگ ہیں جو اپنے ان ناشائستہ اور غلط کاموں پر فخر ومباہات کرتے اور انہیں مثبت کام شمار کرتے ہیں۔

اقدار اور معیار جب یوں بدل جاتے ہیں تو انسانی زندگی بے راہ اور سرگرداں ہوکر رہ جاتی ہے اور یہ انسانی زندگی کی بدترین کیفیت ہے۔

(۵) پھر اعمال کے مزین کرنے کا نتیجہ بیان فرماتے ہوئے ایسے لوگوں کا انجام اس طرح بیان کیا گیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا سخت اور دردناک انجام ہے۔

دنیا میں سرگرداں مایوس، حیران وپریشان ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اور وہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں۔

اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوگا کہ انسان اپنے برے اعمال کو نیک اعمال سمجھے اور اپنی تمام توانائیاں ان پر صرف کردے اور مثبت کام سمجھ کر انہیں بجالاتا رہے لیکن ان کا انجام بدبختی سیاہ بختی اور عذاب کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

(۶) اسی سلسلے کی آیت جو قرآنی مضامین کی عظمت کے سلسلے میں گزشتہ اشاروں کی تکمیل کے طور پر اور انبیاء کرام کے حالات زندگی کیلئے جو ابھی شروع ہونے والے ہیں کے مقدمے کی صورت میں ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں ہے کہ یہ قرآن خداوند حکیم ودانا کی طرف سے تیری جانب بھیجا جاتا ہے۔

اگرچہ حکیم اور علیم ہردو خدا کی دانائی کی طرف اشارہ ہیں لیکن حکمت عام طور پر عملی پہلو کو بیان کرتی ہے اور علم نظری پہلو کو بالفاظ دیگر علیم خداوند عالم کے بے انتہا علم کی خبر دیتا ہے اور حکیم کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس عالم کے معرض وجود میں لانے اور قرآں کے نازل کرنے میں حساب وکتاب اور ہدف ومقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(۷) اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِہَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ	(اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: مجھے دور سے آگ دکھائی دے رہی ہے (تم یہیں ٹھہرو) میں تمہارے لئے کوئی اچھی خبر لاتا ہوں یا آگ کا شعلہ تاکہ تم اسے تاپ سکو۔
(۸) فَلَمَّا جَآءَہَا نُوۡدِیَ اَنۡۢ بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ وَ مَنۡ حَوۡلَہَا ؕ وَ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ	جب وہ آگ کے نزدیک پہنچے تو ایک آواز سنائی دی کہ بابرکت ہے وہ ذات جو آگ میں ہے اور وہ جو اس کے اطراف میں ہے اور پاک ومنزہ ہے وہ اللہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔
(۹) یٰمُوۡسٰۤی اِنَّہٗۤ اَنَا اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۙ	اے موسیٰ! میں عزیز وحکیم اللہ ہوں۔
(۱۰) وَ اَلۡقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہَا تَہۡتَزُّ کَاَنَّہَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰی لَا تَخَفۡ ۟ اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿ۖۗ	تم اپنا عصا پھینک دو۔ جب اسے دیکھا تو وہ (جلدی کے ساتھ) چھوٹے چھوٹے سانپوں کی مانند ادھر اُدھر دوڑ رہا ہے۔ (تو وہ گھبرا گئے اور) واپس مڑے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ! ڈرو نہیں کہ رسول میرے حضور ڈرا نہیں کرتے،
(۱۱) اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسۡنًۢا بَعۡدَ سُوۡٓءٍ فَاِنِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ	مگر یہ کہ کسی نے ظلم کیا ہو اور پھر وہ برائی کو نیکی میں تبدیل کرے تو (میں اس کی توبہ کو قبول کرتا ہوں اور) میں غفور ورحیم ہوں۔
(۱۲) وَ اَدۡخِلۡ یَدَکَ فِیۡ جَیۡبِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ ۟ فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ قَوۡمِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ	اور اپنا ہاتھ ذرا اپنے گریبان میں ڈال دو۔ جب باہر نکلے گا تو چمکدار اور روشن ہوگا اور اس میں کوئی عیب نہیں ہوگا اور یہ ان نو معجزوں میں سے ہے جن کے ساتھ تم فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجے جاؤ گے۔ وہ فاسق اور سرکش لوگ ہیں۔

(۱۳) فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰيٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۚ	اور جب ہماری روشنی عطا کرنے والی آیات ان کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا: کہ یہ تو کُھلا جادو ہے۔
(۱۴) وَ جَحَدُوۡا بِهَا وَ اسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۠	اور انہوں نے ان معجزات کا انکار ظلم وتکبر کی بنا پر کیا جبکہ ان کے دل میں مکمل یقین اور اطمینان تھا۔ دیکھئے مفسد لوگوں کا کیا انجام ہوا!

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام آگ کے شعلے کی امید لے کر آئے

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سورت میں قرآن مجید کی اہمیت کو بیان کرنے کے بعد خدا کے پانچ عظیم انبیاء اوران کی اقوام کے حالات کا تذکرہ ہے جن میں مومنین کی کامیابی اور کافروں کی سزا کا واضح طور پر وعدہ موجود ہے۔

سب سے پہلے خدا کے ایک اولوالعزم نبی جناب موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور براہ راست ان کی زندگی کے نہایت حساس لمحات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بات اس لمحے سے شروع ہوتی ہے جب وحی کی پہلی کرن ان کے دل پر پڑی اور وہ خداوند عالم کے پیغام اور کلام سے آشنا ہوئے۔ ارشاد ہوتا ہے اس وقت کو یاد کیجئے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا مجھے دور سے آگ دکھائی دی ہے۔

تم یہیں پر ٹھہر جاؤ! میں ابھی تمہارے لئے کوئی خبر لاتا ہوں یا آگ کا شعلہ تاکہ تم اسے تاپ سکو۔

اور یہ اس رات کا واقعہ ہے جب جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی زوجہ دختر شعیب کے ہمراہ مصر جارہے تھے تو راستے میں ایک بیابان تاریک میں پھنس گئے اور انہیں رات پڑ گئی راستہ کھو بیٹھے اور طوفانی ہوائیں چلنے لگیں پھر یہ کہ اسی وقت ان کی بیوی کو وضع حمل کی تکلیف شروع ہوگئی جناب موسیٰ علیہ السلام نے سردی دور کرنے کیلئے آگ کی بہت ضرورت محسوس کی لیکن اس بیابان میں کچھ بھی نہیں تھا اچانک انہیں دور سے آگ کا شعلہ نظر آیا تو بہت خوش ہوئے اور اسے انسانوں کی موجودگی کی دلیل سمجھا انہوں نے کہا میں جاتا ہوں یا تو تمہارے لئے کوئی خبر لاؤں گا یا پھر آگ کا شعلہ جسے تم تاپ سکو۔

(۸) چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنے اہل خاندان کو وہیں پہ چھوڑا اور اس طرف کو چل دیئے جدھر آگ جلتی دیکھی تھی جب اس کے نزدیک پہنچے تو آواز آئی بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے اطراف میں ہے اور پاک ومنزہ ہے وہ اللہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔

''جو آگ میں ہے'' سے مراد جناب موسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ آگ کے وہ شعلے جو سبز درخت کے درمیان سے ظاہر ہورہے تھے

موسیٰ علیہ السلام سے اس قدر نزدیک تھے کہ گویا وہ خود اس کے اندر تھے اور جو اس کے اطراف میں ہے سے مراد خداوند عالم کے مقرب فرشتے ہیں جو اس خاص لمحے اس مقدس سرزمین کو گھیرے ہوئے تھے یا پھر اس کے برعکس یعنی جو آگ میں ہیں سے مراد فرشتے ہیں اور جو اطراف میں ہے سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں

(۹) ایک بار پھر آواز بلند ہوئی اور موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا اے موسیٰ! میں عزیز اور حکیم اللہ ہوں۔

یہ جملہ اس لئے تھا تا کہ موسیٰ علیہ السلام سے ہر قسم کا شک وشبہ دور کیا جا سکے اور وہ جان لیں کہ یہ خداوند عالم ہی ہے جو ان سے مخاطب ہے نہ کہ آگ کا شعلہ یا درخت۔ وہ خدا جو نا قابل شکست اور صاحب حکمت وتدبیر ہے۔

(۱۰) چونکہ رسالت کے امور بجالانے کیلئے ظاہر قدرت وطاقت اور حقانیت کی سند کی ضرورت ہوتی ہے خاص کر جب امور سالت کی ادائیگی فرعون جیسے ظالم اور جابر شخص کے سامنے ہو تو اس مقام پر حکم ہوتا ہے: اپنا عصا زمین پر پھینکو۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر دے مارا تو اچانک وہ بہت بڑا سانپ بن گیا جب موسیٰ علیہ السلام نے اس پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے سانپوں کی طرح ادھرادھر دوڑ رہا ہے تو ڈر کر واپس ہوئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

یہاں پر ایک بار پھر موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوتا ہے اے موسیٰ! ڈرو نہیں کیونکہ رسول میرے حضور ڈرا نہیں کرتے۔

یعنی اے موسیٰ! تم عظیم پروردگار کے سامنے ہو اور اس کی ذات کے سامنے ہونے کا خاصہ یہ ہے کہ یہاں پر مطلق امن و سکون ہے۔

(۱۱) لیکن بعد والی آیت میں انی لا یخاف لدی المرسلون کے جملے کا استثناء کرتے ہوئے فرمایا ہے مگر جن لوگوں نے ظلم کیا ہے پھر توبہ کر کے اپنے گناہوں کی تلافی کی ہے اور اپنی برائیوں کو نیکی میں تبدیل کر دیا ہے تو میں بھی غفور ورحیم ہوں۔

(۱۲) پھر خدا نے انہیں دوسرا معجزہ دکھایا اور فرمایا اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں لے جاؤ جب وہ نکلے گا تو چمک رہا ہو گا بغیر اس کے کہ اس میں کسی قسم کا عیب ہو۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سفیدی، برص کی بیماری کی وجہ سے پیدا ہونے والی نہیں بلکہ وہ نوانیت اور روشنی ہے جو بذات خود ایک معجزے اور خارق العادت امر کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام پر مزید مہربانی کے طور پر اور راہ رست سے انحراف کرنے والوں کیلئے ہدایت کے مزید امکانات کیلئے فرمایا گیا ہے تمہارے معجزات صرف یہی دو نہیں بلکہ یہ دوان نو معجزوں میں سے ہیں جنہیں لے کر تم فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجے جاؤ گے کیونکہ وہ باغی اور فاسق لوگ چلے آ رہے ہیں اور انہیں ایسی ہدایات ورہنمائی کی ضرورت ہے جس کے ہمراہ بہت بڑے معجزات ہوں۔

اس آیت کے ظاہر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو معجزے بھی موسیٰ علیہ السلام کے ان نو مشہور معجزوں میں شامل ہیں جو اللہ نے انہیں عطا کیے تھے

(۱۳) آخر کار جناب موسیٰ علیہ السلام معجزے کے نہایت طاقتور ہتھیار سے مسلح ہو کر فرعون اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے

اور انہیں دین حق کی طرف دعوت دی' قرآن مجید بعد والی آیت میں فرماتا ہے جب ہماری روشنی عطا کرنے والی آیات ان کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا یہ تو بالکل کھلا جادو ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ تہمت تنہا جناب موسیٰؑ پر نہیں لگائی گئی بلکہ متعصب اور ہٹ دھرم لوگوں نے انبیاء کے ساتھ اپنی مخالفت کی توجیہہ اور دوسروں کا راستہ روکنے کیلئے تمام انبیاء پر تہمت لگائی اور یہ ان کے مشن کی عظمت کی واضح دلیل ہے۔

(۱۴) اور پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ قران نے زیر نظر آیات کے آخر میں ایک اور اہم انکشاف کیا ہے اور وہ یہ کہ ان کے یہ اتہامات اس لئے نہیں تھے کہ وہ سچ مچ شک وشبہ میں مبتلا تھے بلکہ انہوں نے ان معجزات کا انکار ظلم اور تکبر کی وجہ سے کیا جبکہ ان کے دل میں مکمل یقین اور اطمینان تھا۔

اس تعبیر سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان ایک علیحدہ حقیقت ہے اور علم و یقین علیحدہ حقیقتیں! اور یہ بات بالکل ممکن ہے کہ علم و آگاہی کے ہوتے ہوئے بھی انکار سرزد ہوتا رہے۔

بہرحال اسی آیت کے آخر میں ایک نہایت ہی مختصر مگر جامع فقرے کے ذریعے فرعون اور فرعون والوں کے انجام کو درس عبرت کے طور پر بیان کیا گیا ہے ان کے غرق اور نیست و نابود ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے دیکھیے مفسد لوگوں کا کیا انجام ہوا۔

(۱۵) وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ	ہم نے داؤد اور سلیمان کو اچھا خاصا علم عطا فرمایا اور انہوں نے کہا: اس خدا کیلئے حمد ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت بخشی ہے۔
(۱۶) وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ	اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور سلیمان نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی گفتگو کی تعلیم دی جا چکی ہے اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے، اور یہ ایک واضح و روشن فضیلت ہے۔

تفسیر

داؤدؑ اور سلیمانؑ کی حکومت

جناب موسیٰؑ کی داستان کا ایک گوشہ بیان کرنے کے بعد خدا دو اور عظیم انبیاء داؤد اور سلیمانؑ کے واقعات بیان کرتا ہے البتہ داؤدؑ کے بارے میں ایک اشارہ سا ہے لیکن سلیمان کے بارے میں مفصل گفتگو ہے۔

ان دو انبیاء کی داستان کا یہ حصہ جناب موسیٰؑ کی داستان کے بعد اس لئے ذکر ہوا ہے کیونکہ یہ باپ بیٹا بھی بنی اسرائیل

کے انبیاء میں سے تھے ان کی اور دوسرے انبیاء کی تاریخ کا فرق یہ ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی فکری اور اجتماعی آمادگی کے پیش نظر عظیم حکومت تشکیل دی اور اسی حکومت کے ذریعے دین الہٰی کو وسعت ملی لہٰذا یہاں پر دوسرے انبیاء کی نسبت گفتگو کا انداز بھی کچھ اور ہے۔ دوسرے انبیاء کی بارے میں ہے کہ انہیں اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ بعض کو توان کی قوم نے شہر بدر کر دیا لیکن یہاں پر ایسی چیزوں کا تذکرہ نہیں ہے یہاں بات بالکل مختلف ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے علم عطا کرنے کے ذکر سے ان انبیاء کی داستان کا ذکر کیا ہے جو کسی صالح اور طاقتور حکومت کا بنیادی عنصر ہے فرمایا گیا ہے ہم نے داؤد اور سلیمان کو اچھا خاصا علم عطا فرمایا۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہاں پر علم وسیع معنوں میں ہے جس میں توحید مذہبی عقائد اور دینی قوانین کا علم بھی شامل ہے اور قضا کا علم بھی بلکہ وہ تمام علوم بھی جو اس طرح کی وسیع اور طاقتور حکومت کے لئے ضروری ہوتے ہیں کیونکہ کسی حکومت الہٰیہ کی تشکیل جو عدل و انصاف کی بنیادوں پر قائم ہو اور آباد و آزاد ہو وہ ایک وسیع اور سرشار علم کے بغیر ناممکن ہے۔

اور اس کے بعد جناب داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبانی یہ جملہ نقل کیا گیا ہے اور انہوں نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اور یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ علم کی عظیم نعمت کے فوراً بعد شکر کی بات آئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر نعمت کا شکر لازم ہے اور شکر کی حقیقت یہ ہے کہ جس نعمت کو جس کام کیلئے خلق کیا گیا ہے اسے اسی کیلئے استعمال کیا جائے اور خدا کے ان دو عظیم پیغمبروں نے اپنے خداداد علم سے ایک حکومت الہٰیہ کو منظم کرنے میں بھرپور فائدہ اٹھایا۔

(۱۶) اس آیت میں پہلے حضرت داؤد علیہ السلام سے جناب سلیمان علیہ السلام کے وراثت پانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

جناب سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کی ہر چیز کے وارث بنے۔

پھر قرآن فرماتا ہے سلیمان علیہ السلام نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی گفتگو کی تعلیم دی گئی ہے۔

اور ہمیں سب کچھ دیا گیا ہے اور یہ واضح اور روشن فضیلت ہے۔ یعنی جو چیزیں اس الہٰی حکومت کیلئے لازمی تھیں۔ اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

(۱۷) وَ حُشِرَ لِسُلَیۡمٰنَ جُنُوۡدُہٗ مِنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ وَ الطَّیۡرِ فَہُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ	اور سلیمان کے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر ان کے پاس جمع ہوئے اور وہ اس قدر زیادہ تھے کہ آپس میں ملحق ہونے کے لئے انہیں توقف کرنا پڑتا۔

(۱۸) حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ	یہاں تک کہ وہ ایک روز وہ چیونٹیوں کی سرزمین کی طرف آ نکلے، تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! تم اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں روند نہ ڈالے۔
(۱۹) فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَ الِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ	(سلیمان) اس کی بات پر مسکرا دیئے اور ہنس کر فرمایا: پروردگارا! جو نعمتیں تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں مجھے ان کے شکر کی توفیق عطا فرما اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ عملِ صالح انجام دوں جو تیری رضا کا سبب بنے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں کے زمرے میں داخل فرما۔

تفسیر

حضرت سلیمان علیہ السلام وادی نمل میں

اس سورت کی اور سورہ سبا کی آیات سے یہ بات بخوبی سمجھی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی داستان حکومت کوئی عام سا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس میں مختلف قسم کی غیر معمولی باتیں ہیں اور بہت سے معجزات پائے جاتے ہیں۔

درحقیقت خداوند عالم نے ایسی عظیم حکومت کے قیام اور اتنی عظیم طاقتیں جناب سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر کے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمایا ہے اور ایک مؤحد انسان کے نزدیک قدرت خدا کے آگے یہ کام بالکل آسان ہے۔

انہی آیات میں سب سے پہلے فرمایا گیا ہے سلیمان کے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکران کے پاس جمع ہو گئے۔

لشکر والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے حکم دیا جاتا کہ ''اگلی صفوں کو روکے رکھیں اور پچھلی صفوں کو چلاتے رہیں تاکہ سب مل کر حرکت کریں''۔

(۱۸) بہرحال جناب سلیمان علیہ السلام اپنے اس عظیم لشکر کے ساتھ چلے حتیٰ کہ چیونٹیوں کی سرزمین پر پہنچ گئے۔

یہاں پر چیونٹیوں میں سے ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اے چیونٹیوں! اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ تاکہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں پامال نہ کر دے۔

(۱۹) سلیمان علیہ السلام یہ سن کر مسکرا دیئے اور ہنسنے لگے۔

اس موقع پر جناب سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں چند معروضات پیش کیں۔ پہلی یہ کہ خداوند! جو نعمتیں تو نے مجھے اور

میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں ان کا شکر کرنے کا طریقہ مجھے سکھا دے۔

تا کہ میں اپنی ان تمام عظیم نعمتوں کو تیری اس راہ میں بروئے کار لاؤں جس میں تیری خوشی اور رضا ہے اور میں جادۂ حق سے انحراف نہ کروں۔

دوسری یہ کہ مجھے توفیق عطا فرما تا کہ ایسا نیک عمل بجالاؤں کہ جس سے تو راضی ہو۔

آخر میں تیسری عرض داشت یہ پیش کی کہ پروردگار! مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے صالح بندوں کے زمرے میں شامل فرما۔

اس درخواست سے واضح ہوتا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے اقتدار حاصل کرنے کا مقصد اعمال صالح کی بجا آواری ہے اور باوقار عمل، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ ان اعمال کی بجا آوری کے لیے مقدمہ ہیں۔

اعمال صالح بھی خدا کی رضا وخوشنودی کے حصول کا مقدمہ ہیں۔ جو منتہائے مقصود اور سب غایتوں کی آخری غایت ہے۔

(۲۰)وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ	(سلیمان نے ہدہد) پرندے کی تلاش شروع کی اور کہا کہ مجھے ہُد ہُد دکھائی کیوں نہیں دے رہا، یا کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔
(۲۱)لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ	میں اسے یقیناً سخت سزا دوں گیا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ (اپنی غیر حاضری کی) کوئی واضح دلیل میرے سامنے پیش کرے۔
(۲۲)فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ	زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ (ہدہد آ گیا اور) عرض کیا: مجھے ایسی چیز کا پتہ چلا ہے جس سے آپ آگاہ نہیں ہیں۔ میں سر زمین سبا سے ایک سچی خبر لایا ہوں۔
(۲۳)اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ	میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے جو وہاں کے لوگوں پر حکومت کر رہی ہے اور اس کے پاس سب کچھ ہے، خصوصاً بہت عظیم تخت۔
(۲۴)وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۙ	(لیکن) میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا ہے کہ وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں مزین کر رکھا ہے، انہیں صحیح راستہ سے بھٹکا دیا ہے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں ہیں۔

(۲۵)اَلَّا یَسۡجُدُوۡا لِلّٰہِ الَّذِیۡ یُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ یَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ	وہ کیوں ایسے خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین میں مخفی چیزوں کو ظاہر فرماتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو؟
(۲۶)اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ السجدۃ	وہ ایسا خدا ہے جس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

تفسیر

ہدہد اور ملکہ سبا کی داستان

قرآن میں خداوند عالم حضرت سلیمانؑ کی حیرت انگیز زندگی کے ایک اور اہم واقعے کی طرف اشارہ فرماتا ہے اور ہدہد اور ملکہ سبا کا قصہ بیان کرتا ہے، فرماتا ہے: سلمان کو ہدہد دکھائی نہ دیا تو وہ اسے ڈھونڈنے لگے۔

یہ تعبیر اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کرتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنی حکومت کے حالات اور ملک کی کیفیت کو اچھی طرح مدنظر رکھتے تھے یہاں تک کہ ایک پرندہ بھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں تھا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ یہاں پر پرندے سے مراد ہدہد ہے جیسا کہ قرآن اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ انہوں نے کہا: کیا ہوا کہ مجھے ہدہد دکھائی نہیں دے رہا؟

یا کیا وہ غائب ہے؟

کیا وہ کسی معقول عذر کے بغیر غیر حاضر ہے یا معقول عذر کی وجہ سے غائب ہے؟

(۲۱) حضرت سلیمانؑ نے دوسروں کو درس دینے اور حکم عدولی پر سزا دینے کی خاطر مندرجہ ذیل جملہ کہا تا کہ ہدہد کی غیر حاضری دوسرے پرندوں پر بھی اثر کرے۔ چہ جائیکہ اہم عہدوں اور اعلیٰ مناصب پر فائز انسان۔ فرمایا:

میں یقیناً اسے سخت سزا دوں گا۔

یا اسے ذبح کر ڈالوں گا۔

یا پھر وہ اپنی غیر حاضری کی میرے سامنے واضح دلیل پیش کرے؟

درحقیقت جناب سلمانؑ نے غیر حاضری کی صورت میں یک طرفہ فیصلہ دینے کی بجائے خلاف ورزی ثابت ہو جانے پر سزا کی تنبیہ کی ہے اور اپنی اس تنبیہ میں بھی دو مراحل بیان کیے ہیں جو جرم کی نوعیت کے مطابق ہیں ایک مرحلہ بغیر موت کے سزا ہے اور دوسرا سزائے موت کا مرحلہ ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ انہیں اپنی حکومت اور طاقت کا گھمنڈ نہیں ہے بلکہ اگر ایک کمزور سا پرندہ بھی معقول اور واضح دلیل پیش کرے تو وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

(۲۲) ہدہد کی غیر حاضری کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ہدہد واپس آ گیا اور سلیمان کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس سے آپ آگاہ نہیں ہیں میں آپ کے لیے سرزمین سبا سے ایک یقینی اور بالکل تازہ خبر لایا ہوں۔

(۲۳) بہرحال ہدہد نے ماجرے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا میں سرزمین سباء میں چلا گیا تھا میں نے دیکھا کہ ایک عورت وہاں کے لوگوں پر حکومت کر رہی ہے اس کے قبضے میں سب کچھ ہے خاص طور پر اس کا ایک بہت بڑا تخت بھی ہے۔

ہدہد نے ان تین جملوں میں ملک سبا کی تقریباً تمام خصوصیات بتا دیں اور وہاں کے طرز حکومت سے بھی سلیمانؑ کو باخبر کر دیا۔

(۲۴) سلیمانؑ ہدہد کی یہ بات سن کر ایک گہری سوچ میں پڑ گئے لیکن ہدہد نے انہیں مزید سوچنے کی مہلت نہ دی اور فوراً ہی ایک اور بات پیش کر دی۔ اس نے کہا جو عجیب و غریب اور تکلیف وہ چیز میں نے وہاں دیکھی ہے وہ یہ کہ میں نے دیکھا ہے کہ وہ عورت اور اس کی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے ان کے اعمال کو ان کے لیے مزین کر رکھا ہے لہٰذا وہ سورج کو سجدہ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

اس طرح سے شیطان نے انہیں راہ حق سے روک رکھا ہے۔

وہ بت پرستی میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ مجھے یقین نہیں کہ وہ آسانی سے اس راہ سے پلٹ جائیں۔ وہ بالکل ہدایت نہیں پائیں گے۔

(۲۵) پھر کہا وہ اس خدا کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔

یعنی وہ لوگ اس خدا کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان و زمین کے پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔

(۲۶) وہ اپنی گفتگو کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہے۔ وہ خدا وہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور جو عرش عظیم کا پروردگار اور مالک ہے۔

اس طرح سے اس نے پرودگار کی توحید عبادت اور توحیدیت کو بیان کر کے اور ہر طرح کے شرک کی نفی کر کے اپنی گفتگو کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

(۲۷)قَالَ سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ	(سلیمان نے) کہا: ہم تحقیق کریں گے اور دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔
(۲۸)اِذۡهَبْ بِّكِتٰبِىۡ هٰذَا فَاَلۡقِهۡ اِلَيۡهِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَانْظُرۡ مَاذَا يَرۡجِعُوۡنَ	میرا یہ خط لے جا اور اسے ان لوگوں کے سامنے ڈال دے۔ پھر لوٹ آ، (ایک کونے میں چھپ کر) دیکھ کہ وہ کیا ردِ عمل کرتے ہیں۔
(۲۹)قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّىۡۤ اُلۡقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيۡمٌ	(ملکہ سبا نے) کہا: اے سردارو! یہ ایک نہایت ہی (اہم اور) با عظمت خط میرے پاس گرایا گیا ہے۔
(۳۰)اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۙ	یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اس طرح ہے: رحمٰن و رحیم اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں
(۳۱)اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَىَّ وَاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ ؒ	(تمہیں میری یہی نصیحت ہے) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے میرے پاس آجاؤ۔
(۳۲)قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ ۚ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ	(پھر) کہا: اے سردارو (اور اے بزرگو)! اس اہم معاملے میں اپنی رائے دو، کیونکہ میں نے کوئی بھی اہم کام تمہاری شرکت کے بغیر انجام نہیں دیا۔
(۳۳)قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ وَّ اُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ ۙ وَّ الۡاَمۡرُ اِلَيۡكِ فَانْظُرِىۡ مَاذَا تَاۡمُرِيۡنَ	درباریوں نے کہا: ہم بہت طاقتور ہیں اور ہمارے پاس بہت بڑی جنگی قوت ہے۔ لیکن آخری فیصلہ آپکے ہاتھ میں ہے۔ آپ کیا حکم دیتی ہیں؟
(۳۴)قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَ جَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ	ملکہ نے کہا: جب بادشاہ کسی آبادی والے علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ (جی ہاں) ان کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔

(۳۵)وَ اِنِّیۡ مُرۡسِلَۃٌ اِلَیۡہِمۡ بِہَدِیَّۃٍ فَنٰظِرَۃٌۢ بِمَ یَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ	میں (اس وقت جنگ کو خلافِ مصلحت سمجھتی ہوں لہٰذا) ایک قیمتی تحفہ ان کی طرف بھیجتی ہوں۔ پھر دیکھوں گی کہ میرے ایلچی کیا خبر لاتے ہیں۔

تفسیر

بادشاہ تباہیاں لاتے ہیں

حضرت سلیمانؑ نے غور سے ہدہد کی باتیں سنیں اور سوچنے لگ گئے۔ چونکہ یہ بات معمولی نہ تھی بلکہ ایک ملک اور ایک بڑی قوم کی تقدیر اس سے وابستہ تھی لہٰذا اس طرح فرمایا ہم اس بارے میں تحقیق کریں گے اور دیکھیں گے کہ آیا تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔

سلیمانؑ نے نہ تو ہدہد کو جھوٹا کہا اور نہ ہی بغیر دلیل کے اسکی بات کو تسلیم کیا بلکہ اس بارے میں تحقیقات کا حکم صادر فرمایا۔

(۲۸) بہرحال سلیمانؑ نے ایک نہایت مختصر لیکن جامع خط تحریر فرمایا اور ہدہد کو دے کر کہا۔ میرا یہ خط لے جاؤ اور ان کے پاس جا کر ڈال دو پھر لوٹ آؤ اور ایک کونے میں ٹھہر جاؤ اور دیکھو وہ کیا ردعمل کرتے ہیں۔

(۲۹) ملکہ سباء نے خط کھولا اور اس کے مندرجات سے آگاہی حاصل کی۔ چونکہ اس نے اس سے پہلے حضرت سلیمانؑ کا نام اور شہرت سن رکھی تھی اور خط کے مندرجات سے بھی واضح ہوتا تھا کہ جناب سلیمانؑ نے سباء کے بارے میں سخت فیصلہ کرلیا ہے لہٰذا وہ گہری سوچ میں پڑ گئی اور چونکہ ملک کے اہم ترین مسائل میں وہ اپنے مصاحبین سے مشورہ کیا کرتی تھی لہٰذا اس بارے میں بھی انہیں اظہار خیال کی دعوت دی اور ان سے مخاطب ہوکر کہا اے سردارو اور بزرگو ں ایک نہایت ہی باوقار خط میری طرف پھینکا گیا ہے۔

(۳۰) پھر ملکہ سباء نے خط کا مضمون سناتے ہوئے کہا یہ خط سلیمان پیغمبر خدا کی طرف سے ہے اور اس کے مندرجات یوں ہیں رحمان ورحیم اللہ کے نام سے............

(۳۱) میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم میرے مقابلے میں سرکشی سے کام نہ لو اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے میرے پاس آجاؤ۔

مذکورہ بالا دو آیتوں میں اہل سباء کے نام حضرت سلیمانؑ کے خط کے بارے میں جو کچھ مذکورہ ہے وہ طرز نامہ نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے جو اہم اور دور رس نتائج کا حامل ہے جس نے خداوند رحمان ورحیم کے نام سے شروع ہوکر صرف دو جچے تلے جملوں میں تمام مفہوم کا خلاصہ بیان کردیا ہے۔

(۳۲) حضرت سلیمانؑ کے خط کا تذکرہ کرنے کے بعد اہل دربار کی طرف رخ کرکے ملکہ نے یوں کہا اے سرداو اس اہم معاملے میں تم اپنی رائے کا اظہار کرو، کیونکہ میں کوئی بھی اہم کام تمہاری شرکت اور تمہاری رائے کے بغیر انجام نہیں دیتی ہوں۔

(۳۳) اشراف قوم نے جواب میں کہا ہم بڑی طاقت والے اور جنگجو لوگ ہیں لیکن آخری فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے دیکھئے آپ کیا حکم دیتی ہیں؟

اس طرح سے انہوں نے ایک تو اس کے سامنے اپنی فرمانبرداری کا اظہار کردیا اور دوسرے اپنی قوت کا ذکر کرکے میدان جنگ میں لڑنے کا مشورہ بھی دے دیا۔

(۳۴) جب ملکہ نے ان کا جنگ کی طرف رجحان دیکھا اور اندرونی طور پر اس کا قطعاً یہ ارادہ نہیں تھا تو ان کی جنگی پیاس کو بجھانے نیز صحیح حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے انہیں قانع کرنے کے لیے کہا جب بادشاہ کسی آباد علاقے میں داخل ہوتے ہیں تو انہیں تباہ وبرباد کردیتے ہیں۔اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں۔

پھر اس نے تاکید کے طور پر بلکہ یقینی صورت میں کہا جی ہاں وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

درحقیقت ملکہ سباء خود بھی ایک بادشاہ تھی لہٰذا وہ بادشاہوں سے اچھی طرح واقف تھی کہ بادشاہوں کی جنگی حکمت عملی دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے ایک تباہی اور بربادی اور دوسرے باعزت افراد کو ذلیل کرنا کیونکہ انہیں تو صرف اپنے ہی مفادات عزیز ہوتے ہیں۔قوم وملت کے مفادات اور ان کی سربلندی سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا لہٰذا عمومی طور پر یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔

(۳۵) پھر ملکہ نے کہا ہمیں سب سے پہلے سلیمان اور اس کے ساتھیوں کو آزمانا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ واقعاً ہیں کیسے لوگ؟ آیا سلیمان بادشاہ ہے یا پیغمبر ہے؟ تباہ کار ہے یا مصلح، اقوام وملل کو ذلیل کرتا ہے۔یا عزت بخشتا ہے؟ تو اس کام کے لیے ہمیں تحفے تحائف سے استفادہ کرنا چاہئے لہٰذا میں ان کی طرف کچھ معقول تحفے بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ میرے قاصد ان کی طرف سے کیا ردعمل لاتے ہیں۔

بادشاہوں کو تحفے تحائف سے بڑی محبت ہوتی ہے اور یہ تحفے اور ہدیے ہی ان کی بہت بڑی کمزوری ہوتے ہیں۔انہیں تحفے دے کر جھکایا جاسکتا ہے، ہم دیکھیں گے اگر سلیمان نے ان تحائف کو قبول کرلیا تو معلوم ہوجائے گا کہ وہ بادشاہ ہے اور ہم بھی ڈٹ کر اس کا مقابلہ کریں گے اور اپنی طاقت استعمال کریں گے کیونکہ ہم بہرحال طاقتور ہیں اور اگر اس نے ان تحائف سے بے رخی برتی اور اپنی باتوں پر ڈٹا رہا تو ہم سمجھ لیں گے کہ وہ خدا کا نبی ہے تو ایسی صورت میں ہمیں بھی عقل مندی سے کام لینا ہوگا۔

(۳۶)فَلَمَّا جَآءَ سُلَيۡمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوۡنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰٮنَِۦَ اللّٰهُ خَيۡرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ۚ بَلۡ اَنۡتُمۡ بِهَدِيَّتِكُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ	جب (ملکہ سباء کے ایلچی) سلیمان کے پاس آئے تو اس نے کہا: تم مجھے مال کے ذریعہ مدد (اور فریب دینا) چاہتے ہو۔ جو خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ یہ تو تم ہی ہو جو اپنے تحفے تحائف پر خوش ہوتے ہو۔
(۳۷)اِرۡجِعۡ اِلَيۡهِمۡ فَلَنَاۡتِيَنَّهُمۡ بِجُنُوۡدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمۡ بِهَا وَلَنُخۡرِجَنَّهُمۡ مِّنۡهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ	ان کے پاس لوٹ جاؤ، (اور انہیں جا کر بتادو کہ) ہم ایسے لشکروں کے ساتھ ان کی طرف آئیں گے جن سے مقابلہ کی طاقت ان میں نہیں ہوگی اور انہیں اس سرزمین سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ نہایت ہی حقیر ہوں گے۔

تفسیر

مجھے مال کے ذریعہ نہ ورغلاؤ

ملکہ سباء کے روانہ کیے ہوئے افراد نے سرزمین یمن کو خیر باد کہا اور شام اور جناب سلیمان کے مرکز حکومت کی طرف چل دیئے۔ دل میں یہی تصور لیے ہوئے سلیمان ان کے تحائف قبول کرلیں گے اور خوش ہو کر انہیں شاباش کہیں گے۔

لیکن جوں ہی وہ سلیمان علیہ السلام کے حضور پیش ہوئے تو وہاں پر عجیب وغریب منظر دیکھا سلیمان علیہ السلام نے نہ صرف ان کا استقبال نہیں کیا بلکہ انہیں یہ بھی کہا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے مال کے ذریعے میری مدد کرو؟ حالانکہ یہ مال میری نگاہ میں بالکل بے قیمت سی چیز ہے جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے اس سے کئی حصے بہتر اور کہیں قیمتی ہے۔

نبوت، علم ودانش، ہدایت اور تقوی کے مقابلے میں مال کی کیا حیثیت ہے؟

یہ تو تم ہو جو اپنے تحفے تحائف پر خوش ہوتے ہو۔

اس طرح سے جناب سلیمان علیہ السلام نے ان کی اقدار اور میعار کی نفی کر دی اور تحائف کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا کر ثابت کر دیا کہ ان کے نزدیک اقدار اور میعار کچھ اور ہیں۔

جناب سلیمان علیہ السلام نے حق وباطل کے مسئلے میں اپنے اس عزم بالجزم کو ثابت کرنے کے لیے ملکہ سبا کے خاص ایلچی سے فرمایا تم ان کی طرف واپس پلٹ جاؤ اور اپنے یہ تحفے بھی ساتھ لے جاؤ لیکن یہ ضرور یاد رکھو کہ ہم کئی لشکر لے کر ان کے پاس بہت جلد پہنچ رہے ہیں جن کے مقابلے کی طاقت ان میں نہیں ہوگی۔

اور ہم انہیں اس سرزمین سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ نہایت ہی حقیر ہوں گے۔

کیونکہ انہوں نے آئین حق کے سامنے جھک کر ہماری طرف رجوع نہیں کیا بلکہ مکر وفریب کے ذریعے ہم سے رابطہ کیا ہے۔

(۳۸)قَالَ يٰاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَيُّكُمۡ يَاۡتِيۡنِىۡ بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ	(سلیمان نے) کہا: اے سردارو! تم میں سے کون شخص اس کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے قبل اس کے کہ وہ خود میرے پاس آئے اور سرِ تسلیم خم کرے؟
(۳۹)قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ‌ ۚ وَاِنِّىۡ عَلَيۡهِ لَقَوِىٌّ اَمِيۡنٌ	جنوں میں سے ایک عفریت نے کہا: میں اسے آپ کے مجلس سے اٹھنے سے پہلے آپ کے پاس لے آؤں گا اور میں اس کو لانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امین بھی ہوں۔
(۴۰)قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ‌ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّىۡ‌ ۖ لِيَبۡلُوَنِىۡۤ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ‌ ؕ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ كَرِيۡمٌ	لیکن جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا اس نے کہا: میں اسے آپکے پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا اور جب سلیمان نے اس (تخت) کو اپنے پاس موجود دیکھا تو کہا: یہ سب میرے پروردگار کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں کیونکہ جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے میں شکر کرتا ہے اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو (جان لے) کہ میرا رب بے نیاز اور کریم ہے۔

تفسیر

پلک جھپکتے ہی تخت موجود

آخر کار ملکہ کے کارندے اپنے تحفے تحائف اور ساز وسامان اکٹھا کر کے اپنے ملک واپس چلے گئے اور سارا ماجرا ملکہ اور اس کے مصاحبین سے جا کر بیان کیا، اسی طرح حضرت سلیمان کے ملک کی معجزانہ عظمت بھی بیان کی جن میں سے ہر ایک بات اس امر کی دلیل تھی کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہیں اور نہ ہی عام دنیاوی بادشاہ ہیں بلکہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں اور ان کی حکومت ایک خدائی حکومت ہے۔

لہٰذا ملکہ سباء نے اپنی قوم کے بہت سے سرداروں کے ساتھ مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ سلیمانؑ کے پاس ذاتی طور پر جا کراس اہم مسئلے کے بارے میں تحقیقات کریں تا کہ پتہ چل سکے کہ سلیمانؑ کا کیا مسلک ہے؟

کسی صورت میں یہ خبر حضرت سلیمان تک بھی پہنچ گئی لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب جبکہ ملکہ اوراس کے ساتھی راستے میں ہیں انہیں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہئے تا کہ انہیں پہلے سے زیادہ ان کے اعجاز کی حقیقت کا علم ہو جائے اور وہ ان کی دعوت قبول کرلیں۔

لہٰذا حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے مخاطب ہوکر کہا اے بزرگو! تم میں سے کون شخص اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ خود میرے پاس آئیں اور سر تسلیم خم کریں۔

(۳۹) اس موقع پر دو قسم کے افراد نے کہا کہ ہم یہ کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جن میں سے ایک عجیب اور دوسرا عجیب تر تھا۔

سب سے پہلے جنوں میں سے ایک عفریت نے ان کی طرف منہ کر کے کہا میں اس کا تخت آپ کے مجلس سے اٹھنے سے پہلے آپ کے پاس لا دوں گا۔

یہ کام میرے لیے مشکل نہیں ہے اور نہ ہی میں اس کے بارے میں کسی قسم کی خیانت کروں گا کیونکہ میں اس سلسلے میں طاقتور بھی ہوں اور امین بھی۔

(۴۰) دوسرا ایک صالح اور متقی انسان تھا اور کتاب خدا سے بھی اچھی خاصی واقفیت تھی۔ جیسا کہ اس شخص کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اس نے کہا میں آپ لے پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو لے آؤں گا۔

جب حضرت سلیمانؑ نے اس کی پیش کش منظور کر لی تو اس نے بھی اپنی معنوی طاقت کے ذریعے ملکہ سباء کا تخت پلک جھپکنے میں آپ کے پاس حاضر کر دیا اور جب سلیمانؑ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگے یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر بجالاتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں۔

پھر خود ہی فرماتے ہیں جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ میں شکر کرتا ہے اور جو کفران نعمت کرتا ہے سو میرا پروردگار بے نیاز اور کریم ہے۔

یہ شخص جناب سلیمان کے مومن اور قریبی رشتہ داروں اور خاص دوستوں میں سے تھا۔ تواریخ میں اس کا نام آصف بن برخیا لکھا ہے۔ وہ جناب سلیمانؑ کے وزیر اور بھانجے تھے۔

اور ''علم کتاب'' کے بارے میں بہت سے مفسرین اور غیر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ مردِ مومن اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے باخبر تھا۔ یعنی ایسا باعظمت اور بزرگ نام جس کے سامنے دنیا کی ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے اور وہ انسان کو بے حد وانداز قدرت عطا کرتا ہے۔

"علم من الکتاب" اور "علم الکتاب" میں فرق

ابوسعید خدری سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے آنحضرتؐ سے (سلیمانؑ کی داستان میں مذکور) "الذی عندہ علم من الکتاب" کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"وہ میرے بھائی سلیمان بن داؤد کے وصی تھے"۔

تو پھر میں نے "الذی عندہ علم الکتاب" کے متعلق پوچھا تو فرمایا:

"ذاک اخی علی بن ابی طالب" (وہ میرے بھائی علی بن ابی طالبؑ ہیں)۔

"علم من الکتاب" جو جزوی علم کو ظاہر کرتا ہے اور "علم الکتاب" جو کلی علم کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے درمیان فرق کو دیکھا جائے تو اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ جناب آصف اور حضرت علیؑ کے درمیان کتنا فرق ہے؟

(۴۱)قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ	(سلیمان نے) کہا: اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دو تا کہ ہم دیکھیں کہ وہ سمجھتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو ہدایت نہیں پائیں گے۔
(۴۲)فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ	پس جب وہ آ گئی تو اسے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت اس جیسا ہے؟ (جواب میں) اس نے کہا: یہ تو خود وہی معلوم ہوتا ہے۔ ہم تو پہلے ہی جان چکے تھے اور سرِ تسلیم خم کر چکے تھے۔
(۴۳)وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ	اس طرح (سلیمان نے) اسے غیرِ خدا کی عبادت سے روک دیا کیونکہ وہ کافروں میں سے تھی۔
(۴۴)قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ	اسے کہا گیا کہ محل کے صحن میں داخل ہو جائے، لیکن جب اس نے دیکھا تو سمجھا کہ یہ پانی کی نہر ہے۔ اس نے (گزرنے کے لیے پائنچے اٹھائے اور) اپنی پنڈلیاں ظاہر کر دیں (لیکن سلیمان نے) کہا: یہ (پانی نہیں بلکہ) صاف بلور کا محل ہے

قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ وَ اَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَیۡمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؏	(ملکہ سبا) کہنے لگی: پروردگارا! میں تو اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی اور اب سلیمان کے ساتھ مل کر عالمین کے پروردگار کو تسلیم کرتی ہوں۔

تفسیر

ملکہ سباء کے دل میں نور ایمان

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سباء کی عقل وخرد کو آزمانے اور خدا پر اس کے ایمان لانے کے لیے راہ ہموار کرنے کی غرض سے اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کرنے کا حکم دیا۔ تا کہ وہ پہچانا نہ جاسکے چنانچہ انہوں نے کہا اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کردو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو ہدایت نہیں پاتے۔

صورت حال خواہ کچھ ہو جب ملکہ پہنچی تو کسی نے تخت کی طرف اشارہ کر کے کہا کیا آپ کا تخت اسی طرح کا ہے۔

ملکہ سبا نے نہایت ہی زیرکانہ انداز میں ایک بہت ہی شستہ اور جچا تلا جواب دیتے ہوئے کہا یہ تو خود ہی تخت معلوم ہوتا ہے۔

اس نے فوراً کہا ہم تو اسے پہلے ہی جان چکے تھے اور سر تسلیم خم کر چکے تھے۔

گویا کہ وہ کہنا چاہتی تھی کہ ان سارے کاموں سے سلیمان کا مقصد یہ تھا کہ ہم اس کے معجزے پر ایمان لے آئیں لیکن ہم تو اس سے پہلے ہی دوسری علامتوں کی وجہ سے ان کی حقانیت کے معترف ہو چکے ہیں اور ان غیر معمولی چیزوں کو دیکھنے سے پہلے ہی ان پر ایمان لا چکے ہیں اس طرح کے کاموں کی اب چنداں ضرورت نہیں تھی۔

(۴۳) تو اس طرح سے سلیمان علیہ السلام نے اسے ہر غیر خدا کی عبادت سے روک دیا۔

ہر چند کہ وہ اس سے پہلے کافروں میں سے تھی۔

(۴۴) اس سلسلے کی آخری آیت میں اس داستان کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے اور وہ ہے ملکہ سباء کا حضرت سلیمان کے محل میں داخل ہونا حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دے دیا تھا کہ ان کے ایک محل کے صحن کو بلور سے تیار کیا جائے اور اس کے نیچے پانی چلا دیا جائے۔

تو جب ملکہ سباء وہاں پہنچی تو اسے کہا گیا کہ محل کے صحن میں داخل ہو جاؤ۔

ملکہ نے جب صحن کو دیکھا تو اس نے سمجھا کہ پانی کی نہر چل رہی ہے اس نے پنڈلی سے کپڑا اٹھایا تا کہ پانی کو عبور کرے اور وہ تعجب میں غرق تھی کہ پانی کی نہر کا یہاں کیا کام؟

لیکن سلیمان علیہ السلام نے اسے کہا محل کا صحن صاف وشفاف بلور سے بنا ہوا ہے یہ پانی نہیں ہے کہ جسے عبور کرنے کے لیے تم نے پائنچے اٹھا رکھے ہیں اس مقام پر ایک نہایت ہی اہم سوال پیش آتا ہے اور وہ یہ کہ جناب سلیمان اللہ کے ایک عظیم پیغمبر تھے وہ اس قدر آرائشی اور زیبائشی کاموں میں کیوں لگ گئے؟ یہ ٹھیک ہے کہ وہ ایک بادشاہ اور فرمانروا تھے لیکن دوسرے انبیاء کی طرح کیا وہ سادگی کو

اختیار نہیں کر سکتے تھے؟

جواباً عرض ہے کہ اگر حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سباء کو مسلمان بنانے کے لیے اس طرح کی آرائش وزیبائش سے کام لیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ خصوصاً جبکہ ملکہ اپنی تمام طاقت وعظمت خوبصورت تاج وتخت، باشکوہ محل وقصر اور زرق برق آرائش وزیبائش میں ہی سمجھتی تھی چنانچہ جب حضرت سلیمان نے اسے اپنی سلطنت کی ایک جھلک دکھائی تو ملکہ کی آنکھوں کے سامنے اپنی حکومت کی تمام سج دھج ماند پڑ گئی اور حقیر دکھائی دینے لگی اور یہی بات اس کی زندگی کا اہم موڑ ثابت ہوئی جس میں اسے اقدار اور معیار زندگی کے بارے میں تبدیلی کرنا پڑی۔

آخر اس بات میں کیا حرج ہے کہ انہوں نے نقصان دہ اور خونریز لشکر کشی کی بجائے ایسی حکمت عملی اختیا کی کہ ملکہ کا دماغ چکرانے لگا وہ اس قدر مبہوت ہوگئی کہ جنگ کا تصور ہی اس کے دماغ سے کافور ہوگیا۔

دوسرے لفظوں میں ایک وسیع وعریض علاقے کا امن وامان، دین حق کی قبولیت اور بے پناہ جنگی اخراجات سے بچنے کے لیے اس قسم کے اخراجات کوئی بڑی بات نہیں تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب ملکہ سباء نے ان مناظر کو دیکھا تو فوراً کہا پروردگار میں نے تو اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

اور اب میں سلیمانؑ کے ساتھ مل کر اس اللہ کی بارگاہ میں سرِتسلیم خم کر چکی ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

خداوندا میں اپنے رہبر سلیمانؑ کے ساتھ مل کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، اپنے کیے پر نادم ہوں اور تیرے آستان قدسی پر میں نے اپنا سر جھکا دیا ہے۔

(۴۵)وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمۡ فَرِيۡقٰنِ يَخۡتَصِمُوۡنَ	اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ خدائے واحد کی عبادت کرو۔لیکن وہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر جھگڑا کرنے لگے۔
(۴۶)قَالَ يٰقَوۡمِ لِمَ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ ۚ لَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرُوۡنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ	(صالح نے) کہا: اے میری قوم! تم نیکی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی کرتے ہو؟ خداوند عالم سے اپنی بخشش کی درخواست کیوں نہیں کرتے ہوتا کہ تم بھی رحمتِ الٰہی میں شامل ہو جاؤ۔

(۴۷)قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ	انہوں نے کہا: ہم نے تمہیں بھی اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں انہیں بھی فالِ بد سمجھا ہے۔(صالح نے) کہا: بد (اور نیک) فال تو خدا کے پاس ہے۔تم ایسے لوگ ہو جنہیں آزمایا جارہا ہے۔

تفسیر

حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے

گزشتہ آیات میں خداوند عالم کے تین پیغمبروں موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ ہے اب یہاں پر جس چوتھے نبی اور اس کی قوم کا ذکر ہوا ہے وہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو عبادت خدا کی دعوت دیں۔

انبیاء کی داستان میں ''اخاھم'' ان کے بھائی کی تعبیر کا مقصد ان انبیاء کے اپنی قوم سے نہایت دلسوزی اور محبت کے اظہار کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

بہرحال اللہ کے اس باعظمت نبی کی دعوت اور تبلیغ کو صرف ایک جملے میں خلاصہ کے طور پر بیان کردیا گیا ہے کہ یقیناً عبادت خداوندی ہی تمام خدائی پیغمبروں کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے وہ لوگ صالح کی دعوت کے سلسلے میں دوحصوں میں بٹ گئے اور لڑنے جھگڑنے لگے ایک طرف مومن تھے اور دوسری طرف ضدی مزاج منکر۔

(۴۶) حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بیدار کرنے کے لیے انہیں تنبیہ کرنا شروع کی اور دردناک عذاب میں مبتلا ہونے سے بچانے کی کوشش کی، لیکن ان لوگوں نے نہ صرف نصیحت حاصل نہ کی اور بیدار نہ ہوئے بلکہ اسی چیز کو اپنی ہٹ دھرمی کی ایک آڑ بنا کر اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو پھر ہم پر عذاب الٰہی کیوں نازل نہیں ہوتا؟ یہی چیز سورہ اعراف کی آیت میں واضح پر بیان ہوئی ہے۔

لیکن صالح علیہ السلام نے انہیں کہا اے میری قوم تم نیکیوں کی کوشش اور ان کی تلاش سے پہلے ہی عذاب اور برائیوں کے لیے جلدی کیوں کرتے ہو؟

تم اپنی تمام تر فکر عذاب الٰہی کے نازل ہونے پر ہی کیوں مرکوز کرتے ہو؟ اگر تم پر عذاب نازل ہو گیا تو پھر تمہارا خاتمہ ہو جائے گا اور ایمان لانے کا موقع بھی ہاتھ سے چلا جائے گا۔آؤ اور خدا کی برکت اور اس کی رحمت کے ساتھ ایمان کے زیر سایہ میری

سچائی کو آزماؤ۔تم خدا کی بارگاہ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا سوال نہیں کرتے؟ تا کہ اس کی رحمت میں شامل ہو جاؤ۔

(۴۷) بہر حال اس سرکش قوم نے اس عظیم پیغمبر کی ہمدردانہ نصیحتوں کو دل کے کانوں سے سننے اور ان پر عمل درآمد کرنے کی بجائے واہیات اور بے کار باتوں کے ذریعے ان کا مقابلہ کرنے ٹھان لی، منجملہ اور باتوں کے انہوں نے کہا ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں سب کو ایک بری فال سمجھتے ہیں۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ سال خشک سالی اور قحط سالی کا تھا اسی لئے وہ صالح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے نامبارک قدموں کی بدولت ہوا ہے۔

لیکن جناب صالح علیہ السلام نے جواب میں کہا بری فال اور تمہارا نصیب تو خدا کے پاس ہی ہے۔

اسی نے تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں ان مصائب میں ڈال دیا ہے اور تمہارے اعمال ہی تمہاری اس سزا کا سبب بنے ہیں۔

درحقیقت تمہارے لیے یہ خدا کی ایک عظیم آزمائش ہے جی ہاں تم ہی ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جائے گی۔

یہ خدا کی آزمائش ہوتی ہے اور خبردار کرنے والی چیزیں ہوتی ہیں تا کہ جو لوگ سنبھل جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ سنبھل جائیں، خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں، غلط راستے کو چھوڑ کر خدائی راستے کو اختیار کر لیں۔

(۴۸)وَ كَانَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ تِسۡعَةُ رَهۡطٍ يُّفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَ لَا يُصۡلِحُوۡنَ	اور اس شہر (وادی القریٰ) میں نوٹولے تھے جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح کرنے والے نہیں تھے۔
(۴۹)قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهۡلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوۡلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدۡنَا مَهۡلِكَ اَهۡلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ	انہوں نے کہا: آؤ اور خدا کی قسم کھاؤ کہ اس (صالح) پر اور اس کے خاندان پر شبخون ماریں گے اور انہیں قتل کر دیں گے۔ پھر اس کے خون کے وارث سے کہدیں گے کہ ہمیں اسکے اہلِ خاندان کی ہلاکت کی کوئی خبر نہیں ہے اور ہم اپنی اس بات میں بالکل سچے ہیں۔
(۵۰)وَ مَكَرُوۡا مَكۡرًا وَّ مَكَرۡنَا مَكۡرًا وَّ هُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ	انہوں نے ایک اہم منصوبہ بنایا اور ہم نے بھی ایک اہم منصوبہ بنایا جبکہ وہ اس سے بے خبر تھے۔
(۵۱)فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكۡرِهِمۡ ۙ اَنَّا دَمَّرۡنٰهُمۡ وَ قَوۡمَهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ	ذرا دیکھو کہ ان کی سازش کا انجام کیا ہوا کہ ہم نے انہیں اور ان کی ساری قوم کو نیست و نابود کر دیا۔

(۵۲)فَتِلْکَ بُیُوْتُھُمْ خَاوِیَۃً بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ	پس یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم وستم کی وجہ سے خالی ہو چکے ہیں۔اس میں ان لوگوں کے لیے واضح نشانی ہے جو آگاہی رکھتے ہیں۔
(۵۳)وَ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ	اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے تھے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا تھا۔

تفسیر

نو مفسد ٹولوں کی سازش

یہاں پر حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کی داستان کا ایک اور حصہ بیان کیا گیا ہے جو درحقیقت گذشتہ حصے کا تتمہ ہے اور اسی پر اس داستان کا اختتام ہوتا ہے اس میں حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کا ذکر ہے جو نو کافر اور منافق لوگوں نے تیار کیا تھا اور خدا نے ان کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

فرمایا گیا ہے۔اس شہر وادی القریٰ میں نو ٹولے تھے جو زمین میں فساد برپا کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

(۴۹) ظاہر ہے کہ جب صالح علیہ السلام نے ظہور فرمایا اور اپنا مقدس اور اصلاحی آئین لوگوں کے سامنے پیش کیا تو ان ٹولوں پر عرصہ حیات تنگ ہونے لگا۔یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے مطابق انہوں نے کہا آؤ خدا کی قسم اٹھا کر عہد کریں کہ صالح اور ان کے خاندان پہ شب خون مار کر انہیں قتل کر دیں گے پھر ان کے خون کے وارث سے کہیں گے کہ ہمیں اس کے خاندان کے قتل کی کوئی خبر نہیں اور اپنی اس بات میں ہم بالکل سچے ہیں۔

(۵۰) تاریخوں میں ہے کہ ان کی سازش کچھ یوں تھی کہ شہر کے اطراف میں ایک پہاڑ تھا اور پہاڑ میں ایک غار تھی جس میں جناب صالح علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار وہ رات کو بھی اسی غار میں جا کر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے تھے اور اس سے راز و نیاز کیا کرتے تھے۔

انہوں نے طے کر لیا کہ وہاں کمین لگا کر بیٹھ جائیں گے جب بھی صالح علیہ السلام وہاں آئیں گے انہیں قتل کر دیں گے۔ان کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ پر حملہ کر کے انہیں راتوں رات موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔پھر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے اگر ان سے اس بارے میں کسی نے پوچھ بھی لیا تو اس سے لاعلمی کا اظہار کر دیں گے۔

لیکن خداوند عالم نے ان کی اس سازش کو عجیب وغریب طریقے سے ناکام بنا دیا اور ان کے اس منصوبے کو نقش برآب کر دیا۔

جب وہ ایک کونے میں گھات لگائے بیٹھے تھے تو پہاڑ سے پتھر گرنے لگے اور ایک بہت بڑا ٹکڑا پہاڑ کی چوٹی سے گرا اور آن کی آن میں اس نے سب کا صفایا کر دیا۔

لہٰذا قرآن مجید اس آیت میں کہتا ہے ادھر انہوں نے ایک اہم منصوبہ بنایا اور ادھر ہم نے زبردست منصوبہ تیار کیا اور انہیں اس کا کوئی علم نہیں تھا۔

(۵۱) پھر فرمایا گیا ہے ذرا دیکھو کہ ان کی سازش اور مکاری کا انجام کیا ہوا؟ کہ ہم نے ان کو اور ان کی تمام قوم اور طرفداروں کو نیست و نابود کر دیا۔

(۵۲) پھر قرآن پاک ان کی ہلاکت کی کیفیت اور ان کے انجام کو یوں بیان کرتا ہے دیکھو یہ ان لوگوں ہی کے گھر ہیں کہ جو اب ان کے ظلم و ستم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں۔

جی ہاں وہاں پر ظلم و ستم کی آگ بھڑکی جس نے سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔

ظالموں کے اس انجام میں خداوند عالم کی قدرت کی واضح نشانی اور درس عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو علم و آگہی رکھتے ہیں۔

(۵۳) لیکن اس بھٹی میں سب خشک و تر نہیں جلے بلکہ بے گناہ افراد گناہ گاروں کی آگ میں جلنے سے بچ گئے۔ ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لا چکے تھے اور تقویٰ اختیار کر چکے تھے۔

(۵۴) وَ لُوطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ	اور لوط کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم برے کاموں کی طرف جاتے ہو (ان کی برائی اور غلط نتائج) جبکہ تم دیکھ رہے ہو؟
(۵۵) اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ	کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت سے مردوں کے پاس آتے ہو؟ تم تو جاہل قوم ہو۔

تفسیر

قوم لوط کی بے راہروی

جس پانچویں پیغمبر کی زندگی کی طرف اس سورہ میں اشارہ کیا گیا ہے وہ خدا کے باعظمت نبی حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔

زیر آیات میں سب سے پہلے فرمایا گیا ہے اور لوط کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم برے کاموں کی طرف جاتے ہو۔ جبکہ ان کی برائی اور غلط نتائج تم دیکھ رہے ہو۔

"فاحشة" یہاں پر اس سے مراد لواطہ اور ہم جنس بازی کا فعل قبیح ہے۔

(۵۵) زیرِ نظر دوسری آیت میں قرآن فرماتا ہے کیا تم عورتوں کی بجائے شہوت کے ساتھ مردوں کے پاس جاتے ہو؟

چونکہ اس برے کام کا سبب جہالت اور نادانی ہے لہٰذا قرآن آگے فرماتا ہے تم تو نادان اور جاہل قوم ہو۔

خدا سے جہالت، مقصد تخلیق سے جہالت، ناموس خلقت سے جہالت اور اس بے شرمانہ گناہ کے آثار و نتائج سے جہالت اگر تم خوب غور سے کام لو اور خوب سوچو تو اس حقیقت کو یقیناً سمجھ لو گے کہ یہ قبیح فعل کس حد تک جاہلانہ کام ہے۔

(۵۶) فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ	انہوں نے اس کا جواب صرف یہ دیا ہے کہ ایک دوسرے سے کہا: لوط کے خاندان کو اپنے شہر اور علاقے سے نکال باہر کرو کہ یہ بڑے پاکدامن لوگ (بنتے) ہیں۔
(۵۷) فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ	ہم نے اسے اور اس کے اہل خاندان کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم نے مقدر کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو۔
(۵۸) وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۧ	پھر ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی اور یہ کتنی بُری بارش تھی ان کے لیے جنہیں ڈرایا گیا تھا!
(۵۹) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ	کہہ دیجئے حمد خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور (درودو) سلام ہو اس کے برگزیدہ بندوں پر تو کیا خداوند عالم بہتر ہے یا وہ بُت کہ جنہیں خدا کا شریک بناتے ہیں۔

تفسیر

جہاں پاکدامنی عیب بن جاتی ہے

اب دیکھنا یہ چاہیے کہ اس کثیف اور خبیث قوم نے آپ کی اس منطقی گفتار کا کیا جواب دیا؟ تو قرآن کی زبانی سن لیجئے قرآن کہتا ہے ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں تھا کہ ایک دوسرے سے کہا لوط کے خاندان کو اپنے شہر اور علاقے سے نکال باہر کرو کیونکہ یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں اور یہ اپنے تئیں ہم سے ہم آہنگ نہیں کر سکتے۔

یہ ایک ایسا جواب ہے جو ان کی فکری پستی اور انتہائی اخلاقی تنزل کا آئینہ دار ہے۔

جی ہاں! مجرم اور گناہ سے آلودہ ماحول میں پاکیزگی ایک جرم وعجیب ہوا کرتی ہے۔ یوسف جیسے پاکدامن کو عفت و پارسائی

کے جرم میں زندانوں میں ڈالا جاتا ہے۔خدا کے باعظمت نبی جناب لوط علیہ السلام کے خاندان کو گناہوں سے پرہیز اور دوری اختیار کرنے کی پاداش میں شہر بدر کیا جاتا ہے جبکہ زلیخائیں اس ماحول میں آزاد اور صاحب جاہ مقام ہوا کرتی ہیں اور قوم لوط اپنے اپنے گھروں میں آرام وآسائش کے ساتھ رہتی ہے۔

(۵۷) روایات میں ہے کہ جناب لوط علیہ السلام نے اس قوم کو تیس سال تک تبلیغ کی لیکن اپنے خاندان کے سوا اور وہ بھی بیوی کو مستثنٰی کرکے کیونکہ وہ مشرکین کے ساتھ ہم عقیدہ ہوگئی تھی اور کوئی بھی آپ پر ایمان نہیں لایا۔

اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کی اصلاح کی امید بالکل ختم ہوجائے انہیں دنیا میں جینے کا قطاً کوئی حق نہیں ہے بلکہ ان کی زندگی کا خاتمہ کردیا جائے تو بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اس آیت میں فرماتا ہے ہم نے لوط اور ان کے اہل خانہ کو نجات دی۔سوائے لوط کی زوجہ کے کہ جس کا مقدر ہم نے باقی رہ جانے والوں سے منسلک کردیا تھا۔

(۵۸) ایک مقررہ وقت کے مطابق ان کے باہر نکل جانے کے بعد اس رات کی صبح کو جبکہ شہر گناہوں میں پوری طرح غرق ہوچکا تھا،صبح کا وقت ہوا تو ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کردی کہ وہ سب لوگ اس میں دفن ہوکر رہ گئے اور وہ یہ اس وقت ہوا جب زلزلے نے مکمل طور پر ان کو تہہ وبالا کردیا۔

اور کس قدر بری،سخت اور ناگوار ہے ڈرائے جانے والے لوگوں پر پتھروں کی یہ بارش۔

(۵۹) اس آیت میں پانچ عظیم انبیاء کے تفصیلی حالات اور ان کی قوموں کا انجام بیان کرنے کے بعد گزشتہ واقعات کو بطور نتیجہ اور مشرکین سے گفتگو کے مقدمہ کے عنوان سے روئے سخن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرکے فرمایا گیا ہے۔کہہ دیجئے حمد وستائش ذات خدا کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

حمد وتعریف صرف اس خدا کے لیے مخصوص ہے جس نے قوم لوط جیسی بے حیا قوم کو نیست ونابود کردیا تاکہ ان کے اس قبیح فعل کی آلودگیوں سے باقی دنیا محفوظ رہ جائے۔

پھر فرمایا گیا ہے درود وسلام ہو اس کے برگزیدہ بندوں پر۔

سلام ہو موسیٰ علیہ السلام،صالح علیہ السلام،لوط علیہ السلام ،سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام پر اور سلام ہو تمام انبیاء اور ان کے سچے جانشینوں پر۔

بعد میں فرمایا گیا ہے کہ وہ خدا بہتر ہے جس نے یہ سب توانائی قدرت وطاقت،نعمت وانعام عطا فرمائے ہیں یا وہ بت جو مطلقاً کسی چیز کی استطاعت نہیں رکھتے اور یہ لوگ انہیں خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

(۶۰)اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ

(کیا جو بت تمہارے معبود ہیں وہ بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے آسمان اور زمین کو خلق فرمایا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کیا ہے؟ پھر ہم ہی نے اس کے ذریعے خو بصورت اور سرور انگیز باغات اُگائے۔ تمہارے بس کی تو بات ہی نہ تھی کہ تم درخت اگا سکتے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ نہیں! بلکہ وہ تو ایسے نادان لوگ ہیں کہ خدا کی مخلوق کو اس کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(۶۱)اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ

یا وہ جس نے زمین کو جائے آرام و قرار کی جگہ بنایا ہے اور اس میں دریا جاری کیے ہیں اور زمین کے لیے ثابت و محکم پہاڑ بنائے ہیں اور دو (میٹھے اور کڑوے) سمندروں کے درمیان حدِ فاصل بنائی ہے (تاکہ وہ آپس میں مل نہ جائیں، تو اس حالت میں) کیا خدا کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ نہیں! بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

(۶۲)اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ

یا وہ جو مضطر و بے چین کی دعا قبول کرتا ہے اور اس کی مصیبت دور کرتا ہے اور تمہیں زمین پر خلیفہ بناتا ہے، تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم میں سے بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(۶۳)اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؕ

یا وہ جو تمہیں صحرا کی تاریکیوں اور سمندر میں (ستاروں کے ذریعہ) رستہ دکھاتا ہے اور وہ جو اپنی رحمت کے نازل ہونے سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیج دیتا ہے؟ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ اللہ اس بات سے برتر و بالا ہے کہ اس کے ساتھ شریک قرار دیں۔

(۶۴)اَمَّنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	یا وہ جس نے خلقت کا آغاز کیا اور پھر اسے پلٹائے گا اور وہ جو تمہیں زمین وآسمان سے روزی عطا فرماتا ہے، کیا کوئی اور معبود خدا کے ساتھ ہے؟ کہہ دیجئے کہ اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم سچے ہو؟

تفسیر

دلائل کے باوجود بھی شرک

گزشتہ گفتگو کے سلسلہ آیات کی آخری آیت میں پانچ عظیم انبیاء کی چونکا دینے والی داستانوں کے بعد ایک مختصر مگر جامع سوال کیا گیا ہے کہ کیا خداوند قادر توانا بہتر ہے یا ان کے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بے قدر و قیمت بت؟

یہاں پر اس جملے کی تشریح کی گئی ہے اور پانچ آیات میں پانچ جچے تلے سوال کیے گئے ہیں۔ اور مشرکین کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سوالات کا جواب طلب کیا گیا ہے تو پانچ آیات میں خداوند عالم کی بارہ عظیم نعمتیں توحید کے دلائل کے طور پر ذکر کی گئی ہیں۔

سب سے پہلے آسمان وزمین کی خلقت، باران رحمت کا نزول اور اس سے پیدا ہونے والی برکتوں کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کیا وہ بت بہتر ہیں جو تمہارے معبود ہیں یا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل کیا ہے اور ہم نے اس سے خوبصورت اور سرور انگیز باغات اگائے۔

اسی آیت میں روئے سخن بندوں کی طرف کر کے فرمایا گیا ہے تمہارے بس سے یہ بات باہر ہے کہ تم ایسے خوش نما درخت اُگا سکو۔

تمہارا کام صرف اور صرف بیج ڈالنا اور آبپاشی کرنا ہے اور بس جو ذات ان بیجوں کے دل میں روح حیات ڈالتی ہے اور ان کے اگانے کے لیے نور آفتاب، قطرات باران اور ذرات خاک کو مامور کرتی ہے وہ ذات خداوند ذوالجلال ہی ہے۔

دوسرے لفظوں میں خلقت میں توحید توحید کے خالق اور ربوبیت میں توحید مدبر کائنات کی توجہ کو معبود کی توحید کے بنیادی ستون شمار کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟

لیکن وہ نادان لوگ ہیں جو پروردگار عالم سے منہ موڑ کر غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں جس میں کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔

(۶۱) دوسرا سوال زمین کی آرام وسکون کی نعمت اور اس جہان میں انسان کی قرارگاہ کے بارے میں ہے۔ کیا ان کے بناوٹی معبود بہتر ہیں یا وہ کہ جس نے زمین کو آرام کی جگہ بنایا ہے اور اس میں دریا چلائے ہیں اور زمین کے لیے محکم اور ٹھہرے ہوئے پہاڑ

بنائے ہیں تا کہ زمین کو زلزلے سے محفوظ رکھیں۔

نیز دو میٹھے اور کڑوے سمندروں کے درمیان ایک حد فاصل قرا دی ہے تا کہ وہ آپس میں مل نہ جائیں۔

کیا اس حیرت انگیز اور تعجب خیز نظام میں بتوں کا کوئی حصہ ہوسکتا ہے؟

نہیں اور ہرگز نہیں حتیٰ کہ خود بت پرستوں نے بھی اس بات کا دعوی نہیں کیا۔

یہی وجہ ہے کہ آیت کے آخر میں اس سوال کو ایک بار پھر دہراتا ہے کہ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟

نہیں کوئی نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان اور بے خبر ہیں۔

(۶۲) اسی سلسلے کے پانچ سوال ہیں جو درحقیقت ایک معنوی اور باطنی مقدمے کی تفتیش کے سلسلہ میں ہیں۔تیسرے سوال میں حل مشکل، رکاوٹوں کے دور کرنے اور دعا کے قبول ہونے کی بات ہوتی ہے۔قرآن فرماتا ہے کیا تمہارے بے قدر و قیمت معبود بہتر ہیں یا وہ جو عاجز و درماندہ اور مضطر انسان کی دعا قبول کرتا اور اس کی مشکلات کو دور کرتا ہے۔

جی ہاں! جب عالم اسباب کے تمام دروازے انسان پر بند ہو جاتے ہیں جب وہ مایوس اور پریشان اور درماندہ اور مضطر ہو جاتا ہے تو خدا ہی ان مشکلات کو حل کرتا ہے۔ مایوسیوں کو دور کرتا ہے امید کی کرن دلوں میں روشن کرتا ہے اور عاجز و درماندہ لوگوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ یہ صرف اور صرف اس کی پاک ذات ہوسکتی ہے اور کوئی نہیں چونکہ یہ حقیقت ایک فطری احساس کے طور پر تمام انسانوں کے اندر پائی جاتی ہے تو بت پرست بھی جب سمندر کی بے رحم موجوں کا شکار ہو جاتے ہیں تو اپنے تمام بناوٹی خداؤں کو فراموش کر کے حقیقی معبود اللہ کی رحمت کا سہارا طلب کرتے ہیں جیسا کہ قرآن فرماتا ہے۔

جب وہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو خدا ہی کو پکارتے اور عبادت و پرستش بھی اسی کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں۔(عنکبوت............۶۵)

پھر فرمایا گیا ہے کہ نہ صرف اللہ مشکلات اور مصائب کو دور کرتا ہے بلکہ تمہیں زمین کے خلفاء بھی قرار دیتا ہے۔

تو کیا پھر بھی خدا کے ساتھ کوئی معبود ہے۔

تم لوگ بہت کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو اور ان واضح دلائل کے باوجود تم کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

(۶۳) چوتھے سوال میں مسئلہ ہدایت پیش کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے کیا یہ بہتر ہیں یا وہ جو تمہیں صحراؤں اور سمندروں کی تاریکیوں میں ستاروں کے ذریعے ہدایت کرتا ہے؟

اور وہ جو اپنی رحمت کے نزول سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجتا ہے۔

ہوائیں بارش کے نزول کا پیش خیمہ ہوتی ہیں اور خوشخبری دینے والے قاصد کی مانند اس کے آگے آگے چلتی رہتی ہیں درحقیقت ان کا کام بھی نزول باران کی جانب لوگوں کو ہدایت کرنا ہوتا ہے۔

آیت کے آخر میں مشرکین کو ایک بار پھر خطاب کر کے قرآن فرماتا ہے آیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟

پھر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی فرماتا ہے خدا اس سے بلند و بالا ہے کہ اس کا شریک قرار دیں۔

(۶۴)اس آیت میں پانچویں سوال کو پیش فرماتا ہے جو مبداء اور معاد سے متعلق ہے سوال یہ ہے کیا تمہارے وہ معبود بہتر ہیں یا وہ جس نے خلقت کا آغاز کیا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرے گا۔

اور وہ جو تمہیں آغاز اور انجام کے اس دورانیے میں آسمان وزمین سے روزی عطا کرتا ہے کیا پھر بھی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟

تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارا عقیدہ یہی ہے تو اپنی دلیل لے آؤ اگر سچ کہتے ہو۔

آسمان کے رزق سے مراد بارش، سورج کی روشنی اور ان جیسے امور ہیں اور زمین کے رزق سے مراد نباتات اور مختلف غذائیں اور اناج ہے جو یا تو براہ راست زمین سے اگتے ہیں یا بالواسطہ اس سے کمک حاصل کرتے ہیں جیسے چوپائے وغیرہ یا معدنیات اور دوسری گوناگوں چیزیں کہ جن سے انسان اپنی زندگی میں بہرہ مند ہوتا ہے۔

(۶۵)قُلۡ لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ	کہہ دو: جو بھی زمین وآسمان میں ہیں ان میں سے کوئی بھی خدا کے سوا غیب سے آگاہ نہیں ہے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔
(۶۶)بَلِ ادّٰرَکَ عِلۡمُہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۟ بَلۡ ہُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّنۡہَا ۟ بَلۡ ہُمۡ مِّنۡہَا عَمُوۡنَ ﴿	یہ مشرک لوگ آخرت کے بارے میں کچھ بھی صحیح علم نہیں رکھتے بلکہ (یہ خود) اس کے بپا ہونے کے بارے میں بھی شک کرتے ہیں، بلکہ یہ تو اس سے بالکل نابینا ہیں۔
(۶۷)وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَاۤ اَئِنَّا لَمُخۡرَجُوۡنَ	کافروں نے کہا: جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد خاک ہو جائیں گے تو کیا وہ پھر دوبارہ نکالے جائیں گے؟
(۶۸)لَقَدۡ وُعِدۡنَا ہٰذَا نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ	یہ وہی وعدہ ہے جو ہم سے اور ہمارے آباؤ اجداد سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

تفسیر

گزشتہ آیات کے آخر میں قیامت اور معاد کی بات ہو رہی تھی لہٰذا یہاں پر اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی نظر ڈالی جا رہی ہے۔

سب سے پہلے اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے جو بارہا مشرکین کی طرف سے کیا جاتا تھا کہ قیامت کب برپا ہوگی؟

ارشاد ہوتا ہے: کہہ دو کہ اللہ کے سوا زمین وآسمان کے سب باسی غیب سے آگاہ نہیں۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب دوبارہ

اٹھائے جائیں گے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ قیام قیامت کی تاریخ سمیت غیب کا علم خدا کے ساتھ ہی مخصوص ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کچھ علم غیب کسی کے بھی اختیار میں دے دے۔

(٦٦) پھر مشرکین کی قیامت سے بے خبری اور اس کے بارے میں ان کے شک کے متعلق فرمایا گیا ہے وہ مرنے کے بعد کی دنیا سے آگاہ نہیں ہیں بلکہ وہ دراصل شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ تو اندھے ہیں۔

کیونکہ آخرت کی نشانیاں تو اسی دنیا میں آشکار ہیں مثلاً موسم بہار میں مردہ زمینوں کا زندہ ہو جانا، موسم خزاں میں خشک ہو جانے والے درختوں کا بارآور ہو جانا اور مجموعی طور پر عالم آفرینش میں عظمت الٰہی کا مشاہدہ، غرض سب کے سب دوبارہ زندگی کے امکان پر دلالت کرتے ہیں لیکن مشرک لوگ اندھوں کی مانندان کے پاس سے گزر جاتے ہیں اور غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔

(٦٧) یہ آیت روز قیامت کے منکرین کی منطق کو ایک جملے میں بیان کرتی ہے: کافروں نے کہا جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد خاک ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی اسی خاک سے نکالے جائیں گے۔

پھر وہ کہتے ہیں یہ بے اساس وعدہ ہے جو ہم سے اور ہمارے آباؤ اجداد سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے اس کا قطعاً کوئی اثر نہ تو ظاہر ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا۔

یہ سب کچھ گزشتہ لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں اور ان کی اوہام وخرافات سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں۔

بنابریں سب سے پہلے انہوں نے استبعاد سے سلسلہ گفتگو شروع کیا تھا اور انکار مطلق پر آ کر تان توڑی۔

ضمنی طور پر یہ بھی بتاتے چلیں کہ وہ اس طرح سے قیامت کے بارے میں پیغمبر اکرمﷺ کی توہین تحقیر کرنا چاہتے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ یہ وہی پرانے وعدے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے جو دوسرے انبیاء ہمارے آباؤ اجداد سے کرتے رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جس پر سوچ بچار کی جا سکے۔

(٦٩)قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ	کہہ دیجئے: روئے زمین پر چل پھر کے دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔
(٧٠)وَ لَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا تَكُنۡ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ	ان کے جھٹلانے اور انکار کرنے سے نہ گھبراؤ اور نہ ہی تمہیں ان کی سازشوں سے دل تنگ ہونا چاہیے۔
(٧١)وَ يَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ	وہ کہتے ہیں کہ (عذاب کا) یہ وعدہ (جو تو ہم سے کر رہا ہے)، اگر تو سچا ہے تو بتا کہ وہ کب آئے گا؟

(۷۲)قُلْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ رَدِفَ لَکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ	کہہ دو کہ جس کے بارے میں تم جلدی کرتے ہو شاید اس کا کچھ حصہ تمہارے نزدیک اور آس پاس ہی ہو۔
(۷۳)وَ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ	اور تمہارا پرودگار تو لوگوں پر فضل و رحمت کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں ہیں۔
(۷۴)وَ اِنَّ رَبَّکَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ	اور تمہارا رب اس چیز سے بھی آگاہ ہے جو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور اس سے بھی باخبر ہے جو وہ کھلم کھلا کرتے ہیں۔
(۷۵) وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ	اور زمین و آسمان میں کوئی ایسی مخفی چیز نہیں ہے جو کتاب مبین (لوحِ محفوظ اور پرودگا کے غیر متناہی علم) میں موجود نہ ہو۔

تفسیر

ان کی سازشوں سے نہ گھبرائیں

گزشتہ آیات میں متعصب کفار کی طرف سے معاد کے انکار کے بارے میں گفتگو تھی۔ یہاں پر ان کے لئے کسی قسم کی کوئی دلیل پیش کرنے کی بجائے انہیں درپیش آنے والے عذاب الٰہی سے ڈرایا جا رہا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہہ دو کہ روئے زمین میں چلو پھرو، گذشتہ لوگوں کے آثار اور نشانیوں کو دیکھو اور یہ بھی دیکھو کہ مجرموں اور گنہگاروں کا کیا انجام ہوا۔

تم کہتے ہو کہ اس قسم کے وعدے ہمارے باپ دادا سے بھی کئے جا چکے ہیں اور انہوں نے بھی ایسے وعدوں کی پرواہ نہیں کی اور کوئی نقصان بھی نہیں اٹھایا۔

(۷۰) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے انکار اور مخالفت کا سخت دکھ ہوتا تھا اور وہ دل ہی میں ان کے لئے رنجیدہ رہتے تھے کیونکہ وہ سچے دل سے ان کی ہدایت ار بیداری کے خواہاں تھے لیکن دوسری طرف انہیں متواتر ان کی سازشوں کا سامنا بھی تھا لٰہذا بعد والی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی کرتے ہوئے کہتی ہے تم ان کی تکذیب اور انکار سے گھبراؤ نہیں اور غم نہ کھاؤ۔

ان کی سازشوں سے پریشان نہ ہو اور اس وجہ سے تمہیں رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ہم تمہارے حامی و ناصر ہیں۔

(۷۱) لیکن یہ ضدی مزاج منکر بجائے اس کے کہ اپنے مہربان غم خوار پیغمبر کی نصیحتوں پر عمل کرتے اور مجرمین کے انجام سے عبرت حاصل کرتے، الٹا مذاق اڑانے پر تل گئے اور انہوں نے کہا کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو عذاب الٰہی کا یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

(۷۲)اس موقع پر قرآن مجیدان کے مذاق کو حقیقی سمجھ کرانہیں حقیقت پر مبنی جواب دیتا ہے کہ انہیں کہہ دو کہ جس عذاب کی تم جلدی کرتے ہوشایداس کا کچھ حصہ تمہارے نزدیک اور آس پاس ہی ہو۔

جلدی کیوں کر رہے ہو؟ عذاب الٰہی کو حقیر کیوں سمجھ رہے ہو؟ کیوں اپنے آپ پر رحم نہیں کرتے ہو؟ آخر عذاب خداوندی کوئی مذاق نہیں ہے۔ سمجھ لو کہ بس تمہارے انہی الفاظ کی وجہ سے عذاب الٰہی اور قہر وغضب ذوالجلال تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے اور ابھی تم پر نازل ہوا ہی چاہتا ہے اور تمہیں نیست ونابود کر کے رکھ دینے کے لئے بالکل تیار کھڑا ہے، اتنے ہٹ دھرم کیوں بن رہے ہو؟

(۷۳) پھراس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر خداوند عالم تمہیں عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا تو اس کی وجہ اس کا تم پر فضل ورحمت ہے تا کہ تمہیں اپنی اصلاح اور گناہوں کی تلافی کا موقع مل سکے۔ ارشاد ہوتا ہے تمہارا رب تمام لوگوں پر فضل ورحمت کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہیں۔

(۷۴) اگر ان کا یہ خیال ہو کہ خداوند عالم انہیں عذاب اس لئے نہیں کرتا کہ وہ ان کی بری نیتوں اور غلط سوچوں سے بے خبر ہے تو یہ ان کی بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ تمہارا پرودگار تو اس چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے جو وہ سینوں میں چھپاتے ہیں اور اس سے بھی باخبر ہے جسے وہ اعلانیہ انجام دیتے ہیں۔

وہ ان کے باطن سے بھی اسی قدر آگاہ ہے جس قدر ظاہر سے، اصولی طور پر ظاہر و باطن اور غیب وشہود اس کے لئے سب یکساں ہیں۔

(۷۵) پھر قرآن فرماتا ہے کہ خدا صرف ان کے ظاہری اور باطنی حالات و کردار ہی کو نہیں جانتا بلکہ اس کا علم اس قدر وسیع اور محیط ہے کہ آسمان وزمین میں کوئی موجود بھی ایسا پنہاں اور مخفی نہیں ہے جو علم پروردگار کی کتاب مبین میں درج نہ ہو۔

(۷٦)اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَكۡثَرَ الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ	یہ قرآن بنی اسرائیل کے لئے ان اکثر چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔
(۷۷)وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ	اور مومنین کے لیے یہ ہدایت ورحمت ہے
(۷۸)اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ بِحُكۡمِهٖۚ وَ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۚۙ	بیشک تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کردے گا۔ اور وہ قادر وعلیم ہے
(۷۹)فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِؕ اِنَّكَ عَلَى الۡحَـقِّ الۡمُبِيۡنِ	پس تم خدا پر توکل کرو کیونکہ تم واضح حق پر ہو۔

(۸۰)اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ	تم نہ تو اپنی باتیں (ان زندہ نما) مُردوں کے کانوں تک پہنچا سکتے ہو اور نہ ہی ان بہروں کو بلا سکتے ہو جب وہ منہ پھیر کر پیچھے کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔
(۸۱)وَ مَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِی الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ	اور نہ ہی تم اندھوں کو گمراہی سے نجات دلا سکتے ہو۔تم تو فقط ان لوگوں تک اپنی بات پہنچا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لانے کے لئے تیار ہوں اور حق کے سامنے جھک جائیں۔

تفسیر

اندھے اور بہرے آپ کی بات نہیں مانیں گے

گزشتہ آیات میں مبداء اور معاد کی بات ہو رہی تھی یہاں ان آیات میں نبوت اور قرآن کی حقانیت کو بیان کرنے کے بعد اس گفتگو کو مکمل کر دیا گیا ہے۔

پھر یہ کہ گزشتہ آیات میں روئے سخن مشرکین کی طرف تھا جبکہ یہاں پر دوسرے کفار مثلاً یہود اور ان کے درمیان اختلافات کی بات ہو رہی ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: یہ قرآن بنی اسرائیل کے لئے اکثر ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کے بارے میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کا آپس میں بہت سے مسائل میں اختلاف تھا۔ جناب مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا اختلاف تھا، جس پیغمبر کے بارے میں تورات میں خوشخبری دی جا چکی تھی اس میں ان کا اختلاف تھا کہ وہ کون پیغمبر ہے اور اسی طرح بہت سے دینی اور مذہبی احکام میں ان کے اختلافات تھے قرآن نے آکر اس سلسلے میں حق مطلب ادا کر دیا۔

(۷۷) نیز ہر قسم کے اختلافات کا نتیجہ ہدایت و رحمت کا سبب ہوتا ہے لہٰذا اس آیت میں ایک قاعدہ کلیہ کی صورت میں ارشاد فرمایا گیا ہے اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ قرآن مومنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

ہدایت و رحمت اس لحاظ سے ہے کہ اختلافات کو دور کرتا اور خرافات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے۔

(۷۸) بنی اسرائیل کے کچھ گروہ قرآن مجید کی طرف سے حقائق بیان ہونے کے باوجود اپنی ضد پر قائم رہے اور انہوں نے

حقائق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا اس آیت میں فرمایا گیا ہے تمہارا پروردگار ان کے درمیان اپنا فیصلہ کریگا اور وہی غالب اور عالم ہے۔

(۷۹) چونکہ یہ الفاظ قرآن مجید کی عظمت بیان کرنے اور بنی اسرائیل کو متنبہ کرنے کے علاوہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تسکین اور قلبی سکون کا سبب بھی ہیں لہٰذا بعد والی آیت میں فرمایا گیا ہے بنا بریں خدا پر بھروسہ کرو۔

اس خدا پر بھروسہ کرو جو غالب اور نا قابل تسخیر ہے اور دنیا کی ہر چیز سے آگاہ ہے۔ اس خدا پر بھروسہ کرو جس نے اس قدر با عظمت قرآن تمہیں عطا فرمایا ہے۔

اس پر توکل کرو اور ان لوگوں کی مخالفت سے نہ گھبراؤ کیونکہ تم واضح حق پر ہو۔

(۸۰) یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن واضح طور پر حق ہے تو پھر یہ لوگ اس کی اس حد تک مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ بعد والی آیات درحقیقت اس سوال کا جواب دے رہی ہیں۔ کہ:

اگر وہ حق مبین کو قبول نہیں کرتے اور تمہاری گرما دینے والی باتیں ان کے سرد دلوں پر اثر نہیں کرتیں تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تم مردوں کے کانوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکتے۔

میرے پیغمبر! تمہارے مخاطب تو زندہ لوگ ہیں۔ جن میں زندہ، بیدار اور حق طلب روح پائی جاتی ہے نہ کہ زندہ نما مردہ لوگ کہ تعصب، ضد اور گناہوں پر اصرار نے ان سے ان کی سوچ اور فہم و فراست کو سلب کر لیا ہے۔

حتیٰ کہ ان لوگوں تک بھی تم اپنی آواز نہیں پہنچا سکتے جو زندہ تو ہیں لیکن بہرے ہیں۔ خاص طور پر جب تم سے پشت پھیر لیں اور تم سے دور ہو جائیں۔

(۸۱) پھر بھی اگر سننے والے کانوں کی بجائے ان کی دیکھنے والی آنکھیں ہی ہوتیں۔ اگرچہ ان کے کانوں تک کسی قسم کی آواز نہ پہنچتی، لیکن ممکن تھا کہ علامتوں اور اشاروں سے ہی صراط مستقیم تلاش کر لیتے لیکن افسوس کہ وہ نابینا بھی ہیں اور تم نابیناؤں کو ان کی گمراہی سے نہ باز رکھ سکتے ہو نہ انہیں ہدایت کر سکتے ہو۔

تم تو صرف اپنی حق باتیں ان لوگوں کے کانوں تک پہنچا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لے آتے ہیں اور حق کے آگے سر جھکانے کی روح اپنے اندر رکھتے ہیں۔

(۸۲)وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۠	اور جب ان پر عذاب کا حکم آپہنچے گا (اور وہ قیامت کے کنارے پہنچ جائینگے) تو ہم ایک چلنے والا زمین سے نکالیں گے جوان سے گفتگو کرے گا اور کہے گا کہ لوگ ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتے۔
(۸۳)وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ	اس دن کے متعلق سوچو جب ہم ہر امّت سے ایک ایسے گروہ کو محشور کرینگے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے اور انہیں روکے رکھیں گے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے آملیں،
(۸۴)حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ وَ لَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	یہا تک (کہ جب وہ حساب کے لئے) پیش ہونگے تو (اللہ) ان سے کہے گا: کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا ہے اور تحقیق سے کام نہیں لیا؟ تم کیا اعمال انجام دیتے رہے ہو؟
(۸۵)وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ	اس وقت ان پر ان کے کئے ہوئے ظلم کی وجہ سے عذاب آجائے گا اور وہ کوئی بات نہیں کرسکیں گے۔

تفسیر

گزشتہ آیات میں عذاب اور قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں کفار کی جلد بازی کا ذکر تھا۔ یہاں پر چند ایسے واقعات کی طرف اشارہ ہے جو قیامت کے قریب واقع ہوں گے نیز ہٹ دھرم منکرین کا دردناک انجام بیان کیا گیا ہے۔

ارشا ہوتا ہے جب عذاب کا حکم آپہنچے گا اور وہ قیامت کے کنارے پہنچ جائیں گے تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک چلنے والا

ظاہر کریں گے جوان سے باتیں کرے گا۔ اور وہ کہے گا۔ کہ لوگ خدا کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔

''دآبة الارض'' متعدد روایات میں حضرت علی علیہ السلام پر منطبق ہوا ہے اور بہت سی احادیث کو پیش نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے ''دآبة الارض'' کا ایک وسیع مفہوم ہے جو ہر اس عظیم پیشوا پر صادق آتا ہے جو آخری زمانے میں قیام فرمائے گا۔ اور ایک عظیم تحرک کرے گا۔ اور حق و باطل اور مومن و کافر کو ایک دوسرے سے جدا کرے گا۔

(۸۳) پھر قیامت کی ایک اور علامت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ اس دن کا سوچو کہ جب ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے گروہ محشور کریں گے جو ہماری نشانیوں کو جھٹلایا کرتے تھے اور انہیں روکے رکھیں گے تا کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں۔

بعض بزرگ مفسرین اس آیت کو مسئلہ رجعت اور قیامت کے نزدیک نیک اور بدلوگوں کے گروہوں کو اسی دنیا میں پھر لوٹ آنے کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔

(۸۴) انجام کار اس گروہ کو احتساب کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا جائے گا اور اللہ ان سے کہے گا۔ کہ تم نے میری آیات کو جھٹلایا جبکہ اس سے تم آگاہ بھی نہیں تھے اور تم نے تحقیق سے بھی کام نہیں لیا۔ اور تم کیا کام کیا کرتے تھے؟

یہ بات کہنے والا خداوند عالم ہے اور آیات سے مراد انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا فرامین الٰہی ہیں یا یہ سب۔

(۸۵) ظاہر ہے کہ ان مجرمین کے پاس ان دو سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہوگا لہٰذا زیر تفسیر آیات کے سلسلے کی آخری آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے ان کے بارے میں عذاب الٰہی کا حکم جاری ہوگا اور ان کے پاس کرنے کی کوئی بات نہیں ہوگی۔

اگر اس آیت کو رجعت کے معنی لیں تو یہ عذاب، دنیاوی عذاب ہوگا اور اگر آیت کو قیامت کے معنی میں لیں تو یہ عذاب آخرت ہوگا۔

''رجعت'' مذہب شیعہ کے مشہور عقائد میں سے ہے جس کی تفسیر ایک مختصر سے جملہ میں یوں کی گئی ہے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بعد اور قیامت کے نزدیک کچھ، خالص مومنین اور کچھ نہایت ہی شریر باغی اور کافر لوگ اس دنیا میں واپس لائے جائیں گے پہلا گروہ کمال کے مدارج طے کرے گا اور دوسرے گروہ کو سخت سزا ملے گی۔

(۸۶) اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِیَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ النَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ	کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات اس لئے بنائی ہے تا کہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشنی دینے والا بنایا ہے؟ ان امور میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لانے کو تیار ہیں۔

(۸۷)وَ یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَ کُلٌّ اَتَوۡہُ دٰخِرِیۡنَ	اس دن کے متعلق سوچو جب صور پھونکا جائے گا اور تمام لوگ جو کہ آسمانوں میں ہیں یا زمین پر، سب کے سب وحشت زدہ ہو جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنہیں خدا بچانا چاہے گا اور سب لوگ خضوع وخشوع کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔
(۸۸)وَ تَرَی الۡجِبَالَ تَحۡسَبُہَا جَامِدَۃً وَّ ہِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنۡعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّہٗ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ	تم پہاڑوں کو دیکھو تو سمجھتے ہو کہ ساکن و جامد ہیں، حالانکہ وہ بادل کی مانند چل رہے ہیں۔ یہ خداوند عالم کی صنعت اور تخلیق ہے جس نے ہر چیز کو پختہ بنایا ہے۔ وہ تمہارے ان کاموں سے بھی باخبر ہے جنہیں تم انجام دیتے ہو۔

تفسیر

زمین کی حرکت...........قرآن کا ایک سائنسی معجزہ

قرآن مجید ایک بار پھر یہاں پر مبداء معاد اور کائنات میں خداوند تعالیٰ کی قدرت وعظمت کی نشانیوں اور اسی طرح حوادث قیامت کو بیان کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو ان کے آرام کے لئے بنایا ہے۔

اور دن کو روشنی عطا کرنیوالا۔

ان امور میں خدا کی قدرت وحکمت کی روشن نشانیاں اور دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

(۸۷) یہ آیت معاد اور اس کے مقدمات کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہے: اس دن کا سوچیے کہ جب صور پھونکا جائے گا۔ اور ہر کوئی خواہ وہ آسمانوں میں ہے یا زمین میں وحشت زدہ ہو جائے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہیں خدا بچانا چاہے گا اور سب لوگ خضوع وخشوع کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔

قرآن مجید کی آیات کے مجموعی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دو یا تین مرتبہ صور پھونکا جائے گا ایک تو اس وقت جب دنیا ختم ہونے کے قریب اور قیامت کے دہانے پر پہنچ جائے گی اس وقت تمام لوگ گھبرا جائیں گے۔

دوسری بار تمام دنیا اس کے سنتے ہی مر جائے گی ممکن ہے کہ یہ دونوں یکے بعد دیگرے ہوں۔

تیسری بار دوبارہ جی اٹھنا اور قیامت کے قائم ہونے کے وقت کیوں کہ صور پھونکے جاتے ہی تمام مردے دوبارہ زندہ ہو

جائیں گے اور نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔

اگر آیت کے ظاہری معنی کو دیکھا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی مرتبہ پھونکے جانے کی طرف اشارہ ہے جو کہ دنیا کے اختتام کے نزدیک ہوگا۔

(۸۸) یہ آیت کائنات میں عظمت الٰہی کی آیات میں سے ایک آیت کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے تم پہاڑوں کو دیکھو گے تو انہیں ٹھہرا ہوا سمجھو گے جبکہ وہ بادل کی مانند حرکت کر رہے ہیں۔

یہ اس اللہ کی صناعی اور تخلیق ہے جس نے ہر چیز کو محکم اور متقین بنایا ہے۔

جس کا تخلیقی نظام اس قدر منظم اور حساب شدہ ہے وہ یقیناً تمہارے ان کاموں سے بھی باخبر ہے جو تم انجام دیتے ہو۔

یہ آیت خداوند عالم کی توحید اور اس کی کی عظمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور یہ کرہ زمین کی حرکت کی طرف اشارہ ہے جسے ہم محسوس نہیں کرتے۔

(۸۹)مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ	جو لوگ نیک کام کرتے ہیں وہ اس کی جزا اس سے بہتر پائیں گے اور وہی لوگ اس دن (قیامت) کی وحشت سے امان میں ہوں گے۔
(۹۰)وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	اور جو لوگ برے کام کرتے ہیں وہ منہ کے بل جہنم میں ڈالے جائیں گے کیا جو کام تم انجام دیتے ہو اس کے علاوہ تمہیں جزا ملے گی؟
(۹۱)اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۫ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ	(اے رسول: کہدو) مجھے حکم دیا جا چکا ہے کہ میں اس مقدس شہر (مکہ) کے پروردگار کی عبادت کروں، اسی کی جس نے اس شہر کو حرمت عطا فرمائی ہے اور سب کچھ اسی کا ہے۔ نیز مجھے حکم ملا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں

(۹۲)وَ اَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ	اور قرآن کی تلاوت کروں ۔ پس جو شخص ہدایت پالے وہ اپنے لئے ہدایت پائے گا اور جو گمراہ ہو جائے (تو اس کا گناہ خود اسی کی گردن پر ہے) کہہ دو: میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں ۔
(۹۳)وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَیُرِیۡكُمۡ اٰیٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۠	کہہ دو: تمام حمد ذات خدا کے لئے مخصوص ہے۔ وہ بہت جلد اپنی نشانیاں تمہیں دکھلائے گا تا کہ تم انہیں پہچان لو اور جو تم انجام دیتے ہو تمہارا پرودگار اس سے غافل نہیں ہے۔

تفسیر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری

گزشتہ آیات میں بندوں کے اعمال اور خدا کی ان اعمال سے آگاہی کا ذکر تھا۔ اور اب یہاں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری ذکر کی گئی ہے۔

زیر نظر آیت میں نیک اعمال کی جزا اور قیامت کی ہلاکت آفرینیوں سے ان کے محفوظ رہنے کی بات ہو رہی ہے۔

فرمایا گیا ہے جو لوگ نیک اعمال بجالائیں گے وہ ان کی جزا ان سے بہتر پائیں گے اور اس دن کی وحشت سے امان میں ہوں گے۔

یہاں پر ''حسنہ'' کا معنی وسیع ہے جو تمام نیکیوں پر محیط ہے جن میں خدا اور رسول اور ائمہ علیہم السلام کی ولایت پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے جو تمام نیکیوں کے سرفہرست ہے اور یہ امر اس بات سے بھی مانع نہیں ہے کہ دیگر اعمال صالحہ بھی اس آیت کا مصداق ہیں۔

(۹۰) پھر اس گروہ کے مد مقابل گروہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ برے کام کریں گے۔ وہ منہ کے بل آتش جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

اور انہیں اس کے علاوہ کوئی اور توقع رکھنا بھی نہیں چاہئے کیا تمہارے ان اعمال کی پاداش اس کے علاوہ کچھ اور ہوسکتی ہے؟

ایسے لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنا عذاب کی ایک بدترین قسم ہوگا علاوہ ازیں جب یہ لوگ حق سے اپنا منہ موڑ لیا کرتے تھے اور اسی منہ کے ساتھ گناہوں کا استقبال کیا کرتے تھے اب انہیں سزا بھی اسی نوعیت کی ملنی چاہئے۔

(۹۱) زیر نظر آخری تین آیات میں روئے سخن پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف ہوتا ہے اور آپ سے کچھ حقائق بیان کیے جاتے ہیں جو دراصل اس حقیقت کو بیان کر رہے ہیں کہ آپ ان سے کہہ دیجیے میں تو اپنے فرائض بجالاتا رہوں گا خواہ تم ہٹ دھرم مشرکین ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے کہہ دو مجھے حکم دیا جا چکا ہے کہ اس مقدس شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں۔

یہ ایک ایسا مقدس شہر ہے جس سے تمہارے تمام اعزازات اور آبروئیں وابستہ ہیں ایسا مقدس شہر ہے کہ جس کی برکتیں خدا نے تمہیں عنایت فرمائی ہیں لیکن تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے انکار کرتے ہو۔

جی ہاں! مجھے تو حکم ہی یہ ہے کہ میں اسی پروردگار کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی ہے۔

لیکن تم یہ بھی نہ سمجھ لینا کہ صرف یہی سرزمین خدا کی ملکیت ہے اور بس نہیں بلکہ کائنات کی ہر شے اسی کے لیے ہے۔

اور دوسرا حکم جو مجھے دیا گیا ہے یہ ہے کہ میں مامور ہوں کہ مسلمین میں سے رہوں پروردگار عالم کے حکم کے سامنے غیر مشروط طور پر سر جھکائے رہوں نہ کہ اس کے غیر کے سامنے۔

تو اس طرح سے پیغمبر ﷺ نے اپنی دو اہم ذمہ داریوں اور فرائض منصبی کو بیان کر دیا۔ ایک تو خداوند وحدہ لاشریک کی عبادت اور دوسرے اس کے حکم کی غیر مشروط طور پر پابندی۔

(۹۲) پھر ان دو مقاصد تک پہنچنے کا ذریعہ یوں بیان کرتے ہیں مجھے حکم ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔

اس کے چراغ سے روشنی حاصل کروں اس کے چشمہ آب حیات سے پانی پیوں اور اپنی زندگی کے تمام پروگراموں میں اس سے راہنمائی حاصل کروں کیوں کہ ان دو مقدس مقاصد تک پہنچنے کے لیے یہ میرا وسیلہ ہے اور یہ ہر قسم کے شرک، کج روی اور گمراہی سے نجات کا ذریعہ ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ایمان لانے سے میرا یا اس سے بڑھ کر خداوند عظیم کا کوئی فائدہ ہوگا نہیں نہیں بلکہ جو ہدایت پا جائے گا وہ اپنے لیے ہدایت پائے گا۔

اور اس ہدایت سے حاصل ہونے والے فوائد خواہ اس دنیا میں ہوں یا آخرت میں تمہارے ہی لیے ہوں گے۔ یقیناً اگر کوئی ہدایت حاصل کر لے تو اس کا فائدہ خداوند قدوس کو کیا ہو سکتا ہے۔

اور جو شخص گمراہ ہو جائے گا تو اس کا بوجھ اور وبال اس کے اپنے ہی اوپر ہوگا اور تم کہہ دو کہ میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

(۹۳) اور آخر میں اسی سورہ کی آخری آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ خداوند عالم کی اس قدر عظیم نعمتوں خاص کر ہدایت جیسی نعمت کے بدلے میں خدا کی حمد بجالائیں، ارشاد ہوتا ہے:

اور کہہ دو کہ تمام تعریفیں خدا کے لیے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ یہ حمد اور تعریف قرآن جیسی نعمت اور ہدایت الٰہی کی عنایت پر ادا کی جا رہی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعد والے جملے کے لیے مقدمہ بن رہی ہو جس میں فرمایا گیا ہے:

بہت جلد خدا تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تا کہ تم انہیں پہچان لو۔

یہ تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کے علم و دانش اور عقل و خرد کی ترقی کے ساتھ ساتھ نت نئی نشانیوں اور عالم ہستی کے تازہ ترین اسرار سے پردہ اٹھتا جائے گا اور تم پروردگار کی عظیم قدرت و حکمت سے روز بروز بیشتر آشنائی حاصل کرتے رہو گے اور یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا اور کبھی منقطع ہونے میں نہیں آئے گا جب تک بنی نوع انسان اس دنیا میں موجود ہے آیات الٰہی کا یہ سلسلہ بھی قائم اور برقرار ہے۔

لیکن اس کے باوجود اگر تم غلط راستے پر چل نکلو گے یا راہ راست سے ہٹ جاؤ گے تو یاد رکھو تمہارا پروردگار ہرگز تمہارے ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم انجام دیتے ہو۔

اگر خداوند عالم اپنی مہربانی کی وجہ سے تمہاری سزاؤں میں تاخیر سے کام لیتا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہارے اعمال سے آگاہ نہیں یا اس کا حساب و کتاب غیر محفوظ ہے۔

سورہ قصص

مکہ میں نازل ہوئی

اس میں ۸۸ آیتیں ہیں

سورہ قصص کے مندرجات

مسلماً یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ان حالات میں جب کہ باایمان افراد قوی دشمنوں کے پنجہ میں پھنسے ہوئے تھے وہ دشمن بھی ایسے تھے جو اپنی جمعیت وتعداد اور قدرت وقوت ہر دولحاظ سے مسلمانوں پر برتری رکھتے تھے۔یہ مسلمان اقلیت اس اکثریت کے تحت ایسی دبی ہوئی تھی کہ ان میں کچھ لوگ اسلام کے مستقبل کے متعلق خوف زدہ اور فکر مند رہتے تھے۔

چونکہ مسلمانوں کی یہ حالت بنی اسرائیل کی اس وضع کے زیادہ مشابہ تھی جب کہ وہ حکومت فرعون کے پنجہ میں گرفتار تھے۔

اس لئے اس سورہ کے ایک حصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل اور فرعون کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور یہ حصہ اتنا طویل ہے کہ سورہ مذکورہ کے قریباً نصف حصہ پر مشتمل ہے۔

بالخصوص آغاز بیان میں مستضعفین کیلئے حق وعدالت پر مبنی حکومت کی نوید ہے اور ظالمین کی شان وشوکت کے برباد ہونے کی بشارت ہے یہ بشارت مظلومین کیلئے آرام بخش اور قدرت آفرین ہے۔

اس سورہ کے حصہ دوم میں اس دولت مند اور مستکبر قارون کا ذکر ہے جسے اپنے علم اور دولت پر بڑا بھروسہ تھا اس غرور وتکبر کے نتیجہ میں اس کا انجام بھی بالکل فرعون جیسا ہوا۔فرعون پانی میں غرق ہوا اور یہ مٹی میں۔

ان دوحصوں کے درمیان توحید' معاد' اہمیت قرآن' قیامت میں مشرکین کی حالت' مسئلہ ہدایت وضلالت اور کمزور افراد کی بہانہ جوئی کا جواب مذکورہ ہے یہ بات نہایت قیمتی اور سبق آموز ہے درحقیقت یہ بیان سورہ کے حصہ اول کا نتیجہ اور حصہ دوم کیلئے مقدمہ کا حکم رکھتا ہے۔

سورہ قصص کی تلاوت کی فضیلت

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ایک حدیث میں ہم یوں پڑھتے ہیں

''جو آدمی سورہ قصص کو پڑھے گا تو اسے ان لوگوں کہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق یا تکذیب کی تعداد کی نسبت سے دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔اور زمین اور آسمان میں کوئی فرشتہ ایسا نہ ہوگا جو بروز قیامت اس شخص کی صداقت پر گواہی نہ دے''۔

یہ امر بدیہی ہے کہ یہ تمام اجر وثواب ان لوگوں کیلئے ہے جو اس سورہ کو پڑھتے ہیں اس پر غور کرتے ہیں اور اس کی تعلیم کو اپنی زندگی کا دستور العمل بناتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) طٰسٓمّٓ	طسم
(۲) تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ	یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔
(۳) نَتۡلُوۡا عَلَیۡکَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰی وَ فِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ	ہم تجھ سے موسیٰ اور فرعون کا مبنی برحق قصہ ایمان لانے والوں کیلئے بیان کرتے ہیں۔
(۴) اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ اَہۡلَہَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً مِّنۡہُمۡ یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَہُمۡ وَ یَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ	فرعون نے زمین میں اپنے آپ کو برتر سمجھ لیا تھا اور وہاں کے رہنے والوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس نے ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر دیا تھا' ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو (کنیزی کیلئے) زندہ رہنے دیتا تھا۔ یقیناً وہ مفسدین میں سے تھا۔
(۵) وَ نُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ نَجۡعَلَہُمۡ اَئِمَّۃً وَّ نَجۡعَلَہُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ ۙ	ہمارا ارادہ ہے کہ اُن لوگوں پر ہم احسان کریں جو زمین میں کمزور کر دیئے گئے ہیں اور انہیں زمین کا وارث اور اہل زمین کا پیشوا بنا دیں۔
(۶) وَ نُمَکِّنَ لَہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ نُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَ ہَامٰنَ وَ جُنُوۡدَہُمَا مِنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَ	انہیں زمین میں ثباتِ قدم عطا کریں' (ان کی حکومت کو مستحکم کر دیں) اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھائیں جس کا انہیں خوف ہے۔

تفسیر

ارادہ الٰہی ہے کہ مستضعفین کامیاب ہوں

اس دفعہ قرآن کی سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعہ سے ہمارا چودھویں بار سابقہ پڑ رہا ہے۔ ان میں طسم تیسری اور آخری مرتبہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے بارہا کہا ہے کہ قرآن کے حروف مقطعہ کی مختلف تفاسیر کی گئی ہیں۔اس موضوع پر ہم نے سورہ بقرہ سورہ آل عمران اور سورہ اعراف کے آغاز میں مشرح بحث کی ہے۔

جہاں تک طسم کا تعلق ہے مختلف روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف صفات باری تعالیٰ کی مختصر علامات ہیں یا ان سے مراد مقدس مقامات ہیں۔

تاہم یہ امر اس معروف تفسیر کے جس پر ہم نے بارہا زور دیا ہے مانع نہیں ہے کہ خدا اس حقیقت کو سب پر روشن کر دینا چاہتا ہے کہ یہ کتاب مقدس آسمانی جو انسان کی ارتقائی تاریخ میں عظیم انقلاب کا سرچشمہ ثابت ہوئی اور جس میں انسان کی طرز حیات کیلئے ایک سعادت بخش پروگرام موجود ہے اس کی تشکیل بھی الف با جیسے سادہ حروف سے ہوئی ہے ہر بچہ اس کے کلمات کا تلفظ کر سکتا ہے یہ کتنی اہم اور غیر معمولی بات ہے کہ ایسے سادہ وسائل کی ترتیب و تنظیم کا نتیجہ ایسی عظیم المرتبت کتاب ہو کہ جو سب لوگوں کی دسترس میں ہے۔

(۲) غالباً یہی وجہ ہے کہ حروف مقطعہ کے بعد بلا فاصلہ عظمت قرآن کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے۔

یہ باعظمت آیات کتاب مبین کی آیات ہیں یہ ایسی کتاب ہے کہ جو خود بھی روشن ہے اور انسانوں کیلئے راہ سعادت کو بھی روشن کرنے والی ہے۔

(۳) قرآن اس مختصر سے مقدمہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے یوں فرماتا ہے۔

ہم گروہ مومنین کیلئے تجھ سے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی سچی داستان کا کچھ حصہ بیان کرتے ہیں۔

یقیناً ان آیات کے اصلی مخاطب مومنین ہی ہیں۔انہیں کیلئے یہ آیات نازل ہوئی ہیں ان مومنین کیلئے جو ان آیات کے منشا کو اپنے قلب میں جگہ دیتے ہیں اور ہجوم مصائب میں بھی اپنی منزل مقصود کی طرف راہ رو رہتے ہیں۔

(۴) درحقیقت یہ ایک مجمل بیان تھا۔آئندہ آیات میں اس کی تفصیل آتی ہے ارشاد ہوتا ہے فرعون نے خدا کی زمین پر تکبر، آمریت اور خودسری اختیار کی۔

حالانکہ وہ ایک ناچیز انسان تھا مگر اس نے اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے اپنی ہستی کو نہ پہچانا اور اپنی حد سے یہاں تک بڑھ گیا کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا۔

بہرحال فرعون نے اپنی متکبرانہ حکومت کے استقلال کیلئے چند گناہان عظیم کا ارتکاب کیا۔

اول تو اس نے یہ چال چلی کہ ساکنان مصر کے درمیان نفاق پیدا کر دیا۔

یہ وہی سیاست تھی جس کے ذریعہ جابر اور ملوکیت پرستانہ حکومتیں اپنی بنیاد کو مستحکم کرتی رہی ہیں کیونکہ کسی اکثریت پر کسی

اقلیت کی حکومت کا پائیدار رہنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ لڑاؤ اور حکومت کرو کے پروگرام پر عمل نہ کرے۔

اس قسم کی جابر حکومتیں ہمیشہ توحیدِ کلمہ اور کلمۂ توحید سے خائف رہتی ہیں ایسی حکومتیں عوام میں اتفاق واتحاد کے جذبات سے ہمیشہ ڈرتی رہتی ہیں

البتہ فرعون نے خصوصیت سے باشندگان مصر کو دو طبقات میں تقسیم کر دیا تھا اول قبطی جو ملک کے اصل باشندے تھے اور ملک کے تمام رفاہی وسائل دولت ومحلات اور کلیدی اسامیاں ان کے اختیار میں تھیں دوسرے سبطی یعنی مہاجر بنی اسرائیل جو ان قبطیوں کے ہاتھ میں غلاموں اور کنیزوں کی طرح پھنسے ہوئے تھے۔

فرعون کا دوسرا جرم یہ تھا کہ اس نے اس ملک کے ایک طبقہ پر ظلم وقہر کے پہاڑ توڑ کر انہیں بالکل بے دست وپا کر دیا تھا اس حالت کو قرآن شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

فرعون نے اس گروہ کو اتنا ضعیف اور ناتواں کر دیا تھا کہ ان کی اولاد نرینہ کو قتل کرتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو اپنی خدمت کیلئے زندہ رکھتا تھا۔

حکومت فرعون نے بنی اسرائیل کو قومی حیثیت سے کمزور اور ناتواں کرنے کیلئے یہ پالیسی اختیار کی تھی تاکہ ان کی اولاد ذکور کو جس کے متعلق اندیشہ تھا کہ کسی وقت بغاوت کر کے فرعون کا تختہ الٹ دے ختم کر دے اور صرف عورتوں اور لڑکیوں کو کہ جن میں بغاوت اور جنگ کی طاقت نہیں ہوتی اپنی خدمت کیلئے زندہ رکھے۔

آیہ کے آخری کلمات میں بطور مجموعی اور بیان علت کے طور پر فرمایا گیا ہے بطور مسلم وہ مفسدوں میں سے تھا۔

فرعون کے اعمال کا خلاصہ صرف ان الفاظ میں کیا جا سکتا ہے کہ اس کا کام روئے زمین پر فساد کرنا تھا۔

یہ امر قدرتی ہے کہ خود پرست اور جاہ پسند لوگ صرف اپنی ذاتی منفعت کے تحفظ کا خیال رکھتے ہیں اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ شخصی منافع کا خودغرضانہ تحفظ انسانی معاشرہ کے مفادات کے تحفظ جس کیلئے عدالت قربانی اور ایثار کی ضرورت ہے سے ہم آہنگ ہو خودغرضی کا نتیجہ ہر شعبہ زندگی میں بصورت فساد نمودار ہوتا ہے۔

(۵) اس آیت اور اس آیت کے بعد والی آیت میں خداوند نے مستضعفین کے سلسلے میں اپنے ارادہ ومشیعت پر سے پردہ اٹھایا ہے اور اس ضمن میں پانچ امور بیان کے ہیں جو کہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں ہمارے ارادہ اور ہماری مشیت نے یہ طے کیا ہے کہ زمین پر جو ضعیف الحال اور مظلوم ہیں ہم ان پر احسان کریں اور انہیں اپنی عنایات اور نوازشات سے سرفراز کریں۔

اور ہم ان کو نوع انسانی کا پیشوا اور روئے زمین کا وارث بنا دیں۔

(۶) ہم ان کو قوی صاحب قدرت اور توانا کر دیں گے اور ان کی حکومت کو ثبات بخشیں۔

اور ہم فرعون ہامان اور اس کی فوج کو اسی انجام سے دوچار کریں گے جس کا انہیں ان کمزور لوگوں کی طرف سے خطرہ لگا رہتا

ہے۔

ان دو آیتوں میں خدا نے کمزوروں اور پسے ہوئے لوگوں کے بارے میں اپنے ارادے کو بے نقاب کیا ہے اور اس ضمن میں پانچ باتوں کا ذکر کیا ہے جو باہم مربوط اور ایک جیسی ہیں۔

اول یہ کہ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہماری نعمتوں سے فیض یاب ہوں۔

دوسرے یہ کہ ہم چاہتے ہیں کہ انہیں پیشوا بنائیں۔

تیسرے یہ کہ ہم چاہتے ہیں کہ انہیں جابروں اور ستمگاروں کی حکومت کا وارث بنا دیں۔

چوتھے یہ کہ ہم انہیں ایک مستقل اور پائیدار حکومت دیں گے۔

آخری اور پانچویں بات یہ ہے کہ وہ پیش آمد جس کا ان کے دشمنوں کو خوف تھا اور اپنی تمام قوتوں اور وسائل کو اس کے ٹالنے پر صرف کر رہے تھے ہم اس حادثے سے انہیں ضرور دوچار کریں گے۔

درحقیقت یہ ایک بشارت ہے کہ حق باطل پر اور ایمان کفر پر غالب ہو کے رہے گا

نیز یہ کہ یہ ان تمام آزاد لوگوں کیلئے بشارت ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ ظلم و جور کی بساط الٹ کر عدل و انصاف کی حکومت قائم ہو۔

اس مشیت الٰہی کے بروئے کار آنے کا ایک نمونہ خاندان فرعون کی حکومت کا زوال اور بنی اسرائیل کی حکومت کا قیام تھا اور اس بشارت کا کامل تر ثبوت ظہور اسلام کے بعد پیغمبر اسلامﷺ اور ان کے اصحاب کی حکومت کا قیام تھا۔

اس بشارت کا وسیع ترین نمونہ وہ مبنی برحق و عدالت حکومت ہوگی جو امام مہدی علیہ السلام (ہماری جانیں ان پر فدا ہوں) کے ہاتھوں تمام روئے زمین بر پا ہوگی۔

البتہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی عالمگیر حکومت ان حکومتوں کے خلاف اور مانع نہ ہوگی جو مظلوم لوگ ظالموں کے خلاف محدود علاقوں میں قائم کر لیں گے اور یہ مستضعف لوگ جس وقت مبنی برحق و عدل حکومت کی شرائط کو پورا کریں گے تو خدا کا حتمی وعدہ اور اس کی مشیت ان کے حق میں پوری ہو جائے گی اور انہیں یہ کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

(۷)وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَیۡہِ فَاَلۡقِیۡہِ فِی الۡیَمِّ وَ لَا تَخَافِیۡ وَ لَا تَحۡزَنِیۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡہُ اِلَیۡکِ وَ جَاعِلُوۡہُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ	ہم نے مادرِ موسیٰ کی ماں کی طرف وحی فرمائی کہ اسے دودھ پلا۔ جب تجھے اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں نہ ہی غمگین ہونا کیونکہ ہم اسے تیرے پاس لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے قرار دیں گے۔

(۸) فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ	جب ماں نے بچے کو دریا میں ڈال دیا فرعون کے خاندان والوں نے اسے پانی میں سے اُٹھا لیا تاکہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور باعثِ اندوہ ہو جائے۔ یقیناً فرعون، ہامان اور ان کا لشکر خطا کار تھے۔
(۹) وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ	اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو۔ ممکن ہے یہ ہمیں نفع پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ انجام سے بے خبر تھے۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام فرعون کی آغوش میں

اس جگہ سے قرآن مستکبرین پر مستضعفین کی فتح وغلبہ کو ذہن نشین کرانے کیلئے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کو بالشرح بیان کرتا ہے

اس سلسلے میں قرآن شریف میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کی کہ موسیٰ کو دودھ پلا اور جس وقت تمہیں اس کے بارے میں کچھ خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دو۔ اور تم اپنے دل میں کسی قسم کا خوف اور ملال نہ آنے دینا۔ کیونکہ ہم اسے یقیناً تمہارے پاس لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے قرار دیں گے۔

اس مختصر سی آیت میں دو امر ہیں دو نہی میں اور دو بشارتیں ہیں یہ آیت بحیثیت مجموعی خلاصہ ہے ایک پر از واقعات داستان کا جس کا ماحصل یہ ہے۔

حکومت فرعون نے بنی اسرائیل کے ہاں جو نومولود بیٹے ہوتے تھے انہیں قتل کرنے کا ایک وسیع پروگرام بنایا تھا یہاں تک کہ فرعون کی مقرر کردہ دائیاں بنی اسرائیل کی باردار عورتوں کی نگرانی کرتی رہتی تھیں۔

ان دائیوں میں سے ایک والدہ موسیٰ علیہ السلام کی دوست بن گئی تھی۔ شکم مادر میں موسیٰ علیہ السلام کا حمل مخفی رہا اور اس کے آثار ظاہر نہ ہوئے جس وقت مادر موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ بچے کی ولادت کا وقت قریب ہے تو اس نے کسی کو اپنی دوست دائی کو بلانے بھیجا جب وہ آ گئی تو اس سے کہا میرے پیٹ میں ایک فرزند ہے آج مجھے تمہاری دوستی اور محبت کی ضرورت ہے۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کی آنکھوں سے ایک خاص نور چمک رہا تھا چنانچہ اسے دیکھ کر وہ دایہ کانپنے لگی

اوراس کے دل کی گہرائی میں محبت کی ایک بجلی سما گئی جس نے اس کے دل کی تمام فضا کو روشن کر دیا۔

یہ دیکھ کر۔ وہ دایہ مادر موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر بولی کہ میرا یہ خیال تھا کہ حکومت کے دفتر میں جا کے اس بچے کے پیدا ہونے کی خبر دوں تا کہ جلاد آئیں اور اسے قتل کر دیں اور میں اپنا انعام پالوں۔مگر میں کیا کروں کہ میں اپنے دل میں اس نوزائیدہ بچے کی شدید محبت محسوس کرتی ہوں۔ یہاں تک کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ اس کا بال بھی بیکا ہواس کی اچھی طرح حفاظت کرو میرا خیال ہے کہ آخر کار یہی ہمارا دشمن ہوگا۔

وہ دایہ مادر موسیٰ علیہ السلام کے گھر سے باہر نکلی۔تو حکومت کے بعض جاسوسوں نے اسے دیکھ لیا انہوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ گھر میں داخل ہو جائیں گے موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے اپنی ماں کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا۔ ماں یہ سن کے گھبرا گئی۔اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے۔

اس شدید پریشانی کے عالم میں جب کہ وہ بالکل حواس باختہ ہو رہی تھی اس نے بچے کوایک کپڑے میں لپیٹا اور تنور میں ڈال دیا کہ خدا نے اس کیلئے آتش تنور کو ٹھنڈا اور سلامتی کی جگہ بنا دیا ہے وہی خدا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آتش نمرود کو ''بردوسلام'' بنا دیا تھا اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بچے کو صحیح وسالم باہر نکال لیا۔

لیکن پھر بھی ماں محفوظ نہ تھی۔ کیونکہ حکومت کے کارندے دائیں بائیں پھرتے رہتے اور جستجو میں لگے رہتے تھے اس حالت میں خدا کے ایک الہام نے ماں کے قلب کو روشن کر دیا وہ الہام ایسا تھا کہ ماں کو بظاہر ایک خطرناک کام پر آمادہ کر رہا تھا اس نے ایک مصری بڑھئی کو تلاش کیا وہ بڑھائی قبطی اور فرعون کی قوم میں سے تھا اس نے اس بڑھئی سے درخواست کی کہ میرے لئے ایک چھوٹا سا صندوق بنادے۔

غالباً صبح کا وقت تھا۔ابھی اہل مصر محو خواب تھے مشرق سے پو پھٹ رہی تھی۔ ماں اپنے نوزائیدہ بچے اور صندوق کو دریائے نیل کے کنارے لائی بچے کو آخری مرتبہ دودھ پلایا۔ پھر اسے اس مخصوص صندوق میں رکھا (جس میں یہ خصوصیت تھی کہ ایک چھوٹی کشتی کی طرح پانی پر تیر سکے) پھر اس صندوق کو نیل کی موجوں کے سپرد کر دیا۔

روایات میں مذکور ہے کہ فرعون کی ایک اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ ایک سخت بیماری سے شدید تکلیف میں تھی فرعون نے اس کا بہت کچھ علاج کرایا مگر بے سود۔اس نے کاہنوں سے پوچھا انہوں نے کہا اے فرعون ہم پیش گوئی کرتے ہیں کہ اس دریا میں سے ایک آدمی تیرے محل میں داخل ہوگا۔ اگر اس کے منہ کی رال اس بیمار کے جسم پر ملی جائے گی تو اسے شفا ہو جائیگی۔

چنانچہ فرعون اوراس کی ملکہ آسیہ ایسے واقعے کے انتظار میں تھے کہ ناگہاں ایک روز انہیں ایک صندوق نظر آیا جو موجوں کی سطح پر تیر رہا تھا۔فرعون نے حکم دیا کہ سرکاری ملازمین فوراً دیکھیں کہ یہ صندوق کیسا ہے اور اسے پانی میں سے نکال لیں۔ دیکھیں کہ اس میں کیا ہے؟

نوکروں نے وہ عجیب صندوق فرعون کے سامنے لا کے رکھ دیا۔

جس وقت فرعون کی ملکہ نے اس بچے کو دیکھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ ایک بجلی چمکی ہے جس نے اس کے دل کو منور کر دیا ہے۔

ان دونوں............ بالخصوص فرعون کی ملکہ کے دل میں اس بچے کی محبت نے گھر کر لیا اور جب اس بچے کا آب دہن اس کی لڑکی کیلئے موجب شفا ہو گیا تو یہ محبت اور بھی زیادہ ہو گئی۔

(۸) قرآں میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ فرعون کے اہل خانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو نیل کی موجوں کے اوپر سے پکڑ لیا۔ تا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کیلئے باعث اندوہ ہو جائے۔

آیت کا اختتام ان کلمات پر ہوتا ہے کہ مسلماً فرعون ھامان اور ان دونوں کے اہل لشکر خطار کار تھے۔

وہ دونوں ہر جہت سے خطا کار تھے۔ اس سے بڑی خطا اور کیا ہوگی کہ انہوں نے حق وعدالت کی راہ سے روگردانی کر کے اپنی حکومت کی بنیاد ظلم، جور اور شرک پر رکھی تھی۔ اس سے زیادہ عریاں خطا اور کیا ہوگی کہ انہوں نے ہزاروں بچوں کے سر قلم کر دیئے تا کہ کلیم اللہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں مگر خدا نے اسے انہیں کے سپرد کیا اور فرمایا

اپنے اس دشمن کو لو اسے پالو اور بڑا کرو۔

(۹) اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کی بابت فرعون اس کی ملکہ اور دیگر اہل خاندان میں باہم نزاع اور اختلاف بھی ہوا تھا کیونکہ قرآن شریف میں یہ بیان ہے فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کا نور ہے اسے قتل نہ کرو ممکن ہے یہ ہمارے لئے نفع بخش ہو یا ہم اسے متبنی کر لیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون بچے کے چہرے اور دیگر علامات سے من جملہ ان کے اسے صندوق میں رکھنے اور دریائے نیل میں بہا دینے سے یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے کسی کا بچہ ہے۔

یہ سمجھ کر نا گہاں بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی کی بغاوت اور اس کی سلطنت کے زوال کا کابوس اس کی روح پر مسلط ہو گیا اور وہ اس امر کا خواہاں ہوا کہ اس کا وہ ظالمانہ قانون جو بنی اسرائیل کے تمام نوزائیدہ اطفال کیلئے جاری کیا گیا تھا اس بچے پر بھی نافذ ہو۔

لیکن فرعون کی بیوی آسیہ جس کے بطن سے کوئی لڑکا نہ تھا اور اس کا پاک دل فرعون کے درباریوں کی مانند نہ تھا اس بچے کیلئے محبت کی کان بن گیا تھا چنانچہ وہاں سب کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی اور چونکہ اس قسم کی گھریلو اختلافات میں فتح ہمیشہ عورتوں کی ہوتی ہے وہ بھی جیت گئی۔

اگر اس گھریلو جھگڑے پر دختر فرعون کی شفایابی کے واقعے کا بھی اضافہ کر لیا جائے تو اس اختلاف باہمی میں آسیہ کی فتح کا امکان روشن تر ہو جاتا ہے۔

مگر آیت کے اخیر میں ایک بہت ہی پر معنی فقرہ ہے وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کر رہے ہیں۔

البتہ وہ بالکل بے خبر تھے کہ خدا کا واجب النفوذ فرمان اور اس کی شکست ناپذیر مشیت نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ یہ طفل نوزاد انتہائی خطرات میں پرورش پائے اور کسی آدمی میں بھی ارادہ ومشیت الٰہی سے سرتابی کی طاقت وجرات نہیں ہے۔

(۱۰) وَ اَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا ؕ اِنۡ کَادَتۡ لَتُبۡدِیۡ بِہٖ لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰی قَلۡبِہَا لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	موسیٰ کی ماں کا دل (اپنے بیٹے کے سوا) ہر چیز سے خالی ہو گیا۔اگر ہم اس کا دل ایمان وامید سے محکم نہ کردیتے تو قریب تھا کہ وہ راز فاش کردیتی۔(مگر ہماری) غرض یہ تھی کہ وہ مومنین میں سے رہے۔
(۱۱) وَ قَالَتۡ لِاُخۡتِہٖ قُصِّیۡہِ ۫ فَبَصُرَتۡ بِہٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ	ماں نے موسیٰ کی بہن سے کہا: تو اس کے پیچھے پیچھے چلی جا۔پس وہ اسے دُور سے دیکھتی رہی جبکہ وہ لوگ اس حال سے بے خبر تھے۔
(۱۲) وَ حَرَّمۡنَا عَلَیۡہِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰۤی اَہۡلِ بَیۡتٍ یَّکۡفُلُوۡنَہٗ لَکُمۡ وَ ہُمۡ لَہٗ نٰصِحُوۡنَ	اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر دودھ پلانے والیوں کے دودھ اس پر حرام کردیئے تھے۔پس موسیٰ کی بہن نے کہا: کیا میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں جو اس نومولود کی کفالت کریں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں؟
(۱۳) فَرَدَدۡنٰہُ اِلٰۤی اُمِّہٖ کَیۡ تَقَرَّ عَیۡنُہَا وَ لَا تَحۡزَنَ وَ لِتَعۡلَمَ اَنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؑ	پس ہم نے اس (موسیٰ) کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو۔نیز وہ جان لے کہ خدا کا وعدہ سچا ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام پھر آغوش مادر میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اس طرح سے جیسا کہ ہم نے پیشتر بیان کیا ہے اپنے فرزند کو دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کر دیا مگر اس عمل کے بعد اس کے دل میں جذبات کا ایک شدید طوفان اٹھنے لگا نوزائیدہ بیٹے کی یاد جس کے سوا اس کے دل میں کچھ نہ تھا اس کے احساسات پر غالب آ گئی تھی۔

قریب تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور اپنا راز فاش کردے۔

قریب تھا کہ چیخ مارے اور اپنے بیٹے کی جدائی میں نالے کرے۔

لیکن عنایت خداوندی اس کے شامل حال رہی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل اپنے فرزند کی یاد کے سوا ہر چیز سے خالی ہوگیا۔

اگر ہم نے اس کا دل ایمان اور امید کے نور سے روشن نہ کیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ راز فاش کر دیتی۔لیکن ہم نے یہ اس لئے کیا تا کہ وہ اہل ایمان میں سے رہے۔

اس لطف خداوندی کے طفیل ماں کے دل کا سکون لوٹ آیا مگر اسے آرزو رہی کہ وہ اپنے فرزند کے حال سے باخبر رہے اس لئے اس نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ جا تو دیکھتی رہ کہ اس پر کیا گزرتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی بہن ماں کا حکم بجالائی اور اتنے فاصلہ سے جہاں سے سب کچھ نظر آتا تھا دیکھتی رہی اس نے دور سے دیکھا کہ فرعون کے عمال اس کے بھائی کے صندوق کو پانی میں سے نکال رہے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں سے نکال کر گود میں لے رہے ہیں۔

مگر وہ لوگ اس بہن کی اس کیفیت حال سے بے خبر تھے۔

(۱۲) بہر حال ارادہ الٰہی یہ تھا کہ یہ طفل نوزاد جلد اپنی ماں کے پاس واپس جائے اور اس کے دل کو قرار آئے اس لئے فرمایا گیا ہے ہم نے تمام دودھ پلانے والی عورتوں کو اس پر حرام کر دیا تھا۔

یہ امر طبعی ہے کہ شیر خوار نوزاد چند گھنٹے گزرتے ہی بھوک سے رونے لگتا ہے اور بے تاب ہوجاتا ہے اندریں حال لازم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کیلئے کسی عورت کی تلاش کی جاتی۔

محل کے خدام حرکت میں آگئے اور دربدر کسی دودھ پلانے والی کو تلاش کرنے لگے مگر یہ عجیب بات تھی کہ وہ کسی کا دودھ پیتا ہی نہ تھا۔

دراصل یہ خدا کی طرف سے تحریم تکوینی تھی کہ اس نے تمام عورتوں کو اس پر حرام کر دیا تھا۔

بچہ لحظہ بہ لحظہ زیادہ بھوکا اور زیادہ بیتاب ہوتا جاتا تھا بار بار رو رہا تھا اور اس کی آواز سے فرعون کے محل میں شور ہو رہا تھا اور ملکہ کا دل لرز رہا تھا۔

خدمت پر مامور لوگوں نے اپنی تلاش کو تیز تر کر دیا۔ناگہاں قریب ہی انہیں ایک لڑکی مل جاتی ہے وہ ان سے یہ کہتی ہے میں ایک ایسے خاندان کو جانتی ہوں جو اس بچے کی کفالت کرسکتا ہے وہ لوگ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

کیا تم لوگ یہ پسند کروگے کہ میں تمہیں وہاں لے چلوں؟

میں بنی اسرائیل میں سے ایک ایسی عورت کو جانتی ہوں جس کی چھاتیوں میں دودھ ہے اور اس کا دل محبت سے بھرا ہوا ہے اس کا ایک بچہ تھا وہ اسے کھو چکی ہے وہ ضرور اس بچے کو جو محل میں پیدا ہوا ہے دودھ پلانے پر آمادہ ہو جائے گی۔

وہ تلاش کرنے والے خدام یہ سن کر خوش ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو فرعون کے محل میں لے گئے اس بچے نے جونہی اپنی ماں کی خوشبو سونگھی اس کا دودھ پینے لگا۔اور اپنی ماں کا روحانی رس چوس کر اس میں جان تازہ آ گئی۔اس کی آنکھوں میں خوشی کا نور چمکنے لگا۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ماں کا دودھ پینے لگے فرعون کے وزیر ہامان نے کہا مجھے لگتا ہے کہ تو ہی اس کی ماں ہے بچے نے ان تمام عورتوں میں سے صرف تیرا ہی دودھ کیوں قبول کر لیا؟

ماں نے کہا

اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ایسی عورت ہوں جس کے دودھ میں سے خوشبو آتی ہے میرا دودھ نہایت شیریں ہے اب تک جو بچہ بھی مجھے سپرد کیا گیا ہے وہ فوراً ہی میرا دودھ پینے لگتا ہے۔

حاضرین دربار نے اس قول کی صداقت کو تسلیم کر لیا اور ہر ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو گراں بہا ہدیے اور تحفے دیئے خدا کی مشیت یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی صالحہ ماں کے پاک دودھ سے غذا حاصل کریں تا کہ وہ اہل دنیا کے شر کے خلاف ڈٹ جائیں اور اہل شر و فساد سے نبرد آزمائی کر سکیں۔

(۱۳) ہم نے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا۔تا کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں اور اس کے دل میں غم و اندوہ باقی رہے اور وہ یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے اگرچہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔

(۱۴) وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسۡتَوٰۤی اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ	اور جب وہ (موسیٰ) بھرپور جوان اور طاقتور ہو گیا تو ہم نے اسے حکمت اور دانش عطا فرمائی اور ہم نیکو کاروں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔
(۱۵) وَ دَخَلَ الۡمَدِیۡنَةَ عَلٰی حِیۡنِ غَفۡلَةٍ مِّنۡ اَهۡلِهَا فَوَجَدَ فِیۡهَا رَجُلَیۡنِ یَقۡتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنۡ شِیۡعَتِهٖ	اور وہ ایسے وقت، جب اہل شہر غافل تھے شہر میں داخل ہوا تو ناگہاں اسنے دو آدمیوں کو دیکھا جو باہم لڑ رہے تھے۔ان میں سے ایک اس کے پیرو کاروں میں سے تھا

وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ	اور دوسرا اس کے دشمنوں سے تھا۔ ان میں سے ایک نے جو اس کا طرفدار تھا، دشمن کے مقابلے میں اس سے امداد طلب کی موسیٰ نے اس (دشمن) کے سینے پر ایک مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا (وہ زمین پر گرا اور مر گیا)۔ موسیٰ نے کہا کہ یہ ایک عمل شیطانی تھا۔ بیشک وہ (شیطان) دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔
(۱۶) قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ	موسیٰ نے کہا: اے میرے پروردگارا! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے بخش دے۔ پس خدا نے اسے بخش دیا۔ وہ (اللہ) بیشک بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔
(۱۷) قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ	اُس نے عرض کی: اے پروردگار! میں اس نعمت کے شکرانہ میں جو تو نے مجھے عطا فرمائی ہے، کبھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام مظلوموں کے مددگار کے طور پر

اب ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھرپور زندگی کے تیسرے دور سے گزرتے ہیں۔

اس دور میں ان کے وہ واقعات ہیں جو انہیں بدوران بلوغ اور مصر سے مدین کو سفر کرنے سے پہلے پیش آئے اور یہ وہ اسباب ہیں جو ان کی ہجرت کا باعث ہوئے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ فرماتا ہے موسیٰ علیہ السلام جب طاقتور اور کامل ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا اور ہم نیکو کاروں کو اس طرح جزا دیتے ہیں۔

بدیہی ہے کہ اس علم و حکمت سے مراد وحی اور نبوت نہیں ہے کیونکہ اس زمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اور نبوت ملی۔

بلکہ اس مقام پر علم و حکمت سے مراد وہی آگاہی روشن بینی صحیح قوت فیصلہ اور اسی قسم کے اوصاف ہیں جو خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو

ان کی پاک دامنی نیکی اور صالح زندگی کے صلہ میں عطا کئے تھے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب تمام اہل شہر غافل تھے۔

لیکن احتمال قوی یہ ہے کہ یہ مصر کا پایہ تخت تھا

بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں آئے اور وہاں ایک ماجرے سے دوچار ہوئے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں بھڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرفدار اور ان کا پیرو تھا اور دوسرا ان کا دشمن تھا۔

جس وقت بنی اسرائیل کے اس آدمی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سے اپنے دشمن کے مقابلے میں امداد چاہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی مدد کرنے کیلئے تیار ہو گئے تا کہ اسے اس ظالم دشمن کے ہاتھ سے نجات دلائیں بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ قبطی فرعون کا ایک باورچی تھا اور چاہتا تھا کہ اس بنی اسرائیل کو بیگار میں پکڑ کے اس سے لکڑیاں اٹھوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعونی کے سینے پر ایک مکا مارا وہ ایک ہی مکے میں مر گیا اور زمین پر گر پڑا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس فرعونی کو جان سے مار دینے کا ارادہ نہ تھا۔ آیات مابعد سے بھی یہ مطلب خوب واضح ہو جاتا ہے ایسا اس لئے نہ تھا کہ وہ لوگ مستحق قتل نہ تھے بلکہ انہیں ان نتائج کا خیال تھا جو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو پیش آسکتے تھے۔

لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً کہا کہ یہ کام شیطان نے کرایا ہے کیونکہ وہ انسانوں کا دشمن اور واضح گمراہ کرنے والا ہے۔

اس واقعے کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ بنی اسرائیلی کا گریبان اس فرعون کے ہاتھ سے چھڑا دیں ہر چند کہ وابستگان فرعون اس سے زیادہ سخت سلوک کے مستحق تھے لیکن ان حالات میں ایسا کام کر بیٹھنا قرین مصلحت نہ تھا

(۱۶) پھر قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے اس نے کہا پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف کر دے اور خدا نے اسے بخش دیا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام اس معاملے میں کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ حقیقت میں ان سے ترک اولی سرزد ہوا کیونکہ انہیں ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہیئے تھی جس کے نتیجے میں وہ زحمت و تکلیف میں مبتلا ہوں۔

(۱۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا خداوندا تیرے اس احسان کے شکرانے میں کہ تو نے میرے قصور کو معاف کر دیا، اور دشمنوں کے پنجے میں گرفتار نہ ہونے دیا اور ان تمام نعمتوں کے شکریئے میں جو مجھے ابتدا سے اب تک مرحمت کرتا رہا ہے میں عہد کرتا ہوں کہ ہرگز مجرموں کی مدد نہ کروں گا اور ظالموں کا طرفدار نہ ہوں گا۔

بلکہ ہمیشہ مظلومین اور ستم دیدہ لوگوں کا مددگار رہوں گا۔

اس جملہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ میں آئندہ ہرگز مجرم اور گنہگار وابستگان فرعون کا شریک کار نہ ہوں گا بلکہ میں بنی اسرائیل کے ستم دیدہ لوگوں کا ہمدرد رہوں گا۔

(۱۸) فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ	موسیٰ نے شہر میں بحالتِ خوف صبح کی جبکہ ہر لحظہ وہ کسی حادثہ (اور کسی خبر کے) انتظار میں تھا۔ ناگہاں اس نے دیکھا کہ وہی شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی آج پھر اسے پکار رہا ہے اور اس سے نصرت طلب کر رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ تو واضح طور پر گمراہ ہے۔
(۱۹) فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ کَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ٭ۖ اِنۡ تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا تُرِیۡدُ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ	پس جب اس (موسیٰ) نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو، جو ان دونوں کا دشمن تھا، پکڑے تو اس نے کہا اے موسیٰ: کیا تو آج مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا تھا؟ کیا تو چاہتا ہے کہ تو زمین میں ظالم بن کر رہے اور کیا تو مصلحین میں سے نہیں ہونا چاہتا ؟
(۲۰) وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَةِ یَسۡعٰی ۫ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ الۡمَلَاَ یَاۡتَمِرُوۡنَ بِکَ لِیَقۡتُلُوۡکَ فَاخۡرُجۡ اِنِّیۡ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیۡنَ	(اس وقت) ایک شخص شہر کے دور کے حصہ سے (فرعونیوں کے مرکز) سے تیزی سے آیا اور کہا: کہ اے موسیٰ سردار تیرے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں پس تو فوراً شہر سے نکل جا کہ میں تیرا خیر خواہ ہوں۔
(۲۱) فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ٪	پس وہ (موسیٰ) شہر سے ڈرتے ہوئے نکلا اور اسے ہر لحظہ کسی حادثے کا کھٹکا تھا۔ (اس نے خدا سے دعا کی) اور کہا: اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما۔

(۲۲) وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ	اور جب اس نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا: مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے راہِ راست کی ہدایت فرمائے گا۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام کی مخفیانہ مدین کی طرف روانگی

ان آیات میں اس پرحوادث سرگزشت کا چوتھا حصہ بیان کیا گیا ہے فرعونیوں میں سے ایک آدمی کے قتل کی خبر شہر میں بڑی تیزی سے پھیل گئی قرائن سے شاید لوگ یہ سمجھ گئے تھے کہ اس کا قاتل بنی اسرائیل میں سے ہے اور شاید اس سلسلے میں لوگ موسیٰ علیہ السلام کا نام بھی لیتے تھے۔

لہٰذا ہم زیر بحث پہلی ہی آیت میں یہ پڑھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد موسیٰ علیہ السلام شہر میں ڈر رہے تھے اور ہر لحظہ انہیں کسی حادثے کا کھٹکا تھا اور وہ نئی خبروں کی جستجو میں تھے۔

ناگہاں انہیں ایک معاملہ پیش آیا آپ نے دیکھا کہ وہی بنی اسرائیلی جس نے گزشتہ روز ان سے مدد طلب کی تھی انہیں پھر پکار رہا تھا اور مدد طلب کر رہا تھا (وہ ایک اور قبطی سے لڑ رہا تھا)۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تو آشکارا طور پر ایک جاہل اور گمراہ شخص ہے۔

تو ہر روز کسی نہ کسی سے جھگڑ پڑتا ہے اور اپنے لئے مصیبت پیدا کر لیتا ہے

(۱۹) بہر حال وہ ایک مظلوم تھا جو ایک ظالم کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا خواہ ابتداء اس سے کچھ قصور ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے یہ ضروری ہو گیا کہ اس کی مدد کریں اور اسے اس قبطی کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دیں لیکن جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ اس قبطی آدمی کو جوان دونوں کا دشمن تھا پکڑ کر اس بنی اسرائیلی سے جدا کریں وہ قبطی چلایا اس نے کہا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تو مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا تھا۔

تیری حرکات سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تو زمین پر ایک ظالم بن کر رہے گا اور یہ نہیں چاہتا کہ مصلحین میں سے ہو۔

اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے محل اور اس کے باہر ہر دو جگہ اپنے مصلحانہ خیالات کا اظہار شروع کر دیا تھا

(۲۰) اس واقعے کی فرعون اور اس کے اہل دربار کو اطلاع پہنچ گئی۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کے مکرر سرزد ہونے کو اپنی شان سلطنت کیلئے ایک تہدید سمجھا۔ وہ باہم مشورے کیلئے جمع ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

اس وقت ایک غیر متوقع واقعے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو موت سے نجات بخشی۔ ہوا یوں کہ ایک آدمی شہر کے دور دراز حصے سے جہاں فرعون اور اس کے اہل خانہ رہتے تھے تیزی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں مطلع کیا کہ آپ کو قتل کرنے کا

مشورہ ہو رہا ہے آپ فوراً شہر سے نکل جائیں میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔

یہ آدمی بظاہر وہی تھا جو بعد میں مومن آل فرعون کے نام سے مشہور ہوا کہا جاتا ہے کہ اس کا نام حزقیل تھا وہ فرعون کے قریبی رشتہ داروں سے میں سے تھا

(۲۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خبر کو قطعی درست سمجھا اور اس ایماندار آدمی کی خیر خواہی کو بہ نگاہ قدر دیکھا اور اس کی نصیحت کے مطابق شہر سے نکل گئے۔ اس وقت آپ خوف زدہ تھے اور ہر گھڑی انہیں کسی حادثے کا کھٹکا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت خضوع قلب کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو کر اس بلا کو ٹالنے کیلئے اس کے لطف و کرم کی درخواست کی اے میرے پروردگار! تو مجھے اس ظالم قوم سے رہائی بخش۔

(۲۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پختہ اراد کر لیا وہ شہر مدین کو چلے جائیں یہ شہر شام کے جنوب اور حجاز کے شمال میں تھا اور قلم رو مصر اور فراعنہ کی حکومت میں شامل نہ تھا۔

اس طویل بے زادہ وراحلہ اور بے رفیق و رہنما سفر میں ایک عظیم سرمایہ ان کے پاس تھا اور وہ تھا ایمان اور توکل بر خدا۔

لہٰذا جب وہ مدین کی طرف چلے تو کہا خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے راہ راست کی طرف ہدایت کرے گا۔

(۲۳) وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۟ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ	اور جب موسیٰ مدین میں پانی (کے کنویں) کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ لوگ اپنے چوپایوں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان کے ایک طرف دو عورتیں اپنی بکریوں کو لئے کھڑی ہیں۔ (کنویں کے نزدیک نہیں آتیں) ان سے موسیٰ نے پوچھا: تمہیں کیا مسئلہ درپیش ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم انہیں اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک تمام چرواہے یہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہمارا والد بہت ہی بوڑھا ہے۔
(۲۴) فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ	پس موسیٰ نے ان کو پانی پلایا پھر وہ سائے کی جگہ جا بیٹھا اور کہا: پروردگارا! تو مجھے جو بھی نعمت عطا فرمائے گا میں اس کا حاجت مند ہوں۔

(۲۵) فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ ۚ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ ۚ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ	ان میں سے ایک حیا اور شرم کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی اور کہا: میرے والد تجھے بلاتے ہیں تا کہ تو نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا تھا اس کی تجھے اجرت دیں۔ پس موسیٰ اس (شعیب) کے پاس آئے اس سے تمام ماجرا بیان کیا۔ شعیب نے کہا کہ ڈر نہیں تو نے ظالموں سے نجات پالی ہے۔

تفسیر

ایک نیک عمل نے موسیٰ علیہ السلام پر بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے

اس مقام پر ہم اس سرگزشت کے پانچویں حصے پر پہنچ گئے ہیں اور وہ موقع یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مدین میں پہنچ گئے ہیں۔

یہ جوان پاکباز انسان کئی روز تک تنہا چلتا رہا بیان کیا گیا ہے کہ مسلسل آٹھ روز تک چلتے رہے یہاں تک کہ چلتے چلتے ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔

جب بھوک لگتی تھی تو جنگل کی گھاس اور درختوں کے پتے کھا لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ انہیں افق میں شہر مدین کا منظر نظر آنے لگا ان کے دل میں آسودگی کی ایک لہر اٹھنے لگی۔ وہ شہر کے قریب پہنچے انہوں نے لوگوں کا ایک انبوہ دیکھا۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ لوگ چرواہے ہیں کہ جو کنویں کے پاس اپنی بھیڑوں کو پانی پلانے آئے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کنویں کے قریب آئے تو انہوں نے وہاں بہت سے آدمیوں کو دیکھا جو کنویں سے پانی بھر کے اپنے چوپایوں کو پلا رہے تھے۔

انہوں نے اس کنویں کے پاس دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بھیڑوں کو لئے کھڑی تھیں مگر کنویں کے قریب نہیں آتی تھیں۔

ان باعفت لڑکیوں کی حالت قابل رحم تھی جو ایک گوشے میں کھڑی تھیں اور کوئی آدمی بھی ان سے انصاف نہیں کرتا تھا چرواہے صرف اپنی بھیڑوں کی فکر میں تھے اور کسی اور کو موقع نہیں دیتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کی یہ حالت دیکھی تو ان کے نزدیک آئے اور پوچھا تم یہاں کیسے کھڑی ہو۔

تم آگے کیوں نہیں بڑھتیں اور اپنی بھیڑوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے یہ حق کشی ظلم و ستم بے عدالتی اور مظلوموں کے حقوق کی عدم پاسداری جو انہوں نے شہر مدین میں دیکھی قابل برداشت نہ تھی۔

مظلوموں کو ظلم سے بچانا ان کی فطرت تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے فرعون کے محل اور اس کی نعمتوں کو ٹھکرا دیا تھا اور وطن سے

بے وطن ہو گئے تھے وہ اپنی اس روش حیات کو ترک نہیں کر سکتے تھے اور ظلم کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔

لڑکیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جواب میں کہا ہم اس وقت تک اپنی بھیڑوں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک تمام چرواہے اپنے حیوانات کو پانی پلا کر نکل نہ جائیں۔

ان لڑکیوں نے اس بات کی وضاحت کیلئے کہ ان باعفت لڑکیوں کے باپ نے انہیں تنہا اس کام کیلئے کیوں بھیج دیا ہے یہ بھی اضافہ کیا کہ ہمارا باپ نہایت ضعیف العمر ہے۔

(۲۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ باتیں سن کر بہت کوفت ہوئی وہ آگے آئے بھاری ڈول اٹھایا اور اسے کنوئیں میں ڈالا کہتے ہیں کہ وہ ڈول اتنا بڑا تھا کہ چند آدمی مل کر اسے کھینچ سکتے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوی بازوؤں سے اسے اکیلے ہی کھینچ لیا اور ان دونوں عورتوں کی بھیڑوں کو پانی پلا دیا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سائے میں آ بیٹھے اور بارگاہ ایزدی میں عرض کرنے لگے خداوندا! تو مجھے جو بھی خیر اور نیکی بخشے میں اس کا محتاج ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تھکے ہوئے اور بھوکے تھے اس شہر میں اجنبی اور تنہا تھے

(۲۵) لیکن دیکھو کہ کار خیر کیا قدرت نمائی کرتا ہے صرف "لوجه الله" ایک قدم اٹھانے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک نیا باب کھل گیا اور یہ عمل خیر ان کیلئے برکات مادی اور روحانی کی ایک دنیا بطور تحفہ لایا۔ اور وہ ناپید انعمت جس کے حصول کیلئے انہیں برسوں کوشش کرنا پڑتی اللہ نے انہیں بخش دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے اس خوش نصیبی کا دور اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان دونوں بہنوں میں سے ایک نہایت حیا سے قدم اٹھاتی ہوئی آ رہی ہے اس کی وضع سے ظاہر تھا کہ اسے ایک جوان سے باتیں کرتے ہوئے شرم آتی ہے وہ لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب آئی اور صرف ایک جملہ کہا میرے والد صاحب آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے ہماری بکریوں کیلئے کنویں سے جو پانی کھینچا تھا اس کا معاوضہ دیں۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں امید کی بجلی چمکی۔ گویا انہیں یہ ادراک ہوا کہ ان کیلئے ایک عظیم خوش نصیبی کے اسباب فراہم ہو رہے ہیں وہ ایک بزرگ انسان سے ملیں گے وہ ایک ایسا حق شناس انسان معلوم ہوتا ہے جو یہ بات پسند نہیں کرتا کہ انسان کی کسی زحمت کا یہاں تک کہ پانی کے ایک ڈول کھینچنے کا بھی معاوضہ نہ دے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

بعض روایات کے مطابق وہ لڑکی رہنمائی کیلئے ان کے آگے آگے چل رہی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے چل رہے تھے اس وقت تیز ہوا سے اس لڑکی کا لباس اڑ رہا تھا اور ممکن تھا کہ ہوا کی تیزی لباس کو اس کے جسم سے اٹھا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ طبیعت اس منظر کو دیکھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس لئے انہوں نے لڑکی سے کہا کہ میں آگے آگے چلتا ہوں۔ تم کسی دوراہے

یا چندا رہے پر مجھے راستہ بتا دینا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی پوری داستان سنائی

قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انہیں اپنی سرگزشت سنائی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا مت ڈرو تمہیں ظالموں کے گروہ سے نجات مل گئی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ انہیں ایک عالی مرتبہ استاد مل گیا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی یہ سمجھ لیا کہ انہیں ایک لائق اور مستعد شاگرد مل گیا ہے۔

(۲۶) قَالَتۡ اِحۡدٰهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۚ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ	ان میں سے ایک نے کہا: کہ ابا جان آپ اسے ملازم رکھ لیجئے۔ کیونکہ بہترین ملازم جو آپ رکھ سکیں اسے توانا اور امین ہونا چاہئے۔
(۲۷) قَالَ اِنِّىۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ اِحۡدَى ابۡنَتَىَّ هٰتَيۡنِ عَلٰٓى اَنۡ تَاۡجُرَنِىۡ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَيۡكَ ؕ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ	(شعیب نے) موسیٰ سے کہا: کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا تم سے نکاح کر دوں اسی شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری خدمت کرو گے اور اگر دس سال پورے کرو تو وہ تمہاری طرف سے احسان ہوگا۔ میں تم سے کوئی سخت کام لینا نہیں چاہتا۔ انشاء اللہ تم مجھے صالحین میں سے پاؤ گے۔
(۲۸) قَالَ ذٰلِكَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ ؕ اَيَّمَا الۡاَجَلَيۡنِ قَضَيۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَىَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ ۠	(موسیٰ نے) کہا! (کوئی حرج نہیں البتہ) میرے اور تمہارے درمیان یہ عہد ہے کہ میں ان (دونوں) مدتوں میں سے جو بھی تمام کر دوں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہم جو معاہدہ کر رہے ہیں خدا اس پر گواہ ہے۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے چھٹے دور کا ذکر شروع ہوتا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب شعیب علیہ السلام کو اپنی سر گزشت سنائی تو ان کی ایک لڑکی نے ایک مختصر مگر پرمعنی عبارت میں اپنے والد کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھیڑوں کی

حفاظت کیلئے ملازم رکھ لیں۔ وہ الفاظ یہ تھے

اے بابا! آپ اس جوان کو ملازم رکھ لیں کیونکہ ایک بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھ سکتے ہیں وہ ایسا ہونا چاہئے جو قوی اور امین ہو اور اس نے اپنی طاقت اور نیک خصلت دونوں کا امتحان دے دیا ہے۔

(۲۷) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کی تجویز کو قبول کر لیا۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف رخ کر کے یوں کہا میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا تیرے ساتھ نکاح کر دوں اس شرط کے ساتھ کہ تو آٹھ سال تک میری خدمت کرے۔

اس کے بعد یہ اضافہ کیا اگر تو آٹھ سال کی بجائے یہ خدمت دس سال کر دے تو یہ تیرا احسان ہوگا مگر تجھ پر واجب نہیں ہے۔

بہر حال میں یہ نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مشکل کام لوں ان شاء اللہ تم جلد دیکھ گے کہ میں صالحین میں سے ہوں اپنے عہد و پیمان میں وفادار ہوں تیرے ساتھ ہرگز سخت گیری نہ کروں گا اور تیرے ساتھ خیر اور نیکی کا سلوک کروں گا۔

(۲۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تجویز اور شرط سے موافقت کرتے ہوئے اور عقد کو قبول کرتے ہوئے کہا میرے اور آپ کے درمیان یہ عہد ہے۔

البتہ ان دو مدتوں میں سے آٹھ سال یا دس سال جس مدت تک بھی خدمت کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور میں اس کے انتخاب میں آزاد ہوں۔

عہد کو پختہ اور خدا کے نام سے طلب مدد کیلئے یہ اضافہ کیا جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اس پر شاہد ہے۔

ان میں کسی کام کو ذمہ داری کیلئے ادا کرنے کیلئے دو اہم ترین شرائط نہایت مختصر اور جامع صورت میں بیان ہوئی ہیں اور وہ ہیں قدرت اور امانت

(۲۹) فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ	جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے خاندان کے ساتھ (مدین سے مصر کی طرف) روانہ ہوئے تو انہوں نے طور کی طرف سے آگ دیکھی۔ پس اپنے گھر والوں سے کہا: تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید میں وہاں سے تمہارے لئے کچھ خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارا لے آؤں تاکہ تم اس سے گرم ہو جاؤ۔
(۳۰) فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ	پس جب اس کے پاس پہنچے تو ناگہاں میدان کے داہنے کنارے سے اس بابرکت و بلند زمین میں ایک درخت میں سے آواز آئی اے موسیٰ! میں اللہ رب العالمین ہوں۔

(۳۱) وَ اَنۡ اَلۡقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ کَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰۤی اَقۡبِلۡ وَ لَا تَخَفۡ ۟ اِنَّکَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ	تو اپنی لاٹھی کو ڈال دے (جب موسیٰ نے عصا کو ڈال دیا تو) دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح تیزی سے حرکت کر رہی ہے۔ موسیٰ کو خوف ہوا اور وہ رُخ پھیر کر چل پڑے اور منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا (آواز آئی) اے موسیٰ! واپس آ جا اور نہ ڈرو۔ تم امان میں ہے۔
(۳۲) اُسۡلُکۡ یَدَکَ فِیۡ جَیۡبِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ ۫ وَّ اضۡمُمۡ اِلَیۡکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّهۡبِ فَذٰنِکَ بُرۡهَانٰنِ مِنۡ رَّبِّکَ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ	اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال۔ جب تو اسے نکالے گا تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید اور چمکدار ہوگا۔ اپنے ہاتھوں کو اپنے سینہ پر رکھ تا کہ خوف تجھ سے دُور ہو۔ اور خدا کی طرف سے یہ دو روشن دلیلیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے کیلئے ہیں۔ یقیناً وہ سب فاسق ہیں۔
(۳۳) قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ	موسیٰ نے عرض کیا: میں نے ان میں سے ایک فرد کو قتل کیا ہے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے
(۳۴) وَ اَخِیۡ هٰرُوۡنُ هُوَ اَفۡصَحُ مِنِّیۡ لِسَانًا فَاَرۡسِلۡهُ مَعِیَ رِدۡاً یُّصَدِّقُنِیۡۤ ۫ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ	میرا بھائی ہارون جس کی زبان مُجھ سے زیادہ فصیح ہے، اسے میرے ساتھ بھیج تا کہ وہ میری تصدیق کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔
(۳۵) قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیۡکَ وَ نَجۡعَلُ لَکُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا یَصِلُوۡنَ اِلَیۡکُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنۡتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ	(خدا نے فرمایا) ہم تیرے بازوؤں کو تیرے بھائی کے وسیلہ سے مضبوط کریں گے، تمہیں غلبہ اور برتری عنایت کریں گے اور ہماری نشانیوں کی برکت سے وہ تم پر غالب نہ ہو سکیں گے۔ تم اور تمہاری پیروی کرنے والے غالب رہیں گے۔

تفسیر

وحی کی تابش اول

اس مقام پر اس داستان کا ساتواں منظر ہمارے پیش نظر ہے۔

کوئی آدمی بھی حقیقتاً یہ نہیں جانتا کہ ان دس سال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا گزری لیکن بلا شک یہ دس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بہترین سال تھے۔

یہ امر بدیہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ساری زندگی چرواہے بنے رہنے پر قناعت نہیں کر سکتے تھے۔ ہر چند ان کیلئے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا ان کے لئے دنیاوی لحاظ سے بہت ہی بہتر تھا مگر وہ اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ اپنی اس قوم کی مدد کیلئے جائیں جو غلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہے اور جہالت نادانی اور بے خبری میں غرق ہے۔

بہر کیف قرآن شریف میں یہ بیان اس طور سے ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی مدت کو ختم کر چکے اور اپنے خاندان کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گئے تو انہیں طور کی جانب سے شعلہ آتش نظر آیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل خاندان سے کہا تم یہیں ٹھہرو مجھے آگ نظر آئی ہے میں جاتا ہوں شاید تمہارے لئے وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا ایک انگارا لے آؤں تاکہ تم اس سے گرم ہو جاؤ۔

" اتیکم بخبر" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ راستہ بھول گئے تھے اور "لعلکم تصطلون" یہ اشارہ کر رہا ہے کہ سرد اور تکلیف دہ رات تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت آگ کی تلاش میں نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ

آگ تو ہے مگر معمول کی سی آگ نہیں ہے بلکہ حرارت اور سوزش سے خالی ہے وہ نور اور تابندگی کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس منظر سے نہایت حیران تھے کہ ناگہاں اس پر برکت سرزمین بلند میں وادی کے داہنی جانب سے ایک درخت میں سے آواز آئی اے موسیٰ علیہ السلام میں اللہ رب العالمین ہوں۔

(۳۱) لیکن اس عظیم ذمہ داری کے اعتبار سے جو موسیٰ علیہ السلام پر عائد کی گئی تھی لازم تھا کہ اسی کے مطابق انہیں خدا کی طرف سے معجزات بھی عطا کئے جائیں چنانچہ ان آیات میں دو اہم معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔

اول یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو پھینک دیا اب کیا دیکھتے ہیں کہ وہ عصا سانپ کی طرح تیزی سے حرکت کر رہا ہے یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام ڈرے اور پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ مڑ کے بھی نہ دیکھا۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ آواز سنی جوان سے کہہ رہی تھی۔ واپس آ اور نہ ڈر تو امان میں ہے۔

(۳۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے ان میں سے پہلا معجزہ خوف کی علامت پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اب ایک دوسرا معجزہ حاصل کرو جو نور وامید کی علامت ہوگا۔ اور یہ دونوں معجزے گویا انذار اور بشارت تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو اور باہر نکالو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب گریبان میں سے ہاتھ باہر نکالا تو وہ سفید تھا اور چمک رہا تھا اور اس میں کوئی عیب اور نقص نہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہ سفیدی اور چمک کسی بیماری (مثلاً برص یا کوئی اسی جیسی چیز) کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ یہ نور

الٰہی تھا جو بالکل ایک نئی قسم کا تھا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سنسان کوہسار اور اس تاریک رات میں یہ دو خارق عادت اور خلاف معمول چیزیں دیکھیں تو ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ چنانچہ اس لئے کہ ان کا اطمینان قلب واپس آ جائے انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے سینے پر اپنا ہاتھ پھیریں تا کہ دل کو راحت ہو جائے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی صدا سنی جو کہہ رہی تھی خدا کی طرف سے تجھے یہ دو دلیلیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے کیلئے دی جا رہی ہیں کیونکہ وہ سب لوگ فاسق تھے اور ہیں۔

(۳۳) اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کو اپنی زندگی کا وہ اہم حادثہ یاد آ گیا جو مصر میں پیش آیا تھا۔ یعنی ایک قبطی کو قتل کرنا اور فرعون کی پولیس کا اس قبطی کے خون کا بدلہ لینے کیلئے پختہ ارادہ۔

اگر چہ موسیٰ علیہ السلام ایک مظلوم کی حمایت میں اس قبطی سے لڑے تھے مگر فرعون کی منطق میں یہ عذر بے معنی تھا۔ وہ اب بھی تہیہ کئے ہوئے تھا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اسے کہیں مل جائیں تو انہیں بے چون و چرا قتل کرا دے اس لئے موسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں خدایا! میں نے تو ان میں سے ایک آدمی کو قتل کیا ہے مجھے خوف ہے کہ وہ اس کے انتقام میں مجھے قتل کر دیں گے اور میں اپنا فرض ادا نہ کر سکوں گا۔

(۳۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درگاہ باری تعالیٰ میں عرض کی:

"علاوہ بریں میں تنہا ہوں اور میری زبان بھی فصیح نہیں ہے تو میرے بھائی ہارون کو بھی میرے ساتھ بھیج کہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح زبان ہے تا کہ وہ میری مدد کرے اور تصدیق بھی مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میں تنہا ہوں گا تو لوگ مجھے جھٹلائیں گے"۔

(۳۵) خدا نے بھی ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ انہیں اطمینان دلایا اور فرمایا: ہم تمہارے بازوؤں کو تمہارے بھائی کے وسیلہ سے محکم کریں گے۔

اور تمہیں ہر مرحلے پر غلبہ اور برتری عطا کریں گے۔

قطعی مطمئن رہو! وہ لوگ ہرگز تم پر غالب نہ ہوں گے اور ان معجزوں کی برکت سے، وہ نہ تو تم پر مسلط ہوں گے اور نہ تمہارے مقابلے میں فتح مند ہوں گے۔

بلکہ تم اور تمہارے پیرو ہی غالب اور فیروز مند رہیں گے۔

(۳٦) فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَرًی وَّ مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ	پس جس وقت موسیٰ ہمارے روشن معجزات لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: یہ تو جادو کے علاوہ کچھ نہیں ہے جسے غلط طور پر خدا سے منسوب کر دیا گیا ہے اور ہم نے اپنے گزشتہ بزرگوں سے کوئی ایسی بات نہیں سنی۔

(۳۷) وَ قَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ	موسیٰ نے کہا: میرا خدا ان لوگوں کو، جو اس کی طرف سے ہدایت لائے ہیں، خوب جانتا ہے اور اس شخص کو بھی جس کے لئے دارِ آخرت ہے۔ یقیناً ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے میں

اس مقام پر اس روداد کا آٹھواں حصہ بیان کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مقدس مقام پر خدا کی طرف سے نبوت اور رسالت کا فرمان مل گیا۔ وہ مصر میں آئے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو مطلع کیا اور وہ رسالت جس کیلئے آپ مبعوث تھے اس کا پیغام اسے پہنچایا پھر یہ دونوں بھائی فرعون سے ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئے

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں خدا فرماتا ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام ہمارے روشن معجزات لے کر ان لوگوں کے پاس گئے تو انہوں نے کہا یہ تو جادو کے علاوہ کچھ نہیں ہے جو غلط طور پر خدا سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

ہم نے ایسی بات اپنے بزرگوں میں کبھی نہیں سنی۔

انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روشن معجزات کے مقابلے میں وہی حربہ اختیار کیا جو پوری تاریخ میں تمام ظالم و جابر اور گمراہ لوگ انبیاء کے معجزات کے مقابلے میں اختیار کرتے رہے تھے۔

(۳۷) لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کفار کے جواب میں تہدید آمیز لہجے میں کہا۔ میرا خدا ان لوگوں کے حال سے جو اس کی طرف سے انسانوں کیلئے ہدایت لاتے ہیں خوب آگاہ ہے اور اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جس کیلئے دار آخرت ہے۔

اس قول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ خدا میرے حال سے خوب آگاہ ہے ہر چند کہ تم مجھے دروغ گوئی سے متہم کرتے ہو۔ مطمئن رہو اگر میں دروغ گو ہوں تو ظالم ہوں اور ظالموں کو بھی فلاح نہیں ہوتی۔

(۳۸) وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوْسٰی ۙ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ	فرعون نے کہا: اے (دربارنشین) سردارو! میں اپنے سوا تمہارے لئے کسی کو خدا نہیں جانتا۔ لیکن (مزید تحقیق کے لئے) اے ہامان! تو میرے لئے مٹی پر آگ جلا (یعنی اینٹیں پکا) اور پھر میرے لئے ایک بلند برج تعمیر کرتا کہ مجھے موسیٰ کے خدا کا پتہ چلے اگرچہ میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ جھوٹوں میں سے ہے۔

(۳۹) وَ اسۡتَکۡبَرَ هُوَ وَ جُنُوۡدُهٗ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اِلَیۡنَا لَا یُرۡجَعُوۡنَ	وہ (فرعون) اور اس کے لشکر زمین میں ناحق مغرور ہو رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے۔
(۴۰) فَاَخَذۡنٰهُ وَ جُنُوۡدَهٗ فَنَبَذۡنٰهُمۡ فِی الۡیَمِّ ۚ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیۡنَ	پس ہم نے اسے اور اُس کی افواج کو پکڑ لیا اور انہیں غرق دریا کر دیا۔ دیکھو! کہ ظالموں کا انجام کیا ہوتا ہے۔
(۴۱) وَ جَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ ۚ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ لَا یُنۡصَرُوۡنَ	اور ہم نے ان کو ایسے پیشوا قرار دیا جو (جہنم کی) آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ کی جائے گی۔
(۴۲) وَ اَتۡبَعۡنٰهُمۡ فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا لَعۡنَةً ۚ وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ هُمۡ مِّنَ الۡمَقۡبُوۡحِیۡنَ ۠	اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے روز وہ بدحالوں میں سے ہوں گے۔

تفسیر

ظالموں کا انجام

اس مقام پر ہم اس تاریخ کے نویں سبق آموز حصے کا مطالعہ کرتے ہیں جادوگروں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا حال تمام مملکت مصر میں مشہور ہو گیا تھا جادوگروں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے خطرہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اور حکومت فرعون کی پوزیشن سخت خطرے سے دوچار ہو گئی تھی۔ اس لئے اس نازک وقت میں لازمی تھا کہ ہر قیمت پر عوام کی توجہ اس مسئلے سے ہٹائی جائے۔ اور ان کے ذہن کو کسی اور طرف مشغول کرنے انہیں اصل مسئلے سے غافل کرنے اور بے وقوف بنانے کیلئے تدبیر کی جائے اور ساتھ ہی ساتھ حکومت کی طرف سے ان کیلئے عطا و بخشش کا سلسلہ بھی جاری ہو۔

فرعون نے اس معاملے میں اپنے اہل دربار سے مشورہ کیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا جس کا ذکر زیر بحث پہلی آیت میں آیا ہے فرعون نے کہا اے میرے امراو وزراء! مجھے تمہارے لئے اپنے سوا کسی خدا کا علم نہیں۔

مسلمہ طور پر زمین کا خدا میں ہوں رہا آسمان کا خدا اس کے وجود پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن میں احتیاط سے گریز نہیں کرتا اور آسمانی خدا کے متعلق تحقیق کرتا ہوں اس کے بعد اس نے ہامان کی طرف رخ کیا اور کہا اے ہامان! تو آگ جلا کر اینٹیں پکا۔

اس کے بعد تو میرے لئے ایک بہت بلند برج بنا تا کہ میں اس پر چڑھوں اور موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو تلاش کروں ہر چند کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ سچا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ جھوٹوں میں سے ہے۔

جب وہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور اسے مزید بلند کرنے کا کوئی امکان نہ رہا تو ایک روز فرعون پوری شان وشوکت سے وہاں آیا اور بذات خود برج پر چڑھ گیا۔

مشہور یہ ہے کہ اس نے مینار پر چڑھ کے کمان میں تیر جوڑا اور آسمان کی طرف پھینکا یا تو وہ تیر کسی پرندے کے لگا یا پہلے سے کوئی سازش کی گئی تھی کہ تیر خون آلود واپس آیا۔ تب فرعون وہاں سے نیچے اتر آیا اور لوگوں سے کہا جاؤ مطمئن رہو اور کسی قسم کی فکر نہ کرو۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو مار ڈالا ہے۔

یہ بات حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ سادہ لوحوں اور اندھی تقلید کرنے والوں کے ایک گروہ نے اور ان لوگوں نے جن کی آنکھیں اور کان حکومت وقت کے پروپیگنڈے سے بند ہو گئے تھے فرعون کے اس قول کا یقین کر لیا ہوگا اور ہر جگہ اس خبر کو عام کیا ہوگا اور مصر کی رعایا کو غافل رکھنے کا ایک اور سبب پیدا ہو گیا ہوگا۔

(۳۹) اس کے بعد قرآن مجید میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے تکبر اور ان کے مبداء ومعاد سے انکار کا ذکر ہے کیونکہ ان کے تمام گناہوں کا سرچشمہ ان ہی دو حقائق کا انکار تھا۔ چنانچہ قرآن شریف میں یہ ذکر اس طرح ہے فرعون اور اس کے فوجیوں نے ناحق زمین پر تکبر کیا اور خدا کا (جو زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے) انکار کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ قیامت آنے والی نہیں ہے اور وہ ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے۔

(۴۰) لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کبر وغرور کا انجام کیا ہوا قرآن میں یوں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے اس اور اس کے فوجیوں کو پکڑا اور دریا میں ڈبو دیا۔

البتہ وہ دریا جو ان کی حیات کا باعث تھا (یعنی اہل مصر کی معاش کا مدار جس کے پانی اور اس کے سیلاب پر تھا) ہم نے اسی کو ان کی موت کا سبب بنا دیا۔ اور دریا نیل کو جو ان کی قدرت اور عظمت کا باعث تھا ہم نے اسے ان کا قبرستان بنا دیا۔

آیت کے آخر میں روئے سخن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے خداوند عالم فرماتا ہے دیکھو ظالموں کا انجام کیسا تھا؟

(۴۱) اس آیت میں فرمایا گیا ہے ہم نے ان کو ایسا پیشوا بنایا ہے جو آتش دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے روز کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا۔

جس طرح وہ دنیا میں آئمہ ضلال تھے آخرت میں بھی دوزخیوں کے پیشوا ہوں گے کیونکہ وہ جہان اس جہان کی ایک وسیع تر تجسیم ہے۔

(۴۲) پھر تاکید مزید کیلئے قرآن میں دنیا اور آخرت میں ان کے چہرے کی کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے اس دنیا میں ہم نے ان کے نصیب میں لعنت کی ہے اور بروز قیامت ان کے چہرے مکروہ وسیاہ ہوں گے۔

لعنت خدا کا مطلب رحمت الٰہی سے محروم ہونا ہے اور لعنت فرشتگان ومومنین سے مراد نفرین سے جو صبح وشام ان پر نازل ہوتی ہے

(۴۳) وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًی وَّ رَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ	اور پچھلی نسلوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، ایسی کتاب جو لوگوں کیلئے بصیرت آفریں تھی اور ہدایت ورحمت کا باعث تھی تاکہ وہ غور وفکر کریں۔
(۴۴) وَ مَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِیِّ اِذۡ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسَی الۡاَمۡرَ وَ مَا کُنۡتَ مِنَ الشّٰهِدِیۡنَ ۙ	اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف فرمانِ نبوت بھیجا تو اس وقت تو (کوہِ طور کے) مغربی گوشے میں موجود نہ تھا اور نہ تو اس واقعے کے دیکھنے والوں میں سے تھا۔
(۴۵) وَ لٰکِنَّاۤ اَنۡشَاۡنَا قُرُوۡنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیۡهِمُ الۡعُمُرُ ۚ وَ مَا کُنۡتَ ثَاوِیًا فِیۡۤ اَهۡلِ مَدۡیَنَ تَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰکِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ	لیکن ہم نے مختلف زمانوں میں مختلف قومیں پیدا کیں اور ان طولانی زمانے گزر گئے، اور تو اہلِ مدین میں سے نہ تھا کہ ان (مشرکینِ مکّہ) کو اس بارے میں ہماری آیات پڑھ کر سناتا، مگر یہ کہ ہم نے تجھے بھیجا (اور تجھے یہ خبریں دیں)۔
(۴۶) وَ مَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الطُّوۡرِ اِذۡ نَادَیۡنَا وَ لٰکِنۡ رَّحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰهُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ	اور تو اس وقت طور کے پہلو میں نہ تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی۔ لیکن یہ تیرے رب کی رحمت تھی (کہ تجھے یہ اطلاعات دیں) تاکہ تو انہیں سنا کر اپنی اس قوم کو ڈرائے جن کے پاس اس سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

تفسیر

یہ غیبی خبریں اللہ نے دی ہیں

ہم اس مقام پر اس کے دسویں حصے سے متعارف ہوتے ہیں۔

اس حصے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول اور احکام عشرہ عطا کرنے کا ذکر ہے یعنی جب نفی طاغوت کا زمانہ ختم ہوگیا

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو بت پرستوں کے نرغے سے نکال لائے تو وہ عہد شروع ہوا جب ان کی دینی نقطہ نگاہ سے تربیت واصلاح اور غیر خدا کے انکار کے بعد اللہ کی وحدانیت کا اقرار سکھانا تھا۔

چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے ہم نے پچھلی نسلوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو لوگوں کیلئے بصیرت آفریں اور ہدایت ورحمت کا سبب ہے تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

(۴۴) اس کے بعد یہ ذکر ہے کہ ہم نے جو کچھ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی داستان اس کی جزئیات کے ساتھ بیان کی وہ قرآن کی صداقت پر دلیل ہے کیونکہ تم اس موقع پر موجود نہ تھے اور تم نے یہ واقعات اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے تھے یہ ہمارا لطف وکرم ہے کہ ہم نے مخلوق کی ہدایت کیلئے تم پر یہ آیات نازل کیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمان نبوت دیا تو تم کوہ طور کے گوشے میں موجود نہ تھے اور تم اس واقعے کے شاہدین میں سے نہیں تھے۔

(۴۵) اس کے بعد قرآن میں فرمایا گیا ہے ہم نے مختلف زمانوں میں مختلف اقوام کو پیدا کیا مگر جب ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا تو انبیاء کی ہدایت اور ان کی تعلیم کا اثر ان کے قلوب سے محو ہو گیا۔ لہٰذا ہم نے تمہیں رسول بنایا اور قرآن عطا کیا اور گزشتہ قوموں کے حالات بیان کئے تاکہ وہ انسانوں کیلئے نصیحت کا باعث ہوں۔

اور تم ہرگز اہل مدین کے درمیان نہ رہتے تھے کہ تمہیں ان کی زندگی کے حالات تم انہیں اہل مکہ کو سناتے۔

لیکن ہم نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا اور ہزار ہا سال ماقبل کے تاریخی حالات کا علم تمہیں بخشا تاکہ تم اس مخلوق کی ہدایت کرو۔

(۴۶) اسی مفہوم کی تاکید کیلئے اس عبارت کا اضافہ کیا گیا کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی اور اس کے نام فرمان نبوت صادر کیا۔

مگر ہم نے تمہیں جن حالات سے مطلع کیا ہے وہ اس رحمت کا تقاضا ہے کہ تم ان کے وسیلے سے اس قوم کو ڈراؤ جن کے پاس قبل ازیں کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

(۴۷) وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ فَیَقُوۡلُوۡا رَبَّنَا لَوۡ لَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ وَ نَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	اگر کسی پیغمبر کے بھیجنے سے پہلے ہم ان کے اعمال پر انہیں سزا دیتے تو وہ کہتے: پروردگارا! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور مومنین میں سے ہوتے؟

(۴۸) فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ اَوَ لَمْ یَکْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرَانِ تَظٰهَرَا ۫ وَ قَالُوْٓا اِنَّا بِکُلٍّ کٰفِرُوْنَ	مگر جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہا کہ اس پیغمبر کو ایسی چیز کیوں نہیں دی گئی۔جیسی حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی؟ کیا بہانہ سازوں نے ان کی طرح ان آیات کا انکار نہیں کیا تھا جو اس سے قبل موسیٰ کو دی گئی تھیں ؟انہوں نے کہا تھا کہ یہ دونوں (موسیٰ وہارون) جادوگر ہیں اورانہوں نے باہم سازش کرلی ہے(تاکہ ہمیں گمراہ کریں) اورانہوں نے کہا کہ ہم ان سب باتوں کے منکر ہیں۔
(۴۹) قُلْ فَاْتُوْا بِکِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ	(اے پیغمبرؐ) کہہ دے کہ اگر تم سچے ہو(کہ تورات اورقران اللہ کی طرف سے نہیں ہیں) تو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخش کتاب لے آؤ تا کہ میں اس کی پیروی کروں۔
(۵۰) فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۧ	پس اگر یہ لوگ تیری تجویز قبول نہ کریں تو جان لے کہ یہ لوگ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اوراس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا کہ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرے اوراللہ کی ہدایت کو قبول نہ کرے! یقیناً خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

تفسیر

حق سے گریز کیلئے نوبہ نو بہانے

گزشتہ آیات میں پیغمبر کے بھیجنے کا مقصد ڈرانااورخوف دلانا بیان ہوا تھا۔زیرنظرآیات میں سے پہلی میں خدا کے اس لطف وکرم کا ذکر ہے جو کسی قوم کی طرف رسول بھیجنے کی صورت میں ظہور میں آتا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے پیغمبر کو معبوث کرنے سے پہلے ہم انہیں ان کے اعمال پر سزا دیتے تو وہ کہتے کہ خدایا! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اورمومنین میں سے ہوجاتے۔اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو ان کے اعمال اورکفر کی وجہ سے کسی پیغمبر کے بھیجنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔

اس آیت میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ راہ حق روشن ہے اور ہر عقل شرک اور بت پرستی کے باطل ہونے کا حکم لگاتی ہے۔اوران کے بہت سے اعمال مثلاًظلم اور ناانصافیاں ایسے ہیں جنہیں عقل قابل نفرت سمجھتی ہے۔اور وہ ایسے قبیح ہیں کہ بدون ارسال پیغمبر ہی مستحق سزا ہیں۔

(۴۸)اس کے بعد قرآن میں ان کا فراقوام کی بہانہ تراشیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہماری طرف سے پیغمبر بھیجے جانے کے بعد بھی انہوں نے بہانہ سازی کو نہ چھوڑا اور اپنی قدیم منحرف راہوں پر چلتے رہے چنانچہ خدا فرماتا ہے جس وقت ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا تو انہوں نے کہا کہ اس پیغمبر کو ویسے ہی معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔

اس کے ہاتھ میں عصائے موسیٰ علیہ السلام کیوں نہیں ہے وہ ید بیضا کیوں نہیں رکھتا؟ اس کیلئے دریا کیوں نہیں پھٹ جاتا؟ اس کے دشمن غرق کیوں نہیں ہوجاتے؟ ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ ویسا کیوں نہیں ہوتا؟ یہ اعتراضات ہیں ان کفار کے

قرآن مجید میں ان بہانہ تراشیوں کا اس طرح جواب دیا گیا ہے۔

کیا گزشتہ بہانہ جولوگوں نے ان معجزات کا جو موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے اسی طرح انکار نہیں کیا تھا۔

کیا اس عہد کے کفار نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ دونوں موسیٰ علیہ السلام و ہارون ساحر ہیں ان دونوں نے باہم مشارکت کر لی ہے تاکہ ہم کو گمراہ کریں) ہم ان دونوں کا انکار کرتے ہیں۔

(۴۹) بہرحال مفسد طبع مشرکین مکہ کو اس امر پر اصرار تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے معجزات کیوں نہیں ہیں نیز نہ تو وہ اس شہادت اور ان علامات کی طرف اعتنا کرتے تھے جو توریت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق موجود تھیں اور نہ وہ قرآن اور اس کی پر عظمت آیات ہی پر ایمان لاتے تھے۔لہذا قرآں میں جناب رسالتماب سے یہ کہا گیا ہے اے پیغمبران سے کہہ دو کہ اگر تم سچ مچ یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں خدا کی طرف سے نہیں ہیں تو اس کتاب سے زیادہ نورانی اور ہدایت بخش کوئی اور کتاب خدا کی طرف سے لے آؤ تاکہ میں اس کی پیروی کروں۔

لیکن وہ کفار مکہ حق طلب نہ تھے بلکہ صرف بہانہ جو تھے اس لئے وہ کسی اور عجیب کتاب ہدایت کے طلب گار اور پیغمبر کے ورائے معجزات ہونے پر مصر تھے اور اس حقیقت سے غافل تھے کہ قرآن سے بڑا معجزہ اور اس سے بہتر کتاب ہدایت اور کونسی ہوسکتی تھی۔

(۵۰)اس کے بعد ان الفاظ کا اضافہ ہے اے پیغمبر اگر یہ کفار تمہارے پیغام کو قبول نہیں کرتے تو جان لو کہ اپنی ہوس کی پیروی کرتے ہیں۔

کیا کوئی شخص اس سے بھی زیادہ گمراہ تر مل سکتا ہے جو اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کر کے کسی بھی ہدایت الٰہی کو قبول نہیں کرتا۔

یہ مسلم ہے کہ خدا ظالمین کے گروہ کی ہدایت نہیں کرتا۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ متعدد روایات میں آیت فوق کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ گمراہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے فرستادہ خدا رہبر اور امام کو قبول نہیں کیا اور صرف اپنی رائے پر جمے ہوئے ہیں۔

یہ روایات اپنے مصداق کے لحاظ سے قطعی روشن اور بہ مرتبہ حق الیقین ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان ہر وقت ہدایت الٰہی کا نیاز مند ہے اور یہ ہدایت کبھی تو آسمانی کتاب میں جلوہ گر ہوتی ہے کبھی خود پیغمبر اور اس کی سنت میں، کبھی اس کے معصوم اوصیا میں اور کبھی عقل و خرد کے استدلال میں۔

بہر کیف انوار ہدایت سے بہرہ مند ہونے کیلئے لازم ہے کہ انسان اوامر الٰہی پر بے چون و چرا عامل ہو اور کسی امر میں بھی اپنی ہوائے نفس کو دخل نہ دے۔

(۵۱) وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؕ	ہم ان لوگوں کے پاس پے در پے قرآن کی آیات بھیجتے رہے کہ شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔
(۵۲) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ	وہ لوگ جنہیں ہم نے قبل ازیں کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔
(۵۳) وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ	اور جس وقت ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ یقیناً یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے اور ہم پہلے ہی سے مسلمان تھے۔
(۵۴) اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ	ان لوگوں کو دوگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ وہ صبر کرتے رہے ہیں اور وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو دُور کرتے رہے ہیں اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔
(۵۵) وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ	اور جب وہ لغو اور بے ہودہ باتیں سنتے ہیں تو اس سے مُنہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال مبارک ہوں۔ تم پر ہمارا (دُور کا) سلام ہے ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔

شان نزول

آیات فوق کی شان نزول کے بارے میں مفسرین اور روایان حدیث نے گونا گوں روایات نقل کی ہیں۔ ان تمام

روایات میں قدر مشترک ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ آیات قرآن اور پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت پر علمائے یہود و نصاری کی ایک جماعت کا ایمان لانا۔

چنانچہ............سعید ابن جبیر نے روایت کی ہے کہ یہ آیات ان ستر عیسائی علماء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جنہیں نجاشی نے حبشہ سے تحقیق حال کیلئے مکہ بھیجا تھا۔ جب جناب رسالتمآب نے ان کے سامنے سورہ یٰسین پڑھی تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رونے لگے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

تفسیر

حق طلب اہل کتاب

گزشتہ آیات میں ان بہانوں کا ذکر تھا جو مشرک لوگ حقائق قرآن کو تسلیم نہ کرنے کیلئے تراشا کرتے تھے اور ان آیات میں جو زیر بحث ہیں ان آمادہ دلوں کا ذکر ہے جنہوں نے کلام الٰہی کو سن کر حق کو قبول کیا پھر اس سے وفادار رہے اور دل و جان سے اس کی اطاعت کی جب کہ جہلا کے تاریک دل حق سے ذرہ بھر بھی متاثر نہ ہوئے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے ہم نے آیات قران کو پے در پے ان کی پاس بھیجا کہ شاید وہ نصیحت حاصل کریں۔

(۵۲) لیکن وہ لوگ جنہیں قبل ازیں ہم نے آسمانی کتاب دی تھی (یہود و نصاری) وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔

کیونکہ وہ قرآن کو ان علامات کے مطابق پاتے ہیں جو وہ اپنی آسمانی کتابوں میں دیکھتے ہیں۔

(۵۳) اس کے بعد اس مضمون کا اضافہ کیا گیا ہے جس وقت ان کے سامنے یہ آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ یقیناً حق ہیں اور ہمارے خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ البتہ ان کیلئے ان آیات کی تلاوت ہی کافی تھی تاکہ وہ "امنا" کہیں اور تصدیق کریں اس کے بعد ان الفاظ کا اضافہ ہے) ہم نے پیغام الٰہی کو آج ہی قبول نہیں کیا بلکہ ہم تو پہلے ہی سے مسلمان تھے۔

(۵۴) اس کے بعد قرآن میں اس تقلید شکن اور حق طلب گروہ کی جزاء کی بارے میں فرمایا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے صبر و شکیبائی کی وجہ سے دوگنا اجر پائیں گے۔

انہیں ایک طرف تو اس نیکی کا اجر ملے گا کہ وہ اپنی آسمانی کتاب پر ایمان لائے اور اس کے احکام کے پابند اور وفادار رہے اور دوسرا اجر اس بات کا ملے گا کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان لائے اور انہوں نے قرار کیا کہ یہ وہی پیغمبر موعود ہیں کہ جن کے آنے کی

سابق کتابوں میں خبر دی گئی تھی۔

اس کے بعد قرآن میں ان کے ایک سلسلہ اعمال کی طرف اشارہ ہے ان کے یہ اعمال ایک دوسرے سے زیادہ قدر و منزلت رکھتے ہیں اور وہ ہیں حسنات کے ذریعہ سے سیئات کو دور کرنا خدا کی عطا کردہ نعمتوں میں سے انفاق کرنا اور جہلا کے ساتھ بزرگانہ برتاؤ کرنا۔ ان تین صفات کے ساتھ صبر و شکیبائی کا اضافہ کیا جائے تو چار ممتاز صفات ہو جاتی ہیں۔

سب سے پہلے یہ ذکر ہے کہ یہ لوگ بدیوں کو نیکیوں کے ذریعے دور کرتے ہیں۔

ان مومنین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے وہ اس میں سے انفاق کرتے ہیں۔

یہ مومنین اپنے مال اور ثروت میں سے ہی انفاق نہیں کرتے بلکہ اپنے علم و دانش، اپنی فکری اور جسمانی طاقت اپنی معاشرتی حیثیت بھی کہ یہ سب خدا کی عطا کردہ نعمتیں ہیں) مستحقین اور نیازمندوں کیلئے کام میں لاتے ہیں۔

(۵۵) نیز ان مومنین کا ایک اور امتیاز عملی یہ ہے کہ جس وقت وہ کوئی لغو اور بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور ہرگز لغو بات کے جواب میں لغو بات نہیں کہتے اور جہل کا جواب جہل سے نہیں دیتے بلکہ بیہودہ کہنے والوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔

اس کے بعد اس مطلب کا اضافہ ہے کہ وہ مومنین ان جہلا سے (جو یہ کوشش کرتے ہیں وہ اپنی اذیت ناک باتوں سے با ایمان اور نیکوکار افراد کو غصہ دلائیں اور ان کی دل آزاری کریں) رخصت ہو جاتے ہیں اور ان سے یہ کہتے ہیں تمہیں ہمارا اسلام ہو ہم جاہلوں کے طالب نہیں ہیں۔

ہم نہ تو بدگو ہیں اور نہ جاہل اور فسادی اور نہ ایسے لوگوں کو پسند کرتے ہیں ہم تو روشن ضمیر اہل دانش اور علمائے عامل اور سچے مومنین کے خواہاں ہیں۔

ہاں۔ یہی وہ بزرگوار لوگ ہیں جن میں اتنی سعادت موجود ہے کہ ایمان کے پیغام کو دل سے قبول کرتے ہیں اور پیش گاہ خداوندی سے اپنے اعمال خیر کا ایک گنا نہیں بلکہ دوگنا اجر پاتے ہیں۔

(۵٦) اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ	جسے تو (نہیں) چاہتا ہدایت نہیں پاتا بلکہ خدا ہی جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے اور خدا ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

(۵۷) وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت کو قبول کر لیں تو ہم اپنی زمین سے اُچک لئے جائیں گے۔کیا ہم نے انہیں ایسی جگہ نہیں دی جو حرمِ امن ہے (اور ہر شہر و دیار کے) ثمرات اس کی طرف لائے جاتے ہیں کہ جو ہماری طرف سے رزق ہے؟ مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

تفسیر

ہدایت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے

پہلی آیت سے یہ حقیقت بے نقاب ہوتی ہے کہ اے پیغمبر تم جسے چاہتے ہو اسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ خدا جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

اور وہ ہدایت پانیوالوں کو خوب جانتا ہے۔

اس مقام پر ہدایت سے مراد" اراۃ الطریق" نہیں ہے کیونکہ راہ راست کی ہدایت تو پیغمبر کا فرض ہے کہ وہ بغیر استثنا ہر ایک کی رہبری کرتا ہے بلکہ یہاں ہدایت سے ایصال الی المطلوب اور منزل مقصود تک پہنچانا مراد ہے

بہر حال یہ آیت ایک طرح سے پیغمبر کی دلجوئی کیلئے ہے تا کہ وہ اس واقعیت کی طرف متوجہ ہوں کہ نہ تو مکہ کے بت پرستوں کے گروہ کا شرک پر اصرار بے وجہ ہے اور نہ مردم حبشہ یا نجران اور حضرت سلیمان اور بحیرا جیسے لوگوں کا ایمان لانا ہی بے دلیل ہے۔پیغمبر کو چاہئے کہ گروہ اول کے ایمان نہ لانے سے ہرگز ملول خاطر نہ ہوں کیونکہ یہ نور الٰہی صرف دلہائے آمادہ کو تلاش کر لیتا ہے پھر وہاں داخل ہوتا ہے اور سکونت پذیر ہو جاتا ہے

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دل میں تو اسلام کی حقانیت کے معترف تھے لیکن اپنے ذاتی مفادات کے خیال سے ایمان نہیں لاتے تھے چنانچہ فرمایا گیا ہے انہوں نے کہا کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کو قبول کر لیں' اور اس کی پیروی کریں ہمیں زمین سے اچک لیں گے۔

یہ بات صرف وہی آدمی کہہ سکتا ہے جو خدا کی قدرت کو ناچیز سمجھتا ہے اور تھوڑے سے جاہل عربوں کی قوت کو بہت عظیم۔یہ بات صرف وہی کہہ سکتا ہے جو خدا کی عنایات اور اس کی حمایت کے رموز سے آشنا نہیں ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ اپنے محبوں کی کس طرح مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو کس طرح برباد کر دیتا ہے لہٰذا قرآن ایسے لوگوں کے جواب میں فرماتا ہے۔

کیا ہم نے انہیں ایسی جگہ نہیں دی جو جائے امن ہے اور شہر و دیار کے ثمرات ان کی طرف لائے جاتے ہیں۔اور یہ رزق ہماری طرف سے ہے (رزقا من لدنا) مگر ان میں سے اکثر یہ نہیں جانتے۔

وہ خدا جس نے شورہ زار سنگلاخ اور بے آب و گیاہ زمین کو حرام امن قرار دے کر اور مخلوق کے دلوں کو اس کی طرف ایسا متوجہ کر کے کہ دنیا کے مختلف مقامات سے بہترین پیداوار اس کی طرف لاتے ہیں اپنی قدرت کو خوب ظاہر کر دیا ہے۔

تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بعد اسلام خدا تمہیں ان نعمتوں سے محروم کر دے دل قوی رکھو ایمان لاؤ اور مزاج میں استقلال پیدا کرو کہ خدائے کعبہ و مکہ تمہارے ساتھ ہے۔

(۵۸) وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ	اور ہم نے بہت سی ایسی بستیوں کو ہلاک کر دیا کہ جو زیادہ نعمتوں پر مغرور ہو گئی تھیں۔ یہ ہیں ان کے گھر (جو ویران ہو چکے ہیں) جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی رہا ہے اور ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔
(۵۹) وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ	اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے مرکز میں کوئی پیغمبر نہ بھیجے جو ان کو ہماری آیات پڑھ کر سُنائے، اور ہم بستیوں کو ہرگز ہلاک نہیں کرتے مگر یہ کہ ان کے باشندے ظالم ہوں۔
(۶۰) وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۧ	اور جو چیز تمہیں دی گئی ہے وہ دنیا کی بے قدر و قیمت متاع اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

تفسیر

دنیا کی دلچسپیاں تمہیں فریب نہ دیں

گزشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ بعض کفار مکہ کو اسلام قبول کرنے میں یہ عذر تھا کہ اگر ہم ایمان لے آئیں گے تو عرب ہم پر حملہ کر دیں گے اور ہمیں ہماری سرزمین سے باہر نکال دیں گے اور ہماری زندگیوں میں خلل ڈال دیں گے۔

گزشتہ آیات میں اس عذر کا ناطق جواب دیا گیا ہے۔

زیر بحث آیات میں اس عذر کے دو جواب اور بھی دیئے گئے ہیں۔

خدا پہلے یہ فرماتا ہے بالفرض یہ کہ تم ایمان کو قبول نہیں کرتے اور بحالت کفر وشرک مادی حیثیت سے خوشحال زندگی بسر کرتے ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ ہم نے بہت سی آبادیوں کو جو اپنی خوشحال اور پرنعمات زندگیوں پر مغرور تھیں ان کو نابود کر دیا البتہ غرور نعمت نے انہیں سرکشی پر آمادہ کیا اور یہ سرکشی ظلم اور ناانصافی کا سرچشمہ بن گئی اور ظلم نے ان کی اصل حیات کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

یہ ہیں وہ بستیاں اور ان لوگوں کے مکانات کہ ان کی تباہی کے بعد کوئی کم ہی ان میں بسا۔

ان کی بستیاں اور مکانات اسی طرح خالی' خاموش' ویران اور مکینوں کے بغیر پڑے رہے اگر کچھ لوگ وہاں آ کر رہے بھی تو نہایت قلیل مدت کیلئے اور ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔

کنانحن الوارثین کا مطلب یہ ہے کہ وہ بستیاں مکینوں سے خالی رہیں۔ نیز یہ کہ ہر چیز کا حقیقی مالک خدا ہی ہے اگر وہ عارضی اور وقتی طور پر بعض انسانوں کو بعض چیزوں کا مالک بنا دیتا ہے تو زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ یہ ملکیت زائل ہو جاتی ہے اور مالک حقیقی ہی اس کا وارث ہوتا ہے۔

(۵۹) یہ آیت درحقیقت ایک سوال مقدر کا جواب ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ اگر اصول یہ ہے کہ خدا سرکشوں کو نابود کر دیتا ہے۔

تو پھر اس نے مکہ اور حجاز کے مشرکوں کو عذاب دے کر نابود کیوں نہیں کیا جنہوں نے اپنی سرکشی کو آخری حد تک پہنچا دیا تھا اور کوئی ایسی جہالت اور گناہ نہ تھا جس کے وہ مرتکب نہ ہوئے ہوں؟

اس کے جواب میں قرآن میں ارشاد ہے کہ تیرا پروردگار ہرگز کسی شہر یا آبادی کو ہلاک نہیں کرتا۔ جبکہ ان کے مرکزی مقام پر کوئی نبی نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائے۔

روح مفہوم یہ ہے کہ ہم جب تک اتمام حجت نہیں کر لیتے اور اس قوم کی طرف صریح احکام کے ساتھ پیغمبروں کو نہیں بھیج دیتے اس وقت تک ان کو سرکشی کی سزا نہیں دیتے۔

اتمام حجت کے بعد ہم ان کے اعمال کی نگرانی کرتے رہتے ہیں اگر ان سے ظلم وستم سرزد ہوتا ہے اور وہ مستوجب عذاب ہوتے ہیں تو ہم ان کو سزا دیتے ہیں اور ہم ہرگز آبادیوں کو نیست و نابود نہیں کرتے مگر اس حالت میں کہ ان کے ساکنین ظالم اور ستمگر ہوں۔

(۶۰) زیر نظر آیات میں سے آخری آیت ان بہانہ ساز کفار کی باتوں کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو عرب ہم پر یورش کر دیں گے اور ہماری زندگیوں کو تباہ کر دیں گے۔

ان کے اس حیلہ کا ردّ قرآن میں یہ ہے تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ حیات دنیا کی بے قدر و قیمت متاع اور صرف اس کی زینت ہے۔

مگر جو کچھ خدا کے پاس ہے یعنی دوسری دنیا کی بے پایاں نعمتیں اور روحانی برکات وہ بہتر اور پائیدار ہے (وما عند اللہ خیر و ابقی) کیونکہ دنیا کی تمام مادی نعمتوں کے ساتھ بہت سے ناگوار واقعات اور طرح طرح کی مشکلات لگی ہوتی ہیں اور دنیا کی کوئی نعمت بھی ضرر اور خطر سے خالی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جو نعمتیں خدا کے پاس ہیں ان کی یہ حیثیت ہے کہ وہ دائمی اور جاوداں ہیں اور اس دنیا کی راحتیں اور آسائشیں زود گزر ہیں تو بھلا ان دونوں کا کیا مقابلہ ہوسکتا ہے؟

ان حقائق کو پیش نظر رکھ کے ایک عاقل انسان تھوڑا سا بھی مقابلہ کر کے یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان نعمتوں کو اس دنیا کی لذات پر قربان نہیں کرنا چاہئے۔اس لئے آیت کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں"افلا تعقلون" (کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟)۔

(۶۱) اَفَمَنْ وَعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ	وہ شخص جس نے ہم سے اچھا وعدہ کیا ہوا اور وہ اسے حاصل کر لے، کیا وہ اس شخص جیسا ہے جسے ہم نے حیاتِ دُنیا کی متاع دی ہے اور پھر وہ قیامت کے روز (برائے حساب و جزا) پیش کیا جائے گا؟
(۶۲)وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ	اور وہ دن جس روز خدا انہیں ندا دے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔
(۶۳) قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ	تو مشرکین کے معبود جن کیلئے فرمانِ عذاب ثابت ہو چکا ہو گا، کہیں گے: اے ہمارے رب! یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا تھا جس طرح ہم گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ہم نے انہیں گمراہ کیا۔اب ہم ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت ہماری نہیں (بلکہ اپنی ہوائے نفس کی) پرستش کرتے تھے۔

(۶۴) وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآئَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ	اوران سے کہا جائے گا کہ تم اپنے معبودوں کو جنہیں تم خدا کا شریک قرار دیتے تھے بلاؤ۔ تو وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ اُنہیں جواب نہیں دیں گے۔ اور جب وہ عذاب کو(اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

تفسیر

وہ لوگ صرف اپنی ہوائے نفس کی پرستش کرتے تھے

پچھلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنھوں نے دنیا کی نعمتوں کے لالچ میں کفر کو ایمان پر اور شرک کو توحید پر ترجیح دی اور زیرنظر آیات میں اس گروہ کی حالت اور راست باز مومنین کی کیفیت میں فرق بیان کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے خدا ایک موازنے کے ذریعے جو بصورت استفہام کیا گیا ہے تمام لوگوں کے وجدان سے انصاف طلب ہوکر کہتا ہے وہ آدمی جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے اور وہ یقیناً اس موعود کو پالے' کیا اس کے مساوی ہے کہ جسے ہم نے صرف متاع دنیا کا حصہ دیا ہے اور قیامت کے دن وہ حساب اور جزائے اعمال کیلئے ہمارے سامنے پیش ہوگا۔

(۶۲) اس کلام کے بعد قرآن شریف میں منظرکشی کی گئی ہے کہ روز حشر کفار کا کیا حال ہوگا۔ یہ ایسا منظر ہے کہ اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور انسان کانپنے لگتا ہے۔

چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے ذرا اس دن کا تصور کرو کہ خدا ان مشرکین کو آواز دے گا اور کہے گا جنہیں تم نے میرا شریک قرار دیا تھا وہ کہاں ہیں؟

ظاہر ہے کہ یہ سوال ملامت اور سرزنش کیلئے ہے اس لئے یہ سوال مشرکین کیلئے ایک قسم کی سرزنش اور ان کے کیفر کردار کو یاد دلانے کیلئے ہے اور ایک طرح کی توبیخ وسزا ہے۔

(۶۳) لیکن قبل ازیں کہ وہ مشرکین جواب دیں ان کے معبود گویا ہوتے ہیں اور وہ اپنے پرستاروں سے تنفر اور بے زاری کا اظہار کرتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ان مشرکین کے معبود کبھی تو پتھر یا لکڑی کے بت تھے کبھی مقدس ہستیاں تھیں جیسے فرشتے عیسیٰ علیہ السلام اور کبھی جنات اور شیاطین تھے۔

آیت میں جن شرکاء الٰہی کا ذکر ہے ان میں سے اس مقام پر تیسری نمبر کی جماعت (جنات وشیاطین) گویا ہوتے ہیں ہم ان کی گفتگو اس آیت میں اس طرح پڑھتے ہیں معبودوں کا ایک گروہ جن کیلئے فرمان عذاب مسلم ہو چکا ہے یوں کہتا ہے اے ہمارے پروردگار ہم نے ان پرستاروں کو گمراہ کیا اسی طرح کہ جیسے کہ ہم خود گمراہ تھے لیکن ان لوگوں نے اپنی مرضی سے ہماری پیروی کی ہم ان

سے بیزار ہیں وہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ درحقیقت وہ اپنی ہوائے نفس کی پرستش کرتے تھے۔

بہرحال جب ان سے ان کے معبودوں کے متعلق سوال کیا جائے گا تو وہ جواب دینے سے عاجز رہ جائیں گے تب ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے معبودوں کو جنہیں تم خدا کا شریک قرار دیتے تھے بلاؤ تاکہ وہ اس وقت تمہاری مدد کریں۔

وہ مشرکین یہ جاننے کے باوجود کہ وہ معبود اس وقت ذرہ بھر بھی کام نہیں آسکتے' انتہائی پریشانی کی وجہ سے یا ہر طرف سے مایوس ہو کر یا فرمان الٰہی کی اطاعت کی وجہ سے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ اس طرح مشرکوں اور ان کے معبودوں کو سب کے سامنے رسوا کرے وہ اپنے معبودوں کی طرف دست تقاضا دراز کریں گے اور انہیں اپنی مدد کیلئے بلائیں گے۔لیکن وہ جھوٹے معبود انہیں کچھ جواب نہیں دیں گے اور ان کی صدائے امداد پر لبیک نہیں کہیں گے۔

وہ مشرکین اس وقت عذاب الٰہی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے۔اور یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہم زندہ ہوتے اور ہدایت یافتہ ہوتے۔

کیونکہ اس میدان قیامت میں وہ جو بھی تدبیر کریں گے ناکامی اور رسوائی کے سوا اس کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا کیونکہ صرف ایمان و عمل ہی وسیلہ نجات ہے جس سے وہ لوگ محروم ہوں گے۔

(۶۵) وَ يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ مَاذَآ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ	اس دن کے متعلق سوچو کہ جب خدا انہیں پکارے گا اور کہے گا تم نے مرسلین کو کیا جواب دیا تھا۔
(۶۶) فَعَمِيَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ يَوۡمَئِذٍ فَهُمۡ لَا يَتَسَآءَلُوۡنَ	اُس دن تمام خبریں ان پر پوشیدہ رہیں گی، (یہاں تک کہ) وہ ایک دوسرے سے سوال (بھی) نہیں کرسکیں گے۔
(۶۷) فَاَمَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِيۡنَ	لیکن جو شخص توبہ کرے، ایمان لائے اور عملِ صالح انجام دے تو اُمید ہے کہ وہ ہدایت یافتگان میں سے ہوجائے گا۔
(۶۸) وَ رَبُّكَ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخۡتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ	اور تیرا رب جسے چاہتا ہے تخلیق کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔(اس کے سامنے) ان کا کوئی اختیار نہیں۔اللہ ان شریکوں سے منزہ و برتر ہے جن کے وہ قائل ہیں۔
(۶۹) وَ رَبُّكَ يَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَ مَا يُعۡلِنُوۡنَ	تیرا رب وہ سب جو کچھ جانتا ہے کہ جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے رکھتے ہیں اور جس کا اظہار کردیتے ہیں۔

(۷۰) وَ هُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ	وہ اللہ ہے کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حمد وستائش اسی کیلئے ہے اس جہان میں اور دوسرے جہان میں حاکمیت (بھی) اسی کیلئے ہے اور تم سب اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔

تفسیر

گزشتہ آیات میں مشرکین کا ذکر تھا یہاں پر اسی گفتگو کا تتمہ ہیں۔

پہلے ان کے معبودوں کے بارے میں سوال تھا۔ اس کے بعد مرسلین کے ساتھ ان کے سلوک سے متعلق ہے ارشاد ہوتا ہے اس دن کا سوچو جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور کہے گا تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔

پہلے سوال کی طرح یقیناً اس سوال کا بھی ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا تھا تو یہ جھوٹ ہے اور اس میدان میں جھوٹ نہیں چل سکتا۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے ان کی تکذیب کی تھی ان پر تہمتیں دھری تھیں، انہیں جادوگر کا نام دیا تھا انہیں دیوانہ کہا تھا ان کے خلاف مسلح جنگ کی تھی اور انہیں اور ان کے پیروکاروں کو قتل کیا تھا۔ تو یہ بھی ان کی بدبختی اور رسوائی کا باعث ہے۔

(۶۶) اسی لئے اس آیت میں فرمایا گیا ہے اس وقت تمام خبریں ان سے پردہ اخفا میں ہوں گی اور جواب دینے کیلئے کچھ بھی ان کے پاس نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے بھی کچھ پوچھ نہ سکیں گے اور نہ کسی کا ایک جواب سن پائیں گے۔

اس طرح تمام خبریں ان سے پوشیدہ رہیں گی جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ان مرسلین کو کیا جواب دیا تھا تو ان سے کوئی جواب نہ بن پائے گا اور وہ سراپا سکوت بن جائیں گے۔

(۶۷) قرآن کی روش یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کافروں اور گنہگاروں پر لوٹ آنے کے راستے کھلے رکھتا ہے تاکہ وہ گناہ کے کسی بھی مرحلے سے راہ حق کی طرف پلٹنا چاہیں تو ان کیلئے گنجائش موجود ہو۔ اسی لئے اگلی آیت میں مزید فرمایا گیا ہے البتہ جو شخص توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور عمل صالح بجالائے امید ہے کہ فلاح یافتگان میں سے ہو جائے۔

(۶۸) اس آیت در حقیقت نفی شرک اور مشرکین کے بطلان کی دلیل ہے ارشاد ہوتا ہے تیرا رب جس چیز کو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

تخلیق اس کے ہاتھ میں ہے اور تدبیر و اختیار اور انتخاب بھی اسی کے ارادے پر منحصر ہے وہ اس کے مقابلے میں کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

خلق کرنے کا اختیار اسے حاصل ہے، اختیار شفاعت کا حامل وہ ہے اور انبیاء و مرسلین بھیجنے کا اختیار اسی کے پاس ہے خلاصہ یہ کہ تمام چیزوں کا اختیار اس کی ذات پاک کے ارادے سے وابستہ ہے جب صورت حال یہ ہے تو پھر وہ کیونکر راہ شرک پر چلتے ہیں اور غیر خدا کی طرف کس طرح جاتے ہیں۔

اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اللہ ان شرکاء سے منزہ و برتر ہے جن کے وہ قائل ہوتے ہیں۔

(۶۹) اس آیت میں اللہ تعالی کے وسیع علم کے بارے میں بات کی گئی ہے گزشتہ آیت میں اللہ تعالی کے وسیع اختیار کا ذکر ہوا تھا زیرنظر آیت اس کیلئے تاکید یا دلیل کی حیثیت رکھتی ہے ارشاد ہوتا ہے تیرا پروردگار اسے بھی جانتا ہے کہ جو وہ اپنے سینے میں چھپائے رکھتے ہیں اور اسے بھی جسے آشکار کرتے ہیں۔

یہ ہر چیز پر اس کے احاطے اور اختیار کی دلیل ہے نیز ضمنی طور پر مشرکین کیلئے تہدید ہے کہ وہ یہ گمان نہ کریں کہ اللہ ان کی نیتوں اور سازشوں سے آگاہ نہیں ہے۔

(۷۰) یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیات کیلئے نفی شرک کے بارے میں اخذ نتیجہ اور توضیح کی حیثیت رکھتی ہے۔اس میں اللہ تعالی کی ان چار صفات کا بیان ہے جو سب اس کی خالقیت اور اختیار کی فرع ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے وہ خدا ہے کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

لہٰذا جو لوگ شفاعت وغیرہ کے عذر سے بتوں کے دامن سے متمسک ہیں وہ سخت اشتباہ میں مبتلا ہیں۔

دوسری صفت یہ کہ تمام نعمتیں چاہے اس جہان کی ہوں چاہے اس جہان کی سب اسی کی طرف سے ہیں اور یہ اس کی خالقیت مطلقہ کا لازمہ ہے اس لئے قرآن مزید کہتا ہے ہر حمد و ستائش بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے چاہے اس جہان میں ہو چاہے اس جہان میں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ دونوں جہانوں میں وہی حاکم ہے۔

بدیہی ہے کہ جب خالق ومختار وہ ہے تو تکوینی وتشریعی حاکمیت بھی اسی کے اختیار میں ہوگی۔

چوتھی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ تم سب کی بازگشت (حساب واجر کیلئے اسی کی طرف ہوگی۔

وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہ تمہارے اعمال سے آگاہ بھی ہے اور وہی یوم الجزا کا حاکم ہے لہٰذا تمہارا حساب کتاب اور تمہاری جزاء وسزا بھی اسی کے ہاتھ میں ہوگی۔

(۷۱) قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ	کہہ دو! مجھے بتاؤ کہ اگر خدا روزِ قیامت تک تمہارے لئے رات ہی کو باقی رکھنا چاہے تو کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی لا سکے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟
(۷۲) قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ	کہہ دو مجھے بتاؤ اگر خدا روزِ قیامت تک دن ہی کو باقی رکھنا چاہے تو کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے رات لا سکے تاکہ تم اس میں سکون پا سکو؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

(۷۳) وَ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَ النَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ	یہ امر اس کی رحمت سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے ہیں تا کہ تم ان میں سکون پاؤ اور فضل الٰہی سے فائدہ اٹھاؤ کہ شاید تم اس کی نعمت کا شکر ادا کرو۔
(۷۴) وَ يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ	اس دن کا سوچو جس میں وہ انہیں پکارے گا اور پوچھے گا: کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے؟
(۷۵)وَ نَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا فَقُلۡنَا هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ فَعَلِمُوۡۤا اَنَّ الۡحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ	ہم روزِ قیامت ہر اُمت میں سے گواہ منتخب کریں گے اور (گمراہ مشرکین سے) کہیں گے اپنی دلیل پیش کرو۔لیکن وہ جانتے ہیں کہ حق اللہ کے لئے ہے اور جو کچھ بھی وہ افتراء پردازی کرتے تھے وہ سب ان (کی نگاہ) سے گم ہو جائے گی۔

تفسیر

رات اور دن کا وجود عظیم نعمت ہے

یہاں نعمات الٰہی کے ایک عظیم حصے کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ یہ نعمات توحید اور نفی شرک پر بھی دلالت کرتی ہیں اس لحاظ سے زیر بحث آیات گزشتہ آیات کی بحث کو ہی مکمل کرتی ہیں

پہلے دن کی عظیم نعمت یعنی روشنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہی روشنی کہ جو ہر جنبش وحرکت کا سرچشمہ ہے ارشاد ہوتا ہے کہہ دو مجھے بتاؤ اگر خدا روز قیامت تک دن رات کو طویل کر دیتا تو کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی لے آتا؟ کیا سنتے نہیں ہو؟

(۷۲) یہ آیت تاریکی کی نعمت کا ذکر کرتی ہے ارشاد ہوتا ہے کہہ دو مجھے بتاؤ اگر خدا روز قیامت تک دن کو طویل کر دیتا تو اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے رات لے آتا تا کہ تم اس میں آرام کر پاتے؟ کیا دیکھتے نہیں ہو۔

(۷۳) یہ تیسری آیت جو درحقیقت گزشتہ دو آیتوں کا نتیجہ ہے اس میں فرمایا گیا ہے یہ امر رحمت الٰہی میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے ہیں تا کہ تم آرام بھی کر سکو اور دوسری طرف اپنی زندگی کی خاطر فضل خدا سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکو اور شاید تم اس کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

جی ہاں رحمت الٰہی کی وسعت کا تقاضا ہے کہ وہ تمہیں زندگی کے تمام وسائل مہیا کرے۔

(۷۴) توحید اور نفی شرک کے بارے میں کچھ دلائل ذکر کرنے کے بعد قرآن پھر اسی سوال کی طرف لوٹتا ہے جو گزشتہ آیات میں زیر بحث تھا فرماتا ہے اس دن کا سوچو کہ جب خدا انہیں پکارے گا اور کہے گا۔

کہاں ہیں وہ جو بزعم خود تم نے شریک قرار دے رکھے تھے۔)

(۷۵) لہٰذا اس آیت میں فرمایا گیا ہے اس روز ہم ہر امت میں سے گواہ چنیں گے۔

اس کے بعد بے خبر اور گمراہ مشرکین سے ہم کہیں گے کہ اپنے شرک پر کوئی دلیل پیش کرو۔

یہ وہ منزل ہے جہاں تمام مسائل روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں گے اور وہ جان لیں گے کہ حق خدا کیلئے ہے۔

اور جو کچھ وہ افتراء باندھتے تھے سب ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور گم ہو جائے گا۔

ہر امت میں سے گواہ سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں اگر قرآن کی دیگر آیات کو ملحوظ نظر رکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ہر پیغمبر اپنی امت پر گواہ ہوگا جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم انبیاء ہیں۔ آپ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام امتوں پر گواہ ہیں۔

(۷۶) اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ	قارون قوم موسیٰ میں سے تھا لیکن اس نے ان پر ظلم کیا۔ ہم نے اسے اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کے صندوق ایک طاقتور گروہ کیلئے بھی اٹھانا مشکل تھے۔ وہ وقت یاد کرو جب اس کی قوم نے اس سے کہا: یہ سب متکبرانہ خوشی نہ کرو (کیونکہ) غرور آمیز خوشی کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔
(۷۷) وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ	اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس کے ذریعے آخرت کا گھر تلاش کر اور دنیا سے اپنے حصّہ کو فراموش نہ کر اور جیسے خدا نے تیرے ساتھ نیکی کی ہے تو بھی نیکی کر اور زمین پر ہرگز فساد و گناہ نہ کر کہ خدا مفسدین (فساد پھیلانیوالوں) کو پسند نہیں فرماتا۔

(۷۸) قَالَ اِنَّمَآ اُوۡتِیۡتُہٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ ؕ اَوَ لَمۡ یَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَہۡلَکَ مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ ہُوَ اَشَدُّ مِنۡہُ قُوَّۃً وَّ اَکۡثَرُ جَمۡعًا ؕ وَ لَا یُسۡـَٔلُ عَنۡ ذُنُوۡبِہِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ	(قارون) کہنے لگا: یہ دولت میں نے اپنے علم سے حاصل کی ہے۔کیا اسے معلوم نہ تھا کہ خدا نے اس سے پہلے کچھ ایسی بھی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مال دار تھیں؟ اور (جب عذاب الٰہی آتا ہے تو) پھر مجرموں سے ان کے گناہوں کا نہیں پوچھا جاتا۔

تفسیر

بنی اسرائیل کے خود پرست سرمایہ دار

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عجیب وغریب سرگزشت اور فرعون کے خلاف ان کے جہاد کے بارے میں کچھ تفصیلات اسی سورت کی گزشتہ آیات میں بیان کی گئی ہیں اور اس سلسلے میں کہنے کی باتیں کہی جا چکی ہیں

اس سورہ کی کچھ آیات بنی اسرائیل کے ایک اور مسئلے اور الجھن سے متعلق ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ ان میں ایک سرکش سرمایہ دار تھا اس کا نام قارون تھا۔قارون غرور وسرکشی میں مست کر دینے والی دولت کا مظہر تھا۔

مشہور ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا اس نے تورات کا خوب مطالعہ کیا تھا پہلے وہ مومنین کی صف میں تھا لیکن دولت کا گھمنڈ اسے کفر کی آغوش میں لے گیا اور اسے زمین میں غرق کر دیا۔اس غرور نے اسے پیغمبر خدا کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور اس کی موت سب کیلئے باعث عبرت بن گئی۔

ارشاد ہوتا ہے قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا لیکن اس نے ان پر ظلم کیا۔

اس ظلم کا سبب یہ تھا کہ اس نے بہت سی دولت کمالی تھی قرآن کہتا ہے ہم نے اسے مال ودولت کے اتنے خزانے دیئے کہ انہیں اٹھانا ایک طاقتور گروہ کیلئے بھی مشکل تھا۔

دیکھیں کہ بنی اسرائیل نے قارون سے کیا کہا۔قرآن کہتا ہے اس وقت کو یاد کرو جب اس کی قوم نے اس سے کہا تم میں ایسی خوشی نہیں ہونی چاہئے جس میں تکبر اور غفلت ہو کیونکہ خدا غرور میں ڈوبے ہوئے خوشحال افراد کو پسند نہیں کرتا۔

(۷۷) اس کے بعد چار اور قیمتی، سرنوشت ساز اور تربیتی نصیحتیں کرتے ہیں اس طرح کل پانچ ہوگئیں۔

پہلے کہتے ہیں اللہ نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس سے دار آخرت حاصل کر۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بعض کج فہم افراد کے خیال کے برخلاف مال ودولت کوئی بری چیز نہیں ہے اہم بات یہ ہے کہ وہ کس راستے پر صرف ہو رہا ہے اگر اس کے ذریعے دار آخرت کو تلاش کیا جائے تو پھر اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ غرور، غفلت

ظلم، تجاوز اور ہوس پرستی کا ذریعہ بن جائے تو پھر اس سے بدتر بھی کوئی چیز نہیں۔

قارون اپنی بے پناہ دولت کی بناء پر بہت سے اجتماعی امور خیر انجام دینے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن اس کے غرور تکبر نے اسے حقائق دیکھنے کی اجازت نہ دی۔

انہوں نے مزید کہا۔ دنیا سے اپنے حصے کو نہ بھول جا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر انسان کا اس دنیا میں ایک محدود حصہ ہے یعنی وہ مال جو اس کے بدن، لباس اور مکان کیلئے درکار ہوتا ہے اور ان پر صرف ہوتا ہے اس کی مقدار معین ہے اور ایک خاص مقدار سے زیادہ اس کیلئے قابل جذب ہی نہیں ہوتا۔ انسان کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے۔

ایک انسان کتنی غذا کھا سکتا ہے، کتنا لباس پہن سکتا ہے اور اسے کتنے مکانوں اور سواریوں کی ضرورت ہوتی ہے؟

مرتے وقت انسان کتنے کفن ساتھ لے جا سکتا ہے؟ لہٰذا باقی وہ چاہے نہ چاہے دوسروں کا حصہ ہے اور انسان اس کا امانت دار ہے امیر المومنین علی علیہ السلام نے کیا خوب بیان فرمایا ہے۔

اے فرزند آدم جو کچھ تو اپنی خوراک کی مقدار سے زیادہ حاصل کرتا ہے اس کے بارے میں تو دوسروں کا خزانہ دار ہے۔

تیسری نصیحت یہ ہے جیسے خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی نیکی کر۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ جیسے خدا نے تجھ پر عنایت کی ہے تو بھی دوسروں سے نیکی کر۔

آخر میں چوتھی نصیحت یہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مادی وسائل تجھے دھوکہ دیں اور تو انہیں گناہ اور دعوت گناہ میں صرف کر دے زمین میں ہرگز گناہ وفساد نہ کر کیونکہ اللہ مفسدین کو پسند نہیں کرتا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات دولت منداور سرمایہ دار ہوس زر یا بڑا بننے کے جنوں میں خرابی کرتے ہیں اور معاشرے کو محرومیت اور فقر وفاقہ میں مبتلا کر دیتے ہیں ہر چیز اپنے لئے ہی منحصر کر لیتے ہیں

(۸۷) اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس سرکش وستمگر بنی اسرائیل نے ان ہمدرد واعظین کو کیا جواب دیا۔

قارون تو اپنی اس بے حساب دولت کے نشے میں چور تھا اس نے اسی غرور سے کہا میں نے تو یہ سب دولت اپنے علم ودانش کے بل بوتے پر حاصل کی ہے۔ تمہیں اس سے کیا کہ میں اپنی دولت کیسے خرچ کرتا ہوں جو میں نے کمایا اسے خود کمایا ہے تو پھر صرف کرنے میں بھی مجھے تمہاری راہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں

اس موقع پر قرآن قارون اور اس جیسے دیگر افردا کو ایک تیکھا جواب دیتا ہے کیا اسے معلوم نہ تھا کہ خدا نے اس سے پہلے کئی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا کہ جو اس سے زیادہ طاقتور تھیں علم میں بڑھ کر تھیں اور سرمایہ بھی ان کے پاس زیادہ تھا۔

تو کہتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میرے علم کی بدولت ہے لیکن تو بھول گیا ہے کہ تجھ سے زیادہ علم والے اور زیادہ طاقتور افراد بھی تھے کیا وہ عذاب الٰہی سے بچ سکے ہیں؟

آیت کے آخر میں ایک مختصر اور معنی خیز جملے کے ذریعے ایک اور تنبیہ کرتا ہے عذاب الٰہی کے نزول کے وقت مجرموں سے ان کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں ہوگا اس وقت سوال و جواب کی گنجائش ہرگز نہ ہوگی اس وقت تو قاطع، دردناک، تکلیف دہ اور ناگہانی عذاب ہوگا۔

یعنی آج تو بنی اسرائیل کے آگاہ افراد اور اہل دانش قارون کو نصیحت کر رہے ہیں اسے غور وفکر کی دعوت دے رہے ہیں اور اس کے پاس جواب دینے کی گنجائش ہے لیکن جب اتمام حجت ہو چکا اور عذاب الٰہی آ گیا تو پھر غور وفکر کرنے ادھر ادھر کی باتیں کرنے اور غرور وتکبر کے اظہار کی گنجائش نہ ہوگی پھر عذاب الٰہی آ کر رہے گا اور پھر تباہی ناگزیر ہے۔

(۷۹) فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ	(ایک روز) قارون بڑی سج دھج اور ٹھاٹھ کے ساتھ اپنی قوم کے ساتھ نکلا تو وہ لوگ جو دنیوی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے: جیسا مال ومتاع قارون کو ملا ہے کاش ہمارے پاس بھی ہوتا! یقیناً اس کے پاس تو (دولت کا) بہت بڑا حصّہ ہے۔
(۸۰) وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ	اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس ہے۔ ثوابِ الٰہی بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے اور عملِ صالح انجام دیتے رہتے ہیں لیکن اسے صابروں کے سوا کوئی نہیں پا سکتا۔
(۸۱) فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ	آخر کار ہم نے اسے (قارون کو) اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور عذابِ الٰہی کے مقابلے میں کوئی جماعت اس کی مدد نہ کر سکی، نہ وہ خود اپنی ہی مدد کر سکا۔

(۸۲) وَ اَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَکَانَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَ یَقۡدِرُ ۚ لَوۡ لَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیۡکَاَنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۲﴾	اور وہ لوگ جو کل اس کے مقام ومنزلت کی تمنا کرتے تھے (جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو) کہنے لگے: وائے ہو ہم پر! اللہ ہی ہے کہ جو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے ! گر خدا ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا افسوس کافروں پر کہ وہ ہرگز نجات نہیں پا سکتے۔

تفسیر

نمائش ثروت کا جنون

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مغرور دولت مند لوگ طرح طرح کے جنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک نمائش ثروت کا جنون ہے انہیں اس عمل سے خوشی حاصل ہوتی ہے کہ اتنی دولت کا لوگوں پر اظہار کریں۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنی گراں قیمت سواری پر سوار ہو کے نکلیں اور برہنہ پا لوگوں کے درمیان سے گزریں ان کے منہ پر گرد وغبار ڈالتے جائیں اور ان کی تحقیر کرتے جائیں انہیں اس عمل سے تسکین ہوتی ہے۔

بہر حال قارون بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہ تھا بلکہ جنون نمائش ثروت کا ایک واضح نمونہ تھا قرآن میں زیر بحث آیات میں ایک جملے کے اندر قارون کی اس کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ قارون پوری زیب وزینت سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔

جیسا کہ دنیا کا معمول ہے قارون کی جاہ وحشمت کو دیکھ کر لوگوں کے دو گروہ ہو گئے دنیا پرست اکثریت نے جب اس خیرہ کن منظر کو دیکھا تو ان کے دل میں تمنائیں مچلنے لگیں۔ انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگے کہ کاش وہ بھی قارون جیسی دولت کے مالک ہوتے۔ خواہ ایک دن ایک ساعت یا ایک لمحے ہی کیلئے یہ شکوہ نصیب ہوتا۔ آہ! اس کی کیسی شیریں جذبات، نشاط انگیز اور لذت بخش زندگی ہے!

چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا ہے جو لوگ دنیاوی زندگی کے طلب گار تھے انہوں نے کہا کہ کاش ہمارے پاس بھی اتنی دولت ہوتی جتنی قارون کے پاس ہے۔

حقیقت میں اس کے پاس دولت کا فراواں حصہ ہے۔ آفرین ہے قارون پر اور اس کی بے پناہ دولت پر وہ اس کا کیا جاہ وجلال ہے۔ اور کتنے خادم اور نوکر چاکر ہیں تاریخ میں اس جیسا کوئی شخص نہیں ہے یہ عظمت اسے خدا نے عنایت کی ہے غرض لوگ اسی طرح کی باتیں کرتے تھے۔

درحقیقت اس واقعے میں امتحان کی ایک بہت بڑی بھٹی جل رہی تھی۔اس بھٹی کے بیچ میں قارون تھا تاکہ وہ اپنی سرکشی اور غرور کا امتحان دے دوسری طرف بنی اسرائیل کے دنیا پرست لوگ اس بھٹی کے گرداگرد مقیم تھے۔

(۸۰) لیکن اس دنیا طلب بڑے گروہ کے مقابلے میں ایک اقلیت اہل علم صاحبان فکر، پرہیز گار اور با ایمان لوگوں کی بھی وہاں موجود تھی جن کا افق فکر ان مسائل سے برتر اور بالاتر تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے نزدیک احترام شخصیت کا پیمانہ زر اور زور نہ تھا ان کے نزدیک انسان کی قدر کا معیار اس کے مادی وسائل نہ تھے یہ وہ لوگ تھے کہ دولت وثروت کی عارضی اور مضحکہ انگیز نمود ونمائش پر تمسخر آمیز طور پر مسکرا دیتے تھے اور اسے ایک بے مغز اور غیر حقیقی شے سمجھتے تھے۔

چنانچہ قرآن میں مذکورہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں علم ومعرفت عطا ہوئی تھی انہوں نے کہا تم پر افسوس ہے! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں خدا کی طرف سے ثواب اور جزا بہتر ہے۔

ان الفاظ پر انہوں نے یہ اضافہ کیا کہ یہ ثواب الٰہی صرف ان لوگوں کا نصیب ہے جو صابرین ہیں۔

(۸۱) قارون نے سرکشی اور خدا کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا تھا مگر تواریخ اور روایات میں اس کے متعلق کچھ اور ہی واقعہ بیان ہوا ہے جو قارون کے انتہائی بے شرمی کی علامت ہے اور وہ ماجرا یہ ہے کہ

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے کہا کہ خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تیرے مال میں سے زکوٰۃ لوں جو محتاجوں کا حق ہے جب قارون زکوۃ کی ادائیگی کے اصول سے مطلع ہوا اور اس نے حساب لگایا کہ اسے کتنی کثیر رقم دینا پڑے گی تو اس وقت قارون کے ذہن میں ایک شیطانی خیال آیا اس نے کہا کہ میں نے ایک بہت اچھی تدبیر سوچی ہے میرا خیال ہے کہ اس کے خلاف ایک منافی عصمت سازش کرنی چاہئے ہمیں چاہئے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک فاحشہ عورت کو تلاش کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ اس پر شرمناک تہمت لگادے بنی اسرائیل نے اس تجویز کو پسند کیا انہوں نے ایک بدکار عورت کو تلاش کیا۔

اس عورت نے بھی اس تجویز کو منظور کر لیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی پرستش نہ کرو صلہ رحم بجالاؤ ایسا کرو اور ویسا کرو زنا کار آدمی کے لئے خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر وہ زنائے محضہ کرتا ہے تو اسے سنگسار کیا جائے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ کہے تو بنی اسرائل کے دولت مند سازشی لوگوں نے کہا خواہ وہ مجرم تو خود ہی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں ٹھیک ہے خواہ میں خود ہی ہوں۔

اس مقام پر ان بے شرموں نے بے ادبی اور گستاخی کی حد کر دی اور کہا کہ

ہم جانتے ہیں کہ تو خود اس فعل کا مرتکب ہو ہاے اور فلاں بدکارہ عورت سے تیرا تعلق رہا ہے۔

پھر انہوں نے اس عورت کو بلایا اور اس سے کہا کہ تو شہادت دے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت کی طرف رخ کیا اور کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تو اصل حال بیان کر

جب اس بدکار عورت نے یہ بات سنی تو کانپ گئی اس کی حالت بدل گئی اور اس نے کہا

جب آپ مجھ سے سچ بات پوچھتے ہیں تو میں حقیقت حال بیان کرتی ہوں وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ میں آپ کو متہم کروں مگر میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ باعفت ہیں اور اللہ کے رسول ہیں

اس کے بعد اس نے دولت کے دو تھیلے جو ان سازشیوں نے اسے دیئے تھے نکال کر سامنے رکھ دیئے اور مذکورہ باتیں کیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور رونے لگے اس موقع پر بدسیرت سازشی قارون پر عذاب نازل ہوا۔

اس مقام پر قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں غرق کر دیا۔

کیا عجب واقعات ہیں کہ فرعون تو دریائے نیل کی موجوں میں غرق ہو جاتا ہے اور قارون شکم زمین میں سما جاتا ہے اس مقام پر دیدنی یہ امر ہے کہ پانی جو مایہ حیات ہے وہ فرعون اور اس کے ہمکاروں کو نابود کرنے پر مامور ہوتا ہے اور زمین جو انسان کیلئے جائے راحت ہے وہ قارون اور اس کے ساتھیوں کیلئے گورستان بن جاتا ہے۔

یہ مسلم ہے کہ قارون اپنے گھر میں تنہا نہ تھا وہ اور اس کے اہل خاندان اس کے ہم خیال' اور اس کے ظالم اور ستمگر دوست سب کے سب شکم زمین میں سما گئے۔ لیکن اس وقت اس کی مدد کیلئے کوئی جماعت نہیں تھی جو اسے عذاب الٰہی سے بچا سکتی اور وہ خود بھی اپنی کوئی مدد نہ کر سکتا تھا۔

(۸۲) اس آیت میں ان لوگوں کے بدل جانے کا ذکر ہے جو گزشتہ روز قارون کے جاہ وجلال اور کروفر کو دیکھ کر وجد اور رشک کر رہے تھے اور یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہمیشہ کیلئے یا تھوڑی دیر کیلئے ہی یہ شان ہمیں بھی نصیب ہوتی۔

یہ آیت عجیب سبق آموز ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے جو لوگ کہ گزشتہ روز یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم اس کی قارون کی جگہ ہوتے جب انہوں نے اسے قارون اور اس کی دولت کو زمین میں دھنستے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ ہمارے خیالات پر افسوس ہے حق یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے کلید رزق صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اس کے بعد وہ رشک کرنے والے سوچنے لگے کہ اگر گزشتہ روز خدا ان کی دعا کو قبول کر لیتا اور انہیں بھی قارون جیسا ہی بنا دیتا تو ان کا کیسا عبرتناک انجام ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اگر خدا ہم پر احسان نہ کرتا تو وہ ہمیں بھی زمین میں غرق کر دیتا۔ اور گویا کہ کافر ہرگز نجات نہیں پائیں گے۔

اب ہم حقیقت کی نظر سے غرور وغفلت اور کفر وہوس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

(۸۳) تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ	ہم نے دارِ آخرت کوصرف ان لوگوں کیلئے بنایا ہے جو دنیا میں اپنے لئے بڑائی (اور حصولِ اقتدار) کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ فساد کا ارادہ کرتے ہیں، اور انجامِ نیک تو پرہیز گاروں ہی کے لئے ہے۔
(۸۴) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَى الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	جو شخص نیک کام کرتا ہے اس کیلئے اس کا بہتر صلہ موجود ہے اور جو لوگ کہ برے کام کرتے ہیں ان کا بدلہ بھی ان کے اعمال کے مطابق ہی دیا جائے گا۔

تفسیر

فساد فی الارض اور ہوس اقتدار کا نتیجہ

گزشتہ آیات میں ایک گنہگار و متکبر ثروتمند یعنی قارون کے عبرت انگیز واقعہ کے ذکر کے بعد اب زیر بحث آیات میں سے پہلی آیت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے درحقیقت وہ اس ماجرے کا ایک کلی نتیجہ ہے۔ چنانچہ رب العزت فرماتا ہے ہم سرائے آخرت صرف ان لوگوں کیلئے مخصوص کرتے ہیں جو دنیا میں ہوس اقتدار نہیں رکھتے اور نہ فساد کرتے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ وہ بڑا بننے کے خواہش مند اور مفسد نہیں ہیں بلکہ ان چیزوں کا ارادہ بھی نہیں کرتے ان کا دل ان آلائشوں سے پاک اور ان کی روح اس قسم کی آلودگیوں سے منزہ ہے۔

انسان کیلئے جو چیزیں نعمات آخرت سے محرومی کا سبب بنتی ہیں وہ درحقیقت یہی دو ہیں۔

اول بڑا بننے کی طلب۔

دوم۔ فساد فی الارض تمام گناہ ان ہی دو چیزوں میں جمع ہیں۔

جیسا کہ قرآن میں اس آیت کے آخر میں مذکور ہے والعاقبۃ للمتقین عاقبت پرہیز گاروں کیلئے ہے

عاقبت۔ ایک وسیع المفہوم کلمہ ہے جس میں اس جہان کی پیروزی اور نیک انجام ور دار آخرت میں بہشت اور اس کی نعمتیں سب کچھ شامل ہے۔

(۸۴)اس حقیقت کے بیان کے بعد کہ سرائے اخرت اوراس کی نعمت دوسروں پر تسلط جمانے والوں اور مستکبر ین کیلئے نہیں ہیں بلکہ متواضع اورحق طلب پرہیزگاروں کیلئے ہیں زیرنظر آیات میں سے دوسری آیۃ میں ایک قانون کلی کا ذکر کیا گیا ہے جس میں پاداش اعمال اورکیفر کردار کے متعلق خدا کے عدل اور تفضّل کا ذکر ہے یعنی جو آدمی نیک کام کرے گا اس کا بہتر بدلہ پائے گا۔

جزائے خیر کا مواقع خدا کا مقام تفضّل ہے ذات الٰہی دنیا کی تنگ چشم لوگوں کی طرح نہیں ہے کہ جب وہ کسی کے عمل کا صلہ دینے لگتے ہیں تو ان کے نزدیک عدالت کا یہی مفہوم ہے کہ وہ صلہ ٹھیک اس کام کے مطابق ہو۔مگر ذات الٰہی کا مقام اس سے ارفع ہے وہ کبھی بمقابلہ عمل اپنے لطف بیکراں سے دس گنا کبھی سو گنا اور کبھی ہزار گنا صلہ دیتا ہے کم از کم دس گنا تو ضرور ہی دیتا ہے

نیکوکاروں کے متعلق خدا کے اس فضل ولطف کا ذکر بدکاروں کے اعمال کی سزا کے بعد آیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں انہیں ان کے اعمال کے مطابق ہی سزا دی جائے گی۔

یہ اس پروردگار کا مقام عدل ہے کہ گنہگار اپنے عمل سے ایک ذرہ بھی زیادہ سزا نہیں پائیں گے۔

(۸۵) اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی وَ مَنۡ هُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ	وُہ ذات جس نے تجھ پر قرآن (کی تبلیغ کو) فرض (واجب)فرمایا ہے وہی تجھے تیرے وطن واپس پہنچا دے گی۔ کہہ دے کہ میرا رب اسے بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے۔
(۸۶) وَ مَا کُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ یُّلۡقٰۤی اِلَیۡکَ الۡکِتٰبُ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ ظَهِیۡرًا لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ۫	اور تجھے یہ توقع نہ تھی کہ یہ کتاب تجھ پر نازل کی جائے گی مگر یہ محض تیرے رب کی رحمت سے تجھ پر نازل ہوئی ہے۔پس ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا۔
(۸۷) وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعۡدَ اِذۡ اُنۡزِلَتۡ اِلَیۡکَ وَ ادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ وَ لَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۚ	اور (کہیں) بعد از نزول وہ تجھے آیاتِ خدا کی تبلیغ سے روک نہ دیں۔انہیں اپنے خدا کی طرف دعوت دے اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

(۸۸) وَ لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۟ کُلُّ شَیۡءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجۡھَہٗ ؕ لَہُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ؑ	اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارو کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے حکم اسی کا ہے اور سب کچھ اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔

شان نزول

جس وقت جناب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ کی طرف جا رہے تھے تو جب آپ ﷺ مقام جحفہ پر پہنچے کہ جس کا فاصلہ مکہ سے کچھ زیادہ نہیں ہے تو آپ کو اپنا وطن یاد آیا یعنی شہر مکہ۔ اس یاد وطن سے احساس غم آپ ﷺ کے چہرے پر نمایاں ہوا اس مقام پر جبرئیل نازل ہوئے اور پوچھا کیا واقعاً آپ کو اپنے شہر اور جائے پیدائش کا بہت اشتیاق ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں ضرور ہے تب جبرئیل نے عرض کیا کہ خدا نے آپ کو یہ پیغام بھیجا ہے۔

ان الذی فرض علیک القران لرادک الی معاد

جس ذات نے اس قرآن کو تجھ پر فرض کیا ہے وہ تجھے تیرے وطن میں بھی پہنچا دے گا۔

ہم جانتے ہیں کہ آخر کار یہ عظیم وعدہ پورا ہوا۔

تاریخ کے اس عظیم انقلاب کے پیش نظر زیر نظر آیت قرآن کی اعجاز آمیز پیش گوئیوں میں سے ہے کہ اس کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو حتمی طور پر کسی شرط کے بغیر ایسی خبر دی گئی جو قلیل مدت کے بعد درست ثابت ہوئی۔

تفسیر

حرم امن خدا کی طرف بازگشت کا وعدہ

جیسا کہ ذکر ہوا۔ ان آیات میں سے پہلی آیت (جیسا کہ مشہور ہے) مقام جحفہ پر اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت ﷺ مدینے کی طرف سفر کر رہے تھے۔

ان کا ارادہ تھا کہ یثرب جائیں اور اس بستی کو "مدینة الرسول" بنا دیں اس مقام پر اسلامی حکومت کی بنیاد کی پہلی اینٹ رکھیں۔

اس عظیم منصوبے کے باوجود آپ کو مکہ سے جو دل بستگی تھی وہ رنج وغم کا باعث بنی رہتی تھی اور آپ کو اس حرم امن الٰہی سے دوری سخت ناگوار تھی۔

ان حالات میں آپ کے قلب مطہر پر نور وحی کی تابش ہوتی ہے اور آپ کو وطن مالوف کی طرف بازگشت کی بشارت دی جاتی ہے بایں الفاظ کہ وہی ذات جس نے تم پر قرآن کو فرض کیا وہ تمہیں تمہارے وطن ومولد کو واپس کردے گی۔

تم رنجیدہ خاطر نہ ہو وہی خدا جس نے عالم طفولیت میں موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا وہی خدا جس نے مصر سے دس سال کی جلاوطنی کے بعد اسے اس کے وطن کو واپس کردیا تاکہ وہ چراغ توحید روشن کرے اور مستضعفین کی حکومت قائم کرے اور منکرین خدا فرعونیوں کی طاقت کو برباد کردے۔ وہی تم کو بھی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ مکہ کو لوٹا دے گا اور تمہارے ہاتھ سے اس مقدس سرزمین میں چراغ توحید روشن کرائے گا۔ ایک دین خدا غالب آکر رہے گا اور نہ صرف یہ کفار بلکہ دنیا کی کوئی طاقت اسے روکنے میں کامیاب نہ ہو۔

اس کے بعد اس مطلب کا اضافہ ہے کہ ان سرپھرے اور مستکبر مخالفین سے کہہ دو کہ میرا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی طرف سے کون ہدایت لایا ہے اور کون شخص کھلی گمراہی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ راہ ہدایت روشن ہے اور مشرکین کی گمراہی آشکار ہے یہ لوگ جو کچھ کررہے ہیں عبث ہے خدا ان کے افعال سے خوب آگاہ ہے اور حق طلب قلوب بھی حقیقت کو خوب جانتے ہیں۔

(۸۶) اس آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کی طرف سے ایک عظیم ترین نعمت کے عطا ہونے کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے۔

تمہیں ہرگز امید نہ تھی کہ یہ عظیم آسمانی کتاب تمہیں القا کی جائے گی لیکن یہ تمہارے رب کی رحمت کا تقاضا تھا۔

اس کے بعد ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ

''اب اس عظیم نعمت کا ذکر یہ ہے کہ کافروں کی ہرگز مدد نہ کرنا''۔

(۸۷) اس سورہ کی آخر میں مختلف استدلات اور تعبیرات کے ساتھ توحید کو واضح کیا گیا ہے وہ توحید جو جملہ دینی مسائل کی اصل بنیاد ہے ان دو آیات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار احکامات دیئے گئے ہیں اور خدا کی چار صفات بیان کی گئی ہیں نیز اس سورہ میں جتنے بھی موضوعات پر بحث ہوئی ہے یہ آیات ان سب کا تکمل کرنے والی ہیں۔

سب سے پہلے یہ کہا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کفار تجھ پر نازل شدہ آیات سے تجھے باز رکھیں۔

اس آیت میں اگرچہ حرف نہی کا مرجع کفار ہیں لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سازشوں اور خلل اندازیوں

سے متنبہ رہیں

اس کے بعد جناب پیغمبرﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم پر آیات الٰہی نازل ہوگئی ہیں تو ان احکامات پر با استقلال قائم رہو اور کسی قسم کے تردد اور شک کو دل میں نہ آنے دو اللہ کے امر کی تبلیغ میں جو رکاوٹیں بھی پیش آئیں انہیں راستے سے ہٹا دو اور محکم قدموں کے ساتھ مقصد کی طرف بڑھتے رہو کیونکہ خدا تمہارے ساتھ ہے اور تمہارا مددگار ہے۔

یہ حکم جو نفی کا پہلو رکھتا ہے اس کے بعد اثباتی انداز سے حکم دیا ہے کہ اپنے پروردگار کی طرف دعوت دے۔

وہ خدا جو تیرا مالک ہے تو جس کے اختیار میں ہے وہی تیرا مربی اور تیری پرورش کرنے والا بھی ہے اس حکم کے بعد کہ پیغمبرﷺ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیں ہر قسم کے شرک اور بت پرستی کی ممانعت کی گئی ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ قطعاً مشرکین میں سے نہ ہونا۔

یعنی راہ توحید قطعی آشکارا اور نورانی ہے اور اس پر چلنے والے ہی راہ مستقیم پر ہیں۔

(۸۸) بالآخر چوتھا حکم ہر قسم کے شرک کی نفی پر ایک تاکید مکرر ہے خدا فرماتا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کو مت پکارو۔

الغرض یہ پے در پے احکام جن میں سے ہر ایک دوسرے حکم کا موکد ہے اسلامی پروگرام میں عقیدہ توحید کی اہمیت کو روشن کرتے ہیں

قرآن میں ان چار احکام کے ذکر کے بعد خدا کی چار صفات کا ذکر ہے کہ وہ لوازم عقیدہ توحید میں سے ہیں۔

۱............اول یہ کہا گیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۲............اس ذات پاک کے علاوہ ہر چیز فانی اور نابود ہونے والی ہے۔

۳............دنیائے تکوین وتشریع میں حکم اور حاکمیت اسی کی ذات سے مخصوص ہے۔

۴............آخرالامر ہم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔

اس امر کا امکان عقلی موجود ہے کہ آخری تین صفات اثبات توحید اور ہر قسم کی اس بت پرستی کو ترک کرنے کی دلیل ہو جس کا ذکر فصل اول میں کیا گیا ہے۔

کیونکہ۔ ہم سب فانی ہیں اور بقا صرف اسی کی ذات کیلئے ہے۔

کیونکہ۔ نظام ہستی کی تدبیر اور کائنات کی حاکمیت صرف اسی کیلئے ہے۔

کیونکہ قیامت میں ہم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہوگی اس کے مقابلے میں معبودان مجازی کی بھلا کیا حقیقت ہے اور سوائے اس کے اور کونسی چیز قابل پرستش ہے؟

جب ہمیں یہ علم ہوگیا کہ اس عالم میں جو چیز باقی رہ جائے گی وہ صرف ذات الٰہی ہوگی تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے جو شے کسی طرح بھی اس کی ذات سے متعلق ہے وہ بھی کیفیت بقاوابدیت اختیار کرلے گی۔

رہبران الٰہی ابھی بذات خدا مربوط ہیں اس لئے وہ بھی جاودانی ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شے بھی جو ذات الٰہی سے تعلق اور رابطہ رکھتی ہے وہ فنا اور ہلاکت سے محفوظ رہے گی (یہ مقام غور وفکر ہے)۔

سورہ عنکبوت

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اس میں ٦٩ آیات ہیں۔

سورہ عنکبوت کے مضامین

اس سورہ کے نام سورہ عنکبوت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورہ کی آیت نمبر اکتالیس میں بت پرستوں کے غیر خدا پر اعتقاد کو عنکبوت مکڑی سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس کا بھروسہ بھی نازک تاروں پر ہوتا ہے اور یہ بھروسہ بے بنیاد ہے بطور کلی کہا جا سکتا ہے کہ اس سورہ کی مضامین چار حصوں میں منقسم ہیں۔

اول اس سورہ کی ابتداء میں منافقین کی کیفیت اور ان کے مبتلائے امتحان ہونے کا ذکر ہے حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں امور کا ناقابل انقطاع تعلق ہے۔

دوم۔ آیت کے مضامین کے دوسرے حصے میں پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم اور مومنین کی دلجوئی کیلئے پیمبرانِ اولوالعزم کی (مثلاً حضرت نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام لوط علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی زندگی کے کچھ حالت بیان کئے گئے ہیں۔

سوم۔ اس سورہ کے مضامین کا تیسرا حصہ جو خصوصیت سے آخر میں ہے اس میں توحید باری تعالیٰ عالم آفرینش میں اس کی آیات اور شرک سے مبارزہ کا بیان ہے۔

چہارم اس سورہ کے ایک اور حصے میں متنوع قسم کے مضامین ہیں مثلاً غیر حقیقی معبودوں اور ان کے عنکبوت صفت پجاریوں کی ناتوانی کا ذکر ہے اسی طرح اس حصے میں قرآن کی عظمت پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم کی حقانیت اور مخالفین کی سرکشی کا بیان ہے۔

علاوہ بریں اس حصے میں مسائل تربیتی کا بھی ایک سلسلہ ہے مثلاً نماز، والدین کے ساتھ نیک سلوک' اعمال صالح اور مخالفین اسلام سے گفتگو اور بحث کا طریقہ تعلیم کیا گیا ہے۔

سورہ عنکبوت کی فضیلت

ایک روایت میں ہے کہ:

''جو آدمی سورہ عنکبوت پڑھتا ہے اس کے حصے میں تمام مومنین اور منافقین کی تعداد سے دس گنا حسنات لکھے جاتے ہیں''۔

بالخصوص ماہ رمضان کی تیس تاریخ کی شب میں سورہ عنکبوت اور سورہ روم کی تلاوت کے متعلق غیر معمولی فضیلت وارد ہوئی ہے یہاں تک کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے

''جو آدمی ماہ رمضان کی تیس تاریخ کی شب میں سورہ عنکبوت اور سورہ روم کی تلاوت کرے''۔

قسم بخدا وہ اہل بہشت میں سے ہے میں اس معاملے میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتا اور اس بات سے بھی نہیں ڈرتا کہ اس قسم کیلئے میرے نامہ اعمال میں کوئی گناہ لکھ دے بطور مسلم ان دونوں سورتوں کا خدا کے حضور میں بڑا مرتبہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان دونوں سورتوں کے نہایت منفعت بخش مضامین ان کے توحید آموز اہم اسباق اور انسان کی عملی زندگی کیلئے باعث خیر وسعادت پروگرام اس امر کیلئے کافی ہیں کہ جو آدمی بھی صاحب فکر وعمل ہوگا وہ اسے بہشت کا مستحق کر دیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) الٓمّٓ	الم
(۲) اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ	کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟
(۳) وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ	جو لوگ ان سے پہلے تھے ہم نے ان کی بھی آزمائش کی تھی۔ ضروری ہے کہ خدا کا علم ان کے بارے میں (بھی) سچ ثابت ہو کہ جو سچے ہیں اور ان کے بارے میں بھی کہ جو کاذب ہیں۔

تفسیر

آزمائش ایک دائمی سنت الٰہی ہے

اس سورہ کی ابتدا بھی (الف لام میم) حروف مقطعات سے ہوتی ہے ہم نے بارہا مختلف زاویہ ہائے نظر سے ان حروف کی تفسیر بیان کی ہے۔

اس سورہ میں حروف مقطعات کے بعد انسانی زندگی کے پیش آمدہ مسائل میں سے ایک اہم مسئلے کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے اللہ کی طرف سے بندے کا امتحان اور اس کی آزمائش۔

سب سے پہلے یہ کہا گیا ہے کہ کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر وہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کریں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور توحید و رسالت پیغمبر کی شہادت دیں تو وہ اپنے حال پر چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ ہوگا۔

(۳) اس کے بعد بلا فاصلہ اس حقیقت کا ذکر ہے کہ اہل ایمان کا امتحان اللہ کی ایک دائمی اور جاودانی سنت ہے یہ امتحان صرف امت اسلام ہی کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ وہ سنت الٰہی ہے جو گزشتہ امتوں کیلئے بھی جاری رہی ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے گزشتہ امتوں کی بھی آزمائش کی ہے۔ ہم نے گزشتہ امتوں کو بھی امتحان کی بھٹی میں ڈالا ہے وہ بھی تمہاری طرح بے رحم جاہل متعصب بے خبر اور جنگ پسند دشمنوں کے نرغے میں گرفتار تھیں

ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ ہر آدمی برترین مومن بالاترین مجاہد اور فدا کارترین انسان ہونے کا ادعا کرسکتا ہے اس لئے اس ادعا کی حقیقت اور اس کا وزن امتحان سے ثابت ہونا چاہئے امتحان ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدعی کے دعوے اور اس کی ذہنی آمادگی اور باطنی خلوص میں ہم آہنگی ہے یا نہیں؟

امتحان کی اس لئے بھی ضرورت ہے تاکہ ان کے متعلق خدا کا یہ علم کہ ان میں سے کون سچا ہے اور کون جھوٹا درست ثابت ہو۔

یہ امر بدیہی ہے کہ خدا سب کے دلوں کا حال جانتا ہے یہاں تک کہ بنی نوع انسان کی خلقت سے پہلے بھی سب کچھ اس کے علم میں تھا اس مقام پر علم الٰہی سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ اسکے علم میں ہے وجود خارجی میں بطور عین الیقین اس کا ثبوت مل جائے یعنی اس گروہ کے متعلق خدا کا جو علم ہے لوگ اسے خارج میں بھی دیکھ لیں اور جس شخص کے دل میں جو کچھ ہے وہ نمایاں اور آشکار ہو جائے۔

خدا کے متعلق جہاں بھی کلمہ علم استعمال ہوا ہے اس کا یہی مفہوم ہے۔

یہ حقیقت قطعی واضح ہے کہ انسان کی نیت اور اس کا ارادہ جب تک عمل سے ظاہر نہ ہو تو اس کیلئے ثواب' جزا یا بدلے کا تعین نہیں ہوسکتا۔

(۴) اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ	کیا وہ لوگ جو اعمالِ بد کرتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے؟ وہ جو خیال کرتے ہیں وہ کتنا برا ہے۔
(۵) مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ	جو کوئی خدا سے ملاقات (اور قیامت) کی اُمید رکھتا ہے اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔
(۶) وَ مَنۡ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفۡسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ	جو شخص جہاد اور کوشش کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس (کی تہذیب) کے لئے جہاد کرتا ہے اور خدا جملہ اہلِ عالم سے بے نیاز ہے۔
(۷) وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ لَنَجۡزِیَنَّہُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے، ہم ان کے گناہوں کو چھپالیں گے (اور بخش دیں گے) اور انہیں ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔

تفسیر

قدرت خدا کی حدود سے فرار ممکن نہیں

گزشتہ آیات میں مومنین کے عام امتحان کا ذکر تھا زیر نظر پہلی آیت میں کفار اور گناہ گاروں کو شدید تہدید کی گئی ہے تاکہ وہ

یہ گمان نہ کریں کہ اگر انہوں نے مومنین پر ظلم وتعدی کی اور خدا کا عذاب ان پر فوراً نازل نہیں ہوا تو خدا ان سے غافل ہے یا اس میں ان پر عذاب نازل کرنے کی طاقت نہیں ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے وہ لوگ جو گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں کیا ان کا یہ گمان ہے کہ وہ ہم پر سبقت لے جائیں گے اور ہماری سزا کی گرفت سے بچ نکلیں گے؟ ان کا یہ خیال کتنا برا ہے۔

خدا کی طرف سے دی ہوئی مہلت ان کو مغرور نہ کردے۔ کیونکہ یہ بھی ان کیلئے ایک آزمائش ہے اور انہیں توبہ اور بازگشت کی مہلت دی گئی ہے۔

(۵) اس کے بعد قرآن میں بار دیگر مومنین کے دستور العمل اور ان کیلئے نصیحت کا ذکر ہے یعنی جو شخص بھی لقاء الٰہی کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اس سے جہاں تک بھی ممکن ہو اس کی اطاعت اور فرمان برداری سے سرتابی نہ کرے کیونکہ خدا نے جو وقت مقرر کیا ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔

البتہ خدا کا یہ وعدہ حتمی ہے اور اس راہ پر ضرور چلنا پڑے گا علاوہ بریں خدا تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور وہ تمہارے اعمال اور نیات سے آگاہ ہے کیونکہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے (وھو السمیع العلیم)

لقائے پروردگار سے مراد ملاقات حسی نہیں ہے بلکہ لقائے روحانی اور ایک قسم کا شہود باطنی ہے کیونکہ اس روز انسان کی آنکھوں سے مادیات کے ضخیم پردے اٹھ جائیں گے اور انسان جلوہ ہائے شہود کو دیکھے گا۔

(۶) یہ آیت اس مضمون کی تعلیل ہے جو گزشتہ آیت میں گزر چکا ہے یہ جو کہا گیا ہے کہ مومنین لقاء الٰہی کیلئے جو کچھ ان کی قدرت میں ہے اس سے فروگزار نہ کریں وہ اس لئے ہے تاکہ ہر شخص زندگی میں جہاد کرے اور سعی وکوشش کرے اور مصائب ومشکلات کو برداشت کرے۔ درحقیقت انسان کا یہ جہاد اس کی تہذیب نفس ہی کیلئے ہے کیونکہ خدا تو جملہ اہل جہان سے بے نیاز ہے۔

انسان کیلئے خدا کی آزمائش کا یہ پروگرام کہ وہ ہوائے نفس کے خلاف جہاد کرے اپنے ایمان کی حفاظت کیلئے دشمنوں سے جنگ کرے اور تقویٰ اور پاکیزگی اختیار کرے درحقیقت یہ سب کچھ انسان ہی کے فائدہ کیلئے ہے۔

(۷) یہ آیت اس مضمون کی توضیح وتکمیل ہے جو آیت ماقبل میں عنوان جہاد کے تحت سربستہ طور پر بیان کیا گیا تھا اس آیت میں حقیقت جہاد کو واضح کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ۔

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اعمال صالح انجام دیتے ہیں ہم ان کے گناہوں کو چھپاتے ہیں۔ بنا بریں اس جہاد عظیم (ایمان وعمل صالح) کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ خدا ان کے گناہوں کو چھپا لیتا ہے اور یہ فائدہ انسان ہی کو پہنچتا ہے اسی طرح جیسے اعمال خیر کا ثواب انہیں پہنچتا ہے چنانچہ اس آیت کے آخر میں مذکور ہے۔

ہم انہیں ان کے ان اعمال صالح کی جو انہوں نے انجام دیئے بہترین جزا دیتے ہیں۔

(۸) وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔ اور اگر تیرے والدین یہ اصرار کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے، جس کا تجھے علم نہیں ہے، تو پھر تو ان کی اطاعت نہ کر۔ آخر کار تم سب کو لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو ہم تمہیں اس سے آگاہ کردیں گے۔
(۹) وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ	اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، ہم انہیں نیک لوگوں میں داخل کریں گے۔

شان نزول

کچھ افراد جو مکہ میں تھے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ مگر جب ان کی ماں کو اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے تہیہ کرلیا کہ نہ تو وہ غذا کھائے گی اور نہ پانی پیئے گی تاوقتیکہ اس کا فرزند اسلام کو ترک نہ کردے گا۔ اگرچہ کوئی ماں بھی اپنے اس قول پر ثابت نہ رہی اور انہوں نے ترک غذا کے عہد کو توڑ دیا۔ مگر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے اس امر کو سب کیلئے واضح کردیا کہ جب ایمان وکفر کا مسئلہ پیدا ہو تو والدین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

تفسیر

ماں باپ کی نسبت بہترین نصیحت

خدا کی ایک اہم آزمائش اس تضاد سے عہد برآ ہونا ہے جو راہ ایمان وتقویٰ اور اعزا واقارب سے جذباتی تعلق میں ہے قرآن مجید میں اس موضوع پر مسلمانوں کے فرض کے متعلق واضح ہدایت موجود ہے۔

قرآن میں سب سے پہلے اس قانون کلی کو بیان کیا گیا ہے جس کی بنیاد انسانی جذبات اور حق شناسی ہے اس ضمن میں فرمایا گیا ہے۔

’ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرے‘‘۔

جس فرد پر بھی کلمہ انسان صادق آتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے احسانات کا حق شناس ہو اور ساری عمران کے احترام وتکریم اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کو نہ بھولے۔ اگرچہ انسان ان تمام اعمال کے باوجود ان کے قرض کو ادا نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد ایک صریحی استثناء کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ اگر والدین یہ کوشش واصرار کریں اور اولاد سے کہیں کہ تو میرے

لئے کسی شریک کا قائل ہو جب کہ تو اس شریک کو جانتا بھی نہ ہو تو اس حالت میں والدین کی اطاعت نہ کرنا۔

یہ استثنا اس لئے ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ماں باپ سے جذباتی تعلق انسان کے خدا سے تعلق پر فوقیت رکھتا ہے اس مقام پر کلمہ ''جَاهَدٰکَ'' کا مفہوم والدین کی کوشش اور اصرار ہے۔

اس کے بعد مالیس لک بہ علم کہا گیا ہے یعنی وہ چیز جس کا تجھے علم نہیں ہے یہ اس جانب اشارہ ہے کہ شرک کوئی منطقی امر نہیں ہے کیونکہ اگر شرک واقعی درست ہوتا تو اس کیلئے کوئی دلیل بھی موجود ہوتی۔

آیت کے اخیر میں یہ اضافہ ہے کہ تم سب کی بازگشت میری طرف ہے میں تم کو ان اعمال سے آگاہ کروں گا جو تم انجام دیتے رہے ہو اور ان اعمال کی جزا وسزا بے کم وکاست تمہیں ملے گی۔

درحقیقت یہ جملہ ان لوگوں کیلئے ایک تہدید ہے جو شرک کی راہ اختیار کرتے ہیں اور ان لوگوں کیلئے جو دوسروں کو بھی شرک کی طرف بلاتے ہیں کیونکہ صریحاً کہا گیا ہے کہ

خدا ان سب کے اعمال کا حساب اپنی نظر میں رکھتا ہے اور موقع پر انہیں ان سے باخبر کرے گا۔

(۹) اس آیت میں پھر اس حقیقت کو ان لوگوں کے متعلق جو ایمان لائے ہیں اور اعمال صالح بجالاتے ہیں مکرر اور تاکیداً بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اعمال صالح بجالاتے ہیں ہم انہیں زمرہ صالحین میں داخل کریں گے۔

نفسیاتی نقطہ نظر سے انسان کے عمل کا اس کی سیرت پر ردعمل ہوتا ہے یعنی انسان کا عمل صالح اس کی سیرت کو صالح بناتا رہتا ہے اس طرح سے وہ زمرہ صالحین میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کا عمل سوء اس کی سیرت کو ناپاک کر دیتا ہے اور وہ بندوں اور غیر صالح لوگوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔

(۱۰) وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِىْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ	اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان لائے ہیں مگر جب انہیں راہِ خدا میں ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لوگوں کے فتنہ کو خدا کا عذاب سمجھتے ہیں۔ مگر جب تیرے پروردگار کی طرف سے مدد ونصرت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا خدا جو کچھ اہلِ عالم کے سینوں میں ہے اللہ اس سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہے؟
(۱۱) وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	اور اللہ یقیناً ان لوگوں کو جانتا ہے جو ایمان لائے ہیں اور انہیں بھی جو منافق ہیں۔

(۱۲) وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ	اور کافروں نے ان لوگوں سے کہا جو ایمان لائے ہیں کہ تم ہمارے راستے کی پیروی کرو۔ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے۔مگر وہ ان کا ذرّہ بھر گناہ بھی نہیں اٹھائیں گے کیونکہ وہ جھوٹے ہیں۔
(۱۳) وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۫	یہ لوگ اپنا (اپنے گناہوں کا) بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور لوگوں کے بوجھ بھی۔اور یہ لوگ جو افترا پردازی کرتے رہے ہیں قیامت کے روز اس کے متعلق ان سے پوچھا جائے گا۔

تفسیر

وہ لوگ جو کامیابیوں میں شریک ہیں مگر مشکلات میں نہیں

گزشتہ آیات میں صالح مومنین اور مشرکین کا ذکر تھا ان آیات زیر نظر میں ایک تیسرے گروہ منافقین کا ذکر ہے۔

چنانچہ مذکورہ ہے کہ بعض لوگ ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن مخالفین کی سختیوں اور مظالم کے مقابلے میں ان میں تحمل اور استقامت نہیں ہوتی۔جس وقت راہ خدا میں انہیں سختیاں پیش آتی ہیں تو وہ ایمان سے روگرداں ہو جاتے ہیں اور ان مصائب کو خدا کا عذاب سمجھتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں۔

مگر جس وقت تجھے تیرے رب کی مدد پہنچتی ہے اور تم کامیاب ہوتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے اور تمہاری کامیابیوں میں شریک ہیں۔

کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ خدا ان کے دلوں کے خیالات سے باخبر نہیں ہے اور کیا خدا ان باتوں سے آگاہ نہیں ہے جو دنیا کے لوگوں کے سینوں میں ہیں۔

(۱۱) اور زیر بحث دوسری آیت میں بظاہر اسی قسم کے منافقین کا ذکر ہے اور یہ تصریح موجود ہے کہ خدا ان کی نیتوں سے آگاہ ہے۔

اس کے بعد آیت میں پھر مزید تاکید کیلئے یہ اضافہ ہے کہ یقینی طور پر خدا مومنین کو پہچانتا ہے اور حتمی طور پر وہ منافقین کو بھی پہچانتا ہے۔

اگر سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حقائق کو چھپا کر احاطہ علم الٰہی سے باہر رہ سکتے ہیں تو بہت ہی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

نفاق کے بہت وسیع معنی ہیں ان معنی میں وہ ضعیف الایمان لوگ بھی شامل ہیں جو تھوڑی سی تکلیف بھی پیش آنے پر اپنا عقیدہ بدل لیتے ہیں۔

(۱۲) اس آیت میں مشرکین کا ایک کمزور اور پوچ قول نقل کیا گیا ہے جبکہ ابھی تک مشرکین کی تعداد زیادہ تھی فرمایا گیا ہے۔ کافروں نے ایمان والوں سے کہا تم آؤ! ہمارے عقائد اور ہمارے مذہب کی پیروی کرو، اگر اس راہ میں تمہارا کوئی گناہ ہوگا تو ہم اسے اپنے کاندھوں پر اٹھالیں گے۔

ہم آج بھی بہت سے بداندیش لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ کسی کو عمل بد پر آمادہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں اگر اس فعل میں کوئی گناہ ہے تو وہ ہماری گردن پر حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی آدمی بھی کسی دوسرے شخص کا گناہ اپنے ذمے نہیں لے سکتا اور یہ بات ہرگز معقول نہیں ہے کیونکہ خدا عادل ہے وہ کسی کو بھی دوسرے آدمی کے جرم میں سزا نہیں دے گا لہٰذا دوسری آیت میں بصراحت کہا گیا ہے کہ وہ لوگ دوسروں کے گناہوں اور خطاؤں کو ہرگز اپنے کاندھوں پر نہ لیں گے۔

(۱۳) اور اس امر کے پیش نظر کہ کہیں ایسا نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ کفر و شرک بت پرستی اور ظلم کی طرف دعوت دینے والے لوگ اپنے اعمال کی کوئی سزا نہیں پائیں گے۔ اس لئے آیت مابعد میں یہ اضافہ کیا گیا وہ لوگ اپنے گناہوں کا بار اٹھائیں گے اور ان کے بار پر دوسرے وزنی بار کا بھی اضافہ ہوگا۔

یہ اضافی بار لوگوں کو گمراہ اور دوسروں کو گناہ کی رغبت دلانے کا ہوگا یہ ویسا ہی بار گناہ ہوگا جیسا کہ کسی رسم بد کی بنیاد ڈالنے کا ہوتا ہے

آیت کے اخیر میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ بروز قیامت ان سے یقینی طور پر ان کے افترات اور دروغ گوئیوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور انہیں ان کا جواب دینا ہوگا۔

(۱۴) وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ	اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال تک رہے۔ پھر ان (قومِ نوح) کو طوفان نے آن پکڑا جبکہ وہ ظالم تھے۔
(۱۵) فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ	پھر ہم نے (نوح) کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس کشتی کو اہل عالم کیلئے ایک نشانی بنادیا۔

(۱۶) وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ	اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا: تم خدا کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم اس بات کو سمجھو۔
(۱۷) اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ	تم لوگ خدا کو چھوڑ کر (پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے) بتوں کی عبادت کرتے ہو اور آپس میں دروغ بافی کرتے ہو۔ خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس تم خدا ہی سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ جس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔
(۱۸) وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ	اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلی امتیں بھی انبیا کی تکذیب کرتی رہی ہیں۔ اور رسول پر تو واضح ابلاغ کے سوا اور کچھ فرض نہیں ہے۔
(۱۹) اَوَ لَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ	کیا انہوں (منکرین معاد) نے نہیں دیکھا کہ خدا مخلوق کو کس طرح پیدا کرتا ہے اور پھر اسے واپس لوٹائے؟ اور یہ خدا کے نزدیک بہت آسان ہے۔

تفسیر

سرگزشت نوح وابراہیم علیہما السلام کا ذکر

گزشتہ آیات میں انسانوں کی عمومی آزمائش کا ذکر تھا۔ یہاں سے اور اس کے بعد انبیاء اور گزشتہ اقوام کی آزمائشوں کا ذکر ہے۔

یہاں سب سے پہلے ایک اولوالعزم پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے مختصر الفاظ میں ان کی زندگی کا اتنا حصہ بیان کیا گیا ہے جو اس وقت مسلمانوں کی وضع زندگانی کیلئے مناسب تر تھا۔

خدا فرماتا ہے ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار سال تک رہا۔

حضرت نوح علیہ السلام شب و روز تبلیغ کرنے اور توحید کی طرف دعوت دینے میں مشغول رہتے تھے خواہ خلوت وتنہائی ہو یا آپ لوگوں کے مجمع میں ہوں۔ بہرکیف آپ ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوم کو نوسو پچاس سال کی طویل مدت تک خدا کی طرف بلاتے رہے آپ اس خستہ کن کوشش سے نہ تو تھکے اور نہ اپنی طبعیت میں کسی ضعف کو پیدا ہونے دیا لیکن اس محنت کے باوجود ایک قلیل تعداد (تاریخ کے مطابق اسی افراد کے سوا کوئی آپ کی تعلیم پر ایمان نہ لایا۔ ضمناً جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہہ کر آگاہ کیا گیا ہے کہ تم ان مشرکین کو بجانب حق دعوت دیتے رہو اور ان کی سرکشی سے دل شکستہ نہ ہو کیونکہ تمہارے سامنے جو مہم درپیش ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی دشواریوں سے آسان تر ہے۔

مگر دیکھو کہ اس ستمگر اور جھگڑالو قوم (یعنی قوم نوح علیہ السلام کا انجام کیا ہوا آخر کار انہیں ایک عظیم طوفان نے گھیر لیا اس لئے کہ وہ ظالم اور ستمگر تھے۔

(۱۵) اس کے بعد یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ ہم نے نوح اور اصحاب کشتی کو نجات دی اور اس اہل دنیا کیلئے ایک نشانی قرار دیا۔

(۱۶) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعے کے ذکر کے بعد دوسرے اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کا تذکرہ ہے۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ خدائے واحد کی پرستش کرو اور اس کیلئے تقویٰ اختیار کرو کیونکہ اگر تم جانو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

کیونکہ اس سے تمہاری دنیوی زندگی کو شرک و گناہ، بدبختی کی آلودگیوں سے نجات ملتی ہے اور تمہاری آخرت کیلئے بھی یہ سعادت جاوید قرار پائی ہے۔

(۱۷) اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دلائل سے بت پرستی کا باطل ہونا ثابت کرتے ہیں آپ نے اس دعویٰ کو مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے اور ان سے ان مشرکین کے معتقدات اور روش حیات کو نادرست ثابت کیا ہے۔

پہلی بات انہوں نے یہ فرمائی کہ تم خدا سے منحرف ہو کے بتوں کی عبادت کرتے ہو۔

حالانکہ یہ بت بے روح مجسمے ہیں نہ یہ صاحب ارادہ ہیں نہ صاحب عقل اور نہ صاحب شعور وہ ان تمام اوصاف سے محروم ہیں ان کی ہیت ہی بت پرستی کے عقیدے کو باطل ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ صرف ان بتوں کی وضع ہی یہ ثابت نہیں کرتی کہ یہ معبود نہیں ہیں بلکہ تم بھی جانتے ہو کہ تم دروغ بافی کرتے ہو اور ان بتوں کو معبود کہتے ہو۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تیسری دلیل دیتے ہیں کہ اگر تم ان بتوں کو مادی منفعت کیلئے پوجتے ہو یا دوسرے جہان میں فائدے کیلئے دونوں صورتوں میں تمہارے یہ خیال باطل ہے کیونکہ تم خدا کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہیں رزق اور روزی نہیں دے سکتے۔

تم خود اقرار کرتے ہو کہ یہ بت خالق نہیں ہیں بلکہ خالق حقیقی خدا ہے اس بنا پر روزی دینے والا بھی وہی ہے لہٰذا تم روزی خدا سے طلب کرو۔

اور چونکہ روزی دینے والا وہی ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر بجالاؤ۔

نیز اگر تم سرائے آخرت کی زندگی کے خواستگار ہو تو سمجھ لو کہ ہم سب کی بازگشت اسی طرف ہے نہ کہ بتوں کی طرف۔

یہ بت نہ یہاں کچھ کام آسکتے ہیں نہ وہاں۔

(۱۸) اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تہدید کے طور پر اور ان مشرکین کی سرکشی سے بے اعتنائی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر تم میرے پیام کی تکذیب کرتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تم سے پہلے جو امتیں گزر چکی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے اور آخر کار ان کا انجام بڑا دردناک ہوا۔

رسول اور فرستادہ خدا کا فرض واضح ابلاغ کے علاوہ اور کچھ نہیں خواہ لوگ اسے قبول کریں یا نہ کریں۔

اس مقام پر گزشتہ امتوں سے مراد قوم نوح اور وہ اقوام ہیں جو اس کے بعد وجود میں آئیں۔

(۱۹) اس مقام پر قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کو مطلقاً چھوڑ دیا گیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید باری تعالیٰ اور اپنی رسالت کے اثبات میں جو دلائل دے رہے تھے انہیں معاد کے ذکر پر ختم کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کیا یہ منکرین معاد نہیں دیکھتے کہ خدا آفرینش کا آغاز کرتا ہے اور پھر اسے واپس لوٹاتا ہے۔

آیت کے اخیر میں تاکید کے عنوان سے یہ اضافہ ہے کہ یہ کام خدا کیلئے آسان ہے۔

کیونکہ بار اول ایجاد و آفرینش کے مقابلے میں تجدید حیات آسان تر ہے۔

ذات الٰہی کیلئے کلمات آسان اور دشوار کی تعبیرات انسان کے محدود دماغ اور محدود القدرت حالت کی اختراعات ہیں جو اس نے اپنی فہم کے مطابق وضع کر لئے ہیں کام کا آسان یا دشوار ہونا تو مخلوق کیلئے ہے جس کا اختیار اور قدرت محدود ہے نہ کہ خدا کیلئے کہ اس کی قدرت کیلئے کسی حد کا تعین نہیں ہے (غور کیجئے گا)

(۲۰) قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۚ	(اے رسول) کہہ دو: زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اس (اللہ) نے پہلی دفعہ کس طرح مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کے بعد (اسی طرح) وہ دوسری دنیا کو بھی پیدا کرے گا، اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲۱)يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ اِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ	خدا جسے چاہتا ہے (ور مستحق جانتا ہے) عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے۔ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
(۲۲) وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۧ	اور تم ہرگز خدا کے ارادہ پر غالب نہیں آسکتے اور اس کے دائرہِ قدرت سے نہ زمین میں فرار کرسکتے ہو نہ آسمان میں۔ اور خدا کے سوا تمہارے لئے نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔
وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	اور جن لوگوں نے خدا کی آیات اور اس کی لقا سے انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر

خدا کی رحمت سے مایوس لوگ

پہلی آیت میں مسئلہ معاد کے سلسلے میں دنیا کی سیر کی دعوت دی گئی ہے جب کہ اس سے پہلے کی آیت کا رخ سیر انفس کی طرف تھا۔

خدا فرماتا ہے ان سے کہو کہ روئے زمین کی سیر کریں زندہ موجودات کی انواع کو دیکھیں مختلف اور متنوع قسم کی اقوام اور جماعتوں کو ان کی خصوصیات کے ساتھ ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ خدا نے انہیں بار اول کس طرح ایجاد کیا ہے۔

وہی خدا جو رنگا رنگ موجودات اور مختلف اقوام کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے آخرت میں بھی زندہ کرے گا۔

کیونکہ اس نے پہلی بار خلق کر کے سب پر اپنی قدرت ثابت کردی ہے ٹھیک ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر اور توانا ہے۔

یہ آیت اور اس سے ماقبل کی آیات قدرت الٰہی کی وسعت کی دلیل سے معاد کے امکان کو ثابت کرتی ہیں۔

(۲۱) اس کے بعد کی آیت میں ان مسائل میں سے جو معاد سے متعلق ہیں ایک مسئلے کا ذکر ہے اور وہ ہے رحمت اور عذاب کا مسئلہ چنانچہ مذکور ہے کہ وہ قیامت میں جس شخص کو مستحق سزا سمجھے گا اسے سزا دے گا اور جس شخص کو لائق رحمت سمجھے گا اس پر رحم فرمائے گا اور تم سب اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

باوجودیکہ خدا کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔لیکن اس آیت میں پہلے عذاب کا ذکر ہے اور پھر رحمت کا کیونکہ یہ بطور تہدید ہے اور تہدید کیلئے یہی مناسب ہے۔

(۲۲)اس بحث کو مکمل کرتے ہوئے کہ عذاب اور رحمت خدا کے اختیار میں ہے اور سب لوگوں کو اسی کی طرف لوٹنا ہے یہ اضافہ کیا گیا ہے اگر تم یہ خیال کرو کہ تم خدا کی حکومت سے باہر نکل جاؤ گے اور اس کا دست عدالت تمہارا گریبان نہ پکڑے گا تو تم سخت غلطی پر ہو کیونکہ تم خدا کے ارادے پر ہرگز غالب نہیں آسکتے اور اس کے دائرہ اختیار سے زمین یا آسمان میں فرار نہیں کر سکتے۔

اور اگر تم سمجھتے ہو کہ کوئی سرپرست اور مددگار اس وقت تمہاری مدد کرے گا تو یہ بھی محض غلط فہمی ہے کیونکہ تمہارے لئے خدا کے علاوہ کوئی ولی اور یاور نہیں ہے۔

اس عنوان سے قرآن میں ان مجرموں کیلئے مجازات الٰہی سے فرار کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔

(۲۳)خدا آیت مابعد میں بطور قطع فرماتا ہے کہ جو لوگ آیات الٰہی اور اس کی لقا کے منکر ہوئے وہ میری رحمت سے مایوس ہیں۔

اس کے بعد تاکید کے طور پر یہ اضافہ کیا گیا ہے ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

یہ عذاب الیم رحمت خدا سے مایوس ہونے کا لازمہ ہے۔

(۲۴) فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ	لیکن ابراہیم کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اسے قتل کر دو یا جلا دو۔مگر خدا نے اسے آگ سے نجات بخشی اور اس واقعہ میں ایمان لانے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔
(۲۵) وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ یَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۙ	(ابراہیم نے)!کہا تم نے خدا کو چھوڑ کر اپنے لئے بتوں کا انتخاب کیا ہے تا کہ یہ تمہارے لئے دنیا کی زندگی میں محبت اور دوستی کا سبب ہوں۔مگر تم بروزِ قیامت ایک دوسرے کی دوستی سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے۔اُس روز تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔
(۲۶) فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ	پس اس (ابراہیم) پر لوط ایمان لایا اور (ابراہیم نے) کہا:میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

(۲۷) وَ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الۡکِتٰبَ وَ اٰتَیۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِی الدُّنۡیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ	اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا کئے اور اس کے خاندان میں نبوت و کتاب عطا فرمائیں اور ہم نے اسے دنیا میں اس کا اجر (وبدلہ) دیا اور وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوگا۔

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مستکبرین کا طرز جواب

اب ہم اس مقام پر ہیں کہ یہ دیکھیں کہ اس گم راہ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان تین دلائل کا جو توحید، نبوت اور معاد کے متعلق تھا کیا جواب دیا۔ ان کے پاس کوئی مدلل جواب تو تھا نہیں لہٰذا انہوں نے دیگر تمام منہ زور بے منطق بدمعاشوں کی طرح اپنی شیطانی طاقت کا سہارا لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے ابراہیم کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ اسے ابراہیم کو قتل کر دو یا جلا دو۔

آخر کار پہلے گروہ کی رائے مان لی گئی کیونکہ وہ قوم یہ سمجھتی تھی کہ کسی کو مارنے کا بدترین طریقہ یہی ہے کہ اسے جلا دیا جائے۔ اس آیت میں یہ ذکر نہیں آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح جلایا گیا تھا ہم اس جگہ صرف یہ پڑھتے ہیں کہ خدا نے انہیں آگ سے نجات بخشی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی تفصیل سورہ انبیاء کی آیات ۶۸ تا ۷۰ میں مذکور ہے۔

آیت کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ اس ماجرے میں ایمان لانے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

(۲۵) بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس آگ سے بہ لطف الٰہی معجزانہ طور پر نجات پائی اس کے بعد صرف یہی نہیں ہوا کہ آپ اپنے مقاصد نبوت اور ہدایت کی تبلیغ سے دست بردار نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس آپ نے اور بھی زیادہ جوش اور سرگرمی سے تبلیغ شروع کر دی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مشرک قوم سے کہا تم نے خدائے برحق کو چھوڑ کر اپنی عبادت کیلئے بتوں کو اختیار کر لیا ہے تاکہ وہ دنیاوی زندگی میں تمہارے درمیان دوستی اور محبت کا سبب بنیں لیکن تم متنبہ رہو کہ بروز قیامت تمہارا باہمی رشتہ محبت بالکل منقطع ہو جائے گا اور تم میں سے ہر ایک دوسرے کا انکار کر دے گا اور تم آپس میں ایک دوسرے پر لعنت اور نفرین کرو گے۔ پس تم سب کا مقام جہنم ہے اس لئے تمہارا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

ہر قوم اور قبیلہ جب ایک ہی بت کی پرستش کرتا تھا تو ان میں باہمی وحدت اور یگانگت کا احساس پیدا ہوتا تھا۔

دوسرے یہ کہ بتوں کی پرستش اس قوم کا ان کے اجداد اور بزرگوں سے تعلق قائم رکھتی تھی۔

علاوہ بریں کفار کے سردار اور بزرگ اپنے پیروؤں کو بتوں کی پرستش کی ترغیب دیتے تھے اور ان سرداران قوم اور ان کے پیروؤں کے درمیان یہی حلقہ اتصال تھا۔

لیکن قیامت میں یہ تمام پوچ اور کمزور رشتے منقطع ہو جائیں گے اور ہر آدمی اپنا گناہ دوسرے کے سر ڈالے گا اور اس پر لعنت اور نفرین کرے گا اور اس کے عمل سے اظہار بیزاری کرے گا۔

(۲۶) اس آیت میں حضرت لوط علیہ السلام کے ایمان لانے کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔

حضرت لوط خود پیغمبران بزرگ میں سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار تھے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھانجے تھے اگر ایک مرد بزرگ کسی پیغمبر پر ایمان لائے اور اس کے احکام کی پیروی کرے تو اس کا ایمان لانا ایک امت وملت کے ایمان لانے کے مترادف ہے خدا نے یہاں خصوصیت سے حضرت لوط علیہ السلام کے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے جو ایک عظیم شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاصر تھے تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کہ جب ایسا شخص ایمان لے آیا تو اول الناس کا ایمان نہ لانا کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔

اس کے بعد یہ اضافہ فرمایا گیا ہے ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر رہا ہوں کیونکہ وہ عزیز وحکیم ہے۔

اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی شہر بابل سے حضرت لوط علیہ السلام اور اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر خطہ انبیاء وتوحید یعنی ملک شام کی طرف سفر کر گئے تاکہ آپ وہاں ایک جماعت پیدا کر سکیں اور دعوت توحید کو وسعت دے سکیں۔

(۲۷) زیر بحث آیت میں سے آخرت آیت میں ان چار نعمات الٰہی کا ذکر ہے جو خدا نے ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیں پہلی نعمت لائق اور محترم بیٹے تھے ایسے فرزند جنہیں یہ توفیق ارزانی ہوئی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں ایمان اور نبوت کا چراغ روشن رکھ سکیں۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب بخشے۔

دوسری نعمت یہ کہ نبوت اور کتاب آسمانی خاندان ابراہیم علیہ السلام ہی کے اندر مخصوص ہوگئی۔

تیسرے یہ کہ ہم نے اسے دنیا میں بھی بدلہ دیا۔

اس دنیاوی اجر کا ذکر اشارتاً ہوا ہے ممکن ہے کہ یہ مختلف امور کی طرف اشارہ ہو مثلاً نیک نام اور تمام امتوں میں آپ کا ذکر خیر بطور احترام کیونکہ تمام امتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اولوالعزم پیغمبر کے طور پر احترام کرتی ہیں اور آپ کے وجود پر فخر کرتی ہیں اور انہیں شیخ الانبیا کہتی ہیں۔

چوتھا اجر یہ ہے کہ آخرت میں ان کا شمار صالحین میں ہوگا۔

اور یہ سب باتیں یکجا ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے باعث افتخار ہیں۔

(۲۸) وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ	اور (ہم نے لوط کو بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ تم سے پہلے دنیا میں کسی نے یہ کام نہیں کیا۔

(۲۹) اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	کیا تم مردوں کے پیچھے جاتے ہو اور راہِ نسلِ انسانی کو قطع کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں بُرے اعمال انجام دیتے ہو؟ مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا: اگر تو سچا ہے تو ہم پر خدا کا عذاب نازل کردے۔
(۳۰) قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۧ	(لوط نے) کہا: اے میرے رب! تو اس مفسد قوم کے مقابلے میں میری مدد کر۔

تفسیر

بے شرم گناہ گار

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مختصر سا واقعہ بیان کرنے کے بعد ان کے ہم عصر پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا کچھ قصہ بیان کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے ہم نے لوط کو مبعوث کیا اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بہت ہی برا کام کرتے ہو دنیا میں کسی نے بھی اس سے پہلے اس گناہ کا کام نہیں کیا۔

فاحشۃ اس مقام پر ہم جنسی اور لواطت کیلئے کنایہ ہے۔

(۲۹) حضرت لوط نے اس کے بعد اپنے مقصد کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کیا اور کہا کہ آیا تم مردوں کے پیچھے جاتے ہو۔

اور کیا تم نسل انسانی کی بقاء کی راہ کو قطع کرتے ہو۔

اور کیا تم اپنے ان مقامات پر جہاں تم جمع ہوتے ہو برے اعمال کے مرتکب ہوتے ہو۔

اب اس پر غور کیجئے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پیغام حق کے جواب میں اس گم راہ اور بے شرم قوم کا کیا جواب تھا؟

قرآن میں یہ ذکر ہے کہ ان کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہ تھا

''اگر تو سچا ہے تو ہمارے لئے خدا کا عذاب لے آ''۔

(۳۰) یہ وہ مقام تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام بالکل بے بس ہو گئے اور درگاہ الٰہی میں غم واندوہ سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ عرض کی۔

''خدایا! تو مجھے اس مفسد قوم پر فتح عنایت فرما''۔

یہ وہ قوم ہے جس نے زمین کو فساد اور تباہی سے بھر دیا ہے انہوں نے اخلاق اور تقویٰ کو برباد کر دیا ہے عفت اور پاکدامنی

سے منہ موڑ لیا ہے عدل اجتماعی کو روندڈالا ہے شرک و بت پرستی میں فساد اخلاق اور ظلم وستم بھی شامل کر لیا ہے اور نسل انسانی کو فنا اور نیستی کی دھمکیاں دے رہے ہیں خدایا! تو ان مفسدین پر مجھے کامیابی عنایت فرما۔

(۳۱)وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۚ ۖ	اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تو (بیٹے کے تولد کی بشارت دیتے ہوئے) انہوں نے کہا: ہم (قوم لوط کی) اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ اس کے باشندے ظالم ہیں۔
(۳۲) قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ	(تو ابراہیم نے) کہا: اس بستی میں تو لوط بھی ہے؟ تو انہوں نے کہا: کہ جو لوگ اس بستی میں رہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیں گے سوائے اس کی بیوی کے۔ وہ اس قوم میں باقی رہ جائے گی۔
(۳۳) وَ لَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ	اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ انہیں دیکھ کر غمگین اور پریشان ہو گئے۔ انہوں (فرشتوں) نے کہا: ڈرو نہیں اور غم نہ کھاؤ۔ ہم تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو لے جائیں گے سوائے تمہاری بیوی کے کہ وہ قوم میں باقی رہ جائے گی۔
(۳۴) اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ	ہم اس بستی کے باشندوں پر ان کی بدکاری کے باعث آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔

(۳۵) وَلَقَد تَرَكْنَا مِنهَآ ءَايَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ	ہم نے اس آبادی کی ایک کھلی ہوئی نشانی ان لوگوں کے لئے چھوڑ دی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

تفسیر

گناہ گاروں کا انجام

آخرکار حضرت لوطؑ کی دعا مستجاب ہوئی اور خدا کی طرف سے اس قوم تباہ کار کے خلاف سخت سزا کا حکم صادر ہوا۔ وہ فرشتے جو عذاب نازل کرنے پر مامور تھے قبل اس کے کہ سرزمین لوط پر اپنا فرض ادا کرنے کیلئے جاتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس ایک اور پیغام لے کر گئے اور وہ پیغام تھا حضرت ابراہیمؑ کے فرزند کی پیدائش کی خوشخبری۔ چنانچہ کہا گیا ہے جس وقت ہمارے ایلچی حضرت ابراہیمؑ کے پاس بشارت لے کر گئے انہیں اسحاق اور یعقوب کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی اور پھر قوم لوط کی بستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس شہر اور اس میں رہنے والوں کو ہلاک کر دیں گے کیونکہ یہ لوگ ظالم ہیں۔

(۳۲) جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات سنی تو انہیں حضرت لوطؑ پیغمبر خدا کی فکر ہوئی اور کہا اس آبادی میں تو لوط بھی ہے۔ اس پر کیا گزرے گی؟

مگر فرشتوں نے فوراً جواب دیا۔ آپ فکر نہ کریں ہم ان سب لوگوں سے خوب واقف ہیں جو اس بستی میں رہتے ہیں۔

ہم اندھا دھند عذاب نازل نہیں کریں گے ہمارا پروگرام نہایت سنجیدہ اور نپا تلا ہے۔

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم لوط اور اس کے خاندان کو نجات دیں گے بجز اس کی بیوی کے کہ جو اس قوم کے ساتھ ہی مبتلائے عذاب ہوگی۔

(۳۳) یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ سے فرشتوں کی گفتگو ختم ہوگئی اور وہ حضرت لوطؑ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔

قرآن میں مذکور ہے کہ جس وقت ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ انہیں دیکھ کر غمگین اور پریشان ہوگیا۔

حضرت لوطؑ کا یہ اضطراب اس وجہ سے تھا کہ وہ انہیں پہچانتے نہ تھے۔ وہ فرشتے خوبصورت جوانوں کی صورت میں آئے تھے اور ایسے آلودہ معاشرہ میں ایسے مہمانوں کا آنا ممکن تھا کہ حضرت لوطؑ کیلئے پریشانی اور ان مہمانوں کے سامنے ہی بے آبروئی کا باعث ہوتا۔ مگر ان مہمانوں نے جب حضرت لوطؑ کے اضطراب کو دیکھا تو فوراً اپنا تعارف کروایا اور ان کی پریشانی کو ختم کر دیا۔

انہوں نے کہا کہ آپ نہ تو خوف زدہ ہوں اور نہ غم کریں۔ یہ بے شرم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بہت ہی جلد یہ سب کے سب نابود ہو جائیں گے ہم آپ کو اور آپ کے خاندان کو بچالیں گے سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہاں گناہ گاروں کے درمیان رہے گی اور ہلاک ہو جائے گی۔

(۳۴) اس کے بعد ان فرشتوں نے اس وجہ سے کہ اس بے شرم قوم کے متعلق ان پر جو فرض عائد کیا گیا تھا اس کی وضاحت کی یہ اضافہ کیا چونکہ یہ قوم نہایت فاسق اور گناہ گار ہے اس وجہ سے ہم اس بستی اور اس کے باسیوں پر آسمان سے عذاب نازل کریں گے۔

اس مقام پر قرآن شریف میں اس دردناک عذاب کی نوعیت کا جو اس قوم پر نازل ہوا۔ اس کی تفصیل ذکر نہیں ہے صرف اتنا ہی فرمایا گیا ہے کہ

''ہم نے ان آبادیوں کے ویرانوں کھنڈرات اور آثار بلا دیدہ کو ان لوگوں کیلئے جو عقل وفہم سے کام لیتے ہیں باقی رکھا ہے''۔

لیکن سورہ ہود کی آیت ۸۲ اور سورہ اعراف کی آیت ۸۴ میں ان پر نازل شدہ عذاب کی تشریح کی گئی ہے کہ اول تو شدید زلزلے نے ان کے شہروں کو کلی طور پر زیروزبر کر دیا۔ اس کے بعد ان پر آسمان سے پتھر برسے اتنی کثیر مقدار میں کہ ان کے بدن اور ویران شدہ مکانات ومحلات ان کے نیچے دفن ہو گئے۔

(۳۶) وَ اِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ ارۡجُوا الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ	اور ہم نے ان کے بھائی شعیب کو مدین کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! خدا کی عبادت کرو اور یوم آخرت کی اُمید رکھو اور زمین میں فساد نہ کرو۔
(۳۷) فَکَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ۫	مگر انہوں نے (اپنے نبی) جھٹلایا۔ پس انہیں زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور مر گئے۔
(۳۸) وَ عَادًا وَّ ثَمُوۡدَا۠ وَ قَدۡ تَّبَیَّنَ لَکُمۡ مِّنۡ مَّسٰکِنِهِمۡ ۟ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ وَ کَانُوۡا مُسۡتَبۡصِرِیۡنَ ۙ	اور ہم نے عاد وثمود کی قوموں کو بھی ہلا کر دیا اور ان کے (ویران شدہ) مکانات تمہارے سامنے موجود ہیں۔ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین کر دیا تھا اور انہیں راہِ حق اختیار کرنے سے روک دیا تھا جب کہ وہ دیکھ رہے تھے۔

(۳۹) وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۟ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۚ	اور ہم نے قارون' فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کر دیا۔ موسیٰ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ آئے مگر ان لوگوں نے روئے زمین پر اپنے آپ کو بڑا بنایا (اور تکبر کیا) مگر وہ ہم پر سبقت لے جانے والے نہ تھے۔
(۴۰) فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ	ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا۔ ہم نے ان میں سے بعض پر سنگریزوں کی بارش کا طوفان بھیجا اور ان میں سے بعض کو ایک چیخ (آسمانی کڑک) نے آ پکڑا اور بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو (پانی میں) غرق کر دیا۔ اور خدا نے ہرگز ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔

تفسیر

ظالموں کے ہر گروہ کی سزا مختلف تھی

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے تذکرے کے بعد دوسری قوموں کا ذکر آتا ہے مثلاً قوم شعیب' عاد و ثمود' قارون اور فرعون زیر نظر آیات میں ان میں سے ہر ایک کی طرف مختصر اور نتیجہ خیز اشارہ ہے۔

پہلے یہ کہا ہے ہم نے ان کے بھائی شعیب کو مدین کی طرف بھیجا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو بھائی کہا گیا ہے ہم نے اس کے متعلق بارہا کہا ہے کہ اس کلمہ کی وجہ استعمال یہ ہے کہ ان پیغمبروں کو اپنی امتوں سے انتہائی محبت تھی اور وہاں پر تفوق حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے نیز یہ کہ ان پیغمبروں کی اپنی قوموں سے رشتہ داری بھی تھی۔

مدین اُردن کے جنوب مغرب میں ایک شہر ہے آجکل اس کا نام معان ہے یہ شہر خلیج عقبہ کی مشرق میں ہے حضرت شعیب اور ان کی قوم وہیں رہتی تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے تمام پیغمبران بزرگ کی طرح مبداء و معاد کے اعتقاد سے جو کہ ہر دین کی اساس ہے اپنی دعوت کا آغاز کیا اور کہا اے میری قوم! تم خدا کی عبادت کرو اور روز قیامت کی امید رکھو۔

مبداء پر ایمان رکھنے سے انسان کو یہ احساس رہتا ہے کہ خدا دائمی طور پر اور مسلسل میرے اعمال کی نگرانی کر رہا ہے۔ اور معاد پر ایمان رکھنے سے انسان کو ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ اس روز بے کم و کاست میرے جملہ اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔ ان باتوں کا اعتقاد انسان کی اخلاقی تربیت اور اصلاح میں غیر معمولی اثر رکھتا ہے۔

حضرت شعیبؑ کی تبلیغ کا تیسرا حکم ایسا جامع عملی اصول تھا جس میں تمام معاشرتی اور اجتماعی پروگرام شامل تھے آپؑ نے فرمایا زمین پر فساد کرنے کی کوشش مت کرو۔

فساد کا مفہوم بہت وسیع ہے اس میں ہر قسم کی تخریب کاری' ویران گری' راہ راست سے انحراف اور ظلم شامل ہے اس تصور کی ضد صلاح و اصلاح ہے

(۳۷) مگر قوم شعیب نے اس کے بجائے کہ اس مصلح بزرگ کی نصائح کو گوش دل سے سنتے الٹی ان کی تکذیب کرنی شروع کر دی۔ ان کی یہ بد عملی اس بات کا سبب ہوئی کہ انہیں شدید زلزلے نے آ پکڑا۔ اور وہ لوگ اس حادثے سے اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر گئے۔

(۳۸) اس کے بعد کی آیت میں قوم عاد و ثمود کا ذکر ہے مگر ان اقوام سے ان کے پیغام کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے کہ یہ وہ قومیں تھیں جنہیں اس وقت کے مخاطبین قرآن خوب جانتے تھے نیز یہ کہ قرآن کی دوسری آیات میں ان کے پیغمبروں کا ذکر مکرر آیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے عاد و ثمود کی قوموں کو ہلاک کر دیا۔

اس کے بعد یہ اضافہ ہے کہ ان اقوام کی بستیوں اور ان کے مقامات کو تم کب جانتے ہو (ان کے شہروں کے ویرانے سر زمین حجر اور یمن میں تمہاری راہوں کے کنارے واقع ہیں)۔

تم ہر سال اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ یمن اور ملک شام کی طرف سفر کرتے ہو سر زمین حجر سے جو کہ جزیرۃ العرب کے شمال میں ہے اور احقاف سے جو کہ یمن کے قریب بجانب جنوب ہے گزرتے ہو اور عاد و ثمود کے شہروں کے کھنڈرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو پس تم ان کے انجام سے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟

اس کے بعد ان اقوام کی اصل بدبختی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین کر دیا تھا اور انجام کار انہیں راہ حق اختیار کرنے سے روک دیا تھا۔

حالانکہ وہ اقوام چشم بینا اور عقل و خرد رکھتی تھیں اور توحید و تقویٰ ان کی فطرت میں تھا اور پیامبران الٰہی نے بھی انہیں اچھی طرح راہ راست کی طرف رہبری کی تھی۔

(۳۹) اس آیت میں ان تین نافرمانوں کا ذکر ہے جن میں سے ہر ایک شیطانی طاقت کا واضح نمونہ تھا۔ وہ تھے قارون فرعون اور ہامان۔ فرمایا گیا ہے ہم نے قارون فرعون اور ہامان کو بھی ہلاک کر دیا۔ قارون اس ثروت کا مظہر ہے جس میں غرور غفلت اور خود غرضی بھی پائی جاتی تھی۔

فرعون ایسی متکبرانہ طاقت کا مظہر ہے جس میں شیطنت آمیختہ تھی اور ہامان مستکبر ظالموں کی معاونت کا نمونہ ہے۔

اس کے بعد مذکور ہے کہ موسیٰؑ ان تینوں کے پاس روشن دلائل لے کر آئے اور ان پر اتمام حجت کی۔

مگر انہوں نے زمین پر غرور تکبر اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔

مگر وہ لوگ ان اسباب ظاہری کے باوجود خدا پر سبقت نہ لے جا سکے اور اس کی قدرت کے پنجے سے نکل کے کہیں فرار نہ کر سکے۔

(۴۰) کیونکہ وہ اپنی پوری امکانی طاقت کے باوجود خدا کے دائرہ قدرت سے باہر نہ نکل سکے اور خدا کے عذاب سے نہ بچ سکے بلکہ جیسے ہی خدا نے ارادہ کیا اسی وقت انہیں نہایت ذلت ورسوائی کے ساتھ دیارعدم کو بھیج دیا۔

جیسا کہ خدا اس آیت میں فرماتا ہی ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا (فکلا اخذنا بذنبہ) چونکہ ماقبل کی دو آیات میں چار قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا تھا مگر ان کی سزاؤں کا ذکر نہ تھا وہ تھے قوم عاد وثمود قارون فرعون اور ہامان اس لئے اس آیت کے اخیر میں بالترتیب ان کی سزاؤں کا ذکر ہوا ہے چنانچہ فرماتا ہے ہم نے ان میں سے بعض پر شدید تباہ کن طوفان سنگریزوں کے ساتھ بھیجا۔

اس گروہ سے قوم عاد مراد ہے۔ان میں سے دوسروں کو آسمانی کڑک نے گھیر لیا۔

یہ وہ عذاب تھا جو قوم ثمود اور بعض دیگر اقوام پر نازل ہوا۔

اور ہم نے ان میں سے بعض کو زمین میں غرق کر دیا۔

یہ وہ سزا تھی جو بنی اسرائیل کے مغرور ومستکبر قارون کو دی گئی تھی آخر کار ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ فرعون وہامان اوران کے ساتھیوں کی طرف اشارہ ہے

آیت کے آخیر میں اس حقیقت کی تاکید کیلئے کہ یہ لوگ اپنے ہی اعمال سیاہ کے ردعمل کے طور پر ان عذابوں میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے جو بیج بویا تھا اس کی فصل کاٹی خدا فرماتا ہے خدا نے ہرگز ان پر ظلم وستم نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔

گناہ گاروں کو خواہ اس دنیا میں سزا دی جائے یا اس دنیا میں درحقیقت وہ ان ہی کے گناہوں کا ردعمل ہوگا اور اس مقام پر جہاں اصلاح اقوال اور بازگشت کی تمام راہیں ان پر بند ہو جائیں گی وہ بداعمالیاں ان کے سامنے مجسم ہو جائیں گی۔

(۴۱) مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ	جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو اپنا معبود اور ولی بنا رکھا ہے۔وہ مکڑی کی مانند ہیں جو اپنے لئے (جالا تنتی اور) گھر بناتی ہے، جب کہ مکڑی کا گھر کمزور ترین گھر ہے، کاش کہ وہ لوگ اس بات کو سمجھتے۔
(۴۲) اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	وہ لوگ خدا کے علاوہ جسے بھی پکارتے ہیں خدا اسے جانتا ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

(۴۳) وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ	اور ہم لوگوں کے سمجھانے کیلئے یہ مثالیں بیان کرتے ہیں اور اہل علم کے سوا کوئی انہیں نہیں سمجھتا۔
(۴۴) خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِکَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۧ	خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق پر پیدا کیا ہے یقیناً اہل ایمان کیلئے ان میں نشانیاں ہیں۔

تفسیر

مکڑی کے جالے کی مانند کمزور امید گاہیں

گزشتہ آیات میں مفسد، مستکبر، ہٹ دھرم اور ناانصاف ظالم مشرکین کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ زیر بحث آیات میں اسی مناسبت سے ایک قابل توجہ اور ناطق مثال ان لوگوں کیلئے ہے جو غیر خدا کو اپنا معبود اور ولی قرار دیتے ہیں ہم اس مثال پر جتنا بھی غور کریں اتنے ہی زیادہ نکات ہماری سمجھ میں آتے ہیں۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے جو لوگ غیر خدا کو اپنا معبود اور ولی بناتے ہیں وہ مکڑی کی مانند ہیں جو اپنے لئے جالا تنتی ہے جب کہ مکڑی کا گھر سب سے کمزور گھر ہوتا ہے اے کاش وہ یہ جانتے۔

لیکن جن لوگوں نے ایمان اور خدا پر توکل کو اپنی پناہ گاہ بنایا ہے حقیقت میں ان کا تکیہ مضبوط دیوار پر ہے۔

اس مقام پر اس نکتے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ باوجودیکہ مکڑی کا جالا اور اس کے تار کمزوری کیلئے ضرب المثل ہیں لیکن وہ عجائب آفرینش میں سے بھی ہے اگر انسان اس پر غور کرے تو وہ خالق حقیقی کی عظمت سے اور بھی زیادہ آشنا ہو جائے۔

مکڑی کے جالے کی ساخت میں جو میٹریل استعمال ہوتا ہے اس کے عجیب ہونے کے علاوہ اس کی ساخت اور مہندسی شکل بھی قابل توجہ ہے اگر ہم کسی مکڑی کے سالم گھر کو غور سے دیکھیں تو ان ہی نازک تاروں میں ہمیں آفتاب درخشاں کی طرح کا ایک دلچسپ منظر نظر آئے گا البتہ مکڑی کیلئے یہ گھر نہایت مناسب اور آئیڈیل ہے لیکن بحیثیت مجموعی اس سے زیادہ کمزور مکان کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور وہ معبود بھی جن کی خدا کے علاوہ پرستش کی جاتی ہے ایسے ہی ہیں۔

(۴۲) اس کے بعد کی آیت میں غافل اور بے خبر مشرکین کو تہدید آمیز تنبیہ کی گئی ہے چنانچہ کہا گیا ہے خدا ہر اس شے کو جسے وہ خدا کے علاوہ پکارتے ہیں جانتا ہے۔

ان کا شرک جلی ہو یا شرک خفی کوئی بھی خدا سے پوشیدہ نہیں ہے وہی خدا قادر مطلق لازوال اور حکیم علی الاطلاق ہے۔

اگر خدا نے ان کفار کو مہلت دے رکھی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ان کے اعمال کو جانتا نہیں یا اس کی قدرت محدود ہے بلکہ یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ انہیں کافی مہلت دے تاکہ ان سب پر اتمام حجت ہو جائے اور ان میں سے جن افراد میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہے وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں۔

(۴۳) زیرنظر آیات میں سے تیسری آیت دشمنان پیغمبر کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو وہ اس قسم کی مثالوں پر کیا کرتے تھے وہ کہتے تھے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خدا جو زمین وآسمان کا خالق ہے مکڑی، مکھی اور اسی طرح کے حشرات کی مثالیں دے۔ قرآن میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کیلئے یہ مثالیں بیان کرتے ہیں اور اہل علم کے سوا انہیں کوئی نہیں سمجھتا۔

(۴۴) زیر بحث آیات میں سے آخری آیت میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ خدا نے آسمان اور زمین کو حق پر خلق کیا ہے اس میں ایمان لانے والوں کیلئے عظیم نشانی ہے۔

خدا کا کوئی کام بھی باطل اور عبث نہیں ہے اگر خدا کسی وقت مکڑی اور اس کے کمزور اور بے بنیاد گھر کی مثال دیتا ہے تو درست ہے اور اگر وہ مثال کیلئے کسی حقیر سے وجود کا انتخاب کرتا ہے تو حق کو بیان کرنے کیلئے ہے وگرنہ اس کیلئے کسی بڑی چیز کی مثال کو اختیار کرنا کونسا مشکل تھا کیونکہ وہ تو عظیم کہکشاؤں اور نظامہائے آسمانی کا خالق ہے۔

(۴۵) اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ	کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے پڑھا کرو اور نماز قائم کرو کیونکہ نماز فواحش ومنکرات سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر برتر و بالا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے جانتا ہے۔

تفسیر

نماز اعمال قبیح سے روکتی ہے

پیغمبران اولوالعزم اور اقوام گزشتہ کی سرگزشت کی حصے اور ان رہبران الٰہی سے ان کا نامناسبت وناسزا سلوک اور ان اقوام کی زندگی کے غم انگیز انجام کے بعد، خداوند عالم کا روئے سخن بجانب پیغمبر اسلام ﷺ ان کی دل جوئی، تسلی خاطر، تقویت روح اور انہیں ایک کلی اور جامع دستور العمل دینے کیلئے منعطف ہوتا ہے انہیں دو حکم دیئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ کتاب الٰہی کا جتنا حصہ تمہیں وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کرو۔

انہیں پڑھو اور ان سے ہدایت حاصل کرو پڑھو اور ان کی تلاوت سے اپنا قلب روشن کرو۔

پہلے حکم کے بعد جس میں تعلیم کا پہلو ہے دوسرا حکم یہ ہے کہ نماز قائم کرو۔

اس کے بعد نماز کے عظیم فوائد کا ذکر ہوا ہے اور وہ یہ ہیں نماز انسان کو اعمال فحش اور منکرات سے باز رکھتی ہے۔

چونکہ نماز کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو مبداء ومعاد کی یاد دلاتی ہے جو کہ کج روی سے بچے رہنے کا قوی ترین سبب ہے۔

اس لئے وہ اسے اعمال فحش اور منکرات سے باز رکھتی ہے۔

بلحاظ شرائط کمال اخلاص اور روح عبادت جس نماز کا جتنا معیار ہے وہ اسی قدر فحشاء اور منکر سے دور رہتا ہے بمناسبت معیار

کبھی تو مکمل طور پر انسان بچا رہتا ہے اور کبھی محدود طور پر۔

۴۔نماز کا یہ اثر اس قدر اہم ہے کہ بعض روایات میں اسے نماز کے مقبول ہونے کا معیار قرار دیا گیا ہے۔جیسا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے

''جو آدمی یہ جاننا چاہے کہ اس کی نماز خدا کے حضور میں مقبول ہوئی یا نہیں تو اسے چاہئے کہ یہ دیکھے کہ کیا اس کی نماز نے اسے فحشاء اور منکرات سے روکا ہے یا نہیں بس اس کی نماز نے جس قدر اسے ان افعال سے روکا ہے اسی قدر اس کی نماز مقبول ہوئی ہے''۔

آیت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ذکر خدا اس سے بھی زیادہ برتر و بالا ہے۔

اس جملے میں نماز کا ایک اہم ترین فلسفہ بیان کیا گیا ہے یعنی نماز کی برکات و آثار میں سے نہی عن الفحشاء والمنکر سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ نماز انسان کو خدا کی یاد میں مشغول کر دیتی ہے یہی وہ چیز ہے جو ہر خیر و سعادت کی بنیاد ہے یہاں تک کہ انسان کے فحشاء اور منکر سے بچے رہنے کا اصل عامل بھی ذکر اللہ ہی ہے اور حقیقت میں نماز کی جملہ برکات میں سے اس کی برتری کا باعث یہ ہے کہ یہی ہر خیر و سعادت کی بنیاد ہے۔

انسان کی نیت اور اس کے حضور قلب کی کیفیت و کمیت نماز اور دیگر تمام عبادات میں مختلف رہتی ہے اس لئے آیت کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔یعنی خدا جانتا ہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔

تم کونسے اعمال مخفی طور پر اور کون سے آشکارا طور پر انجام دیتے ہو۔تمہاری کیا کیا نیتیں ہوتی ہیں اور تم زبان سے کیا کچھ کہتے ہو خدا ان سب باتوں کو جانتا ہے۔

(۴۶)وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ	اور تم اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر احسن طریقہ سے،سوائے ان لوگوں کے جو ظلم کے مرتکب ہوں اور ان سے کہو کہ خدا کی طرف سے جو کچھ ہم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔
(۴۷) وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ	اس طرح ہم نے تم پر کتاب نازل کی ہے۔پس جن لوگوں کو ہم نے (اس سے قبل) آسمانی کتاب دی تھی وہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے اور (مشرکین کے) اس گروہ میں سے بھی بعض اس پر ایمان لائیں گے اور ہماری آیات کا کفار کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا۔

(۴۸) وَ مَا كُنتَ تَتلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ	اور تم نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی، نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ ضرور شک کرتے کہ جو تمہاری باتوں کو باطل کرنے کے درپے ہیں۔
(۴۹) بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ	بلکہ یہ (کتاب آسمانی کی) روشن آیات ہیں جو ان لوگوں کے سینے میں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔ اور ظالموں کے سوا ہماری آیات کا کوئی انکار نہیں کرتا۔

تفسیر

بحث کیلئے بہترین روش اختیار کرو

گزشتہ آیات میں جاہل اور آمادہ بجنگ بت پرستوں کے متعلق گفتگو تھی جس کا لہجہ مقتضائے حال کے مطابق تند اور سخت تھا۔

لیکن آیات زیر بحث میں اہل کتاب سے بحث ومباحثہ کا ذکر ہے کہ وہ عمدہ طریقہ سے ہونا چاہئے۔

اس سلسلے میں پہلے یہ فرمایا گیا ہے کہ بجز اس روش کے جو سب سے بہتر ہے اہل کتاب سے بحث نہ کرو۔

اس مقام پر تجادلوں سے مراد مدلل گفتگو ہے۔

بنابریں اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ بدوران مباحثہ تمہارے الفاظ مودبانہ ہوں گفتگو کا لہجہ دوستانہ ہو اور مضمون مدلل ہو آہنگ صدا میں شور وغل خشونت اور ہتک احترام کا شائبہ نہ ہو۔

مگر ہر قانون میں استثناء بھی ہوتا ہے مثلاً اسی اسلامی اصول بحث کے تحت نرم گفتاری اور حسن تکلم کو بعض اوقات فریق مخالف موقف کی کمزوری پر محمول کر سکتا ہے یا ممکن ہے کہ یہ مبنی بر انسانیت شیوہ گفتار طرف مقابل کی جرات اور جسارت میں اضافہ کر دے اسی لئے آیت کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے مگر ان لوگوں کے ساتھ یہ اسلوب گفتگو اختیار نہ کرو جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے۔

وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اوپر اور دوسروں پر ظلم کیا اور انہوں نے بہت سی آیات الٰہی کو چھپایا تا کہ لوگ پیغمبر اسلام ﷺ کے اوصاف سے آشنا نہ ہوں۔

آیت کے آخر میں مجادلہ احسن کی ایک ایسی مثال پیش کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کی بحثوں کیلئے ہمیشہ ایک نادر نمونہ ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے تم ان سے کہو کہ ہم اس پر جو خدا کی طرف سے ہم پر اور تم پر نازل ہوا ہے ایمان رکھتے ہیں تمہارا اور ہمارا معبود ایک ہے اور ہم اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

(۴۷) اس آیت ان چار اصولوں کی تاکید کے طور پر آئی ہے جو آیت ما قابل میں بیان ہوئے ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے ہم

نے تم پر اسی طرح کتاب آسمانی نازل کی ہے۔

اس قرآن کے نزول کی اساس یہ ہے کہ ذات معبود واحد و یکتا ہے تمام پیغمبران برحق کی دعوت کی غایت ایک ہی تھی فرمان الٰہی کی بیچوں و چرا اطاعت کی جائے اور لوگوں سے مجادلہ ومباحثہ بہترین طریقہ پر کیا جائے۔

اس کے بعد قرآن اضافہ کرتا ہے وہ لوگ جنہیں ہم نے اس سے قبل آسمانی کتاب دی تھی اور وہ واقعی اس کی اتباع کرتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لے آئیں گے۔

اس کے بعد مزید کہا گیا ہے ان میں سے بھی ایک گروہ اہل مکہ ومشرکین عرب اس قرآن پر ایمان لے آئیں گے۔

آیت کے آخر میں دونوں قسم کے کفار کے متعلق کہا گیا ہے ہماری آیات کا کفار کے علاوہ کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔

مگر بزرگوں کی کورانہ تقلید، جاہلانہ تعصب اور نامشروع اور وقتی دنیاوی مفاد کا خیال انہیں انکار پر آمادہ کر دیتا ہے اور کلمۃ الحق کہنے سے روکے رکھتا ہے۔

(۴۸) اس کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کے دعویٰ کی حقانیت کو ثابت کرنے کیلئے جو کہ حقیقت میں آیہ گزشتہ کے مضمون پر تاکید ہے۔ اے رسول ﷺ! تم نے قرآن نازل ہونے سے قبل کوئی کتاب نہیں پڑھی اور تم ہرگز اپنے ہاتھ سے کچھ نہ لکھتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہارے وہ دشمن جو ہر وقت تمہاری دعوت کی تکذیب کی فکر میں رہتے ہیں۔ انہیں شک وتردد کا موقع مل جائے اور وہ کہیں کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ پرانی کتابوں کے مطالعے اور ان سے اخذ ونقل کا نتیجہ ہے۔

اے رسول ﷺ! تم ہرگز مکتب میں نہیں گئے اور کبھی عبارت نہیں لکھی لیکن وحی الٰہی کے ذریعہ مدرسین کو پڑھانے والا معاملہ ہو گیا۔

(۴۹) اس کے بعد کی آیت میں حقانیت قرآن کے اور دلائل بیان کئے گئے ہیں چنانچہ کہا گیا ہے یہ کتاب آسمانی ایسی آیات بینات کا مجموعہ ہے جن کی جگہ اہل علم کے سینوں میں ہے۔ کلمہ آیات بینات اس امر کا مظہر ہے کہ حقانیت قرآن کے دلائل خود اسی میں موجود ہیں وہ آیات ہی سے روشن ہیں اور یہ آیات خود اپنی صداقت کی دلیل ہیں۔

علاوہ بریں ان آیات کے طرف دار اور گرویدہ وہ لوگ ہیں جنہیں علم ومعرفت حاصل ہے ہر چند کہ وہ تہی دست اور پابرہنہ ہیں۔

اس آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے عناد پیشہ ستمگروں کے علاوہ کوئی بھی ہماری آیات کا انکار نہیں کرتا۔

علاوہ بریں مجموعی طور پر ان آیات کے مضامین اور مشمولات روشن وآشکارا ہیں اسی وجہ سے انہیں بینات کہتے ہیں اور گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی ان کے مضامین آئے ہیں۔

(۵۰) وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ	اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے معجزات نازل کیوں نہیں ہوئے؟ ان سے کہہ دو کہ معجزات تو صرف خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

(۵۱) اَوَ لَمۡ یَکۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَةً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۫	اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر یہ آسمانی کتاب نازل فرمائی ہے جو ہمیشہ انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے یقیناً اس میں ایمان لانے والوں کیلئے رحمت ونصیحت ہے۔
(۵۲) قُلۡ کَفٰی بِاللّٰهِ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ شَهِیۡدًا ۚ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَ کَفَرُوۡا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ	(اے رسولؐ!) ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا ہی گواہ کافی ہے اور وہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اُس سب کو جانتا ہے۔ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور انہوں نے خدا کا انکار کیا وہ خسارے میں ہیں۔
(۵۳) وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ لَوۡ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَیَاۡتِیَنَّهُمۡ بَغۡتَةً وَّ هُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ	یہ لوگ تجھ سے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں۔ اگر ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر (اللہ کا) عذاب آ ہی جاتا یہ عذاب آخر کار ان پر ناگہانی طور پر نازل ہوگا جب کہ وہ (بالکل) بے خبر ہوں گے۔
(۵۴) یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیۡطَةٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ۙ	یہ تجھ سے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں جبکہ جہنم تو کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔
(۵۵) یَوۡمَ یَغۡشٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ وَ یَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	اور جس دن (اللہ کا) عذاب انہیں اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے گا تو ان سے کہا جائے گا: تم جو کام کیا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو (اور یہ بہت سخت اور دردناک دن ہوگا)

تفسیر

کیا قرآن بطور معجزہ کافی نہیں ہے؟

جو لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور باطل پر اصرار کی وجہ سے اس بات پر آمادہ نہیں تھے کہ قرآن کے استدلال اور منطقی بیان کو بہ اطاعت قبول کرلیں انہوں نے ایک نیا بہانہ تلاش کرلیا۔ چنانچہ قرآن کی زیر بحث آیات میں سے پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے کہ انہوں نے بطور تمسخر کہا کہ اس پر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا کی طرف سے معجزات کیوں نازل نہیں ہوئے۔

اس کے پاس عصائے موسیٰ علیہ السلام ید بیضا اور دم مسیحا جیسے معجزات کیوں نہیں ہیں؟

بہرحال قرآن میں ان ہٹ دھرم بہانہ ساز لوگوں کو دو طرح سے جواب دیا گیا ہے۔

اول یہ کہ اے رسول ان سے کہہ دو کہ معجزہ میرا کام نہیں جو تمہاری خواہش کے مطابق صادر ہوتا رہے بلکہ تمام معجزات خدا کے اختیار میں ہیں۔

خدا ہی اس مصلحت کو بہتر جانتا ہے کہ کس قوم کیلئے کس وقت اور کونسا معجزہ مناسب ہے۔ اور ان سے کہہ دو کہ میں تو فقط ڈرانے والا اور خبردار کرنے والا ہوں۔

میرا فرض تو صرف ڈرانا تبلیغ کرنا اور تمہیں کلام خدا سنانا ہے رہا معجزات اور خوارق عادات کا دکھانا سو یہ خدا کے اختیار میں ہے۔

(۵۱) دوسرا جواب یہ ہے کہ کیا ان کیلئے یہی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر یہ کتاب آسمانی نازل کی ہے جو ہمیشہ انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

یہ لوگ مادی معجزات کا تقاضا کرتے ہیں اور آن حالیکہ قرآن برترین روحانی معجزہ ہے۔

یہ لوگ زودگزر معجزہ کا تقاضا کرتے ہیں جبکہ قرآن جاودانی معجزہ ہے اور رات دن اس کی آیات انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

آیت کے آخر میں مزید توضیح وتاکید کیلئے کہا گیا ہے اس آسمانی کتاب میں ایمان لانے والوں کیلئے عظیم رحمت اور نصیحت موجود ہے۔

واقعاً قرآن رحمت بھی ہے اور پند ونصیحت حاصل کرنے کا وسیلہ بھی ہے لیکن صرف اہل ایمان کیلئے صرف ان لوگوں کیلئے جنہوں نے حقیقت کو خوش آمدید کہنے کیلئے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیئے ہیں

(۵۲) چونکہ ہر مدعی کو اپنے اثبات دعویٰ کیلئے شاہد وگواہ کی ضرورت ہے اس لئے آیہ مابعد میں فرمایا گیا ہے اے رسول ان سے کہہ دو کہ یہی کافی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے۔

یہ امر واضح ہے کہ کوئی گواہ جس قدر بھی حقیقت قضیہ سے زیادہ باخبر ہوگا اس کی گواہی کی قدر اسی نسبت سے زیادہ ہوگی لہٰذا جملہ مابعد میں یہ اضافہ کیا گیا ہے وہ خدا جو میرا گواہ ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس سب کو جانتا ہے۔

ممکن ہے کہ صداقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گواہی عملی ہو۔ جب خدا نے قرآن جیسا عظیم معجزہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا تو گویا عملاً ان کی حقانیت کی سند بھی جاری کردی

مذکورہ بالا عملی گواہی کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں خدا کی قولی شہادت بھی موجود ہے۔

(۵۳) زیر بحث آیت میں کفار کی ایک تیسری بہانہ سازی کا ذکر ہے کہ یہ لوگ عذاب الٰہی کے بارے میں عجلت کرتے ہیں اور اسے تجھ سے بہت جلدی چاہتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر عذاب الٰہی حق ہے اور وہ کفار پر نازل ہوتا ہے تو وہ ہم پر کیوں نازل نہیں ہوتا

قرآن میں اس سوال کے تین جواب دیئے گئے ہیں

اول یہ کہ اگر وقت موعود متعین نہ ہوتا تو ان پر فوراً خدا کا عذاب نازل ہو جاتا۔

وقت اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ منشائے الٰہی یہ ہے کہ اول تو یہ خواب کفر سے بیدار ہوں اور اگر ایسا نہ ہو تو مہلت وقت سے ان پر اتمام حجت ہو جائے کیونکہ خدا اپنے کاموں میں بخلاف حکمت جلد بازی نہیں کرتا۔

دوسرے یہ کہ جو لوگ یہ بات کہتے ہیں انہیں اس کا کیا اطمینان ہے کہ ان کے طلب کرتے ہی ان پر عذاب نازل ہو جائے گا ؟ کیونکہ یہ عذاب تو اس حالت میں کہ وہ بے خبر ہوں گے ان پر ناگہاں اور بدون آثار نازل ہو جائے گا۔

اگر چہ عذاب کا وقت موعود معین و مقرر ہے مگر اس کی تاخیر میں مصلحت یہ ہے کہ کفار اس سے آگاہ نہ ہوا اور وہ ابتدائی آثار کے بغیر انہیں آ پکڑے۔

(۵۴) تیسرا جواب قرآن کی آیت مابعد میں دیا گیا ہے وہ یہ کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کفار تم سے عذاب الٰہی میں تعجیل کا تقاضا کرتے ہیں جب کہ جہنم نے ان کافروں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

مراد یہ ہے کہ اگر عذاب دینا میں تاخیر ہو جائے تو عذاب آخرت تو ان کیلئے سو فیصد قطعی اور یقینی ہے اور ایسا مسلم ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر ایک امر وقوعی کے طور پر کیا گیا ہے بایں الفاظ کہ جہنم گویا اب بھی ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے وہ روز بڑا سخت اور دردناک ہوگا جب عذاب الٰہی انہیں سر کے اوپر اور پاؤں کے نیچے سے گھیر لے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کرتے تھے آج اس کا مزہ چکھو۔

(۵۶) یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ	اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین وسیع ہے تم میری ہی عبادت کرو (اور دشمن کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ)۔
(۵۷) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ	ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم ہماری طرف لوٹ آؤ گے۔
(۵۸) وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۖ	اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہم انہیں بہشت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب بدلہ ہے۔

(۵۹) الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ	یہ وہ لوگ ہیں جو صبر (اور استقامت) اختیار کرتے ہیں۔اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں
(۶۰) وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ ۖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ	اور کس قدر چلنے پھرنے والے جاندار ایسے ہیں کہ جو اپنا رزق اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتے اللہ انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے اور وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

شان نزول

یہ آیت ان مومنین کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں کفار کا ظلم برداشت کر رہے تھے یہاں تک کہ وہ فرائض اسلامی کو بھی ادا نہ کر سکتے تھے اس لئے انہیں حکم دیا گیا کہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائیں۔

تفسیر

ہجرت کرنی چاہئے

گزشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ مشرکین نے اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں کیا کیا مختلف مواقف اختیار کئے مگر زیر بحث آیات میں خود مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی ہے یعنی ان مشکلات کی حالت میں جو مسلمانوں کو کفار کے نرغے میں ان کی طرف سے اذیت وآزار کی صورت میں پیش آرہی ہیں مسلمانوں کا کیا فرض ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے اے میرے بندو کہ جو ایمان لائے ہو اور دشمنان اسلام کے نرغے میں فرائض دینی ادا نہیں کر سکتے تو میری زمین وسیع ہے تم دوسری مقام کو ہجرت کر جاؤ اور وہاں میری عبادت کرو۔

کیونکہ آفرینش انسان کا مقصود خدا کی عبادت ہے

(۵۷) چونکہ وہ لوگ جو مشرکین کے شہروں میں رہتے تھے اور ہجرت کیلئے آمادہ نہ تھے ان کے دیگر عذروں میں سے ایک یہ تھا کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے شہروں سے نکل جائیں اور دشمنوں کی طرف سے موت یا بھوک اور دیگر خطرات سے دو چار ہو جائیں علاوہ ازیں ہم اپنے خویش واقارب، اولاد اور شہر و دیار سے جدائی کے غم میں مبتلا ہو جائیں۔

قرآن میں ان کے خطرات کا ایک جامع جواب دیا گیا ہے آخر کار سب انسانوں کا انجام موت ہے اور ہر شخص موت کا مزہ چکھے گا۔ پھر تم ہماری طرف لوٹ آؤ گے۔

اس آیت میں چند نعمتوں کا اس طرح ذکر ہے

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے ہم انہیں بہشت کے بالا خانوں میں جگہیں دیں گے جن کے نیچے

نہریں جاری ہوں گے۔

وہ لوگ ایسے محلات میں سکونت اختیار کریں گے جنہیں ہر طرف سے جنت کے درخت گھیرے ہوں گے اور طرح طرح کی نہریں جن کے پانی کا ذائقہ اور اس کا منظر مختلف ہوگا۔

بہشتی بالا خانوں کا امتیاز یہ ہے کہ وہ دنیاوی مکانات اور محلات کے مانند نہ ہوں گے کہ جن میں انسان تھوڑی دیر بھی آرام نہیں کر پاتا کہ کوچ کا نقارہ گونجنے لگتا ہے بلکہ اہل ایمان اور صالحین ان میں ہمیشہ رہیں گے (خالدین فیھا) آیت کے اخیر میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کیا اچھا اجر ہے ان لوگوں کا جو صرف خوشنودی خدا کیلئے عمل کرتے ہیں۔

(۵۹) اس کے بعد کی آیت مومنین عامل کے ہم اوصاف کو بیان کرتی ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو مشکلات کے مقابلے میں صبر واستقامت کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے بیوی بچوں، دوستوں، عزیزوں اور گھر بار سے جدا ہوتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔

یہ مومنین غربت کی تلخیاں وطن سے نکل کر بے وطنی کی سختیاں سہتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔

اگر ہم سچ مچ غور کریں تو صبر وتوکل ہی جملہ فضائل انسانی کی جڑ ہے صبر انسان کو موانع اور مشکلات کے مقابلے میں استقامت بخشتا ہے اور توکل اس راہ پر نشیب وفراز میں انسان کو آمادہ بہ عمل رکھتا ہے اس آیت میں سے آخری آیت میں ان لوگوں کے شکوک وشبہات کا جواب ہے جو اپنی زبان قال یا زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے شہر سے ہجرت کریں گے تو ہمیں روزی کون دے گا قرآن میں ان کے اس خوف کا یہ جواب دیا گیا ہے تم روزی کی فکر نہ کرو اور ذلت واسارت کے عیب وعار کو برداشت نہ کرو روزی رساں خدا ہے نہ کہ تم بلکہ زمین پر چلنے والی بہت سے جاندار ایسے بھی ہیں جو اپنا رزق اٹھا نہیں سکتے اور نہ وہ اپنے گھونسلوں اور بلوں میں غذا کا ذخیرہ کرتے ہیں اور ہر روز انہیں نئے رزق کی طلب ہوتی ہے مگر خدا انہیں بھوکا نہیں چھوڑتا اور انہیں رزق دیتا ہے وہی خدا تمہیں بھی رزق دے گا۔

چونکہ حاجت مندوں کو روزی پہنچانے کیلئے ضروری ہے کہ روزی رساں ان کی ضروریات سے آگاہ ہو اسی لئے آیت کے آخر میں ''وھو السمیع العلیم'' فرمایا گیا ہے یعنی وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

وہ تم سب کی باتیں سنتا ہے یہاں تک کہ تمہاری اور تمام حرکت کرنے والے جانداروں کی زبان حال کو بھی سنتا اور جانتا ہے تم سب کی ضروریات سے خوب آگاہ ہے اور کوئی چیز اس کے بے پایاں علم سے پنہاں نہیں ہے۔

(۶۱) وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	اگر ان سے تو پوچھے کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے خلق کیا اور کس نے تمہارے لئے شمس وقمر کو مسخر کیا ہے، تو وہ کہیں گے اللہ نے! تو پھر وہ (عبادت خدا سے) منحرف کیوں ہو رہے ہیں؟

(۶۲) اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَ یَقۡدِرُ لَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ	خدا اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بیشک خدا ہر چیز کا جاننے والا ہے۔
(۶۳) وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً	اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا
فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِہَا لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿	اور اس کے وسیلہ سے زمین کو اس کی موت کے بعد کس نے زندہ کیا تو کہیں گے کہ اللہ نے۔ تُو ان سے کہہ دے تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔
(۶۴) وَ مَا ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا لَہۡوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ لَہِیَ الۡحَیَوَانُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ	یہ دنیا کی زندگی تو لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں اور حقیقی زندگی کا مقام تو دارِ آخرت ہی ہے کاش کہ وہ لوگ جانتے ہوتے!
(۶۵) فَاِذَا رَکِبُوۡا فِی الۡفُلۡکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۚ فَلَمَّا نَجّٰہُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اِذَا ہُمۡ یُشۡرِکُوۡنَ ۙ	جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں (اور اس کے غیر کو بھول جاتے ہیں) مگر جب اللہ انہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو وہ پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔
(۶۶) لِیَکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَیۡنٰہُمۡ ۚۛ وَ لِیَتَمَتَّعُوۡا ٝ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ	(چھوڑو انہیں) تا کہ جو آیات ہم نے انہیں بخشی ہیں ان کا انکار کریں اور دنیا کی زود گزر لذات سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن بہت جلد انہیں معلوم ہو جائے گا۔

تفسیر

دل میں خدا زبان پر بت

آیات گزشتہ میں روئے سخن ان مشرکین کی طرف تھا جنہوں نے حقانیت اسلام سمجھ تو لیا تھا لیکن اس خوف سے کہ ان کی بسر اوقات کے ذرائع منقطع ہو جائیں گے وہ ایمان کو قبول کرنے اور ہجرت کرنے کیلئے آمادہ نہ تھے آیات زیر بحث میں روئے سخن بجانب

پیغمبر اسلام ﷺ اور در حقیقت تمام مومنین کی طرف ہے ان آیات میں دلائل توحید کو خلقت ربوبیت اور فطرت کی بنیاد پر تین مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے ان دلائل کے ذریعے یہ بات ان کے دل نشین کی گئی ہے کہ ان کی تقدیر اس خدا کے ہاتھ میں ہے جس کی قدرت کے آثار تم انفس و آفاق میں دیکھتے ہو نہ کہ بتوں کیا ختیار میں کیونکہ اس معاملے میں ان کا کچھ دخل نہیں ہے۔

سب سی پہلی خلقت زمین و آسمان کا ذکر کیا گیا ہے اور مشرکین کے باطنی اعتقادات کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے اگر تم ان سے یہ سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے؟ اور کس نے بندوں کے مفاد میں سورج اور چاند کو اپنے زیر فرمان مسخر کر رکھا ہے تو سب کے سب بیک زبان جواب دیں گے اللہ نے۔

کیونکہ یہ مسلم ہے کہ بت پرست یا ان کے علاوہ کوئی آدمی بھی یہ نہیں کہتا کہ خالقِ زمین و آسمان اور تسخیر کنندہ خورشید و ماہ یہ حقیر سے پتھر اور لکڑی کے بت ہیں جنہیں انسانوں نے اپنے ہاتھ سے تراشا ہے۔

اس روشن دلیل کے بعد آیت کے اخیر میں فرمایا گیا ہے جب حقیقت یہ ہے تو یہ کفار خدا کی عبادت سے منہ موڑ کے پتھر اور لکڑی سے تراشے ہوئے ناچیز بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔

اس مقام پر "یوفکون" صیغہ مجہول استعمال ہوا ہے اس سے مراد ہے کہ مشرکین بحالت شعور استدلال عقلی کی ساتھ ایسا نہیں کرتے بلکہ ارادہ کے بغیر بت پرستی کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔

(۶۲) اس کے بعد اس مفہوم کی تاکید کیلئے کہ خالق و رازق وہی ہے یہ اضافہ کیا گیا ہے خدا اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے۔

اور جس کیلئے چاہتا ہے محدود اور تنگ کر دیتا ہے۔

اگر مومنین یہ تصور کریں کہ خدا قدرت تو رکھتا ہے مگر ان کے حالات سے آگاہ نہیں ہے تو یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ خدا عالم کل ہے۔

یہ بات ہر گز قابل تصور نہیں کہ خدا خالق و مدبر عالم ہو اور اس کا فیض بہ تسلسل لحات موجودات کو پہنچ رہا ہو اور وہ ان کی حالت سے آگاہ نہ ہو۔

(۶۳) دوسرے مرحلے میں خدا کی ربوبیت اور اس کی طرف سے رزق کے چشمے جاری ہونے کا ذکر ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے اگر ان مشرکین سے تم یہ سوال کرو کہ آسمان سے پانی کون برساتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اس کے وسیلہ سے کون زندہ کرتا ہے؟ تو وہ سب بیک زبان کہیں گے اللہ۔

بت پرستوں کا یہ باطنی اعتقاد ہے یہاں تک کہ انہیں اس کی زبان سے اقرار کرنے سے بھی انکار نہ تھا کیونکہ وہ بھی خدا ہی کو خالق اور رب سمجھتے تھے اور اسی کو مدبر عالم سمجھتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہو کہ حمد و ستائش صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔

حمد وسپاس اس ذات کیلئے ہے جو تمام نعمتوں کا بخشنے والا ہے

اور چونکہ مشرکین کی گفتگو اوران کے عمل میں تناقض تھا اس لئے آیت کے اخیر میں ان کلمات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

وگرنہ کیونکر ممکن ہے ایک عاقل وفہمیدہ انسان اس قدر پراگندہ گوئی کرے کہ ایک طرف تو وہ اس ذات کو خدا کہے جو خالق و رازق ومدبر عالم ہے اور دوسری طرف بتوں کو سجدہ کرے۔

(۶۴) اور اس غرض سے کہ ان مشرکین کے خیالات وافکار کو اس محدود زندگی کے افق سے بلند کرے اور ان کی عقول کے سامنے ایک وسیع ترین عالم کا منظر پیش کرے خدا اس کے بعد کی آیت میں اس دنیا کی زندگی کی کیفیت کو سرائے آخرت کی حیات جاوداں کے مقابلے میں ایک بلیغ اور پر معنی عبارت میں اس طرح بیان کرتا ہے اس دنیا کی زندگی لہو ولعب کے سوا کچھ نہیں ہے اس زندگی میں کھیل کود اور لایعنی مشاغل کے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔

حقیقی زندگی دار آخرت ہی کی ہے کاش کہ وہ لوگ اس بات کو جانتے۔

یہ بدیہی ہے کہ قرآن کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ خدا حیات سرائے آخرت کے ذکر سے ان نعمات کی قدر کم کرے جو اس نے اپنے بندوں کو اس دنیا میں عنایت کی ہیں بلکہ اس موازنہ سے مقصود صرف یہ ہے کہ خدا انسان کے سامنے دونوں جہان کی زندگیوں کی قدر وحیثیت کو پیش کرنا چاہتا ہے علاوہ بریں یہ بھی پیش نظر ہے کہ وہ انسان کو متنبہ کرے کہ وہ ان نعمات دنیاوی کا اسیر نہ ہو جائے بلکہ ان کا حاکم ہو اور اپنی شخصیت کے جواہر اصلی کو ان کے عوض ضائع نہ کردے۔

(۶۵) تیسرے مرحلے میں انسان کی فطرت وسرشت کا بیان ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ بحرانی ترین حالات میں انسان کے دل میں نور توحید چمکنے لگتا ہے اس حقیقت کو ایک نہایت ہی واضح مثال سے روشن کیا گیا ہے۔

جس وقت وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خدا کو اخلاص کامل سے یاد کرتے ہیں۔اس وقت غیر خدا ان کے ذہن سے قطعی محو ہو جاتا ہے لیکن جب خدا انہیں طوفان اور گرداب سے رہائی بخش دیتا ہے اور بسلامت خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو وہ پھر مشرک ہو جاتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ شدائد زندگی اور طوفان حوادث ہی میں انسان کی فطرت کے جوہر کھلتے ہیں کیونکہ ہر انسان کی روح میں توحید کا نور چھپا ہوا ہے

غلط تعلیمات، غفلت وغرور بالخصوص ہر جہت سے سلامتی اور فراوانی دولت کی حالت میں اس نقطہ نورانی پر پردے پڑ جاتے ہیں مگر حوادث کے طوفان ان پردوں کو چاک کر دیتے ہیں غفلت کی گرد جھڑ جاتی ہے اور وہ نقطہ نورانی پھر چمکنے لگتا ہے۔

(۶۶) اس آیت میں خدا پرستی اور توحید باری تعالیٰ پر ان تمام استدلال کے بعد مخالفین اسلام کو خستہ کن تہدید شدید کے بعد، ارشاد خداوندی ہے وہ لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں اور ہماری عطا کردہ نعمات کے ناشکر گزار ہیں وہ چند روز ان جلد ختم ہو جانے والی لذات سے لطف اٹھالیں۔لیکن وہ جلد سمجھ جائیں گے کہ کفر وشرک کا انجام کیا ہوگا اور انہیں کن آفات میں مبتلا کردے گا۔

(٦٧) اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ	کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم (مکہ) کو مقام امن بنایا ہے، جبکہ اس سرزمین کے باہر سے لوگوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں؟ کیا یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟
(٦٨) وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ	اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہے یا جب اس کے سامنے حق بات آئے تو اس کی تکذیب کرتا ہے؟ کیا کافروں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے؟
(٦٩) وَ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۧ	اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں (خلوصِ نیت کے ساتھ) جہاد کیا ہم ضرور انہیں اپنی راہ کی ہدایت دیں گے اور خدا نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

شان نزول

مشرکین کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا اے محمد ﷺ! ہم آپ کے دین میں اس وجہ سے داخل نہیں ہوتے کہ ہم ڈرتے ہیں کہ مخالفین ہمیں اٹھا کر لے جائیں گے اور جلد ہی موت کے گھاٹ اتار دیں گے کیونکہ ہماری تعداد کم ہے اور مشرکین عرب کی جمعیت زیادہ ہے جیسے ہی انہیں یہ اطلاع ملے گی کہ ہم نے آپ کا دین قبول کرلیا ہے تو وہ ہمیں اٹھا کر لے جائیں گے ہم ان میں سے صرف ایک ہی شخص کی خوراک ہیں۔

اس مقام پر آیت اولم یروا..................نازل ہوئی۔

تفسیر

گزشتہ آیات میں بھی مشرکین کے اس بہانے کی طرف دوسری صورت سے اشارہ ہوا تھا کہ

ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم اظہار ایمان کر دیں اور اس کے ساتھ ہجرت کریں تو ہماری زندگی تو مختل ہو جائے گی قرآن میں ان کے اس بہانے کا مختلف طریقوں سے جواب دیا گیا ہے۔

زیر بحث آیات میں انہیں ایک اور طریقے سے جواب دیا گیا ہے خدا فرماتا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کیلئے حرم امن قرار دیا ہے (یعنی سرزمین پاک ومقدس مکہ)۔

جب کہ سارے عرب بدامنی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس سرزمین سے باہر انسانوں کو اٹھا کے لے جاتے ہیں

ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہے مگر اس سرزمین میں بیک حال امن وامان برقرار رہتا ہے۔

کیا اس کے باوجود وہ باطل پر ایمان رکھیں گے اور خدا کی نعمت کا انکار کرتے رہیں گے۔

(۶۸) قرآن میں اس روشن دلیل کے ذکر کے بعد بطور استقراء ایک کلیہ قائم کیا گیا ہے آیا ان لوگوں سے بھی زیادہ ظالم کوئی ہے جو خدا پر بہتان باندھتے ہیں یا جب حق ان کے پاس آتا ہے تو اس کا انکار کرتے ہیں۔

ہم نے تمہارے لئے اس امر کی واضح دلائل قائم کر دی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں ہے مگر تم تو خدا پر بہتان لگاتے ہو اور اس کیلئے شریک بنا لیتے ہو۔

علاوہ ازیں شرک جملہ معاشرتی مفاسد کی بنیاد ہے درحقیقت دوسرے مظالم اسی سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً ہوا پرستی جاہ پرستی یا دنیا پرستی ان میں سے ہر ایک، ایک قسم کا شرک ہے۔

لیکن ہر شخص متنبہ رہے کہ ایک نامبارک انجام مشرکین کے انتظار میں ہے کیا کافروں کا مقام و محل دوزخ نہیں ہے۔

(۶۹) زیر نظر آیات میں سے آخری آیت میں جس پر سورہ عنکبوت کا اختتام ہوتا ہے ایک اہم حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جو اس تمام سورت کا جوہر ہے اور اس کے آغاز سے ہم آہنگ ہے۔

فرمایا گیا ہے اگرچہ راہ خدا میں بہت سی مشکلات ہیں مثلاً ایک دشواری حق کو پہچاننے کی جہت سے ہے۔

شیاطین جن وانس کے وسوسوں کے لحاظ سے بھی دشواری ہے۔ بے رحم اور مغرور دشمنوں کی مخالفت بھی ایک دشواری ہے۔

علاوہ بریں وہ لغزشیں بھی ایک مشکل ہیں جن کا انسان سے سرزد ہونا ممکن ہے لیکن اس مقام پر ایک ایسی حقیقت بھی ہے۔ جو ان مشکلات کے مقابلے میں دل کو اطمینان بخشتی اور قوی رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور خدا نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

یہ ایک روشن امر ہے کہ کلمہ جہاد اور اسی طرح کلمہ فینا کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور اس کا اطلاق ہمہ جہت ہے وہ تمام کوششیں اور ہر قسم کا جہاد جو راہ خدا میں صرف اس کی رضا کیلئے کیا جائے اور جس کی غایت یہ ہو کہ انسان منشائے الہٰی کے تحت زندگی بسر کرے، اس مفہوم میں شامل ہیں خواہ انسان اکتساب معرفت الہٰی کی راہ میں کوشش کرے یا اپنے نفس سے جہاد کرے یا دشمنان اسلام سے جنگ کرے یا اطاعت الہٰی کی مشقت کو برداشت کرے یا وسوسہ معصیت کے مقابلہ میں استقامت اختیار کرے یا اپنی توانائی مستضعف افراد کی مدد کرنے میں صرف کرے یا کوئی اور نیک کام کرے غرض سب باتیں کلمات جہاد اور ''فینا'' کے مفہوم میں شامل ہیں۔

الغرض جو لوگ مذکورہ راہوں میں جس شکل و صورت سے بھی مجاہدہ کرتے ہیں خدا کی حمایت و ہدایت انکے شامل حال رہتی ہے۔

آیات ماقبل سے یہ مطلب بخوبی اخذ ہوتا ہے کہ ہمیں جو بھی شکست و ناکامی پیش آتی ہے وہ ان دو اسباب میں سے کسی ایک کی وجہ سے ہوتی ہے یا تو ہم نے جہاد میں کوتاہی کی ہے یا ہمارے عمل میں خلوص نہ تھا اگر یہ دونوں شرائط جہاد و اخلاص باہم جمع ہو جائیں تو اللہ کے تاکیدی وعدے کے مطابق ان کیلئے مقاصد میں کامیابی اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت یقینی ہے۔